بکھر گئے ہیں گلاب سارے

شازیہ چوہدری

دیباچہ

ساگر پبلشرز کے زیر اہتمام چھپنے والا یہ میرا دوسرا ناول ہے جو "پاکیزہ" میں دو سال تک قسط وار چھپتا رہا اور اپنے کرداروں اور موضوع کے تنوع کے باعث قارئین میں بہت مقبول رہا۔ ایک ادیب نے اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھا تھا کہ وہ اپنے کرداروں کے اندر گھس جاتا ہے، ان کی کھال اوڑھ لیتا ہے، پھر وہ ان کی آنکھ سے دیکھتا ہے، ان کے دماغ سے سوچتا ہے اور ان کے دلی جذبات کے مطابق ردعمل ظاہر کرتا ہے، وہ وہ نہیں رہتا بلکہ کردار کے قالب میں خود کو ڈھال لیتا ہے۔ میرا نکتہ نظر بھی یہی ہے۔ جب آپ کسی کردار کو اپنے اوپر طاری کر لیتے ہیں تو آپ اس کے فطری جذبوں اور خیالات کو بہت حقیقی انداز میں محسوس کر کے لکھ سکتے ہیں۔ کسی کے دل کا حال جاننے اور اس کا مسئلہ سمجھنے کے لئے خود کو اس کی سطح پہ اس کی جگہ پہ رکھ کے دیکھیں۔ تب ہی آپ اُس کو سمجھ سکیں گے اس کے دکھ کی آنچ محسوس کر سکیں گے۔ فطری انداز میں لکھنے کے لئے اس ہنر کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر آپ لوگوں کو میری تحریریں پسند آتی ہیں تو اس میں کمال میرا نہیں اس ہنر کا ہے جس کے ذریعے میں اپنے کرداروں کے اندر اتر کے ان میں ڈوب کے ان کے جذبات اور احساسات باہر نکال لاتی ہوں اور آپ کے آگے رکھ دیتی ہوں۔

میں نے مختلف طبقوں کے مسائل اور طرز زندگی کو ایک پلیٹ فارم پہ اکٹھا کیا ہے۔ لوئر کلاس کی راحت اور طلعت اذیت کی جس چکی میں پستی ہیں اس کی تفصیل بھی درج ہے دوسری طرف ایک مڈل کلاس شریف گھرانے کی باہمت خاتون کے باادب باکردار بیٹے اظہر اور محسن کی بھرپور زندگی کے مختلف رنگ بھی آپ کو دیکھنے کو ملیں گے۔ مصیبت کی ماری در بدر پھرتی نام نہاد "بیوہ" زرلالہ اور اس کے بچوں کے مسائل بھی آپ کے سامنے آئیں

گے اس کے علاوہ جاگیردار فیملی سے تعلق رکھنے والی ڈاکٹر شہریال اور انجینئر ساحر اپنی طرز زندگی اور تمام تر معاملات و مسائل سمیت کہانی میں جان ڈالتے نظر آئیں گے۔ دو جذباتی اور سمجھ بوجھ کے لحاظ سے جنونی قسم کے کردار سعود اور مہرینہ کا دلچسپ ٹاکرا بھی آپ کو محظوظ کرے گا۔ اس ناول میں میں نے ناصح بننے کی کوشش نہیں کی جو کچھ ہے جہاں ہے جیسا ہے آپ کے سامنے کھول کے رکھ دیا ہے اس لحاظ سے اس ناول میں میرا کام محض ایک ''عکاس'' کا ہے ایک کیمرہ مین کی طرح میں نے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے کرداروں کی روٹین لائف کو تحریر کی فوٹوگراف میں سمویا ہے لکھنے لکھانے میں جہاں میرے والد صاحب ڈاکٹر صابر چوہدری کی حوصلہ افزائی کا بہت عمل دخل ہے وہاں میرے شوہر طارق منظور کے بھرپور تعاون اور اخلاقی مدد کا بھی ہاتھ ہے انہوں نے ہر قدم پر میرا بہت ساتھ دیا اور مجھے لکھنے کے لئے موزوں ماحول فراہم کر کے اس ناول کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میرا ہاتھ بٹایا۔

اجازت دیجئے گا دعاؤں مین یاد رکھئے گا۔

شازیہ چوہدری

عرض ناشر

شازیہ چوہدری کے ناول ''شہر دل کے دروازے'' کے بعد ساگر پبلشرز سے ان کا دوسرا ناول ''نکھر گئے ہیں گلاب سارے'' پیش کیا جا رہا ہے۔ شازیہ چوہدری کا شمار خواتین کی ہر دلعزیز ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔ خصوصاً ان کا ناول ''نکھر گئے ہیں گلاب سارے'' دو سال تک ملک کے ممتاز ماہنامہ ''پاکیزہ ڈائجسٹ'' میں شائع ہو کر لاکھوں قارئین سے داد وصول کر چکا ہے۔

امید ہے ان کی یہ کاوش بھی آپ کو ''شہر دل کے دروازے'' کی طرح بے حد متاثر کرے گی کیونکہ شازیہ چوہدری جو بھی لکھتی ہیں وہ حقیقت کے اتنا قریب ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کو اپنے دل کی آواز محسوس ہونے لگے۔

ساگر پبلشرز

یہ کراچی کمپنی مارکیٹ کے عین سامنے واقع جی نائن ون سیکٹر کے ہلکے پیلاہٹ مائل پینٹ والے ساڑھے چھ مرلے کے ایک ڈبل سٹوری گھر میں اُترتی گلابی شام کا حسین منظر تھا۔ کچھ دیر پہلے عصر کی اذان ہوئی تھی۔ سیکٹر کے تمام گھروں کی طرح یہاں بھی پورچ کے وسیع و عریض احاطے کے کچھ حصے پر گھاس اُگا کر اسے چھوٹے سے لان کی شکل دے دی گئی تھی۔

ہری بھری گھاس پر ایک طرف سپید رنگت کی قدرے فربہی مائل ادھیڑ عمر خاتون سفید چادر میں جسم چھپائے مصلّے پر بیٹھی نماز پڑھ رہی تھیں۔ اس سے کچھ فاصلے پر کین کی کرسی بچھائے ایک حسین و جمیل دوشیزہ ہاتھ میں کتاب پکڑے مطالعہ کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر نرم سی کوملتا اور ملکوتی سی سندرتا بکھری ہوئی تھی۔ معصومیت و جاذبیت اور نسوانیت کا ایسا دلکش امتزاج تھا کہ دیکھنے والی نظر بے اختیار پاکیزگی سے جھک جاتی تھی۔

لڑکی کا دھیان بار بار گھاس پر اچھلتے کودتے تین بچوں کی طرف لوٹ جاتا تھا۔

تینوں ہی سرخ و سفید، صحت منداور گول مٹول سے تھے۔ اُن کی عمروں میں بمشکل ایک سال کا فرق ہوگا۔

''سارہ! میرا جہاز کیوں توڑا ہے۔ گندی بچی۔ مہراب انکل کراچی سے لائے تھے۔ دیکھ اس کے دونوں پر توڑ دیئے ہیں تم نے۔'' ساڑھے تین سالہ ولی نے غصیلی نظروں سے بہن کو دیکھتے ہوئے روہانسے انداز میں کہا۔

''میں نے نہیں تولا بھائی۔'' ڈھائی سالہ سارہ نے توتلی زبان میں صفائی پیش کی ''خود ہی توت گیا تھا۔'' وہ معصومیت سے مزید گویا ہوئی۔

''اوں ہوں۔ سارہ۔ بھائی سے سوری کرو۔ اچھے بچے جھوٹ نہیں بولتے۔ ورنہ زبان کالی ہوجاتی ہے۔ بے شک مما سے پوچھ لو۔'' ساڑھے چار سالہ علی نے بردباری سے بہن کو ٹوکا۔

''ہیں مما۔'' سارہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کرسی پر بیٹھی اپنی خوبصورت اور کم عمری مما سے تصدیق طلب کی۔ ''شی۔ آہستہ۔ جیا نماز پڑھ رہی ہیں۔ شور نہیں کرو۔''

''نماز پل رہی ہیں۔'' سارہ نے اپنے مخصوص انداز میں دوبارہ مستفسرانہ نظریں ماں کی طرف مرکوز کیں۔

''ہاں۔ جیا اللہ اللہ کر رہی ہیں۔''

''اللہ اللہ کرنے اور نماز پڑھنے سے کیا ہوتا ہے مما۔'' ولی کو تجسس لاحق ہوا۔

''اللہ میاں جی خوش ہوتے ہیں۔ ہم سے پیار کرتے ہیں اور جو مانگو وہ دے دیتے ہیں۔''

''سچ مما۔ جو بھی مانگو؟'' ولی متحیر سا ہو کر آنکھیں پٹپٹانے لگا۔

''ہاں۔'' ماں نے ممتا بھری حسین نظر سے پیار نچھاور کیا۔

''ٹھیک ہے۔ پھر میں بھی نماز پڑھوں گا۔ اور اللہ میاں جی سے کہوں گا میرا ٹوٹا ہوا جہاز ٹھیک کر دیں یا اس کی جگہ نیا دے دیں۔ آؤ علی جیا کے ساتھ نماز پڑھیں۔''

دونوں بھائی گھاس پر جیا کے مصلے کے پاس کھڑے ہو گئے اور ان کی نقل میں جیسے تیسے رکوع و سجود کرتے گئے۔ نماز ختم کرنے کے بعد جب جیا نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو وہ دونوں بھی خشوع و خضوع سے شروع ہو گئے۔ ہل ہل کر اپنی مطلوبہ دعائیں مانگنے لگے۔

''اللہ میاں ٹافی دے دے' اللہ میاں چاکلیٹ دے دے' اللہ میاں جہاز دے دے۔ اللہ میاں بڑی سی ڈونلڈ ڈک اور پنک پینتھر دے دے۔ اللہ میاں جی میرے فرینڈ حسن کے پاس جو ایئر گن ہے ویسی ہی مجھے بھی دے دے۔''

گیٹ پر بیل ہوئی تھی۔ چند قدم پر گیٹ تھا۔ وہ کتاب رکھ کر دیکھنے چلی گئی۔

''ارے مہراب بھائی آپ!'' جیا کے اکلوتے بیٹے کو سوٹ کیس تھامے دیکھ کر وہ چونک گئی تھی۔ مہراب اونچے قد کا ایک خوش شکل' ہنس مکھ اور ملنسار نوجوان تھا ''آپ کراچی سے بغیر اطلاع دیئے آ گئے؟'' اس نے شائستگی و جھجک سے اسے مخاطب کیا۔

''ہم نے سوچا اسلام آباد والوں کو سرپرائز دیا جائے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا ''اور کیسی ہیں

۔ ٹھیک تو ہیں؟ علی اور ولی نرسری سکول میں ایڈجسٹ ہو گئے ہیں یا ابھی تک آپ کو تنگ کر رہے ہیں۔'' مہراب کی نظریں بڑی احتیاط مگر شوق و دلچسپی سے زرلالہ کے نرم و صبیح چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''جی۔ آپ آیئے پلیز۔'' وہ حسب عادت نظر جھکا کر آہستگی سے ایک سمت ہو گئی۔

جونہی مہراب نے لان کا دلربا منظر ملاحظہ کیا۔ بے ساختہ ہنسی کرنوں کی طرح اُس کے لبوں کے گوشوں سے نمودار ہونے لگی۔ علی اور ولی ابھی تک دوزانو گھاس پر جیا کے قریب بیٹھے ہل ہل کر دعائیں مانگ رہے تھے۔

سنازہ اُن سے قدرے فاصلے پر کھڑی کچھ سمجھنے اور اخذ کرنے کی کوشش کر رہی تھی جیسے بھائیوں کی تقلید کا ارادہ ہو۔ اسی کی نظر سب سے پہلے مہراب پر پڑی تھی۔

''مہلاب انکل۔ انکل۔'' سارہ دیکھتے ہی بُری طرح ہمکنے لگی۔

''او میری جان۔ میری پاروسی گڑیا! میری ننھی پری!'' مہراب نے جھپٹ کر والہانہ بچی کو بانہوں میں بھر لیا اور خوب خوب پیار کرنے لگا۔

''انکل۔ آپ آ گئے؟'' علی اور ولی بھی نعرے مارتے ہوئے اُس کی ٹانگوں سے لپٹ گئے۔

''آ گئے جناب۔ سو فیصد آ گئے۔ اور خبر ہے دونوں کے لئے اتنے بڑے بڑے جہاز لایا ہوں میں۔'' مہراب نے سارہ کو کرسی پر بٹھا کر دونوں کو ایک ساتھ سینے میں جذب کر لیا۔

''ہُرا۔ اللہ میاں جی زندہ باد۔ تھینک یو اللہ میاں۔ تھینک یو۔ میں ابھی دعا میں یہی تو مانگ رہا تھا۔ کمال ہے نماز پڑھنے سے کتنی جلدی اللہ میاں جی خوش ہو جاتے ہیں۔ اب تو میں روز پڑھوں گا۔''

''کتنی پیاری چیزیں ہیں یہ۔'' مہراب نے بے اختیار انہیں کھینچ لیا۔

''بچوں کے وجود میں اتنا حُسن' اتنی کشش اور مقناطیسیت کیوں ہوتی ہے کہ انسان سرتاپا زنجیر ہو جاتا ہے۔'' اُس نے دل گداز لہجے میں کہتے ہوئے زرلالہ کی طرف دیکھا۔ وہ خفیف سا مسکرا کر بچوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

جیا جائے نماز تہہ کر کے بے قراری سے بیٹے کی طرف لپکی تھیں۔

''اب کے دو ماہ اُدھر ہی گزار دیئے۔ بیچ میں صورت تو دکھا جاتے بیٹے!'' [illegible]ان کالی مہراب کی پیشانی چوم کر شفقت و مسرت سے کھلے کھلے لہجے میں سرزنش کی۔

''بس جیا۔ آتے آتے رہ جاتا تھا۔ اس مرتبہ کاروبار میں خاصی تیزی آ گئی تھی۔ [illegible] سپلائی بڑھی تو کام بھی بڑھ گیا۔ آپ مجھے کچھ کمزور دکھائی دے رہے ہیں۔ لگتا ہے زرلالہ جی نے آپ کا خیال نہیں رکھا۔'' مہراب نے دزدیدہ نظر اُس پری پیکر پر ڈالی۔ یوں جیسے خواہ مخواہ اُسے انوالو کرنے کی خاطر چھیڑ کی ہو۔

''شریر نہ ہو تو۔'' جیا نے بیٹے کے سر پر چپت لگائی ''یہی تو ہے جس کی موجودگی میری سانسیں باندھے ہوئے ہے۔ وگرنہ یہ کالی تنہائی مجھے ڈس نہ لیتی؟ تمہارا باپ دو برس پہلے زندگی کے سفر میں تنہا کر گیا۔ تم پہروں کے فاصلے پر کاروبار میں جُت گئے۔ میرا کون تھا آ[illegible] پیچھے جو اس ویرانے کو آباد کرتا اور میرا خیال رکھتا۔ اللہ نے نعمت کی طرح لالہ بیٹی کو مجھ [illegible] دیا تو زندگی کچھ سہل ہوئی۔ اسے آئے دو سال ہوئے ہیں مگر لگتا یوں ہے جیسے صدیوں سے یہیں رہ رہی ہو میری تو بیٹی کی حسرت پوری کر دی اللہ نے۔''

جیا نے ہاتھ بڑھا کر زرلالہ کو گلے سے لگا لیا۔ جو عجیب کشمکش کے عالم میں پاؤں کے انگوٹھے سے گھاس کرید رہی تھی۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا اور ہونٹوں کے کنارے ہلکے ہلکے لرز رہے تھے۔

''میں آپ کی ممنون ہوں کہ ایسے کڑے وقت میں مجھے سائبان عطا کیا۔ وگرنہ ان ننھی جانوں کے ساتھ میں کہاں جاتی۔ کیا کرتی۔'' اس کی آواز بھی لرزیدہ تھی۔

''تب خدا کوئی اور انتظام کر دیتا۔ جب اُس نے بچانا ہو تو ہزاروں وسیلے پیدا ہو جاتے ہیں بیٹی!'' جیا فراخدلی سے گویا ہوئیں۔

''زرلالہ آپ کو اور ابا جان کو دو سال پہلے ٹرین میں ملی تھیں۔ تب آپ کو علم ہوا کہ یہ آپ کی بچھڑی ہوئی خالہ زاد بہن کی بیٹی ہیں کتنا عجیب اتفاق ہے جیا۔ اور پھر اسی ٹرین کو حادثہ پیش آ گیا اور بابا جان اور ان کے شوہر دونوں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ایک طرف بچھڑ کر ملنے کی خوشی اور دوسری طرف مل کر ہمیشہ کے لئے بچھڑ جانے کا سانحہ۔'' مہراب نے ٹھنڈی سانس لی۔

''بابا جان اور ان کے شوہر کی برسی میں ایک ہفتہ رہ گیا ہے نا جیا۔''

''ہاں۔'' جیا نے آہ بھر کر بیٹے کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ شریکِ حیات کی جدائی کا غم پھر تازہ ہو گیا تھا۔

''مہراب بھائی آپ شاور لے کر فریش ہو جائیں۔ میں چائے کا انتظام کرواتی ہوں۔ علی' انکل کا بیگ اندر لے جاؤ۔'' زرلالہ نے فوراً موضوع بدل دیا۔

مہراب سعادت مندی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ چائے لان میں ہی پی گئی۔ بچے مہراب کا جی بھر کر سر کھا رہے تھے۔

''آپ کو پتا ہے انکل!'' ہنی نے آنکھیں پھیلا کر اہم اطلاع دینے کے لئے پَر تولے۔

''بالکل بھی نہیں پتا۔ آپ بتاؤ گے تو پتا چلے گا نا۔'' مہراب نے فوراً بھولا سا منہ بنا لیا۔

''ٹائی ٹینک مووی اسلام آباد میں آ گئی ہے۔ وہ ہمارا دوست حسن نہیں ہے؟ وہ اپنے ممی پاپا کے ساتھ دیکھ کے آیا ہے لاسٹ فرائڈے کو۔''

''اچھا! ایسی بات ہے تو پھر ہم بھی ضرور چلیں گے۔ میں کچھ دنوں کے لئے یہیں ہوں۔ تین سے چھ بجے والے شو کے ٹکٹ لے لیتے ہیں۔ فلم کے بعد پلے لینڈ بھی چلیں گے۔'' بچوں کی دلچسپی محسوس کرتے ہی مہراب نے پروگرام سیٹ کر لیا۔

''ہیں سچ مچ انکل۔'' دل اچھل کر اُس کے گلے میں جھول گیا۔

''ہم سب چلیں گے نا۔ مما' جیا اور ہم!'' علی نے تصدیق چاہی۔

''نہیں بھئی۔ معاف ہی رکھو۔ مجھے سمندر سے بہت خوف آتا ہے۔ اور پھر اس کی طوفانی تباہیاں' لہروں کی بے رحمی' پانی کی سفاکی۔ نہ بھئی نہ۔'' جیا نے بے ساختہ جھرجھری لی۔

''اتنا مزہ آتا ہے جیا۔ سچ آپ ایک بار میرے ساتھ کراچی چلیں۔ ہماری کمپنی کی موٹر بوٹ میں سفر کریں۔ مزہ نہ آیا تو پیسے واپس۔'' مہراب نے ہلکے پھلکے انداز میں ماں سے شرارت کی۔

''جان کے لالے پڑے ہوں تو کیسا مزہ' کہاں کی سیریں۔ وہ تو تم باپ سے گٹھ جوڑ کر کے مجھے اپنی قسم دے کر فشنگ ٹریڈ کی طرف چلے گئے وگرنہ میں تمہیں کبھی اجازت نہ دیتی۔ سمندر کے کنارے ڈیرے ڈال کر رہتے ہو' دن میں کشتیوں' لانچوں پہ گہرے پانیوں میں اتر کر شکار تلاش کرتے ہو۔ خدانخواستہ کبھی سمندر بپھر جائے تو زندگی کاغذ کی ناؤ بن جائے۔ مگر تم مانو گے کب۔

باپ کی طرح اٹل اور ضدی ہو۔" جیا کے لہجے سے سخت کبیدگی ظاہر ہو رہی تھی۔

"کم آن۔ جیا۔ بھلا سمندر بھی کسی کا دشمن ہوا کرتا ہے۔" مہراب نے لاڈ سے ماں کے شانے پر ٹھوڑی ٹکائی "وہ تو ایک مہربان دوست ہے' بڑی سے بڑی قیامت اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور کسی کو خبر نہیں ہونے پاتی۔ بڑا ضبط ہے اس کے اندر۔ کتنے سکون سے زمین کے پیالے میں ہلکورے لے رہا ہے۔" وہ سمندر کی قصیدہ گوئی میں مصروف تھا۔

"انکل۔ فش پانی سے باہر آ کر مر کیوں جاتی ہے۔" انہماک سے سنتے ولی کی زبان میں کھجلی ہوئی۔

"اس لئے کہ وہ پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔" مہراب نے پیار سے اس کے نازک و ملائم کان کھینچے۔

"فش کتنی بڑی ہوتی ہے انکل!" علی نے جیسے تحقیق کی۔ یہ بچے عام سی بات بھی اتنی سنجیدگی اور متانت سے پوچھتے تھے کہ بے اختیار اُن کے انداز پر پیار آ جاتا تھا۔

"اتنی بڑی۔" مہراب نے بازو پھیلا کر سائز بتایا "کچھ چھوٹی بھی ہوتی ہیں۔"

"مچھلیاں کیا کھاتی ہیں انکل!" ولی کی رگِ تجسس پھڑکی۔

"کیڑے مکوڑے' سمندری جڑی بوٹیاں' چھوٹی مچھلیاں اور جو سمندر کے اندر مل جائے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔" علی الجھا "بھلا بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کیوں کھاتی ہے۔ یہ تو بہت بری بات ہے۔" وہ فکرمندی سے بولا۔

"ہاں۔ ہے تو' اے افلاطون کے جدِ امجد۔" مہراب اُن کے تابڑ توڑ سوالوں پر بے چارگی سے گویا ہوا۔

"کتنا بولتے ہیں آپ لوگ۔ بھئی انکل تھکے ہوئے آئے ہیں۔ کیوں ان کا سر کھا رہے ہو۔" بالآخر زرلالہ نے اُن کے سوالوں کی ٹرین کو بریک لگائے۔

"ایک آخری سوال مما!" ولی جلدی سے مہراب کے قریب ہو گیا "کیا فش پھول کھا سکتی ہے؟"

"یہ خیال کہاں سے آ گیا بڑے ابا!" مہراب کراہا۔

"یونہی۔" ولی نے شان سے کندھے اچکائے "ہمارے گھر کے سامنے والی آنٹی کو نئے نئے

پھول اگانے کا بہت شوق ہے۔ انہوں نے پھولوں کی بے شمار قسمیں لان میں اور گملوں میں اگائی ہوئی ہیں۔ اتنی زیادہ کہ ان کے نام یاد کرنا بھی مشکل ہیں۔ مگر مہرینہ آنٹی کو فرفر یاد ہیں۔"

"یہ مہرینہ آنٹی کون ہیں بھئی؟"

"وہی یاسمین آنٹی کی بیٹی۔ وہ جو پنڈی کالج میں پڑھتی ہیں۔ جن کے ڈیڈی عجیب سی زبان میں بات کرتے ہیں۔ یاسمین آنٹی کا خوب رعب ہے انکل پر۔" علی نے بڑوں کے سے لب و لہجے میں تفصیلی بتائی "وہ ڈانٹ بھی دیں تو انکل چپ چاپ سنتے رہتے ہیں۔ اکثر ٹیلی سوز کی کار صاف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ شاید آنٹی نے اُن کی ڈیوٹی لگائی ہوئی ہے۔ کار دھو کر فارغ ہوں گے تو مہرینہ آنٹی کے پھولوں کو پانی دینا شروع ہو جائیں گے۔ سارا دن لان میں یا پورچ میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے رات کو بھی وہیں سوتے ہوں۔"

"بدتمیز۔" جیا علی کے دھپ مارتے ہوئے ہنس دیں۔ "کسی دن سن لیا نا یاسمین بیگم نے تو تمہارے دونوں کان اتار لیں گی۔ خاصی موڈی' اور چڑچڑی خاتون ہیں۔ کیوں شامت بلواتے ہو۔"

"مہرینہ آنٹی بھی ایسی ہی ہیں۔ ایک دن ہمارے بال اُن کے پھولوں میں چلی گئی تو ڈانٹ ڈانٹ کر ہماری جان نکال دی۔ پھر بال زور سے سڑک پر پھینک دی۔" ولی نے رپورٹ پیش کی۔

"تم ایسی حرکتیں کرتے ہی کیوں ہو؟" زرلالہ نے بچوں کو گھورا۔

"اوں ہوں۔ بھئی میرے سامنے میرے راج دلاروں کو کچھ نہ کہیں۔" مہراب نے انہیں اپنے بازوؤں میں چھپا لیا۔

"آپ نے ہی بگاڑا ہے انہیں۔" زرلالہ نے مصنوعی خفگی سے اُس کی طرف دیکھا۔

"آپ ہمیں بگاڑ لیں جواباً۔ چنداں اعتراض نہ ہوگا۔" مہراب چوری سے اس کے گلرنگ چہرے کی تابندگی نظروں میں جذب کرتے ہوئے بولا۔

زرلالہ اپنے دھیان میں سارہ کو اُبلا ہوا چکن پیس کھلانے میں مگن تھی۔

"چلو اب انکل کے ساتھ کھیلو۔ میں کچن دیکھ لوں۔" وہ سارہ کو مہراب کی گود میں ڈال کر جانے لگی۔

"رہنے دو بیٹی۔ ماسی کھانا بنا رہی ہے۔ تم کیوں تکلیف کرتی ہو۔" جیا نے محبت سے اسے

روکنا چاہا۔

''میں آج چکن بریانی بناؤں گی۔ آپ کو اور مہراب بھائی کو میرے ہاتھ کی بریانی پسند ہے نا۔''

''جیتی رہو۔ خوش رہو۔ آباد رہو۔'' جیا کا ممتا بھرا دل خوش ہو گیا۔

O☆O

''نوکر ذات ہوں بی بی۔ کچھ کہوں گی تو تمہارا جی بُرا ہو گا۔ مگر اٹھارہ برس کا ساتھ ہے میرا تمہارا۔ اچھے برے دن اکٹھے دیکھے ہیں۔ تمہارے دیئے ہوئے مان اور عزت نے منہ کھولنے پہ مجبور کیا ہے۔ ابھی وقت مٹھی میں ہے بٹی۔ نکل گیا تو پچھتاؤ گی۔ جب تم ہی شوہر کو نوکر کی جگہ رکھ کے بات کرو گی تو مہرو بیٹا سے کیا امید۔ بچی تمہارے طور طریقوں سے متاثر ہو کے تلقین میاں کا احترام نہیں کرتی۔ ملازموں کی طرح سلوک کرتی ہے۔ توبہ استغفار' سوتیلا ہی سہی پر ہے تو باپ۔''

بوا نے کلمے پڑھے۔ سانولے رنگ کی دراز قد بھرے بھرے جسم کی مالک یاسمین بیگم اپنی سُرمئی سلکن ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے ناگواری سے بوا کو دیکھنے لگیں۔

''بوا کچھ ہوتا ہے تو بندے پر شاہانہ ٹھاٹ باٹ اور غرور یا بانکپن سج جاتا ہے۔ شاخ سے ٹوٹے پتے کی طرح زمانے کی ٹھوکروں پہ اِدھر اُدھر رُل رہا تھا۔ نہ آگا نہ پیچھا نہ گھر بار نہ کاروبار۔ میں نے اسے شوہر بنا کر معاشرے میں پہچان بخشی۔ اپنے گھر کا سربراہ بنا کر مختاری دی۔ اچھا کھانے اور پہننے کو دیا۔ اور اسے کون سا رتبہ چاہیے۔ ایسا ہی تھا تو اپنے گر پیر ہلائے ہوتے۔ محنت مزدوری کر کے گھر کی ذمے داری کندھوں پر اٹھائی ہوتی۔ پیسہ کما کر میری ہتھیلی پہ احسان کی مانند رکھا ہوتا جب میں آگے پیچھے پھرتی بھی اچھی لگتی۔ گھر بیٹھ کر عورت کے ٹکڑوں پہ پلنے والے سہل پسند اور آرام طلب مرد کی کیسی خودی اور کیسا مردانہ غرور۔ ناز تو اپنے ہاتھ کی ہنرمندی پہ کیا جاتا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے بٹی! لیکن مراتب کا لحاظ بھی کسی چڑیا کا نام ہوتا ہے۔ تعلق داری کو سمجھ کر اسے جائز مقام دینا اچھے انسان کی بنیادی خوبی ہے۔ کم از کم اردگرد کا ہی خیال کر لیا کرو۔ ماں اپنی بٹی کے سامنے باپ پر برستی ہوئی جچتی نہیں ہے۔ اسے رشتوں کی پہچان کراؤ۔ خیر سے بیسویں برس میں قدم رکھنے والی ہے۔ کل کو اپنے گھر کی ہو گی۔ تم جانو گھر داری کی سو نزاکتیں ہوا کرتی ہیں۔ ہر

طرف کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔ اسے اونچ نیچ سکھاؤ گی تو کل گھر گرہستی کے دھندے سنبھالے گی۔ اس کے اندر انتقامی انداز' غیظ و غضب اور تیکھا پن نہ بھرو۔ عورت نرمی و حلاوت کا مرقع ہوتی ہے۔ آتش فشانی روپ میں کسی کے من کو نہیں بھاتی۔''

''افوہ بوا۔ مہرینہ کی سہیلی آئی بیٹھی ہے اور آپ چائے پانی کا پوچھنے کی بجائے فلسفے کا بگھار لگا رہی ہیں۔'' یاسمین بیگم کے جھلانے پر بوا کو خیال آیا تھا۔

''ارے ہاں۔ لو۔ کر لو بات۔ بھول ہی گئی کہ بٹیا کے مہمان آئے ہیں۔ میں ابھی ٹرالی لگاتی ہوں۔''

مہرینہ چھوٹے سے لان میں گملوں اور پھولوں کے ڈھیر کے پاس بیٹھی راحت کے کانوں سے دھواں نکال رہی تھی۔

''یہ دیکھو یہ جو سنہری رنگ کا پھول ہے نا۔ اسے کتا پھول یا اژدھا کہتے ہیں۔ مغربی زبان میں سنیپ ڈریگن بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی گردن دباؤ گی تو منہ کھل جائے گا۔ اور یہ قرمزی پھولوں والا پودا کوسمین کہلاتا ہے۔ اسے کھاد کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سدابہار ہے۔ یہ جو دائیں طرف کی کیاری میں تم گلِ داؤدی کی طرح کے نیلے' گلابی اور سرخ رنگوں کے پھول دیکھ رہی ہو انہیں آسٹ بر یا دوسرے لفظوں میں گل ستارہ کہا جاتا ہے۔ یہ وہ پھول ہیں جنہیں ہر ماہر باغبان اور شوقین اپنے باغ میں لگانا چاہتا ہے۔''

''بس کرو مہر۔ مجھ سے مزید ان پھولوں کی قصیدہ خوانی برداشت نہیں ہو رہی۔ حد ہو گئی۔ آدھے گھنٹے سے صبر سے تمہاری لاف و گزاف سن رہی ہوں۔'' راحت تلملا گئی۔

''اچھا بابا۔ کتنی کور ذوق ہو تم۔ خیر آؤ' اندر چلتے ہیں بوا چائے بنا چکی ہوں گی۔''

''خوش ذوقی بھی پیسے کی مرہونِ منت ہوتی ہے مائی ڈیئر! پیٹ کا دوزخ بھرا ہو تو ماحول سنوارنے کو بھی جی چاہتا ہے۔ بھوکا پیٹ اور خالی جیب حسنِ ذوق کے دھندوں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔'' راحت اُس کے ہمراہ کمرے میں آ گئی۔

''تمہاری طلعت آپا کیسی ہیں؟'' مہرینہ اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بیڈ کی ٹیک سے پشت لگا کر بولی۔

بوا چائے کا سامان رکھ گئی تھیں۔

''ویسی ہی جیسے پہلے تھیں۔'' راحت تلخی سے بولی'' دبو' ڈرپوک' اللہ میاں کی گائے' مظلوم و ستم رسیدہ۔ ڈھائی برس گزر گئے اس شادی خانہ بربادی کو۔ اُن کے حالات نہ بدلے۔ کتنا سمجھاتی ہوں کہ یہ بے زبانی ترک کر دیں۔ اپنے حقوق اور ذات کا خود دفاع کریں۔ ہر الزام ہنس کر سہہ لینا برداشت کی نہیں بزدلی کی انتہا ہوتی ہے۔ ہماری صفائیاں دینے کے لئے اوپر سے فرشتے نہیں اتریں گے۔ اپنی جنگ خود لڑنی چاہئے۔''

''ہائے ری عورت۔'' مہرینہ بڑبڑائی'' اسی لئے مجھے رشتے بُرے لگتے ہیں۔ مرد بُرے لگتے ہیں۔ اُن سے وابستگی بُری لگتی ہے۔ جی چاہتا ہے ان سے ایسا عبرتناک انتقام لیا جائے کہ پھر کسی عورت پر ظلم کرنے کی جرات نہ رہے۔''

''کیا عورت' کیا مرد دونوں ہی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ ظلم و زیادتی کی اس دوڑ میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ کسی ایک پر الزام کیا دھرنا۔'' راحت نے ٹھنڈی سانس لی۔

پھر موضوع بدلتے ہوئے بولی'' مجھے تم سے کچھ مشورہ کرنا تھا مہرینہ!'' ابا اگلے سال کلرک کے عہدے سے ریٹائر ہو رہے ہیں۔ میں چاہتی ہوں اُن کی ریٹائرمنٹ سے پہلے کوئی جاب ڈھونڈ لوں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''

''لیکن تم تو ابھی خود پڑھ رہی ہو۔ تھرڈ ایئر میں ہو۔ کم از کم بی۔ اے مکمل کر لو پھر بھلے سے بی۔ ایڈ کے بعد سکول ٹیچر بن جانا۔''

''کیا کوئی ایسی جاب نہیں ہو سکتی جو پڑھائی کے ساتھ ساتھ جاری رکھی جا سکے؟''

''مجھے تو اس بارے میں زیادہ علم نہیں ہے۔ میں امی سے پوچھوں گی۔'' مہرینہ سادگی سے گویا ہوئی۔

''ٹھیک ہے۔ تم پوچھ کے رکھنا۔ اب کالج میں ملاقات ہوگی۔ دسمبر کی چھٹیاں پرسوں ختم ہو رہی ہیں۔ نئے سال کی مبارکباد ابھی سے قبول کرو۔'' راحت چائے کا کپ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں باتیں کرتی ہوئی باہر آ گئیں۔

''تمہیں بھی مبارک ہو۔ ڈیڈی' راحت کو گھر چھوڑ آئیں۔'' چھوٹے قد' پھیلے ہوئے بھاری جسم' سیاہی مائل رنگت اور بھرے نقوش کے مالک تلقین میاں براؤن بشرٹ اور اونچے پائنچوں کی سیاہ پتلون میں انہماک سے کار دھو رہے تھے۔ مہرینہ کی آواز پر یونہی دانت نکالتے سامنے آ گئے۔

''بٹیا رانی۔ اپن اسی واسطے گاڑی چمکانا مانگتا۔ ابی تم دیکھو بالکل شیشے کا مافک چمکا دی ہے اپن نے۔ آؤ راحت بٹیا۔ بیٹو (بیٹھو)'' اُن کا اندازِ کلام خوشامدانہ اور نیازمندانہ تھا۔

''انکل کو کیوں زحمت دے رہی ہو۔ میں ویگن سے چلی جاؤں گی۔'' راحت نے ادب سے انہیں سلام کیا۔

''فارغ ہی تو بیٹھے ہیں۔ انہیں کون سا ہل جوتنا ہے۔'' مہرینا نے دانت بھینچ کر تلقین میاں کو دیکھا۔

''تمیز سے یار۔ تمہارے والد صاحب ہیں۔'' راحت نے دبے لفظوں میں گھڑکا۔

''ادب تمیز اوپر سے نہیں لادی جاتی۔ دل سے ابھرتی ہے خود بخود۔ تم بیٹھو گاڑی میں۔''

O☆O

یہ اسلام آباد کی پنڈورہ چونگی اور راولپنڈی کے سیٹلائٹ ٹاؤن کے درمیان کا علاقہ تھا۔ گو کہ راولپنڈی کی حدود میں شامل تھا لیکن اسلام آباد کے آئی سیکٹر سے بہت نزدیک تھا۔ درمیان میں صرف ایک مین روڈ حائل تھا جس نے اسلام آباد اور راولپنڈی کو الگ الگ رکھا ہوا تھا۔ محلے کے خستہ حال چوبارے' تنگ و تاریک گلیاں اور اونچے نیچے بدوضع و بدرنگ مکانات علاقے کے باسیوں کی غربت کا حال بہ زبانِ خود سناتے تھے۔

راحت کو یاد تھا ڈھائی سال پہلے جب صفیہ خالہ' طلعت آپا کا رشتہ مانگنے آئی تھی۔ وہ بھی اسی محلے میں رہتی تھی مگر اُن کی مالی حالت راحت کے گھر سے قدرے بہتر تھی۔

''دیکھو بھئی آمنہ! سچ پوچھو تو میں خدا خوفی کر کے تمہارے گھر آئی ہوں کہ پہلا حق اپنوں کا بنتا ہے۔ تمہیں نہ پوچھا تو لوگ تھو تھو کریں گے۔ تم میری خالہ زاد بہن ہو۔ ورنہ میرے بیٹے کو رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ارے اللہ نے بڑی عزت دی ہے۔ ملک فوڈ انڈسٹریز میں سپروائزر لگا ہے میرا جابر۔ بابوؤں والی سیٹ ہے بھئی۔ یہ بڑے بڑے کارخانے چل رہے ہیں اُس کے مالکوں کے۔ نوکری کیا ہے عیش ہی عیش۔ کہتا ہے اماں چھ مہینے میں مرمت اور رنگ و روغن کرا کے گھر کو فس کلاس بنا دوں گا۔ ایک بار ٹک گیا تو مالکوں سے کہہ کر عرفان کو بھی ادھر لگوا دے گا۔ بڑی قدر کرتے ہیں وہ۔ اور کیوں نہ کریں میرا بیٹا ہے بھی تو لاکھوں میں ایک۔ وہ تو طلعت کے لئے راضی بھی نہیں ہو رہا تھا' میں نے ہی زور دے کر منایا۔ میں نے کہا تیری خالہ غریب ہے۔ چار

بیٹیوں کا بوجھ ہے اُس پر پھر طلعت پچیس برس کی ہو چکی ہے۔ اپنے ہی اپنوں کا عیب نہ ڈھانپیں تو اور کون آگے بڑھے گا۔ باپ بوڑھا کلرک اور اوپر سے ''ایماندار۔'' جہیز کی وجہ سے کوئی پوچھتا نہیں ہے۔ چلو ہم ہی یہ نیکی کر ڈالیں۔'' صفیہ خالہ اپنی جگہ قرابت داری' صلہ رحمی اور احسان مندی جتا کر جلدی جواب دینے کا کہتی ہوئی چل دی تھیں۔

ایک کونے میں چپ چاپ کھڑی راحت کی شریانوں سے خون ابل پڑا۔

''ہمیں نہیں کرنا یہاں طلعت آپا کا رشتہ۔ ان کی زبان دیکھی ہے اماں۔ یہ تو ہماری سیدھی سادی' بزدل سی آپا کو ٹکے سیر بیچ کھائیں گی۔'' صدمے سے اُس کی حالت بُری ہو رہی تھی۔ ''ابھی سے یہ حال ہے تو شادی کے بعد کیسا سلوک کریں گے۔ سانپ میں بھی کیا زہر ہوگا جو اُن کی زبان میں ہے۔ آپا تو شاید ان کے طعنوں سے ہی ہلاک ہو جائیں۔ اوپر سے ان کی شادی شدہ اور غیر شادی شدہ بیٹیاں۔ گویا سونے پر سہاگا۔ کیوں شیر کی کچھار میں بھیج رہی ہیں۔ اور جابر بھائی۔ وہ تو سچ مچ کے جابر و قاہر ہیں۔ بہن بھائی اُن کی موجودگی میں اونچی آواز میں سانس بھی نہیں لے سکتے۔ کیسے انہوں نے دبا ڈرا کر رکھا ہوا ہے سب کو۔ گھر والوں کے ساتھ یہ حال ہے تو بیوی کو تو سچ مچ کی لونڈی بنا کے رکھیں گے۔ نہیں اماں۔ وہ ہماری اتنی پیاری نازک سی بھولی بھالی آپا کے ہرگز لائق نہیں ہے۔''

''تو پھر کیا کروں میری بچی۔ کس منہ سے انکار کروں اور کوئی راستہ بھی تو نہیں ہے۔ کب تک بٹھائے رکھوں گی۔ لوگ آتے ہیں' گھر بار دیکھتے ہیں' رشتہ بعد میں ڈالتے ہیں پہلے جہیز کی لمبی چوڑی لسٹ ہاتھ میں تھما دیتے ہیں۔ تمہارا بوڑھا باپ اس عمر میں اب سونے کی کان تو کھودنے سے رہا۔''

یوں مجبوریوں نے طلعت کو جابر علی کے آنگن میں دُلہن بنا کر اتار دیا۔ اور اب گزشتہ ڈھائی سال سے وہ اس دُلہناپے کا خراج دے رہی تھی۔

شام کا وقت تھا۔ طلعت باورچی خانے میں سالن بنا رہی تھی۔ صفیہ صحن میں کھاٹ بچھائے پڑوس سے آئی مختاراں سے باتیں کر رہی تھیں۔ عرفان جابر کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے کمرے میں ٹیپ ریکارڈر پر گانے سن رہا تھا۔

''او عرفان۔ اپنے اس لالے کی آواز آہستہ کر۔ کان پھاڑ رہی ہے۔'' صفیہ نے گفتگو میں

خلل پڑنے پر کرخت آواز لگائی۔ ''ابھی آتا ہوگا تمہارا استاد۔ اس کے سامنے ایسے شریف بن جاتے ہو جیسے ابھی آنکھ کھولی ہو۔'' ان کا اشارہ جابر کی طرف تھا۔ باپ کی وفات کے بعد جابر ہی گھر کا کفیل اور سربراہ تھا۔

''بھابی۔ جب بھائی جان کے آنے کا ٹائم ہو تو مجھے بتا دینا۔'' عرفان نے کمرے کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر باورچی خانے میں پیغام ارسال کیا۔ جابر کی موجودگی میں کسی کی کیا مجال تھی جو اس کے کمرے میں قدم رکھتا ''ایک تو بھائی صاحب ہر اچھی چیز پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ فوم کے گدوں والا ڈبل بیڈ لائے تو اپنے کمرے میں سجا لیا۔ ٹیپ ریکارڈر پر بھی قبضہ کر لیا۔ ڈریسنگ ٹیبل تھی کہ پھولوں والا قالین بھی لائے تو اپنے کمرے کے لئے۔ انہیں بس ہر شے اپنی آسائش کے لئے چاہئے ہوتی ہے۔ اپنے لئے صاحب نے قیمتی پرفیوم' شاندار لباس' مہنگے جوتے اور ہزار کی گھڑی بھی خوشی خوشی خرید ڈالی۔ ہم غریبوں کے لئے فقط پابندیاں۔ اونہہ۔''

''تو تُو کیوں جلتا ہے۔ وہ اپنی کمائی سے جو چاہے خریدے' استعمال کرے۔ تُو رہا سدا کا نکھٹو۔ دو مرتبہ بی۔ اے میں فیل ہو چکا ہے۔'' صفیہ نے اس کی خبر لی۔

''ارے تو کہو نا جابر بھائی کو۔ مجھے بھی لگوا دے اپنی فیکٹری میں۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔

''کہہ تو رہا تھا مالکوں کا کوئی بیٹا اپنی کمپنی کے لئے ملازمین کی تلاش میں ہے۔ جلد ہی وہ اخبار میں اشتہار دے گا۔ تُو بھی انٹرویو دے آنا بعد میں جابر تیری سفارش ڈلوا دے گا۔'' ابھی صفیہ کی بات منہ میں ہی تھی جب بارہ تیرہ سالہ گڈو بھاگا بھاگا اندر آیا۔

''اماں اماں' بھائی جان ٹی وی لے کے آئے ہیں۔ سوزوکی سے اتروا رہے ہیں۔'' صفیہ سمیت پڑوسن کی بھی آنکھیں پھٹ گئیں۔ محلے میں اِکا دُکا لوگوں کے پاس ہی ٹی وی تھا۔ شوقین لڑکے اجو کے ہوٹل پہ اکٹھے ہو کر دیکھ لیتے تھے۔

''ہیں۔ ہائے میں صدقے جاؤں۔ میرا بیٹا خیر سے اتنا پیسے والا ہو گیا ہے۔'' صفیہ خوشی سے ہانپتی کانپتی کھاٹ سے اٹھیں۔ عرفان نے بھائی کے آنے کا سن کر جلدی سے ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا تھا۔ اب وہ کمرے میں اپنی موجودگی کے ممکنہ آثار مٹا رہا تھا

''مبارک ہو صفیہ بہن۔ تمہارے گھر ٹی وی آ گیا۔'' مختاراں نے کچھ حسرت اور مسرت کے ملے جلے انداز میں مبارکباد دی۔ ''راستے سے ہٹ جاؤ بھئی بچو۔'' ''سال'' کے ناصر۔ کہیں گرا

نہ دینا۔'' جابر کے ساتھ محلے کے دو تین افراد اور بھی تھے۔ جنہوں نے ڈبے میں بند ٹی وی کو شوق و ذوق سے اٹھایا ہوا تھا۔ اردگرد کے بچے تماشا دیکھنے والے انداز میں پیچھے پیچھے تھے۔

''جوتی اتار کے اندر پیر رکھو اسلم!'' صفیہ مختاراں کے بیٹے اسلم کو کمرے کا رخ کرتے دیکھ کر جلدی سے ہدایت کرنے لگیں۔

''اوہ۔ اچھا خالہ جی۔'' اسلم خفت سے ہنسا اور پھر جوتی اتارنے لگا'' یاد ہی نہیں رہا کہ بھائی صاحب کے کمرے میں قالین بچھا ہے۔ واہ بھئی واہ ٹی وی سے کمرا سج گیا ہے بالکل کسی بنگلے کا کمرا لگ رہا ہے۔''

''ہائے۔ اتنا بڑا۔ اور وہ بھی رنگین۔'' صفیہ کی تو باچھیں کھل گئیں۔ وہ جابر کے ٹی وی آن کرتے ہی جی جان سے سکرین کے عین آگے ڈٹ کر بیٹھ گئیں۔

''اتنی پاس ہو کے نہ دیکھو خالہ۔ سنا ہے اس سے نظر خراب ہو جاتی ہے۔'' اسلم نے جیسے پتے کی بات بتائی۔

''اے میں کون سا صدیوں کے لئے دیکھنے بیٹھی ہوں۔ ابھی تو مجھے بہت سے کام نبیڑنے ہیں۔ عرفان۔ یہ لے پیسے۔ دوڑ کے ایک کلو مٹھائی کا ڈبا لے آ۔ خیر سے میرے بیٹے نے ٹی وی خریدا ہے۔'' صفیہ کے تو پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔

''اور تو گڈو۔ جا اپنی دونوں بہنوں کے سسرال جا کر اطلاع کر آ۔ کہنا رات کا کھانا ادھر ہی کھائیں۔ اپنے خاوندوں کو بھی لے آئیں۔ وہ بھی تو دیکھیں۔ اور بھئی تم لوگ کیا منہ اٹھائے اندر گھسے جا رہے ہو۔ جاؤ اپنے اپنے گھروں کو۔'' انہوں نے بچوں اور لڑکوں بالوں کو گھر کا۔ سب لمحوں میں تتر بتر ہو گئے۔

''ہائے۔ یہ بھی بھائی جان نے اپنے کمرے میں رکھ لیا۔'' عرفان سے چھوٹی چندا کو خاصا قلق تھا۔ وہ ٹی وی ریڈیو اور رسالوں کی حد سے زیادہ شوقین تھی۔ میٹرک میں تیسری بار فیل ہونے کے بعد صفیہ نے تنگ آ کر اسے اٹھوا لیا تھا۔ اب گھر میں ہی ہوتی تھی۔ بلا کی کام چور اور بہانے باز تھی۔

''اے بہو۔ تم بھی پیغام بھجوا دو اپنے میکے میں۔ تمہاری اماں نے تو کبھی خواب میں بھی ٹی وی نہیں دیکھا ہوگا۔'' صفیہ آٹا گوندھتی طلعت سے کٹیلے انداز میں مخاطب تھیں۔ ''او ناصر۔ جا اپنی

بھابی کے گھر بھی اطلاع دے آ۔ دیکھ لیں آ کر کیسے راج کر رہی ہے ان کی بیٹی۔ چار کپڑوں اور دو تولے کی جھمکیوں میں فقیروں کی طرح رخصت کیا تھا تمہاری ماں نے۔ ہم نے تخت پر بٹھا دیا ہے۔'' وہ پڑوسن کی پکار پر باہر نکل گئیں۔ طلعت خاموشی سے آٹے میں مکی لگاتی رہی۔

''بھابی۔ تمہارے تو مزے ہوں گے۔ بھائی جان کے کمرے میں آرام سے ٹی وی دیکھا کرو گی۔'' چندا نے سخت حسرت و حسد سے اسے دیکھا'' روز نہ سہی جب بھائی جان بلائیں گے۔''

طلعت اب بھی چپ رہی۔ آٹے والے ہاتھ دھوتے ہوئے اس نے ایک لحظے کو اپنی ہتھیلی پر بکھری لکیروں کو دیکھا تھا۔ جابر کسی کو اپنی تنہائی میں مخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ لہٰذا شادی کے بعد بھی اس کا کمرا صرف اسی کے تصرف میں تھا۔ بیوی کی جب ضرورت ہوتی بلوا لیتا تھا۔ عام دنوں میں طلعت ساس کے کمرے میں بستر لگا کر سوتی تھی۔ اُس کی ضرورت کی چیزیں اور کپڑے وغیرہ بھی وہیں تھے۔ دوسرے معنوں میں وہی اس کا ٹھکانا تھا۔ صفیہ بیٹے کی اس پالیسی پر انتہا درجے کی خوش تھیں۔ جسمانی و ذہنی قربت میاں بیوی کے رشتے کو مضبوط کرتی ہے۔ جتنی دوری ہو گی' اتنی زیادہ غلط فہمیاں' بدگمانی اور نفرت پروان چڑھانے کے مواقع مخالفین کو میسر رہیں گے۔ سو صفیہ اور اس کی بیٹیاں بھرپور طریقے سے ان مواقع سے فائدہ اٹھا رہی تھیں۔ یوں بھی بیوی تو خاوند کے زور پر سسرال میں بھاری ہوتی ہے۔ جسے شوہر نہ پوچھے اسے کون عزت کی مسند پر بٹھائے۔ سو گھر بھر نے اُسے نوکرانی بنا رکھا تھا۔

''بھابی۔ بھائی جان پانی مانگ رہے ہیں۔'' گڈو کے بتانے پر طلعت چونکی تھی۔ اُس نے جلدی سے شیشے کا گلاس دھو کر پانی ڈالا اور جابر کے کمرے میں آ گئی۔ جابر نے گلاس تھام کر تنقیدی نظروں سے اس کی بیرونی سطح پر پڑے ہلکے سے دھبے کو دیکھا۔

''یہ کیا ہے۔ کیا گلاس دھو کر نہیں لائی تھیں؟'' وہ جلدی سے صفائی دینے لگی۔ پانی کا چھینٹا خشک ہو کر داغ ڈال گیا تھا۔

''تمہاری ماں نے برتن دھونا نہیں سکھایا تمہیں۔'' جابر نے برافروختہ ہو کر گلاس اُس پر کھینچ مارا جو پانی سمیت اس کی کلائی کی ہڈی سے ٹکرا کر نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔ وہ سی کرتے ہوئے کلائی تھام کر بیٹھ گئی تھی۔ تکلیف کے مارے آنکھوں سے آنسو آ گئے مگر ضبط کئے جھک کر شیشے کے ٹکڑے اٹھانے لگی۔ ایک ٹکڑا ہتھیلی میں پیوست ہو گیا۔

''شاباش ہے بہو تم پر۔ کوئی ایک کام تو ڈھنگ سے کر لیا کرو۔ ٹھیک ہے کام میں تمہارا دل نہیں لگتا مگر اس سے بچنے کے لئے ہاتھ زخمی کرنا ضروری نہیں تھا۔'' صفیہ اپنے سیٹ کا گلاس ٹوٹنے پر سیخ پا ہو گئی تھیں۔

''اتنا قیمتی سیٹ تمہاری کام چوری کی وجہ سے برباد ہوا۔ ماں تو ایک پیتل کا دیگچہ تک نہ دے سکی۔ ہونہہ مالِ مفت دلِ بے رحم۔'' وہ طلعت کے پیچھے پیچھے باہر آ گئی تھی۔ طلعت کرچیاں کوڑے کی بالٹی میں ڈال کر صحن کے نل پر ہاتھ دھونے لگی۔

''یہ چیخوں کی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟'' چندا نے حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''کوئی عورت پِٹ رہی ہو گی اپنے خاوند سے۔ یہ کون سی انوکھی بات ہے۔'' صفیہ بے نیازی سے کہہ کر برفی کھانے لگیں۔ ''ایک طرف ہٹو بہو۔ مجھے وضو کرنا ہے۔ مغرب کی نماز نکلی جا رہی ہے۔'' برفی کھا کر وہ نل کے پاس آ گئیں۔ ''مجال ہے جو یہ عورتیں کوئی کام ٹھیک کر لیں۔ بھئی اپنے چالے سیدھے رکھیں تو کیوں پٹیں۔'' وہ ساتھ ساتھ بڑبڑا بھی رہی تھیں۔ وضو کر کے وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ چیخوں کی آواز کافی دیر تک آتی رہی۔

''آپا۔ کیا بات ہے۔ گڈو کہہ رہا تھا گھر آ جائیں جلدی سے۔ اماں تو دکان پہ سودا لینے گئی تھی۔ میں ہی چلی آئی۔ خیریت تو ہے۔ اور یہ آپ کے ہاتھ کو کیا ہوا ہے۔ کلائی سوجی ہوئی ہے اور خون بھی نکل رہا ہے۔'' راحت گھبرائے ہوئے انداز میں گھر میں داخل ہوئی تھی۔

''کچھ نہیں۔ تمہارے بھائی صاحب ٹی وی لائے ہیں۔ اس خوشی میں بلایا تھا۔ تم بیٹھو ناں ادھر۔'' بہن کو دیکھتے ہی طلعت کا مرجھایا چہرہ کھِل اٹھا تھا۔

''یہ ہاتھ کیسے زخمی ہوا؟'' راحت نے جیسے اس کی بات ان سنی کر دی۔ اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

''بھئی چوڑی ٹوٹ کر چبھ گئی تھی۔ چھوڑو نا۔ تم بتاؤ اماں کیسی ہیں۔ عفت اور فرحت ٹھیک ہیں اور پپّو......''

اور راحت دیکھ رہی تھی اس کی کلائی چوڑیوں سے خالی تھی۔

''سب ٹھیک ہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''پتا نہیں کس گھر کی عورت اتنی دیر سے چیخ رہی ہے۔'' طلعت نے اس کا دھیان بٹانے کو

اِدھر اُدھر دیکھا۔

''چیختی تو ہر عورت ہے مگر پکار سننے والا کوئی نہیں۔'' راحت زبردستی ہنسی ''نسیم ملی تھی مجھے اپنے دروازے پر۔ اس کی بھابی کی کم بختی آئی ہے۔ اپنے شوہر کے ہاتھوں۔''

''کیا قصور ہو گیا اس سے؟'' طلعت نے سر جھکا کر پوچھا۔

''کھانے میں نمک زیادہ ہو گیا تھا۔ کتنا بڑا جرم ہے یہ۔ ہے نا۔'' راحت استہزائیہ ہنسی۔ طلعت سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ تو خود بھی بہت بڑے جرم کی سزا پا کر آ رہی تھی۔

''عورت کا یہ جرم کیا کم ہے کہ وہ عورت ہے۔'' راحت خود سے محوِ کلام تھی۔

''ویسے آپا آپ کی جوڑی اچھی بنی ہے۔ ایک جابر دوسرا مجبور۔'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی عرفان ادھر چلا آیا۔

''ارے آپ جناب۔ راحتِ جاں روح افزا۔ مشروب مشرق۔ بھئی وہ اچو ہوٹل والے کے تھڑے پر روز ٹی وی میں یہ اشتہار دیکھتے ہیں۔''

راحت کو دیکھتے ہی عرفان کی آنکھوں میں چمک اتر آئی تھی۔ راحت بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ البتہ پیشانی پر ناگواری کی شکنیں صاف نمایاں تھیں۔

''یہ لو تم بھی مٹھائی کھاؤ۔ آخر ہم بھی ٹی وی والے ہو گئے ہیں۔'' وہ جھٹ مٹھائی کا ڈبا لے آیا جہاں اب ایک قلاقند اور برفی کا چھوٹا سا پیس بچا تھا۔'' حالانکہ اس سے مستفید فقط صاحب بہادر ہوں گے۔ بلکہ ہو سکتا ہے لاک میں رکھ کر جایا کریں۔'' وہ طنزیہ کہنے لگا۔

''میں چلتی ہوں آپا۔'' راحت اٹھ کھڑی ہوئی۔ عرفان کی نظریں اُس کا طواف کر رہی تھیں۔

''ابھی سے۔ کچھ دیر تو بیٹھو۔'' عرفان لپک کر راستے میں آیا۔ مگر راحت دوسری سائڈ سے نکل گئی۔

O☆O

یہ آئی ٹین فور کے سبزے میں گھرے سنگل سٹوری چھوٹے سے گھر کا خوبصورت منظر تھا۔ سورج کی کرنوں کا رخ ہلکے سبز پینٹ کی دیواروں والے کمرے کی طرف تھا۔ جہاں دو سنگل بیڈ ایک دوسرے سے تین فٹ کے فاصلے پر تھے۔ درمیانی جگہ پر ایک میز تھی جس پر ٹیبل لیمپ' پانی کا

گلاس اور کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ بیڈ شیٹ' پردوں اور فرش پر بچھے وال ٹو وال کارپٹ کا رنگ بھی ہلکا سبز تھا۔

ایک بستر میں کسمساہٹ کے ساتھ بیداری کے آثار نظر آ رہے تھے۔

''نکمے پانڈے۔'' اظہر نے طویل جمائی سے فارغ ہو کر ٹیبل پر کہنیاں ٹکا کر بھائی کو جھنجھوڑا۔

''کیا ہے دہی بڑے۔'' تین چار دفعہ کی کوشش کے بعد محسن نے بند آنکھوں سے نیند بھری آواز میں دریافت فرمایا۔

''ابے اٹھ جا۔ صبح ہوگئی ہے۔ کیا امی کی جوتیوں کا انتظار کر رہا ہے۔ نماز کب پڑھے گا۔''

''یہ تو واقعی صبح ہی ہے یار۔'' محسن نے سرہانے کی کھڑکی سے پردہ ہٹا کر افسوس سے سر ہلایا ''خورشید صاحب اپنی کرنوں سمیت تشریف لے آئے ہیں ہماری نماز قضا کرانے۔''

''جی ہاں۔ طلوع آفتاب ہو چکا۔ اب مادرِ نامہرباں کے جوتی مار کہ میزائلوں کا ظہور باقی ہے۔'' اظہر نے بستر چھوڑ کر سستی دور بھگانے کے لئے دو چار ڈنٹر پیلے۔ لامحالہ نیند کے رسیا محسن کو بھی اٹھنا پڑا۔

''اظہر محسن۔ کیا لام کو چلے گئے ہو۔ سات بج رہے ہیں۔ کس قدر نکمے ہیں یہ لڑکے۔ جب تک سر پہ ڈھول نہ بجایا جائے آنکھ نہیں کھولتے۔'' بیگم ریاض کے با آواز بلند جھلانے اور بڑبڑانے کی آواز یہاں تک پہنچ رہی تھی۔ دونوں کے اندر الیکٹرک کرنٹ دوڑ گیا۔ ایک ساتھ باتھ روم کی طرف دوڑے۔

''اٹھ گئے ہیں امی۔ محسن نماز پڑھ رہا ہے اور میں تسبیح کر رہا ہوں۔ ابھی پانچ منٹ میں آ رہے ہیں باہر۔'' اظہر محسن کو پیچھے کی طرف دھکا دے کر خود باتھ روم کے دروازے پر اڑ گیا۔

''کیا بدتمیزی ہے۔ دکھائی نہیں دیتا ایک شریف آدمی باتھ روم جا رہا ہے۔'' محسن نے بے دریغ ڈانٹا۔

''اور تجھے شرم نہیں آتی ایک عظیم آدمی کی راہ روک رہا ہے۔ تُو تو صرف شرافت کو پوٹلی میں باندھے ہے' میں شریف ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم بھی ہوں۔'' اظہر کسی طرح زور لگا کر اندر گھس گیا۔ محسن نے اس کی شرٹ کھینچ کر باہر نکالنے کی کوشش کی تو دروازے پر زور کی دھپ لگ گئی۔

اظہر اس سے ٹکرا گیا تھا۔ اور یہ آواز بیگم ریاض تک پہنچنا لازمی تھی۔

''نماز پڑھ رہے ہو یا کشتی لڑ رہے ہو؟''

''بس کچھ درمیانی سی کیفیت طاری ہے امی جی۔'' محسن نے انکسارانہ جواب دیا۔

''بہرحال آپ فکر نہ کریں۔ حالات سازگار ہوا ہی چاہتے ہیں۔'' اس نے ہانک لگائی۔

''کسی نہ کسی طرح وہ فراغت پا کر کچن میں پہنچ گئے۔ کشادہ سے کچن کے ایک کونے میں چار کرسیوں والی گول ڈائننگ ٹیبل رکھ کر اسے کچن کم ڈائننگ روم بنا لیا گیا تھا۔ ہلکے زرد چھوٹے پھولوں والے شلوار کرتے میں ملبوس گھنگریالے بالوں کا جوڑا بنائے نظر کا سیاہ فریم کا چشمہ پہنے بیگم ریاض کوکنگ رینج کے آگے مصروفِ عمل تھیں۔ ایک برنر پر چائے ابل رہی تھی۔ دوسرے پر آملیٹ بنا رہی تھیں۔ ڈبل روٹی کے سلائس سینک کر میز پر رکھ چکی تھیں۔ جام' مکھن' چار کباب اور چھری کانٹے بھی ڈائننگ ٹیبل پہ رکھے سرخ پھولوں والے گلدان کے پاس ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔

''کبھی خود سے بھی اٹھ جایا کرو۔'' انہوں نے آملیٹ پلیٹ میں نکال کر میز پر رکھتے ہوئے خفگی سے اپنے جڑواں بیٹوں کو دیکھا تھا۔ جو اپنی مدد آپ کے اصول کے تحت سعادت مندی سے اپنی اپنی پلیٹ اور کپ میز پر رکھنے لگے تھے۔ بیگم ریاض نے اُن کی نیم فوجی انداز میں تربیت کی تھی۔ اپنی چیزوں' کپڑوں' کمرے اور کتابوں کی دیکھ بھال خود کرنے کی عادت ڈالی تھی۔ اپنے لئے از خود کھانا نکالنا' استعمال کئے گئے برتن کو سلیقے سے اپنی جگہ پہ رکھنا۔ اپنی الماری ترتیب دینا حتٰی کہ کبھی کبھار ماں کی غیر موجودگی میں کوکنگ تک خود کر لیتے تھے۔

ناشتے پر معمول کی گپ شپ جاری تھی۔

''قسم سے امی اب کی بار تو گھر کی از سر نو تعمیر اور ڈبل سٹوری بنانے کا کام کروا ہی لیں۔'' محسن نے پرانی بحث چھیڑ دی۔

''کر تو لیں مگر اتنا پیسہ بھی ہو ہاتھ میں۔'' وہ چائے دانی اٹھاتے ہوئے بولیں' ''اس کے لئے کم از کم آٹھ دس لاکھ کیش چاہئے۔ ظاہر ہے بوتیک سے تو اتنی آمدن ہونے سے رہی اور ویسے بھی میرا اس میں صرف پینتیس فیصد شیئر ہے کیونکہ بہرحال سارا روپیہ ردا بیگم نے ہی لگایا تھا۔ اسی نے جگہ کا کرایہ دیا سامان جمع کیا۔ میری طرف سے صرف ''محنت'' کا ہی شیئر تھا۔ اس آمدنی سے تم

دونوں کی پڑھائی کا خرچہ نکل گیا اور گھر کے اخراجات پورے ہوتے رہے ہیں۔ خیر سے اب تم نے وکالت کا امتحان پاس کر لیا ہے۔ اظہر ڈاکٹر بن گیا ہے۔ اسے پچھلے ماہ نوکری ملی ہے تمہیں بھی انشاء اللہ جلد ہی جاب مل جائے گی۔ دونوں مل کے کماؤ اور پھر جیسے چاہو گھر بنوا لینا۔''

اسی وقت راہداری پر رکھے فون کی بیل بجی تھی۔

''میری ایک کلائنٹ نے رابطہ کرنا تھا شاید وہی ہو۔'' بیگم ریاض اٹھ کر اندر گئیں۔

''محسن۔ ابے یہ دیکھ۔ یہ کیا ہے۔ امی کی بات ابھی پوری ہوگئی۔'' اظہر اخبار پر جھکا ہوا بولا ''تیرے لئے ملازمت کا اشتہار ہے۔ ملک کنسٹرکشن کمپنی کو لیگل ایڈوائزر کی ضرورت ہے۔ خواہش مند حضرات آج صبح نو بجے سے کل شام پانچ تک انٹرویو کے لئے اسناد سمیت تشریف لا سکتے ہیں۔ یار تو آج ہی چلا جا۔ اللہ نے چاہا تو کام بن جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' محسن اخبار اس کے ہاتھ سے لے کر ایڈریس ذہن نشین کرنے لگا ''مقسوم پلازہ، فرسٹ تھری فلورز، بلیو ایریا اسلام آباد۔ بس آج ہی چلتے ہیں قسمت آزمائی کے لئے۔''

''تمہاری ثریا خالہ کا فون تھا جہلم سے۔ اُن کی بیٹی نگین پنڈی کالج میں لیکچرار کی پوسٹ کے لئے انٹرویو دینے آ رہی ہے۔ آج دوپہر دو بجے کی ٹرین سے۔ اظہر تم لنچ ٹائم میں گھر آ ؤ گے تو محسن کے ساتھ سٹیشن چلے جانا۔'' بیگم ریاض واپس آ گئی تھیں۔ بہن سے بات کرنے کی مسرت آمیز کیفیت چہرے پر رقم تھی۔

''کیا نام بتایا نمونہ!'' اظہر نے بے دھیانی سے دریافت فرمایا۔

''ابے بہرہ ہو گیا ہے کیا۔'' محسن نے لتاڑا ''امی نے نگینہ کہا ہے۔ جا جا کر پہلے کانوں کی میل صاف کروا پھر معززین کی محفل میں قدم رنجہ فرمانا۔''

''ایک جھانپڑ دوں گی دونوں کو۔ ماں سے مسخریاں کرتے ہو۔ نگین کہاں ہے میں نے۔''

''صرف ایک جھانپڑ؟'' محسن نے آنکھیں پھیلا کر سادگی سے دریافت کیا۔

''یہ تو دونوں کے لئے ناکافی ہوگا امی۔'' وہ فکرمند ہوگیا۔

''ایک دم ڈفر ہو دونوں۔ گدھے کہیں کے۔'' انہوں نے مسکراہٹ دبا کر گھورا۔

''بالکل یہیں کے۔'' اظہر نے جلدی جلدی چائے ختم کی اور پینٹ کی جیب میں موٹر سائیکل کی چابیاں ٹٹولتا ہوا اٹھ گیا۔ دونوں بھائیوں نے شرافت سے ماں کے ساتھ مل کر میز سے برتن اٹھا

کر سنک میں رکھے۔ بیگم ریاض بوتیک جانے کی تیاریوں میں تھیں جو دو تین سٹریٹ چھوڑ کر اسی سیکٹر میں تھی۔

''ایک منٹ ٹھہریئے امی۔ میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔'' اظہر کو بھی اسی وقت نکلنا تھا اس لئے ماں کو روک لیا۔ تینوں کے پاس گھر کی ایک ایک چابی تھی اس لئے جلد یا بدیر آنے سے مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔

''امی میں ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد انٹرویو کے لئے بلیو ایریا جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے مگر ایک بجے تک گھر پہنچ جانا۔ اظہر اکیلا کہاں ڈھونڈتا پھرے گا سٹیشن پر۔''

''جی بہت بہتر۔ ویسے تو میں پہلے ہی پُریقین تھا کہ اس کی دور کی نظر کمزور ہے لیکن اب آپ نے بھی تصدیق نامہ جاری فرما دیا ہے۔ جزاک اللہ۔ دلی خوشی ہوئی۔'' محسن نے سعادت مندی سے سر جھکایا۔ اظہر نے بائیک سٹارٹ کرتے ہوئے تلملا کر ایک ہاتھ دیا مگر وہ پھرتی سے وار بچا گیا۔

''یہ مُکا اور طنز کا تیر ادھار رہا۔ واپسی پر حساب بے باق کروں گا انشاء اللہ۔'' اظہر نے منہ پر ہاتھ پھیرا اور ماں کے بیٹھتے ہی بائیک لے اُڑا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہلکے نیلے رنگ و روغن والے قدرے خستہ حال دو منزلہ مکان کے آگے کھڑے تھے۔ جس کے اوپر کے فلور پر ''ردا بوتیک'' کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ نچلا پورشن بے آباد تھا۔

''پرانے کرائے دار چلے گئے کیا؟'' اظہر نے جائزہ لیتے ہوئے ماں سے پوچھا۔

''ہاں اسی ہفتے خالی کیا ہے۔ شکر ہے نچلے پورشن میں آمد و رفت کے لئے مالک مکان نے پچھلی طرف گیٹ بنا دیا ہے ورنہ دونوں کو برابر تکلیف ہوتی۔ اب اگلا گیٹ ہم استعمال کرتے ہیں اور پچھلا نچلے فلور والے۔ اس طرح ایک دوسرے کے کام میں مداخلت نہیں ہوتی۔''

''مکان کی حالت خاصی 'بے چاری' ہو رہی ہے۔ مالک مکان کو چاہئے اس کی مینٹی نینس کروائے۔''

''اچھا اب باتیں نہ بناؤ۔ تمہیں ہسپتال سے دیر ہو رہی ہے۔''

تقریباً پچیس منٹ بعد اظہر پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز (پمز) کی عظیم الشان عمارت کے وسیع و عریض پارکنگ لاٹ میں اپنی بائیک کھڑی کر رہا تھا۔ یہ او پی ڈی کے

سامنے کا احاطہ تھا۔

ابھی وہ چابی نکال ہی رہا تھا کہ اس کے دائیں جانب ایک شاندار قیمتی پجارو آن رکی۔ ڈرائیونگ سیٹ سے سفید شلوار قمیض میں ملبوس سنولائی ہوئی رنگت اور لمبے قد کا ایک نوجوان برآمد ہوا۔ اُس کے چہرے سے سنجیدگی کے ساتھ ساتھ ایک پُرسوزی ملاحت اور نرمی ٹپکتی تھی۔ شفاف و سادہ آنکھیں اس کی فطری شائستگی اور شرافت و متانت کا پتا دے رہی تھیں۔ وہ متذبذب انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا او پی ڈی میں داخل ہوا تھا اور اطراف پر بنے کاریڈور اور اوپر جاتی ہموار پھسلواں سیڑھیوں کو دیکھتے ہوئے جیسے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غالباً اسے کسی کی تلاش تھی۔ اظہر نے اندازہ لگایا۔

''کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں بھائی صاحب۔'' اظہر کی دوستانہ فطرت اسے زیادہ دیر تک خاموش نہ رکھ سکی۔ نوجوان تعجب سے اس کی سمت مڑا ''میں یہاں پر ڈاکٹر ہوں۔ گو نئی نئی بھرتی ہے مگر قرار واقعی مدد بہر حال کر سکتا ہوں۔'' اظہر نے اُس کی ہچکچاہٹ دیکھ کر وضاحت کی۔

''معاف کیجئے گا۔ میں آپ کو اچانک سامنے پا کر حیران تھا۔ اور کوئی بات نہیں۔'' نوجوان شائستہ و شستہ لہجے میں گویا ہوا۔ ''اصل میں مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ نائٹ ڈیوٹی والے پیرا میڈیکل سٹاف کے لوگ اس وقت کہاں مل سکیں گے۔ مجھے شہریال ملک کو بلوانا ہے۔ وہ یہاں ہاؤس جاب کر رہی ہیں۔ ابھی دو ہفتے قبل جوائن کیا ہے۔''

نوجوان کا لہجہ بلا کا مہذب' متین اور نرم تھا۔ اظہر کو اس سادہ و جاذب نظر بندے سے خواہ مخواہ اُنسیت محسوس ہو رہی تھی۔

''ابھی معلوم کئے دیتے ہیں۔ سسٹر...... ایکسکیوزمی۔'' اظہر نے کاریڈور میں غائب ہوتی نرس کو روک کو مدعا بیان کیا۔

''وہ کینٹین میں ہوں گی۔ آ...... آپ اُن کے کون ہیں۔ میرا مطلب ہے کیا کہوں کون لینے آیا ہے۔'' نرس نے نوجوان کی طرف دیکھ کر اٹکتے ہوئے پوچھا۔

اظہر نے دیکھا نرس کے استفسار پر نوجوان کے چہرے کی رنگت یکلخت متغیر ہو گئی تھی۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔

''میں اُن کا کوئی بھی نہیں ہوں۔ بس اتنا کہہ دیجئے گا اُن کی گاڑی آ گئی ہے۔'' اس کا جرایا

ہوا لہجہ اظہر کو چونکا گیا۔ نرس سر ہلا کر چلی گئی۔

''چلئے مجھے تو بتا دیں کیا نام ہے آپ کا۔ ایسی بھی کیا پردہ پوشی صاحب۔'' نوجوان خفیف سا ہو گیا۔

''میں آپ کو بتانے ہی والا تھا۔ مجھے سکندر عظیم کہتے ہیں۔''

''اوہ...... الگزینڈر دی گریٹ۔'' اظہر نے دلچسپی سے اس پر نظر ڈالتے ہوئے سر ہلایا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ''رہائش کہاں ہے جناب کی۔ میرا مطلب ہے اسلام آباد ہی ہیں یا......''

''نہیں...... میں ملک آباد سے آیا ہوں۔ ایک چھوٹی سی بستی سمجھ لیجئے۔ یہاں سے ڈیڑھ گھنٹے کے فاصلے پر ترنول میں فتح جنگ کے آس پاس واقع ہے۔ ملکوں کے بیٹے کو فوج میں اعلیٰ خدمات کے صلے میں یہاں زمینیں ملی تھیں۔ انہوں نے حویلی بنا کر نوکر چاکر رکھ کر اسے آباد کر لیا۔ ویسے اصل جاگیر ملکوال ہے۔ جہاں ملک برادری پشتوں سے آباد ہے۔ پہلے اس کا نام کچھ اور ہوا کرتا تھا۔''

''خیر بھائی۔ ہمیں کیا۔ سب اپنے اپنے حصے کا کھا پی رہے ہیں۔ موج میلہ کر رہے ہیں۔ ایک آخری بات بتاتے جاؤ بھائی سکندر اعظم......!''

''سکندر عظیم!'' اس نے تحمل سے درستگی کی۔

''وہی...... وہی...... خیر سے آپ کا ملک برادری سے کیا تعلق ہے۔''

''اُن کا خادم ہوں۔'' وہ بے تاثر انداز میں گویا ہوا۔ اظہر بھونچکا سا اُس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ ''چھ سال کی عمر میں میرے باپ کا انتقال ہو گیا تھا۔ ماں آخری دموں پر تھی۔ مرنے سے پہلے مجھے ملک بابا کے پاس لے آئی اور منت سماجت کر کے اُن کے سپرد کر دیا۔ سو انہوں نے کھلایا پلایا' پڑھایا لکھایا۔ ماں مرتے وقت مجھ سے حلف لے گئی تھی کہ ہر حال میں ملکوں کا وفادار رہنا۔ اُن کا در نہیں چھوڑنا۔ سو اُن کی وصیت نبھانے کے لئے اب خدمت کر کے احسان کا بدلہ چکا رہا ہوں۔''

سکندر کے لہجے میں اس قدر سادگی اور روانی تھی کہ اظہر استعجاب کا آخری آسمان چھو گیا۔ وہ کہیں سے بھی جاگیرداروں کا ملازم نہیں لگتا تھا۔ پیشانی کشادگی اور آنکھوں میں چمکتی شرافت کی

لہراعلیٰ حسب نسبت اور ''خالص خون'' کی نمائندہ تھی۔

''افسوس، محسن میرے ساتھ نہیں ہے۔'' اظہر کھوئے ہوئے انداز میں بڑبڑایا۔ پھر اُس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر ایڈریس لکھا اور سکندر کی طرف بڑھایا۔ ''کبھی فرصت ملے تو ہمارے ہاں ضرور آنا۔ ہمیں سادہ و خالص دل رکھنے والے اور شائستہ و مہربان لب و لہجے والے لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ چلتا ہوں۔ پھر سلام دعا رہے گی۔ اجازت۔ اللہ حافظ۔''

وہ ہاتھ ہلاتا سیڑھیاں چڑھ گیا۔ سکندر کی متعجب نظروں نے خاصی دور تک اُس کا پیچھا کیا تھا۔

''عجیب آدمی ہے۔'' سکندر نے سوچا۔ ''بے نیاز، مست الست، خوش باش اور مہربان طبع۔''

اس نے عام مردوں کی طرح ٹھہر کر شہریال ملک سے ملنے یا تعارف حاصل کرنے کا تردد بھی نہیں کیا تھا۔ حالانکہ ہم پیشہ ہونے کے ناتے اگر وہ ایسا کرتا تو اس میں کچھ قباحت بھی نہ تھی۔ اور معقول وجہ بھی تھی۔ سکندر کو اُس کی فطرت کی اچھائی اور راستی بہت بھائی۔

اسی ثانیے سفید رنگت اور گہری سیاہ آنکھوں والی نازک جسم کی مالک نوجوان لڑکی سکندر کے قریب آتی دکھائی دی۔ وہ نیلے جارجٹ کے سوٹ میں ملبوس تھی۔ سفید اوور آل دائیں بازو پر لٹک رہا تھا۔ اس کے چہرے سے تھکن اور بے خوابی کی کیفیت نمایاں تھی۔

''اوہ تو یہ تم ہو۔ میں حیران تھی، ملکوں میں سے کس کی یادداشت اتنی اچھی ہے کہ ٹائم پر گاڑی بھجوادی۔ میں ابھی ملک آباد فون کرنے والی تھی۔''

''کل آپ نے واپسی کا جو ٹائم بتایا تھا، مجھے یاد تھا۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو ملکوں میں سے کوئی ضرور یاد دلا دیتا۔ خصوصاً وہ جنہیں آپ کے حاضر غائب ہونے کی بہت پروا ہے۔ آپ چھوٹے ملک دُرّاب صاحب کو کیوں بھول گئیں۔ چچازاد ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے منگیتر بھی ہیں۔ واپسی کا ٹائم اُنہوں نے دل پر لکھ رکھا تھا۔''

سکندر تعظیماً ایک سمت ہٹ گیا اور اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ شہریال کا چہرہ سپاٹ اور منجمد تھا۔ پچھلا دروازہ کھول کر اُسے اندر بٹھانے کے بعد سکندر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

''ملکوں میں تو تمہارا بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔ وہ چچازاد ہے تو تم ایک رشتے سے ہمارے پھوپھی زاد لگتے ہو۔ تمہاری والدہ کو ایک معمولی پرچون فروش سے شادی کرنے کے جرم میں

خاندان بدر کیا گیا تھا۔ اکلوتی ہونے کے سبب اُن کا جاگیر میں خاصا حصہ بنتا تھا، جس کے تم بجا طور پر حقدار ہو۔'' وہ تمکنت سے بولی۔

''لیکن آپ یہ کیوں بھول رہی ہیں کہ میری ماں اپنی بیماری اور عُسرت و تنگدستی سے شکست کھا کر حویلی واپس آئی تھیں تو ملک بابا نے صرف اس شرط پر اُن کی اولاد کو ملک آباد میں رکھنے کی اجازت دی تھی کہ اُس کی حیثیت ملازموں کی سی ہوگی۔ کسی کو خونی رشتے کا علم نہیں ہونے دیا جائے گا۔ آدابِ غلامی سکھانے اور مقام و حیثیت سمجھانے کے لئے ہی اُنہوں نے مجھے نوکرانی کی گود میں ڈالا تھا۔ میں ماسی برکتے کے بھتیجے کے طور پر متعارف کروایا گیا تھا۔ آج یہی میری شناخت ہے۔ جس طرح ماسی برکتے، اُس کا خاوند اور اولاد ملکوں کے نوکر ہیں، اسی طرح سے میں بھی حویلی والوں کا خدمت گار ہوں۔ آپ مجھے ثابت نہ ہونے والے حوالے یاد نہ کرایا کریں۔ میرا حوالہ چاچا بختو اور ماسی برکتے کا آنگن ہے۔''

سکندر کا دھیان ڈرائیونگ میں تھا۔ اُس کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

''تمہارا مرتبہ کسی طرح بھی ملکوں کے دوسرے صاحب زادوں سے کم نہیں ہے۔ تم چاہو تو قانونی چارہ جوئی کر کے اپنے حصّے کی زمینیں اور جائیداد حاصل کر سکتے ہو۔''

''شہریال بی بی۔ میں دن میں خواب نہیں دیکھا کرتا۔'' اُس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تیرنے لگی۔ ''حقیقت اس وقت تک تکلیف دیتی رہتی ہے، جب تک کہ اسے قبول نہ کر لیا جائے۔ تسلیم کر لینے کے بعد اس کی تلخی اور کڑواہٹ کم ہو جاتی ہے۔''

شہریال نے خاموشی و بے نیازی سے اپنا سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔ رات بھر کی بیداری نے اُس پر غنودگی طاری کر دی تھی۔ وہ اُونگھنے لگی۔ مارگلہ اسٹیشن سے گزر کر گاڑی ایف الیون کی خاموش و بے آباد سڑک پر پھسلتی ہوئی کشمیر ہائی وے کی طرف رواں دواں تھی۔ ہائی وے سے کچھ فاصلے پر پل کے نیچے ریل کی پٹڑی پر ایک مال بردار گاڑی گزر رہی تھی۔ اطراف میں پہاڑی ٹیلے، گھاس کے میدان اور کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔

کچھ سفر طے کر کے کٹے پھٹے ڈھلوانی سلسلے اور اُن کے دامن میں آباد چھوٹے چھوٹے گاؤں نمایاں ہونا شروع ہو گئے۔ اظہر آباد سے کچھ پہلے چھاچھی ریسٹورنٹ پڑتا تھا۔ یہ چھپّر نما ہوٹل مقامی لوگوں اور بسوں ٹرکوں کے ڈرائیورز کے لئے چائے پانی اور دال روٹی فراہم کرتا تھا۔

بیٹھنے کے لئے مونجھ کی چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ اظہر آباد کے نزدیک محصول چنگی تھی' جہاں سکندر نے دس روپے دے کر روانگی کا پروانہ لیا۔

اب ترنول کا علاقہ شروع ہو چکا تھا۔ بالآخر گاڑی فتح جنگ کے نام کی نصب شدہ تختی کے ساتھ بنے بیریئر پر آن رکی۔ چونکہ سکندر کا روز کا آنا جانا رہتا تھا۔ چوکی والے اس کی صورت اور ملکوں کی گاڑی سے واقف تھے اس لئے فوراً ہی لوہے کی سلاخ اُٹھا دی گئی۔ بیریئر کراس کر کے گاڑی سڑک کے دائیں طرف ایک کچے سے تنگ راستے پر مُڑ گئی۔ یہ راستہ پانچ منٹ کی مسافت کے بعد ایک عظیم الشان حویلی کے آگے اختتام پذیر ہوا۔ گاؤں کی آبادی بہت محدود سی تھی۔ البتہ اردگرد ملکوں کی بے شمار زمینیں پھیلی ہوئی تھیں جن میں سے بیشتر بیکار پڑی ضائع ہو رہی تھیں۔

گاڑی دیکھتے ہی دربان نے لکڑی کا پھاٹک کھول دیا تھا۔ دائیں طرف گاڑیوں کے لئے پورچ تھا اور بائیں طرف وسیع و عریض باغ جہاں بھاری تن و توش اور لمبے چوڑے جُثے کی مالک ایک بوڑھی عورت ریشمی پھول دار کپڑوں اور سونے کے ڈھیروں ڈھیر زیور سے آراستہ منقش کرسی پر بیٹھی ملازمہ سے سر پر تیل لگوا رہی تھی۔ صورت سے وہ ایک سخت گیر' رعب دار اور حاکمانہ مزاج کی حامل خاتون دکھائی دیتی تھی۔

شہریار گاڑی سے اُتر کر اُسی کی سمت آئی تھی۔ چونکہ سکندر کو دیکھ لیا گیا تھا اس لئے لامحالہ سلام کرنے کے لئے اِدھر آ گیا۔

''السلام وعلیکم بڑی اماں۔'' یہ ملک بابا کی پہلی بیوی نور فاطمہ تھیں۔ جنہیں احترام و ادب سے سب بڑی اماں کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔

''اتنی دیر لگا دی۔ کب سے انتظار کر رہے تھے ہم۔'' اُن کی آواز میں ناگواری تھی۔

''اتفاق سے آج ساری گاڑیاں کہیں نہ کہیں گئی ہوئی ہیں۔ ہمیں ملکوال جانا ہے۔ جب تک ہم غسل کریں' تم گاڑی کا تیل پانی چیک کر لو۔ بس پندرہ منٹ لگیں گے ہمیں۔''

''میرا خیال ہے' آپ کچھ دیر اِسے آرام کر لینے دیں۔'' شہریار بڑی اماں سے مخاطب ہوئی۔ ''ابھی تو اتنی لمبی ڈرائیونگ کر کے آیا ہے۔ ڈیڑھ گھنٹہ یہاں سے جانے میں پھر اتنا ہی وقت واپسی میں لگتا ہے۔ تین گھنٹے تو یہ ہو گئے۔ اور اب ملکوال تک تو ویسے بھی بہت لمبا سفر ہے۔ چار پانچ گھنٹے تو کہیں نہیں گئے۔''

بڑی اماں کے چہرے پر سرخی لپک گئی۔ اُن کی پیشانی کی رگیں کھنچ گئیں۔ صاف دکھائی دیتا تھا کہ اُنہیں شہریار کی مداخلت سخت ناگوار گزری ہے۔ تاہم اُنہوں نے کمال ضبط سے کام لیا۔

''ٹھیک ہے۔ تم چائے پانی پی لو۔ مگر لمبی تان کر نہ سو جانا۔'' وہ تحکمانہ سکندر سے مخاطب ہوئیں۔ وہ سر ہلا کر اندر چلا گیا۔

''ملازمین کو ڈھیل دینا مناسب نہیں ہوتا۔ اُنہیں اُن کی اوقات پر ہی رکھنا چاہئے۔ فاصلہ زیادہ ہو تو دبدبہ اور ڈر قائم رہتا ہے۔ کم ہو تو نوکر ذات کی آنکھیں ماتھے پر آ جاتی ہیں۔'' اُن کا لہجہ مخصوص رُکھائی اور کھردرا پن لئے ہوئے تھا۔

''لیکن بڑی اماں۔ وہ ہمارا نوکر نہیں ہے۔'' وہ ڈرتے ڈرتے گویا ہوئی۔

بڑی اماں کی بڑی بڑی سرخی مائل آنکھوں میں جلال اُمڈ آیا ''تم نے ساری عمر اپنے ماں باپ کے ساتھ لاہور شہر میں بتائی ہے۔ ان کے...... ایکسیڈنٹ کے بعد یہاں آئی ہو۔ ابھی چار ماہ ہوئے ہیں' تم یہاں کے معاملات سے ناواقف ہو۔ اس لئے ہم تمہاری نادانی نظرانداز کر رہے ہیں۔ آئندہ ایسی گفتگو حکم عدولی اور بدتمیزی میں شمار کی جائے گی۔''

شہریار بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔

''والدین کی ناگہانی موت کا غم غلط کرنے کے لئے ہم نے تمہیں خلافِ دستور شہر کے ہسپتال میں ملازمت کی اجازت دی ہے۔ وگرنہ ہماری خواہش تھی کہ تمہارا بیاہ کر دیا جاتا۔ ذرّاب بھی دبے لفظوں میں گھر بسانے کی تمنا کا اظہار کر چکا ہے۔ مگر تم ہمارے بیٹے سرفراز کی اکلوتی بیٹی ہو۔ تمہارا بھائی دو سال سے امریکہ میں پڑھائیاں کر رہا ہے۔ ہم نہیں چاہتے' تمہیں تنہائی یا محرومی کا احساس ہو۔'' اُن کا لہجہ قدرے نرم پڑ گیا۔ ''تم عام لڑکی نہیں ہو۔ ملک فیروز دین کی پوتی ہو۔ تمہیں مزدوروں کی طرح جان کھپانا یا معمولی لوگوں کی پرواہ کرنا زیب نہیں دیتا۔ جاؤ اب جا کر آرام کرو۔''

وہ بوجھل و بیزار قدموں سے اندرونی حصے کی سمت بڑھی تھی۔ ملازمائیں اسے دیکھتے ہی خدمت کرنے کے لئے لپکی تھیں۔

سکندر آدھے گھنٹے بعد گاڑی پورچ سے نکالتے ہوئے بڑی اماں کی آمد کا منتظر تھا۔ وہ اپنی

دو خادماؤں کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

سکندر نے ریورس کرتے ہوئے اُمید بھری نظروں سے شہریال کے کمرے کی کھڑکی پر نگاہ ڈالی۔ نظر مایوس لوٹ آئی۔ غالباً وہ سو رہی تھی۔

ڈرائیونگ کرتے ہوئے بار بار وہ جھکی ہوئی دلنشیں صورت اُس کی آنکھوں میں پھر رہی تھی۔ جسے دیکھنے سے اُس کی آنکھوں کی روشنی بڑھ جاتی تھی۔ اُس کی ایک جھلک راتوں کی بے قراریوں پر چھینٹے ڈال دیتی تھی۔ وہ اپنی دل موہ لینے والی سیاہ موتیوں کی سی چمک رکھنے والی آنکھیں اُٹھا کر دیکھتی تھی تو اُسے آلامِ زندگی بھول جاتے تھے۔

وہ جانتا تھا۔ وہ زہرہ جمال اُس کے لئے نہیں بنی۔ نہ وہ اُسے پا سکتا ہے۔ مگر پھر بھی چاہنے اور چاہتے رہنے کی بے اختیاریوں پر قابو پانا اُس کے بس میں نہیں تھا۔

O☆O

''سنا ہے' بڑی اونچی شے ہے کمپنی کا مالک۔ جاگیردار اور صنعت کار گھرانے کا چشم و چراغ ہے۔ عمر کا بڑا حصّہ ملک سے باہر گزار کر آیا ہے۔ وہیں انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کی اور دو تین برس کسی ملٹی نیشنل کمپنی سے بھی وابستہ رہا ہے۔'' انٹرویو دینے والوں کی بھیڑ بھاڑ میں ایک باتونی سا آدمی مسلسل محسن سے باتوں میں مصروف تھا۔

محسن بے تابی سے اپنی باری کا منتظر تھا کہ اُسے ٹائم سے گھر پہنچ کر نگین کو لینے ریلوے اسٹیشن بھی جانا تھا۔

''کیا نام ہے بھائی اِن کا۔'' محسن نے مرعوب ہوتے ہوئے بنا کمپنی کے مالک کا نام دریافت کیا۔

''ساحر ملک...... اسم بامسمّٰی ہے بالکل۔'' باتونی آدمی ہنسا۔ ''دیکھنے میں' لب و لہجے اور چال ڈھال میں کسی سلطنت کا شہزادہ لگتا ہے۔ کیا طنطنہ اور بانکپن ہے۔ واہ......''

''اچھا اب یہ زنانہ قسم کی قصیدہ گوئی بند کرو۔ باری آنے والی ہے۔''

باتونی آدمی جس کا نام عرفان تھا' بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

لیکن کمپنی کے مالک سے مل کر لامحالہ محسن کو عرفان کی مدح سرائی پر یقین کرنا پڑا۔ وہ واقعی بہت دلآویز اور طلسمی شخصیت کا مالک تھا۔ صحت و جوانی اور وجاہت و تمکنت کا مجسمہ تھا گویا۔ چہرے پر وقار' آنکھوں میں عزم و استقلال کی چمک' انداز میں بے پناہ سنجیدگی و گھمبیرتا' لہجے میں

چٹانوں کی سی مضبوطی' مرعوب کن تاثر دیتی اونچی پیشانی۔ یوں لگتا تھا' جیسے اسے اپنے کام کے علاوہ دنیا کی کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔ بہت ٹھوس' منفرد اور عملی قسم کا شخص دکھائی دیتا تھا۔ محسن بے ساختہ اُس سے متاثر ہو گیا۔ وہ جو باہر اتنا چہک رہا تھا' اس کے سامنے آتے ہی اُسے چُپ لگ گئی۔ نروس سا ہو کر سر جھکائے ناخنوں سے کھیلنے لگا۔ سارا کھلنڈرا پن رخصت ہو گیا تھا۔

''ہماری کنسٹرکشن کمپنی کو قائم ہوئے ابھی دوسرا سال ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی ایک ساکھ بن گئی ہے۔ بہت تھوڑے وقت میں بہت اچھی ٹیم مل گئی ہے۔ اب ہم عنقریب ایک عظیم پراجیکٹ پر کام کا آغاز کرنے والے ہیں۔ اس کے لئے ہمیں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو اپنے کام کو محبت' محنت اور دیانت کے ساتھ سرانجام دے سکیں۔ ہمیں مہارت سے زیادہ جذبے کی شدّت درکار ہے۔''

اُس کے لہجے میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ محسن سحر زدہ کیفیت میں سنتا رہ گیا۔

''میرے ذہن میں ایک جامع پروگرام ہے۔ ہمارے ملک میں بہت سی ایسی زمینیں ہیں جو قابلِ کاشت نہیں ہیں اور نہ ہی وہاں ایسی سہولیات میسّر ہیں کہ انسان وہاں بستیاں بنا کر رہ سکے۔ نتیجتاً یہ زمینیں بنجر و بے آباد پڑی ضائع ہو رہی ہیں۔ اگر ان اونچے نیچے بے ترتیب اور ویران زمینی سلسلے کو ہموار کر کے وہاں بنیادی سہولتیں فراہم کر کے باقاعدہ ڈیزائننگ کے تحت ماڈل کالونی بنا دی جائے تو شہروں میں بے پناہ آبادی کا دباؤ اور گاؤں سے لوگوں کی نقل مکانی کے رجحان کو کم کیا جا سکتا ہے۔ سرِدست ہمارے پاس فتح جنگ کے آس پاس زمین کا بڑا حصّہ ویران پڑا ہے۔ میں وہاں تعمیر و ترقی کا کام شروع کرنا چاہتا ہوں۔ لیگل ایڈوائزر کے روایتی فرائض منصبی کے علاوہ میری خواہش ہے کہ ایسا شخص منتخب کیا جائے جو قانونی معاملات کے ساتھ ساتھ ذاتی طور پر اس پراجیکٹ کے مختلف مراحل میں بھی دلچسپی لے۔ میں چاہتا ہوں' میری ٹیم کا ایک ایک آدمی خود کو اس پراجیکٹ کے لئے وقف کر دے۔ اس کی تعمیر و تکمیل میں خلوصِ دِل سے شریک ہو۔''

محسن کو اس کے لہجے کی سچائی اچھی لگی۔ ساحر ملک پراجیکٹ سے متعارف کروانے کے بعد اُس کی فیلڈ کے متعلق مختلف سوال کرنے لگا۔ محسن نے محسوس کیا' اس کی معلومات ہر شعبے میں وسیع تھیں۔ اسی لمحے براؤن ٹائی اور سفید بُراق قمیص میں ملبوس ایک سمارٹ اور مہذّب مرد بے تکلفی سے اندر داخل ہوا۔

۲

''آتی ہیں بدلتے ہوئے موسم کی ہوائیں
دیتا ہے کوئی عمرِ گزشتہ کو صدائیں
لوٹ آئے ہیں نکھرے ہوئے دن چاندنی راتیں
کس دیس سے اے دوست تجھے ڈھونڈ کر لائیں''

جان دار لب و لہجے میں شعر پڑھتا ہوا وہ جوانِ رعنا مسکراتی نظروں سے ساحر ملک کو دیکھتے ہوئے عین اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''آؤ ایمان۔ اِدھر کیسے آن بھٹکے۔'' ساحر نے اپنے مخصوص مکلّف انداز میں پذیرائی کی۔

''تم دنیا کو پیارے ہو گئے اور ہم دل کو۔ ملاپ کیسے ہو دونوں میں درمیاں ہے خلا۔'' وہ ہنس دیا۔

''کتنے دن ہو گئے' صورت نہیں دکھائی۔ ممی ڈیڈی روز ہی پوچھتے ہیں تمہارا۔ میں ''ملک ہاؤس'' گیا تو پتا چلا' موصوف ابھی بلیو ایریا اپنی کمپنی کے آفس میں بیٹھے ہیں۔ گھر دیر سے آئیں گے۔ سو اِدھر کو ہو لئے۔''

''ڈاکٹر سلمان کیسے ہیں؟'' ساحر نے اُس کے ڈیڈی کے متعلق پوچھا۔ ''اور آنٹی ٹھیک ہیں؟'' دونوں میاں بیوی ڈاکٹر تھے۔

''اسی ڈگر پر چل رہے ہیں جو برسوں سے اپنا رکھی ہے۔ گھر' کلینک' آرام منزل اور آپس کی گپ شپ۔ ڈیڈی اِن دنوں اپنی تحقیقی رپورٹس اور کیسز جمع کر کے کتاب لکھنے کی تیاریوں میں ہیں۔ موضوع ہے۔ ''جب انسان ہوش کی بجائے جوش سے کام لیتا ہے تو کتنی تباہ کاریاں ہوتی ہیں۔''

محسن کو نو وارد کی شخصیت خاصی دلچسپ لگی۔ موصوف غالباً شعر و شاعری سے رغبت رکھتے تھے۔ ساحر ملک کے مقابلے میں اُس کی طبیعت میں منچلا پن' بے فکری اور قدرے شوخی نمایاں تھی۔ گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ دونوں گہرے دوست ہیں۔ طبیعت کے اس درجہ تضاد کے باوجود کمال دوستی باعثِ تعجب تھی۔

''اب کے تم اپنے ڈیڈی کے ساتھ ملکوال گئے تو مجھے بھی ساتھ لے کے جانا۔ قدرتی مناظر اور ہریالی دیکھے مدتیں گزر گئیں۔ یوں بھی اِن دنوں فراغت ہے۔''

''اوکے میں اطلاع کر دوں گا۔''

''ویسے یار' اچھی خاصی ملک فوڈ انڈسٹریز میں دلچسپی لے رہے تھے پھر یہ یک بیک کنسٹرکشن کمپنی کھولنے کا خیال کیوں آ گیا؟''

''یہ ایک لمبی بحث ہے۔ فی الحال مجھے کام نپٹانے دو۔'' پھر وہ محسن کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''اوکے مسٹر محسن' آپ جا سکتے ہیں۔ بعد میں ہم اطلاع کر دیں گے۔ شکریہ۔'' محسن سر ہلا کر باہر نکل گیا۔

گھر آیا تو اظہر پہلے سے اُس کا منتظر تھا۔ دونوں بائیک پر ریلوے اسٹیشن روانہ ہو گئے۔

''نکے پاٹڈے۔'' اظہر نے ریل کی پٹڑی کو گھورتے ہوئے بے خیالی میں اسے مخاطب کیا۔

''کیا ہے دہی بڑے۔'' محسن نے مخصوص انداز میں جواباً کہا۔

''یہ تو سوچا ہی نہیں کہ مس نمونہ کو کس طرح پہچانیں گے۔ چھ سات برس پہلے کی تقریب میں دیکھا تھا۔ میں تو شکل بھی بھول گیا ہوں۔''

''پہچان لیں گے یار۔''

''مگر کیسے؟'' اسی دوران ٹرین اسٹیشن پر آ کر رُک گئی تھی۔

''اپنی عقلِ سلیم سے' فہم و فراست سے' عرفان و آگہی سے۔'' محسن نے جواب دیا۔

''مگر سلیم' فراست اور عرفان تو ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔'' اظہر نے بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھا

''صرف تُو ہے اور میں ہوں۔''

''اچھا سن اظہر' تو مجھ سے بڑا ہے نا۔''

''صرف دس منٹ۔'' اظہر نے تصحیح کرنا ضروری خیال کیا۔ ''یہ الگ بات ہے کہ عمر میں دس منٹ اور عقل میں دس سال بڑا ہوں۔''

اظہر کی اتراہٹ محسن کو سُلگانے کے لئے کافی تھی مگر موقع نہیں تھا اس لئے ضبط کر گیا۔

''بات سن۔ ہم فرضی خاکہ بنا کر مس نگینہ کو ڈھونڈتے ہیں۔ وہ ٹیچر بننے کے لئے آئی ہے۔ ظاہر ہے' وہی روایتی سی شکل ہو گی' جیسی استانیوں کی ہوتی ہے۔''

''یعنی سُوکھی چمرخ' سڑیل سی شخصیت' درشت تیور' خون پی جانے والے انداز۔'' اظہر نے

حاشیہ آرائی کی۔

"چشمہ لگی گھورتی ہوئی خوفناک آنکھیں۔" محسن نے لقمہ دیا۔

"شکنوں سے اٹی پیشانی۔ گرتے ہوئے بلوں کی مریل سی چٹیا۔"

اُن کا مکالمہ جاری تھا کہ اتنے میں سبز کھلتے ہوئے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس درمیانے قد کی بیلے کی سی رنگت اور براؤن آنکھوں والی ایک لڑکی عین اُن کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اُس کے پیچھے لال وردی میں ملبوس قلی تھا جس نے دو سوٹ کیس اُٹھا رکھے تھے۔

"یہ کیا اُلوؤں کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آتے جاتے لوگوں کو تاڑ رہے ہو۔ مَیں یہ رہی۔ نگین۔ جہلم سے آئی ہوں اور سخت تھکی ہوئی ہوں۔ اُفوہ قلی سے سامان تو لے لو۔ کھڑے میرا مُنہ کیا دیکھ رہے ہو۔ اور ہاں' تم دونوں میں سے اظہر کون ہے اور محسن کس ذاتِ شریف کا نام ہے کیونکہ شکلیں تو میں اچھی طرح پہچان گئی ہوں۔ چھ ماہ پہلے سمیعہ آپا کی شادی میں تم لوگ شریک ہوئے تھے۔ میرے پیپرز تھے اس لئے شادی میں نہ جا سکی مگر البم ضرور دیکھا تھا۔ ان میں تم دونوں کی تصویریں بھی تھیں۔ پیپسی کی بوتلوں پر چھینا جھپٹی کرتے ہوئے۔ کیا پوز تھا۔"

لڑکی اعلیٰ درجے کی باتونی' مُنہ پھٹ اور تیز مزاج تھی۔

کچھ دیر کو تو سچ مچ دونوں کے حواس گُم ہو گئے۔

"لو جی۔ اِک مادرِ نامہرباں کا نیم فوجی وجود کم تھا جو ایک اور جنگ جُو خاتون ٹپک پڑیں۔ اے خدا' کیا ہمارے گھر کی قسمت میں روایتی سی بھولی بھالی' تابع فرمان اطاعت گزار' خدمت گار' صم" بکم" اور نیک پروین لڑکی نہیں لکھی۔" اظہر نے آہ بھری۔

"ایسی لڑکیاں بھی مل جاتی ہیں۔" نگین نے اطمینان سے چیونگم چباتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا۔

"کہاں۔ مجھے پتا بتاؤ اے جلاّد صورت قاتل حسینہ عرف مس نگینہ۔" محسن نے جھٹ ارشاد کیا۔

"ساٹھ ستر کی دہائی میں چھپنے والے زنانہ ناولوں میں۔" نگین کے اطمینان میں ذرّہ برابر فرق نہ آیا۔ "اور یہ مس نگینہ کسے کہا ہے؟" اس نے کمر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"اوہ معاف کیجئے گا۔ نکے پانڈے سے غلطی ہو گئی مس نمونہ۔" اظہر نے معذرت خواہانہ

انداز میں مخاطب کیا۔ وہ لال سُرخ ہو گئی۔

"اور اب یہ نمونہ کسے کہا؟" اُس نے دوسرا ہاتھ بھی کمر پر رکھ لیا۔ "رقیہ خالہ جیسی ذہین خاتون کی اولاد آخر کس پر چلی گئی۔" اُس نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر فکر مندی سے دونوں بھائیوں کو دیکھا جیسے اُن کے پاگل پن پر آخری مہر لگانے کا ارادہ رکھتی ہو۔

"نہ نگینہ' نہ نمونہ۔ آخر آپ کس نام پر راضی ہوں گی۔ کوئی پسند بھی آئے گا یا نہیں؟" اظہر بگڑنے لگا۔

"خاموش۔ یہ مسخرہ بازی میرے ساتھ نہیں چلے گی۔ سمجھے۔ چلو یہ سامان اُٹھاؤ اور قلی کو بیس روپے دے کر فارغ کرو۔ توبہ کس قدر نکمے لڑکے ہیں۔" اس نے رعب جمایا۔

"سنیں۔ آپ لال مرچ کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں یا کریلوں کی فیملی سے؟" محسن نے ادب سے سوال کیا۔

"دونوں سے نہیں۔ میرا تعلق نیم کی فیملی سے ہے۔" اس نے اس قدر سنجیدگی سے جواب دیا کہ دونوں ہونق بنے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔

"ماشاءاللہ۔ کیا ذوق۔ لطیف ہے۔ کیسی زبردست حسِ مزاح پائی ہے۔" محسن نے سُوکھے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"ارے مہارانی' ملکہ' دیوی' اماں' دادی' خاتون' میڈم' ارے او لڑکی۔ تم جو کوئی بھی ہو۔ تھوڑی بہت انسان بھی ہو یا نہیں۔" محسن نے زچ ہو کر سر پکڑ لیا تھا۔

"میرا تو خیال ہے' میزائل کی فیملی سے ہے۔ سیدھا سیدھا سکڈ میزائل ہے۔ انسانوں والی تو کوئی چیز نہیں نظر آئی۔" اظہر نے رائے دیتے ہوئے بغور سرتاپا اس کا جائزہ لیا۔ وہ جز بز ہو گئی۔

"ہو سکتا ہے' نکے پانڈے۔ میں بھی غور کر رہا ہوں۔"

نگین کچھ ساعت چُپ چاپ کھڑی اُن کے مکالمات سنتی رہی پھر ایک دم جیسے کچھ سمجھ کر ہنس پڑی۔

"او کے۔ میرا خیال ہے' دونوں طرف سے بھرپور حملوں کا کوٹہ پورا ہو گیا ہے۔ اب سیز فائر کر لیتے ہیں۔ اگلا راؤنڈ پھر سہی۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" اُس کی جاندار ہنسی' کھلکھلاتی ہوئی صورت بڑی پیاری لگی تھی۔ ماحول

ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا۔ اظہر نے ٹیکسی روکی اُسے اور محسن کو ٹیکسی میں بٹھایا' سامان رکھا اور خود ٹیکسی کے ساتھ ساتھ موٹر بائیک پر چل پڑا۔

O☆O

''ڈیڈی۔ کیا کرتے رہتے ہیں' سارا دن آپ! اور کچھ نہیں تو کیا اِن پودوں کی دیکھ بھال بھی نہیں کر سکتے۔ یہ دیکھیے۔ نارنجی گلاب کا پودا سوکھ گیا ہے۔'' مہرینہ بُری طرح بگڑ رہی تھی۔ تلقین میاں لجاجت سے صفائی پیش کرنے لگے۔

''اپن اس کو روز پانی دیتا ہے بٹیا۔ شاید جڑ کو کیڑا لگ گیا ہے۔''

''اُونہہ۔'' اس نے کوفت سے سر جھٹکا ''کام چوری چھپانے کے آپ کو ایک ہزار ایک طریقے آتے ہیں۔'' وہ ٹھک ٹھک کرتی اندر چلی گئی۔

''دھیرج سے بچی۔ اتنا غصہ اچھا نہیں ہوتا۔ سہج سے بولتے ہیں۔'' بُوا نے سبزی دھوتے ہوئے نصیحت کی۔ مہرینہ مزید تپ گئی۔

''ایک تو آپ کی جا و بے جا حمایت نے انہیں بگاڑ دیا ہے۔''

''اے ہے۔ باپ ہے تمہارا۔ یہ کس لہجے میں ذکر کر رہی ہو اُس کا۔'' بُوا کو سخت ناگوار گزرا۔

''بھلا مرد بھی عزت کے قابل ہوتا ہے؟'' مہرینہ نے تمسخرانہ کہا۔ ''اُوں ہُوں ناممکن۔'' وہ سر جھٹک کر ٹی وی لاؤنج میں آ گئی۔

''یاسمین بیٹی۔ میں کہتی ہوں' ابھی بھی وقت ہے۔ اُسے سدھار لو۔ میرے منہ میں خاک' مجھے اس کے روپ میں ایک بہت بڑا طوفان چھپا نظر آ رہا ہے۔ اُس کے دل میں زندگی کے متعلق اتنا زہر نہ بھرو۔ آخر کو رہنا تو اسی دنیا کے بیچ ہے۔ ضروری نہیں ہے' تمہارے ساتھ جو زیادتی ہوئی وہی مہر کے ساتھ بھی ہو۔'' بُوا تشویش میں مبتلا تھیں۔

''جڑوں کے دُکھ شاخوں میں بھی اُتر جاتے ہیں۔ بُوا۔ کچھ مصیبتیں نسل در نسل آگے چلا کرتی ہیں۔ خیر آپ فکر نہ کریں۔ میں نے اپنی بیٹی کی تربیت ایسی کی ہے کہ وہ زمانے کے ہر وار کا بھرپور انداز میں جواب دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ میری طرح بزدلی سے شکست تسلیم نہیں کرے گی۔ وہ جس خاندان کا خون ہے' وہاں موم سے بنے لوگوں کی گنجائش نہیں نکلتی۔ آپ دیکھیے گا میں کس طرح اُسے اُس کا حق دلواتی ہوں۔ خاندان کے ایک ایک شخص کو ذلت کے گڑھے میں

نہ اُتارا تو یاسمین بیگم نام نہیں۔ میں تو ایک مدت سے منتظر ہوں۔ بس مناسب موقع ہاتھ لگ جانے دو۔''

بُوا یاسمین بیگم کے جارحانہ و مشتعل عزائم سے خوف زدہ ہو گئیں۔ ہونق بنی صورت دیکھنے لگیں۔

''بڑے کہہ گئے ہیں' انتقام لینے کا منصوبہ باندھنے والوں کے زخم ہمیشہ ہرے رہتے ہیں۔ معاف کر دینے کا عمل سکون اور خوشیاں بڑھا دیتا ہے۔ دُکھوں کی شدت کو کم کر دیتا ہے۔ ہو سکے تو اس پر سوچنا بیٹی۔'' بُوا ٹھنڈی سانس بھر کر مصالحہ بھوننے لگیں۔

''امی۔ یہ بُوا کیا ہر وقت نصیحتوں کی پوٹلی باندھے رکھتی ہیں۔'' یاسمین بیگم مہرینہ کے پاس آئیں تو وہ ناک چڑھا کر بولی۔

''تم دھیان مت دیا کرو۔'' یاسمین بیگم کے لہجے میں لاپروائی تھی۔ ''بوڑھی عورت ہیں۔ برسوں کا ساتھ رہا ہے۔ اُن کی بزرگی کا خیال کر کے چُپ ہو جاتی ہوں۔ یوں بھی بے چاری کیا کہتی ہیں۔ اس عمر میں نصیحت کرنا ہی سب سے آسان ترین کام رہ جاتا ہے۔ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا کرو۔ تمہارا کیا جاتا ہے۔ مسز فاروقی کے ہاں چلتی ہو؟'' انہوں نے بات بدل دی۔

''چلیے چلتے ہیں۔ میں کپڑے بدل لوں ذرا۔'' مہرینہ انگڑائی لے کر سستی سے اُٹھ گئی۔ سرخ مہرینہ کے شلوار سوٹ اور سرخ شال میں اُس کی گندمی مائل نکھرتی ہوئی رنگت میں شعلوں کا سا عکس گھل گیا تھا۔ ہیل پہن کر اُس کا لمبا قد مزید نمایاں ہو گیا تھا۔ اونچی کھڑی ناک اور آنکھوں میں جھلکتا غرور و ناز غالباً باپ کی طرف سے ورثے میں ملا تھا۔ تلقین میاں نے گیٹ کھول دیا تھا۔ اب وہ سوزوکی کار کا دروازہ کھول رہے تھے کہ پلک جھپکتے میں اَنہونی ہو گئی۔

سرخ سپورٹس کار بندوق سے نکلی گولی کی طرح سڑک سے مُڑتی ہوئی گھر کا گیٹ پار کر کے اندر آئی اور قدرے ٹیڑھی ہو کر پھولوں کی کیاری میں جا کر سکرچ کے ساتھ رُک گئی۔ سب متحیر کھڑے دیکھتے رہ گئے۔

''اوہ مائی گاڈ۔ میرے پودے۔'' مہرینہ کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی تھی۔ وہ سکتے کے عالم میں کار سے ہونے والی تباہ کیاری دیکھ رہی تھی۔ کار کے فرنٹ ڈور کو بمشکل کھول کر وہ سوٹڈ بوٹڈ

وجیہہ مرد باہر نکلا تھا۔

"یہ۔ یہ کیا بدتمیزی ہے مسٹر!" مہرینہ مٹھیاں بھینچے فوں فوں کرتی لال انگارہ بنی اس کے مدِ مقابل آئی تھی۔

مرد نے سرتاپا اس شعلے کا جائزہ لیا۔ پہلے نگاہوں میں معذرت اُتری' پھر...... حیرت اور اس کے بعد ستائش اور شوق کی لپک۔

"معاف کیجئے گا۔ گاڑی میں اچانک کوئی فالٹ پیدا ہوگیا تھا۔ میں اِدھر اپنے دوست سے ملنے آیا تھا۔ یہ گاڑی کی پہلی ٹرائل تھی' ابھی پچھلے ہفتے بک کروائی تھی۔ میں نے دھیان نہیں دیا' چلتے چلتے راستے میں بے قابو ہوگئی۔ شکر ہے' کوئی بڑا حادثہ نہیں ہوگا۔ خدانخواستہ کسی کی جان چلی جاتی تو......"

"اور یہ جو اِن بے زبان پودوں کو زندگی سے محروم کیا ہے' وہ کس کھاتے میں جائے گا۔ آپ کو معلوم ہے' کتنے قیمتی اور نایاب پودے تھے۔ یہ۔"

مہرینہ کا بس نہیں چل رہا تھا' موصوف کو کچا چبا جائے۔ غم و غصّے سے اُس کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ مرد نے دلچسپی سے اُس کا سراپا جانچا۔

"مجھے اِن کے نام اور اقسام لکھ کر دے دیجئے۔ وعدہ رہا اگر یہ پودے دنیا کے آخری کونے میں بھی اُگے ہوں تو میں آپ کے لئے منگوا دوں گا۔ یہ میرا کارڈ رکھئے۔ ویسے "ملک ہاؤس" کا نمبر آپ کو انکوائری سے بھی باآسانی مل جائے گا یا ملک فوڈ انڈسٹریز کے مرکزی دفتر میں مجھ سے رابطہ کرسکتی ہیں۔ کسی بھی وقت' ہر کام کے لئے۔ میں نے بھی آپ کا ایڈریس نوٹ کرلیا ہے۔ دو دن کے اندر اندر مطلوبہ پودے گھر پہنچا دوں گا۔ مجھے سعود کہتے ہیں۔ آپ کا اسمِ گرامی!" سعود نے سلیقے سے دریافت کیا۔

"آپ کا سر۔" مہرینہ تلملا گئی۔ ابھی تک یاسمین بیگم نے اُن کی گفتگو میں دخل نہیں دیا تھا۔ چُپ چاپ کھڑی سن رہی تھیں۔ پھر اچانک آگے بڑھیں۔

"تم ملک فیروز دین کے پوتے ہو؟"

"جی ہاں۔ کیا آپ اُنہیں جانتی ہیں۔" سعود نے تعجب سے اُنہیں دیکھا۔

"نہیں۔" یاسمین بیگم ساڑھی کے پلّو سے نادیدہ گرد جھاڑنے لگیں۔ "نام سن رکھا ہے البتہ۔

وہ کوئی غیر معروف ہستی تو نہیں ہیں۔ بڑی شہرت ہے ملک ہاؤس کے مکینوں کی۔ فقط ایک سیاست میں آنے کی دیر ہے۔ اونچے ایوانوں میں بھی نام گونجنے لگے گا۔" اُن کا لہجہ کوئی اُتار چڑھاؤ نہیں لئے ہوئے تھا۔

"سیاست بازی' ہمیں خود ہی پسند نہیں ہے۔ وگرنہ اب تک قومی اسمبلی کی سیٹوں تک رسائی حاصل کر چکے ہوتے۔ ملک بابا کہتے ہیں' اس فیلڈ میں باآسانی ہو جانے والا کام بھی الزامات اور میڈیا ٹرائل کی سیاہی کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ اس لئے کیا فائدہ سیدھا راستہ چھوڑ کر سیاست کے خار زاروں میں بھٹکنے کا۔ کیا آپ اپنا تعارف کروائیں گی معزز خاتون۔ آپ سے مل کر دلی خوشی ہوئی۔ یہ غالباً آپ کی بیٹی ہیں۔"

سعود بڑے سُبھاؤ سے مطلب کی بات پر آیا تھا۔ یاسمین بیگم نے ٹٹولنے والی گہری نظر سے اُس کا جائزہ لیا پھر کچھ سوچ کر مسکراتے ہوئے لہجے میں مخاطب ہوئیں۔

"ہاں۔ یہ مہرینہ ہے' میری اکلوتی بیٹی۔ میرا نام یاسمین بیگم ہے۔ ہم لوگ بھی ذات کے ملک ہیں۔ اِس کے والدِ مرحوم کا سارا خاندان سرحد پار کرتے ہوئے مارا گیا تھا۔ تقسیم سے پہلے گورداس پور کے نامی گرامی زمیندار تھے۔ سب اِدھر ہی رہ گیا۔"

"پھر تو ملک بابا اور گھر کی دیگر خواتین آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔ آپ کبھی آئیے گا ناں۔" یاسمین بیگم نے محسوس کیا' تفصیلات جان کر سعود کی آنکھوں میں ایک چمک اُتر آئی تھی۔

یاسمین بیگم مبہم سا مسکرا کر سر ہلانے لگیں۔

"میں امی جان وغیرہ کے ساتھ آؤں گا۔ انشاءاللہ۔" سعود کے لہجے میں جوش تھا۔ اجازت لینے سے پہلے اُس نے مُڑ کر بھرپور نظر مہرینہ پر ڈالی تھی۔

"یہ تو بہت اچھا ہوا۔ بہت ہی اچھا ہوا۔" یاسمین بیگم اُس کے جانے کے بعد خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائیں۔ اُن کی آنکھیں پھڑکنے لگی تھیں۔

"آپ نے کیوں لفٹ کرائی خواہ مخواہ۔" مہرینہ نخوت سے تیوریاں چڑھا کر بڑبڑانے لگی۔

"پتا نہیں کون پاگل تھا۔ اونہہ۔ ڈرائیونگ بھلے سے نہ آئے مگر نئی نویلی گاڑی کی شو مارنے ضرور سڑک پہ نکلیں گے۔" وہ کوفت وبیزاری سے بڑبڑاتے ہوئے کار میں سوار ہوگئی۔

یاسمین بیگم کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔

ملکوال کا گاؤں بتدریج نزدیک آتا جا رہا تھا۔

پجارو سرخ اینٹوں والی سڑک پر رواں دواں تھی۔ سڑک کے ایک طرف سرسبز فصلیں اور ہرے بھرے درختوں کی بہتات تھی اور دوسری طرف سرخی مائل ٹھنڈے پانی کی چوڑی نہر بہہ رہی تھی۔ یہ نہر سڑک کے اختتام تک ساتھ ساتھ جاتی تھی۔ ڈیرے کے باغات سے گزر کر گاڑی بتدریج ملکوال کے گاؤں سے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ کچے پکے، اونچے نیچے مکانات، کشادہ صحن، بھینسوں، بکریوں اور مرغیوں کی گلیوں میں چہل قدمی اور بچوں کے شور میں اُبھرنے والی آوازیں، سانولے پکے رنگوں کے مٹیالے کپڑوں دھوتیوں میں ملبوس، پسینے سے نچڑے، گھروں کو لوٹتے کسان، ننگ دھڑنگ گلیوں میں روایتی دیہاتی کھیل کھیلتے کمسن بچے، محنت مشقت اور سخت کوشی کی زندگی بسر کرنے والی عورتیں اور بیل گاڑیوں، سائیکلوں، ریڑھی والوں سے بھری لال اینٹوں کی اِدھر اُدھر کو نکلتی چھوٹی چھوٹی سڑکیں۔ مغرب کی اذانیں بس ہوا ہی چاہتی تھیں، جب سکندر نے سیاہ لوہے کے گیٹ والی سرخ ٹائل سے بنی کشادہ حویلی کے آگے ہارن بجایا۔

امام دین چوکیدار نے لپک کر گیٹ کھولا تھا۔ اندر زنان خانے اور مردانے کی رونقیں عروج پر تھیں۔ مردانے میں حسبِ معمول دُرّاب کے والد ملک ایاز کے پاس گاؤں کے معززین اور آس پاس کے دیہاتوں سے آنے والے مہمانوں کی بھیڑ بھاڑ تھی۔ حُقے تازہ ہو رہے تھے، چائے بسکٹ اور لسی پانی وقفے وقفے سے اندر پہنچائے جا رہے تھے۔ گاؤں کے بھانڈ مراثی ملکوں کے مہمانوں کو خوش کرنے کے لئے گانے ٹپے اور مزاحیہ مکالمے بول رہے تھے۔ مردان خانے کے احاطے میں ایک طرف اینٹیں رکھ کر نیچے کوئلے دہکا کر چاول گوشت کی دیگ پکائی جا رہی تھی۔ عبداللہ نائی اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ دیگ کے اندر ڈالنے کے لئے مصالحہ کوٹ رہا تھا۔ ملک دُرّاب کے خاص آدمی اور حویلی کے دیگر ملازم بھی اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔

سکندر کا شمار چونکہ ملازمین میں ہوتا تھا اس لئے زنان خانے میں قدم رکھنے کی ممانعت نہیں تھی۔ وہ بڑی اماں کا بیگ اٹھا کر اندر چلا گیا۔ ماسی برکتے دھوبی کے لائے ہوئے کپڑوں کا حساب کر رہی تھی، اسے دیکھ کر لپک کر خیریت پوچھنے آئی۔

''ماں صدقے۔ کیسا ہے، میرا پتر۔ بڑے دن لگا دیئے ملک آباد میں۔'' وہ ایک سیدھی سادی دیہاتی عورت تھی۔ لب و لہجے میں پنجاب کا رنگ نمایاں تھا۔

''شہریال بی بی کی وجہ سے آج کل اُدھر ڈیوٹی لگ گئی ہے ماسی۔ انہیں روزانہ اسلام آباد کے ہسپتال لانا لے جانا ہوتا ہے۔'' سکندر نے سلام کرنے کے بعد جواب دیا۔ وہ صبح والی سفید شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔

''سفر سے تھکا ہوا آیا ہے۔ چل گھر جا کر نہا دھو کر آرام کر لے۔ کوثر بھوری (بھینس) کا دودھ نکال چکی ہوگی۔ وہ تجھے چائے بنا دے گی۔ جا میرا بچہ!''

''اچھا ماسی۔ پہلے بڑے ملک جی سے اگلا حکم معلوم کر لوں۔'' وہ لان سے ہو کر مردانے کی طرف جا رہا تھا، جب راستے میں صائمہ سے ٹکراؤ ہو گیا۔ وہ شہریال کے بھائی فہد کی دلہن تھی۔ فہد کو ملک سرفراز نے بارہ تیرہ برس کی عمر میں پڑھائی کی غرض سے امریکہ بھجوا دیا تھا۔ دو سال پہلے چھٹیوں میں آیا تو ملک بابا نے خاندانی روایات کے مطابق ساتھ والے گاؤں میں اپنی برادری کے گھرانے میں اُس کی شادی کر دی تھی۔ شادی کے تقریباً ایک ماہ بعد چھٹیاں ختم ہوتے ہی فہد امریکہ واپس چلا گیا تھا۔ والدین کی وفات پر بھی بمشکل ایک ہفتے کی چھٹی مل سکی تھی۔ ابھی اس کی پی ایچ ڈی مکمل ہونے میں مزید تین سال باقی تھے۔ اور اس دوران تک صائمہ کو خاوند کی آمد کا انتظار کرنا تھا۔ شادی کے بعد میاں سے وقتی یا طویل جدائی حویلی میں معمول کی بات سمجھی جاتی تھی۔ بزرگوں کو بس شادی کی جلدی ہوتی تھی، بعد میں دونوں جس طرح بھی زندگی گزاریں، اُن کی جانے بلا۔

''اتنی تیزی سے کہاں جا رہے ہو؟ اور اتنے دن کہاں غائب رہے؟'' سکندر دیکھتے ہی حسبِ سابق مؤدب ہو گیا تھا۔

''ملک آباد میں کچھ کام تھا۔ آپ حکم کیجئے۔'' وہ شوخ سبز اور سرخ پرنٹ کے قیمتی لباس میں زیورات سے آراستہ و پیراستہ بھرا گول چہرہ، بھرپور جسامت اور دیدہ زیب قامت۔

''ہم نے کیا حکم دینا ہے۔ کبھی ہمارے دوارے بھی چکر لگا جایا کرو۔'' وہ مسکرائی۔

''آپ جب بھی بلائیں، بلا تامل حاضرِ خدمت ہو جاؤں گا۔ انکار تو اپنا شیوہ ہی نہیں ہے۔'' وہ دونوں بازو سینے پر لپیٹ کر بولا۔

''اتنی دوڑ بھاگ کرتے ہو، تم تھکتے نہیں ہو۔'' صائمہ نے عجیب سے انداز میں اُس کی طرف دیکھا۔ سکندر کی نظریں حسبِ معمول جھکی ہوئی تھیں۔ چہرہ سپاٹ تھا اور انداز میں انکساری

اور مستعدی۔

''تھکن کا تعلق جسم سے نہیں دل و دماغ سے ہوا کرتا ہے صائمہ بی بی۔''

''سنو۔'' معاً صائمہ نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے قدرے نیچی آواز میں مخاطب کیا۔ ''مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ میں جانتی ہوں' جائز شے سے محرومی کا دکھ کتنا ظالم ہوتا ہے۔ ایک سکھ جو آپ کے نام لگایا گیا ہو اس پر عملاً آپ کا کوئی اختیار نہ ہو تو من میں آتش فشاں سُلگ اُٹھتے ہیں۔''

صائمہ کے لہجے اور چہرے سے جھلکتی بے چینی و ہیجان کو سکندر نے شوہر سے طویل جدائی کا سبب سمجھا۔

''لطف و کرم سے آشنا کرا کے جام ہاتھ سے چھین لیا جائے تو پیاس اور بھڑک اُٹھتی ہے۔ وجود میں ہمہ وقت الاؤ دہکنے لگتے ہیں۔''

اس کی بھنچی ہوئی آواز' رخساروں کی گہری پڑتی سرخی اور تنفس کی بے ترتیبی اُس کے جذبات کی عکاس تھی۔ سکندر گھبرا سا گیا۔

''حوصلہ رکھئے' صائمہ بی بی۔ دنیا کی کوئی مشکل ایسی نہیں ہے جسے صبر اور ہمت کے ہتھیار سے شکست نہ دی جا سکے۔ جہاں اتنا انتظار کیا ہے' تھوڑا اور کر لیجئے۔ انشاء اللہ فہد میاں جلد لوٹ آئیں گے۔''

''کب تک جھوٹے بہانوں سے دل بہلاؤں۔ وہ جاگیرداروں کی اولاد ہے اور پھر مرد ہے۔ اُس کی اتنی عنایت ہی کافی ہے کہ دادا کے حکم پر بے چون و چرا اپنے ٹھیکرے کی مانگ سے شادی کر لی۔ اس سے زیادہ بھلا حویلی کی عورت کو اور کیا چاہئے۔ ایسا ہی خیال ہوتا تو خط یا فون کے ذریعے اُس سے پرسش نہ کرتے۔ بیوی کی ذمے داری اور حقوق نبھانے کا احساس نہ دلاتے؟ وہ تو اُس کی اعلیٰ تعلیم کے پیش نظر مجھے میٹرک تک پڑھنے کی آزادی مل گئی ورنہ ازدواجی حقوق کا علم بھی نہ ہونے پاتا۔''

سکندر کی سمجھ میں نہیں آیا' اس کے سلگتے سوالوں کا کیا جواب دے یا کس طرح اُسے مطمئن کرے۔

''آپ پسند کریں تو ملک آباد یا اسلام آباد کا چکر لگا آیئے۔ ہو سکتا ہے' وہاں کی فضا آپ کی طبیعت پر خوشگوار اثر ڈالے۔'' اُس نے خلوص سے مشورہ دیا۔

''ہیں تو قید خانے ہی ناں۔ نام مختلف ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' صائمہ نے گہری سانس کھینچی۔ پھر قدرے تازگی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''بہرحال تم اُدھر کے لئے نکلو گے تو ہم بھی چلے چلیں گے۔ کچھ سفر کا ہی لطف رہے گا' تمہارے ساتھ۔'' صائمہ کی آنکھوں میں زندگی کی چمک بیدار ہو گئی۔

''مجھے اجازت ہے؟'' سکندر نے شائستگی سے پوچھا۔ جواب میں صائمہ نے گہری نظر اُس کے سراپے پر ڈالی۔

''ہم نے تو کب کی دے رکھی ہے۔ تم ہی اطاعت و مروّت کے چکر میں نظر انداز کئے ہوئے ہو۔''

سکندر کی آنکھوں میں اُلجھن کے بادل منڈلانے لگے۔ تاہم اُس نے وضاحت طلب نہیں کی۔ ہلکا سا سر خم کر کے باہر نکل گیا۔

ملک ایاز کے ہاں حاضری دے کر وہ سیدھا گھر چلا آیا۔ یہ بھٹے کی اینٹوں اور گارے سے تعمیر کئے گئے دو کمروں اور مٹی سے لپے آنگن پر مشتمل گاؤں کے عام سے دہقان کا گھر تھا۔ آنگن کے ایک کونے میں امرود' نیم اور دھریک کے پیڑ لگے ہوئے تھے جن کے نیچے بکری اپنے تین چار بچوں کے ساتھ تشریف فرما تھی۔ برآمدے کے سائے میں کھانچے کے نیچے مرغی اپنے چوزوں سمیت بند کٹ کٹ کر رہی تھی۔ سفید اور سیاہ دھبّوں والا چھوٹے قد کا پالتو کتا صحن میں بچھی مونجھ کی چارپائی کے نیچے سو رہا تھا۔ نلکے کے نیچے دھونے والے برتن رکھے تھے جہاں چڑیاں اور کوّے منڈلا رہے تھے۔

''یہ کیا برتنوں کا بازار سجا رکھا ہے تُو نے نلکے کے نیچے۔'' لال گرم اوڑھنی سنبھالے مٹی کے چولہے میں آگ جلاتی کوثر کو دیکھ کر سکندر نے برہمی دکھائی۔

''آتے ہی نہ سلام نہ دعا اور لڑنے بیٹھ گئے۔ شاباش ہے بھئی۔'' کوثر نے اپنے مخصوص کھنکتے انداز میں کولھوں پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا۔

''چاچا بختو نہیں آیا کھیتوں سے؟ اور وہ ظفر بھی دکھائی نہیں دے رہا۔''

''ابّا ملکوں کی حویلی گیا ہے۔ کوئی حساب کتاب لکھانے۔ اور ظفر ساتھ کے گاؤں میں میلہ دیکھنے نکلا ہوا ہے صبح سے۔ اپنے یاروں کی ٹولی کے ساتھ گیا ہے۔ آرام سے ہی لوٹے گا۔ تم کو

چائے بناؤں یا کھانا۔'' کوثر نے برتن نلکے کے آگے سے ہٹا لئے تھے۔ سکندر جھک کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا۔

''کیا پکایا ہے۔''

''ساگ اور ساتھ میں مکئی کی روٹی۔'' اپنے من پسند آئٹم کا نام سن کر سکندر کی بھوک خود بخود جاگنے لگی۔

''پھر کھانا ہی لا دے۔''

''پہلے کپڑے بدل لے۔ دیکھ ان کی استری خراب ہو گئی ہے۔'' کوثر نے اپنائیت و محبت سے اُس کے سفید شلوار قمیص کا جائزہ لیا۔

''کھانا کھانے کے بعد بدل لوں گا۔ اب کون سا کہیں جانا ہے۔''

وہ لکڑی کی چوکی بچھا کر چولہے کے آگے بیٹھ گیا۔ سردی کا موسم تھا' آگ تاپنے کا اپنا ہی ایک مزہ تھا۔

''کیا خبر کب بلاوا آ جائے۔ نہ ویلا دیکھتے ہیں نہ کو ویلا۔ جب جی چاہے' بندہ بھیج کے بلوا لیتے ہیں۔ جیسے تم گوشت کے نہیں لوہے پتھر کے بنے ہوئے ہو۔ مشین کو بھی دن میں کسی نہ کسی وقت آرام چاہئے ہوتا ہے۔ کام کے وقت اُنہیں تم ہی کیوں یاد آتے ہو۔'' کوثر کے غم و غصّے کے اظہار پر سکندر مسکرا دیا۔

''بھئی نوکر ہیں ہم۔ اُن کا حق بنتا ہے' جب چاہیں بلوا لیں۔ تُو کیوں دل بُرا کرتی ہے۔ اپنا کام ہی کیا ہے' اس کے علاوہ۔ چل کھانا کھا۔''

''تمہارا ایف۔اے کا امتحان کب ہوگا سکندر؟'' وہ کچھ سوچ کر پوچھنے لگی۔

''ذرا ٹھہر کر ہی ہوگا۔ تو کیوں پوچھ رہی ہے۔'' وہ نوالہ بناتے ہوئے بولا۔

''اللہ کرے' تم جلدی سے پڑھ لکھ جاؤ اور پھر شہر میں ہی کوئی اچھی سی نوکری ڈھونڈ لو۔ اس غلامی سے تو نجات ملے گی۔ کتنا اچھا ہوتا جو تم وقت گنوانے کی بجائے بہت پہلے پڑھائی مکمل کرنے کا سوچ لیتے۔ اپنی عمر کے حساب سے تو اب تک تم سولہ جماعتیں پڑھ کر سرکاری ملازم بھی ہو چکے ہوتے۔''

اُس کی نیک خواہشات پر سکندر چُپ سا ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ ''مقدر کو نہیں ہرایا جا سکتا کوثر۔''

چاچا بختو اور ماسی برکتے کو سکندر کی پرورش کا ذمہ سونپتے ہوئے حویلی والوں کی طرف سے یہی بتایا گیا تھا کہ وہ کسی غریب ماں باپ کی اولاد تھا۔ ماں مرنے سے پہلے ملک بابا کو سونپ گئی۔ اُنہوں نے خدا ترسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یتیم بچے کی کفالت کا ذمہ لے لیا تھا۔

''مگر مجھے اچھا نہیں لگتا تمہارا ملکوں کی خدمت کرنا۔ تم پر بجتا نہیں ہے۔''

''اچھا زیادہ باتیں نہ بنا۔ میں کھانے کے بعد چائے پیوں گا۔ ابھی سے بنانی شروع کر دے' ابھی آگ روشن ہے۔''

''شہریار بی بی کیسی ہیں سکندر؟'' کوثر نے اچانک پوچھ لیا۔ وہ چونکا۔

''ٹھیک ہیں۔ اُنہیں کیا ہونا ہے۔'' اس نے استعجابیہ کہا۔

''اُن کا دل لگ گیا ہے ملک آباد میں؟'' کوثر نے اُس کی طرف دیکھا۔ لہجہ آہستگی لئے ہوئے تھا۔

''مجھے اُن کے دل کی کیا خبر۔ انوکھے ہی سوال ہوتے ہیں تیرے۔'' سکندر نے بیزاری سے کہا۔

''اُن کی تو کیا تمہیں اپنے دل کی خبر بھی نہیں ہے۔'' کوثر کے لہجے میں عجیب سی تھکن رچ گئی تھی۔ سکندر خاموشی سے چائے پیتا رہا۔

''سکندر!'' کچھ دیر بعد اُس نے اُسے مخاطب کیا۔ لہجے میں سوچ کے عکس نمایاں تھے۔

''تجھے شہریار بی بی کی خدمت کرنا اچھا لگتا ہے ناں۔'' لہجے کی معنی خیزی قابلِ غور تھی۔

سکندر کو جیسے کسی نے حقائق کے کھولتے ہوئے سمندر میں اُلٹ دیا۔ وہ بدک کر اُس کی صورت دیکھنے لگا۔ دل جیسے طوفانی لہروں کی زد میں آ گیا تھا۔

''کیا بکتی ہے۔ مالکوں کی خدمت کرنا نوکر کو اچھا ہی لگنا چاہئے۔'' وہ درشتی سے اسے گھورنے لگا۔ اب وہ سنبھل چکا تھا۔

''کیا ماسی برکتے اور چاچا بختو نہیں کرتے؟ ظفر نہیں کرتا؟'' وہ بگڑنے لگا' اسے اس کی صاف گوئی سے خوف آ رہا تھا۔

''لیکن فرض نبھانا اور بات ہوتی ہے اور دل کی خوشی سے مجبور ہو کر کرنا دوسری بات ہے۔'' کوثر نے غیر محسوس طریقے سے اُس کی بات کی نفی کر دی تھی۔

''بہت باتیں کرنا آ گئی ہیں تجھے۔ ماسی سے کہوں گا' اب تیرا کوئی بندوبست کر ہی ڈالے۔ بہت عیش کرلیا ہمارے ہاں۔ اب اگلے گھر سدھارنے کی تیاریاں کرو۔'' سکندر بات کا رخ بدل کر بولا۔

''میرا فیصلہ کرنے والے تم کون ہوتے ہو۔ اوں' اگلے گھر سدھارو۔ بڑا آیا وہاں سے؟'' کوثر نے مُنہ بگاڑ کر کہا۔

سکندر ہاتھ دھو کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میرا بستر بچھا دے۔ تھوڑا آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ کمرے میں آ گیا۔

جہاں تین وائن سے بنی چار پائیاں تھوڑے فاصلے پر برابر برابر بچھی ہوئی تھیں۔ یہاں وہ ظفر اور چاچا بختو کے ساتھ شب بسری کرتا تھا۔

کوثر نے اُس کی چار پائی پر دلائی بچھا کر چادر اور تکیہ سیٹ کیا پھر پائنتی پر سرخ چھینٹ کی رضائی ڈال کر بتی بجھاتے ہوئے باہر آ گئی۔ اب کمرے میں اندھیرا تھا۔

لیکن سکندر کے دل کے دریچے میں ایک ماہتاب روشن ہو چکا تھا۔

بند آنکھوں میں اُس حریم ناز' لالہ رخ' سیمیں تن بُتِ طناز کا جگمگاتا سراپا اُتر آیا تھا۔ آج اُس نے اُس گلبہار کو دیکھا تھا۔ جس کی ایک جھلک اسے پہروں سرشار رکھنے کے لئے کافی تھی۔

نیلے جارجٹ کے لباس میں جگر جگر چمکتی دمکتی اس کی نقرئی رنگت' سیاہ مخمل کو شرمانی عنبر فشاں زلفیں' کالے چمکدار نگینوں جیسی چشم میگوں۔ اور رس برساتی غنائیہ آواز۔

شاید اسے علم تھا کہ وہ لب کھولتی ہے تو نغمے پھوٹنے لگتے ہیں' سُر بکھرنے لگتے ہیں۔ تشنہ سماعتیں نغمہ بار ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے وہ کم کم نطق کو زحمتِ کلام دیتی تھی۔

اسے سوچنا ایسا ہی تھا جیسے اُس کی عطر بیز قربتوں کو محسوس کرنا۔ سکندر کے جسم کا رواں رواں لطافت و حلاوت میں ڈوبنے لگا۔ یوں لگا' جیسے وہ ریشمی ملائم انگلیاں اس کے پپوٹے چھو رہی ہیں۔ اُس کے دل و دماغ میں کیف و سرور گردش کرنے لگا اور کچھ دیر بعد وہ گہری نیند کی وادیوں میں پہنچ چکا تھا۔

۞۞۞
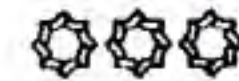
''سخت قہر چڑھ رہا ہے مجھے۔ دس منٹ ہو گئے ہیں' پیریڈ شروع ہوئے۔ کب آئیں گی جغرافیے کی ٹیچر۔'' مہرینہ تلملاتی ہوئی راحت سے مخاطب تھی۔ وہ لوگ کلاس رُوم میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''صبر مائی ڈیئر صبر۔ آ جائیں گی۔ سُنا ہے' نئی ٹیچر اپائنٹ ہوئی ہیں۔ ہوسکتا ہے اُنہیں کلاس رُوم نہ مل رہا ہو۔''

''اُفوہ۔ وہ میڈم نگہت کیا ہوئیں۔ ایک نئی مصیبت۔ لعنت ہے یار اس زندگی پر۔'' مہرینہ حسبِ عادت دوبارہ غصّے میں آ گئی۔

''وہ ریٹائر ہو چکی ہیں۔ اُن کی ملازمت کی میعاد پوری ہو چکی تھی۔ تم تین دن کی چھٹیاں منا کر آئی ہو کالج اسی لئے بے خبر ہو۔''

دسمبر کی موسمِ سرما کی ایک ہفتے کی چھٹیوں کے بعد کالج کھل چکا تھا۔ مہرینہ کا موڈ نہیں تھا اس لئے مزید تین دن کالج نہیں آئی تھی۔

''اب نئی ٹیچر کے ساتھ ایڈجسٹ کرنا پڑے گا۔ پہلے ہی تھرڈ ایئر کی آخری ٹرم رہ گئی ہے۔ جون میں تو پیپرز شروع ہو جائیں گے۔ سخت غصہ آ رہا ہے مجھے۔'' وہ ہتھیلی پر مُکا مار کر بولی۔

''غصہ تمہیں کب نہیں آتا۔ یہ تو تمہاری ناک پر دھرا رہتا ہے۔'' راحت ہنس دی۔ ''دودھ

والا ناغہ کرے تو غصہ آجاتا ہے۔ اخبار والا دیر سے آئے' ٹیچر غیر متوقع ٹیسٹ لے لے' میڈم شہلا سے ٹاکرا ہو جائے اور وہ مزاج پُرسی کر ڈالیں۔ ڈیڈی چھٹی ٹائم لیٹ آئیں' سردی زیادہ ہو' کوئی تمہاری شان میں گستاخی کر دے وغیرہ وغیرہ...... ویسے اتنا ستاک جمع نہ رکھا کرو۔ بلاوجہ کا غصہ اور چڑچڑاپن مصیبت میں بھی پھنسا دیتا ہے۔ کیونکہ آپ کو آتا ہے تو دوسرے کو بھی آسکتا ہے۔''

راحت نے طریقے سے مزاج پوچھے۔ مہرینہ میں سیلف کنٹرول بالکل نہیں تھا۔ چھوٹی سی خلافِ مزاج بات پر شعلے کی طرح بھڑک اُٹھتی تھی۔ طبیعت میں بے صبراپن' عجلت اور تیکھا پن نمایاں تھا۔ کلاس میں چڑچڑی' تنک چڑھی اور سڑیل کے طور پر مشہور تھی۔ اپنی تنک مزاجی کے ہاتھوں بعض اوقات وہ خود بھی تنگ آجاتی تھی۔

''یار' کیا کروں۔ بہت کوشش کرتی ہوں' خود پر قابو پانے کی۔ شاید میری نفسیات میں کوئی تشنگی' کوئی کمی رہ گی ہے جو پل بھر میں آؤٹ آف کنٹرول کر دیتی ہے۔ مجھے تو خود سمجھ نہیں آتی کہ میں اتنی جلدی چیزوں سے' لوگوں سے اور ماحول سے خفا و بیزار کیوں ہو جاتی ہوں۔''

پندرہ منٹ ہونے والے تھے۔ قواعد کے مطابق اب لڑکیاں کلاس چھوڑ کر جاسکتی تھیں۔

''آؤ کینٹین چلتے ہیں مہر......'' پچھلی سیٹوں سے لڑکیاں اُٹھنا شروع ہو گئی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ دونوں بھی اُن کی تقلید کرتیں' دروازے کی طرف بڑھتی لڑکیوں کے قدم واپس مُڑنے لگے۔

''ٹیچر آگئی ہیں۔'' سی۔ آر کے اناؤنس کرنے پر طالبات بادلِ نخواستہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے اپنی نشستوں پر براجمان ہو گئیں۔

''آئی ایم سوری گرلز۔ مجھے آپ کا کلاس رُوم تلاش کرنے میں دیر ہو گئی۔ آج میرا پہلا دن ہے اِس کالج میں اور اتنی بڑی عمارت کے کمروں کی لوکیشن اتنی جلدی یاد نہیں ہو سکتی۔ بہر حال السلام علیکم۔ میرا نام نگین فاروقی ہے اور آج سے میں آپ کا جغرافیے کا پیریڈ لیا کروں گی۔ پریکٹیکلز کا چارج بھی مجھے دے دیا گیا ہے۔ اب آپ لوگ باری باری اپنا تعارف کروائیں۔''

بلیک بورڈ کے سمنے رکھے قدِ آدم روسٹرم پر ایک دبلی پتلی خوش پوش مگر ذہین اور پُر اعتماد لڑکی آف وائٹ شال سلیقے سے شانوں پر پھیلائے کلاس سے مخاطب تھی۔

راحت نے دلچسپی سے نو وارد ٹیچر کی شخصیت کا جائزہ لیا۔

''یہ تو خاصی چھوٹی دکھائی دیتی ہیں۔ لگتا ہے' ماسٹرز کے فوراً بعد اپلائی کر دیا تھا۔'' راحت نے مہرینہ کے کان میں سرگوشی کی۔

''ہاں' لگتا تو یہی ہے۔'' مہرینہ نے کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ پہلی رو کی لڑکیاں اپنا تعارف کروانا شروع کر چکی تھیں۔

''پڑھانے سے پہلے میں آپ سے چند باتیں کرنا چاہتی ہوں۔'' تعارف مکمل ہونے کے بعد نگین روسٹرم پر کہنیاں ٹکا کر بولی۔

''شاید آپ نے بھی ذاتی طور پر نوٹ کیا ہو کہ اُستادوں کی تین اقسام تقریباً ہر تعلیمی ادارے میں پائی جاتی ہیں۔ ایک وہ اُستاد جو سخت گیر اور جابر مشہور ہوتے ہیں۔ اُنہیں پڑھانے اور اصول پسندی قائم رکھنے کے لئے سختی کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ طلباء کے جذبات و احساسات اور ذہنی و ذاتی مسائل سے چنداں سروکار نہیں رکھتے۔ دوسری قسم وہ ہے جو کھلی ڈھیل دینے کی عادی ہوتی ہے۔ پڑھائی کے بجائے کھیل تماشے' گپ شپ اور دوستانہ ماحول کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ بچے بھلے سے کلاس میں شور مچاتے رہیں' اُن کی ایک نہ سنیں۔ کورسز نامکمل رہ جائیں۔ اُن کی جانے بلا۔ وہ محض طلباء کے ساتھ اچھا وقت گزارنے اور باتوں باتوں میں پیریڈ پورا کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو نہ تو پڑھائی کے معاملے میں سخت ہوتی ہے' نہ دوستانہ فضا استوار کرتی ہے...... آئے' بے دلی سے لیکچر دیا۔ دو چار کو ڈانٹا' ایک دو کو گھورا' گھر کا کام لکھوایا اور روبوٹ کی طرح فرض نبھا کر یہ جا وہ جا۔''

نگین کا لہجہ۔ اتنا دلچسپ اور اندازِ کلام ایسا جاندار تھا کہ کوفت و جھلاہٹ میں ڈوبی مہرینہ بھی دھیان دینے پر مجبور ہو گئی۔ کلاس خاموش ہو کر میڈم کی طرف متوجہ تھی۔

''میں نے ٹیچنگ لائن میں آتے ہوئے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں اُستاد کی ایک چوتھی قسم متعارف کرواؤں گی۔'' وہ سانس لینے کو رُکی اور بھرپور نظروں سے طالبات کے چہروں پر اپنی گفتگو کے اثرات ملاحظہ کئے۔ ردِ عمل حوصلہ افزا تھا۔ مثبت' متجسس اور متوجہ۔

''یعنی ایک ایسا ٹیچر جو سٹوڈنٹ کے لئے بیک وقت انفارمر' گائیڈ اور دوست کا درجہ رکھتا ہو۔'' نگین کی وضاحت متاثر کن تھی۔ راحت نے بے اختیار سر ہلا کر داد دی۔

''اُسے اپنے مضمون پر مکمل عبور ہو اور نصابی کتابوں کے علاوہ بھی وہ تعلیمی و سائنسی شعبے

میں ہونے والی ترقی وتبدیلی کے متعلق طلباء کو انفارمیشن دے کر انہیں مطمئن کر سکے' اُس کا علم وسیع ہو۔ والدین کی سی شفقت اور تجربے کاری سے کام لے کر طلباء کی رہنمائی کر سکے' دوست کی طرح ذہنی وجذباتی اور گھریلو معاملات شیئر کرے۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ میں مکمل اُستاد کے اس خاکے پر پُورا اُتر سکوں۔ تاہم میں اس سلسلے میں آپ کے بھرپور تعاون اور خلوص کی منتظر رہوں گی۔''

''یار مزے کی ٹیچر ہیں' شکر ہے' سڑیل نہیں ہیں۔ شکل سے بھی سُلجھی ہوئی اور نرم دل دکھائی دیتی ہیں۔'' راحت کے دائیں طرف بیٹھی اُس کی کلاس فیلو رومانہ نے سرگوشی کی تھی۔

''ہاں۔ مجھے اِن کا دوستانہ لہجہ اور اپنے پیشے سے ایمانداری اچھی لگی ہے۔''

''چھوڑو یار۔ شروع شروع میں سب اسی طرح ڈائیلاگ بازی کرتے ہیں۔ ایک آدھ سال بعد دیکھنا' جب میڈم شہلا کی طرح کوریڈورز میں بلاوجہ ڈانٹتی' چیختی' دھاڑتی اور مشکوک نظروں سے گھورتی نظر آیا کریں گی'' ......مہرینہ نے مُنہ بنا کر کہا۔

''اچھا چپ کرو۔ وہ ادھر ہی دیکھ رہی ہیں۔''

''کیا باتیں ہو رہی ہیں بھئی۔ ہم سے بھی شیئر کرو۔'' نگین نے بڑے نرم مگر شرمندہ کر دینے والے انداز میں اُن کی طرف دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں میڈم......وہ......'' راحت بُری طرح گڑبڑا گئی۔

''کلاس روم میں بیٹھ کر سرگوشیوں سے باز رہنا سٹوڈنٹس کے لئے واقعی بہت صبر آزما کام ہے۔ ہم بھی زمانہ طالب علمی میں یہی کچھ کرتے تھے مگر بھی کوشش کریں' سرگوشیوں کی رفتار میں کمی رکھیں۔'' کلاس کی دوسری لڑکیاں بھی اُدھر متوجہ ہو گئی تھیں۔ مہرینہ بھی خفیف سی ہو گئی۔ نگین کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ اُسے خجل کر رہی تھی۔ اگر وہ سختی سے چلا کر ڈانٹ پلاتی تو اُس کی جوتی کو بھی پروا نہ ہوتی کہ ایسے اوقات میں طلباء خود بخود ڈھٹائی اختیار کر لیتے ہیں مگر اب صورتِ حال مختلف تھی۔ نگین کا اندازِ تخاطب بے تکلفی اور دوستانہ پن کی دعوت تو دے رہا تھا مگر دوسری طرف اُستاد کی مخصوص تعظیم وتکریم' فاصلہ اور وقار ملحوظِ خاطر رکھنے پر بھی مجبور کر رہا تھا۔

''او کے۔ گرلز' میں نے بحیثیت اُستاد اپنی ذمے داریاں اور فرائض بتا دیئے۔ اب میں آپ کو بتاؤں گی کہ ایک اُستاد اپنے شاگردوں سے کیا ڈیمانڈ کرتا ہے۔ یا کم از کم مجھے آپ سے کیا

مطلوب ہے۔''

نگین چند لمحوں کو ٹھہری۔

''کلاس میں جو لیکچر دوں' اُسے پوری توجہ سے سُنیں' موضوع کے متعلق مختلف سوالات کریں اور گھر کے لئے جو اسائنمنٹ دوں' اُسے مقررہ وقت پر ایمانداری کے ساتھ مکمل کر کے دیں۔ اور بس......میرے نزدیک یہی وہ ریسپیکٹ اور رسپانس ہوتا ہے جو ٹیچر سٹوڈنٹس سے ڈیمانڈ کرتا ہے۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ٹیچر سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ اُس کو کتنا مقام اور کتنی عزت دیتے ہیں۔ باقی ادب واحترام اور محبت کے نمائشی مظاہروں کی کوئی اہمیت وضرورت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اکثر سٹوڈنٹس کرتے ہیں۔ مثلاً اساتذہ کو تحفے تحائف دینا' پھول مٹھائیاں پیش کرنا' خوشامد وچاپلوسی کرنا' یا تعریف وستائش کر کے اُن سے قریب ہونے کی کوشش کرنا۔ کم از کم میرے معاملے میں آپ ایسے ہتھکنڈوں کے بے اثر ہی سمجھئے گا۔ جو محنت کرے گا' اپنی تعلیم سے مُخلص ہوگا' وہی میرا پسندیدہ سٹوڈنٹ ہوگا۔''

''یار۔ یہ ٹیچر تو کہیں سے نہیں لگ رہیں۔ کسی سوشل ایکشن پروگرام کی سرگرم رُکن دکھائی دے رہی ہیں......'' رومانہ نے عادت سے مجبور ہو کر دوبارہ راحت کے کان میں سرگوشی کی مگر راحت اب کے مُنہ سیے بیٹھی رہی۔ جانے کیوں اُسے نئی ٹیچر سے بہت اپنائیت محسوس ہو رہی تھی۔

''ایک آخری بات۔ اس کے بعد میں کلاس چھوڑ دوں گی۔ کل سے ہم باقاعدہ پڑھائی شروع کریں گے۔'' نگین کلائی کی گھڑی پر نظر دوڑا کر بولی۔ ''بریک کے علاوہ روزانہ میرا آخری پیریڈ خالی ہوا کرے گا۔ آپ میں سے کسی کو بھی لیکچر سمجھ نہ آئے' کسی پُرانے ٹاپک کے پوائنٹ کی وضاحت درکار ہو یا تعلیمی ومعاشرتی سطح پر میری مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ آپ مجھ پر اعتماد کریں تو اپنے کسی گھریلو مسئلے پر بھی بات کر سکتی ہیں۔ میں آپ کے مسائل سننے اور مناسب مشورہ دینے کے لئے ہر وقت' ہر جگہ اور ہر سٹوڈنٹ کے لئے یہاں موجود ہوں۔ او کے۔''

وہ پُراعتماد انداز میں مسکراتے ہوئے کلاس سے رخصت ہو گئی۔ راحت کے ذہن میں چراغ سا روشن ہو گیا۔ ''کیوں نہ میں اپنے کیریئر کے متعلق اُن سے رہنمائی حاصل کر لوں!!!''

لڑکیاں نئی میڈم کے متعلق اپنی اپنی آرا کا تبادلہ کر رہی تھیں۔ بیل بجتے ہی سب بیگ اُٹھا کر باہر نکلنے لگیں۔ یہ بریک کی بیل تھی۔

''چلو بھئی۔ بت بن کے کیوں کھڑی ہو۔'' مہرینہ نے اُسے ٹہوکا دیا۔

''جلدی کرو وگرنہ کیفے کی ساری ٹیبلز بھر جائیں گی۔ اِتنے رش میں کاؤنٹر تک پہنچ کر چیزیں لانا بھی سمجھو تو ایک معرکہ ہے۔''

دونوں تیز تیز قدموں سے جوگرافی ڈیپارٹمنٹ کا کوریڈور عبور کر کے کیفے کی طرف چل پڑیں۔

''کیا کھاؤ گی......؟ دوسیٹوں والے بنچ پر قابض ہوتے ہی مہرینہ بیگ رکھ کر پیسے نکالنے لگی تھی۔

''سنا ہے' آج حلیم بنی ہے۔ ساتھ میں نان کباب بھی ہیں۔ بھوک بھی کھل کر لگ رہی ہے۔'' مہرینہ نے نوٹ پرس سے گھسیٹتے ہوئے بتایا۔

''تم اپنے لئے منگوا لو۔'' راحت نے بے دلی سے کہا۔ وہ جانتی تھی' اس کی جیب میں فقط دو روپے تھے جس سے ایک ہی سموسہ خریدا جا سکتا تھا۔

''میرے لئے ایک سموسہ لے آنا۔'' اُس نے دو روپے مہرینہ کو تھمائے۔

''چھوڑو سموسہ دموسہ۔ آج میری طرف سے دعوت ہوگی۔ دو پلیٹیں لے آتی ہوں۔''

''کل بھی تم نے سموسہ چاٹ کھلائی تھی آج نہیں۔'' راحت نے اُسے روکنا چاہا مگر وہ من مانی کی عادی تھی سر جھٹک کر کاؤنٹر کے گرد کھڑے ہجوم میں گھس گئی۔

کھانے پینے کے سلسلے میں اس پر بار بننا راحت کی اَنا کو گوارا نہیں تھا۔ وہ کوشش کرتی تھی' اگر مہرینہ ایک دن کھلائے تو اگلے دن بھلے سے سموسہ یا چھلی ہی سہی جواباً اُسے اپنی طرف سے کھلائے۔ تا کہ حساب کسی نہ کسی طرح برابر رہے۔ اگر ہاتھ بہت ہی تنگ ہوتا تو وہ مہرینہ کے لئے گھر سے کوئی چیز بنا لاتی تھی۔ آلو کا پراٹھا یا پراٹھا اچار' مہمانوں کے لئے رکھی گئی دال سویوں میں سے تھوڑی سی مقدار یا کبھی کبھار چپس۔

وہ اُس کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ذہن میں بار بار میڈم نگین کی گفتگو گردش کر رہی تھی۔

چھٹی ٹائم میں وہ کالج کے فرنٹ گیٹ پر مہرینہ کی گاڑی میں آنے تک اُسے کمپنی دینے کے خیال سے کھڑی تھی' جب اُس نے میڈم نگین فاروقی کو گیٹ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔

''اے مہرینہ۔ وہ دیکھو میڈم نگین جا رہی ہیں۔'' اُس نے رومانہ کے ساتھ کسی بات پر بحث

کرتی مہرینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلایا۔

''کہاں......'' مہرینہ نے بڑبڑا کر گیٹ کی طرف دیکھا۔ نگین ایک موٹر بائیک کے قریب رکی تھی۔

''یہ موٹر سائیکل سوار کون ہے؟'' مہرینہ نے دلچسپی سے بائیک پر بیٹھے خوبرو نوجوان کا جائزہ لیا۔

''جلدی بیٹھو اُستانی جی۔ مجھے ہسپتال بھی پہنچنا ہے۔'' نوجوان بائیک سٹارٹ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''اُفوہ ذرا سی ذمے داری بوجھ لگ رہی ہے محترم جناب اظہر کو۔ فکر نہ کرو۔ آج پہلا دن تھا اس لئے تمہیں زحمت دی ہے۔ کل پرسوں تک کالج بس کے ٹائمنگ معلوم کر کے تمہاری مشکل آسان کر دوں گی۔''

وہ شانِ بے نیازی سے بائیک پر بیٹھ گئی تھی۔

''موصوف بھائی ہیں یا کزن۔'' رومانہ نے تجسس سے کہا۔

''ویسے شوہر بھی ہو سکتے ہیں؟'' مہرینہ نے خیال ظاہر کیا۔

''ارے نہیں یار۔ شادی شدہ تو کہیں سے نہیں لگتیں۔ ناک۔ کان۔ گلا۔ کلائیاں ہر شے زیور سے خالی ہے۔ اور اتنے سادہ طریقے سے ڈریس اَپ ہوئی ہیں۔'' رومانہ نے تردید کی۔

راحت نے اِس بحث میں حصہ نہیں لیا۔ وہ میڈم نگین کی کہی گئی بات پہ اٹک کے رہ گئی تھی۔ مہرینہ کے ڈیڈی آ گئے تھے۔ وہ خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔

''کالج بس کا انتظام!!! گویا وہ روزانہ کالج بس پہ جایا کریں گی۔ کاش' اِن کا روٹ بھی وہی ہو جو میرا ہے۔'' وہ دل ہی دل میں بے تاب ہو رہی تھی۔

''اے راحت' دو بج رہے ہیں' بسیں چلنے والی ہیں۔'' اُس کے روٹ کی ندرت نے اُسے مخاطب کیا تھا۔

''آں۔ ہاں' میں آ رہی ہوں۔'' کالج بسیں کالج کے پچھلے گیٹ کے راستے سے نکلتی تھیں۔ وہ کلاسز آف ہونے کے بیس منٹ بعد روانہ ہوتی تھیں اس لئے راحت مہرینہ کے ساتھ فرنٹ گیٹ کے پاس آ جاتی تھی۔

O☆O

ہواؤ' اُس کی گلی سے گزرو تو اُس کو میرا اسلام کہنا۔
مجھے خبر ہے کہ میرے گھر سے گزرنے والی ہوا کا رستہ۔
تمہارے گھر تک نہیں گیا ہے۔
سلام میرا تمہارے کانوں سے نا رسا ہے۔
میں جانتا ہوں یہ بچپنا ہے۔
مگر حقیقت کو جان کر بھی نہ جاننے میں عجب مزہ ہے۔
ہوا سے میں نے یہ پھر کہا ہے۔
گزر رہے ہیں تمہاری یادوں کے دم سے ہی صبح و شام کہنا۔
ہواؤ' اُس کی گلی سے گزرو تو اُس کو میرا اسلام کہنا۔
تمہارے گھر کا کسے پتا ہے' ہوا کے رُخ کی کسے خبر ہے؟

''ایمان بھائی۔ کیا آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنی ''لاڈلی'' کو بند کر کے میری بات سُن سکتے ہیں؟......'' فاکہہ نے ڈائری لکھتے ایمان کو متوجہ کیا تھا۔ ایمان انہماک سے ڈائری پر امجد اسلام امجد کی نظم نوٹ کر رہا تھا۔ بہن کے بلانے پر چونک کر سر اُٹھایا۔

''لو جی' بند کر دی۔ فرمایئے۔......'' اُس نے ہاتھ جھاڑ کر اطمینان سے کرسی کی پُشت سے ٹیک لگالی۔

''پیشہ انجینئرنگ اور اوڑھنا بچھونا شعر و شاعری۔ قسم سے میں نے اِس سے زیادہ انوکھا امتزاج آج تک نہیں دیکھا۔ باہر آپ کے دوست آئے ہیں۔ ساحر ملک۔ سامو نے اُنہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔ اور اب موصوف سے تبت کے تاریخی مقامات اور بدھ مت کے مذہبی عقائد پر تبادلہ خیال کر رہے ہیں۔ ایک تو ہمارے ڈیڈی جی بھی اپنی وضع کے ایک ہی انسان ہیں۔ کُرہ ارض اور تاریخ کائنات سے دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ جہاں سیاحت و مطالعے کی غرض سے گئے ایک نمونہ اُٹھا لائے۔ تبت گئے تو ایک زندہ سلامت انسان اُٹھا لائے۔'' فاکہہ جو چھڑی تو چپ ہونے کا نام نہ لیا۔

''بھئی' وہ بے چارا اکیلا تھا۔ ضرورت مند تھا۔ نوکری کی تلاش میں در در کے دھکے کھا رہا تھا۔ ...ڈیڈی انسانی ہمدردی کے ناتے اُسے اپنے ساتھ لے آئے۔ وہ یہاں خوش ہے۔ ہماری

خدمت کر کے تنخواہ پاتا ہے۔ اُسے رہنے کو ٹھکانا مل گیا ہے۔'' ایمان ڈائری دراز میں ڈال کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ویسے اپنے ملک صاحب کے انوکھے پن کا نوٹس نہیں لیا تم نے۔'' جاتے جاتے اُس نے بہن سے چھیڑ خانی کی۔ ''انجینئر تو وہ بھی ہیں مگر شوق اور محبت انسانی تاریخ سے ہے۔ اِسی مشترکہ پن کے باعث تو اُس کی ڈیڈی سے اتنی جلدی دوستی ہو گئی تھی۔''

''جیسے آپ ویسے آپ کے دوست۔ اب کیا کہوں۔'' فاکہہ نے مسکراہٹ دبائی۔ ایمان اُس کے شانوں تک خوبصورت سُرخی مائل بھورے بالوں کی پونی کھینچتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف روانہ ہو گیا۔ جاتے جاتے شعر گنگنانا نہیں بھولا تھا۔

خواب تجھ سا ہے اور نایاب بھی تیرے جیسا
زندگی خواب ہے اور خواب بھی تیرے جیسا
کھول رکھے ہیں دریچے مگر آتا ہی نہیں
سرد راتوں کا ہے مہتاب بھی تیرے جیسا

ایمان بڑی گرمجوشی اور تپاک سے ساحر سے ملا تھا۔

''شکر ہے' تمہیں بھی میرے گھر کا راستہ ازبر ہوا۔ میرا تو خیال تھا' پتا بھول گئے ہو۔''

''میں تمہاری طرح خود فراموشی کے جنگل میں نہیں بھٹکتا۔'' ساحر ہلکا سا مسکرایا۔

''اس بے خبری اور خود فراموشی میں کیا لطف ہے' یہ تم جیسے ''بے دل'' بھلا کیا جانیں......'' ایمان سگریٹ کیس سے سگریٹ نکال کر اُسے لائٹر دکھانے لگا۔

''اتنی بار تم سے اس موضوع پر بحث ہو چکی ہے کہ اب ہنسی بھی نہیں آتی ورنہ تمہارے اس صدیوں پُرانے عجیب و غریب فسانے پر دل کھول کر ہنستا۔ دو سال پہلے موصوف نے کہیں راستے میں ''محترمہ'' کی جھلک دیکھی تھی۔ اور بس۔ نہ نام و پتا معلوم ہے' نہ حدود اربعہ مگر محبت ہو گئی۔ نادان۔ کس قدر بے وقوفانہ لگتی ہیں ایسی حرکتیں۔ ایک دم سستی اور سطحی چھچھ......'' ساحر نے تاسف سے سر جھٹکا۔ ایمان کا منہ بن گیا۔

''یار اگر اللہ نے تیرے دل کے اندھیروں کو روشن نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ دوسروں کے دل کے اُجالے پر طنز کا پانی پھینکو۔ ظالم تو نے پی ہی نہیں۔''

''صد شکر ہے۔'' ساحر نے فوراً کہا۔''اور تم بھی ان اُوٹ پٹانگ خیالات کو ذہن سے نکال دو۔ یہ خواہ مخواہ سیدھے راستے سے بھٹکاتے ہیں۔''

جواب میں ایمان نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔

محبتوں کے چمن میں جب بھی کسی طلب کے سفر پہ نکلو
کڑی مسافت کٹھور رستہ کسی کا بھی نہ خیال رکھنا
میں آتے جاتے مسافروں میں عدیل اُس کی شبیہ ڈھونڈوں
یہ بات ہی اپنے بس میں کب ہے کہ اُس کو دل سے نکال رکھنا

''مشکل مشکل شعر پڑھ کر میرا دماغ نہ چاٹو۔ میں تم سے ماڈل کالونی کا نقشہ ڈسکس کرنے آیا ہوں۔ میرا خیال ہے' کمپنی کے ماہرین کے ہمراہ اب فیلڈ سروے کے لئے ملک آباد روانہ ہو جائیں تاکہ جگہ کے مطابق نقشہ کشی کی سکیم شروع کی جائے۔'' ساحر سنجیدگی سے مخاطب ہوا۔''میں چاہتا ہوں' ضروری تیاری کے بعد کسی تاخیر کے بغیر اس پروجیکٹ پر کام شروع کر دیا جائے۔''

''ایسا ہی ہو گا انشاء اللہ۔ لیکن ایک بات کی تم نے وضاحت نہیں کی۔ تمہارے اِس پروجیکٹ میں تمہاری فیملی اور خاندان کی دیگر افراد کی کتنی سپورٹ حاصل ہے؟'' ایمان نے سوال کیا۔

''یہاں اسلام آباد کی حد تک تو کوئی مسئلہ نہیں۔ سب میرے مزاج کو سمجھتے ہیں لیکن ملکوال والوں کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے' چچا ایاز اور ان کا بیٹا دُرّاب اس منصوبے پر متفق نہ ہوں مگر اُن کی مخالفت میرے مقصد پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔'' ساحر کا لہجہ حتمی اور مضبوط تھا۔

''او کے۔ پھر پرسوں چلتے ہیں۔ تم نے سپروائزری کا انتخاب کر لیا ہے؟''

''ہاں۔ جابر علی نام کا آدمی ملک فوڈ انڈسٹریز میں کام کر رہا ہے۔ کام میں بہت تیز ہے۔ میں نے اُسے پراجیکٹ کے لئے فیکٹری سے ہٹا کر اپنی کمپنی میں کام پر لگا دیا ہے۔ اُسے مکینیکل ٹیکنالوجی' ہیوی مشینری کے استعمال اور کنسٹرکشن کی جزیات کی بھی شد بد ہے۔ پراجیکٹ میں کئی جگہ پر اُس کی مہارت اور تجربہ کام آئے گا۔ اس کے علاوہ مشہور جیالوجسٹ رشید صاحب بھی ہمارے ساتھ ہوں گے۔''

O☆O

''گئے......؟'' عرفان نے ایک آنکھ کھول کر صحن میں جھاڑو لگاتی چندا سے پوچھا۔ وہ کھاٹ م کے پیڑ کے نیچے بچھائے سوتا بنا لیٹا تھا۔

''کون......؟''

''وہی صاحب بہادر۔ المعروف بھائی جان۔ جنہیں اپنی موجودگی میں کسی کا اونچی آواز یں سانس لینا بھی ناگوار خاطر گزرتا ہے۔ خدا کسی کو فرعون صفت بھی نہ بنائے......'' وہ مُنہ بناتا ہوا اُٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''بکواس نہ کر صبح صبح۔ اُسی کی وجہ سے آج یہاں تک پہنچے ہو۔ نو برس کے تھے' جب باپ ''وں مٹی تلے گیا تھا۔ اُسی نے پالا پوسا' پڑھایا لکھایا ہے۔'' صفیہ نے چارپائی کی پائینتی سنبھالتے ا ئے طریقے سے بیٹے کے مزاج پوچھے۔

''اُونہہ۔ یہاں تک پہنچایا۔'' عرفان چڑچڑے پن سے گویا ہوا۔''بھلا کہاں تک؟ ایک وکری تک تو دلا نہ سکے۔ بڑی شیخیاں مارتے تھے کہ میرا ملک فوڈ انڈسٹریز میں بڑا اثر و رسوخ ہے۔ مالک بہت مانتے ہیں میری۔ چھوٹے مالک نے جو کمپنی بنائی ہے' اس میں مجھے لگوا دیں گے۔'' وہ فرانہ بولا۔

''اور ہوا کیا۔ خاک بھی نہیں۔''

''اس میں اُس کا کیا قصور۔ تُو خالی خولی ایف اے فیل تھا۔ کون سا تیر مار لیا تھا۔ جو مالک آنکھیں بند کر کے نوکری کا پروانہ ہاتھ میں تھما دیتے۔ اُس نے تو جگہ دیکھ کر تجھے انٹرویو دینے کے لئے کہا تھا تو انٹرویو میں فیل ہو گیا تو اب وہ کیا کر سکتا ہے؟''

''میری سفارش تو کر ہی سکتے تھے ناں' اپنے تعلقات استعمال کر لیتے۔'' وہ صحن کے ساتھ متصل برآمدے میں لگے بیسن کے آگے کھڑے ہو کر پانی کے چھینٹے مُنہ پر مارنے لگا۔ انداز جلا انا تھا۔

''ویسے تو بڑا ڈھنڈورا پیٹتے تھے۔ اپنی اعلیٰ معیار کی ملازمت کا۔'' وہ بدستور بڑبڑا رہا تھا۔

''بھابی او بھابی۔ ناشتہ ملے گا یا آج اماں کے طعنے ہی بطور ناشتہ نوش فرمانے پڑیں گے۔'' وہ برآمدے کے بائیں جانب کچن کے کھلے دروازے پر آوازیں لگا رہا تھا۔ لہجے میں چڑچڑاہٹ اور بیزاری تھی۔

''دس بج رہے ہیں۔ یہ کون سا ناشتے کا ٹائم ہے۔'' سامنے والے کمرے سے روحی آپا اپنے بچے کو گود میں لئے نکلی تھیں۔ وہ آج کل میکے سے آئی ہوئی تھیں۔

''بڑے لوگ اسی ٹائم ناشتہ کیا کرتے ہیں آپا۔ اور بھئی بلونگڑے' تو بھی ناشتہ کرے گا میرے ساتھ۔'' اُس نے روحی آپا کی گود سے دو سالہ گڈو کو اُچک لیا اور اوپر اُچھالا۔

''آرام سے۔ کتنی بار کہا ہے' میرے بچے کو گیند کی طرح نہ اُچھالا کر۔ کچی ہڈیاں ہیں۔'' آپا نے تڑپ کر ہاتھ بڑھائے۔

''یہ اپنے شیر جوان ماموں کا بھانجا ہے۔ آپ کے میاں کی طرح ڈرپوک چوہا تھوڑی ہے۔'' وہ برآمدے میں کھانے کی میز کی طرف بڑھا تھا۔

''سُن رہی ہیں اماں آپ۔ حامد کو چوہا کہہ رہا ہے۔ یہ احترام ہے بہنوئی کا۔'' روحی آپا نے ماں کے پاس ٹِک کر شکایت کی تھی۔

''بہت زبان کُھل گئی ہے تیری۔ شرم نہیں آتی تجھے۔'' اماں نے عرفان کو جھڑک کر بیٹی کا مان رکھا۔

''طلعت بھابی' کیا کھانا لینے اپنی امّی کے ہاں چلی گئی ہیں۔'' عرفان کب سے کھانے کی میز پر بھوکا بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔'' روحی آپا نے تیز آواز میں بھابی کو پکارا تھا۔

''اونہہ۔ کھانا دیں گی اماں ...'' صفیہ نے نخوت سے ہونٹ سکوڑے۔ ''جہیز کا سامان تو ڈھنگ کا دے نہ سکیں۔ کھانا ضرور پکا کر بھیجا کریں گی۔'' صفیہ کو جیسے اپنا غبار نکالنے کا نادر موقع ہاتھ آ گیا تھا۔

''جو چار جوڑے دیئے بھی تو یوں گویا ہم پر احسان لاد رہی ہوں۔ بھئی' سیدھی سچی بات ہے۔ ایک ہی بار بیٹی کو دینا ہوتا ہے۔ بیٹیاں پرایا دھن ہوتی ہیں۔ کون سا روز روز شادی ہوتی ہے۔ خیر' جو دل کے بخیل ہوں' اُن کا کیا علاج۔ بھئی ہم نے تو اپنی دونوں بیٹیوں کو سونے میں تولا۔ اب تیسری کی شادی کی تیاریاں ہیں تو اُس کو بھی اپنی بساط سے بڑھ کر دیں گے۔ بیٹیاں بیاہتے ہوئے اپنی نہیں اُن لوگوں کی حیثیت دیکھنی چاہئے جہاں بیٹی دے رہے ہوں۔ اُن کی اوقات کے مطابق جہیز کا سامان تیار کرنا چاہئے۔ ہماری بہو کی اماں اپنے روایتی ٹسوے بہا کر جان چھڑا گئیں کہ اپنی جو اوقات اور حیثیت تھی اُس کے مطابق بیٹی کو دیا ہے۔''

طلعت ناشتے کی میز پر ٹرے رکھتے ہوئے خاموشی سے ساس کی جلی کٹی سُن رہی تھی۔ اب تو عادت سی پڑ گئی تھی۔

''بھابی اتنی دیر سے آواز دے رہی تھی آپ کو جواب تو دے دیتیں۔'' روحی آپا نے ناک چڑھا کر بھاوج پر تیکھی نظر ڈالی۔

''وہ ایگزاسٹ فین چلا ہوا تھا۔ شور میں آواز نہیں سُن سکی۔'' اُس نے آہستگی سے وضاحت کی اور دوبارہ کچن میں چلی گئی۔

جب ''اندر'' بہت شور ہو تو باہر کی آوازیں واقعی سُنائی نہیں دیتیں۔

''السلام علیکم خالہ۔ اماں نے کڑھی بھجوائی ہے آپ کے لئے۔ دوپہر کے کھانے کے لئے بنائی ہے۔'' سفید شلوار دوپٹے پہ لال نیلے پھولوں والی سوتی قمیص اور نیلے سوئٹر میں ملبوس راحت دروازہ بجا کر اندر آئی تھی۔

''اے وعلیکم السلام۔ آؤ بیٹھو۔'' صفیہ نے تکلف سے پلیٹ ہاتھ سے لے لی اور تنقیدی نظروں سے جائزہ لینے لگیں۔ ''رہنے دیتی تھی۔ بھجوانے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارے ہاں تو اپنی پوری نہیں پڑتی۔ خیر سے اتنے لوگ کھانے والے ہیں۔'' بڑے سلیقے سے اُنہوں نے ناک سکوڑ کر غربت و تنگ دستی کا طعنہ دیا تھا۔

''اماں کا اصرار تھا' سو لے آئی۔ نہیں رکھنی تو میں واپس لے جاتی ہوں......'' راحت نے بھی پتھر کھینچ مارا تھا۔ وہ یوں بھی لگی لپٹی رکھنے کی قائل نہیں تھی۔ صفیہ کی لالچی' خود غرض اور کینہ پرور فطرت سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ اُن کی چالبازیوں کو خوبصورتی سے اُنہی پہ الٹ دیتی۔ اسی وجہ سے طلعت کی سُسرال خصوصاً صفیہ سے اُس کی بالکل نہیں بنتی تھی۔

''اے ہے۔ تمہیں تو ذرا بھی لحاظ نہیں لڑکی۔ میں نے یہ کب کہا۔'' صفیہ نے تلملا کر پلیٹ مزید قریب کر لی۔ مفت ہاتھ آ جائے تو بُرا کیا ہے۔

''روحی آپا بھی آئی ہوئی ہیں خیر سے۔ کیا حال ہیں آپا......؟'' راحت مسکراہٹ دباتی ہوئی ان کے منّے سے کھیلنے لگی۔

''اچھی ہوں۔ تم سُناؤ کیسی جا رہی ہے کالج کی پڑھائی۔''

''ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں' سرکار۔ کوئی ہمیں بھی پوچھ لے۔'' عرفان برآمدے کی

میز سے اُٹھ کر صحن میں آ گیا۔ اُس کے انداز والہانہ تھے۔

''کیسے مزاج ہیں جی' راحتِ جاں' رُوح افزا۔'' وہ ہنس کر بھرپور نظروں سے اُس کا سراپا گرفت میں لے کر بولا۔ راحت کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اُس نے جواب دینے کی زحمت نہیں کی۔

''لاؤ اماں۔ یہ کیا تم ہتھیلی پہ سجا کے بیٹھ گئی ہو۔ میں پراٹھے کے ساتھ نوش فرماتا ہوں۔''

عرفان نے سہولت کے ساتھ ماں کے ہاتھ سے کڑھی کی پلیٹ اُچک لی۔ وہ ''ہیں ہیں'' کرتی رہ گئیں۔ اُنہیں کڑھی بہت پسند تھی...... بلکہ کمزوری تھی۔

''اِدھر مجھے دے پلیٹ۔'' اُنہوں نے قہر بھری نظر بیٹے پر جمائی۔ ''ہمارے ہاں تو دوپہر کے لئے گوبھی چڑھائی ہے بہو نے۔ بادی چیزوں سے مجھے ڈاکٹر نے سخت منع کیا ہے۔ لادے۔''

وہ بے صبری ہو کر بیٹے سے پلیٹ چھیننے لگیں۔

''بھابی۔ او بھابی۔ بھئی تمہارے میکے سے بہن آئی ہے۔ پھر نہ کہنا بتایا نہیں۔'' روحی آپا نے جتانے والے انداز میں آواز لگائی۔ راحت نے گہری نظروں سے اُن کے انداز پرکھے تھے۔

''راحت تم کب آئیں؟'' ماں جائی کو سامنے پا کر طلعت کو فطری سی مسرت ہوئی۔

''اب تو جانے والی بھی ہوگئی ہوں۔ آپ کہاں تھیں؟'' راحت اُٹھ کھڑی ہوئی۔ طلعت پسینے سے شرابور ملگجے کپڑوں میں ہاتھ میں ڈوئی تھامے باہر آئی تھی۔

''اماں بہت یاد کر رہی تھیں۔ کبھی چکر لگالیا کرو آپا۔ پیدل کا تو رستہ ہے۔''

''اے ہے' ہم تو روز کہتے ہیں' پر بھئی اِس کا میاں اجازت نہیں دیتا۔ تیرا میرا کیا دوش۔ میاں بیوی کا آپس کا معاملہ ہے۔'' عرفان سے پراٹھے کے چند نوالے لے کر کڑھی میں ڈبوتی صفیہ مصروفیت کے عالم میں گویا تھیں۔

راحت نے ہونٹ کاٹتے ہوئے چبھتی نظر اُن پر ڈالی۔ پھر بہن کی طرف متوجہ ہوگئی۔

O☆O

مہراب کے والدِ مرحوم شہاب اور زرلالہ کے شوہر کی دوسری برسی مشترکہ طور پر روایتی انداز میں منائی گئی۔ اب رات اپنے پر پھیلائے اُفق کو ڈھانپ چکی تھی۔ کھانے کا وقت تھا۔ زرلالہ کچن میں ماسی کے ساتھ کھانا تیار کر رہی تھی۔ جیا عشاء کی نماز ادا کر کے تسبیح میں مشغول تھیں۔ مہراب کسی دوست سے ملنے باہر گیا ہوا تھا۔ علی اور ولی اَدھ کھلے گیٹ کے پاس کھڑے سڑک سے گزرنے

والوں کو دیکھ رہے تھے۔ سارہ اپنے تین پہیوں والے سائیکل پر سوار تھی۔ اور گیٹ کے آگے احاطائی روش پر چلانے کی پریکٹس کر رہی تھی۔

''سارہ تم گر جاؤ گی۔ مما نے کیا کہا تھا گیٹ سے باہر سائیکل نہیں چلانی۔'' علی نے تنبیہی نظروں سے بہن کو گھورا۔

''بھائی۔ وہ دیکھو' پھولوں والی آنٹی۔'' معاً سامنے والے گیٹ سے باہر نکلتی مہرینہ ولی کی نظروں کی زد میں آ گئی۔ وہ سرگوشیانہ انداز میں علی کو متوجہ کرنے لگا۔

''ہاں۔ مگر کوئی شرارت نہ کرنا۔ مما نے منع کیا تھا۔'' علی نے غور سے مہرینہ کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ سڑک پر ٹہلنے کے ارادے سے باہر نکلی تھی۔ بچوں پر نظر پڑی تو کچھ سوچ کر چلتی ہوئی ان کے پاس آ گئی۔

''اے کامریڈ۔ میرے ساتھ واک کرو گے۔ اسی روڈ پر......'' اُس کا دوستانہ لب و لہجہ علی اور ولی کو تذبذب میں ڈالنے لگا۔ وہ اُس کی تنک مزاجی کی وجہ سے خاصے خائف رہتے تھے۔

''وہ...... مما اجازت نہیں دیں گی......'' ولی نے دلی خواہش دبا کر شائستگی سے انکار کر دیا۔

''ہم ایک دو چکر لگا کر واپس آ جائیں گے۔ تمہاری مما یقیناً کھانا تیار کر رہی ہوں گی۔ انہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔'' مہرینہ نے آرام سے دونوں بازو سینے پر لپیٹتے ہوئے اُن کی طرف دیکھا۔

''نہیں۔ سوری آنٹی۔ مما کہتی ہیں جو کام دوسروں سے چھپ کر چوری چوری کیا جائے' وہ غلط ہوتا ہے......'' علی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ مہرینہ دم بخود رہ گئی۔

کیا معصومیت تھی اور کس غضب کی آگہی تھی۔

''لگتا ہے' ماں کی تربیت گھول کر پی رہے ہو۔ او کے کامریڈ اچھی بات ہے۔'' وہ اُن کے گال تھپتھپا کر آگے بڑھ گئی۔ اور لمبی سڑک پر چہل قدمی کرتی ہوئی دور نکل گئی۔

سڑک کے اختتام پر عمودی رُخ پر ڈبل روڈ سیدھی کراچی کمپنی کی مارکیٹ تک جاتی تھی۔ یہ مین روڈ تھی جہاں پبلک ٹرانسپورٹ کا ہمہ وقت ہجوم رہتا تھا۔

''اوہ۔ آئس کریم۔'' مہرینہ نے معاً کچھ سوچ کر براؤن کوٹ کی جیب میں ہاتھ گھسا کر ڈالا۔ کسی کونے کھدرے سے بیس روپے نکل ہی آئے۔

''ایک کورنیٹو آرام سے آ جائے گی۔'' اُس نے دل ہی دل میں حساب لگایا اور ڈبل روڈ کے ساتھ بنے فٹ پاتھ پر ہولی۔ کچھ دُور چلنے کے بعد وہ مارکیٹ پہنچ گئی۔ اب محض ڈبل روڈ کراس کر کے شاپس تک پہنچنے کا مرحلہ باقی تھا۔

وہ سڑک کے کنارے کھڑی ہو گئی۔ اور آتی جاتی گاڑیوں کے اژدھام میں پار جانے کا مناسب موقع تلاش کرنے لگی۔ مارکیٹ کے عین سامنے مزدا' ویگنوں' ٹیکسیوں اور بسوں کے اڈے پر تیز ہارن' کنڈیکٹروں کی چیخ و پکار اور مسافروں کا شور اُمڈ رہا تھا۔

اُسے سڑک کے کنارے منتظر کھڑا دیکھ کر ایک دو ٹیکسی والے ہارن بجاتے ہوئے رُکے تھے۔

''نہیں بھئی' مجھے کہیں نہیں جانا۔'' اُس نے کوفت سے اُنہیں جانے کا اشارہ کیا تھا۔ اسی دم ایک سپورٹس کار چلتے چلتے کنارے کے قریب آہستہ ہوتی ہوئی عین اُس کے سامنے آ کر ٹھہر گئی۔ ڈرائیو کرنے والا گاڑی بند کر کے نیچے اُتر آیا تھا۔

''ہیلو مس مہرینہ۔ کیسی ہیں آپ......؟ یونہی سائیڈ پر دیکھتے ہوئے مجھے گمان ہوا' جیسے آپ کھڑی ہوں۔ دیکھئے میرا گمان یقین میں بدل گیا بالآخر۔'' سیاہ جینز اور بلو سوئٹر میں ملبوس سعود پُرشوق نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مہرینہ کی پیشانی پر بل پڑنے لگے۔

''ہٹیں ایک طرف مجھے راستہ دیں۔'' وہ رُکھائی سے بولی۔ لہجے میں اکھڑ پن نمایاں تھا۔

سعود آہستگی سے مسکرا دیا۔

''آپ کے لئے سارے راستے کھلے ہیں میرے دل سمیت۔'' وہ دلکش انداز میں کہتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ سبز سوسی کے شلوار سوٹ اور براؤن کوٹ میں اُس کا سرخی مائل کھِلا کھِلا دلفریب چہرہ دل کھینچ رہا تھا۔

''فضول ڈائیلاگ مت بولیں۔'' غصے سے اُس کا رنگ مزید سُرخ ہو گیا۔ سعود دلچسپی سے اُس کا جائزہ لیتا رہا۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں' آیئے میں ڈراپ کر دوں۔''

''اپنی حد میں رہیں مسٹر ملک......'' وہ غرّائی۔

''اوہ...... آپ کو تو نام بھی یاد ہے۔ ویری گڈ......'' وہ اُسے چڑانے کے لئے مسکرایا۔ مہرینہ

کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''آپ خواہ مخواہ فری ہو رہے ہیں۔'' اُس نے دانت پیسے۔

''خواہ مخواہ کب میڈم۔ بغیر وجہ کے تو ہم پانی کا گلاس بھی نہ پئیں۔ بڑی ٹھوس وجہ ہے فری ہونے کی۔ میں چاہتا ہوں' یہ فرینک نیس ساری عمر پر محیط ہو جائے۔ یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ کچھ دنوں بعد میری فیملی آئے گی آپ کے ہاں۔ آپ کی طلبگار بن کر۔ ملک ہاؤس کی عزّت بنانے کے لئے۔ کہیئے انکار تو نہ کریں گی۔''

''کیا......!!!'' غیظ و غضب سے وہ سرتاپا بُری طرح کانپنے لگی۔ ''آپ......آپ......میں آپ کا مُنہ نوچ لوں گی......'' شدتِ جذبات سے اُس کا لہجہ بے ربط ہو گیا۔ اُس کا خون اُبلنے لگا۔ غصے سے اُس کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ اُس کی یہ جرات' یہ مجال......وہ تاب کیسے لاتی۔

''تمیز سے بات کریں......'' سعود یہ گستاخی برداشت نہ کر سکا۔ اُس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ ''ہم لوگ جس چیز کو ایک بار اپنے لئے منتخب کر لیں' اُسے تاعمر کوئی دوسرا نہیں لے جا سکتا۔ میں نے آپ کو شادی کے لئے پسند کر لیا ہے۔ میرے جیتے جی یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ کسی دوسرے کی دُلہن بنیں۔ خوشی سے راضی ہوں یا مجبوراً۔ مجھے اِس سے کوئی سروکار نہیں۔ بہر حال اب آپ خود کو میری امانت سمجھیں۔ بس یہی کہنا تھا۔''

وہ دوبارہ اپنی کار میں بیٹھ گیا اور گاڑی سٹارٹ کر کے روڈ پر ڈال دی۔

مہرینہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کار کی ٹیل لائٹس دیکھتی رہی۔

O☆O

رات کا کھانا کھایا جا چکا تھا۔ اس وقت سب لوگ ٹی وی روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ٹی وی کے علاوہ کمرے میں سُرخ اور سبز پرنٹ کا ایک دبیز قالین بچھا تھا جس پر بہت سے کشن اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ کونے میں دیوار کے ساتھ پُرانا تخت تھا جہاں اِس وقت نگین کا قبضہ تھا۔ وہ اگلے دن کے لئے لیکچر تیار کر رہی تھی۔ تھرڈ ایئر فورتھ ایئر' فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر کی جغرافیے کی نصابی کتابیں ڈھیر کی شکل میں اُس کے قریب رکھی ہوئی تھیں۔ وہ بُری طرح اپنے کام میں منہمک تھی۔ قالین پر اظہر اور محسن فروکش تھے۔ ٹی وی آن تھا۔ تجارتی خبریں لگی ہوئی تھیں۔ بیگم ریاض راہداری میں رکھے ٹیلی فون سٹینڈ کے پاس کھڑی اپنی کسی کلائنٹ سے مصروفِ گفتگو تھیں۔

'' نکے پانڈے۔'' معاً اظہر نے سرگوشی میں محسن کو مخاطب کیا۔ ''انہیں کہو کام کے ساتھ تفریح بھی صحت و تندرستی کے لئے ضروری ہوتی ہے۔'' اُس نے چوری سے نیلے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس بالوں میں پونی لگائے تیزی سے قلم رجسٹر پر گھسیٹتی نگین کو دیکھا۔

''میں اگر اتنی دیر تک گردن جھکائے ایک ہی زاویے پر بیٹھا ہوں تو یقیناً میرا ایک آدھ پٹھا چڑھ جائے۔'' اظہر نے مزید بیان جاری کیا۔

''میں کیسے کہوں' وہی بڑے۔ شیخ سعدی فرما گئے ہیں کہ حاکموں کو وہی نصیحت کر سکتا ہے جس کو سر کا خوف اور زر کی تمنا نہ ہو۔'' محسن نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ ''اور کہیں غصے میں یہ دس سیر وزنی کتابیں مجھ پر دے ماریں اور میں وکیل بننے سے پہلے مقتول ہو جاؤں...... نہ بھئی نہ...... تو کہہ دیکھ مس نگینہ کو......'' وہ چیں بہ چیں ہوا۔

''اے تو وکیل ہو کے ڈرتا ہے۔ میں تو پھر ایک غریب سا ڈاکٹر ہوں۔''

''عجیب و غریب سا......'' محسن نے اصلاح کی۔ ''اور وکیل کون سے خدائی فوج دار ہوتے ہیں کہ پبلک اُن کا لوہا مان جائے۔''

''لو...... لو اور سُنو۔ ارے بھئی' واحد وکیل ہی ایسے لوگ ہیں جو اپنے الفاظ اور غصہ کرائے پر دیتے ہیں۔ جتنے لفظ خرچ کریں گے' جتنا غصہ نکالیں گے' اتنے پیسے کمائیں گے۔ اُن کی روزی ہی زبان درازی کے جوہر دکھانا ہے۔ لفظوں کا جال بچھا کر پہلے سے کسی بے گناہ کو زمین سے تین فٹ اُونچا لٹکوا دیں۔'' اظہر نے اظہارِ خیال کیا۔ اُس کا اشارہ پھانسی کی طرف تھا۔

ہے تو بڑا گھسا پٹا جواب مگر بہرحال سُن لو کہ اگر ہم تین فٹ اونچا لٹکاتے ہیں تو تم ڈاکٹر لوگ بندے کو زمین سے تین فٹ نیچے دبا دیتے ہو۔'' محسن نے ہاتھ سے خیالی قبر کا نقشہ بنایا۔

''ایک لطیفہ یاد آیا اسی بات پر۔ آپ جیسے اناڑی جراحوں کے بارے میں ہی بنایا گیا ہے غالباً۔ سینئر سرجن نے آپریشن ٹیبل پر لیٹے مریض کا معائنہ کرنے کے بعد جونیئر سرجن سے کہا۔ ''یہ آپ نے کیسا آپریشن کیا ہے؟'' جونیئر سرجن چونکا اور گھبرا کر بولا۔ ''کیا آپریشن کرنا تھا سر؟ میں نے تو اِس کا پوسٹ مارٹم کر دیا ہے......''

محسن نے لطیفہ سنا کر جیسے خود بھی اپنی بات کا مزہ لیا۔ اس سے پہلے کہ اظہر جوابی وار کرتا۔ نگین نے شپ کر سر اُٹھایا۔ ''کیا کل کل لگا رکھی ہے تم دونوں نے۔ چار لفظ لکھنے محال کر دیئے۔

تمہارے پاس کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کرنے کو......؟ کیوں بلاوجہ زبان تھکا رہے ہو......''

وہ دونوں صدمے کی کیفیت میں اُس کی صورت دیکھتے رہ گئے۔

''خاتون۔ کیا آپ کے شیڈول میں آرام کے اوقات درج نہیں ہیں......؟'' اظہر نے کان کھجا کر دریافت کیا۔

جواب میں وہ اپنی قمیص کی نادیدہ شکنیں برابر کرتے ہوئے اطمینان سے گویا ہوئی۔ ''کچھ کرنے کی عمر آرام کرنے میں بتا دی تو پھر کیا پایا۔ اسی لئے کہتی ہوں' حالاتِ حاضرہ کے ساتھ ساتھ معروف دانشوروں کی سوانح حیات اور اقوال ضرور پڑھا کرو۔ الفریڈ ہاؤس نے بڑے خوبصورت انداز میں اس سوال کا جواب دیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

''لڑکو! اُٹھو۔ جب سفر ختم ہو جائے گا تو سونے کو بہت وقت مل جائے گا۔ بڑھاپے میں آرام ہی تو کرنا ہے۔ خدا نے صحت و دماغ دیا ہے' تو کیوں ناں عہدِ جوانی میں اس سے بھرپور کام لیا جائے......اور یوں بھی دنیا کی کوئی تفریح اتنی سستی نہیں ہے جتنی کہ مطالعہ۔ تفریحِ طبع کے لئے یہ کتابیں مجھے بہت کافی ہیں۔''

''غلطی ہو گئی اُستانی جی۔'' محسن نے مُنہ بسور کر کہا۔ اظہر نے یونہی ہاتھ بڑھا کر ایک کتاب اُٹھالی۔

''اوہو۔ ہو۔ ہو......'' ورق گردانی کرتے ہوئے وہ یوں اُچھلا جیسے کرنٹ لگ گیا ہو۔ خوفزدہ نظریں صفحے پر جمی تھیں۔ ''آتش فشاں' زلزلے' چٹانیں...... کیسے خوفناک ٹاپک ڈسکس کئے گئے ہیں کتاب میں۔ اب سمجھا آپ کے مزاجِ شرر بار کی وجہ کیسے پڑھ لیتی ہیں' آپ ایسی بم کتابیں۔ مجھے تو دیکھ ہی خفقان ہونے لگا ہے۔''

''بے فکر رہو۔ وہ تمہیں پہلے ہی لاحق تھا۔ دوسری کتاب۔'' نگین نے اُس کے ہاتھ سے کتاب اُچکنے کی کوشش کی۔ اظہر صفائی سے قالین پر غوطہ کھا گیا۔

''اُفوہ...... کیا بچپنا ہے۔ مجھے لیکچر تیار کرنا ہے۔'' نگین تنگ آ کر تخت سے اُٹھی۔ ''خالہ دیکھیں' اظہر میری کتاب نہیں دے رہا۔'' فون سے فارغ ہو کر بیگم ریاض اندر آئیں تو نگین نے جھٹ شکایت داغ دی۔

''ایک شرط پر دی جا سکتی ہے۔ ایک کپ چائے بنا دو......'' اظہر نے بارگیننگ شروع کر

دی۔

''اظہر' انسان بن جاؤ۔ چلو واپس کرو بچی کی کتاب۔ ہر وقت کا مسخرا پن اچھا نہیں ہوتا۔'' بیگم ریاض نے اظہر کی خبر لی۔

''میں بھی اِسے یہی نصیحت کرتا ہوں امّی ......'' محسن نے کمال بُردباری کا مظاہرہ کیا۔ ''پلیز ایک کپ میرے لئے بھی بنا دیں اُستانی جی۔''

''وہ تمہاری نوکر نہیں۔ پہلے کون بناتا تھا؟'' بیگم ریاض نے اپنے فرزندِ ارجمند کو گھور کر دیکھا۔ ''اور یہ کس کتاب میں درج ہے کہ سونے سے پہلے چائے ضرور پینی چاہئے۔ نرالے ہی شوق ہیں تم لوگوں کے۔ چائے کی بجائے اگر روزانہ دودھ پی لیا کرو تو وہ نہیں اچھا؟''

''جو مزہ چائے کی گرمی اور تلخی میں ہے' وہ دودھ کی شیرینی اور ٹھنڈک میں کہاں مادرِ نامہربان۔'' اظہر نے ترنگ سے کہا۔ وہ آگے آگے تھا اور برافروختہ نگین اُس کے پیچھے تھی۔

''اظہر' شرافت سے کتاب لوٹا دو۔ ورنہ بہت بُری طرح پیش آؤں گی میں۔''

''اچھا...... کیا ابھی مزید بُرے اوصاف باقی ہیں آپ کی شخصیت کی پٹاری میں؟ میں تو سمجھا تھا' یہ 'دی اینڈ' ہے۔'' نگین کے جھلانے پر اظہر نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''اظہر۔ یہ میری جوتی دیکھ رہے ہو ناں۔'' بیگم ریاض ذرا سا جھکیں۔

''جی ہاں امّی۔ خاصی مہنگی ہے۔ یہ وہی ہے ناں جو آپ نے ملی شوز سے لی تھی!!!'' اظہر سادگی سے جواباً گویا ہوا۔ ''اس کی بو کٹی خوبصورت ہے۔ بلیک ڈوریاں بھی خوب چمک رہی ہیں۔ اِن ہی کی وجہ سے آپ کے پاؤں کچھ سمارٹ اور نازک لگ رہے ہیں۔ میرا مفت اور مفید مشورہ ہے کہ آپ اسی طرح کے جوتے استعمال کیا کریں۔''

''اظہر کے سر پر......'' محسن نے لقمہ دیا۔ بیگم ریاض نے سر تھام لیا۔

''اِن کا واحد علاج مولا بخش ہے۔'' اُنہوں نے نگین کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے اطلاع فراہم کی پھر اُٹھ کر کمرے سے ملحق باتھ رُوم میں بند ہو گئیں۔

''ایک کپ چائے کا سوال ہے بابا۔ اللہ تمہیں پیارا سا دولہا عطا کرے۔ مثلاً میرے جیسا۔'' اظہر نگین پر ایک شرارتی نظر ڈال کر ہنسا۔ ''حسین و خوبرو' برسرِ روزگار' خوددار و باوقار' مدبر' شاندار' ایماندار' جانثار' خدمت گزار وغیرہ وغیرہ......'' اُس نے اضافی خوبیاں بھی بیان

ارائیں۔

''اللہ رے۔ آئینہ دیکھا ہے کبھی۔ تم جیسوں کو تو میں اپنے گھر کا جمعدار بھی نہ رکھوں۔ میرا میاں تو بہت پڑھا لکھا' سُلجھا ہوا' نیک سیرت و خوش خصال مرد ہو گا......'' نگین نے صاف ہری جھنڈی دکھا دی۔ اُس کی بات جیسے چٹکیوں میں اُڑا دی تھی۔

''اچھا...... پھر کوئی اور لڑکی دیکھنی پڑے گی۔'' اظہر نے آہ بھر کر کہا۔

''دل خوش کر دیا اُستانی جی۔'' محسن نگین کے اظہارِ خیال پر دلی مسرت سے بولا۔ ''ویسے مِس نگین۔ آپ غور فرمائیں۔ ہو سکتا ہے' آپ کی مطلوبہ خصوصیات میری شخصیت سے برآمد ہو جائیں......'' وہ بڑی متانت سے نگین کے سامنے آ کھڑا ہوا اور ہلکا سا سر خم کیا۔

''تم دونوں کو ڈاکٹر مولا بخش کی ٹریٹمنٹ کی اشد ضرورت ہے۔'' نگین نے دونوں پر نظر ڈال کر تفصیلی فتویٰ صادر کیا۔ اسی اثناء میں بیگم ریاض وضو کر کے باتھ رُوم سے نکل آئیں۔

''ابھی تک تصفیہ نہیں ہوا۔'' وہ متحارب گروپوں کی پوزیشن دیکھ کر بولیں۔ ''بس بہت ہو گئی۔ بہن کو تنگ نہیں کرو۔'' وہ سنجیدہ ہو گئیں۔

''بہن......'' اظہر سے پہلے محسن نے چیخ ماری۔ ''خدا نہ کرے جو ہم ایسی خطرناک چیز کے بھائی کہلائیں...... ان کے اوپر تو ٹیگ لکھ کر لگا دینا چاہئے۔ بارودی سرنگ' خطرہ چار سو چالیس والٹ' ٹائم بم' طوفان میل' آتش فشاں وغیرہ وغیرہ۔''

''محسن......'' بیگم ریاض نے آنکھیں نکالیں۔

''ٹھہریں خالہ۔ اِن کے دماغ کے کھسکے ہوئے پُرزے میں ابھی ٹھیک کرتی ہوں......'' نگین نے سر ہلا کر تسلی سے کہا۔ پھر اُس کے ہاتھ میں جتنی کتابیں اور کشن آئے دونوں پر پھینکتی چلی گئی۔

''بچاؤ۔ بچاؤ۔ اوئی اللہ۔ ایک بلا ہمارے پیچھے پڑ گئی ہے۔'' دونوں زنانی چیخوں کی نقل اُتارتے ہوئے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔

O☆O

وہ جو کوئی بھی تھا' بہت بھیانک اور کریہہ شکل و صورت کا مالک تھا۔ سُرخ بوٹی کی طرح دہکتی آنکھیں جن سے خون چھلک رہا تھا۔ سیاہی مائل گہری رنگت' موٹے موٹے بھدے ہونٹ' پہاڑ

جیسا جناتی جسم اور خوفناک تیور۔ کتنی دیر سے وہ اُس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں بڑا سا چھرا تھا جس کا پھل برق کی طرح چمک رہا تھا۔ یہ چمک اُس کی آنکھیں دھندلا دیتی۔ وہ خوفزدہ سی دیوار کے ساتھ لگی پوری جان سے کانپ رہی تھی۔ اُس کے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ پس منظر میں کسی عورت کے رونے کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ رونے والی کا انداز نقاہت بھرا اور نحیف تھا۔ اُس کی سسکیاں فضا میں ماتمی رنگ نمایاں کر رہی تھیں۔

اُس نے مڑ کر دوسری طرف دیکھا۔ آنگن میں رونقیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک بہت خوبصورت سی نازک سی گلاب رنگ لڑکی دلہن بنی اپنی سسکیوں کے بیچ گھری بیٹھی تھی۔ گھر میں شہنائیاں گونج رہی تھیں۔

''یہ کیا چکر ہے؟ ایک طرف ماتم' دوسری طرف شہنائی۔ دو عورتیں دو مختلف انداز......'' وہ دیوار سے لگی وحشت زدہ سی ہو رہی تھی۔

''میں نے تمہیں ڈھونڈ لیا ہے۔ تم دیوار کے پیچھے چھپی ہو ناں......'' اسی اثنا میں وہ وحشی اُس کے سر پر پہنچ گیا تھا۔

''نہیں...... میں ابھی مرنا نہیں چاہتی......'' وہ تڑپ کر پیچھے ہٹی۔ ''میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میرے بعد علی' ولی اور سارہ کو کون سنبھالے گا۔ دیکھو مجھ پر رحم کرو......'' وہ خوف سے پاگل ہو کر بدستور پیچھے سرکنے لگی۔ جواب میں قاتل نے دل دہلا دینے والا قہقہہ لگایا اور چھرا فضا میں گھمانے لگا۔

''اب کہاں بچ کر جاؤ گی۔ جوں جوں وہ قریب آ رہا تھا' اُس کے ہاتھوں پیروں سے جان نکلتی جا رہی تھی۔ اُسے لگا جس زمین پر وہ کھڑی ہے' وہ زلزلے کے باعث مرتعش ہو گئی ہے۔ اُس نے سہم کر آسمان کی طرف دیکھا۔ وہاں کڑکتی ہوئی بجلیاں اُس کی آنکھیں چندھیانے لگیں۔ ہوائیں تیز جھکڑوں میں تبدیل ہو گئیں۔ اور اطراف میں قیامت کا شور برپا ہوتا گیا۔

''یا اللہ کہاں جاؤں......'' بے بسی اتنی تھی کہ آنسو بھی ساتھ چھوڑ گئے۔

''ہا۔ ہا۔ ہا......'' چھرا بلند ہوا اور عین اُس وقت جب جسم کے پار ہونے کو تھا' زرلالہ کی آنکھ کھل گئی۔

وہ جھرجھری لے کر اُٹھ بیٹھی۔ اُس کے جسم پر اب تک کپکپی طاری تھی۔ حواس بحال کرنے

ی سعی کرتے ہوئے پسینے میں شرابور اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُس کے بائیں طرف ولی اور سارہ محوِ خواب تھی۔ ڈبل بیڈ سے تھوڑے سے فاصلے پر ایک سنگل بیڈ تھا جہاں علی پُرسکون سویا ہوا تھا۔ کمرے میں زیرو کا نیلگوں روشنی والا بلب آن تھا۔ زرلالہ نے جھک کر ٹائم پیس اُٹھایا۔ رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔

''یہ خواب کب میرا پیچھا چھوڑے گا......'' وہ اذیت سے لوٹنے لگی۔ کمرے میں اتنی گھٹن محسوس ہو رہی تھی کہ بے اختیار ننگے پیر باہر مختصر سے لان میں نکل آئی۔ پورچ کے شیڈ میں لگی مرکری لائٹ اوس میں بھیگی گھاس پر منعکس ہو رہی تھی۔ باؤنڈری وال پر پھیلی ہوئی انگوروں کی بیل بھی خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ لان کا واحد گھنا شہتوت کا پیڑ ساکت کھڑا تھا۔ اُس کے نیچے سنگی بنچ پر کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ اُسے آتا دیکھ کر ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے زرلالہ آپ......؟'' اُس کے قریب آنے پر مہراب بے ساختہ مخاطب ہوا۔

''میرا اندر دم گھٹ رہا تھا۔ بہت گرمی لگ رہی تھی۔'' وہ نڈھال سی بنچ کے سامنے رکھی لان چیئر پر گر گئی۔

''گرمی......؟'' مہراب نے آنکھیں پھاڑ کر سیاہ شال میں لپٹی اس موٹی گڑیا کو دیکھا۔ ٹھٹھرا دینے والی سردی میں اسے گرمی لگ رہی تھی۔

''آپ کچھ پریشان ہیں۔ خدانخواستہ طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' مہراب کو قدرتی سی تشویش ہوئی۔ زرلالہ نے جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھی پیشانی مسلتی رہی۔ خواب کا رُوح فرسا منظر ابھی تک یادداشت کی سکرین پر روشن تھا۔

''زرلالہ......'' مہراب نے بے اختیار اُس کی کلائی تھام لی اور نبض ٹٹولنے لگا۔

''میں ٹھیک ہوں' مہراب بھائی......'' اُس نے ہوش میں آتے ہوئے نرمی سے کلائی چھڑا لی...... پھر جانے کیا ہوا' دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر ہچکیوں سے رو دی۔

مہراب بوکھلا کر رہ گیا۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ ساری دنیا خوابیدہ تھی۔ ایسے میں اُس کا ضبط کے بند توڑ کر بے طرح رونا اُس کی سمجھ سے باہر تھا۔ زرلالہ کو اُس نے ہمیشہ بہت پُرسکون' بُردبار اور سنجیدہ و متین روپ میں دیکھا تھا۔ دو سال کی رفاقت کے باوجود اُس سے غیر ضروری بے تکلفی نہیں ہوئی تھی۔ اُس کے انداز میں ہمیشہ سے ایک واضح گریز' اجتناب اور تکلف نمایاں رہا تھا۔

اُس نے کچھ اس انداز میں اپنی ذات کے گرد حصار باندھ رکھا تھا کہ مہراب چاہتے ہوئے بھی اجنبیت اور گریز کی یہ دیوار نہیں ڈھا سکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ اُن کے رویے میں اپنائیت ضرور تھی مگر فاصلوں کا احساس دلاتی ہوئی اپنائیت......

مہراب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیسے چُپ کرائے۔

''پلیز زرلالہ' خود کو سنبھالیں۔ دیکھیں کوئی پرابلم ہے تو مجھے بتائیں۔ کیا طبیعت خراب ہے؟ ڈر لگ رہا ہے؟ اپنا شوہر یاد آ رہا ہے؟ کچھ تو بتائیں۔'' وہ پسیجے ہوئے انداز میں کہتا ہوا گھاس پر دوزانو اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ جب اُس کا رونا کسی طرح ختم نہ ہوا تو اُس نے گلابی مخملیں ہاتھ چہرے سے ہٹا کر دونوں کلائیاں اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیں۔ ''بس اب آپ بالکل نہیں روئیں گی۔'' اُس نے نرم سے تحکمانہ انداز میں کہا۔

زرلالہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ گلاب جیسا رخسار اشکوں سے تر تھے کنول سی آنکھیں بھیگ کر کچھ اور قاتل ہو گئی تھیں۔ مہراب کو تابِ نظارہ نہ رہی۔ اُس کی بے قرار آنکھیں زرلالہ کے چہرے کی متغیر ہوتی کیفیت بغور نوٹ کر رہی تھیں۔

''آخر اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ اِس کے ماضی کی کون سی گرہ ہے جو کھل کر نہیں دیتی۔'' وہ دل میں سوچ رہا تھا۔

''آپ خود کو اکیلا کیوں سمجھتی ہیں زرلالہ۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں......'' مہراب نے نرمی سے اُس کے دونوں ہاتھ دبائے۔ وہ مجسّمے کی طرح پتھرائی بیٹھی رہی۔

''میں جانتا ہوں' آپ کے دکھ کو۔ ظاہر ہے' ایک مخلص و محبوب شوہر کی بھرپور رفاقت پر مشتمل حسین ماضی فراموش کر کے حقائق کی بدصورت دنیا میں دل لگانا ایک مشکل مرحلہ ہے۔ یقیناً آپ کو قدم قدم پر اپنے شریک سفر کی کمی محسوس ہوتی ہو گی۔ یہ ایک فطری امر ہے۔ لیکن زرلالہ' انسان دکھ کو دوست بنا کر ہی جی سکتا ہے۔ آپ کے شوہر......''

وہ شاید کچھ اور بھی کہتا مگر زرلالہ ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ اُس کے دونوں ہاتھوں کی گرفت سے آزاد کرا کے دیوانہ وار بھاگتی اندر چلی گئی تھی۔ مہراب ششدر بیٹھا اُسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔ پھر بے یقینی سے اپنے خالی ہاتھوں کو گھورنے لگا۔

لمس کی خوش رنگ تتلی اپنی خوشبو اور رنگ ہاتھ پہ ثبت کر کے چپکے سے اُڑ گئی تھی۔

یہ سفید سنگِ مرمر سے بنی ہوئی جدید اور عظیم الشان عمارت کا ایک منظر تھا۔ دو ستونوں کے ہارے کھڑی تکونی پیشانی پر سنہری مٹیل سے نمایاں حروف میں ''ملک ہاؤس'' لکھا ہوا تھا۔ دامنِ لوہ کے سرسبز پہاڑ اتنے قریب تھے کہ اُن کے اور کوٹھی کے درمیان محض ایک سڑک حائل تھی۔ جسے پار کر کے ایف سکس سیکٹر کی اِس گلی کے رہائشی آسانی ہائیکنگ کا شوق پورا کر سکتے تھے۔ اسی روڈ پر جاتے ہوئے کچھ فاصلے پر آگے مارکیٹ تھی۔ اور اگر پیچھے کی طرف چلتے جائیں تو عین اسی سیدھ میں ین الاقوامی معیار کا حامل ''میریٹ'' ہوٹل راستے میں پڑتا تھا۔ قریب ہونے کی وجہ سے ملک فیملی صوصی نوعیت کے کاروباری ڈنر کے لئے اکثر اسی ہوٹل کا انتخاب کرتی تھی۔

یہاں ملک بابا کی دسری بیوی کی آل اولاد مقیم تھی۔

ملک بابا (ملک فیروز دین) کے چھوٹے بھائی ملک شیروز دین آرمی میں تھے اور سن ا ناليس کی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ ملک بابا نے خاندان کی عزت (اور جائیداد کا بٹوارہ) بچانے کی غرض سے شیروز دین کی بیوہ سکینہ بیگم سے شادی کر لی جو تین بیٹوں کی ماں تھیں۔ ملک بابا لی پہلی بیوی نور فاطمہ (بڑی اماں) نے سخت ترین واویلا مچانے کے بعد اس شرط پر دوسری شادی لی اجازت دی تھی کہ سوکن ملکوال میں نہیں رہے گی۔ چنانچہ ملک بابا عارضی طور پر سکینہ بیگم کو ملک آباد لے آئے جہاں شیروز دین سے چھوٹے ملک بہروز دین نے حویلی تعمیر کر کے زمینیں کاشت رنے کا سلسلہ شروع کر لیا تھا۔ بہروز دین کی فقط ایک بیٹی تھی گُل بانو۔

بعد میں سکینہ بچوں کی تعلیم کی خاطر لاہور کی کوٹھی میں مقیم ہو گئی۔ شبیر' توقیر اور تنویر تینوں شیروز دین کے بیٹے تھے بلکہ شبیر کا رشتہ بچپن سے ملک فیروز دین کی اکلوتی بیٹی پروین سے طے ہو چکا تھا۔ وسری شادی کے بعد سکینہ بیگم مزید ایک بیٹے انوار کی ماں بنیں...... چاروں بیٹے لائق فائق اور ذہین تھے۔ پھر جب اسلام آباد شہر کی آبادکاری شروع ہوئی تو ملک بابا نے پلاٹ لے کر ''ملک ہاؤس'' کے نام سے ایک رہائش گاہ سکینہ بیگم اور اُس کے بچوں کے لئے بنا دی۔ ''ملک فوڈ انڈسٹریز'' کا آئیڈیا ان ہی کے چاروں بیٹوں کا تھا۔

نور فاطمہ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی پروین تھی۔ بڑا لڑکا ایاز پڑھائی لکھائی کا کچھ خاص شوقین ں تھا۔ اس لئے وہ جوان ہو کر زمینوں اور جاگیر کے معاملات کی دیکھ بھال میں لگ گیا اور چھوٹا فراز میڈیکل کی پڑھائی کے لئے لاہور کی کوٹھی میں شفٹ ہو گیا۔ وہ نہ صرف خود ڈاکٹر بنا بلکہ

شادی کے بعد اپنی بیٹی شہریال کو بھی اس لائن پر لگا دیا۔ شہریال سے بڑے فہد کا رجحان بزنس کی طرف تھا' سو اُسے پڑھنے کی غرض سے امریکہ بھجوا دیا۔

ملک بہروز دین کی اکلوتی بیٹی گل بانو کا رشتہ ملک ایاز سے طے تھا مگر وہ ملکوال کے ایک معمولی سے دکاندار کو پسند کرتی تھی۔ اُس نے خاندانی فیصلے سے بغاوت کر دی اور مٹی کے تیل کا کنستر لے کر کمرے میں گھس کر تالا لگا لیا کہ اگر اُس کی شادی زبردستی ملک ایاز سے کی گئی تو وہ تیل چھڑک کر خود کو آگ لگا لے گی اور یہ کہ دکاندار عظیم کا رشتہ ہر صورت میں قبول کیا جائے۔

اکلوتی تھی اور مزید اولاد کے امکانات بھی نہیں تھے لامحالہ ملک بہروز دین نے ہار مان لی مگر اس شرط پر کہ وہ شادی کے بعد ہمیشہ کے لئے ملکوال یا ملک آباد سے نکل جائے گی اور دوبارہ پلٹ کر واپس نہیں آئے گی۔

بیٹی کی حسبِ منشا شادی کے بعد ملک بہروز دین ایسا ٹوٹا کہ پھر زندگی سے ہی منہ موڑ گیا۔

ملک ایاز نے اپنی سابقہ منگیتر سے بدلہ لینے اور خاندان کی عزت خاک میں ملانے کے جرم میں ملک بابا کے مشورے سے کسی نہ کسی طرح گل بانو اور عظیم کو ڈھونڈ نکالا اور اپنے بندوں کی مدد سے اُن کے گھر اور دکان کو آگ لگا دی۔

عظیم تو جل مرا مگر گل بانو اور چھ سالہ سکندر کسی طرح بچ نکلے۔ گل بانو کا آدھا وجود آگ میں جھلس گیا تھا۔ دو ماہ سرکاری ہسپتال میں داخل رہی۔ کسی نہ کسی طرح قدموں پہ چلنے کے قابل ہوئی تو اپنے بچے کو لے کر ملکوال چلی آئی۔ جہاں اب دونوں بھائیوں کی موت کے بعد عملاً زمین و جائیداد اور حویلی پر ملک بابا (فیروز دین) کا قبضہ تھا۔ منت سماجت' گڑگڑانے اور آہ و زاری کے بعد گل بانو کو فقط اتنا اختیار ملا کہ وہ ایک بند کوٹھڑی میں اپنی زندگی کے آخری چند دن گزار سکتی ہے اور اُس کا بیٹا ایک جاگیردار کی بجائے کسی کمی کمین کی طرح پلے گا اور بڑا ہو کر غلاموں کی طرح ملکوں کی خدمت کرے گا۔

ادھر سکینہ بیگم کے بڑے بیٹے شبیر کی شادی پروین سے کر دی گئی۔ توقیر اور انوار بھی شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔ فقط تنویر ابھی کنوارا تھا۔ کہ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں جواں عمری میں چل بسا۔

تنویر ملک کی جوان موت کے بعد دوسرا سانحہ ملک ہاؤس میں شبیر اور پروین کی جُڑواں اولاد کے سلسلے میں ہوا۔ سالوں کے انتظار کے بعد خدا نے بیٹا اور بیٹی اکٹھے عطا کئے تھے۔ ہسپتال سے بیٹی پُراسرار طور پر غائب کر دی گئی۔ اور دو ہفتے بعد بیٹا بھی چل بسا۔ پروین کی حالت پاگلوں جیسی ہو گئی۔ وہ شادی کے نو سال بعد ماں بنی تھی۔ اُس کی دیوانگی کے پیشِ نظر انوار نے اپنا چار سالہ بیٹا مسعود اس کی گود میں ڈال دیا' یوں اُسے کچھ قرار آیا۔ پھر مسعود کو اُسی نے بیٹا بنا کر ناز و نعم سے پالا۔

شبیر سے چھوٹے توقیر بھی صاحب اولاد ہو چکے تھے۔ اور سمیر کے بعد ساحر کے باپ بن چکے تھے...... اس حادثے کے وقت ساحر عمر کی پانچویں منزل طے کر چکا تھا۔

انوار اور توقیر کی مزید اولادیں بھی ہوئیں مگر شبیر کے ہاں جُڑواں بچوں کے بعد اُمید کا کوئی چراغ روشن نہیں ہوا۔ لہٰذا اُن کی اولاد اور دل و نظر کا محور مسعود ہی ٹھہرا۔

ملک بابا (ملک فیروز دین) پروین سے بہت محبت کرتے تھے۔ آخر اکلوتی بیٹی تھی۔ اُس کے ساتھ ہونے والے اندوہناک سانحے نے اُنہیں بہت رنجیدہ کیا تھا۔ اُنہوں نے ہر ممکن کوشش کی تھی' گمشدہ بچی کا پتا لگانے کی مگر حاصل کار کچھ حاصل نہیں ہوا۔ نور فاطمہ (بڑی اماں) کو بھی بیٹی کی حرماں نصیبی کا بڑا قلق تھا۔ اگر وہ کبھی ملک ہاؤس آتی تھیں تو اُس کی واحد وجہ بیٹی کی کشش تھی۔ ویسے بھی سکینہ بیگم اب وفات پا چکی تھیں۔ اس لئے کبھی کبھار یہاں آ جاتی تھیں۔

ملک ہاؤس میں سکینہ بیگم کے بعد اختیارات پروین (جسے سب احتراماً آپا جان کے نام سے مخاطب کرتے تھے) کے پاس منتقل ہو چکے تھے۔ تمام اہم فیصلے اُن ہی کی سرکردگی میں کئے جاتے۔ ملک بابا ہمیشہ "حالتِ سفر" میں رہتے۔ کبھی ملک آباد' ملکوال تو کبھی ملک ہاؤس۔ ملک آباد اور ملکوال کا سارا انتظام و انصرام نور فاطمہ (بڑی اماں) اور اُن کے بیٹے ملک ایاز کی نگہبانی میں تھا۔ اور ملک فوڈ انڈسٹریز کو شبیر' توقیر اور انوار سنبھالے ہوئے تھے۔

شادی بیاہ کے سلسلے میں یہاں وہی قدیم روایات چلی آ رہی تھیں کہ خاندان سے باہر رشتہ نہیں کرنا۔ لڑکی کا کسی صورت میں نہیں۔ البتہ لڑکوں کو یہ رعایت حاصل تھی کہ چاہیں تو خاندان سے باہر شادی کر سکتے ہیں مگر اس کے لئے بھی ذات کا ملک ہونا' معاشی و سماجی ہر سطح پر ہم پلہ اور خاندانی ہونا شرط تھا۔ اس سے بھی اہم بات کہ باہر شادی کی صورت میں خاندان کے بزرگوں کا مذکورہ جگہ شادی کرنے پر آمادہ ہونا لازم تھا۔ اگر اُنہیں لڑکی کا خاندان' حسب نسب یا بذاتِ خود لڑکی پسند نہ آئے تو معاملہ ختم۔ لڑکا یکطرفہ طور پر من مانی کر کے اپنی پسندیدہ لڑکی بیاہ کر نہیں لا سکتا تھا۔ ایسی

صورت میں ایک ہی سزا تھی۔ عاق کر دینے اور خاندان سے ہمیشہ کے لئے نکال دینے کی سزا۔
یہی وجہ تھی کہ انوار صاحب اپنی بیگم عذرا کی زبانی سعود کی خواہش سُن کر فکر مند ہو گئے۔ دونوں
میاں بیوی اس وقت اپنے بیڈ روم میں تھے۔

''یہ لڑکا ہمیشہ مسائل کھڑے کرتا ہے۔ ایک سے ایک بڑھ کر انوکھے شوق اور فرمائشیں ہوتی
ہیں اِس کی۔ ابھی اس جرمن کار کا بھوت نہیں اُترا تھا کہ نئی کہانی لے آئے صاحبزادے۔ ناک
ناک میں دم کر دیا تھا' موصوف نے کہ جرمنی سے آرڈر پر وہ کار بک کروادیں جس کی باڈی سونے
کی ہے اور اُس پر پلاٹینم لائننگ کی گئی ہے۔''

انوار خفگی سے سُرخ بیش قیمت دبیز قالین پہ ٹہل رہے تھے۔ دونوں ہاتھ پشت پر بندھے
تھے...... آنکھوں پہ گولڈن فریم کا خوبصورت چشمہ لگا ہوا تھا۔ وہ براؤن تھری پیس سوٹ میں ملبوس
تھے۔ غالباً کسی کاروباری ڈنر پہ روانہ ہونے کے ارادے سے تیار ہوئے تھے۔ یہ شام کے اختتامی
لمحات تھے۔ ''اور اب یہ اچانک شادی کا سودا سا گیا ہے سر میں۔'' وہ پیشانی ہاتھ سے ملتے ہوئے
ناراض سے انداز میں گویا ہوئے۔

''آپا جان کے لاڈ پیار نے اِسے بگاڑ دیا ہے۔ ''نہ'' سننے کی تو برداشت ہی نہیں ہے
صاحبزادے میں۔ اور ہاں اُس نے شادی کے لئے براہِ راست تم سے ہی ذکر کیوں کیا لڑکی کا۔
ویسے تو ہر معاملے ہر مسئلے میں آپا جان کو انوالو کرتا ہے...... وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے جھک کر دنیا
کے مہنگے ترین فرنچ پرفیوم او پیا کی شیشی اُٹھا کر سپرے کرنے لگے۔

''اِس موضوع پر اُن سے بات کرتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ آپا جان سُن کر
انتہائی ردِعمل کا اظہار نہ کریں۔ اس لئے میرے ذریعے کہلوایا ہے۔'' کاسنی ساڑھی میں ملبوس
ڈائمنڈ کے ٹاپس اور نوز پن پہنے نفاست سے بالوں کا جُوڑا بنائے عذرا نے جواب دیا۔

''پھر کیا کہا آپا جان نے......؟''

''فی الحال تو جواب خاموشی کی زبان میں دیا ہے جو ہاں بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی......''
عذرا نے متذبذب انداز میں اُن کی طرف دیکھا' ویسے وہ سعود کی فرمائش بھلا کب ٹالتی ہیں۔
جہاں تک میرا اندازہ ہے' حسب سابق پورا ساتھ دیں گی۔''

''آپا جان راضی ہو جائیں تو بھی آخری فیصلہ تو ملک بابا کی عدالت میں ہی ہو گا۔ سو طرح

چیزیں دیکھنی پڑتی ہیں۔'' انوار صاحب بدستور متفکر تھے۔

''جیسا کہ موصوف نے فرمایا ہے' لڑکی کا تعلق متوسط طبقے سے ہے۔ گھر اور گاڑی تو ہے مگر
بار' سماجی حیثیت اور زمین جائیداد وغیرہ کا کچھ علم نہیں۔ مجھے معاملہ سیٹ ہونے کی ایک فیصد
بھی اُمید نہیں ہے۔ بابا جان کا اصول ہے' رشتہ' دوستی اور کاروبار ہمیشہ ہم پلہ لوگوں کے ساتھ کرنا
چاہئے۔ غریب یا کم حیثیت لوگوں کو وہ گھاس نہیں ڈالتے۔''

''سعود بتا رہا تھا' وہ ذات کے ملک ہیں اور کسی زمانے میں زمینوں کے مالک رہے ہیں''
عذرا نے آہستگی سے بتایا۔ وہ عجیب کشمکش کا شکار تھیں۔

''رہنے اور ہونے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔'' وہ پلاٹینم کوٹ کی ہیروں کی ہندسوں والی قیمتی
گھڑی کلائی پر باندھ رہے تھے۔ ''بہت جذباتیت اور عجلت پسندی ہے اس لڑکے کے مزاج میں۔
ہر چیز بس فوراً اور ابھی چاہئے۔'' وہ جھک کر اپنی مرسڈیز کی چابیاں اُٹھانے لگے۔ ''اسی لئے مجھے
ہمیشہ سے ساحر کی شخصیت نے اپیل کیا ہے اور میں اُس کو پسند کرتا ہوں۔ وہ ایک پریکٹیکل لوجیکل
اور ٹیپیکل انسان ہے۔ ہر چیز کو عقلی بنیاد پر پرکھتا ہے۔ پھر اُسے قبول یا رد کرتا ہے۔ اُس کے مزاج
میں قناعت اور صبر ہے۔ وہ برداشت کر سکتا ہے۔ انتظار کر سکتا ہے۔ حالات کو بہتر بنانے کے لئے
مزاحمت کر سکتا ہے' لڑ سکتا ہے۔ مایوسی کے خلاف سینہ سپر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اُس میں زبردست
تمنا اور قوت ارادی ہے اور اسی لئے وہ کامیاب بھی ہے کہ وہ سکون اور برداشت سے کام لیتا
ہے۔'' انوار صاحب ہمیشہ سے ساحر کے مداح تھے۔

اُسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ یس کی آواز کے ساتھ انوار صاحب پلٹے۔ عذرا بھی
دروازے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''آج سب کا اٹالین فوڈ کا موڈ ہے ڈنر پر۔ چھوٹے چچا' آپ اپنی پسند کی کوئی اٹالین ڈش
کھانا چاہیں تو بتا دیں میں خانساماں کو ہدایت کئے دیتی ہوں۔''

نیلے جارجٹ کے نفیس تراش خراش کے شلوار کرتے میں ملبوس چہرے پہ حسب معمول
مہربان و مستعد مسکراہٹ لئے ایک پیاری سی لڑکی اندر داخل ہوئی۔

''آؤ کومل۔'' انوار صاحب اپنی خلیق مسکراہٹ لئے جواباً گویا ہوئے۔ ''مجھے افسوس ہے کہ
آج کے ڈنر میں آپ لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ مجھے ایک بزنس ڈنر میں جانا ہے۔ سمیر کے

متعلق کوئی اطلاع ہے' کہاں مل سکتے ہیں صاحبزادے۔"

سمیر ساحر سے پانچ سال بڑے تھے اور کومل اُن کی بیوی تھی۔

"ملکوال سے اجناس کے ٹرک آئے ہیں' وہ مال ریسیو کرنے تھوڑی دیر پہلے ساحر کے ساتھ فیکٹری گئے ہیں۔ توقیر چچا بھی اُن کے ہمراہ تھے۔" کومل نے تفصیلی رپورٹ پیش کی۔

"او کے...... میں چلتا ہوں۔" وہ سر ہلاتے ہوئے انٹرکام پر ملازم کو بریف کیس گاڑی میں رکھوانے کا کہہ کر باہر نکل گئے۔ کومل عذرا کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں چھوٹی چچی......"

"ہاں ہوں تو۔" عذرا نے گہری سانس لے کر اُسے دیکھا۔ "کومل' تمہاری تو بہت مانتے ہیں سب بچے۔ تم ہی کچھ سمجھاؤ' سعود کو۔ ماضی میں اُٹھنے والے طوفان کے بگولے ابھی دبے نہیں تھے کہ اِس لڑکے نے نئی قیامت کے آثار کھڑے کر دیئے ہیں۔ میری باقی اولاد بھی ہے' اُن میں سے کسی نے اتنا نہیں ستایا جتنا سعود نے۔"

کومل نے غور سے اُن کی مضطرب صورت کا جائزہ لیا۔ اُسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ بات نہ صرف سنجیدہ بلکہ پیچیدہ و رنجیدہ قسم کی ہے۔

"آپ پوری بات بتایئے چھوٹی چچی۔ پھر شاید میں بہتر طریقے سے کوئی مشورہ دے سکوں۔"

عذرا نے ساری بات گوش گزار کر دی۔ کومل نے اپنا بازو اُن کے شانوں پر پھیلا کر نرمی سے دبایا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں بات کروں گی سعود سے۔ اس طرح اچانک سرِ راہ مل کر پسند کر لینا اور پھر شادی کے انتہائی فیصلے پر پہنچ جانا اَنہونی سی بات لگتی ہے۔ فلموں' کہانیوں میں تو ایسے سین چل جاتے ہیں مگر عملی زندگی میں ایسے رجحانات کی حوصلہ افزائی کرنا معاشرے کی نگاہ میں کچھ معیوب سا لگتا ہے۔ پھر جلد بازی بذاتِ خود مسائل کا نقطۂ آغاز ہوتی ہے۔" کومل عجیب سی اُلجھن میں گرفتار ہو گئی تھی۔

O☆O

مہرینہ آج کالج نہیں آئی تھی۔ اِس لئے راحت کو بہت بوریت محسوس ہو رہی تھی۔ اُس کی

عادت سی پڑ گئی تھی۔ وہ بے دلی سے کلاسز اٹینڈ کرنے کے بعد آخری پیریڈ گول کر کے گراؤنڈ میں چلی آئی۔ ٹہلتے ٹہلتے مہندی کی باڑ کے پاس سنگی بنچ پر بیٹھی نگین پر نظر پڑی تو رہ نہ سکی۔ کچھ سوچ کر اس کے قریب آ گئی۔

"السلام علیکم۔ میڈم آپ اکیلی بیٹھی ہیں۔ کہیں بور تو نہیں ہو رہیں۔"

"وعلیکم السلام۔ بالکل بھی نہیں۔ میں اپنی ذات کے ساتھ رہ کر بھی اتنا ہی انجوائے کرتی ہوں جتنا کہ ہجوم کے ساتھ۔ آؤ بیٹھو۔" نگین سر اُٹھا کر ہلکا سا متبسم ہوئی۔ انداز میں گرمجوشی تھی۔

"واقعی کچھ لوگ تنہائی اور رفاقت دونوں سے خوشی کشید کرنا جانتے ہیں" راحت نے سوچا۔ بنچ پر کافی جگہ تھی۔ وہ جھجکتی ہوئی ایک کونے پر ٹِک گئی۔ اور مشتاق نظروں سے سبز شال میں لپٹی دیا کی سی کِھلتی رنگت اور براؤن آنکھوں والی نگین کی طرف دیکھا۔

"کچھ ٹائم اپنی ذات کو بھی دینا چاہئے۔ وہ بھی توجہ مانگتی ہے۔ اور نظر انداز کرنے پر انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔"

"لیکن میڈم' معاشرہ تو اس عمل کو خود پسندی اور خود غرضی کا نام دیتا ہے۔" وہ دلچسپی سے بولی۔

"غرض کا نام بڑا بدنام ہو گیا ہے' وگرنہ حقیقت پسندی سے جائزہ لیا جائے تو غرض یا ضرورت ہر رشتے میں ہوتی ہے بلکہ یہ آپس کے رابطوں کو مضبوط رکھتی ہے۔ اگر ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت نہ ہو یا اپنی ذات سے غرض مندی وابستہ نہ ہو تو لوگوں کا اور اپنا خیال کیوں رکھیں گے۔"

نگین نے راحت کی طرف دیکھا' جیسے تائید چاہ رہی ہو' راحت نے سر ہلا دیا۔ اُسے میڈم کی صاف اور سیدھی سوچ اچھی لگی۔ جس میں کوئی لگی لپٹی نہیں تھی۔ دوٹوک' واضح اور حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر تھا۔

"آپ خود خوش ہوں گے تو دوسروں کو بھی خوش رکھیں گے ناں۔ جو خود سے ناخوش ہو' وہ دوسروں کو کیا خوشی دے سکتا ہے۔ آپ پر پہلا حق اپنی ذات کا ہے۔ پہلے خود کو مطمئن کیجئے پھر دوسروں کے اطمینان و سکون کے متعلق بھی کچھ سوچئے معاف کرنا مجھے ایک دم کہہ ڈالنے کی عادت ہے۔ میں اظہارِ رائے میں دیر نہیں لگاتی۔ تم کچھ محسوس نہ کرنا۔"

نگین کی معذرت خواہانہ مسکراہٹ نے راحت کو اُس کا گرویدہ کر دیا۔

''اظہار کر دینے والے خود بھی سکھ میں رہتے ہیں اور اپنے سے متعلقہ افراد کو بھی اُلجھنوں سے بچاتے ہیں۔ اس لئے بھئی میں تو اظہار کی قائل ہوں۔'' نگین مزید گویا ہوئی۔ ''اکیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑے مصروفِ کار لوگوں کے پاس اتنا وقت کہاں کہ رک کر دوسرے کے لہجے' آواز و انداز' رویے اور تاثرات کھنگالتے رہیں۔ تجزیہ کر کے اُن کے دل کی بات جان سکیں اور بالفرض وہ ایسا کر گزریں تو بھی مِس انڈرسٹینڈنگ کے ہزارہا چانسز موجود ہیں۔ ہم کسی کے رویے کو سمجھنے میں غلطی کر سکتے ہیں' اُسے مِس جج کر سکتے ہیں۔ سو ثابت ہوا کہ آمنے سامنے براہِ راست سیدھی بات کہہ دینا زیادہ بہتر ہے۔''

وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ راحت نے رشک آمیز نظروں سے اُس کی بے ریا شفاف ہنسی کا نظارہ کیا۔ کچھ لوگوں کی زندگی کتنے سیدھے راستوں پر چلتی ہے۔ نہ کوئی الجھن' نہ موڑ' نہ مزاحمت۔ راحت نے ایک بار پھر حسرت سے مس نگین کو دیکھا۔

''میڈم۔ اگر میں...... آ۔ آپ سے دوستی کرنا چاہوں تو......'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔

''اُستاد سے بڑھ کر بھلا معتمد دوست کون ہوتا ہے شاگرد کا۔ تدریس کا رشتہ تو چلتا ہی دوستی و رہنمائی سے ہے۔'' نگین نے اُس کے کندھے پر ہاکا سا ہاتھ رکھ کر ہٹایا۔ راحت نوٹ کر رہی تھی' نگین کے انداز میں بظاہر لاپرواہی' بے نیازی و بے فکری ہے مگر اندر مچلتی تجربے کی گہرائی' مشاہدے کی روانی اور تدبر و سنجیدگی اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ وہ زندگی کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف ہے۔

''میڈم' میرا تعلق ایک ایسے طبقے سے ہے جہاں ضرورتوں کی بھرمار بعض اوقات سفید پوشی کا بھرم بھی چھین لیتی ہے۔ جہاں تعلیم ایک بہت بڑی عیاشی سمجھی جاتی ہے۔ اولاد میٹرک تک بھی پہنچ جائے تو ماں باپ سمجھتے کہ پڑھائی کا بہت خرچہ برداشت کر کے اتنی تعلیم دلا دی ہے۔ اِس سے آگے تو وہ پڑھ سکتے ہیں جن کے پاس لٹانے کو بہت پیسہ ہوتا ہے۔''

''پھر تمہیں کیسے اجازت مل گئی؟''

''ابا جی کے سامنے رونے دھونے کی ایکٹنگ کر کے......'' وہ ہنسی...... ''ابا جی دل کے بہت نرم ہیں۔ ہیں تو اماں بھی مگر اُن کا مزاج گرم ہے ذرا۔ کچھ حصہ میٹرک کے اچھے نمبروں نے بھی

ڈال دیا۔ یوں بھی گورنمنٹ کالج میں پڑھائی ایسی مہنگی بھی نہیں۔ بس ایڈمشن فیس اور امتحانوں کی فیس کا مسئلہ ہوتا ہے۔ باقی سال آرام سے گزر جاتا ہے۔ میں نے اماں سے کہا' میرے کپڑوں جوتوں کا خرچ فیس میں لگا دیں۔ یوں بھی میں قناعت پسند لڑکی ہوں۔ اتنے نخرے خرچے نہیں پالے' سو گزارا چل جاتا ہے مگر میں چاہتی ہوں' اب اپنے گھر والوں کے لئے کچھ کروں۔ آپ مجھے مشورہ دیں میڈم۔''

نگین اپنے مخصوص لاپرواہ تاثرات سمیت سن رہی تھی' یوں جیسے کوئی خاص دلچسپی نہ ہو مگر بہ باطن وہ پوری طرح متوجہ تھی۔ یہ بات راحت نے اُس کے جواب سے اخذ کی۔

''ٹیوشن کا مشورہ تو بے کار ہی ہوگا۔ کیونکہ تم جس محلّے میں رہتی ہو' وہاں ٹیوشن کے لئے بچے بھیجنا تو سچ مچ کی لگژری میں شمار ہوتا ہوگا۔ ماں باپ سرکاری سکول میں بھی رو دھو کے بچہ بھیجنے کا انتظام کرتے ہوں گے۔ اُنہیں تو یونیفارم اور کاپی کتابوں کے خرچے ہی بہت بار گزرتے ہوں گے' کجا کہ اتنی مہنگی ٹیوشن۔ اگر تم لڑکا ہوتیں تو شہر کے اونچے طبقے کی کوٹھیوں میں جا کر اُن کے بچے پڑھا سکتی تھیں مگر ایک لڑکی کے لئے بنگلوں میں بطور ٹیوٹر آنا جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جب اُسے روزانہ بسوں ویگنوں کے دھکّے کھا کر کوٹھی پہنچنا پڑے۔ دوسرا روایتی مشورہ ہو سکتا ہے' کپڑوں کی سلائی کڑھائی کے ذریعے آمدنی کا وسیلہ پیدا کرنے کا۔'' نگین دونوں ٹانگیں سمیٹ کر بے تکلفی سے آلتی پالتی مار کر بنچ کے اوپر بیٹھ گئی۔

''یہ ایک بہتر ذریعۂ معاش بن سکتا ہے۔ میری خالہ نے خاوند کی وفات کے بعد اپنے دونوں بیٹوں کی پرورش کے لئے سلائی مشین خرید کر لوگوں کے کپڑے سینے کا کام شروع کیا تھا۔ بعد میں کڑھائی وغیرہ بھی کرنے لگیں۔ اُن' کے ہاتھ کی مہارت اور صفائی نے بہت جلد اُنہیں مستقل قسم کے گاہک مہیا کر دیئے۔ حالانکہ وہ محض میٹرک پاس عورت تھیں۔ کوئی ڈپلومہ یا کورس نہیں کر رکھا تھا مگر اُن کی حسِ لطیف نے اُن کی رہنمائی کی۔ قدرتی طور پر اُن میں کلر سینس' کمبی نیشن سینس' ڈیزائننگ اور نت نئے سٹائل کے ذریعے جدّت پیدا کرنے کی فطری صلاحیت تھی۔ ایک بار اتفاقاً ایسا ہوا کہ اُنہوں نے اپنے کسی رشتے دار کی بیٹی کو شادی پہ بطور گفٹ دینے کے لئے دو سوٹ اپنی پسند کے کلر اور میٹریل کے خریدے' پھر اُن پر کڑھائی کر کے مختلف کمبی نیشن دینے کے بعد سیے اور سی کر کمرے میں لٹکا دیئے جہاں وہ سلائی مشین لے کر بیٹھتی تھیں۔ اُن کی گاہک خواتین

آ گئیں۔ سامنے پڑے سوٹ دیکھ کر استفسار کیا۔ تقریباً سب ہی کو ڈیزائننگ اور رنگوں کا خوبصورت کمبی نیشن پسند آیا اور اُنہوں نے پیشگی رقم دے کر اسی میٹریل اور ڈیزائننگ کے سوٹ بنوانے پر اصرار کیا۔ بس یہیں سے رقیہ خالہ کو خود سے کپڑا خرید کر تیار کرنے اور اپنے بنائے ہوئے سوٹ بیچنے کا آئیڈیا ہوا۔ اُنہوں نے گھر کا ایک کمرہ خالی کر کے' ہینگر خریدنے کے بعد اُن میں سلے ہوئے تیار کپڑے لگا کر رکھنے کا انتظام کر لیا...... گاہک خواتین سلائی کے لئے کپڑا دینے آتیں تو تیار شدہ سوٹ دیکھ کر پسند آ جانے پر خرید لیتیں۔ رقیہ خالہ کو اس کاروبار سے دُگنا منافع ہوتا تھا۔ پھر جب ایک وقت آیا کہ ایک مالدار بیگم نے اپنا سرمایہ اور خالہ جان کی محنت کا شیئر ڈال کر ''ردا بوتیک'' کھولنے کا منصوبہ پیش کیا۔ یوں رقیہ خالہ کا کاروبار گھریلو سطح سے کمرشل لیول پر آ گیا۔''

راحت غور سے ایک باہمت بیوہ خاتون کی جدوجہد کی داستان سُن رہی تھی۔

''بتانے کا مقصد یہ ہے کہ اگر عورت اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کرتے ہوئے دل کی بجائے دماغ سے کام لے تو نامساعد حالات میں بھی بہتری کی کوئی نہ کوئی راہ تلاش کر لیتی ہے۔ تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں ایسی جاب چاہئے جو پڑھائی کے ساتھ ساتھ جاری رکھی جا سکے' جبکہ رقیہ خالہ کا کام بہت توجہ چاہتا ہے۔ یہ فل ٹائم جاب ہے۔''

''اور میڈم' میرا رجحان بھی نہیں ہے اِس طرف۔ مجھے سینے پرونے یا ڈیزائن سوچنے کی قطعاً سینس نہیں ہے۔ نہ ہی فطرتاً دلچسپی ہے۔'' راحت نے بتایا۔

''لہٰذا یہ روایتی مشورہ بھی تمہارے لئے کارآمد ثابت نہیں ہو سکتا۔ اوکے۔ تیسرے کام کی طرف چلتے ہیں۔ مگر اُس کے مفید ثابت ہونے کا انحصار تمہارے گھر والوں کی اجازت پر ہے۔ تم پنڈورہ چورنگی کے پاس رہتی ہو ناں۔ روڈ کراس کر کے اسلام آباد کے آئی سیکٹر تک پیدل کا راستہ ہے۔ اِس سیکٹر میں دو تین اکیڈمیز کام کر رہی ہیں۔ تم کوئی اکیڈمی جوائن کر سکتی ہے۔ اپنی قابلیت کے مطابق تمہیں دو گھنٹے مختلف کلاسز کے بچوں کو پڑھانا ہو گا۔ ٹیوشن سینٹر والا حساب ہی سمجھ لو۔ غالباً دو ہزار ماہانہ سیلری مل جاتی ہے۔ کم از کم تم اپنی تعلیم ولباس اور خوراک کی حد تک تو خود کفیل ہو سکتی ہو۔ اکیڈمیز کی تنخواہیں بس اتنی ہی ہوتی ہیں اس لئے یہاں جاب ملنا دشوار نہیں ہوتا۔ وگرنہ آج کل جو حالات ہیں' اُس کے پیشِ نظر ایم اے پاس بھی تیسرے درجے کے سکولوں میں ملازمت کے لئے جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔ جب مواقع کم اور ضرورتیں زیادہ ہوں تو معاشرے کی قدریں اسی طرح بے توازن ہو جایا کرتی ہے۔''

راحت گہری سوچ میں پڑ گئی۔ مشورہ تو شاہ کر کے دل پہ لگا تھا مگر اجازت کا مسئلہ اپنی جگہ تھا۔ وہ ایک نچلے طبقے کے نمائندہ محلے کی پروردہ تھی۔ وہ تو کالج آتے جاتے آس پڑوس کی عورتوں کی سو باتیں سنتی تھی۔ ملازمت اور وہ بھی شام کی' یہ خبر سُن کر تو محشر ہی بپا ہو جاتا۔ ابھی تک تو اماں محلے کی عورتوں کی باتیں سُن کر خم ٹھونک کر اُس کی حمایت میں میدان میں اُتر آیا کرتی تھیں۔ مگر نوکری کا تماشہ اُنہیں محلے والوں کی نظر میں بالکل ہی بے وقعت کر دیتا۔ اُس نے اس خدشے کا اظہار نگین سے بھی کیا۔

''زمانہ' لوگ' رشتے دار' خاندان' محلّہ' معاشرہ۔ وغیرہ......'' نگین تمسخر سے ہنس دی۔ ''یہ سب لفظی ڈرامے ہوتے ہیں راحت بی بی۔ اِن پتھروں کے شیروں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کم از کم میں نے تو زمانے کو پرکھ کر یہی جانا ہے کہ یہ ہمیشہ سے غالب کا ساتھ دیتا آیا ہے۔ کمزور لوگوں کے لئے بھوکا بھیڑیا بن جاتا ہے اور طاقت ور کے آگے بھیگی بلی۔ سچ پوچھو تو دنیا کے تخت پر اصل حکمرانی طاقت کی ہی رہی ہے۔ چاہے وہ ایمان کی طاقت ہو یا بہادری' حوصلے' زمین جائیداد اور علم و دانش کی طاقت ہو۔ یہی سچائی ہے۔ اگر تم کچھ کرنا چاہتی ہو تو اپنے جذبے اور جرأت مندی کی طاقت بڑھاؤ۔ اُسے استعمال میں لاؤ۔ ایک راہ بند ملتی ہے تو کوئی بات نہیں' اسی عزم کے ساتھ دوسرا در کھٹکھٹاؤ۔ دوسرا راستہ تلاش کرو کہیں نہ کہیں سے تو منزل کا سُراغ ملے گا۔''

راحت کو یوں لگا' جیسے ایک ٹھنڈی میٹھی شفیق سی آبشار تلے اُس کا منتشر ذہن و قلب بھیگ کر موتیوں کی طرح صاف شفاف ہوتا جا رہا ہے۔ کچھ لوگوں کی رفاقت میں ایسا اعجاز ہوتا ہے۔ اتنی جادوگر قربت ہوتی ہے کہ ہر دُکھ اور پریشانی دُور بھاگ جاتی ہے۔ راحت نے بڑی عقیدت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

O☆O

''کمال کرتی ہیں ای آپ۔ آپ کو سُن کر بالکل بھی غصہ نہیں آیا۔ اور میں دو دن سے جل جل کر آدھی ہو گئی ہوں۔ جی چاہتا ہے' بھرا ریوالور لے کر اُس کے گھر جاؤں اور ساری گولیاں اُس کے جسم پر خالی کر آؤں۔ کیا سمجھ کر اُس نے ایسی گھٹیا حرکت کی۔ اور وہ بھی میرے ساتھ۔ نفرت ہے مجھے مردوں کے ایسے چھچھورے پن سے۔ سڑکوں پہ گاڑیاں لے کر فلمی ہیرو بنے چلے آتے

ہیں۔لڑکیوں کو لفٹ دینے کے بہانے فلرٹ کرنے۔ یہ نہیں سوچتے کہ ایسی فریبی آفر دیتے ہوئے مرد اپنی سطح سے کتنا نیچے گر جاتا ہے۔غیر عورتوں کو مدد کا جھانسہ دے کر فری ہونے کی آخر کیا ضرورت ہوتی ہے انہیں۔ یہ کمینہ پن دکھائے بغیر کیا اُن کا کھانا ہضم نہیں ہوتا؟'' وہ طیش کے عالم میں مسلسل ٹہل رہی تھی......یاسمین بیگم صوفے پر بیٹھی ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لئے نارمل موڈ میں اُس کی اشتعال انگیز گفتگو سن رہی تھیں۔

''ہر شخص اپنے قول و فعل کا خود ذمے دار ہوتا ہے۔تم کیوں خواہ مخواہ کُڑھ رہی ہو۔ ہوتے ہیں ایسے لوگ بھی دنیا میں۔تم ابھی ناسمجھ ہو۔ گہرائی دیکھنے کا سلیقہ آئے گا تو خود ہی حالات کا رُخ پہچان لوگی۔ فی الحال خود کو ٹینس مت کرو۔ وہ کون سا ابھی بارات لئے کھڑا ہے۔ جب اپنے والدین کو بھیجے گا تو دیکھا جائے گا۔'' یاسمین بیگم کی یہ بے پروائی مہرینہ کو اچنبھے میں ڈال رہی تھی۔

''مگر امی۔ آپ سوچیں تو سہی۔ کتنی دیدہ دلیری سے سب کچھ کہہ گزرا۔ کیا ہمیں جوابی کارروائی کا حق نہیں پہنچتا۔''

''ہم بھی وقت آنے پر جواب پیش کر دیں گے۔ فکر کیوں کرتی ہو۔ میں ہوں ناں، تمہارے ساتھ۔ جو ہوگا اچھا ہی ہوگا......آؤ بیٹھو اِدھر میرے پاس۔'' یاسمین بیگم نے جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔طوہاً و کرہاً مہرینہ اُن کے قریب آ گئی۔

۞۞۞
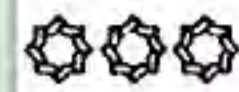
''بلّی تم اتنی گندی کیوں ہو رہی ہو۔اپنی مما سے کہنا تھا تمہیں نہلا دیتی۔ دیکھو اچھے بچے ہمیشہ نیٹ اینڈ کلین رہتے ہیں۔'' علی گھاس پہ بیٹھی بلّی کی پشت سہلاتے ہوئے مدبّرانہ انداز میں محوِ کلام تھا۔ یہ بلّی اِدھر اُدھر گلی میں پھرتی اکثر اُن کے گھر کے لان میں آ کر بیٹھ جایا کرتی تھی۔ بچے اُس سے مانوس تھے۔ جب بھی آتی اُسے دودھ پلاتے یا گوشت وغیرہ ڈالتے تھے۔ دودھ کے لئے ایک الگ برتن بلّی کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔

''یہ لو بلّی، دودھ پی لو۔ آں ہاں۔ ندیدوں کی طرح جھپٹنا نہ مارو۔ آرام آرام سے پیو۔'' ولی گہری پلیٹ گھاس پر رکھتا ہوا خود بھی علی کے ساتھ دوزانو بیٹھ گیا۔

''بھائی۔بلّی دودھ اور گوشت کے سوا اور کچھ نہیں کھاتی؟''

''میرا خیال ہے نہیں......'' علی نے سوچ کر ولی کے سوال کا جواب دیا۔

''مگر کیوں؟ ہم تو اتنی ساری دوسری چیزیں بھی کھاتے ہیں۔'' ولی فکرمند ہوا۔''مگر خیر۔ اس کا پیٹ بھی تو چھوٹا ہوتا ہے۔شاید اِس میں اتنا ہی آتا ہو۔'' بعد میں خود ہی توجیہہ پیش کر دی۔

''یہ جو اِس کی کھال پر وائٹ اور بلیک ڈاٹس بنے ہوئے ہیں، کیا اِس کی مما کی کھال پر بھی بنے ہوں گے؟'' ولی متجسس ہوا۔

''ضروری نہیں ہے۔'' علی نے شانِ بے نیازی سے کندھے اُچکائے۔

''تم کیسے کہہ سکتے ہو۔'' ولی نے جرح کی۔

''دیکھوناں۔ ہماری سکن گولڈن کلر کی ہے' جبکہ مما بالکل پنک ہیں۔ ہمارے بال کرلی اور براؤن ہیں' جبکہ مما کے بلیک اور سیدھے ہیں۔ ضروری نہیں ہے' جیسی مما ہوں ویسا ہی بے بی ہو۔''

اور اپنے کمرے کی لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی میں کھڑے مہراب کے ہونٹوں پر تحسین آمیز مسکراہٹ تیر گئی۔ ''اُن افلاطونی ذہانت رکھنے والے بچوں کے سامنے بڑے سے بڑا جینئس بھی مات کھا جائے۔''

گزشتہ دو سالوں سے وہ اُن کے وجود سے' اُن کی ہنسی اور چہکاروں سے اتنا مانوس ہو چکا تھا کہ وہ رگِ جاں کی طرح عزیز اور قریب محسوس ہوتے تھے۔ اب وہ اُن سے دُوری کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اُنہوں نے اِس گھر کی تنہائیوں کو شہنائیوں میں بدل دیا تھا۔ گھر کا حُسن اِن پھولوں کی عطر بیز زندگی آسا مہک کی بدولت نکھر آیا تھا۔ وہ مستقل اس گلشن کو اسی طرح چہچہاتا ہنستا بستا دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر باوجود کوشش کے وہ دل کی بات جیا یا زرلالہ کے سامنے لبوں پر نہیں لا سکا تھا۔ عجیب سی جھجک اُس کا دامن پکڑ لیتی۔

اُس نے ٹھان لیا' اب کے جانے سے پہلے ضرور جیا سے بات کرے گا۔ حُسنِ اتفاق ایسا ہوا کہ وہ اسی دوران اُس کے کمرے میں آ گئیں۔

''اوہو۔ تم یہاں ہو بیٹے۔ تمہارا فون آیا تھا' میں سمجھی گھر سے باہر ہو سو یہی کہلا دیا۔ کوئی نوید احمد تھا۔ کہہ رہا تھا' دوبارہ فون کر لوں گا۔'' وہ ساڑھی کے پلّو سے ہاتھ پونچھتی اندر داخل ہوئیں۔

''ہاں' وہ میرا کلاس فیلو رہا ہے' ایف ایس سی کے زمانے میں۔ آپ آئیں ناں بیٹھیں۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے جیا۔'' وہ اُنہیں صوفہ چیئر پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی اُن کے مدمقابل بیڈ کے کنارے پر ٹِک گیا۔

''ہاں کہو۔''

''وہ جو بابا جان نے چار سال پہلے اپنی زندگی میں بیس لاکھ کا لون لیا تھا۔ اُس میں سے کتنا رقم باقی ہے؟''

''سود کی رقم ملا کر کوئی دس لاکھ کے قریب رقم واجب الادا ہے۔'' پھر اُنہوں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''گورنمنٹ جاب سے ریٹائرمنٹ کے بعد یہ سوچ کر بینک سے قرضہ لیا تھا کہ گارمنٹس انڈسٹری لگائیں گے۔ خدا کی کرنی ایسی ہوئی کہ جتنی رقم لگائی تھی' سب ڈوب گئی۔ کام ٹھپ ہو گیا۔ اور اونے پونے فیکٹری کی زمین بیچنی پڑی۔ اِس کے بعد اُن کی عمر نے وفا نہ کی۔''

''میں ہوں ناں جیا۔ انشاء اللہ ڈھائی سالوں میں سارا قرضہ اُتر جائے گا۔'' اُس نے ماں کو تسلی دی۔ پھر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد مطلوبہ موضوع پر آ گیا۔

''جیا۔ آپ نے زرلالہ کے بارے میں کیا سوچا ہے۔ میرا مطلب ہے' کیا وہ اسی طرح رہیں گی ساری عمر......؟ وہ دبے لفظوں میں کہنے لگا۔

''زرلالہ......'' جیا چونکیں۔ ''ہاں' وہ خیر سے اپنی پڑھائی میں مصروف ہے۔ شادی سے پہلے اُس نے میٹرک کے بعد تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا تھا۔ اب یہاں آ کر نئے سرے سے شروع کیا ہے۔ ابھی تین ماہ پہلے تو اُس نے پرائیویٹ انٹر کیا ہے۔ اب بی۔ اے کرنے کا ارادہ ہے۔ میں نے تو بہت زور لگایا کہ بیٹی ریگولر بی۔ اے کر لو۔ کالج جاؤ گی۔ باہر نکلو گی تو دل بھی بہل جائے گا اور پڑھائی میں بھی لطف ملے گا مگر اُس نے انکار کر دیا۔ تم جانتے ہو' وہ قدرے شرمیلی' کم گو اور تنہائی پسند بچی ہے۔ زیادہ ملنا جُلنا' گھومنا پھرنا پسند نہیں کرتی۔ اُس کی فطرت عام لڑکیوں سے مختلف ہے۔'' جیا کے لہجے میں ممتا بھری نرمی زرلالہ کے وجود سے وابستہ جذبوں کی بھرپور عکاس تھی۔

''میرے کہنے کا مطلب یہ تھا جیا کہ وہ ابھی بہت کم عمر ہیں۔ بمشکل تیئس چوبیس برس کی ہوں گی۔ اِس عمر میں تو لڑکیاں دلہن بننے کی تیاریاں کرتی ہیں۔ اُنہیں دیکھ کر تو کوئی قسماً بھی یہ ماننے کو تیار نہیں ہو گا کہ وہ تین بچوں کی ماں ہیں۔ اتنی طویل عمر پڑی ہے۔ ظاہر ہے' تنہا تو نہیں گزار سکتیں۔ آپ نے اُن کی شادی کے بارے میں سوچا یا اُن سے بات کی......؟؟'' وہ آہستگی سے گویا ہوا۔ اُس کی نظریں ماں کے چہرے پر تھیں جہاں اُلجھن کے بادل تیرنے لگے تھے۔

''شادی کی عمر تو ہے اُس کی۔ مگر میرا خیال ہے' زری راضی نہیں ہو گی۔ وہ شاید اس موضوع پر بات کرنا بھی پسند نہ کرے۔'' وہ ہچکچا کر بولیں۔

''اور میرا خیال ہے' ایسا نہیں ہو گا۔ آپ مجھے بات کرنے کی اجازت دیں۔'' وہ تیزی سے بولا۔ جیا چند لمحے اُس کی صورت دیکھتی رہ گئیں یوں' جیسے ذہن میں در آنے والے اس اچانک

خیال کو حقیقت کا روپ دھارتے دیکھ رہی ہوں۔ پھر وہ بے قراری سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''بلاشبہ لالہ ایسی لڑکی ہے کہ اُس سے تمہارا متاثر ہونا اَنہونی بات نہیں ہے لیکن بیٹے' بہتر ہے دل کی بات دل ہی میں رہنے دو۔ ایسا ممکن نہیں ہے۔''

''مگر کیوں جیا۔ کیا آپ بھی اُن ہی لوگوں میں شامل ہیں جنہیں بیوہ اور بال بچوں والی بہو بیاہ کر لانا اپنی شان اور عزت کے خلاف لگتا ہے۔'' مہراب نے دُکھ سے اُنہیں دیکھا۔

''نہیں بیٹے۔'' وہ پیشانی مسلتے ہوئے دھیرے سے بولیں۔ اُن کی کیفیت گُم صُم سی تھی۔ یوں جیسے اپنی ہی کسی خواہش کے خلاف لڑ رہی ہوں۔ ''یہ بات نہیں ہے۔'' وہ کھوتے ہوئے انداز میں بڑبڑائیں۔ ''مجھے تمہاری تمنا بھی عزیز ہے اور زری کی رفاقت بھی۔ مگر میں بے بس ہوں بیٹے۔ کاش' ایسا ہو سکتا۔''

''ایسا نہ ہونے میں کون سی رکاوٹ ہے جیا۔'' وہ بے بسی سے بولا۔ جواب میں وہ خاموش رہیں۔

''اُنہیں ہمارے سہارے کی ضرورت ہے۔ بچوں کو باپ کی شفقت درکار ہے۔ ابھی اپنے مرحوم شوہر کی برسی کی رات کو اُن کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ وہ رات کے پچھلے پہر لان میں کر رو رہی تھیں۔ شاید اُسے ابھی تک نہیں بھولیں۔ اُن کے ذہن سے اس سانحے کی تکلیف دہ یاد مٹانے کے لئے ضروری ہے کہ اُن کی روٹین لائف میں کوئی تبدیلی لائی جائے۔ تا کہ اُن کی سوچ کو نیا موڑ ملے۔ اگر اسی طرح غم و حسرت میں ڈوبی رہیں تو خدانخواستہ کسی نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہو سکتی ہیں۔ آپ سمجھنے کی کوشش کریں جیا۔''

''میں سب سمجھتی ہوں مگر تمہیں سمجھا نہیں سکتی میرے بیٹے۔ تم بس اتنا سمجھ لو کہ تم جو چاہتے ہو' وہ قیامت تک نہیں ہو سکتا۔''

O☆O

''خدا جانے کس کو ڈرائنگ روم میں لا بٹھایا ہے۔ ایک تو میں اِن بچوں کی بے وقوفیوں سے بہت تنگ ہوں...... ہزار مرتبہ سمجھایا ہے کہ یہ منگتے فقیر نرے ڈھونگی ہوتے ہیں۔ اپنی ایکٹنگ کے پیسے وصول کرتے ہیں۔ ظلم و ستم کی ایسی ایسی کہانیاں گھڑتے ہیں کہ رقیق القلب لوگ پگھل کے رہ جائیں۔ ارے بھئی' اِن بھکاریوں سے بڑھ کر منجھا ہوا اداکار کون ہو گا......'' بیگم ریاض تنگ آئے

ہوئے انداز میں نگین سے مخاطب تھیں۔ محسن کچن کے دروازے پہ کھڑا کان کھجا رہا تھا۔

''ایسے تو نہ کہیں امّی۔ بے چارے بابا جی کا اِس دُنیا میں کوئی نہیں ہے۔ وہ کوئی پیشہ ور فقیر تھوڑی ہیں۔ اُن کے گھر ڈاکا پڑا تھا۔ ڈاکوؤں نے ساز و سامان کے ساتھ ساتھ گھر والوں کو بھی قتل کر دیا۔ فقط دس سال کا معصوم پوتا بچا ہے' اس سانحے میں۔ اتنے بوڑھے ہیں کہ محنت مزدوری کے ذریعے اپنا اور پوتے کا پیٹ بھی نہیں پال سکتے۔ مجبوری کے عالم میں کھانا مانگنے آئے ہیں۔ بڑے مظلوم ہیں وہ۔''

''تم لوگوں کو تو ہر بھکاری مظلوم اور ستم رسیدہ لگتا ہے۔ یاد ہے' پچھلے دنوں ایک کوڑھی اور لنگڑا بوڑھا اللہ کے نام پر مانگنے آیا تھا۔ اظہر نے باقاعدہ اُس کا میڈیکل چیک اَپ کیا تھا۔ دوائیں خریدنے کے لئے تمہیں سٹور بھجوانے والا تھا کہ بوڑھے نے کہا' میں خود دوائی خرید لوں گا۔ آپ یہ پرچی اور پیسے مجھے دے دیں۔ اظہر نے دو سو روپے تھما دیے۔ وہ تو بعد میں تم اتفاقاً مارکیٹ کی طرف نکل گئے تھے' جب تم نے دیکھا کہ وہی بوڑھا دوائیوں کی پرچی پھاڑنے کے بعد پیسے جیب میں ڈال کر ہوٹل میں بیٹھا کڑھائی چکن کھا رہا تھا۔ باقی بچے ہوئے پیسوں سے اُس نے سینما جا کر تین سے چھ والا شو دیکھا......''

''ہائیں۔ واقعی......'' سالن گرم کرتی ہوئی نگین بے ساختہ کھلکھلا اُٹھی۔ ''مگر یہ کیسے معلوم ہوا۔'' اُس نے ہنسی دبا کر سوالیہ نظروں سے محسن سے پوچھا۔ جو سر جھٹک کر گُدّی سہلاتے ہوئے شرمندگی مٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''دراصل اُسے کڑھائی چکن ڈکارتے دیکھ کر میں نے اُس کی جاسوسی کرنے کی ٹھان لی تھی۔ کھانا کھا کر جدھر گیا میں نے اُس کا تعاقب کیا۔''

''اور یہ نہ ہو سکا کہ پکڑ کر اس ایکٹر بڈھے کو دو چار ہاتھ رسید کرتے۔ ایسے دروغ گو اور ایسے لوگوں کی تو چوک میں چھترول ہونی چاہئے۔'' بیگم ریاض روٹی سینکتے ہوئے بھنا کر بولیں۔

''اُن کے اعمال ان کے ساتھ اور ہمارے اعمال ہمارے ساتھ۔'' محسن سنجیدگی سے بولا۔ ''ہم تو اللہ کی راہ میں ثواب کی خاطر دیتے ہیں لہٰذا ہماری نیکی کا ثواب ہمیں مل جاتا ہے۔ باقی رہی اداکاری کرنے والوں کی دھوکا بازی تو اُس کا گناہ اُن کے سر ہے۔ ہمارے نامۂ اعمال میں تو ہماری نیکی کا پھل ہی درج کیا جاتا ہے۔ اُس کی اُس پر ہے' وہ چاہے جو کرے۔ تم تو فراز اپنی

جانب سے نبھاتے جاتے۔ سو دہی بات ہے۔'' وہ ٹرے میں سالن کی پلیٹ اور گلاس رکھنے لگا۔

بیگم ریاض نے چار روٹیاں رومال میں لپیٹ کر سالن کے ساتھ رکھ دیں۔

''یہ اظہر ابھی تک نہیں آیا۔ لنچ بریک تو کب کی ہو چکی۔''

''یس۔ موصوف تو آ چکے ہیں۔'' محسن نے فوراً اطلاع دی۔

''تو کہاں ہے۔ اندر تو نہیں آیا۔'' بیگم ریاض حیران ہوئیں۔

''وہ......'' محسن نے چور نظروں سے اُن کی طرف دیکھا۔ ''وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا بابا جی اور اُن کے پوتے کے ساتھ گپ شپ کر رہا ہے۔''

''یا خدایا۔ یہ میری اولاد کس پہ چلی گئی۔'' بیگم ریاض سر پکڑ کر بولیں۔ ''بالکل ہی عقل سے پیدل ہے۔''

''امی۔ بابا جی اس وقت ہمارے مہمان ہیں۔ اُن کی خاطر داری تو لازم ہے ناں۔'' وہ جگ میں پانی بھر رہا تھا۔

''پتا نہیں' کہاں سے پکڑ لائے اپنے اس ماے کو۔ ہو سکتا ہے' چوروں کا بھیدی ہو۔ ایسے لوگ مظلوم بابا یا بے بے کو گھر بھجوا کر ساری لوکیشن دکھلا دیتے ہیں۔ رات کو یہی سیدھا سادا بابا جی چوروں کے گائیڈ کا کام سرانجام دیتا ہے۔'' وہ صلواتیں سنا رہی تھیں۔

''وہ بالکل بے ضرر قسم کا بابا ہے خالہ جی۔ میں نے دیکھا تھا جا کر۔'' نگین نے بھی محسن لوگوں کی طرف داری کی۔

''کیا بھروسہ ہے بچے آج کل کے انسانوں کا۔ اخلاق اور اصول کی باتیں اب مذاق بن کر رہ گئی ہیں۔ آج کے زمانے میں دھوکے بازی' جھوٹ اور خوشامد کامیاب کاروبار کے بنیادی گُر تصور کئے جاتے ہیں۔ اسی سے سب روزی کما رہے ہیں۔ پیسہ بنا رہے ہیں۔ کس کا اعتبار کیا جائے اور کس کا نہیں۔'' بیگم ریاض کچن میں سائیڈ پر رکھی ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا رہی تھیں۔

''لو بتاؤ۔ بھئی اگر کھانا کھلانا ہی تھا تو باہر گیٹ پر اخبار میں لپیٹ کر پکڑا دیتے۔ یوں بھکاریوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کے ٹرے لگا کے کون کھلاتا پلاتا ہے۔ نادان احمق لڑکے۔ خیر آؤ تم ٹیبل پر آؤ۔ یہ دونوں تو اب اپنے ہوتے سوتے کو نپٹا کر ہی آئیں گے۔'' وہ جل کر بولیں۔

''انہیں آ لینے دیں خالہ جی۔'' نگین ہنستی ہوئی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ چار کرسیوں کی میز

تھی۔ نگین کے آنے سے چوتھی خالی کرسی بھی پُر ہو گئی تھی۔ بیگم ریاض دوپہر کے کھانے پر کم ہی پائی جاتی تھیں۔ وہ بوتیک سے شام کو لوٹتی تھیں۔ مگر آج جمعے کا دن تھا۔ اُن کا ہاف ڈے ہوتا تھا۔ جمعے کی اذان سے پہلے بوتیک بند کر دی جاتی تھی۔

''آہا۔ نرگسی کوفتے بنائے ہیں۔ یعنی نرگس کے کوفتے جنہیں کھا کر کوفت ہونے لگے۔'' اظہر دانت نکالتا ہوا کچن میں داخل ہوا تھا۔ اُس کے پیچھے محسن خالی ٹرے لئے آ رہا تھا۔

''کرا دیا لنچ اپنے پیارے بابا جی کو۔'' بیگم ریاض دانت بھینچ کر اُنہیں دیکھنے لگیں۔

''جی ہاں۔ پیارے بابا جی اور اُن کے پیارے سے پوتے کو اپنے پیارے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر آپ کے پیارے برتنوں میں۔'' اظہر نگین کے سامنے کرسی پر ڈٹ کر ہنسا۔

''شرم تو نہیں آتی۔ میں کہتی ہوں' یہی چالے رہے تو کسی دن سب کچھ لٹا کر سر پر ہاتھ رکھ کر رو ؤ گے......'' اُنہوں نے بلا امتیاز دونوں کو لتاڑا۔

''روتے تو ہم اب بھی ہیں۔'' اظہر نے آہ بھر کر نگین کو دیکھا۔ ''جانے کیا بات تھی' کس بات رونا آیا۔ کبھی تلخیٔ حالات پہ' کبھی ملاقات پہ رونا آیا۔''

''اور کبھی اپنی ہی اوقات پہ رونا آیا......'' محسن نے گرہ لگائی۔

''کتنے پیسے دیئے' اپنے اس پیارے بابا جی اور اُن کے پیارے پوتے کو......'' بیگم ریاض اکڑے تیوروں سے پوچھا۔ ''جانتی ہوں' دیئے بغیر تو تم لوگ نہیں رہ سکتے۔ جھوٹ نہ بولنا اب۔''

''میں نے صرف ڈیڑھ سو روپے۔'' اظہر نے مارے باندھے سچ بتایا۔

''اور میں نے اپنی حیثیت واوقات کے مطابق فقط پچاس روپے۔ اُس کے پوتے کو۔'' محسن نے بتایا۔

''ہاں ہاں۔ پیسے تو درختوں پر لگے ہوئے تھے ناں۔ جھٹ جا کر توڑے اور پیارے بابا جی کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ میں کہتی ہوں سُدھر جاؤ لڑکو۔''

''امی' یہ تو آپ صدیوں سے کہتی آئی ہیں۔ ابھی کھانا تو کھا لینے دیں۔ باقی آئندہ پر چھوڑ دیں۔'' محسن نے مسمی سی صورت بنائی۔ نگین کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔ اور یوں ماحول کا تناؤ کم ہو گیا۔ سب معمول کے مطابق باتیں کرتے ہوئے لنچ کرنے لگے۔ کھانے کے بعد اظہر اور

محسن نے حسبِ سابق اپنی اپنی پلیٹ اور گلاس اُٹھا کر بیسن میں رکھے اور پانی سے کھنگال کر برتنوں کی ٹوکری میں لگا دیئے۔

''بڑا منظم سسٹم رکھا ہے آپ نے گھر میں۔ اس طرح نہ کام پھیلتا ہے اور نہ کسی ایک شخص پر بوجھ پڑتا ہے۔ بکھیڑا بھی جلدی نپٹ جاتا ہے۔'' نگین نے تعریفی نظروں سے بیگم ریاض کی طرف دیکھا تھا۔

''وقت ایسا آن پڑا ہے بیٹی کہ مرد عورت دونوں کو مل جُل کر اپنے ذمّے داریوں کا بوجھ بانٹنا چاہیے۔ پہلے عورت صرف گھر کا کام کرتی تھی۔ مرد باہر کا محاذ سنبھالتے تھے مگر اب ضرورتوں نے مروجہ تقسیم بدل ڈالی ہے۔ گھر سنبھالنے کے علاوہ عورت معاشی میدان میں بھی مرد کے ساتھ مل کر کام کر رہی ہے۔ کیا حرج ہے اگر مرد بھی اس کی گھریلو ذمّے داریوں میں تھوڑا بہت ہاتھ بٹا دے۔ زیادہ نہ سہی' کم از کم اتنا تو ہو کہ وہ اپنا کھانا خود نکال لے' اپنی چائے بنا لے' اپنے استعمال کی چیزوں کا خود دھیان رکھے۔ حالانکہ میں پُرانے زمانے کی عورت ہوں مگر سچ پوچھو تو مجھے شروع سے ایسے مرد بہت بُرے لگتے ہیں جو ہل کر پانی پینا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اب ایسی بھی کیا کاہلی اور نخرہ۔ میں نے ایسے مرد بھی دیکھے ہیں جو کھانے کے دوران ٹیبل پر بالکل سامنے پڑا نیپکن اُٹھانے کے لئے بھی بیوی کو آرڈر دیتے ہیں۔ گویا عورت نہ ہوئی خادمہ ہوگئی۔'' بیگم ریاض نے تنفر سے سر جھٹکا اور نگین نے ان کی بات سے مکمل اتفاق کیا۔

O☆O

''یہ ڈوگر دکان والے کا کیا قصّہ ہے پُتر۔ ہر دوسرے دن چلا آتا ہے حویلی۔'' ملک ایاز نے حویلی کی مردانہ بیٹھک میں بچھے رنگین پایوں والے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے دراب سے پوچھا۔ دراب ملک ایک جسیم دراز قامت اور سخت تیور رکھنے والا مرد تھا۔ وہ موڑھے پر ٹکا کوئلوں کی انگیٹھی پر ہاتھ سینک رہا تھا۔

''اوہ ابا جی۔ اس ڈوگر کے تخم کو تو میں اچھی طرح سمجھ لوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ او شیرے ذرا بلا کے لا اس سورے کو۔'' اس کی ایک للکار پر غنڈہ صورت جیم شیم اُدھیڑ عمر شیرا لپکا آیا تھا۔

''جی چھوٹے ملک جی۔ ابھی لایا۔'' وہ فوراً ہوا ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد سفید گھسے ہوئے تہمد بنیان میں ملبوس ایک لرزتے کانپتے بوڑھے کو ہانکنے والے انداز میں اندر لے آیا۔

''ہاں بھئی شیر کی اولاد۔ کیا مسئلہ ہے تیرا۔ بڑا بہادر ہو گیا ہے تُو۔ ابا جی تک آن پہنچا۔ بول ا، اب۔ یہ گھگھو گھوڑا کیوں بن گیا' ہیں؟'' دراب مونچھوں کو بل دیتے ہوئے اس کے سامنے آ گیا۔

''ملک جی۔ ہم نمک خوار ہیں آپ کے۔'' ڈوگر ہاتھ جوڑ کر ملک ایاز کے سامنے آ گیا۔

''پچھلے سال اپنی وڈی کاکی کے ویاہ کے لئے چار ایکڑ زمین رہن رکھوائی تھی تریہہ (تیس) ہزار روپے کے حساب سے۔ سال بھر میں مجھے رقم ادا کر کے زمین چھڑانی تھی۔ تیس ہزار میں واپس کر چکا ہوں اور باقی پیسے جی اگلی فصل منڈی بیچنے کے بعد دینے کا وعدہ بھی کیا ہے پر چھوٹے ملک جی زمین کے کاغذات واپس نہیں دے رہے۔ نہ وہاں پہ کھیتی باڑی کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔''

''اوئے زمین کے چاچے مامے۔ تیس ہزار کب واپس کئے تھے تُو نے۔'' دراب نے خونی نظروں سے اُسے گھورا۔ ''کوئی رسید بنوائی تھی کیا؟ ویسے بھی تُو نے سال بھر کی ضمانت پر پیسے لئے تھے۔ اب سوا سال بیت چکا ہے لہٰذا زمین میری ہوئی۔''

''میں نے جی تیس ہزار گیارہویں مہینے میں لا کر آپ کے ہاتھ پہ رکھ دیئے تھے جی۔'' ڈوگر نے تڑپ کر تصحیح کی۔ ''اگر گنے کی فصل کٹ جاتی تو اب تک منڈی بیچ کر باقی رقم بھی ادا کر چکا ہوتا۔ آپ مجھے صرف ڈیڑھ مہینے کی مہلت اور دے دیں۔'' وہ عاجزی سے بولا۔

''مجھے جھوٹا کہتا ہے تُو' دو آنے کا مال بیچنے والے؟ کون گواہ ہے اس بات کا؟ تیرا پھپھڑ؟'' استہزاء' تمسخر اور رعونت و خشونت کا ہر عکس دراب کے لب و لہجے سے نمایاں تھا۔ ملک ایاز خاموشی سے تماشا دیکھ رہے تھے۔ جیسے صورت حال سے کچھ سروکار نہ ہو۔

''آپ بھلے سے قرآن کی قسم دوا لیں ملک جی۔ میں سچ کہتا ہوں' میں نے آپ کو پیسے واپس کئے تھے۔'' ڈوگر کا لہجہ رو دینے والا ہو گیا۔ ''یہ سکندر باؤ بھی اس وقت موجود تھا۔ بشک (بے شک) اس سے پوچھ لیں۔''

''کیوں بھئی سکندر۔ کیا ڈوگر صحیح کہہ رہا ہے۔'' ملک ایاز نے سپاٹ لہجے میں کونے میں بیٹھے زرعی اجناس کا حساب کتاب کرتے سکندر کو مخاطب کیا۔ وہ چونک کر رجسٹر بند کرنے کے بعد متوجہ ہوا۔

"جی ہاں۔" اس نے یقین بھری متانت سے جواب دیا۔ "ڈوگر تیس ہزار چھوٹے ملک کو واپس کر چکا ہے۔ میں گواہ ہوں اس بات کا۔" ہر چند کہ سکندر کو دراب کی انگارے برساتی نظریں جسم میں پیوست ہوتی محسوس ہو رہی تھیں مگر وہ اصولی طور پر مظلوم ڈوگر کا ساتھ دینے کا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ جانتا تھا' دراب چکر چلا کے اصل میں ڈوگر کی چار ایکڑ زمین ہضم کرنا چاہتا تھا۔ وہی ملکوں کی ازلی ہوسِ جہاں گیری۔ زمینیں بڑھانے اور اس کے بل بوتے پر شان بنانے کا جنون۔ ڈوگر کی کُل چھ ایکڑ کی زمین تھی جو عین نہر کے کنارے پر تھی۔ پانی کھلا ملتا تھا' سو زمین دوسروں کے مقابلے میں دوگنی فصل دیتی تھی۔

"جیسا تُو ہمارا نوکر ہے' ویسا ہی یہ تیرا سکندر باؤ ٹھہرا۔ کوئی معتبر گواہی ہوتی تو بات بھی آگے چلتی۔ چل اب پھٹا کھا۔ ورنہ علاقے کے تھانیدار کو بلا کے اندر کرادوں گا۔ وہ اکثر نیاز مندی کے لئے ہماری حویلی کے چکر کاٹتا ہے۔ ایک اشارے پر سلاخوں کے پیچھے تیرا مقبرہ بنا دے گا۔ اُونہہ۔" دراب نے بیک وقت سکندر اور ڈوگر کو دیکھتے ہوئے حقارت و نفرت سے سر جھٹکا۔

"چھوٹے ملک جی۔ میرے چٹے سر کی ہی لاج رکھ لیں۔ میں تو جی برباد ہو جاؤں گا۔ میری دوسری کاکی بھی جوان ہو گئی ہے۔ اگلے سال اُسے بیاہنا ہے۔ زمین نہیں ہو گی تو دال روٹی کیسے چلے گی۔ چھ میں سے چار ایکڑ آپ نے رکھ لئے ہیں۔ دو سے گھر کا نمک پانی مشکل سے چلتا ہے۔ دکان کا تو بس نام ہی نام ہے۔ چھوٹا سا کھوکھا ہے جی۔ میرا اتنا ٹبر کھانے والا ہے۔" ڈوگر دہائی دینے لگا۔ مگر اس کا گڑگڑانا بھی کام نہیں آیا۔ دراب کے سفاک چہرے پر نرمی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

"چل جا اب۔ سر نہ کھا میرا۔ پھر آ جانا۔ دیکھتے ہیں' تمہارے معاملے کو بھی۔" ملک ایاز اُسے جھڑکتے ہوئے اندر زنان خانے میں چلے گئے۔ ڈوگر شیرے کے اشارے پر بوجھل اور مایوس قدموں سے اس کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔

"تمہیں دن میں کم از کم دس مرتبہ دل میں دہرانا چاہئے کہ تم ایک پرچون فروش باپ اور بھگوڑی ماں کی اولاد ہو جسے رحم دلی اور اعلیٰ ظرفی کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے ابا جی نے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کا خرچہ برداشت کر کے یہاں تک پہنچایا۔ ہماری اس دریا دلی اور احسان کے عوض تمہیں اپنی کھال کی جوتی بنا کر بھی ہماری خدمت میں پیش کرنی پڑے تو ایسا ضرور کرنا چاہئے مگر تم ہمارے ہی مُنہ کو آ رہے ہو۔ اپنی حیثیت دکھانا چاہتے ہو؟"

دراب نے غصے سے اُسے گھورا جو اتنا کچھ سن لینے کے بعد بھی سمندر کی طرح پُرسکون اور خاموش تھا۔

"مجھے کسی کے یاد دلائے بغیر بھی اپنی حیثیت و اہمیت یاد رہتی ہے' آپ کیوں روزانہ زحمت کرتے ہیں۔ پورا گاؤں جانتا ہے' میں ماسی برکتے کا یتیم و لیسر بھتیجا ہوں۔ حویلی والوں کا خادم ہوں۔" وہ رجسٹر پر سر جھکائے نارمل آواز میں گویا ہوا۔

"پھر اس معمولی دکاندار کے لئے کیوں ہمدردی امنڈ رہی ہے؟ کہیں باپ کے "ہم پیشہ" ہونے کا احترام تو نہیں کیا جا رہا ہے۔" وہ تضحیک آمیز انداز میں ہنسا۔ وار جتنا کاری تھا' سکندر کا ضبط اتنا ہی کشادہ تھا۔ وہ تحمل سے سہہ گیا۔

"ڈوگر بوڑھا آدمی ہے۔ جوان بیٹی کا باپ ہے۔ اس کے سات بچے اور بھی ہیں۔ میری درخواست ہے' آپ نیا "شکار" ڈھونڈ لیں۔ اس غریب پر ترس کھائیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"بڈھے کھوسٹ نے ساری باتوں میں ایک یہی کام کی بات بتائی ہے۔" دراب مونچھوں کو بل دیتا ہوا کچھ سوچنے لگا۔

سکندر کی نس نس میں زہر دوڑنے لگا۔ وہ جانتا تھا' یہ جاگیردار زن' زر اور زمین کی حرص پوری کرنے کے لئے ہر منفی ہتھکنڈہ جائز سمجھتے ہیں۔

"بڑی کو تو جانے کب چپکے چپکے گاؤں سے وداع کر دیا۔ خبر ہی نہ ہونے پائی۔ خیر دوسری تو ہے ابھی۔ شیرے' او شیرے۔ کہاں مر گیا ہے۔"

اس کی ایک آواز پر شیرا وفادار کُتے کی طرح دم ہلاتا ہوا حاضر ہو گیا۔

"ارے بھئی' کیا نام ہے اپنا ڈوگر کی دوسرے نمبر کی بیٹی کا۔"

"بہار جی۔ سچ مچ کی بہار سمجھ لیں۔" شیرے نے "کام" کی نوعیت سمجھتے ہوئے خوشامدی انداز میں دانت نکالے۔ "کہیں تو حاضر کر دوں سرکار۔ بڑے خاصے کی چیز ہے۔"

"ابھی دو چار روز ٹھہر جاؤ۔ مجھے کچھ کام ہے' ملک آباد میں۔ مگر دھیان میں رکھنا۔ ہاں بھئی اندر' جیپ تیار کرو۔ دوپہر کا کھانا کھا کر مجھے ملک آباد روانہ ہونا ہے۔ شاید صائمہ بی بی بھی ساتھ جائیں۔ بڑی اماں نے کہلوایا تھا۔" وہ کپڑے تبدیل کرنے کی غرض سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ شیرا باہر

نکل گیا تھا۔

''اور بھئی' وہ شہریال بی بی کے لئے کسی ڈرائیور کو کہہ آئے تھے۔ تم تو دس دن سے یہاں ملکوال بیٹھے ہو۔ ادھر اُنہیں کون ہسپتال لاتا لے جاتا ہوگا۔ میں نے بھی اتنے دنوں سے ملک آباد کا چکر نہیں لگایا۔'' دراب کچھ فکرمند ہوا۔ واحد شہریال کا ذکر ایسا تھا جو اس جنگلی درندے سے مشابہ سنگدل وسفاک مرد کو موم کی طرح پگھلا کے رکھ دیتا تھا۔ اوروں کے لئے وہ خون آشام بلا تھا مگر شہریال کے سامنے ایک بے ضرر' نرم زبان اور نفیس انداز واطوار کے مالک شخص کی طرح پیش آتا تھا۔ کزن ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اُس کی منگیتر بھی تھی۔ اس سے بڑھ کر اس کی محبوب ہستی تھی۔ وہ شہریال کے حسنِ جہاں سوز کا اسیر تھا۔ سکندر نے رجسٹر رکھ کر دراب کے ہاتھ سے جیپ کی چابی لے لی۔

''جی ہاں۔ میں نے فتح محمد کی ڈیوٹی لگادی تھی۔''

کھانا کھا کر وہ لوگ چل پڑے۔ صائمہ بھی سیاہ چادر میں لپٹی اُن کے ہمراہ تھی۔ سکندر بڑے مستعد ومگن انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ چہرے پر ایک خوبصورت سا رنگین تاثر پھیلا ہوا تھا۔

کتنے دن ہوگئے تھے' اُسے دیکھے ہوئے۔ آنکھوں میں روشنیاں اُتارے ہوئے۔ اس کو روبرو دیکھنے کا تصور اُس کے قلب وجاں میں توانائیاں بھر رہا تھا۔ اس نے غیرارادی طور پر سپیڈ تیز کر دی۔

O☆O

''توبہ توبہ۔ کس قدر المناک اینڈ تھا۔ مجھے تو ویسے ہی سمندر سے بہت خوف آتا ہے۔ اب جانے کب تک راتوں کو ڈراؤنے خواب آتے رہیں گے' ویسے فلم بنانے والے کی مہارت اور کاوش کو نہ ماننا زیادتی ہوگی۔ بالکل حقیقت کا رنگ بھر دیا تھا کہانی میں۔'' جیا کرسی گھسیٹ کر بیٹھتی ہوئی باقاعدہ کانپ رہی تھیں۔ اُن کے دل سے ابھی تک فلم کی دہشت ختم نہیں ہوئی تھی۔

مہراب کل واپس کراچی جا رہا تھا۔ حسب وعدہ آج بچوں کو ٹائی ٹینک مووی دکھانے میلوڈی سینما لایا تھا۔ فلم کے بعد وہ لوگ اسی مارکیٹ کے ایک اوپن ایئر ریسٹورنٹ میں چلے آئے تھے۔ پاس ہی برٹش کونسل لائبریری تھی۔ زرلالہ نے اُس کی ممبرشپ لے رکھی تھی۔

''اب آ ہی گئے ہیں تو میں ایک دو بکس ایشو کروالوں۔'' وہ پانچ منٹ کا کہہ کر لائبریری میں ...ں گئی تھی۔ باقی لوگ ریسٹورنٹ میں بیٹھے سیخ کباب' تکے اور کولڈ ڈرنکس کا لطف لے رہے

''کیا یہ رئیل سٹوری ہے جیا۔'' علی نے حیرت سے سوالات کا آغاز کیا۔ ''کیا سچ مچ کوئی ...پ ڈوبا تھا' سمندر میں؟''

''ہاں بیٹے۔ سمندر کی تاریخ میں انسانی جانوں کے زیاں کا یہ عظیم ترین سانحہ تھا جس میں ...رہ سو سے زائد افراد بیک وقت ڈوب کر ہلاک ہوگئے تھے۔ بڑا واویلا مچا تھا عالمی سطح پر۔''

جیا سارہ کو گود میں بٹھائے سیخ کباب کے پیس کھلا رہی تھیں۔

''میں نے کہیں پڑھا تھا' جیا کہ ٹائی ٹینک جیسے جہاز کی بربادی سے قدرت کو یہ سبق سکھانا ...ودتھا کہ ناقابلِ تسخیر صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔'' مہراب پلیٹ میں کیچ اَپ نکالنے لگا۔

''جہاز بنانے والی کمپنی نے دعویٰ کیا تھا کہ ایون گاڈ کین ناٹ ڈسٹرائے اٹ۔ اسی زعم میں ...انہوں نے جہاز کے پہلے سفر میں صرف بیس لائف بوٹس کو کافی سمجھا تھا۔ حالانکہ یہ محض 35 فیصد افراد کی ضرورت پوری کرسکتی تھیں۔ دُنیا کے سب سے بڑے' سب سے محفوظ اور ناقابلِ تسخیر جہاز کی تباہی نے خدائی کا دعویٰ کرنے والی طاقتوں پر یہ ثابت کر دیا کہ قدرت کی کاریگری کے آگے ان کی مثال خس وخاشاک میں گویا ایک بےبس تنکے سے زیادہ نہیں ہے۔''

مہراب کی گفتگو جاری تھی' جب زرلالہ کتابیں ہاتھ میں لئے واپس آگئی۔

''کتنے فرعون آئے اور کتنے چلے گئے مگر قدرت کا کارخانہ اسی آن بان سے اپنی ڈگر پر چل رہا ہے۔ اسے کوئی تبدیل نہ کرسکا اور نہ کرسکے گا۔ حقیقی سپر پاور خدائے واحد کی ذات ہے۔ پتا ...ہیں انسانوں کو یہ بات سمجھنے میں کتنا عرصہ لگے گا یا ہو سکتا ہے' جب اقتدار واختیار کے نشے میں ...رسامراجی طاقتوں کو ہوش آئے تب تک یہ زندگی موت کا کھیل ہی ختم ہو چکا ہو۔'' جیا نے ٹھنڈی سانس لی پھر زرلالہ کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

''بیٹے' جلدی سے شروع ہوجاؤ۔ تکے اور کباب ٹھنڈے ہوگئے تو خاک مزہ دیں گے۔''

''میں لے رہی ہوں جیا۔'' وہ پلیٹ پر سر جھکائے آہستگی سے گویا ہوئی۔

''آپ کل چلے جائیں گے مہراب انکل۔'' ولی نے افسردگی سے پوچھا۔

www.Paksociety.com

"ہاں مگر آپ اتنے اداس کیوں ہو رہے ہیں۔" مہراب نے اس کے سنہرے سیب کی طرح چمکتے نرم گال تھپتھپائے۔ "جائیں گے تو لوٹ کر بھی آئیں گے۔ اور اس بار تو پورے دو ہفتے آپ کے ساتھ رہا ہوں۔"

"کتنا کہا تھا' تمہارے بابا نے کہ تم چاہو تو اُن کے بنگلے میں جاب حاصل کر سکتے ہو۔ مگر تمہیں مچھلیوں کا عشق چڑھا ہوا تھا۔" جیا جل کر بولیں۔ بیٹے کی جدائی کے دن قریب آتے ہی اُن کا دل بیٹھنے لگتا تھا۔

مہراب نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

"یہ تو بڑی بے ضرر مخلوق ہوتی ہے جیا۔" وہ ہنسا۔

"مگر شارک اور وہیل مچھلی تو انسانوں کو کھا جاتی ہے۔" علی نے جیسے پتے کی بات بتائی۔

"آں۔ ہاں۔" مہراب چونک کر ہنسا اور پھر ایک دھپ علی کے رسید کی۔

"معاف کرنا بھئی' ہم بھول گئے' افلاطون کے جدِ امجد ہمارے قریب بیٹھے ہیں۔"

"مگر ڈولفن بہت اچھی ہوتی ہے' بالکل ہماری سارہ کی طرح۔" مہراب نے سارہ کو جیا کی گود سے گھسیٹ لیا۔ وہ بُرے بُرے مُنہ بنا کر اس خطاب پر ناراضگی کا اظہار کرنے لگی۔

"جی نہیں۔ میں نہیں ہوں ڈولفن۔"

"اب بننا پڑے گا مہراب انکل نے کہہ دیا ہے۔" ولی مسرت سے بولا۔

"مہلاب انکل۔" سارہ بسورنے لگی۔ مہراب اسے پیار سے سمجھانے لگا۔

"بھئی' ڈولفن تو اتنی پیاری ہوتی ہے اور بچوں کی تو پکی پکی فرینڈ ہوتی ہے۔ انہیں مزے مزے کے تماشے دکھاتی ہے۔ چھلانگیں مارتی ہے۔ اور عقلمند بھی بہت ہوتی ہے۔"

"اب میں ڈولفن فش ہوں تو ولی مگر مچھ ہے پھر۔" سارہ نے جیسے اعلان کیا۔ "اور علی بھائی۔" وہ کوئی مناسب خطاب سوچنے لگی۔

"ہاں ہاں انہیں بھی تو سی اینمل بناؤ ناں آپ۔" ولی کو تاؤ آ گیا۔

"چلو دریائی گھوڑا کہہ لو۔" پھر ولی نے خود ہی خالی جگہ پر کر دی۔

"انکل۔" علی ولی کے حملے کو نظر انداز کرتے ہوئے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ "کیا پانی میں بھی گھوڑے ہوتے ہیں۔ میں نے تو کبھی نہیں دیکھے؟"

"بھئی' وہ خشکی والے گھوڑے تھوڑی ہوتے ہیں۔ یہ تو ایک سمندری جانور کا نام ہے۔"

"اور نام تو کچھ بھی رکھا جا سکتا ہے۔" ولی نے لاپروائی سے کہا۔

"جیسا مما نے ہمارا ایک نام رکھا ہوا ہے۔ غصے میں اسی نام سے پکارتی ہیں......"

"بدتمیز بچے۔" ولی نے مزید اضافہ کیا اور سب کے ساتھ زرلالہ کو بھی ہنسی آ گئی۔

"بہت شرارتی ہو گئے ہو تم۔"

واپسی پر وہ لوگ تھوڑی دیر کے لئے پلے لینڈ گئے۔ رات کے نو بجے گھر لوٹے۔ بچے تھکن سے چُور ہو چکے تھے' آتے ہی سو گئے۔ جیا اور زرلالہ عشاء کی نماز پڑھنے لگیں۔ جیا نماز کے بعد روزانہ دو گھنٹے تک وظیفہ کرتی تھیں۔ سو انہیں وہیں جانماز پر چھوڑ کر زرلالہ کچن میں آ گئی۔ کام کرنے والی ماسی اُن کی واپسی کے ساتھ ہی اپنے گھر روانہ ہو گئی تھی۔ اسے دوپہر اور رات کے کھانے' کپڑوں کی دُھلائی اور صفائی سُتھرائی کے لئے رکھا تھا۔ صبح گیارہ بجے سے رات کے کھانے تک اس کی ڈیوٹی ہوتی تھی۔ بعد میں وہ واپس چلی جاتی تھی۔ صبح کا ناشتہ زرلالہ خود تیار کرتی تھی۔

وہ چائے کا پانی رکھتے ہوئے ناشتے کے لئے ابھی سے چیزیں سوچنے لگی۔ بچے تو عموماً بریڈ اور جام مکھن ہی لیتے تھے البتہ مہراب خوش خوراک تھا اس لئے جیا اُس کی آمد پر کھانے کا خصوصی اہتمام کرتی تھیں۔

"میرا خیال ہے' کل کے لئے انڈوں کا حلوہ پوری چھولے اور پراٹھے ٹھیک رہیں گے۔" زرلالہ دل میں حساب لگانے لگی پھر اوپر کی کیبنٹ سے چنوں کا پیکٹ اُتارنے لگی۔ "ابھی سے بھگو کر رکھ دینے چاہئیں۔" اس نے سوچا۔

"ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟" اس وقت سفید آرام دہ شلوار قمیص میں ملبوس مہراب اندر داخل ہوا تھا۔

"جی۔ میں بنا رہی ہوں۔" وہ احتیاط سے پیکٹ نکال کر کاؤنٹر پر رکھنے لگی۔ دو کپ چنے اس نے ایک تسلے میں ڈالے اور پھر بیسن میں رکھ کر اندر پانی ڈالنے لگی۔

مہراب کچن میں پڑے سٹول پر ٹک گیا۔ وہ محویت سے اس کی مصروفیت کا انداز دیکھ رہا تھا۔ زرلالہ اس وقت سرخ ویلوٹ کے گرم سوٹ میں ملبوس تھی۔ لباس آتشیں رنگ اس کے چہرے پر

دیکھتے ہوئے عکس اجاگر کر رہا تھا۔

تسلا کاؤنٹر کے ایک کونے میں رکھ کر پلیٹ سے ڈھکنے کے بعد وہ کوکنگ رینج کی طرف متوجہ ہوئی۔ چائے کا پانی کھول رہا تھا۔ اس نے یونہی دو افراد کے لئے پانی چڑھا دیا تھا۔ اس کا خیال تھا' شاید جیا یا مہراب مانگ لیں۔ سردیوں میں تو ویسے بھی بلاوجہ چائے کی طلب بیدار ہو جاتی ہے۔

''کتنا خوبصورت اور مکمل منظر ہے۔'' مہراب نے اِدھر اُدھر نظر دوڑاتے ہوئے سرشاری سے سوچا۔ ''اور کیا ہی اچھا ہو اگر تعلق کی یہ کڑی مزید مضبوط ہو جائے۔'' جیا کے انکار کے باوجود اُس نے اُمید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ میں انہیں منالوں گا۔ وہ کب تک مزاحمت کریں گی بھلا' میں بیٹے کی محبت کا واسطہ دے کر انہیں راضی کرلوں گا' پہلے زرلالہ تو مانے۔ وہ کتنے دنوں سے کوشش کر رہا تھا اُس سے بات کرنے کی مگر ہر مرتبہ اس کا گریز' اس کی خاموشی اور سنجیدگی راہ روک لیتی تھی۔ اس وقت بھی وہ بات کرنے کے ارادے سے اسے ڈھونڈتا ہوا یہاں تک آیا تھا۔

کتنی دیر وہ گومگو کے عالم میں بیٹھا اُس کے گلابی رخساروں پر تھرکتی سیاہ لانبی ابریشمی پلکوں کو غور سے دیکھتا رہا۔

''کہاں سے بات شروع کرے۔''

''لیجئے مہراب بھائی۔'' اُس نے چائے کا کپ سامنے رکھا تو وہ چونکا۔

چائے دے کر اپنا کپ تھامے زرلالہ کچن سے باہر نکلنے لگی۔

''ایک منٹ زرلالہ۔ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ زرلالہ آنکھوں میں حیرانی لئے واپس آ گئی۔

''جی کہئے۔'' مہراب انگلیاں مسلتے ہوئے مضطربانہ ہونٹ چبانے لگا۔

''میں کل جا رہا ہوں۔'' وہ بے ربطی سے مخاطب ہوا۔

''جی مجھے علم ہے۔ میں نے ماسی سے کہہ کر آپ کا بیگ تیار کروا دیا ہے۔'' وہ سکون سے گویا ہوئی۔ مہراب نے کپ کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ پھر ایک بے چین نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کی کشمکش زرلالہ کی سمجھ سے باہر تھی۔

''آپ کچھ پریشان ہیں' مہراب بھائی۔'' وہ رسانیت سے پوچھ رہی تھی۔

''زرلالہ۔ میں چاہتا ہوں' میں جب بھی کراچی سے واپس آؤں' آپ کو یہیں دیکھوں۔ اس گھر میں۔'' بالآخر وہ گویا ہوا۔

''جب تک آپ لوگوں کی عنایتیں اور مہربانیاں میرے ہمراہ ہیں' میں یہیں ہوں۔ میرا خیال ہے' میں نے اپنے جانے کی کوئی بات نہیں کی۔ بھلا اس سے بڑھ کر مضبوط اور محفوظ پناہ گاہ مجھے کہاں ملے گی؟'' وہ سادگی سے بولی۔

''تو پھر اس پناہ گاہ کو ہمیشہ کے لئے اپنا لیجئے' میرے نام سے بندھ کر۔'' بڑی کوشش کے بعد وہ دل کی بات زبان پر لا سکا تھا۔

زرلالہ کا ہزاروں واٹ کی طرح جگمگاتا روشن چہرہ یک لخت بجھ گیا۔

مہراب کے احساسات پر برف جمنے لگی۔

''کیا آپ کو میری جسارت بُری لگی ہے؟'' وہ شکستہ سی آواز میں استفسار کرنے لگا۔ لہجہ دھیما اور کترایا ہوا تھا۔

''پلیز مہراب بھائی۔'' زرلالہ نے ہاتھ اُٹھا کر روک دیا۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔

''آپ اپنے قیمتی الفاظ اور جذبے ضائع نہ کریں۔ میں معافی چاہتی ہوں۔'' اُس نے نرمی سے اُس کی پیشکش ٹھکرا دی۔

مہراب کتنی دیر سکتے کے عالم میں بیٹھا اس کی صورت دیکھتا رہا۔ یوں لگا' جیسے اس کا دل کانچ کا محل ہو جسے کسی نے ایک ہی بھاری ضرب سے چکنا چور کر دیا ہو۔

''کیا میری ذات میں ایسی کوئی سنگین خامی ہے جس کی بنا پر یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔'' وہ آزردگی سے مخاطب ہوا۔

''مجھے شرمندہ نہ کریں مہراب بھائی۔'' وہ عاجزی سے بولی۔ ''میرے دل میں آپ کے لئے بہت احترام ہے۔ آپ کی شرافت' تہذیب و شائستگی اور مضبوط کردار پر میں نے ہمیشہ فخر کیا ہے کہ میرا تعلق ایسے لوگوں سے ہے جنہیں دیکھ کر انسانیت کے زندہ ہونے کا اعتبار آنے لگتا ہے۔''

''تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ مجھے اپنی زندگی میں شامل ہونے کا شرف نہیں بخشنا چاہتیں؟''

''میں اور جیا مل کر آپ کے لئے اچھی سی لڑکی ڈھونڈیں گے۔'' زرلالہ نے یہ باب ہی ختم

کر دیا۔

"میں چلوں۔ کہیں سارہ نہ اُٹھ گئی ہو۔"

وہ معذرت خواہانہ لہجے میں کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔ مہراب شکستگی کی تصویر بنا بیٹھا رہ گیا۔

پہلے جیا اور اب زرلالہ کے پُراسرار انداز۔ "کیا زرلالہ کی زندگی کا کوئی ایسا موڑ بھی ہے جو میری نظروں سے اوجھل ہے۔"

انکار کرنا بہت آسان ہے مگر انکار سننا اور سہنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتا۔ اور مہراب کوشش کر رہا تھا' اس تلخ حقیقت کو آبِ شیریں کی طرح پی جائے۔ ورنہ یہ زہر بن کر دل کی رگیں کاٹتا رہے گا۔

گو کہ اس نے خود پر قابو پالیا تھا مگر اگلے دن جب وقتِ رخصت زرلالہ کو خدا حافظ کہنے کے لئے سامنے ٹھہرا تو اُس کی آنکھوں کی بجھی ہوئی جوت اور چہرے کا پھیکا پن نارسائی کے سارے دکھ عیاں کر گیا تھا۔

ایک ہی رات میں جیسے کسی نے اس کا خون نچوڑ لیا تھا۔

وہ بہت تھکا تھکا اور مایوس دکھائی دیتا تھا۔

زرلالہ کو افسوس ہوا۔ مگر وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔

"میں ایک آخری بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ چلئے مجھے تو آپ نے یہ سعادت نہیں بخشی لیکن اپنے لئے کسی جیون ساتھی کا انتخاب ضرور کر لیجئے گا۔ اتنی طویل اور ظالم زندگی تنہا نہیں گزر پاتی۔ آپ کو شادی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہئے۔"

"یہ تاکید میرے لئے بیکار ہے مہراب بھائی۔" وہ اوپری مسکراہٹ سے بولی۔ "اور پلیز اس طرح اُداس ہو کر مجھے احساسِ جرم کا شکار نہ بنائیں۔ آپ لمبے سفر پر جا رہے ہیں' خوش خوش سدھاریئے۔"

"ہاں' سفر تو بہت لمبا ہے۔" مہراب گہری سانس لے کر بڑبڑایا۔ "واپسی کا ہر سفر بہت طویل ہو جاتا ہے۔ قدم چلنے سے انکاری ہونے لگتے ہیں۔ تھکن کا احساس بڑھ جاتا ہے اور کبھی کبھی تو بیچ بھنور میں پڑاؤ ڈالنے کو دل کرتا ہے۔ بہر حال۔ خدا حافظ!"

وہ ایک دم اس کے سامنے سے ہٹ گیا' جیسے اپنے جذبوں کے بے اختیار ہو جانے کا خوف

بچوں کو لپٹا کر ان کی فرمائشیں نوٹ کرنے کے بعد وہ جیا کے گلے سے لگ گیا۔

"جلدی آنا بیٹے اور خط ضرور لکھنا۔ دیر ہو جائے تو میرا دل گھبرانے لگتا ہے۔ سمندر کی زندگی بے ثبات ہوتی ہے۔" جیا کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں۔

"کمال ہے جیا۔ آپ ہمیشہ سمندر کے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔ وہی تو ہے سکون آور آغوش' جس کے سینے پر سفر کرتے ہوئے ایک نئی زندگی' نئی تازگی ملتی ہے۔" وہ زبردستی ہنسا۔ "میرا جی چاہتا ہے' اس کی گود میں آنکھیں بند کر کے پڑا رہوں۔ ایک طویل نیند لوں۔ سمندر میری ہر تھکن اتار دیتا ہے جیا۔" گیٹ کے باہر ٹیکسی والا ہارن بجا رہا تھا۔ مہراب ہاتھ ہلا کر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

O☆O

"چائے تو پلوایئے گا بھابی۔" ساحر پُرشکوہ لاؤنج کے گرے رنگ بیش قیمت ٹو پیس صوفے پر بیٹھتا ہوا جھک کر اپنے اٹالین شوز اُتارنے لگا۔

"رستم۔ ساحر کو لاؤنج میں چائے سَرو کرو۔" کومل نے کچن کے انٹرکام پر آرڈر دیا۔ پانچ منٹ میں رستم چائے کے لوازمات لے آیا اور سائیڈوں پر گرے صوفہ میٹریل لگے براؤن گلاس ٹاپ میز پر سلیقے سے رکھنے کے بعد رخصت ہو گیا۔ کومل اس کے لئے چائے بنانے لگی۔

"آج گھر میں غیر معمولی خاموشی نظر آ رہی ہے۔" ساحر نے کپ تھامتے ہوئے ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔ "کیا سب لوگ گھر سے باہر ہیں؟"

"نہیں۔ تمام بزرگ' حضرات و خواتین سٹنگ روم کے ہال میں جمع ہیں۔"

"خیریت۔ میریٹل کیس ہے یا بزنس ڈیل۔" ساحر تجسس آمیز مسکراہٹ لئے کومل سے مخاطب تھا۔ "کیونکہ انہی دو پرابلمز کے لئے بزرگواران کا سٹنگ روم میں اجتماع عام لگتا ہے۔"

"سعود کے کیس کی ٹینشن چل رہی ہے۔ میریٹل کیس ہی سمجھ لو۔" کومل اُلجھی اُلجھی سی مسکرائی۔ "موصوف خاندان سے باہر کی کسی لڑکی میں انٹرسٹڈ ہیں۔"

"وہ کب' کہاں اور کس لڑکی میں انٹرسٹڈ نہیں ہوتا۔ یہ تو کوئی انہونی بات نہیں۔ فرینڈ شپ کے نام پر موصوف نے اونچے طبقے کی بہت سی لڑکیوں کو پیچھے لگا رکھا ہے۔" ساحر کی حیرانی اپنی جگہ تھی۔ وہ سعود کے تفریحی مشاغل اور لا اُبالی فطرت سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ ملک ہاؤس کا ہر فرد اپنی تفریحات اور معمولات کے لئے آزاد تھا۔ کسی پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ جیسا چاہے لائف

سٹائل سیٹ کر سکتا تھا۔ ماسوائے شادی کے' نوجوان نسل کے کسی معاملے میں بزرگوں کی طرف سے دباؤ یا سختی نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہر کوئی اپنی ڈگر پر رواں دواں تھا۔

''کیا اپنی ''سہیلیوں'' میں سے کسی کا انتخاب کیا ہے۔'' ساحر استہزائیہ مخاطب ہوا۔ اُس کی ایک اپنی سیدھی' سچی اور پُرعزم روش تھی۔ اسے ان خرافات سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

''نہیں۔ اسے ایک دو بار دیکھا ہے بس۔ اور دُھواں دھار عشق میں مبتلا ہو گئے ہیں۔''

''نری جذباتیت۔ سراسر بے وقوفی۔'' ساحر نے کوفت سے سر جھٹکا۔

''نہ جانے آج کل کے نوجوانوں کو تن آسانی اور عیش و عشرت کی راہ کیوں اچھی لگتی ہے۔ وقت اور جوانی کا انتہائی قیمتی حصہ عورت اور تعیش کے حصول میں ضائع کر دیتے ہیں حالانکہ حاصل ہو جانے کے بعد اُن میں دلچسپی بھی نہیں لیتے۔ جیسے صاف نیپکن اُٹھایا' استعمال کیا اور پھر لاپروائی سے ڈسٹ بن میں اُچھال دیا۔'' ساحر کو افسوس ہوا۔ وہ ہمیشہ سے بلند ارادے' پختہ عزم اور اعلیٰ سوچ کا مالک رہا تھا۔ اسے آسانیاں کشش نہیں کرتی تھیں۔ کچھ لوگ مشکل راستوں کے مسافر ہوا کرتے ہیں۔ جب تک راہ میں سنگریزے' چٹانیں' تکالیف کے پہاڑ اور حالات کی سختیاں نہ آئیں' اُنہیں زندگی گزارنے کا لطف نہیں آتا۔ اس کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا تھا جن کا موٹو تھا۔

جیو تو ایسے جیو زندگی کو رشک آئے
مرو تو موت کہے' کون مر گیا یارو

''ہر کوئی تمہاری طرح مضبوط اور ناقابلِ تسخیر نہیں ہوتا ساحر بھائی۔'' کومل نے تفاخر سے اسے دیکھا تھا۔ ''چائے اور لو ناں۔''

''نہیں بھابی' شکریہ۔ مجھے ایکسرسائز کے لئے جمخانہ جانا ہے۔ ہاں سعود کے بارے میں پھر کچھ فائنل ہوا یا ابھی اس ایجنڈے پر بحث جاری رہے گی۔'' وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔

''امکان تو یہی ہے۔'' کومل نے کچھ سوچ کر جواب دیا ''لیکن اُمید ہے کہ آپا جان اُس کا مقدمہ لڑ لیں گی۔ اُن کی سفارش ملک بابا کے حضور بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ملک بابا اُنہیں ٹال نہیں سکتے۔ شاید کچھ روز میں بڑی اماں کو بھی بلوا لیا جائے۔ ملک بابا اُن سے صلاح و مشورہ کر کے ہی چھوٹی چچی اور انوار چچا کو رشتہ مانگنے جانے کی اجازت دیں گے۔ سعود اپنے مطالبے پر بدستور ڈٹا ہوا ہے۔ اس کی خوش قسمتی ہے کہ اس نے سب سے اہم ووٹ یعنی آپا جان کی رائے کو اپنے

استوار کر لیا ہے۔''

''چلیں۔ کچھ تو ہو۔ یہ معاملہ کسی طور تو نبٹے۔ یاد آیا' میں ایک دو دن میں ملک آباد جاؤں گا' ا سردے کے لئے۔ آپ ملک بابا یا آپا جان کے گوش گزار کر دیجئے گا۔ کہیں بعد میں معترض ں۔''

وہ چابی اُٹھا کر باہر نکل گیا تھا۔

O☆O

''ایک منٹ۔ اپنا سکندر' گاڑی روکنا بھئی۔'' ملک آباد کی حویلی ابھی کچھ دور تھی' جب اب نے اچانک سکندر کو مخاطب کیا تھا۔

سکندر نے بریک لگانے کے بعد سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ دراب کا دھیان ں کے کچے جھونپڑوں کے آگے میز کرسی ڈالے بچوں اور خواتین کا چیک اپ کرتی اور دوائیں انٹی شہریال کی طرف تھا۔

''یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے شہریال نے۔'' دراب کچھ ناگواری سے صائمہ سے مخاطب ہوا۔ ''ان گندے سندے میلے کچیلے لوگوں کے درمیان گھری بیٹھی ہے۔ حد ہو گئی۔ تم اسے سمجھاتی ں نہیں ہو صائمہ۔ بھلا کوئی شریکے برادری کا بندہ دیکھ لے تو کیا عزت رہ جائے گی ہماری۔ کمی من کو سر نہیں چڑھانا چاہئے۔'' دراب نے آخری جملہ کہتے ہوئے ایک سرسری مگر پُرمعنی نظر ر پر ڈالی تھی۔

وہ ضبط کا قفل لبوں پہ چڑھائے خاموش رہا۔

''جاؤ۔ اُسے بلا کے لاؤ۔ مجھے اچھا نہیں لگتا' ان جناوروں کے مُنہ لگنا۔'' اس نے حقارت شہریال کے گرد منڈلاتے ضرورت مندوں کے ہجوم کو دیکھا۔

''اللہ رے فرعونیت۔'' سکندر دل ہی دل میں اُس پر لعنت بھیجتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ سے اتر آیا۔

''السلام علیکم' شہریال بی بی۔'' وہ سیاہ لیدر کوٹ اور آف وائٹ اونی سوٹ میں ملبوس کرسی شہریال کے قریب آ گیا۔ ''آپ کو' صاحب' بلا رہے ہیں۔''

تقریباً سرگوشی میں مخاطب ہوتے ہوئے اُس نے دوسری انگلی سے میز کی سطح کو خفیف سا بجایا

تھا۔

"کون صاحب؟" شہریال نے سٹیتھوسکوپ کان سے ہٹاتے ہوئے کسی جن کی طرح اچانک نمودار ہو جانے والے سکندر کو تحیر سے دیکھا تھا۔

"آپ کے صاحب۔" وہ برجستہ گویا ہوا۔ اور ساتھ ہی کچھ فاصلے پر رکی جیپ کی طرف اشارہ کیا۔ شہریال نے گردن موڑ کر سیاہ واسکٹ پہنے طنطنے اور ٹھسے سے بیٹھے دراب کی طرف نگاہ کی۔ پھر بے تاثر چہرے سمیت آرام سے سات سالہ بچے کا چیک اپ کرنے لگی۔

"یہ آخری بچہ رہ گیا ہے۔ اسے نپٹا کر ہی جاؤں گی۔ لگتا ہے بیٹے' تمہیں فلو ہوا ہے۔ نزلہ زکام تو سردیوں کی سوغات ہے گویا۔ فتح محمد' ٹوکری سے انفلوئنزا کی شیشی نکالو۔ اوہو۔ بھئی' یہ نہیں۔ سبز رنگ کا پیکٹ ہے اس کا۔ دوا پر اردو میں بھی لکھا ہوتا ہے۔ انگریزی نہ سہی اردو تو پڑھ ہی لیتے ہو۔ تین گھنٹے سے میرے ساتھ یہاں موجود ہو۔ اب تو تجربہ ہو جانا چاہئے۔" وہ اپنا کام سمیٹ کر ہی اُٹھی تھی۔

"السلام علیکم۔" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے مشترکہ سلام کیا پھر صائمہ کی طرف بڑھتے ہوئے خوش دلی سے مسکرائی۔

"کیسی ہیں بھابی آپ۔ بڑے عرصے بعد ادھر کا چکر لگایا ہے۔"

"تم بھی تو ملکوال کا رستہ بھول گئی ہو شہری بہن۔" صائمہ نے اُسے گلے لگا لیا۔

"کیسے مزاج ہیں ڈاکٹر صاحب۔ کیا خدمتِ خلق کا پروگرام بنا کر نکلی تھیں آج۔ ویسے یہ کام تم پر کچھ جچتا نہیں ہے۔"

دراب خوش دلی سے مخاطب ہوا۔ اُسے دیکھتے ہی بھیڑیا تہذیب و تمیز کی کھال میں چھپ گیا تھا۔

"ہفتے میں ایک آدھ بار گاؤں کا راؤنڈ لینا میرے معمولات میں شامل ہے۔ مجھے اس سے خوشی ہوتی ہے۔ کیا آپ کو میرے خوش ہونے پر اعتراض ہے؟"

وہ سپاٹ لہجے میں جواباً گویا ہوئی۔

"ناں بھئی ناں۔ یہ تاب' یہ مجال' یہ طاقت نہیں مجھے۔" دراب خوش بیانی اور خوش ذوقی کی بہترین مثال بنا ہوا تھا۔

"لیکن دیکھو ناں۔ ہر بندے کو نیکی راس نہیں آتی۔ یہ فقطے منگتے ازل کے بھوکے ننگے لے۔ یہ کیا جانیں سیر شکمی اور دوادارو کو۔ انہیں ولایتی دوائیں کہاں ہضم ہوں گی۔ اُلٹے پیٹ اب ہو جائیں گے۔ وہ ایک محاورہ ہے ناں۔ نیکی برباد گناہ لازم۔"

وہ بھونڈے پن سے ہنسا۔

سکندر کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ دراب کے چہرے' اور لفظوں سے برستا تکبر اور گھمنڈ ں کی رذیل فطرت کی عکاسی کر رہا تھا۔

شہریال نے برہم و ناپسندیدہ نگاہ دراب پر ڈالی اور پھر لب بھینچ کر سامنے دیکھنے لگی۔

"تم کہو تو تمہاری ٹیکسلا ہیڈ کوارٹرز ہسپتال میں ڈیوٹی لگوا دوں؟ اسلام آباد تو یہاں سے دور پڑتا ہے۔ روز کی تھکان مفت کی۔"

شہریال نے اس کی خیرخواہانہ پیشکش مسترد کر دی۔

"نہیں۔ مجھے سفر کر کے تھکنا اچھا لگتا ہے۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔ دراب کان کھجا کر رہ ا۔ وہ کسی بہانے اس شہزادیوں کا سا طمطراق اور سطوت و جلالت رکھنے والی لڑکی کے دل میں ا چاہتا تھا مگر ہنوز دلی دور است والی بات تھی۔ اس پر کسی رویے' نظریے یا بات کا اثر ہی نہیں ا تھا۔ کسی پُرشکوہ سے محل کی طرح خاموش' جامد اور سپاٹ رہتی تھی۔ اپنی ذات کے گرد ایسی حدِ ل قائم کر رکھی تھی کہ عبور کرنے والا رعب و جلال اور شاہانہ دبدبے کے آگے بے بس ہو جاتا ویلی پہنچتے ہی وہ اپنے کمرے میں غائب ہو گئی تھی۔

"سکندر۔ دراب بھائی کب جائیں گے واپس؟" موقع پاتے ہی صائمہ نے رازداری سے ا ار کیا تھا۔

"خبر نہیں۔" سکندر کو واقعی کوئی اطلاع نہیں تھی۔

"توبہ۔ مجھے تو حویلی میں ان کی موجودگی کے دوران بخار چڑھ جاتا ہے۔ خیر جب یہ چلے جائیں تو تم مجھے زمینوں کی سیر کروانا۔"

"جی اچھا۔"

"اب تم اِدھر ہی رہو گے ناں۔" صائمہ نے اُمید بھری نظروں سے اُسے دیکھا۔

"اس کی بھی خبر نہیں۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔

''تم نے خود کو دوسروں کے رحم و کرم پر کیوں چھوڑا ہوا ہے سکندر۔'' صائمہ نے ایک لمحے کو بغور اُسے دیکھا۔

''نہیں جی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔'' اس نے ٹالا۔ وہ یہاں سے جانا چاہتا تھا اور صائمہ بہانے بہانے سے روکنے کے اسباب کر رہی تھی۔ سکندر کو اس کے روبرو بڑی اُلجھن بلکہ گھبراہٹ ہوتی تھی۔ سچی بات تو یہ تھی کہ وہ اُس کا سامنا کرنے سے کتراتا تھا۔ اُس کی عجیب و غریب حسرت زدہ نظریں' منتشر حواس' بکھرے ہوئے تشنہ جذبات اور لہجے کی کاٹ دار تلخی سکندر کو امتحان میں ڈال دیتی تھی۔ اسے کچھ اچھا نہیں لگتا تھا' صائمہ کا انداز بھی لیکن بہر حال وہ ایک معمولی خادم تھا اور حاکموں کے اشارے پر چلنے کا پابند تھا۔

دراب کی وجہ سے آج ملازمین نے شام کی چائے پر معمول سے زیادہ اہتمام کیا تھا۔ یہاں زنانہ مردانہ حصوں کی تقسیم نہیں تھی کیونکہ اتنی سرگرمیاں نہیں ہوتی تھیں۔ چھوٹا سا بستی نما گاؤں تھا' پسماندگی اور غربت کی تہوں میں ڈوبا ہوا۔ کوئی آتا بھی تو کھڑے کھڑے پھاٹک پر نپٹا دیا جاتا تھا۔ اگر کوئی معزز شخصیت ہوتی تو حویلی کا ڈرائنگ روم کھلوا لیتے تھے۔

دراب لباس بدل کر کھانے کی میز پر موجود تھا۔ وہ اس وقت کریم کلر کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا جو اُس کے لمبے چوڑے گٹھے ہوئے تنومند جسم پر بہت جچ رہا تھا۔ وہ ایک دبنگ شخصیت کا مالک تھا۔ خصوصاً ملازمین اور محکوم دیہاتی اس کے آگے تھر تھر کانپتے تھے' اس کے غصے سے بُری طرح خوفزدہ رہتے تھے۔

''شہریال نہیں آئی؟'' دراب نے سوالیہ نظروں سے صائمہ کو دیکھا۔

''وہ اپنے کمرے میں فون پر کسی سے بات کر رہی ہے۔ اس نے اسلام آباد کی ایک ویلفیئر سوسائٹی جوائن کر لی ہے۔ اسی سلسلے میں مصروف رہتی ہے۔ جاؤ سکندر! اُسے کہو ہو چائے پر اس کا انتظار کر رہے ہیں۔'' صائمہ نے وضاحت سے جواب دینے کے بعد اپنے بیگ میں اُلجھے سکندر کو حکم دیا۔

''ویلفیئر سوسائٹی۔ ہاہا۔'' دراب نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

''کیسا کچا اور بچگانہ دماغ ہے اِس لڑکی کا۔ چلو ہمارے مال کی زکوٰۃ نکل جاتی ہے۔ نیم ہے۔ کر لے شوق پورا۔'' دراب نے استہزائیہ شانے اُچکائے۔ سکندر بیگ کی زپ کھلی چھوڑ کر ہال کو بلانے چلا گیا۔

''یس۔'' دستک کی آواز پر شہریال کے مختصر جواب کے بعد سکندر اُس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اُس نے ابھی ابھی فون رکھا تھا۔ وہ بیڈ کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی۔ کمرے میں میرون رنگ نمایاں تھا۔ پردے' قالین' بیڈ کور اور صوفہ چیئرز ڈیپ میرون کلر کے تھے۔ اس کے پس منظر میں وہ ا لباس پہنے بڑا انوکھا سا دلکش تاثر دے رہی تھی۔

''چائے پر آپ کا انتظار ہو رہا ہے' شہریال بی بی۔'' بہت احتیاط سے ایک نظر دیکھ کر عکس ل میں محفوظ کرنے کے بعد سکندر کی نظریں جھک گئی تھیں۔

''کون کون ہے اُدھر۔'' شہریال نے دوپٹہ شانوں پر سیٹ کرتے ہوئے بڑی لاپروائی سے ں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''صائمہ بی بی اور چھوٹے ملک دراب صاحب۔''

وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے کندھوں تک آتے ترشے ہوئے خوبصورت سٹائل میں ٹ کردائے بالوں میں پونی اڑستے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔ پھر اس کی طرف مُڑی۔

''کیا میری چائے پر حاضری لازم ہے؟'' سوال میں اُلجھن اور سوچ کا عکس نمایاں تھا۔

''چھوٹے ملک تو ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔ باقی میں کیا اور میری رائے کیا۔'' وہ بے دلی مسکرایا۔ وہ پھر سوچ کے شکنجے میں جکڑی گئی۔

''اوکے۔ میں چلتی ہوں۔'' وہ کھانے کے کمرے میں آ گئی۔

سکندر اُس سے ایک قدم پیچھے چل رہا تھا۔

''آؤ بھئی۔ بڑا انتظار کرایا۔'' اسے دیکھتے ہی دراب کے چہرے پر تازگی اور چمک آ گئی

تھی۔

''سکندر' تم بھی آ جاؤ۔ چائے پیو ہمارے ساتھ۔'' شہریال نے بیگ سے کتابیں نکالتے الماری کے سامنے کھڑے سکندر کو دعوت دی۔

''شکریہ شہریال بی بی۔ میری چائے فاطمہ لا رہی ہے۔'' وہ عاجزانہ گویا ہوا۔

''آ جاؤ بھئی۔ ہماری فیانسی بہت غریب پرور ہیں۔'' دراب کاٹ دار انداز میں ہنسا۔ ویسے ہمارے ہاں ملازموں کے لئے علیحدہ پکتا ہے' ان کے چائے پانی کا انتظام الگ کیا جاتا

ہے۔ان کی اوقات کے عین مطابق۔خیر۔"

دراب تیر چلا کر پھر انجان اور معصوم روپ دھار چکا تھا۔

"مگر کیوں' کیا وہ اچھوت ہیں۔" شہریال ہر چند کہ کئی بار ملکوال میں یہ مظاہرہ دیکھ چکی تھی' تاہم اسے مستند اور مروجہ قانون کا درجہ حاصل ہونے کی خبر نہیں تھی۔اسے دلی صدمہ ہوا۔ایک انسان کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی درجہ بندی کرے۔اس کا حساس دل سوال کر رہا تھا۔

"تمہارے ایف۔اے کے پیپرز کب ہو رہے ہیں سکندر؟" شہریال دراب کے طنز کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے اپنے مخصوص باوقار انداز میں مخاطب تھی۔

"غالباً مارچ کے آخری یا اپریل کے پہلے ہفتے۔" وہ سادگی سے بولا۔

"گویا دو ماہ رہ گئے ہیں۔تم نے کچھ تیاری بھی شروع کی کہ یونہی وقت گنوا رہے ہو۔اپنی عمر کے حساب سے تمہیں سات آٹھ برس پہلے ایف۔اے کر لینا چاہئے تھا۔مگر خیر تمہارا کیا قصور' بارہ برس کی عمر میں تو تمہیں سکول میں ڈالا گیا تھا۔ماسی برکتے نے ایک دن ذکر کیا تھا۔درمیان میں تم باقاعدہ نہیں رہے۔آٹھویں کے بعد پرائیویٹ تعلیم حاصل کی۔ریگولر جاتے تو زیادہ اچھے گریڈ لیتے۔اور پچھلے سال ایف۔اے کا امتحان کیوں نہیں دیا۔اصولاً تو اب تمہیں بی۔اے کی تیاری کرنی چاہئے تھی۔"

شہریال سنجیدگی سے اُس کی خبر لے رہی تھی۔صرف سکندر ہی نہیں' وہ سب ملازمین کے کھانے پینے' صحت و تندرستی' ضرورتوں اور پڑھائی وغیرہ کی خبر رکھتی تھی۔اس کا ہمدردانہ رویہ سب کے لئے ایک جیسا تھا۔وہ بلا امتیاز ملازمین کے مفادات کا خیال کرتی تھی۔

سکندر اُس کے سوال پر خاموش رہا۔کیا بتاتا کہ ملک ایاز اور دراب اپنی منتقمانہ حس کو تسکین دینے کے لئے اذیت کا ہر وہ حربہ اپناتے تھے جس سے اس کے دل میں احساسِ غلامی' بے بسی اور لاچاری کا نقش مزید گہرا ہو جائے۔اسی مقصد کی خاطر انہوں نے چاچا بختو سے کہلوا کر آٹھویں کے بعد اسے سکول سے اُٹھوا لیا تھا۔جب اُس کی پرائیویٹ تیاری کا پتہ چلا تو اسے بلا کر انہوں نے سخت سست کہا تھا۔لیکن اپنا یہ ارادہ سکندر اُن کے دباؤ کے باوجود تبدیل نہ کر سکا تھا۔پچھلے سال عین اُس کے امتحانوں کے دنوں میں ملک دراب نے اسے گندم کے کھیت کاشت کرنے پر لگا دیا۔ پرچے شروع ہونے سے ایک دن پہلے بھی فارغ نہ چھوڑا۔ایسی حالت میں وہ کیا امتحان دیتا۔

"اچھا بھئی' اپنا سکندر۔یہ لو سو روپے۔اُدھر گلی کی نکڑ پر تاجا حلوائی گرم گرم جلیبیاں بنا رہا ہے۔دو سیر تلوا لاؤ۔میرے کچھ مہمان آ رہے ہیں' اظہر آباد سے۔انہیں تاجے حلوائی کی جلیبیاں بہت پسند ہیں۔" دراب نے اچانک والٹ سے سو روپے نکال کر میز پر پھینکتے ہوئے سکندر کو حکم دیا۔

سکندر نے احساسِ ذلت کو دباتے ہوئے آہستگی سے پیسے لئے اور تعمیل کے لئے چلا گیا۔

شہریال سناٹے میں آ گئی۔

"یہ کیا حرکت ہے دراب۔آپ جان بوجھ کر ایک سلجھے ہوئے شریف اور ایماندار شخص کو ذلیل کر رہے ہیں۔حویلی کے بڑے بڑے کام اس نے اپنے ذمے لے رکھے ہیں۔بھرے گوداموں کی چابیاں اس کی تحویل میں دی جاتی ہیں۔اجناس کے بیسیوں ٹرک وہ منڈی لے جا کر بیچتا ہے اور ایک ایک آنہ واپس ملک بابا کے ہاتھ پر لا کر رکھتا ہے۔اتنے ذمے دار اور اہم بندے کو آپ معمولی سے کام کے لئے خوار کر رہے ہیں۔یہ کام کسی ملازم کا بچہ بھی کر سکتا تھا۔"

اس کی جرح کا دراب پر کوئی اثر نہیں ہوا۔وہ سکون سے ٹانگ پہ ٹانگ جما کر سگریٹ کے کش لینے لگا۔

"میں اُسے اُس کی اوقات میں رکھنا چاہتا ہوں۔جب خادموں کا قد مالکوں کے برابر آنے لگے تو نیچے سے اُن کے پاؤں کاٹ دینے چاہئیں تاکہ وہ اپنی مرضی سے حرکت نہ کر سکیں اور مکمل طور پر مالکوں کے تابع رہیں۔"

شہریال کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اُٹھ کر کمرے میں چلی آئی۔دراب کے ہونٹوں پر بے رحم مسکراہٹ تیرنے لگی۔اس نے دانستہ سکندر کی عزتِ نفس مجروح کی تھی۔بھلا وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ اُس کے علاوہ کوئی اور مرد شہریال کی توجہ کا مرکز بنے۔

شہریال جس طرح سکندر کے معاملات میں دلچسپی لے رہی تھی' اس نے دراب کو حسد میں مبتلا کر دیا تھا۔یوں بھی وہ ایک خود پرست' آمر اور شقی القلب آدمی تھا۔دوسروں کی ہتک اور تضحیک اسے مزہ دیتی تھی۔

○☆○

"ساحر کا کوئی اتا پتا مل سکتا ہے؟" سمیر بیڈ کی پشت پر ٹیک لگائے کمرے میں داخل ہوتی کومل سے پوچھ رہے تھے۔

"بالکل۔ وہ اپنے دوست ایمان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہے۔ کیا بلوا دوں؟"

"میرا خیال ہے' رہنے دو۔ ہاں' ڈرائنگ روم کے انٹرکام پر میسج دے دو کہ فارغ ہو کر مجھ سے بات کر لے۔" سمیر نے بیڈ پر لیٹ کر آنکھوں پر بازو رکھ لئے۔ کومل پیغام دینے کے بعد اُن کے پاس آ گئی۔

"آپ نہیں جائیے گا' چھوٹی چچی اور چچا کے ساتھ؟"

"کہاں؟" سمیر نے چونک کر بازو آنکھوں سے ہٹایا۔

"بھئی' وہ سعود اپنا مقدمہ جیت گیا ہے۔ آپا جان کی زبردست وکالت اور دھمکی آمیز محبت نے بڑی اماں اور ملک بابا کو بات ماننے پر مجبور کر دیا ہے۔ آج شام وہ لوگ رشتہ لے کر جا رہے ہیں۔"

"بڑی اماں سے کب بات ہوئی اور کون کون جا رہا ہے؟" سمیر یہ خبر سن کر اتنے متجسس و متحیر تھے کہ بے اختیار ہی اُٹھ بیٹھے۔

"آپا جان ایک دن کے لئے ملکوال گئی تھیں۔ وہیں معاملہ طے کیا گیا۔ پہلے وفد میں صاحب زادے کے امی ابا' آپا جان اور ملک بابا شامل ہیں۔ ملک بابا لڑکی کا خاندان اور گھر باز وغیرہ دیکھیں گے۔ آپا جان کے عزائم خاصے خطرناک ہیں۔ وہ تو شاید پہلی دفعہ میں ہی شادی کی تاریخ بھی طے کر آئیں۔"

کومل اپنے مخصوص شگفتہ و شاداب سحر کار انداز میں ہنسی تھی۔

"اوہ۔ تو نوبت بہ ایں جا رسید۔" سمیر نے سر ہلا کر گہری سانس لی۔

"بڑا ضدی اور ہٹیلا ہے' یہ لڑکا۔ اپنی منوا کر دم لیتا ہے۔ خیر ایک یہ کیا' ملک ہاؤس کے سارے لڑکے ہی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ اپنے ساحر کو لے لو۔ خواہ مخواہ ملکوال والوں سے دشمنی مول لینے کے چالے کر رہا ہے۔ ایاز چچا اور دراب اُس کا منصوبہ جان کر اس کے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔ وہ تو ویسے بھی ملک ہاؤس والوں سے پرخاش رکھتے ہیں۔ کبھی بھولے سے اِدھر قدم نہیں رکھا۔ بڑی اماں بھی لامحالہ آپا جان کی کشش میں سال میں ایک آدھ بار اِدھر کا چکر لگا لیتی ہیں۔ ایاز چچا کے بغض وعناد کا اس سے اندازہ لگا لو کہ شہریال اسلام آباد کے ہسپتال میں ہاؤس جاب کے لئے روزانہ ڈیڑھ دو گھنٹے کا فاصلہ طے کر کے ملک آباد سے یہاں پہنچتی ہے۔ ان کو یہ تک گوارا نہیں کہ بچی ہاؤس جاب مکمل ہونے تک ملک ہاؤس میں قیام کر لے۔ خدا جانے نفرت کی یہ دیوار چین کب ٹوٹے گی۔ مجھے تو یوں لگتا ہے' ساحر کا ماڈل کالونی بنانے کا پراجیکٹ دشمنی کی دبی دبی چنگاریوں کو بھڑکتے الاؤ میں تبدیل کر دے گا۔ ڈیڈی بھی ساحر کے اقدام سے پریشان ہیں۔" سمیر بہت فکر مند تھے۔

"ریلیکس۔" کومل نے اُن کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

"ساحر کوئی بچہ نہیں ہے۔ وہ سوچ سمجھ کر ہی قدم اُٹھائے گا۔"

"میں نے سنا ہے' وہ ملک آباد جا رہا ہے' فیلڈ سروے کے لئے۔"

اُنہوں نے بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پریشانی سے دریافت کیا۔

"جی ہاں۔ اپنی پوری ٹیم کے ساتھ۔ غالباً تین چار دن کا ٹور ہے۔ اس کے ساتھ ماہرین بھی ہوں گے۔ ساحر بتا رہا تھا' جگہ کا مناسب انتخاب کرنے کے بعد وہاں پانی کی فراہمی اور نکاسی کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد سڑک تعمیر کی جائے گی۔"

کومل سے چونکہ ساحر کی ذہنی ہم آہنگی تھی اس لئے اکثر اُس کے ساتھ اپنے پروگرام ڈسکس کر لیتا تھا۔ اس میں زیادہ ہاتھ کومل کی بااعتماد' پرخلوص اور مہربان فطرت کا تھا۔ وہ بہت توجہ اور لگن سے اس کی بات سنتی تھی۔

"میرا نہیں خیال کہ ایاز چچا یا دراب اسے ایسا کرنے دیں گے۔" سمیر بدستور متفکر تھے۔

"لیکن اصولاً انہیں اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ ساحر فتح جنگ کی زمین استعمال کر رہا ہے جو آپ لوگوں کے دادا مرحوم کو فوج کی طرف سے ملی تھی۔ اس پر ایاز چچا یا ملک بابا حق ملکیت نہیں جتا سکتے۔"

"وہ تو اس صورت میں ممکن ہوتا اگر زمین کا بٹوارہ ہو چکا ہوتا۔ ملک شہروز دین اور بہروز دین کے انتقال کے بعد ساری زمینیں ملک بابا کی ملکیت بن گئی تھیں۔" سمیر نے کروٹ بدل کر انے بیٹھی بیوی کو آغوش میں لے لیا۔ وہ اپنے تھکے ہوئے ذہن کو کسی اور سمت موڑنا چاہتے

تھے۔

"مگر قانونی طور پر تو ان پر شہروز دین کے بیٹوں کا حق ہے۔ اس اعتبار سے ساحر اپنی جگہ ہے۔" کومل اُن کی گرفت میں پھڑ پھڑائی۔ وہ ان اوقات میں جبکہ دوپہر کے کھانے کا انتظام کرنا باقی تھا' ان کے جذبات کی پذیرائی کے لئے تیار نہیں تھی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ سمیر سے الگ ہو گئی۔

"مجھے پتا چلا ہے۔ ان دنوں دراب ملک آباد میں ہے۔ ایسے میں ساحر کا وہاں جانا خطر سے خالی نہیں ہے۔ دراب شروع ہی سے ساحر سے خار کھاتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کی فطرت میں زمین آسمان جتنا تضاد ہے۔ ایسے میں ان کا جارحانہ تصادم کوئی نیا گل کھلا سکتا ہے۔ دراب غصے میں بالکل وحشی ہو جاتا ہے۔"

O☆O

"اوئے کون ہو تم۔ ہٹاؤ' یہ فیتے اور مشینیں۔ تمہارے باپ کی زمین ہے جو آ گئے ہو دیگیں میں لد کر۔ کہاں ہے' وہ تمہارا سورما۔ تمہارا سربراہ؟"

دراب غضب ناک موڈ میں جیپ سے اُتر کر زمین پر کام کرتے کمپنی ورکرز کے قریب آیا تھا۔

"میں یہ رہا۔ لگتا ہے' تمہیں شہر کے پڑھے لکھے معزز لوگوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔" ساحر بہت سکون اور اعتماد کے ساتھ اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کے ہمراہ ایمان بھی جو حیرت سے جاگیرداروں کے اس سخت مزاج سپوت کا غصے سے بھڑکتا انداز ملاحظہ کر رہا تھا۔

"یہ کیا چکر ہے۔ کیوں فوج بلائی ہے' ان مزدوروں کی؟" دراب جارحانہ تیوروں مخاطب ہوا۔

"میں تمہیں اپنی کمپنی کے ماہرین کی انسلٹ کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ تمیز سے بات کرو۔" ساحر کا لہجہ سخت ہو گیا۔

دراب قہر ساماں انداز میں آگے بڑھا تھا۔

"تمیز کے معانی تو میں سکھاؤں گا تمہیں۔ باپ دادا کی زمین پر کمی کمینوں کی آبادکاری خواب سجائے بیٹھے ہو۔ دیکھتا ہوں' میرے ہوتے ایسا کیسے ہوتا ہے۔" وہ دانت پیس کر دھاڑا

"تمہارے ہونے یا نہ ہونے سے اس پراجیکٹ کی تکمیل پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔" ساحر اترشی سے کہا۔ "اور زمین میرے دادا کی ہے۔ اس حساب سے میری بھی ملکیت ہے اور میں اتنا حصہ استعمال کر رہا ہوں جو تقسیم کی رو سے ڈیڈی کی ملکیت میں آتا ہے۔ صدیوں سے پڑی سیم و تھور کا شکار ہو رہی ہے۔ تمہیں اس بنجر و بے آباد ٹکڑے سے کیا دلچسپی ہے۔ کون سا خزانہ چھپا ہے اس میں۔"

"اباجی کے پرانے جاننے والے چودھری افضل۔ اُن کے بیٹے یہ جگہ خرید کر اپنی فیکٹری لگانا چاہتے ہیں۔ اباجی سودا طے کرنے والے ہیں۔ تم یہ کمی کمینوں کے لئے محل بنانے کا خیال چھوڑ دو ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔"

"اوہ۔" ساحر استہزائیہ ہنسا۔ "یہ چودھری افضل صاحب کو کوسوں دور اتنے غیر آباد علاقے میں فیکٹری لگانے کی کیا سوجھی۔ مجھے بے وقوف نہ سمجھو ملک دراب۔ اور یہ "ورنہ" کا کیا مطلب ہے؟" ساحر کے بظاہر سادہ انداز میں بلا کا غیظ و غضب پوشیدہ تھا۔ ایمان نے اس کا یہ سخت چٹانی روپ آج ہی دیکھا تھا۔

"ورنہ کا مطلب ہے یہ۔" اچانک دراب نے ریوالور نکال لیا۔

"جو زبان سے نہ سمجھے' اسے گولی یا گالی ہی سمجھاتی ہے۔ گالی تو تم شہریوں کی سمجھ میں مشکل سے آتی ہے لہٰذا اب گولی چلے گی۔"

"یہ بات ہے تو اپنا شوق پورا کر لو۔" وہ بے خطر بولا۔

"آپ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ ساحر' پلیز تم تو ہوش میں آؤ۔" ایمان نے اُن کے درمیان آنے کی کوشش کی۔

"تم ایک طرف ہو جاؤ ایمان۔ میں اس کے فرعونی دماغ کا علاج کر کے رہوں گا۔ خاندانوں کا ایک ہے۔ یہ جرأت آزما سکتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ آگے رہوں گا۔ یوں بھی جنگ کا آغاز اس کی طرف سے ہوا ہے۔"

دیگر افراد اپنی اپنی جگہ سکتے کے عالم میں کھڑے بارود کی اس ہولناک جنگ کا نظارہ کر رہے تھے جو چند لمحوں میں بس چھڑنے ہی والی تھی۔

"بچ سکتے ہو تو بچو۔" اس کے ساتھ ہی دراب نے فائر کر دیا۔ جسے ساحر لوٹنی لگا کر بچا گیا۔

دراب جیسے کسی دیرینہ دشمنی کا انتقام لینے پر تل گیا تھا۔ اس نے دوسرا اور پھر تیسرا فائر کیا۔ وہ اپنی جیپ کی آڑ میں خود کو محفوظ رکھے ہوئے تھا' جبکہ ساحر کھلے میدان میں تھا۔ تاہم تیسرے فائر کے ساتھ ہی اُس نے ایک درخت کے پیچھے آڑ لے لی۔

''یا خدا' یہ کیا ہو رہا ہے۔'' ایمان کا دل پوری قوت سے دھڑک رہا تھا۔ کوشش کے باوجود اسے دونوں کے درمیان مصالحت کرانے کا کوئی طریقہ بجھائی نہیں دیا۔

''پہلے تم اپنی نشانہ بازی کی حسرت پوری کر لو ملک دراب پھر میری باری آئے گی۔'' ساحر کے اعصاب بالکل پُرسکون تھے' اس کا لہجہ نڈر تھا۔ بلاشبہ اس کی دلیری قابلِ دید تھی۔ دراب کے چاروں نشانے خطا ہو گئے تھے۔ وہ اندھا دھند فائر کر رہا تھا۔

ساحر ہوشیاری سے اسے ڈاج دے کر اس کی پشت پر پہنچنے کا ارادہ کر رہا تھا وہ آہستہ آہستہ درخت سے پرے ہٹا اور پہلو کے بل رینگتے ہوئے جیپ کی طرف جانے کی کوشش کی۔ اُسی لمحے ایک گولی اس کے سر سے آدھ انچ اوپر گزرتی ہوئی درخت کے تنے میں پیوست ہو گئی۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ جانتے ہیں' یہ تو قیر ملک کی اولاد ہے۔ جاگیردار اپنا خون معاف نہیں کیا کرتے۔'' اچانک بہت اچانک امدادِ غیبی کے طور پر فائرنگ کی آواز سن کر ٹہلتا ہوا سکندر اِدھر آ نکلا تھا۔ صورتِ حال کا اندازہ کرتے ہی اس نے مستعدی سے آواز پیدا کئے بغیر دبے پاؤں دراب کے پیچھے پہنچ کر اس سے ریوالور چھین لیا جس میں ابھی تین گولیاں باقی تھیں۔

''تمہاری یہ جراٴت۔ پرچون فروش کی اولاد۔ میں تمہاری ایسی کی تیسی کر دوں گا۔'' دراب گالیاں بکتا ہوا سکندر پر جھپٹا مگر وہ اس میدان کا پرانا شہسوار تھا۔ جھکائی دے کر اس کا وار بچا گیا پھر چیمبر کھول کر گولیاں نکالنے کے بعد ریوالور اسے واپس کر دیا کیونکہ اب یہ بے ضرر ہو چکا تھا۔

''تمہاری چمڑی اُدھیڑ دوں گا۔ ایک معمولی نوکر کی یہ مجال۔''

دراب کف اُڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے کہ سکندر اس کے عزائم سے خبردار ہوتا' دراب نے اچانک پوری قوت سے اس پر ریوالور کھینچ مارا۔ سکندر چونکہ اس حملے کے لئے تیار نہیں تھا اور پھر فاصلہ بھی خاصا کم تھا اس لئے فولاد سے بنا بھاری ریوالور سیدھا اُس کی پیشانی پر لگا اور کچھ اتنی شدت سے کہ لمحے بھر میں ماتھا اور کنپٹیاں خانم خون ہو گئیں۔ سر کی چوٹ ویسے بھی بہت کاری ہوتی ہے۔ سکندر چکرا کر زمین پر گرا اور پھر دوبارہ نہیں اُٹھ سکا۔

''وحشی انسان۔ کمزوروں کا تو خیال کیا ہوتا۔'' ساحر اپنی زندگی بچانے والے اس بہادر ملازم کی طرف بڑھا۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے دراب کو گھورا تھا جو ہونٹ کاٹتا لہولہان سکندر کو گھور رہا تھا۔ ساحر کا جی چاہ رہا تھا' اس درندے کی گردن شکنجے میں لے کر مروڑ دے مگر فی الوقت اسے اس شخص کے زخم کی فکر تھی جس کے متعلق وہ اس سے زیادہ نہیں جانتا تھا کہ ملکوں کا وفادار' پھرتیلا اور ذمے دار ملازم ہے۔ وہ اکثر پھلوں' سبزیوں کے ٹرک ملک فوڈ انڈسٹریز کے کارخانوں میں پہنچانے آیا کرتا تھا۔ اُس کے چہرے اور آنکھوں سے جھلکتی شرافت' متانت اور وقار ساحر کو متاثر کرتا تھا بلکہ اُس نے کئی بار سوچا تھا' ملک بابا سے بات کر کے اس مہذب اور تمیزدار نوجوان کو انڈسٹری میں بلوا لے۔

''سچوایشن ایسی ہو گئی ہے کہ مجھے مقابلے کے خیال سے دستبردار ہونا پڑ رہا ہے ورنہ تمہارا ریوالور خالی کرا کے بزورِ بازو تمہیں زمین دکھانے کی خواہش ضرور پوری کرتا۔ اب تم نے میرے درگزر کو تنگ کیا تو یاد رکھنا' ہتھیاروں کا استعمال مجھے بھی آتا ہے۔'' ساحر غرا کر دراب سے مخاطب ہوا۔ پھر بے ہوش پڑے سکندر کو اُٹھانے کے لئے جھکا۔

''دیکھ لیں گے تمہارا زور بھی۔ ہٹاؤ اپنے ہاتھ۔ یہ ہماری حویلی کا ملازم ہے۔'' ساحر سکندر کو اٹھا کر ویگن میں ڈال کر ٹیکسلا ہسپتال لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا مگر دراب نے بے رحمی سے سکندر کو گھسیٹ کر اپنی جیپ میں ڈال لیا۔

''یہ زخمی ہے' اسے فوری ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔'' وہ قہر آلود نظروں سے اسے دیکھ کر بمشکل اپنا غصہ کنٹرول کر رہا تھا۔

''کرلیں گے ہم۔ ٹریٹمنٹ بھی اور کفن دفن کا انتظام بھی۔'' دراب سنگدلی سے کہتا ہوا گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اور دھول اُڑاتا ہوا ہو گیا۔

ساحر دانت بھینچے اسے جاتا دیکھنے لگا۔

''اِس کا انتظام بھی کرنا پڑے گا۔'' وہ شعلوں میں گھر گیا تھا۔

''میری بات مانو تو واپس چلو ساحر۔'' ایمان نے نرمی سے ساحر کا کندھا دبایا۔

''کمال کرتے ہو تم۔ اتنی سی آزمائش پر ڈر گئے؟'' ساحر بھڑک گیا۔

''میرا یہ مطلب نہیں ہے لیکن ہوش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے تم اپنے گھر کے بڑوں

خصوصاً ملک بابا سے تفصیلی بات کرلو۔ اُن کی اجازت سے کام شروع کرو۔ اپنی تو خیر ہے مگر ان بے گناہ ورکرز کی زندگیاں سچ مچ خطرے میں ہیں۔ ملک بابا کی حمایت حاصل کرنے کے بعد دراب یا ملک ایاز تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کریں گے۔'' ایمان نے تحمل سے سمجھایا۔

''ٹھیک ہے۔'' ساحر کی خاصیت یہ تھی کہ وہ ہمیشہ عقل کو جذباتیت پر حاوی رکھتا تھا۔ خواہشات کے بہلاوے میں نہیں آتا تھا۔

❁❁❁

''آپ نے انکار کر کے اچھا نہیں کیا یاسمین بیگم۔'' فربہی مائل دراز قامت آپا جان کے پاٹ دار لہجے میں تلخی بھی تھی اور دھمکی بھی۔

یاسمین بیگم کے سر سے لگی اور تلوؤں میں بجھی۔

''معاف کیجئے گا خاتون۔ میں اپنی بیٹی کا جہاں چاہوں' رشتہ طے کرنے کے لئے آزاد ہوں۔ اس سلسلے میں ناجائز دباؤ یا دھونس میرا فیصلہ تبدیل نہیں کرسکتا۔''

وہ بمشکل تمام اپنا غصہ کنٹرول کر رہی تھیں۔ تلقین میاں مٹی کا مادھو بنے فرمانبرداری سے ایک نشست سنبھالے بیٹھے تھے۔

''دیکھئے بہن۔ آپ ناراض نہ ہوں۔ خدانخواستہ ہم آپ پر دباؤ نہیں ڈال رہے۔''

آپا جان کی جاگیردارانہ حاکمیت پسندی کے برعکس عذرا ایک مہذب و شائستہ بیوروکریٹ گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ چونکہ جوڑ برابر کا تھا۔ ذات بھی ایک تھی اس لئے ملک بابا نے خود انوار کے لئے اُن کا انتخاب کیا تھا۔ وہ بڑی نرمی اور لجاجت سے یاسمین بیگم کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''ہمیں آپ کا گھرانا پسند آیا ہے۔ ہمیں خوشی ہوگی اگر آپ ہماری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشیں۔'' عذرا اپنے مخصوص سلجھے ہوئے دھیمے انداز میں بدستور مخاطب تھیں۔

''لوگ ہمارے خاندان سے تعلق بنانے کو ترستے ہیں۔ ہم نامی گرامی صنعت کار اور جدی پشتی جاگیردار ہیں۔ ہماری سات نسلیں دولت میں کھیلی ہیں۔ بڑے بڑے اونچے گھرانوں کی لڑکیاں بیاہ کر ہماری حویلیوں' کوٹھیوں میں آئی ہیں۔ یہ تو آپ کی خوش نصیبی ہے کہ ہم خود چل کر یہاں تک پہنچے ہیں۔ ہماری آمد کو معمولی نہ سمجھا جائے۔ عام طور پر ہم ایسے چھوٹے دروازوں والے تنگ گھروں سے بیٹیاں بیاہ کر نہیں لے جاتے مگر ہمارے بیٹے کی ضد نے ہمیں خوار کیا۔ یاد رہے' آپ کی زبان سے نکلا ہر تلخ جملہ بھاری نقصان کر سکتا ہے۔''

سفید پاجامے' شیروانی اور اونچے شملے والی پگڑی میں آبنوسی چھڑی ہاتھ میں تھامے بڑی دیر سے خاموش ملک بابا اچانک تیز لہجے میں مخاطب ہوئے تھے۔ اُن کی آواز میں کچھ تھا کہ اگلا بندہ گستاخی کی جسارت نہیں کر پاتا تھا۔ خود بخود مرعوب اور خوفزدہ ہو جاتا تھا۔

''میں معذرت چاہتی ہوں یہ رشتہ نہ مجھے قبول ہے' نہ میری بیٹی کو۔''

یاسمین بیگم کا لہجہ کچھ دھیما ضرور پڑ گیا تھا مگر انداز قطعی اور حتمی تھا۔ ملک بابا چند لمحے اپنی بڑی بڑی سرخ آنکھوں سے اُن کا چہرہ کھوجتے رہے پھر کچھ سوچ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''ہم آپ کو ایک موقع اور دیتے ہیں سوچنے کا۔ ہمیں کوئی بہت زیادہ جلدی نہیں ہے۔ آپ اور آپ کی بیٹی اچھی طرح غور کر لیں۔ بس یہ خیال رکھئے گا کہ ہمیں کسی در سے ناں نہیں ہوئی اور اگر ایسا ہوا بھی تو ہم نے بزورِ طاقت وہ چیز حاصل کر لی۔ یہی عادت ہمارے پوتے سعود کی بھی ہے۔ ہم چلتے ہیں۔ آپ کی بیٹی ہمیں پسند آئی ہے اور اب اسے ہماری امانت ہی سمجھئے گا۔''

ملک بابا کے برف سے بھی زیادہ ٹھنڈے اور سرد انداز میں جانے وہ کون سا پُراسرار تاثر تھا جس نے یاسمین بیگم کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑا دی' تاہم وہ اپنے فیصلے پر قائم رہیں۔

''مہربانی فرما کر یہ تحائف اور مٹھائی کے ٹوکرے ساتھ لے جائیے۔ ہم میں کبھی کسی سطح پر رشتے داری کا امکان پیدا نہیں ہو سکتا۔'' یاسمین بیگم نے طوعاً و کرہاً رواداری سے آپا جان کو مخاطب کیا۔ منوں مٹھائی کے ساتھ آٹھ بہت عمدہ غیر ملکی میٹریل کے سوٹ پیس اور ایک نازک سی ڈائمنڈ کی انگوٹھی وہ لوگ ہمراہ لائے تھے' جیسے اپنی طرف سے بات پکی کرنے کی ٹھان کر آئے ہوں۔

''ہم دی ہوئی چیزیں واپس نہیں لیتے۔'' آپا جان نے قیمتی سلکن سوٹ پر دوپٹہ جماتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔

''مگر ہم انہیں نہیں رکھ سکتے۔'' وہ زچ ہو کر بولیں۔

''کوئی بات نہیں۔ ملازمین میں بانٹ دیجئے گا۔'' وہ آگے بڑھ گئیں۔

''اُونہہ۔ ملازمین میں بانٹ دیجئے گا' جیسے یہاں نوکروں کی فوج ظفر موج گشت کرتی کھائی دے رہی تھی اُنہیں۔'' مہرینہ پردے کے پیچھے سے تن فن کرتی نمودار ہوئی۔ مہمان جا چکے

''امی' آپ نے خوب خوب کیوں نہ سنائیں اُنہیں۔ کیا رعب تھا' کتنی اکڑ والی اور گھمنڈی ت تھی وہ۔ اور وہ بابا۔ حشمت خان کا نیا ایڈیشن۔ اُفوہ۔ آپ نے مجھے سختی سے اِدھر آنے سے ع کر دیا تھا ورنہ دیکھتیں' میں اُنہیں ایسا مزہ چکھاتی کہ ساری پھنّے خانی بھول جاتے۔'' وہ ہاں' تپتی' غصے سے لال ہوتی اپنے شعلہ فشاں موڈ کا پتہ دے رہی تھی۔

یاسمین بیگم قدرے فکرمندی سے صوفے پر بیٹھ گئیں اور کچھ سوچنے لگیں۔ اُنہوں نے مہرینہ بڑبڑاتے' سلگتے' جلتے بھنتے تیوروں پر دھیان نہیں دیا تھا۔

o☆o

''بڑا لطف رہا۔ امی نے انہیں کِک آؤٹ کر دیا۔ صفا انکار۔'' اگلے دن مہرینہ خوشی سے ھالی راحت کو صورتِ احوال بتا رہی تھی۔

''زعم تو دیکھو۔ جیسے انسانوں کے خریدار ہوں۔ اور پیسے اور پاور کے ذریعے ہر بات منوانے ار رکھتے ہوں۔'' وہ تنفر سے بولی۔

''بے شک۔ ان کا طریقہ کار نہایت غلط تھا۔ بھلا اس طرح رشتہ لیا جاتا ہے۔ دھونس اور لی سے۔'' راحت نے اُس کی بات آگے بڑھائی۔

''ان رئیس زادوں کے لئے عورت ڈیکوریشن پیس کی طرح ہوتی ہے۔ بازار سے گزرتے اچانک نظر آیا' اچھا لگا' قیمت چکائی اور لا کر گھر کے ایک کونے میں سجا کر بھول گئے۔ ہر ہ چیز ان کی دسترس میں رہنی چاہئے۔ بھلے سے بعد میں استعمال کریں یا نہ کریں۔'' مہرینہ ل ہی اس کے ہمراہ گراؤنڈ میں ٹہل رہی تھی۔

''لگتا ہے' تمہیں اُمراء و رؤسا کی فطرت کا بہت اچھی طرح اندازہ ہے حالانکہ تمہارا اس ے تعلق نہیں ہے۔'' راحت نے ایک نظر اس کے تپتے ہوئے سرخ چہرے پر ڈالی۔

''جغرافیے کے پیریڈ کی بیل ہونے والی ہے۔'' مہرینہ نے موضوع بدلتے ہوئے گھڑی دیکھی۔ ''میڈم نگین آئی ہیں یا چھٹی پر ہیں؟''

''توبہ کرو۔ وہ کہاں چھٹی کرتی ہیں۔ ویسے مہرو' ایک بات کہوں' تم اپنی فیلنگز میڈم نگین سے ڈسکس کر لو۔ وہ انسانی فطرت کی بہت اچھی اینالسٹ ہیں۔ بوڑھے پروفیسرز کی طرح ان کی سوچ رجعت پسندانہ' غیر فطری اور اُلجھاوے ڈالنے والی نہیں ہے۔ وہ ''آج'' میں زندہ رہنا پسند کرتی ہیں۔ ناقابلِ عمل اور روایتی مشورے نہیں دیتیں۔''

''ہاں' دیکھوں گی۔ تم نے اکیڈمی جوائن کر لی؟''

''ہاں۔ اماں تو قطعاً راضی نہیں تھیں مگر ابا کی خاموش حمایت کام آ گئی۔ پنّو کے ساتھ روزانہ جاتی ہوں' چار بجے سے چھ بجے تک مہرو' میرے ابا بہت فراخ دل ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر خدا توفیق دیتا تو اپنے پانچوں بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلواتے۔'' راحت کھو سی گئی۔

''مگر حالات۔'' اُس نے سرد آہ بھری۔

''ہاں۔'' مہرینہ نے گراؤنڈ کے کارنر پر رکھا بیگ اُٹھایا ''کبھی حالات ظالم ہیں' کبھی مقدر ظالم ہے۔ کیا کیا جائے۔ طلعت آپا کے بعد تمہاری باری ہے ناں شادی کی۔''

''نہیں۔ مجھ سے دو سال بڑی عفت ابھی باقی ہے۔ اس کے علاوہ فرحت مجھ سے صرف دس ماہ چھوٹی ہے۔ سمجھ لو ہم تینوں آگے پیچھے ہیں۔''

''کیا اُنہیں پڑھنے کا شوق نہیں ہے۔''

''عفت کو تو تھا مگر اس وقت طلعت آپا کی شادی کے اخراجات سر پر تھے۔ بعد میں وقت گزر گیا۔ اُنہوں نے پرائیویٹ انٹر کا امتحان دیا تھا مگر کلیئر نہ ہو سکا۔ گھر کے کاموں سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی۔ رہی فرحت تو وہ اول درجے کی نالائق ہے۔ رو دھو کے میٹرک کیا ہے۔ آگے سٹاپ۔'' راحت ہنس پڑی۔

دونوں باتیں کرتی ہوئی کوریڈور سے گزریں جہاں میڈم شہلا سیکنڈ ائر کی کسی لڑکی کو گھیرے ہوئے تھیں اور نگین غالباً اس بے چاری کو اُن کے چنگل سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''وہ دیکھو۔ نئی مرغی پھنسی ہے۔ آج تو خیر نہیں بچی کی۔ میڈم شہلا المعروف شعلہ کے سے بچ نکلنا جان جوکھوں کا کام ہے۔'' مہرینہ نے سرگوشی کی۔

''شی چپ۔ کہیں ہم بھی نہ دھر لئے جائیں۔'' راحت نے اس کا ہاتھ دبایا۔ وہ غیر محسوس انداز میں قریب آتی گئیں تاکہ معاملے کی تہہ تک پہنچ سکیں۔

''میں نے بار بار اسمبلی میں اناؤنس کیا ہے کہ کالج میں کاسمیٹکس اور جیولری کا استعمال منع ہے۔ کیا آپ اپنے کان گھر بھول آئی تھیں۔ کس نے اجازت دی ہے آپ کو؟ آ گئیں چار چار انچ کے جھمکے لٹکا کے اور لپ سٹک تھوپ کے۔ میں کہتی ہوں' تم لوگوں کے ماں باپ کہاں سوئے ہوتے ہیں۔ وہ کیوں نہیں چیک کرتے اپنی بچیوں کو۔ کوئی پوچھے' بی بی کالج پڑھنے آئی ہو یا ماڈلنگ کرنے۔ کس نے دیکھنا ہے' تمہیں یہاں۔ کس کے لئے سج سنور کر آتی ہو۔''

میڈم شہلا کی' کانوں میں چبھنے والی شرل اور چیخ نما آواز پورے کوریڈور میں گونج رہی تھی۔ ملحقہ کمروں سے بہت سی گردنیں باہر جھانک رہی تھیں اور شامت کی ماری لڑکی پانی پانی ہوئی جا رہی تھی۔

''پلیز میڈم' آرام سے۔ بچی سے غلطی سرزد ہوئی ہے' جرم نہیں۔''

نگین اُنہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے میڈم شہلا کا بچی کی عزتِ نفس مجروح کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔ طالبہ کو آرام سے بھی سمجھایا جا سکتا تھا یا ہلکی پھلکی سزا و جرمانہ کیا جا سکتا تھا۔ اس طرح سرِعام بے عزتی کرنا اور بغیر کسی ثبوت کے رکیک الزامات لگانا سراسر زیادتی تھی۔ اُس کا جی چاہا' اُنہیں حضرت علیؓ کا قول سنائے۔

''بھرے مجمع میں کسی کو ٹوکنا اصلاح نہیں بلکہ اس کی توہین کے مترادف ہوتا ہے۔''

لیکن وہ اُن کی سنیارٹی کی وجہ سے خاموش تھی۔ میڈم شہلا نہ صرف اردو کی پروفیسر تھیں بلکہ کالج کی ایڈمن کمیٹی کی انچارج بھی تھیں۔ طالبات ہی نہیں' جونیئر ٹیچرز' آفس کلرک لیب اسسٹنٹ اور اکاؤنٹس کے لوگ بھی اُن سے ڈرتے تھے۔ ساتھی ٹیچرز اُن کی منہ پھٹ' بدلحاظ اور بلاامتیاز بے عزتی کر ڈالنے والی عادت کی وجہ سے خائف رہتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ جتنا ممکن ہو اُن سے اختلافِ رائے سے پرہیز ہی کیا جائے۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ۔

''تم نئی نئی آئی ہو بی بی۔ ناتجربے کار اور کم عمر ہو۔ میں جانتی ہوں۔ اِن کے سارے ہتھکنڈے اور تریا چلتر۔ ابھی محترمہ چوکیدار کی نظر بچا کر گیٹ کے پار ہوتیں جہاں ان کا بوائے فرینڈ بائیک یا کار پر ٹائم کے مطابق ان کا منتظر ہوتا۔'' میڈم شہلا دانت پیس کر بولیں۔ انہیں واضح

طور پر نگین کی مداخلت پسند نہیں آئی تھی۔ لڑکی بُری طرح رو پڑی۔

''میری آج برتھ ڈے تھی میڈم۔ میں نے اپنی فرینڈز کے ساتھ بریک میں سیلی بریٹ کی تھی۔ تصویریں کھنچوانے کے لئے جیولری پہنی تھی۔ ابھی کلاس میں آ کر اُتارنے والی تھی کہ......''

ہچکیوں سے سترہ سالہ معصوم صورت طالبہ کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ نگین نے بے اختیار اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور خون پی جانے والی نظروں سے میڈم شہلا کو دیکھا جہاں کوئی احساس شرمندگی نہیں تھا۔ اس نے دل میں سوچا۔

''کسی کی معصومیت اور بھولپن کو قتل کرنے والوں کے لئے بھی تو سزا مخصوص ہونی چاہئے''

''بس بس۔ اب یہ ڈرامے بازی بند کرو۔ چلو جا کر مُنہ دھوؤ اور اپنی کلاس میں جاؤ۔ اور یہ سالگرہیں اپنے گھر بیٹھ کر منایا کرو۔ اُونہہ فالتو کے چوچلے۔'' میڈم شہلا نخوت سے ناک چڑھا کر آگے بڑھ گئیں۔

''جو ایسی ویسی ہوتی ہیں' وہ اُن کی ناک کے نیچے سے کر گزرتی ہیں اور اُن کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہو پاتی۔ بے گناہوں کی مفت میں شامت آ جاتی ہے۔ دیکھ لو۔ جتنی پابندیاں آئے دن لگ رہی ہیں' اتنا ہی فرار کے کیسز بڑھتے جا رہے ہیں۔'' راحت مُنہ ہی مُنہ میں بڑبڑائی۔ اور نگین کے قریب آ گئی جو پیار سے لڑکی کو سمجھا رہی تھی۔

''جو بے قصور ہو' اُسے الزام دل پر طاری نہیں کرنا چاہئے۔ آپ یوں سمجھو' جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ جاؤ شاباش۔ گڈ گرل۔'' لڑکی سر ہلاتی تھینک یو میڈم کہہ کر چلی گئی۔ وہ شکر کر رہی تھی کہ میڈم نگین عین موقع پر آ گئی تھیں ورنہ میڈم شہلا سے کچھ بعید نہ تھا' بات کو غلط رنگ دے کر پرنسپل کے آفس لے جاتیں اور وہاں سے اُس کے گھر میں فون کھڑکایا جاتا۔ اس سے پہلے وہ ایسا کر بھی چکی تھیں۔

''اور بھئی' آپ لوگ کدھر پھر رہے ہیں۔ چلیں کلاس میں' میں آ رہی ہوں۔''

راحت اور مہرینہ کے سلام کا جواب دینے کے بعد نگین نے نارمل موڈ میں کہا۔

''میڈم' ایک بات پوچھوں۔ یہ میڈم شہلا ایسے کیوں بی ہیو کرتی ہیں؟'' راحت نے اچانک پوچھا۔

''اس لئے کہ اُن کی نظر اور نکتۂ نظر نیگیٹو ہے۔ ایبسولوٹلی نیگیٹو'' نگین سر جھٹک کر قد

جانے لگی۔ اُس کی نظر میں بار بار روتی بلکتی صفائی دیتی معصوم لڑکی کی صورت پھر رہی تھی۔

O☆O

''اُف اللہ! میں مری۔ بھابی' سر میں سخت درد ہے۔ چکر بھی آ رہے ہیں۔ ایک کپ چائے کے ساتھ اسپرین کی گولی دے دو۔ میں اماں کے کمرے میں جا کر لیٹ رہی ہوں۔'' چندا سر پہ کپڑا باندھے ہائے وائے کرتی کچن میں آئی تھی جہاں طلعت موڑھے پہ بیٹھی راحت کے ساتھ پیاز بھون رہی تھی۔

جابر کے چار پانچ دوست آ رہے تھے رات کے کھانے پر۔ بیاہی ہوئی نندیں بھی اپنے بال بچوں کے ہمراہ دو تین دن سے میکے میں ڈیرہ جمائے بیٹھی تھیں سو سب کو ملا کر بیس بائیس لوگوں کا کھانا پکانا تھا۔

''مجھے تو تم ہٹی کٹی دکھائی دے رہی ہو۔'' راحت سے رہا نہ گیا۔ وہ غور سے چنگی بھلی چندا کی صورت دیکھ رہی تھی۔ کام سے بچنے کا بہانہ تھا محض۔ ''اتنا کام پڑا ہے۔ اکیلی آپا تو پوری رات کا کھانا نہیں بنا سکتیں۔''

''تو تم ہاتھ بٹا دو۔'' چندا اُسے گھورتے ہوئے تڑاخ سے بولی۔ راحت کی بے لاگ' کھری دو ٹوک باتیں سارے گھر کو بہت چبھتی تھیں مگر وہ پروا نہیں کرتی تھی۔

''تم جا کر لیٹو چندا۔ میں ابھی چائے لے کر آتی ہوں۔'' طلعت لجاجت سے تیوریاں چڑھائے کھڑی چندا سے مخاطب ہوئی۔

''بھابی' اپنی بہن سے کہو' ہمارے گھر کے معاملات میں دخل نہ دیا کرے۔''

وہ بُرے بُرے منہ بناتی چلی گئی۔ طلعت بُری طرح گھبرا گئی۔

''کیوں بے کار اُلجھتی رہو راحت۔'' اس کے لہجے میں منت تھی۔

''مشکل تو یہ ہے کہ جو سچ مچ مظلوم ہوتے ہیں' انہیں مظلوم بننا نہیں آتا اور جو نہیں ہوتے' وہ بن کر کے ساری دنیا کو اپنی حمایت میں گھیر لاتے ہیں۔'' راحت نے ٹھنڈی سانس لی۔

''اپنے سسرالی عزیزوں سے ہی سیکھ لیا ہوتا یہ فن۔ دیکھتیں نہیں' کتنی خوبصورتی سے آواز دبا کر اور چہرے پہ مظلومیت طاری کرتی ہیں۔ ان کی بیاہتا بیٹیوں کی شان دیکھی ہے' ذرا ذرا سی پر آسمان سر پہ اُٹھا لیتی ہیں۔ معمولی سی تکلیف پر اپنے خاوندوں اور ساس نندوں سے ناز

اُٹھواتی ہیں۔ میکے میں آ کے خدمتیں کراتی ہیں۔ رونا دھونا' آہ و بکا اور چیخ و پکار مچا کر مقابل کی ہمدردیاں سمیٹتی ہیں۔ اور ایک آپ ہیں کہ بڑی سے بڑی تکلیف بھی گھول کے پی جاتی ہیں' صبر کی کنجی سے منہ سیے کام میں لگی رہتی ہیں۔ آپ کیا سمجھتی ہیں' ایک دن آپ کا صبر جیت جائے گا' آپ کی بے لوث خدمتیں اور عاجزی و انکساری اِن لوگوں کو آپ کا گرویدہ کر دے گی؟ شوہر اور ساس تو ایک طرف آپ تو اپنی نندوں اور دیوروں کی بھی بے دام غلام بنی ہوئی ہیں۔ آپ یہ سوچ کر یہ نیکی کرتی ہوں گی کہ کل کلاں کو وقت پڑنے پر وہ آپ کے ایثار و قربانی اور خدمتوں کا صلہ دیں گے۔ آپ کی محبتیں واپس لوٹائیں گے؟ نہیں آپا' ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اُلٹا ضرورت پڑنے پر سب سے پہلے دُھتکارنے کا عمل اُنہی کی طرف سے شروع ہوگا۔ وہ اپنا حق سمجھ کر رعب سے آپ سے کام نکلواتے ہیں۔ ایسی نیکی کا کیا فائدہ جو بے ثمر ہو۔''

''چھوڑو راحت۔ تم میری خاطر ذرا نرمی سے پیش آیا کرو۔ دیکھو اماں اور جابر کو ہمیشہ تم سے شکایت رہتی ہے۔ جابر تو کہتے ہیں اگر وہ تمہاری بہن نہ ہوتی تو میں اسے کبھی گھر میں گھسنے کی اجازت نہ دیتا۔'' طلعت نے دل پر پتھر رکھتے ہوئے بڑی عاجزی سے اسے سمجھایا تھا۔

''مجھے پتا ہے' وہ مجھے پسند نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں' کسی طرح میرا یہاں آنا بند کرا دیں لیکن آپا' جب تک آپ کا وجود اس گھر میں ہے' میں اپنے قدم نہیں موڑوں گی۔'' اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ آ گئی۔

''پگلی۔ میرے کہنے کا یہ مطلب تھوڑی تھا۔'' طلعت نے اسے گلے سے لگا کر پیشانی چوم لی۔

''آپا' پلیز میری ایک بات مان لیں۔'' راحت نے اس کے کندھے تھام کر مضطربانہ کہا ''خدا کے لئے یہ انتہا کو چھوتی ہوئی شوہر پرستی چھوڑ دیں۔ جابر بھائی کوئی خدا نہیں ہیں کہ آپ ان کے قدموں میں سر گرتی رہیں۔''

''خدا نہ سہی مجازی خدا تو ہیں۔'' طلعت چائے کا پانی رکھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

''اسی لفظ نے مرد و زن کو گمراہ کر رکھا ہے۔ کس حدیث میں استعمال ہوا ہے یہ لفظ۔ ہندوانہ ذہنیت کا ایجاد کردہ ہے' جہاں زندہ عورتوں کو مردہ شوہروں کے ساتھ جلا دینے کی رسم ان کے مذہب کا حصہ ہیں۔ ہمارے مذہب نے تو عورت کو بحیثیت بیوی کے ایسے ایسے حقو

ے رکھے ہیں جو کبھی مغرب کی عورتوں کو بھی نصیب نہیں ہوئے حالانکہ بظاہر وہ آزاد خیال ملک کی آزاد شہری ہیں۔'' راحت کا چہرہ جوش سے سرخ ہو گیا۔

''بڑا شور ہو رہا تھا۔ میں عصر کی نماز بیچ میں چھوڑ کے بھاگی کہ خدا جانے کیا ہو گیا۔ اچھا تو خیر ہے راحت آئی بیٹھی ہے۔'' صفیہ کچن میں داخل ہوئیں۔ لہجہ نرم مگر انداز چبھتا ہوا تھا۔ راحت نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں سلام کیا۔

''آپ نماز تو پوری کر لیتیں۔ بلاوجہ کی زحمت کی۔'' اس نے بھی تیر چلایا۔

''اے ہاں' ابھی جا کے کروں گی۔'' وہ جاتے جاتے اچانک پلٹیں۔ ''میں نے سنا ہے' تم نے نوکری کر لی ہے۔ شام کو نکلی راتوں کو گھر لوٹتی ہو۔ اے بی بی' یہ کالج کی پڑھائی کیا کم تھی' چاند چڑھانے کو جو تم نے نیا محاذ کھول لیا۔ پیدل کا ہی سہی مگر ہے تو دور کا راستہ۔ بھرے بازار سے غنڈوں لپاڑوں کے بیچ سے سڑکیں پھلانگتی جاتی ہو' کیا تمہاری ماں کا دماغ پھر گیا ہے جو آگ اور تیل کا کھیل کھیل رہی ہے؟ خدانخواستہ راہ چلتے کسی مردوے نے ہاتھ ڈال دیا تو گئی ناں عمر بھر کی بدنامی۔ توبہ کیا زمانہ آ گیا ہے۔ جوان جہان لڑکیوں کو گھر کا چولہا جلانے کے بجائے بے ثمری کمائی پر بھیجا جا رہا ہے۔''

''یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔ آپ کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' راحت نے بنا کسی لحاظ کے کہہ دیا۔ وہ چونکہ ذہنی طور پر ایسے حملے کے لئے تیار تھی اس لئے اُن کی دل آزار باتوں سے دُکھی نہیں ہوئی۔ جن لوگوں کی سوچ اور فطرت ہزار دلائل اور صفائی کے باوجود بدلنے کی اُمید نہ ہو' اُن کی باتوں کو نظر انداز کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ خواہ مخواہ دل پر لے کر جلنے کُڑھنے سے کیا حاصل۔''

بڑی بی کھا جانے والی نظروں سے گھورتی ہوئی پیر پٹختی باہر نکلی تھیں۔ طلعت خوفزدہ ہو رہی تھی کہ اب یہ وبال اُسی کو بھگتنا ہوگا۔ اماں اپنا غصہ نکالنے کے لئے جابر سے اس کی الٹی سیدھی باتیں لگائیں گی اور وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی شوہر کی عدالت میں مجرم قرار پائے گی۔

O☆O

دراب کا موبائل بڑی دیر سے بج رہا تھا۔ اس نے بیزاری سے بٹن پُش کر کے اسے آن کیا۔ اُدھر ملک ایاز تھے۔

''یہ کیا کھڑاک پال لیا ہے تم نے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ملک بابا کا فون آیا ہے۔ وہ بتا رہے تھے' تمہارا اور ملک توقیر کے بیٹے کا جھگڑا ہو گیا ہے۔'' وہ خاصے فکر مند اور خفا تھے۔

''انہیں اتنی جلدی خبر کیسے ہوئی' دراب حیرت سے سوچنے لگا۔ غالباً ساحر نے ملک بابا سے موبائل پہ بات کی ہوگی۔

''کچھ نہیں ابا جی۔ آپ کیوں فکر کرتے ہیں۔ میں ہوں ناں' معاملہ سنبھالنے کو۔ اس شہری بابو کو واپسی کا رستہ دکھایا ہے اور تو کچھ نہیں کیا۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

''لیکن تمہیں مجھ سے مشورہ کر کے قدم اُٹھانا چاہئے تھا۔ ادھر اسلام آباد میں سب کو خبر ہو گئی ہے۔ جوڑ ٹکر کا ہو تو سوچ سمجھ کر داؤ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ تم بس ابھی چل پڑو واپس۔ ملک بابا کا بھی یہی حکم ہے۔'' ملک ایاز سوچ کر بولے۔ ''ایک تو تم جوان جہان لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ جوش میں آ کر سارے کیے کرائے پہ پانی پھیر دیتے ہو۔ او پتر' شکار کھیلنے کا بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ بس اب تم نکل پڑو۔''

''اچھا ابا جی۔'' دراب نے بادلِ نخواستہ ہامی بھری اور موبائل آف کرنے کے بعد ٹہلتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔ اسے حویلی پہنچے آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا مگر ابھی تک جیپ میں زخمی اور بے ہوش پڑے سکندر کا خیال نہیں آیا تھا۔ یوں بھی وہ ایک بے رحم اور بے حس شخص تھا۔ انسانی جانوں سے کھیلنا اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔

رات ڈھل چکی تھی۔ فاطمہ کھانے پر بلانے آئی تو دراب فتح محمد کو بلا کر گاڑی نکالنے کا حکم دے رہا تھا۔

''چھوٹے ملک جی۔ وہ کھانا تیار ہے جی۔'' کم مرتبہ ادھیڑ عمر نوکرانی فاطمہ نے سر سے سرکتی اوڑھنی قابو کرتے ہوئے نیاز مندی سے اطلاع دی۔

''میں نہیں کھاؤں گا۔ اور ہاں۔'' وہ باہر نکلتے نکلتے مڑا۔ ''شہریال بی بی کیا کر رہی ہیں؟''

''وہ جی صائمہ بی بی کے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھی ہیں۔''

''انہیں بتا دینا۔ میں ملک آباد واپس جا رہا ہوں۔

''ہائے میرے ربا۔ مم ملک جی یہ تو سکندر ہے۔''

جونہی فتح محمد نے جیپ کا دروازہ کھولا خون میں ڈوبے بے ہوش چہرے والے سکندر کو دیکھ کر

ں کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ تھر تھر کانپتا گھبرا کر ایک دم پیچھے ہٹا تھا۔

''اوہو۔ اس مصیبت کا تو خیال ہی نہیں آیا۔'' دراب ایک نظر سکندر پر ڈال کر جھنجھلاہٹ ں مبتلا ہو گیا۔ پہلے تو جی میں آئی یونہی پڑا مرنے دے۔ ''ایک اِس کے نہ ہونے سے کون سا پہاڑ اٹ پڑے گا۔'' ویسے بھی ابا جی کسی طرح اس کا کانٹا نکال کر گل بانو پھپھو کے حصے کی جائیداد پر بضہ کرنے کے چکروں میں رہتے ہیں لیکن پھر ان کے متوقع ردِعمل نے اس کو ایسا کرنے سے وک دیا۔

''شکار کھیلنے کا بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے۔'' اُن کے کہے ہوئے الفاظ اس کے ذہن میں آئے۔

''اس کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑے گا لیکن ادھر کے ہسپتالوں کے سو جھنجھٹ ہوتے ہیں۔ بڑی پوچھ تاچھ کرتے ہیں۔'' وہ کوفت سے پیشانی مسلتے ہوئے جھلایا۔ ارادہ تھا کہ اسلام آباد کی طرف سے گزرتے ہوئے کسی ہاسپٹل میں لے جائے مگر پھر اُسے مخصوص قواعد وضوابط کا یال آ گیا۔ انتظامیہ کی تفتیش سے پولیس کیس بھی بن سکتا تھا۔

''فتح محمد۔ تو ایسا کر' اسے اندر حویلی میں لے جا اور شہریال بی بی سے کہہ' اس کی پٹی ڈی کر ے ہوش میں لانے کا کوئی چارہ کریں۔ چل جلدی کر۔ یہ زنانیوں کی طرح مرا کیوں جا رہا ہے۔ اش تو نہیں دیکھ لی تو نے۔'' اس نے فتح محمد کی بزدلی پر کرخت لہجے میں جھاڑ پلائی۔

''ابھی۔ ابھی لیں سرکار۔'' فتح محمد میں بجلی بھر گئی۔

O☆O

''یہ لڑکا ابھی تک نہیں پہنچا۔'' اپنی چھڑی پہ زور ڈالتے ہوئے ملک بابا نے اضطراب آمیز ارستگی سے ملک ایاز کو دیکھا تھا جو کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

''آ جائے گا بابا۔ چار پانچ گھنٹے کا سفر ہے ملکوال تک۔ دیر تو لگے گی ناں۔''

''ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ابھی کچھ دیر میں اسلام آباد جانا ہے۔ توقیر کا غصہ بھی ٹھنڈا کرنا ہے۔ ایک تو اُس نے اپنی اولاد کو نہ جانے کس طرف لگا دیا ہے۔'' وہ فکر مندی سے ثانی مسلنے لگا۔

''میں بھی یہی کہتا ہوں بابا۔ وہ کل کا لونڈا باپ دادا کی زمینوں کی بندر بانٹ کرنے چلا ہے'

اِن پہ شہر بسا رہا ہے' غریبوں کے لئے۔"

ملک ایاز نے حقارت سے سر جھٹکا۔

"اسی دن کے لئے ہم کہتے تھے' تعلیم حاصل کر لو۔ چار جماعتیں پڑھ لو گے تو دنیا سے ٹھگی کرنے کا سلیقہ آ جائے گا۔" ملک بابا پُراسرار انداز میں مسکرائے۔

"بھئی' بنانے دو اس کو۔ جو کوٹھیاں کھڑی کرنی ہیں کر لے۔ وہ سڑک' پانی' بجلی اور گھر سکول بنائے گا' ہم ہاؤسنگ سکیم کے تحت اسے مہنگے داموں بیچ دیں گے یا کاروبار کرنے والوں کو سونے کے بھاؤ فروخت کر دیں گے۔ اپنی مارکیٹنگ ایجنسی کھول کر کروڑوں کما سکتے ہیں۔ یوں بیکار پڑی بنجر ہوتی زمین' ہمیں کون سے انڈے دے رہی ہے۔ ابھی بیچنے کی کرو تو کوئی کوڑیوں کے مول بھی نہ لے مگر جب یہاں تعمیر و ترقی کے منصوبے شروع ہو گئے تو لوگ اپنا آپ بیچ کر بھی خریدنا چاہیں گے۔ بات کو اور حالات کو سمجھا کرتے ہیں۔ یہ بات سمجھا دینا اپنا بیٹے کو بھی۔"

ملک بابا اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"ٹھنڈا کر کے کھانے کا اپنا سواد ہوتا ہے بیٹے۔ اپنی بڑی اماں سے کہو' تیار ہیں تو آ جائیں۔ سعود کا رشتہ کر رہے ہیں ہم۔ شاید جلد ہی شادی کی خبر سنو۔"

"اچھا۔ یہ تو خوشی کی بات ہے۔ پر بابا' آپ اِدھر گاؤں میں کیوں نہیں کر لیتے۔ یہاں شادی کی رسمیں ہوں گی۔ بارات اِدھر سے جائے گی رج گج کے۔ ذرا رونق میلہ رہے گا۔ ملک ہاؤس والوں کو بھی بلا لیں اِدھر ہی۔" چونکہ انوار صاحب ملک بابا کے حقیقی بیٹے تھے اس لئے ایاز اُن سے براہِ راست کوئی عداوت نہیں رکھتے تھے۔

"ہاں۔ سوچیں گے اس بات پر بھی۔ ذرا معاملہ سیٹ ہو جائے۔" ملک بابا پُرخیال انداز میں مونچھوں کو بل دے رہے تھے۔

O☆O

صبح کاذب کے آثار نمودار ہو چکے تھے' جب سکندر کو ہوش آیا۔ آنکھیں کھولیں تو دیر تک حواس اپنی جگہ نہیں لوٹے۔ وہ در و دیوار کو تکتا ہوا پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کدھر ہے' کس حال میں ہے اور کس کے پاس ہے۔

جونہی اُس نے کراہ کر کروٹ لی۔ اس کے ہاتھ کسی ریشمی سی گداز چیز سے ٹکرا گیا۔ لمس میں

نرمی اور لطافت تھی۔ سکندر نے آنکھیں مسل کر دیکھا۔

"گورے کبوتر کی طرح ملائم' تلووں والے خوبصورت پیر بستر کی پٹی پر رکھے ہوئے تھے۔

ل حواسوں سمیت سکندر کی نظر نے آگے کا سفر کیا۔ وہ بیڈ کے قریب کرسی کھینچ کے بیڈ پر پاؤں کھے بے خبر سو رہی تھی۔ سر کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا تھا۔ ایک شریر سیاہ لٹ سپید نرم گالوں پہ سانپ کی طرح کنڈلی مارے جھول رہی تھی۔ نکیلی لانبی پلکیں رخساروں پہ بچھی ہوئی تھیں۔ وہ گہرے دن کلر کے لباس اور سیاہ دوپٹے میں سکندر کے دیرینہ خواب کا کوئی حصہ دکھائی دے رہی تھی۔

اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ٹٹولا۔ زخم پر مہارت سے پلی بندھی تھی۔

تو کیا اِن حسین ہاتھوں کی حیات پرور مشاقی نے اسے نئی زندگی عطا کی ہے!!

اِن مسیحا انگلیوں نے اسے چھوا ہے!!

اِس عنایتِ غائبانہ پر سکندر کا دل بند ہونے لگا۔ اس کے رُوئیں رُوئیں میں تحیر کا ارتعاش دوڑ گیا تھا۔ نظریں شہریال کے گود میں رکھے رنگ و روشنی برساتے چمکتے دمکتے ہاتھوں پر مرکوز تھیں۔

پھر اس نے بیڈ کی پٹی سے ٹکے پیروں کو دیکھا جو اس کے اتنے قریب تھے کہ ذرا سا ہاتھ بڑھا کر ان کا لطیف و سرور آگیں لمس اپنی ہتھیلیوں میں جذب کر سکتا تھا۔ اس کا جی چاہا' اپنے لبوں کو بوسہ اظہار سے اِن کو جنبش دے۔

شوق' ہیجان' حیرت اور بے چینی نے اس کے جذبات میں ہلچل مچا دی تھی۔

"کیا میں اتنا خوش نصیب ہوں کہ تیری مسیحانہ توجہ کا مرکز بنا ہوں۔"

اُس نے حسرت سے دل ہی دل میں اس مہ لقا کو مخاطب کیا۔

"اے دلربا' اے پری وش۔"

"کیا تو نے اس بے قیمت انسان کے زخموں پہ اپنی عنایت کی شبنم برسائی ہے؟"

"تُو نے درد کے کانٹے نکال کر گلابوں کا پیرہن چڑھایا ہے میری پیشانی پر۔"

"میں ہوش نہ کھوؤں تو کیا کروں کہ اتنی مہربانی' اتنی قدر دانی کے لائق کہاں۔"

اُس نے بے اختیار اُٹھنے کی کوشش کی۔ رگوں میں جیسے خون کے بجائے سیاس کے جذبے

دوڑ رہے تھے۔ اُسی لمحے شہریال کی آنکھ کھل گئی۔

''لیٹے رہو ابھی' ہلنا نہیں۔ کیسے ہو اَب تم؟'' وہ پاؤں نیچے اُتار کر پپوٹے مسلتے ہوئے کرسی سے اُٹھ گئی۔ آنکھوں میں کچی نیند کی گلابیاں گھلی ہوئی تھیں۔

''آپ میری خاطر کیوں بے آرام ہوئیں شہریال بی بی۔'' وہ آہستگی سے سیدھا لیٹتا ہوا مخاطب ہوا۔

''تمہیں شاید اپنی حالت یاد نہیں ہے۔ وہ تو زندگی باقی تھی جو بچ گئے۔ خدانخواستہ دماغ کی کوئی شریان پھٹ جاتی تو......'' وہ خاموش ہوگئی۔

''یہ سب کیسے ہوا۔ فاطمہ بتا رہی تھی۔ تمہیں دراب گاڑی میں ڈال کر لائے تھے۔ ایسی صورت میں تو انہیں فوراً ہسپتال لے جانا چاہئے تھا۔ کیا کوئی جھگڑا ہو گیا تھا زمینوں پر۔''

اس کا تفکر' اس کا تردد' اس کی تشویش بھری تفتیش یہ سب سکندر کو کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ بے اختیار اُس کی طرف دیکھتا چلا گیا۔

''دکھاؤ ٹمپریچر تو نہیں ہے اب......؟'' اس نے بے پروائی سے سکندر کی کلائی پر ہاتھ رکھا اور سکندر کی نبضیں ٹھہر گئیں۔ اُس کا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ چہرے پر تمتماہٹ پھیلنے لگی۔ لمس تھا کہ آگ جس نے اُس کے پورے بدن کو تندور کی مانند دہکا دیا تھا۔ اسے لگا اگر وہ یونہی کچھ دیر تک اس کی کلائی تھامے رہی تو وہ جان سے گزر جائے گا۔

''کیا محبوب ہستی کا لمس اتنا طاقتور' اتنا اثر انگیز اور پاگل کر دینے والا ہوتا ہے۔''

سکندر کی آنکھیں شدتِ جذب سے خود بخود بند ہوگئیں۔ اس کے اعصاب لرز رہے تھے اور ضبط آندھیوں کی زد میں آئے بے جان پتے کی طرح ڈول رہا تھا۔

''زخموں میں درد تو نہیں ہو رہا؟ ویسے میں نے سکون آور انجکشن لگا دیا تھا۔'' شہریال اپنے لمس' اپنے قرب اور توجہ کی تباہ کاریوں سے بے خبر پیشہ ورانہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ وہ خود میں جواب دینے کی ہمت پیدا نہیں کر سکا۔ اس نے ایک بازو آنکھوں پر رکھ لیا تاکہ ان سے بہتے سیال پانیوں پر شہریال کی نظر نہ پڑ جائے۔ اسے خود اپنے احساسات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

بس اس کا دل چاہ رہا تھا' وہ بے دریغ رو پڑے۔ دل میں جمے آنسوؤں کے دھوئیں کو باہر جانے کا راستہ دے دے۔ جانے کیوں اس کا جی اتنا گداز ہو رہا تھا۔ زود رنجی کی اس کیفیت پر وہ

حیران تھا۔

باپ شعلوں میں جل مرا تھا' وہ تب بھی نہیں رویا۔

ماں بیماری میں چل بسی تھی' تب بھی اس کی آنکھوں سے ایک قطرہ نہ ٹپکا۔

ملک ایاز اور دراب نے ذلت و حقارت کی مار مارتے ہوئے اسے غلام بنا لیا تھا' وہ تب بھی حوصلہ نہیں ہارا۔

حالات ناموافق اور ناسازگار تھے۔ وہ پھر بھی بے حوصلہ نہ ہوا تھا۔ مگر آج کسی اپنائیت بھری توجہ اور خبر گیری نے اسے بے اختیار کر ڈالا تھا۔ اسے خبر بھی نہ ہوئی شہریال ٹمپریچر چیک کر کے اب اس کے ماتھے کی پٹی بدل رہی تھی۔ بہت آہستگی سے اس نے بھیگی پلکیں آستین سے رگڑنے کے لئے بازو ہٹا دیا۔

''صائمہ بھابی بھی تمہاری حالت دیکھ کر بہت پریشان تھیں۔ رات کو کئی بار اُٹھ کر تمہیں دیکھنے آئیں۔'' شہریال بتا رہی تھی۔ اب وہ پٹی باندھنے کے بعد باتھ روم کے کھلے دروازے میں اس کے سامنے کھڑی ہاتھ دھو رہی تھی۔

''فاطمہ ہلکا پھلکا ناشتا اور جوس لے آؤ سکندر کے لئے۔''

وہ تولیے سے ہاتھ رگڑتی ہوئی کمرے میں آئی۔ فاطمہ شہریال کے لئے بیڈ ٹی لے کر آئی تھی۔ اس کی ہدایت پر سر ہلا کر چلی گئی۔

سکندر اُس کی ساحرانہ خوشبو تا دیر اپنے اردگرد محسوس کرتا رہا۔

O☆O

''مسور میں اچھا سا بگھار لگانا عفت۔ لہسن کو اچھی طرح گرم کرنا' طلعت کو مسور کی تڑکا لگی دال پسند ہے اور ساتھ میں دھنیے کی چٹنی بنا لینا۔ یہ فرحت کدھر ہے' اُسے کہو کیاری سے دھنیا توڑ کر صاف کرے۔'' آمنہ نے اونچی آواز میں پکارا۔ وہ طلعت کے ساتھ آنگن میں دھوپ کے رُخ چارپائی بچھائے بیٹھی تھیں۔

''رہنے دو اماں۔ میں اب چلوں گی۔'' وہ تھکی تھکی سی بولی۔

''رات کا کھانا کھا کر جانا بیٹی۔ میں چھوڑ آؤں گی تجھے۔ کون سا دور ہے' چار قدم پہ تو تیرا گھر ہے۔'' آمنہ لہسن کے چھلکے سمیٹ رہی تھیں۔

''نہیں اماں۔ رات کا کھانا کون بنائے گا۔ میں تو بس جابر کی بات پہنچانے آئی تھی۔ اما
آپ راحت کو سمجھائیے گا۔'' وہ کھڑی ہوگئی۔

''جابر کو اس کا ٹیوشن سینٹر جانا پسند نہیں ہے۔ کہتے ہیں لوگ باتیں بناتے ہیں کہ اُس کی سا
رات ڈھلے جانے کہاں کی خاک چھان کر گھر لوٹتی ہے۔ وہ کہہ رہے تھے' اماں سے کہو' راحت کو
نوکری سے ہٹالیں۔''

طلعت کا چہرہ زرد ستا ہوا اور آنکھیں متورم تھیں۔ آواز میں اُداسی و مایوسی اور بے بسی کی
کیفیت رقم تھی۔

''میں تو بہتیرا کہتی ہوں بیٹے' پر وہ میری سنے بھی تو۔'' آمنہ نے ٹھنڈی سانس لے کر چھری
ایک طرف رکھ دی۔ ''اس کے ابا حمایتی بن کر آگئے تھے۔ میں کیا کرتی۔ خود بھی تو ہلکان ہوئی جاتی
ہے۔ صبح سے دوپہر تک کالج کی پڑھائی اور اس کے بعد آتے ہی ٹیوشن کی سرکھپائی۔ جان پر اتنا
عذاب مول لے لئے ہیں' اس لڑکی نے۔'' آمنہ کے لہجے میں ممتا کی نرم گرم شفقت اور فکرمندی
تھی۔

''میں نے تو بڑا سمجھایا تھا کہ بیٹی روکھی سوکھی مل ہی جاتی ہے۔ گزارہ چل رہا ہے۔ اسی پر
رب کا شکر کرتے ہیں' ہم کہ بھوکا تو نہیں سُلاتا۔ لیکن اس کا تجھے پتا ہے ناں جو ایک بار ٹھان لے' پور
کر کے ہی دم لیتی ہے۔''

''لیکن اماں' جابر کو اچھا نہیں لگتا۔'' طلعت ہاتھ مروڑتے ہوئے مضطربانہ گویا ہوئی
فرحت دھنیے کے پتے توڑ کر مٹی جھاڑتی ہوئی پاس آ کھڑی ہوئی۔

''آپا' جابر بھائی اپنے گھر میں تو چلو جو آرڈر چلائیں سو چلائیں' انہیں ہمارے گھر کے
معاملات سے کیا دلچسپی ہے جو احکامات صادر کرتے پھرتے ہیں۔''

فرحت میں کسی حد تک راحت کے جراثیم موجود تھے۔ مُنہ پر سیدھی اور کھری بات کہنا اُ
کی فطرت تھی۔

''کیسی بات کرتی ہو فرحت۔'' طلعت کچھ بُرا مان گئی۔ ''دونوں گھرانوں کی آپس میں
رشتے داری ہے۔ خاندانی تعلق ہے اور پھر وہ راحت کے بھلے ہی کو تو کہتے ہیں۔ روز چل کر آ
دور مردوں کے بیچ سے گزر کر جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ خدانخواستہ راستے میں کچھ بھی ہوسکتا

آوارہ لڑکے جو اُلٹے سیدھے آوازے کستے ہیں' وہ اسے روک کر کوئی بدتمیزی بھی کرسکتے
یہ کوئی بہادری نہیں ہے۔''

''تو کیا لڑکیاں تالہ بند ہو کر بیٹھ جائیں؟'' فرحت جھلا کر طنزیہ ہوگئی۔ ''موت ایک دن
ل ہے اور سب کو آنی ہے لیکن اُس کے ڈر سے لوگ کاروبارِ زندگی ختم کر کے کونے میں گھس کے
ں بیٹھ جاتے۔ رہی بات کچھ ہو جانے کی تو اگر کچھ ہونا لکھا ہو تو بیسیوں پہرے داروں کی
گی میں ہوسکتا ہے۔ کیا کوئی رات میں دیوار پھاند کر گھر کے اندر نہیں آسکتا۔ دن دہاڑے
ا کو گھروں میں لُوٹ مار نہیں مچاتے کیا؟ کیا خطرہ صرف باہر نکلنے والی لڑکیوں کو ہوتا ہے؟''

''بس کر۔ ٹرٹر نہ کر۔ بڑی بہن سے زبان چلاتے شرم نہیں آتی۔'' اماں نے بیاہی بیٹی کا دل
کے لئے فرحت کو لتاڑا۔ ''چل جا کے چٹنی بنا۔''

''کاش' تم میری جگہ ہوتیں تو تمہیں سمجھ آتی۔'' طلعت نے تھکی تھکی زخم خوردہ نظر فرحت پر
لی۔ حکمِ حاکم مرگِ مناجات کے تحت اُسے ہر اس آرڈر کی تکمیل کرنا تھی جو اُس کے سرتاج کی
ف سے جاری کیا جاتا تھا۔

''آپا کو اپنے شوہر سے آگے کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ کیا خدا بن گئے ہیں وہ ہم سب کے۔''
فرحت عفت کے ساتھ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔

O☆O

''مسٹر جابر' مجھے وہ فائل بھجوا دیں جس میں انٹرویو کے لئے آنے والے اُمیدواروں کا بائیو
ع کیا گیا تھا۔'' ساحر نے انٹرکام پر سپروائزر جابر سے رابطہ کیا۔

''یس سر۔ ابھی بھجواتا ہوں۔'' جابر نے مستعدی سے جواب دیا۔

''بڑی بھول ہوگئی۔ لیگل ایڈوائزر کا انتخاب مجھے بہت پہلے کر لینا چاہئے تھا۔''
ساحر نے بڑبڑاتے ہوئے ایمان کو مخاطب کیا جو اس وقت اس کے آفس میں بیٹھا تھا۔
الونی کا ماڈل ڈسکس کر رہے تھے۔

ند لمحوں بعد اٹینڈنٹ فائل لے کر اندر آ گیا۔ ساحر بغور درخواستیں چیک کرنے لگا۔

''ن آفتاب ایل ایل بی۔ یاد آ گیا۔ خاصا پُرجوش اور ذہین دار نوجوان دکھائی دے رہا
تادی اور کام کرنے کی لگن بھی تھی۔ میرا خیال ہے' اسے ہی فائنل کر لیتے ہیں۔ کیا خیال

ہے' اس کا بائیو ڈیٹا دیکھ کر بتاؤ۔" ساحر نے فائل میں سے چند کاغذات علیحدہ کر کے ایمان طرف بڑھائے جو کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ہوں۔ کیا کہا۔" وہ چونک کر ساحر کی صورت دیکھنے لگا۔

"میں کہہ رہا ہوں' اس لڑکے کے ڈاکومنٹس سٹڈی کر کے اپنی رائے دو۔ کہاں گم ہو تم!"

"میں تو گم تھا اپنے ہی حال میں' تیرے خواب تیرے خیال میں۔ لاؤ بھائی ادھر دو۔"

"کبھی اس تخیلاتی دنیا سے باہر بھی آ جایا کرو۔" ساحر نے طریقے سے اس پر چوٹ کی۔

"آپ کی معلومات ادھوری اور متعصبانہ ہیں ملک صاحب۔ بزرگ فرما گئے ہیں' تخیل ہی تہذیب کا نشان دیتا ہے' عمل کی رہنمائی کرتا ہے' یہ نہ ہو تو عمل کہاں سے آئے۔ ہر چیز پہلے پہل تصوراتی ہوا کرتی ہے۔ کوئی تبدیلی اچانک رُونما نہیں ہوتی' اس کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ آ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک۔"

ایمان کاغذوں میں غرق تھا لیکن زبان کی دھار اسی آب و تاب سے اپنا کام دکھا رہی تھی۔

"ایک تجویز ہے تمہارے لئے۔" ساحر محظوظ نظروں سے اسے دیکھتا ہوا بولا۔ "تم اپنی آپ بیتی چھپوا دو۔ افسانوی و تخیلاتی نمک مرچ' مسالے کے ساتھ۔ اس کا عنوان یہ رکھ لینا "پہلی نظر کی انجان محبت۔"

"اُڑا لو مذاق میاں۔ جتنا چاہے مذاق اُڑا لو درویشوں کا۔ جب اپنے سر پر پڑے گی تو ہم جناب کا مزاج پوچھیں گے۔" ایمان نے قابلِ رحم صورت بنا کر آہ بھری "ہم کو اس شخص کے افلا پہ رحم آتا ہے جس کو ہر چیز ملی' صرف محبت نہ ملی۔ رہی بات آپ بیتی لکھنے کی تو اس میں چند قباحتیں ہیں۔ جس چیز کا تعلق براہ راست اپنے دل سے ہو اُسے لکھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایک تو یہ احساس رہتا ہے کہ جو کچھ ہم محسوس کر رہے ہیں' اسے شاید صحیح طور پر بیان نہ کر پائیں' دوسرے لاشعوری طو پر یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ جو بات ہمارے لئے نہایت اہم ہے' شاید دوسرے کے لئے قطعی غیر اہم ہو۔" اُس نے کاغذات ساحر کو واپس کر دیئے۔

"ٹھیک ہے' رکھ لو اس نوجوان کو۔"

ساحر فون ملانے لگا۔

O☆O

"ٹرن۔ ٹرن۔ ٹرن۔" مسلسل بجتی بیل پر نگین جھلاتی ہوئی راہداری میں آئی تھی۔ "خدا یا دونوں یاجوج ماجوج کہاں سوئے پڑے ہیں۔" اظہر اور محسن کو کوستی ہوئی نگین نے ریسیور اٹھایا۔

"مسٹر محسن آفتاب کو بلا دیجئے۔" نمبر دُہرا کر تصدیق کرنے کے بعد کسی مرد نے ٹھہرے ہوئے پُر وقار اور نفیس لب و لہجے میں مخاطب کیا۔

"جی ایک منٹ۔" نگین نے یونہی ریسیور کان سے ہٹا کر اِدھر اُدھر دیکھا' ٹی وی روم خالی تھا' ڈرائنگ روم اور کچن کا دروازہ بند تھا۔ رقیہ خالہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں۔ نگین کا بستر انہی کے کمرے میں تھا۔ اگر رات کو جاگ کر لیکچر تیار کرنا ہوتا تو وہ ٹی وی روم میں آ جاتی تھی۔ ملحقہ والا کمرہ اظہر اور محسن کا تھا۔ اس کا دروازہ قدرے نیم وا تھا۔

"محسن۔ محسن۔ ارے بھئی' سنتے ہو یا کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے ہو۔" ریسیور اُس کے ہاتھ میں تھا اور وہ جھلاتے ہوئے اونچی آواز میں بلا رہی تھی۔ اس بات سے قطعی بے خبر کہ ساری آواز دوسری طرف سے سنی جا رہی ہے۔

"محسن۔ اظہر۔ یا خدا...... یہ لڑکے ہیں یا چھلاوے۔ ابھی تو یہیں تھے۔ مجال ہے جو بتا کر جائیں۔ یونہی دروازے کھلے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔" وہ صلواتیں سناتی ہوئی دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہو گئی اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ایکسکیوزمی۔ محسن تو اس وقت گھر پر نہیں ہے۔ آپ پلیز میسج نوٹ کرا دیں۔ جیسے ہی آئے میں بتا دوں گی۔" اُس نے شائستہ لہجے میں کہا۔

"انہیں کہئے گا' کل ملک کنسٹرکشن کمپنی کے آفس آ جائیں۔ ہم نے اُنہیں لیگل ایڈوائزر کے طور پر اپائنٹ کر لیا ہے۔ اپائنٹمنٹ سے قبل کچھ ضروری ڈسکشن کرنا ہے۔"

"جی بہتر۔ آپ کا نام......" نگین نے روانی سے مخاطب کیا۔

"ساحر ملک......"

"آپ پلیز' اپنے آفس کا ایڈریس بھی لکھوا دیجئے گا۔ مجھے یقین ہے کہ محسن بھول جائے گا۔ یہ دونوں بھائی بدنامی کی حد تک مشہور ہیں۔ دو ماہ ہو گئے ہیں' حضرات کو ابھی تک یاد نہیں ہوا۔" آخری جملہ اس نے خاصے جلے کٹے انداز میں ادا کیا تھا۔

''دھیان سے کمنٹ دیجئے۔ خیال رہے' آپ کا بے لاگ تبصرہ موصوف کے سلیکشن پر
اثر انداز ہو سکتا ہے۔'' ساحر کو جیسے اپنی مسکراہٹ روکنا دشوار ہو گیا۔ وہ اس بے نیاز و خود اعتماد آ
کی مالک خاتون کو بہ آوازِ بلند پکارتے اور جھلاتے سن چکا تھا۔ یہ گھریلو سی فضا اور رشتوں کی قر
اُسے اچھی لگی تھی۔ کسی تصنع' تکلف اور بناوٹ سے پاک۔ ملک ہاؤس کی یخ بستہ' برفیلی' کھنچی
پر تکلف و پُرتعیش فضا سے قطعی مختلف جس سے وہ الرجک رہتا تھا۔

''لیکن یہ رائے تو اُس کی ذات کے گھریلو کردار کے بارے میں ہے۔ آفیشلی یقیناً الر
اور سیریس رہے گا۔ یہ میرا خیال ہے۔''

نگین نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سنجیدگی سے بات کو سنبھالا دیا تھا۔

''چلیے مانے لیتے ہیں۔ او کے۔'' ساحر نے ریسیور رکھ دیا۔

''کیا کوہ قاف پر چلے گئے تھے؟'' باتھ روم سے نکل کر تولیہ رگڑتے محسن کو دیکھتے ہی وہ
برس پڑی۔

''نہیں تو۔ یہ خیال آپ کو کیسے آیا مس نگینہ۔'' محسن نے بلا کی حیرانی ظاہر کی۔

''تو پھر کیا موت کے کنویں میں موٹر سائیکل چلا رہے تھے جو جواب نہیں دیا۔ تمہار
متوقع باس کا فون تھا۔'' اُس نے تمام گفتگو دہرادی۔

''شکر ہے خدا کا۔ آخر ہم بھی جاب لیس کی فہرست سے نکل کر جاب فُل کی لائن
آئے۔ میں تو بھول ہی گیا تھا تقریباً۔ کوئی دو ماہ پہلے انٹرویو دیا تھا۔'' محسن جی بھر کر خوش ہوا
اظہارِ مسرت کے طور پر ٹی وی روم کے قالین پر دو قلابازیاں لگائیں۔

''دہی بڑے کے بارے میں کوئی اطلاع ہے اُستانی جی؟ اسے بھی تو بتاؤں۔'' خبر سُ
وہ اپنے ہم نوالہ و ہم پیالہ سے شیئر کرنے کو بے چین تھا۔ بیگم ریاض بھی شور سن کر آنکھیں ملتی ا
پر نیم ا تھیں۔ جاب کا سن کر بہت خوش ہوئیں۔

ہو۔'' اُ ''تو تمہاری طرف سے ٹریٹ پکی' مسٹر لیگل ایڈوائزر۔ ہے ناں۔'' نگین نے تصد
''ٹھی۔

ساحر نکل۔ ''جہانگیر'' پر چلیں گے سب!'' محسن بڑی ترنگ میں تھا۔

○☆○

''پتا نہیں کچھ دنوں سے طبیعت بہت گھبرا رہی ہے زری بیٹی۔ یوں لگتا ہے' جیسے کچھ ہونے
ا ا ہے۔ اللہ خیر کرے۔ مہراب نے بھی جا کر خبر نہیں پوچھی۔ بس اپنی خیر خیریت کا مختصر سا فون کیا
تھا اب تو اس بات کو بھی پندرہ بیس دن ہو چلے ہیں۔'' جیا ٹیرس پر بچھی نرم دری پہ بچوں کے ساتھ
لمی ہوئی تھیں۔

''پریشان کیوں ہوتی ہیں جیا۔ انشاءاللہ وہ ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ آپ کو تو یونہی وہم رہتا
ہے۔'' زرلالہ نے سیب کی قاشیں کاٹ کر پلیٹ اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے تسلی دلائی۔

''وہم نہیں بیٹے۔ کوئی بات ہے ضرور جو اتنے دنوں سے کھٹک رہی ہے۔'' اُن کا لہجہ
ملراب سے لبریز تھا۔ ''آخر اُس نے فون کیوں نہیں کیا دوبارہ۔ پہلے تو ایسا نہیں کرتا تھا۔''

''فرصت نہیں ملی ہو گی جیا۔ بتایا تو تھا اُنہوں نے کہ آج کل سپلائی بڑھ گئی ہے۔'' زرلالہ
نیں اعصابی طور پر پُرسکون رکھنے کی بڑے خلوص سے کوشش کر رہی تھی۔

''خبروں میں بتا رہے تھے' ساحلی علاقے سمندری طوفان کی لپیٹ میں آ گئے ہیں۔ سمندر
قریب رہائشی آبادی کے ساتھ ساتھ بہت سی کشتیاں اور لانچیں تباہ ہو گئی ہیں۔'' ٹی وی میں
ا ری صورت حال بتائی گئی تھی۔ دو تین دن سے شدید طوفانِ باد و باراں کی اطلاعات موصول ہو
ہی تھیں۔ جیا نے مہراب کے دیئے ہوئے مخصوص نمبر پر بار بار ٹرائی کیا تھا مگر رابطہ نہیں ہو سکا تھا یا
فون خراب تھا یا کوئی اٹینڈ کرنے والا نہیں تھا۔

''اچھا آپ ایسا کریں' اندر چل کر آرام کریں۔ کتنی راتوں سے آپ نے نیند نہیں لی۔
ں تو کتنی کمزور اور بیمار ہو گئی ہیں۔ مہراب بھائی آئے تو مجھ پر کتنا خفا ہوں گے۔ چلیں
یں۔'' وہ ان کی کمر کے گرد سہارا دے کر محبت سے اُٹھانے لگی۔

''مجھے نیند نہیں آئے گی بیٹی۔ تم تکلیف نہ کرو۔'' جیا نے نڈھال لہجے میں زرلالہ کا ہاتھ
ہا کر کہا۔

''مما' فون کی بیل ہو رہی ہے۔'' ٹیرس پر ٹرائی سائیکل چلاتے ولی کے کان بہت تیز تھے جو
نے نچلے فلور پر بجتی بیل سُن لی۔

''میں دیکھتی ہوں۔''

''میں بھی چلتی ہوں بیٹے۔'' جیا بے تابانہ اُس کے پیچھے آئیں۔ زرلالہ اُن کی مخدوش ذہنی

کیفیت پر سخت فکر مند تھی۔

''ہیلو۔'' ریسیور اٹھاتے ہوئے جانے کیوں زرلالہ کا لہجہ مرتعش ہو گیا تھا۔

''یہ مہراب حسین کا گھر ہے؟'' کھڑکھڑاتے ہوئے پیشہ ورانہ انداز میں پوچھا گیا۔

''جی ہاں۔'' زرلالہ کا دل دھڑکنے لگا۔

''میرا تعلق ہاربر پولیس ڈیپارٹمنٹ سے ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس آپ کے لئے کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔''

زرلالہ کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ پورے جسم پر چیونٹیاں رینگ گئی تھیں۔ اُسے لگا' جیسے وہ اپنے قدموں پر کھڑی نہیں رہ پائے گی۔

''جی جی کہیے۔'' پسینے سے شرابور ہاتھ سے ریسیور پھسلتے پھسلتے بچا تھا۔ اُسے خود اپنی آواز اجنبی لگی۔

''مہراب حسین کی لانچ سمندر میں اُلٹ گئی تھی۔ طوفان اتنا شدید تھا کہ لانچ اور اس پہ سوار آدمیوں کا بچنا ممکن ہی نہیں تھا۔ اُن کی لاش تین دن کی تلاش کے بعد مل گئی ہے۔ یہاں سے آج شام اسلام آباد روانہ کر دی جائے گی۔ ہم آپ کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔ حکومت متاثرین کی پوری پوری مالی امداد کرے گی۔''

''کیا ہوا۔ زری کیا ہوا۔ بولو......'' ساکت و صامت کھڑی زرلالہ کے ہاتھ سے ریسیور پھسل کر زمین پر آ رہا تھا۔ اُسے سکتے کے عالم میں کھڑا دیکھ کر جیا دیوانہ وار اُسے جھنجھوڑنے لگیں۔

۞۞۞
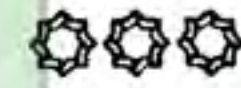
''کیا ہوا زری۔ کچھ تو بولو۔'' جیا کے لب' لہجہ حتیٰ کہ پورا سراپا کانپ رہا تھا۔ زرلالہ کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔

''اوہ' میرے خدایا۔ کس دل سے ماں کے کلیجے میں اس قیامت خیز خبر کے پنجے گاڑوں۔ کن لفظوں میں اُس کی گود اُجڑنے کی اطلاع فراہم کروں۔''

''بتاؤ۔ بتاؤ لڑکی۔ مجھے بتاتی کیوں نہیں ہو۔ کیا ہوا ہے' میرے بیٹے کو۔'' وہ ہذیانی انداز میں اسے جھنجھوڑنے لگیں۔ آنکھیں بے یقینی سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔ ہونٹ خشک' مرتعش اعضاء اور حواس سے بیگانہ انداز۔

''کس نے فون کیا تھا۔ مہراب کے بارے میں کیا بتایا ہے۔ ارے پھونک ڈالو میرا کلیجا۔ جلا دو میرے دل کو۔ سنا دو مجھے۔ سنا دو کہ خاوند کے بعد میں بیٹے کی لاش پہ رونے کو زندہ رہ گئی تھی۔''

شاید یہ بھی ممتا کا کوئی وجدان تھا۔ کوئی عرفان تھا کہ وہ خبر کا حرف حرف زرلالہ کے چہرے کی کتاب سے پڑھ چکی تھیں۔

''مہراب بھائی اب ہم میں نہیں رہے جیا۔''

''کہاں چلا گیا ہے میرا مہراب۔'' جیا کا پورا جسم آن کی آن میں پتھر بن گیا۔ چہرے کے

تاثرات عجب وحشت زدہ انداز میں کھنچ کر جامد ہو گئے۔ یوں جیسے ہپناٹائز کر دی گئی ہوں۔

''وہ ہم سے بہت دور چلے گئے ہیں جیا۔'' زرلالہ سسکیاں بھر رہی تھی۔ اچانک اس
محسوس کیا' اس کے بازوؤں میں مقید نحیف سراپا بھر بھری مٹی کی طرح نیچے کو ڈھے رہا ہے۔

''جیا۔ جیا۔'' اس نے ہول کر اُن کا چہرہ اوپر اُٹھا کر تاثرات جانچنے کی کوشش کی۔

اُن کی آنکھیں اوپر کو چڑھ گئی تھیں اور چہرہ زرد ہلدی ہو گیا تھا۔ بوکھلائے ہوئے انداز
اس نے نبض چیک کی۔ سانسیں سننے کی کوشش کی مگر نتیجہ ندارد۔ اُن پر سکتہ طاری ہو چکا تھا۔

''جیا کو کیا ہوا ہے مما۔'' سہمے ہوئے بچے بے قرار آنکھوں سے ماں اور جیا کی کیفیت نو
کر رہے تھے۔

زرلالہ کو جواب دینے کا یارا کہاں تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

''کیا کروں آخر۔'' اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

ننگے پیر دوڑ کر گیٹ تک آئی۔ سڑک پر نگاہ دوڑائی پھر مایوسی کے عالم میں دوبارہ اندر آئی
جیا بدستور ساکت وصامت فرش پہ بکھری پڑی تھیں۔

''گاڑی کا انتظام تو نہیں ہو سکتا مگر ٹیکسی' ہاں ٹیکسی میں کمپلیکس ہاسپٹل تو لے جا سکتی ہوں
ناں۔''

وہ اپنے ماتھے پر دستِ حماقت ثبت کرتی ہوئی جوتی پاؤں میں اُڑس کر غیر متوازن قدم
سے دوبارہ سڑک پر آئی۔ کچھ دور چلنے کے بعد جب کراچی کمپنی کی طرف جاتی ڈبل روڈ پہ آئی
ٹریفک کے ہجوم میں ایک خالی پیلی ٹیکسی حاصل کرنے میں خاص دشواری پیش نہیں آئی۔

گو کہ اس نے اس سے قبل ٹیکسی پر سفر نہیں کیا تھا مگر اب اجنبی پر بھروسا کرنے اور
سوچے سمجھے چھلانگ لگا دینے کے سوا چارہ کار بھی نہ رہا تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور سے کہہ کر اس کی مدد سے جیا کو پچھلی سیٹ پر لٹانے کے بعد اس نے کسی
طرح تینوں بچوں کو بھی ہمراہ بٹھایا اور گیٹ لاک کرنے کے بعد ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کیا۔

ایمرجنسی میں پہنچتے ہی جیا کو فوراً آئی سی یو میں ایڈمٹ کر لیا گیا۔

''اُن کا دماغ اور جسم دونوں مفلوج ہو گئے ہیں۔ فی الحال سخت حفاظتی اقدامات کی ضرورت
ہے۔ یہ یہیں ہاسپٹل میں رہیں گی۔ شاید آپریشن کی ضرورت بھی پڑے۔''

دو گھنٹوں کے طویل انتظار کے بعد بالآخر ایک نرس کی منت سماجت کے بعد صورتِ حال
ہوئی تھی۔

''مما۔ یہ ہم کہاں آ گئے ہیں۔ جیا کو ڈاکٹر کدھر لے گئے ہیں۔ اُنہیں کیا ہوا ہے۔'' ہاسپٹل
ریڈور میں انتظار کی طوالت سے گھبرائے خوف کے شکنجے میں مقید بچوں کے ننھے منے
اب جواب دے گئے تھے۔ سارہ اور ولی نے بلا جھجک رونا شروع کر دیا۔

''کچھ نہیں ہوا بیٹے۔'' زرلالہ خود اپنی جگہ اذیت و بے بسی کی آگ میں جھلس رہی تھی۔

''بے آسرا تو ہمیشہ سے رہی ہوں' میرے مولا۔ مگر ایسی بے چارگی اور بے کسی اس سے قبل
دیکھی تھی۔'' وہ فرش پر بیٹھی دیوار سے سر ٹکائے دھیرے دھیرے سارہ کو تھپک رہی تھی۔ گاہے
ے اس کی نظریں آئی سی یو کے گلاس ڈور سے ٹکرا کر لوٹ آتیں۔

''اگر اس عورت کو کچھ ہو گیا تو میں کہاں جاؤں گی؟''

وہ جو میری کچھ بھی نہیں لگتی مگر جس نے دنیا تو دنیا اپنے بیٹے کے آگے میرا بھرم رکھنے کو مجھے
نے کی بھانجی بنا لیا تھا۔

شناسائی کا یہ چھوٹا رشتہ کس قدر سچا اور مضبوط ہے کہ میں اس کے بیٹے کا دکھ اپنے سینے میں
نا محسوس کر رہی ہوں۔ گھر۔ بچے۔ جیا۔ ہسپتال کی ضروریات اور شب بھر کا ٹھکانا۔ اسے سمجھ
یں آ رہا تھا' اتنے سارے مسائل سے تنہا کس طرح نپٹا جا سکتا ہے۔ بچوں کو زیادہ دیر تک یہاں
ال میں نہیں رکھا جا سکتا اور جو گھر چھوڑا جائے تو کس کے پاس اور کس کے بھروسے پر۔ ماسی
ٹ ٹائم ملازمہ تھی' جو دو تین گھنٹے میں کام نپٹا کر اپنے گھر واپس چلی جاتی تھی۔

''مما مجھے بھوک لگی ہے۔'' ولی نے معصومیت سے ماں کے کندھے ہلائے۔

''میں گھر جاؤں گی مما۔'' سارہ مچل مچل کر رو رہی تھی۔ شاید کوریڈور سے گزرتے آتے
لوگوں کے ہجوم سے گھبرا گئی تھی۔ علی البتہ بردباری سے خاموش کھڑا ایک ایک چیز کا جائزہ
رہا تھا مگر اس کی آنکھوں سے بھی خوف اور سراسیمگی مترشح تھی۔

''کیا کیا جائے۔ بچوں کے کھانے پینے اور آرام کا بندوبست ضروری ہے۔'' سوچ سوچ کر
دماغ چھلنی ہو گیا۔

پھر ایک اُمید جگمگائی۔ اس نے بچوں کو بہلا کر ٹیکسی...... رکوائی اور واپس گھر پہنچ گئی۔ اپنا

گیٹ کھولنے کی بجائے اُس نے یاسمین بیگم کا گیٹ بجایا۔

''جی بیٹا۔ کیا کام ہے۔ آؤ اندر آجاؤ۔'' بوا نے گیٹ کھولتے ہوئے آنکھوں کا چھجا بنا زرلالہ کو دیکھا تھا۔

''بوا یاسمین آنٹی یا اُن کی بیٹی مہرینہ گھر پر ہوں گی؟''

''نہیں بیٹا۔ ابھی ابھی کسی پارٹی پر گئی ہیں۔ خیر تو ہے ناں۔'' بوا اُس کا ستا ہوا پژمردہ چہرہ اور بھیگی پلکیں دیکھ کر معاملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

جواب میں زرلالہ نے چھلکتے آنسوؤں سے مختصراً مہراب کی موت کے بارے میں بتایا کمزور دل بوا جواں مرگی کی خبر سنتے ہی کلیجہ تھام کر رہ گئیں۔

''میں رات کو جیا کے پاس ہسپتال ٹھہروں گی۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اگر رات بھر لیے بچے اپنے پاس رکھ لیں۔ آپ کو تو بہرحال جانتی ہوں۔ بھروسا بھی ہے۔'' اس نے لجاجت سے درخواست کی۔

''کیسی بات کرتی ہو بیٹا۔ خدا دشمن پہ بھی یہ وقت نہ لائے۔ تم گھر اور بچوں کے بارے میں فکر نہ کرو۔ بی بی گھر پر ہوتیں تو میں تمہارے ساتھ ہسپتال چلتی۔''

''شکریہ بوا۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اچھا میں چلتی ہوں۔'' بڑی مشکل سے بچوں کو چمکار کر پھولوں والی آنٹی کے گھر ٹھہرنے پر آمادہ کیا تھا۔

واپس بھاگم بھاگ ہسپتال آئی تو کوئی دل خوش کن خبر اُس کی منتظر نہیں تھی۔

وہ کوریڈور کے بنچ پر خود کو گراتے ہوئے تھک کر ٹوٹنے لگی۔ ایک ایک کر کے تمام گزرے ہوئے مناظر یادداشت کی سکرین پر تھرک رہے تھے۔

وہ دمِ واپسی بُجھا بُجھا سا افسردہ انداز یاد آ رہا تھا۔

''ہاں سفر تو بہت لمبا ہے۔ واپسی کا ہر سفر بہت طویل ہو جاتا ہے۔'' مہراب نے کہا تھا۔

''کبھی کبھی تو بیچ بھنور میں پڑاؤ ڈالنے کو جی چاہتا ہے۔''

اور پھر جیا کی تاکید پر اوپری ہنسی سمیت بولا تھا۔

''کمال ہے جیا۔ آپ ہمیشہ سمندر کے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔ وہی تو ہے سکون آور آغوش میرا جی چاہتا ہے اُس کی گود میں آنکھیں بند کر کے پڑا رہوں۔ ایک طویل نیند لوں۔''

اور بالآخر اس نے یہی کیا۔ روح کا پنچھی اپنے محبوب سمندر کی لہروں کے حوالے کر دیا۔

آنسو چیونٹیوں کی لمبی سیدھی قطار کی طرح زرلالہ کی پلکوں سے سفر کرتے ہوئے ٹھوڑی سے لر دامن میں جذب ہوتے گئے۔

O☆O

''اب تمہارا زخم کافی حد تک مندمل ہو چکا ہے۔ میرے ساتھ ہسپتال چلو' ایک دو ضروری امور کرنا ہیں تاکہ ہر طرح سے اطمینان ہو جائے۔''

سرخ ڈاٹس والی قمیص اور سیاہ ڈاٹس والی شلوار کے ہمراہ چُنا ہوا سرخ و سیاہ دھاریوں والا ا سلیقے سے کندھے پر جمائے سیاہ ہینڈ بیگ ہاتھ میں تھامے شہریال کے ساتھ مخصوص خوشبو کا کا بھی اندر داخل ہوا تھا۔

سکندر نے دلچسپی سے اس کا سراپا جانچا۔

''آپ میرے اتنے معمولی سے زخم کے لیے فکر مند کیوں ہیں' شہریال بی بی۔''

وہ ترسی ہوئی ستائشی نگاہ سے اس کا روپ چُرا کر دھڑکتے دل سے بولا۔

''احتیاط نہ کی جائے تو معمولی زخم بھی رِس کر ناسور بن جاتا ہے۔ لاؤ دکھاؤ' ڈریسنگ بدلنے ضرورت ہے یا نہیں۔'' پلنگ کے قریب آ کر اس کی پیشانی پر جھک گئی۔ یوں کہ کندھوں پر لتے سلکی بال پھسل کر گردن اور گالوں کا احاطہ کر گئے۔ جھکنے سے دوپٹے کا ایک پلو سکندر کے پر آ گرا تھا۔

اس کی سانس اٹک کر رہ گئی۔

آنچل سے اُٹھتی عطر بیز مہک اور اس کا نرم و ملائم لمس اوڑھنے والی کے وجود کی لطافت سے الی کروا رہا تھا۔ سکندر کے دل کے پنجرے کا پنچھی یوں زور و شور سے پھڑ پھڑایا' جیسے قیامت پڑی ہو۔ گویا پلو کی بجائے شہریال کا حشر ساماں وجود سینے سے آ لگا ہو۔

شہریال اُس کی کیفیات سے بے خبر پیشانی کی ڈریسنگ چیک کر رہی تھی۔

''اب تو کافی بہتر ہے۔'' وہ جائزہ لے کر بولی۔

''درد تو نہیں ہوتا؟''

جواب میں سکندر خاموش رہا۔ اس امتحان میں ڈالنے والی قربت نے اسے جواب دینے

کے قابل کہاں چھوڑا تھا۔

''جواب کیوں نہیں دے رہے بھئی۔ اور یہ تمہاری آنکھیں کیوں لال ہو رہی ہیں۔'' اس خوبصورت شنگرفی لب حیرت سے سکڑے اور کوئی جان سے گزر گیا۔ جواب میں سکندر کا دل ب تھا۔

سن اے میرے جنوں کی حاصل
اِن آنکھوں میں تیرے عشق کے ڈورے تیر رہے ہیں۔
اِس دل پہ تیرے ستم پرور فتنہ ساماں قرب کی بجلیاں کڑک رہی ہیں۔
اِس وجود کے سمندر میں تیری صورت کے چاند نے تموج برپا کر رکھا ہے۔

''سکندر کیسا محسوس کر رہے ہو تم؟'' اس کی مسلسل خاموشی اور ہیجان سے اینٹھتے کھلتے ہوتے لرزتے ہاتھوں نے شہریال کو پریشان کر دیا۔

''مر جانے کو جی چاہتا ہے۔'' اب کے بار بھی اس کا دل جواباً بولا تھا۔ لب البتہ خاموشی قفل چڑھائے ایک دوسرے پر جمے رہے۔ نظریں دیوانوں کی طرح شہریال کے چہرے کا ای ایک نقش از بر کر رہی تھیں۔

کچھ چہروں میں اتنی کشش اور جاذبیت کیوں ہوتی ہے۔ صدیوں دیکھتے رہو مگر دل اور نہ نہیں بھرتی۔

کیا میرا عشق اتنا طاقتور ہے جس نے تمہاری ذات کو سورج بنا کر مرکزِ نگاہ ٹھہرا دیا ہے یا؟ تمہارے اندر کچھ ایسی خیرہ کر دینے والی طلسمی شعاعیں ہیں جو دل والوں کو بھسم کر دیتی ہیں؟

شہریال اس کے ایک ٹک نظر جما کر دیکھتے رہنے سے سٹپٹا سی گئی تھی۔ یوں جیسے اُلجھاؤ کے چکر میں آ گئی ہو۔

''سکندر؟'' اب کے لہجے میں نمایاں تشویش تھی' جیسے یہ کہنا چاہتی ہو' کہیں چوٹ کا اثر دما تک تو نہیں آ گیا؟

وہ ہڑبڑا کر حواسوں میں لوٹ آیا۔

''جی۔ جی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں' شہریال بی بی۔'' وہ جلدی سے پلنگ سے نیچے اُتر

''چلیے میں آپ کو ہسپتال چھوڑ آؤں۔''

''رہنے دو۔ فتح محمد جیپ ڈرائیو کر لے گا۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

''آرام؟'' سکندر کی نظر ایک بار پھر بھٹک کر اس کی طرف اُٹھ گئی۔

میرے آرام و سکون کا خزانہ تو تمہارے وجود کی لطافتوں سے عبارت ہے۔
تم ہو میرے قرار کا منبع۔
میری بے تابیوں کا حاصل۔
میری بے خواب رُتوں کا خمار۔
میری شوریدگی کا علاج۔

''میں ڈرائیو کر لوں گا۔ فتح محمد کو رہنے دیں۔'' اس نے اصرار کیا تو شہریال خاموش ہو گئی۔

آباد سے اسلام آباد کمپلیکس ہاسپٹل تک کا سفر سکندر نے جیسے کسی خواب میں طے کیا تھا۔

شہریال اپنی ازلی بے نیازی دلاپرواہی سے پچھلی سیٹ پر کھڑکی پہ کہنی جمائے باہر جھانکتی ل۔ اس کے چہرے پہ وہی پُروقار و مکلف اور متین تاثرات تھے جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھے۔

شہریال ڈیوٹی روم سے ہو کر اسے سرجیکل وارڈ میں لے آئی۔ لیبارٹری ٹیسٹ اور ایکسرے ام سے فارغ ہو کر سکندر واپس جانے کے ارادے سے کوریڈور سے گزر رہا تھا' جب اچانک ی نظر ایک پریشان صورت دلکش لڑکی پر پڑی۔ وہ ملگجے لباس اور سفید چادر میں ملبوس بے اری سے آئی سی یو کے بند دروازے کی سمت دیکھ رہی تھی۔ اس کی رنگت گلابی تھی۔ ہونٹوں پہ ی جمی ہوئی تھی۔ خوبصورت سیاہ آنکھوں میں رت جگے کے ساتھ ساتھ عجیب سی اذیت کی مایاں بھی رچی ہوئی تھیں۔ سکندر کے قدم خود بخود سست پڑ گئے۔

''کیسے مخاطب کیا جائے۔'' وہ سوچتا ہوا قریب آ کر ٹھہر گیا۔

اسی لمحے وہ اچانک اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''بات سنیے۔ وہ جو ابھی آپ کے ساتھ تھیں' وہ ڈاکٹر ہیں یہاں؟'' اُس کا لہجہ پریشانی میں ا ہوا تھا۔

''جی ہاں۔ مگر......'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی گھبرائی گھبرائی مصیبت زدہ کیفیت کا جائزہ لگا۔

''کیا آپ بتا سکتے ہیں' وہ کس طرف گئی ہیں۔ میرا مطلب ہے' کہاں مل سکتی ہیں۔'' وہ

جلدی سے بولی۔

''آپ کو کیا پریشانی ہے۔ خدانخواستہ کوئی سیریس بات ہے؟''

''میری ایک بہت قریبی عزیزہ یہاں ایڈمٹ ہیں۔ وہ بیٹے کی موت کا صدمہ برداشت نہیں کر سکیں۔ اپنے حواس کھو بیٹھی ہیں۔ ڈاکٹرز نے اسپیشل کیئر میں رکھا ہے۔ کچھ خبر نہیں مل رہی' کس حالات میں ہیں۔ لواحقین کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ صرف متعلقہ عملہ ہی یونٹ میں آ سکتا ہے۔''

''میں پتا کروا دیتا ہوں۔ کیا نام ہے' آپ کی عزیزہ کا؟''

''جیا۔ میرا مطلب ہے' مسز عالیہ شہاب۔'' وہ جلدی سے بولی۔

سکندر سر ہلاتا ہوا انداز ے سے سرجیکل وارڈ کی طرف چلا گیا۔

کچھ دیر کی پوچھ تاچھ کے بعد شہریال کا پتا چل ہی گیا۔ اس نے مختصراً اسے اس لڑکی کی پرابلم بتائی۔ شہریال آئی سی یو سے ملحقہ کمرے میں چلی گئی۔ مریضہ کا نام بتا کر اس نے نرس سے معلومات لیں پھر واپس آ کر سکندر کو بتایا۔

''مریضہ کی حالت نازک ہے۔ شاید ایک عرصے تک وہ ذہنی اور جسمانی طور پر نارمل نہ ہو سکے گی۔''

سکندر نے واپس آ کر زرلالہ کو بتا دیا۔ اطلاع پاتے ہی اُس کا چہرہ کرب کی آماجگاہ بن گیا

''اوہ خدایا۔ کس آزمائش میں ڈالا ہے تُو نے۔'' اس نے سر پکڑ لیا۔

''مِس! اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو......'' سکندر کو اس معصوم صورت لڑکی پر خواہ مخواہ ترس آ رہا تھا۔ اس کی مدد کرنے کو جی چاہتا تھا۔

''شکریہ مسٹر......'' اس نے سوالیہ انداز میں سکندر کی طرف دیکھا۔

''سکندر عظیم اور آپ......؟'' وہ جھجکا۔

''زرلالہ۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں دوبارہ بنچ پر بیٹھ گئی۔

''بہر حال میں آپ کو تکلیف دینے کے لئے معذرت خواہ ہوں۔''

''شرمندہ نہ کریں۔'' ایک دو مزید رسمی باتوں کے بعد سکندر وہاں سے رخصت ہو گیا۔

سوچ رہا تھا۔ جانے غم کے ماروں کی کون سی نشانیاں مشترک ہوتی ہیں جو اُن کو دیکھتے یا ملتے ہی غیر

س طور پر اپنائیت اور قربت جاگنے لگتی ہے۔

O☆O

''یہ دیکھو علی۔ یہ گلِ نگینہ ہے۔ اس کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ دیکھنے میں مٹر کے پھول سے ابہ ہوتا ہے اس لئے اسے آسٹریولی مٹر بھی کہتے ہیں۔ اس کا پھول درمیان سے گہرا سیاہ اور اروں سے سرخ ہوتا ہے۔ یہ دیکھو۔'' مہرینہ تینوں بچوں کو لے کر لان میں اپنے ڈھیروں ڈھیر وں اور کیاریوں کے پودوں سے متعارف کروا رہی تھی تاکہ وہ کسی طرح بہلے رہیں۔ مگر بچوں کی دلی اُن کے چہروں سے عیاں تھی۔

''آنٹی میری مما کہاں ہیں۔ جیا کہاں گئی ہیں۔ آپ مجھے ان کے پاس لے چلیں۔ میں مما کے پاس جاؤں گا۔'' ولی بسوا تو سارہ بھی رونے کے لئے پر تولنے لگی۔

''مما ضروری کام سے گئی ہیں بھئی۔ کتنی بار تو بتایا ہے۔ اچھا یہ دیکھو' یہ سناوبر کا پودا ہے۔ رہے ہو ناں' یہ جھاڑی نما پودا۔ مارچ اپریل میں اس پر سفید گلابی اور سرخ نیلے بہت سے پھول لتے ہیں' یہ سائے میں زیادہ جلدی بڑھتا ہے اور......''

''آنٹی پلیز۔ آپ ہمیں صرف یہ بتائیں' ہماری مما کہاں ہیں......''

علی نے حتی الامکان مودبانہ لب ولہجہ اختیار کرتے ہوئے احتجاج کیا۔

مہرینہ گہری سانس بھر کر اُن کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیا چیز ہو بھئی تم۔ اتنی اہم انفارمیشن دے رہی تھی اور صاحب بہادر دلچسپی نہیں لے ۔'' وہ جھلائی۔

''آرام سے بیٹا۔ ڈانٹ کیوں رہی ہو۔ بچے ہیں آخر۔'' بوا سارہ کے لئے دلیہ پلیٹ میں لئے چمچ گھماتی باہر آ رہی تھیں۔

''اتنی دفعہ تو بتا چکی ہوں مما آ جائیں گی تھوڑی دیر میں۔ سنتے ہی نہیں۔ صبر بھی کوئی چیز ہوتی ''

''تم میں کون سا ہے۔ ہر بات میں جلدی' غصہ' شور شرابا۔''

بوا سارہ کو گود میں لے کر دلیہ کھلانے پر آمادہ کرنے لگیں۔

''آپ تو بس ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔'' مہرینہ نے منہ بنایا۔

''مماجیا کو لے کر کہاں گئی ہیں؟'' ولی سنجیدگی سے بوا سے سوال کر رہا تھا۔

''میرے بچے' وہ جیا کا علاج کرانے گئی ہیں۔ جیا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی ناں۔'' بوا اُسے چمکار کر بولیں۔

''کیا ہوا تھا انہیں؟''

''ایں۔ وہ۔'' بوا گڑبڑا گئیں۔ ''بس ایسے ہی۔ بندہ بیمار بھی تو ہوتا ہے ناں۔''

''مگر پھر ڈاکٹر کو دکھانے کے بعد واپس بھی تو آ جاتا ہے۔'' بچے نے فوراً جرح کی۔

بوا بے چارگی سے مہرینہ کی طرف دیکھنے لگیں' جیسے پوچھ رہی ہوں' اِن بے قرار روحوں کی تشفی کے لئے کس قسم کا جھوٹ بولا جائے جسے اِن کی عقل تسلیم کر لے۔

اسی لمحے مہرینہ کی نظر ادھ کھلے گیٹ سے سامنے والے گھر کے گیٹ پر ہارن بجاتی ایمبولینس پر پڑی تھی۔

''ارے ایمبولینس آئی ہے۔'' بوا جلدی سے اُٹھ کر گیٹ کی طرف گئیں اور پٹ کھول کر سامنے دیکھنے لگیں۔ مہرینہ اور بچے بھی پیچھے آئے۔

''یہ تو ہمارے گھر کے آگے رُکی ہے۔'' علی حیران پریشان دکھائی دیا۔

''ہاں۔ شاید لاش لے کر آئے ہیں۔'' مہرینہ اپنی جھونک میں بولی۔

''لاش؟'' علی اور ولی خوفزدہ سے اس کی صورت دیکھنے لگے۔

بوا نے کلیجہ تھام لیا۔

''اے' خدا کا نام لو بیٹا۔ کیسے مُنہ بھر کر بچوں کے سامنے کہہ ڈالا۔'' رقیق القلب بوا کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔

''آہ۔ کیسی بدنصیب ماں ہے۔ جوان بیٹے کو اپنی آنکھوں سے......''

بوا شاید کچھ اور بھی کہتیں مگر علی اور ولی کی چیخوں نے انہیں جملہ ادھورا چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

''کس کی لاش۔ کیسی لاش بتائیں ناں آنٹی۔'' وہ بوا کو جھنجھوڑ رہے تھے۔

مہرینہ کا ہاتھ ہلا ہلا کر ہراساں انداز میں پوچھ رہے تھے۔ اُنہیں بچوں کو سنبھالنا محال ہو گیا تھا۔

O☆O

''کیسا رہا' نئی جاب کا تجربہ نکے پانڈے۔'' اظہر ٹی وی روم کے تخت پر دراز ریموٹ کنٹرول سے کھیل رہا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ آج اتوار تھا اس لئے سب ہی گھر میں تھے۔

''اچھا رہا۔ بس سپروائزر ذرا عجیب سا ہے۔ مسٹر جابر علی۔''

''عجیب سے آپ کی کیا مراد ہے۔ مثال دے کر واضح کریں۔''

''بس کچھ نک چڑھا' سرد و شاپ اور تنگ نظر سا۔ ہر وقت چہرے پر کرختگی اور بے حسی چھائی تی ہے۔ مثال سے کیا وہ موصوف تو اپنے نام سے ہی واضح ہو جاتے ہیں۔ سچ مچ کے جابر اور دل۔ افوہ فارورڈ کیوں کر رہے ہو؟'' قالین پہ اوندھے لئے محسن نے اظہر کے ہاتھ سے وٹ کنٹرول جھپٹنے کی کوشش کی۔

''نہایت بیکار موؤی ہے۔ یہ سین تو ویسے بھی ناقابلِ برداشت حد تک چیخنے چلّانے والا ہے؟'' وہ موؤی لگا کر بیٹھے تھے۔

''کیا ہے......؟'' محسن جھنجھلا کر اُٹھا اور ریموٹ کنٹرول اظہر کے ہاتھ سے لے کر دوبارہ ورڈ کرنے لگا۔

''کب تک یہ نحوست پھیلائے رہو گے۔'' کچن میں مصروف نگین سبز شال کے پلّو سے پونچھتی اندر داخل ہوئی' رقیہ خالہ کی دو تین سہیلیاں شام کی چائے پر آ رہی ہیں۔ میرے ساتھ ارکیٹ چلو کچھ چیزیں لانی ہیں۔'' وہ باری باری دونوں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''وہی بڑے کو لے جائیں استانی جی۔ خواہ مخواہ میرا مزہ بھی کرکرا کر رہا ہے۔'' محسن موؤی ین میں دُھت تھا۔

''چلیے نمونہ جی۔ ہم ہی چلے چلتے ہیں۔'' اظہر کسل مندی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میرے لئے شاہی قلفہ لیتے آنا۔ سن رہے ہو' ہی بڑے۔'' محسن نے لجاجت سے ہانک ائی۔

''بالکل نہیں سن رہا۔ میرا نشریاتی رابطہ اچانک منقطع ہو گیا ہے۔''

''اور بیگا بیکر سے گلاب جامنیں بھی لیتے آنا؟'' محسن نے ڈھٹائی سے ہانک لگانا جاری ا' تاوقتیکہ وہ گیٹ سے باہر نہیں نکل گئے۔

آئی ٹین مرکز کی مارکیٹ کا گھر سے پیدل کا راستہ تھا۔ وہ لوگ چہل قدمی کرتے ہوئے پانچ

سات منٹ میں پہنچ جاتے تھے۔

''اُفوہ۔دیکھ کراظہر۔اندھوں کی طرح کیوں سڑک کراس کررہے ہو۔''

مارکیٹ کے سامنے مین روڈ کراس کرتے ہوئے اظہراپنی ازلی لاپروائی کے سبب ٹرک سے آگے آتے آتے بچا تھا۔نگین نے بے ساختہ اس کا بازو پکڑ کر کھینچا تھا۔

''کہاں کھوئے ہوئے تھے؟''وہ بدستورا سے ڈانٹ رہی تھی۔

''تم سے رومینس چل رہا ہوتا تو کہہ دیتا تمہارے جلووں میں۔اب کیا کہوں۔سوائے اس کے کہ''حسن کبانہ''میں بننے والے سیخ کبابوں کی خوشبو بہکارہی ہے۔''اظہر ہنس کراس کی طرف دیکھنے لگا۔''حسن کبانہ''آئی ٹین مرکز کا واحد ریسٹورنٹ تھا۔وہ لوگ اکثر یہاں سے تازہ بنی سنیکس منگواتے تھے۔

''بکواس نہ فرمائیں۔اچھا سنو'تم جا کر انہیں سیخ کباب اور حلیم کا آرڈر دے آؤ۔پیک کرا لینا۔میں''بیگا بیکرز''سے ہوکر آتی ہوں بلکہ وہیں تمہارا انتظار کروں گی۔''

وہ قلفہ فالودہ والی شاپ سے گزر کر خرم فوٹوز کے آگے بنے چبوترے سے ہوتی ہوئی سیڑھیاں اُتر کر بیگا بیکرز میں گھس گئی۔شاپ کے اندر داخل ہوتے ہی اُس کی باہر نکلتے ایک صاحب سے زوردار ٹکر ہوئی۔

''آ۔آؤچ......''اُس کا سر بڑی زور سے موصوف کے فولاد بنے چوڑے شانے سے ٹکرا تھا۔دن میں بیچ بیچ تارے نظر آگئے۔

''معاف کیجئے گا۔''ٹکرانے والے صاحب نے اُس کا بازو تھام کر قدموں پہ ٹھہراتے ہوئے عجلت بھری ندامت کا اظہار کیا۔

''کوئی بات نہیں۔غلطی میری بھی تھی۔''ہوش وحواس بحال ہونے پر نگین نے رواداری سے کہتے ہوئے مقابل پر نظر ڈالی۔

کریم کلر کے سفاری سوٹ میں ملبوس انتہائی سنجیدہ وسحرانگیز' دلکش شخصیت ایک تمکنت اور سطوت کے ساتھ اس کے سامنے ایستادہ تھی۔اتنی انتہائی قسم کی سنجیدگی وگمبھیرتا اور استقلال و استقامت اس نے کبھی کسی مرد میں نہیں دیکھی تھی۔چال ڈھال اور تاثرات سے اس کے ٹھوس اور عملی طرزِ فکر کی جھلک نمایاں تھی۔

''آیئے پلیز۔''اس نے سائیڈ پر ہوکر مہذبانہ وشستہ انداز میں کہتے ہوئے نگین کو اندر آنے کا اشارہ کیا اور خود باہر نکل گیا۔

نگین کانوں کے پاس جھولتی لٹ کو انگلیوں میں جکڑ کر ربن کے اندر ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے آگے بڑھنے کو تھی' جب فرش پر گرے گلابی رنگ کے نفیس کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈ پر نظر پڑی۔اس نے جھک کر اُٹھایا اور اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔

''ساحر ملک۔''وہ نام پڑھتی ہوئی بڑبڑائی۔

''ارے'یہ تو انہی صاحب کا ہے جو ابھی گئے ہیں۔''وہ تصویر دیکھتے ہی چونک اُٹھی پھر تیزی سے مُڑ کر دیکھا۔اس سے ٹکرانے والے صاحب گرے ٹیوٹا کریسڈا کار کا لاک کھول رہے

''بات سنیئے'ساحر ملک صاحب۔یہ آپ کا آئی ڈی کارڈ۔''وہ تیز تیز قدموں سے اس کے قریب آئی تھی۔

ساحر چونک کر مڑا۔پھر کارڈ اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھا۔

''اوہ۔''شاید ٹکر کے دوران جیب سے پھسل کر نیچے گر پڑا تھا۔

''شکریہ خاتون۔آپ نے مجھے ایک طویل زحمت اور کوفت سے بچالیا۔''وہ سنجیدگی سے گویا ہوا اور سرسری نگاہ سبز اور گلابی پرنٹ کے سوٹ پر سبز شال اوڑھے براؤن آنکھوں والی اس لڑکی پر ڈالی۔

''اگر آپ بُرا نہ مانیں تو ایک سوال کرسکتی ہوں؟''نگین اس کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے سوچ رہی تھی۔

''جی فرمایئے۔''لڑکی کے مہذب ومتین انداز واطوار کی وجہ سے وہ اس کی بات سننے کے لئے رک گیا تھا۔وگرنہ یہ اس کی عادت میں شامل نہیں تھا۔

''کیا آپ ملک کنسٹرکشن کمپنی کے نام سے واقف ہیں؟''وہ کسی نتیجے پر پہنچنا چاہ رہی تھی۔

''جی ہاں۔میں اس کمپنی کا مالک ہوں۔''اُس کا تحیر جوابی ردِعمل تھا گویا۔

''اوہ۔''نگین پُرجوش ہوگئی۔''میرے ایک کزن وہاں جاب کرتے ہیں۔ابھی کچھ ہی دن ہوئے ہیں۔یاد کیجئے'آپ نے کسی محسن آفتاب کے ہاں فون کیا تھا'اپائنٹمنٹ کال کے لئے۔

آپ کی مجھ سے بات بھی ہوئی تھی۔''

اب ساحر کو اچھی طرح یاد آ گیا۔ وہ گھریلو سی خوشگوار اپنائیت بھری فضا جس کا اندازہ ا
نے فون پر ہونے والی بات چیت سے لگایا تھا۔ اب کے اس نے خصوصی دلچسپی سے نگین کا س
دیکھا۔

''اچھا تو آپ ہیں' اُن کی کزن جن کو شکوہ ہے کہ محسن کو ابھی تک آپ کا صحیح نام یاد نہ
ہوا'' ساحر نے اُس کی گفتگو کا حوالہ دیا۔ ''کیا آپ کا نام بہت مشکل ہے؟'' وہ متبسم ہوا۔

''بالکل بھی نہیں۔ نگین تو نہایت سادہ اور مختصر نام ہے۔ دعائیں دیجئے' محسن کی یادداشت
بس۔'' نگین کا لب ولہجہ ہلکا پھلکا اور رواں تھا۔

''بہر حال محسن کے باس سے مل کر دلی خوشی ہوئی۔ کبھی آیئے گا غریب خانے پر۔'' نگ
اخلاقاً بولی اور واپسی کے ارادے سے قدم بڑھانے چاہے۔ ساحر نے پُر تکلف انداز اختیار کر
جس سے انکار یا اقرار کا اندازہ لگانا مشکل تھا ''یہ کارڈ رکھ لیجئے۔ کسی مدد کی ضرورت ہو تو بتایئے گا
مجھے آپ کے کام آنا اچھا لگے گا۔'' یہ کہہ کر ساحر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

نگین اُچٹتی نظروں سے کارڈ کا جائزہ لیتی ہوئی کندھے اُچکا کر دوبارہ بگا بیکرز میں دا
ہوگئی۔

○☆○

زرلالہ کی تو محلّے میں اتنی شناسائی یا سلام دعا نہیں تھی' وہ فطرتاً کم گو اور تنہائی پسند لڑکی تھی'
جیا سے مسز شہاب کے طور پر بھی بخوبی واقف تھے۔ وہ آس پڑوس کے دکھ سکھ میں برابر شر
رہتی تھیں اس لئے مہراب کے کفن دفن اور رسمِ قل کا اہتمام محلے کے بزرگ مرد و زن نے اپنے ذمہ
پر کیا تھا۔ کچھ لوگ خبر گیری کے لئے ہسپتال بھی گئے تھے۔ ڈاکٹرز کے مشورے پر جیا کو پرائی
روم میں منتقل کر دیا گیا تھا' جہاں وہ برف کی سل بنی ہوش و حواس سے بیگانہ بستر پر آنکھیں بند
پڑی تھیں۔

زرلالہ کا زیادہ تر وقت ہسپتال میں ہی گزرتا تھا۔ گھر آتی تو پُرسہ دینے اور حادثے
تفصیلات جاننے کے خواہش مندوں کا تانتا بندھ جاتا۔ بچوں کو دن میں ہسپتال ساتھ لے جاتی ا
شام کو یاسمین بیگم اور بوا کے پاس چھوڑ جاتی۔ اُن کی وجہ سے اس کو بچوں کی طرف سے قدر

ینان حاصل ہو گیا تھا مگر ایسا کب تک چل سکتا تھا۔

خیر خیریت معلوم کرنے والوں کا جمگھٹا بھی آہستہ آہستہ چھٹتا جا رہا تھا۔ ظاہر ہے' اتنی تیز
ار دنیا میں جہاں ہر شخص اپنی جگہ مصروف تھا۔ اپنے کام کا ہرج کر کے کب تک پوچھ تاچھ کو آتا۔
ں کی سکولنگ بُری طرح متاثر ہو رہی تھی۔ کتنے دنوں سے سکول کی شکل نہیں دیکھی تھی۔

روزمرہ کے تمام معمولات الٹ پلٹ ہو کر رہ گئے تھے۔

حکومت کی طرف سے اس حادثے کے متاثرین کو پچاس پچاس ہزار کی امدادی رقوم دی گئی
ں۔ مگر پچاس ہزار کی اس رقم کا دو تہائی حصہ ہسپتال کے اخراجات کی مد میں خرچ ہو چکا تھا اور
ابھی مزید ہزاروں روپے اُٹھنے تھے۔

پرائیویٹ روم کے روزانہ کے چارجز' مہنگی ترین ادویات' انجکشن' آئے دن لیبارٹری کی
ورلس پر اُٹھنے والی رقم' ٹیکسیوں میں آنے جانے کا خرچہ پھر گھر کا بجٹ۔

دن بدن زرلالہ مصائب و مشکلات اور مسائل کے بوجھ تلے دبتی چلی جا رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں
اتا' کس کے ساتھ یہ بوجھ شیئر کرے۔

کس سے نجات کی منزل کا راستہ پوچھے۔

اور نجات تھی بھی کہاں۔

کچھ لوگ پیدائشی قیدی ہوتے ہیں۔

دکھ کے قیدی' تکلیف کے' مسائل کے' حالات اور جذبات کے قیدی۔ وہ ہر طرف سے
ے ہوئے ہوتے ہیں۔ چاروں اطراف سے مقید محصور۔ زرلالہ بھی اپنی ذات کی قید میں تھی۔

اپنے ''اندر'' کی قیدی۔

جیا کو نئی زندگی نہ ملی تو وہ کہاں جائے گی؟

اکیلی اس دھاڑتے چنگھاڑتے بے رحم معاشرے میں کہاں سر چھپائے گی۔ اپنے بچوں کو
ں طرح پالے گی؟ کہاں سے کما کر کھلائے گی؟ سوالات کے مہیب عفریت ہر رات جبڑے
ول کر بھیانک انداز میں اس کے گرد چکر لگانے لگتے اور وہ بے بسی سے نیم مردہ پڑی جیا کا سرد
الے چہرہ دیکھ کر رہ جاتی۔

وہ کرسی پر بُت بنی بیٹھی بے خیالی میں جیا کے چہرے پر ٹکٹکی باندھے سوچ رہی تھی کہ معا

کسی نے بہت زور سے اُس کا کندھا ہلایا۔

وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ پیرامیڈیکل سٹاف کی ڈاکٹر شہریال آج نائٹ ڈیوٹی پر تھی۔

''آئی ایم سوری۔ میں بہت دیر سے آپ کو آوازیں دے رہی تھی' جب اتنے قریب بار بار بلانے کے باوجود متوجہ نہیں ہوئیں تو مجھے مجبوراً آپ کو جھنجھوڑنا پڑا۔ آپ شاید سوچوں میں بہت دور نکل گئی تھیں۔''

شہریال سفید اوورآل پہنے گلے میں سٹیتھوسکوپ لٹکائے براؤن گرم اُونی سوٹ میں ملبوس شائستگی سے مخاطب تھی۔

''جی بس۔ یونہی۔'' زرلالہ نے دھیمی سی اُداس آواز میں کہا۔

''فکر نہیں کریں۔ اُنہیں ہوش آ جائے گا' انشاء اللہ۔ ہمت کیوں ہارتی ہیں۔ اللہ سے اچھی اُمید رکھیں۔'' شہریال نے بڑے سبھاؤ سے تسلی دی۔

''شکریہ ڈاکٹر۔ آپ بہت ہمدرد اور نیک دل ہیں۔'' زرلالہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

شہریال نے بغور اُس کا جائزہ لیا۔

ہلکے سفید و سیاہ پرنٹ کے سادہ لباس اور سیاہ شال میں اس کی گلابی مخملیں رنگت پھوٹی رہی تھی۔

سراپا کیا دہکتا ہوا گلاب تھا گویا۔

وہ زرلالہ سے سکندر کے توسط سے ملی تھی۔ سکندر نے شہریال سے زرلالہ کی مدد کرنے کی درخواست کی تھی۔ اُسی نے بتایا تھا کہ یہ لڑکی شادی شدہ ہے' اُس کے تین بچے ہیں ورنہ وہ قیامت تک یقین نہ کرتی۔

اتنی اَن چھوئی سی نو دمیدہ کلی تین پھولوں کی تخلیق کار کیسے ہو سکتی ہے۔ ابھی تو وہ خود بھی کھل کر مکمل پھول نہیں بنی تھی۔

''کیا آپ کی شادی بہت کم عمری میں ہو گئی تھی؟'' وہ تجسس نہ دبا سکی۔

''جی۔''

''آپ کے شوہر کا انتقال کیسے ہوا؟''

''ٹرین کے حادثے میں انتقال کر گئے تھے۔'' وہ مختصراً بولی۔

''تب آپ کی شادی کو کتنے سال ہوئے تھے؟'' شہریال کی تسلی نہ ہوئی تو مختلف زاویوں الات کرنے لگی۔ وہ نوٹ کر رہی تھی' شوہر اور شادی کا موضوع چھڑتے ہی زرلالہ کو چپ ہاتی تھی۔ وہ گھبرا کر بوکھلا کر بات کا رخ بدلنے کی کوشش کرتی تھی۔ جیسے وہ اپنے مرحوم شوہر ارے میں کوئی گفتگو نہ کرنا چاہتی ہو۔ یہ امر شہریال کے لئے خاصا حیران کن تھا۔

''آپ کے شوہر تو آپ سے بہت پیار کرتے ہوں گے۔ آپ ہیں ہی پیار کے لائق۔'' ال نے کُریدا۔

''جی۔ آپ کا حسنِ نظر ہے بس۔'' وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر بمشکل بولی۔

''جیا کا اگلا آپریشن کب تک متوقع ہے؟'' زرلالہ نے موضوع بدل دیا۔

''ایک ہفتے بعد کا کہہ رہے تھے' ڈاکٹر یونس۔'' شہریال نے اس کے گریز اور اجتناب کو دیکھتے ہوئے دوبارہ اصرار نہیں کیا۔

''اچھا' میں ایک راؤنڈ لے لوں۔''

شہریال کے جانے کے بعد زرلالہ دونوں ہاتھ اپنے بالوں میں ڈال کر سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

شہریال کے سوالوں نے اس کی ذات کی چُولیں ہلا دی تھی۔

وہ بڑی دیر بعد خود کو نارمل کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔

جانے کتنا وقت گزرا تھا۔

آخر سپیدۂ سحر نمودار ہونے لگا۔ زرلالہ وضو کرنے کے ارادے سے اُٹھی تھی کہ اسی اثناء لی صاحب کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔

''ڈاکٹر شہریال تو اِدھر نہیں آئیں؟'' نو وارد نے پاٹ دار گونجیلی آواز میں دریافت کیا۔ وہ راؤ سلک کی قمیص اور سفید شلوار میں ملبوس تھا۔ کندھے پر گرم دوشالہ تھا۔ اونچا لمبا تندرست توانا یوں کے سے کھڑے کھڑے دبنگ نقوش کا مالک' طاقت کے نشے میں سرشار' جارحانہ را انداز۔

''نہیں۔ وہ راؤنڈ پر نکلی ہوئی ہیں۔'' زرلالہ نے گھبرا کر جواب دیا۔

وہ محسوس کر رہی تھی' مرد کی نظریں اس کے شاخِ نازک سے زیادہ لچکیلے ہرے بھرے پُربہار ے آر پار ہوئی جا رہی ہیں۔ وہ بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ کی کیا تعریف ہے بھئی؟'' وہ پلی ہوئی مونچھوں کو تاؤ دے کر مسکرایا۔ زرلالہ کا
زور زور سے دھڑ کنے لگا۔

اُسے اس مرد کی نظروں سے ٹپکتی مردانگی سے ہول آ رہا تھا۔

''ویسے تو آپ سر سے پیر تک تعریف ہی تعریف ہیں' خیر سے۔'' وہ عجیب سے انداز
ہنسا۔ ''مجھے ملک دراب کہتے ہیں۔''

زرلالہ کو ان تفصیلات سے چنداں دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو دعائیں مانگ رہی تھی' کب
ٹلے۔ مگر دراب جم کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''چیز اچھی ہے۔ حاصل ضرور کرنی چاہئے' چند راتوں کے لئے۔'' وہ دل میں سوچ رہا تھا
وہ اُن مردوں میں سے تھا جن کے لئے عورت کی حیثیت بھوک کے وقت روٹی سے ز
نہیں ہوتی۔ ضرورت پوری ہو گئی تو پلٹ کر نہیں دیکھتے۔

شہریال وہ واحد عورت تھی جسے وہ سچ مچ جیتنا چاہتا تھا' اسے اس کی رضا سے پانا چاہتا
اس کے لئے وہ اپنے دل میں کچھ خاص جذبے رکھتا تھا۔ باقی عورتیں جن سے وہ تعلقات ر
ہوئے تھا' محض اشتہا مٹانے کا ایک ذریعہ تھیں۔ ابھی بھی وہ رات اسلام آباد کی ایک مشہور ہ
گرل کے فلیٹ پر بسر کر کے آیا تھا۔ فتح محمد نے بتا دیا تھا کہ چھوٹی بی بی کی رات کی ڈیوٹی ہے؛
چھ بجے پک کرنے کو کہا ہے' چنانچہ وہ فتح محمد سے چابیاں لے کر خود شہریال کو لینے پہنچ گیا تھا۔

اسی ساعت شہریال دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

آپ...... یہاں؟''

''تمہیں ڈھونڈ رہا تھا بھئی۔ کیا چلنا نہیں ہے؟'' وہ شہریال کی طرف مڑتے ہوئے خوش
سے بولا۔

''میں نے فتح محمد کو کہا تھا' پک کرنے کے لئے۔'' شہریال نے بے تاثر انداز میں کہا
بیگ کندھے پر لٹکا کر زرلالہ کی طرف دیکھا۔

''او کے۔ میں چلتی ہوں زرلالہ۔ کل ملاقات ہو گی۔''

''زرلالہ۔'' دراب نے دل میں دُہرایا اور دوبارہ ایک بہکتی ہوئی بھرپور نگاہ زرلالہ پر ڈا
''اچھا نام ہے۔ اب تو لالہ کے اس پھول کا جوبن دیکھنا ہی پڑے گا۔'' وہ شہریال کو پیچھے آ

رتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کی بھوکی نگاہوں میں جانے کیا تاثر تھا جس نے زرلالہ پر لرزہ طاری کر دیا تھا۔ وہ بے
ا ر نہر جھری لے کر جیا پر جھک گئی۔

O☆O

''خالہ' مجھے ایک دو سوٹ پیس لینے ہیں۔ میرے ساتھ بازار چلیں گی؟''

''ضرور چلتی میری جان۔ مگر آج ہول سیل ڈسٹری بیوٹر نے بوتیک کے مال کا حساب کتاب
نے آنا ہے۔ میری موجودگی بہت ضروری ہے۔ ردا بیگم اکیلی ڈیل نہیں کر سکیں گی۔ رجسٹر وغیرہ
ا نے لاک میں رکھوائے تھے۔ ایسا کیوں نہیں کرتیں' میری بوتیک میں چل کر ڈریسز دیکھ لو۔
کوئی پسند آ جائے۔''

''شکریہ خالہ۔ دراصل مجھے ایک خاص پرنٹ اور میٹریل درکار ہے۔ کسی کو پہنا ہوا دیکھا
آنکھوں کو بھلا لگا۔ سوچا کپڑے تو یوں بھی بنوانا ہیں' اسی پرنٹ کے سہی۔'' نگین نے سہولت
واب دیا۔ بیگم ریاض دوپہر کا کھانا کھا کر دوبارہ بوتیک روانہ ہونے والی تھیں۔ نگین کے کالج
یونین ویک کے اختتام پر کالج میں اعزازی چھٹی کا اعلان کیا گیا تھا اسی لئے وہ آج گھر پر

''اچھا ایک کام کرو۔ ابھی اظہر ہاسپٹل سے آتا ہو گا۔ لنچ کے بعد اُسے واپس نہیں جانا۔ بتا
تھا' رات کی ڈیوٹی ہے آج۔ اُسے کہنا کھانا کھا کر اپنے موٹر سائیکل پر تمہیں پنڈی لے
۔'' بیگم ریاض کچھ سوچ بچار کے بعد بالآخر حل ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئیں۔

''اگر وہ راضی ہو گیا تو۔'' نگین مسکرائی۔

''کل سے سخت ناراضگی کا پیریڈ چل رہا ہے۔''

دراصل ہوا یوں کہ کل اظہر ہاتھ میں اٹک پین پکڑے اٹک پاٹ کی تلاش میں بیگم ریاض
کمرے میں آیا تھا۔ اُنہوں نے ایک کلائنٹ کے خصوصی آرڈر پر بلاک پرنٹنگ کے خوبصورت
ام والا ڈریس گھر پر تیار کیا تھا۔ کام مکمل ہو چکا تھا۔ وہ اگلے دن بوتیک لے جانے کے ارادے
استری کرنے کے لئے تپائی پر ڈال کر گئی تھیں۔ تپائی سے کچھ فاصلے پر ٹیبل پر نیلی روشنائی کی
رکھی تھی۔ نگین اس وقت بیڈ شیٹ بدل رہی تھی۔ اظہر نے دوات کا ڈھکن کھول کر بے دھیانی

سے دوات اُٹھانی چاہی تو وہ ہاتھ سے چھٹ کر تپائی پہ رکھے آف وائٹ کپڑوں پر جا گری۔ ہوئی دوات کی ساری نیلی روشنائی محنت و عرق ریزی سے تیار کئے گئے کپڑوں کو بھگو کر ان ستیاناس کر گئی۔

''پلیز استانی جی۔ امی پوچھیں تو میرا نام نہ لینا۔ سچ بہت مار پڑے گی۔'' اظہر نے ا واقعے کی چشم دید گواہ یعنی نگین کی بہتیری منت سماجت کی تھی مگر وہ جھوٹ بولنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ بیگم ریاض کو اس ناخوشگوار واقعے کی خبر ہوئی تو حسب توقع اظہر پر خوب گرجیں' برسیں۔

''میرا ڈھائی ہزار کا نقصان کروا دیا ہے' تم نے بیٹھے بٹھائے۔ اب میں اپنی کلائنٹ کو جواب دوں گی۔ وہ ایڈوانس پے منٹ کر چکی ہے۔ کس قدر بھد اُڑے گی ہماری بوتیک کی سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ اتنی مشکل سے تو کمبینیشن تلاش کر کے کام کروایا تھا۔'' انہ نے بے دریغ ڈانٹتے ہوئے غصے میں ایک دو ہاتھ بھی جڑ دیئے تھے۔

اتنی ''خاطر تواضع'' نے اظہر صاحب کا مُنہ دو فٹ نیچے لٹکا دیا تھا۔ جوابی کارروائی کے طور اب وہ نگین کی چغل خوری پر کل سے ناراض تھا۔

''راضی کیسے نہیں ہوگا۔ کان سے پکڑ کر لے جانا۔'' بیگم ریاض نے کہا۔

''کہنا' رقیہ خالہ نے حکم دیا تھا۔ یہ لڑکے ذرا سی ڈھیل کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ا وکیل صاحب کی حرکات ملاحظہ ہوں۔ کمپنی میں ملازمت کیا شروع کی' مصروفیات کے پہاڑ سر لاد لئے۔ جب بھی گھر کا کوئی کام کہو' بزنس کی لسٹ سنانے بیٹھ جاتا ہے۔'' اُن کے انداز میں بھری خفگی تھی۔

''ارے نہیں خالہ۔ بہت اچھے ہیں بے چارے۔'' نگین نے ہنس کر طرف داری کی ''آج کے دور میں سُدھری ہوئی لڑکیاں نہیں ملتیں' لڑکوں کے سُدھار کا تو کیا ہی کہنا۔ یہ دونوں بہت سیدھے اور صاف دل لڑکے ہیں۔ ورنہ آج کل دولت' عزت اور طاقت کی ہوس نے ا اچھوں کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔''

''یہ تو ہے۔ سچ کہوں تو بیٹی اس زمانے میں اولاد کی مثبت خطوط پر پرورش دو دھاری تلوار چلنے سے کم نہیں ہے۔ ہر آن دھڑکا لگا رہتا ہے' کہیں ہماری چھوٹی سی بھول سے اتنی محنت سے تو کی جانے والی عمارت مُنہ کے بل نہ آ رہے۔ تربیت کی ایک ذرا سی غلطی' ایک لمحاتی غفلت تو جوا

کو سیدھی سچی راہوں سے بھٹکا دیتی ہے۔ اولاد ہی تو ہماری اصل دولت ہوتی ہے مگر ہوتا یوں ہے والدین دنیاوی دولت اکٹھی کرنے کے چکر میں اصل سرمائے کی حفاظت نہیں کرتے اور پھر میں پچھتاتے ہیں۔ اچھا میں چلتی ہوں۔ دروازہ بند کر لو۔''

بیگم ریاض کے جانے کے پندرہ بیس منٹ بعد اظہر کا موٹر سائیکل شور مچاتا ہوا گیٹ پر آن نگین نے دروازہ کھولا۔ اظہر پھُولے مُنہ سے اندر آیا تھا۔ ہاتھ مُنہ دھو کر وہ کچن میں آ گیا اور کھانا نکالنے لگا۔

''اظہر۔'' نگین نے غایت درجے کی نرمی لہجے میں سمو کو مخاطب کیا۔ ''کہو تو میں کھانا نکال دوں۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے بٹر پالش کی۔ اور یہ فلمی ہیروئنوں کی طرح مخاطب مت کریں۔'' ٹیبل پر اپنی پلیٹ رکھتے ہوئے تلملا کر بولا۔ کھانے کی ٹیبل کشادہ کچن میں ایک طرف سیٹ کی تھی۔ ٹیبل پر سلاد کی پلیٹ' روٹیوں کا ہاٹ پاٹ اور پانی کا جگ پہلے سے رکھا ہوا تھا۔ کوکنگ کے ایک برنر پر سالن کی دیگچی تھی جس کے نیچے اُس نے آگ جلا دی تھی۔ دوسری میں چاول چاول وہ ٹھنڈے بھی کھا لیتا تھا۔ اسی لئے اس برنر کے نیچے آگ نہیں جلائی۔

''بھئی' اب بس بھی کرو ڈاکٹر صاحب۔ ایسی بھی کیا ناراضگی۔ اچھا سنو' کھانے کے بعد ...ہنا کر دوں گی۔ سچ مچ۔'' اس نے آفر کی۔ ''پھر اس کے بعد بازار چلیں گے مجھے کچھ کپڑے ...نے ہیں۔''

''کس قدر مکار اور چال باز خاتون ہیں آپ۔'' اظہر نے حتمی رائے دی۔ ''میں بھی کہوں' ...ا خود خدمات کیوں پیش کی جا رہی ہیں۔ میں ہرگز نہیں جا رہا بازار کہ سخت تھکا ہوا ہوں۔ کھانا ...کر آرام کروں گا۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔ تاہم کھانا کھا کر نگین کی چائے کی رشوت اور ...ر خواست گزاری پر مان گیا مگر بدلہ خوب لیا۔ براہِ راست آئی ٹین فور سے گزرنے والی کشادہ ...روڈ سے پنڈی جانے کے بجائے وہ خیابان کی طرف جانے والے گرد و غبار اور کوڑے کباڑ ...الے شارٹ کٹ راستے سے بائیک گزار رہا تھا۔

یہ ''علی مارکیٹ'' کی دکانوں سے گزرنے والا راستہ تھا۔

''واہ واہ۔ جانباز کلاتھ ہاؤس۔ عاشق سینٹر۔ محبوب بیکرز۔'' اظہر ایک ترتیب سے بی

دکانوں کے نام پڑھ رہا تھا۔ ''ملاحظہ فرمائیے' کیسے کیسے جانثار لوگ آپ کے لئے مال،
سجائے دیدہ ودل فراش کئے بیٹھے ہیں۔'' اردگرد کے ماحول کی آلودگی اور گائے بھینسوں کا
چڑھ رہا تھا۔

''بکواس نہیں کرو۔ سیدھے چلو۔ خیابان کی مین مارکیٹ کی طرف۔'' نگین نے گھرکا
لوگ آئی ٹین کی اختتامی روڈ کراس کرنے کے بعد پنڈی کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔
گلی میں کھلی یہ دکانیں گویا خیابانِ سرسید کا تعارفی خاکہ پیش کر رہی تھیں۔

''چلو نا۔ بائیک کیوں روک لی۔ یہاں میرے مطلب کی چیز نہیں ہے۔''

اُس نے اظہر کو ٹہوکا دیا۔

''آئی ٹین مرکز میں بہترین کپڑا ملتا ہے' وہ بھی پسند نہیں آیا۔ یہاں بھی مطلب کی
دکھائی نہیں دے رہی۔ خاتون' آپ مجھے کتنے بازاروں کی خاک نوش کروائیں گی۔ واضح ر
موصوف ایک مصروف اور ذمے دار شخص ہیں۔ آپ کی طرح فارغ نہیں بیٹھے کہ سروے کے
کمر کس کر میدان میں نکل آئیں۔''

وہ بائیک سٹارٹ کرنے لگا۔

''موصوف یا مصروف صاحب۔ فی الحال یہاں سے اپنی تشریف اُٹھائیے۔ سرِعام
بک کرنا شرفاء کا شیوہ نہیں ہے۔'' اُس نے ڈانٹا۔

بالآخر وہ خیابان کے رہائشی سیکٹر کی چھوٹی بڑی گلیوں سے ہوتے ہوئے خیابان کی مر
مارکیٹ میں پہنچ گئے۔

اظہر نے سبزی والی دکان کے آگے سائیکل پر اخباروں کے بنڈل سجائے کھڑے ا
فروش کے پاس اپنی بائیک روک دی۔ دونوں اُتر کر دکانوں کا جائزہ لینے لگے بلکہ اظہر صا
بآوازِ بلند تبصرہ کرتے جا رہے تھے۔

''میوزک ورلڈ۔ بھئی واہ' یہاں آڈیو کیسٹس کا بہت اچھا کلیکشن ملتا ہے۔ کہو تو اندر چل
دیکھ لیں۔ اچھا بھئی' گھور تو نہیں۔ یہ دیکھو' باٹا شوز' اور سروس شوز کی شاپس۔ چلو یہ بھی چھوڑ،
نے کیا کرنے ہیں شوز۔ جوتے پہننے کی نہیں' کھانے کی چیز ہوتے ہیں۔''

''ہاں' تم سے بڑھ کر کس کو تجربہ ہوگا اس کا۔'' نگین جل کر بولی۔

''ارے بھئی' یہ کیسا نام ہے' شاپ کا ''سنگھار محل۔'' اظہر اَن سنی کرتے ہوئے سڑک پار والی
ان کا بورڈ پڑھنے لگا۔

''چوڑیوں کے رنگا رنگ' دیدہ زیب ڈیزائن' ہر طرح کے زیورات' کاسمیٹکس۔ چوڑیاں
می' استانی جی۔ کیا خیال ہے؟''

''نیک خیال ہے۔ جاؤ جا کر دونوں ہاتھوں میں چڑھا آؤ۔'' نگین نے دانت پیس کر قدم
گے بڑھائے اور حسن کلاتھ شاپ میں داخل ہوگئی۔

''ارے' میڈم آپ!'' دکاندار سے قیمت پر بحث کرتی ہوئی راحت نے چونک کر اُس کی
ل دیکھا تھا' اُس کے ساتھ طلعت اور اُس کی ساس صفیہ بھی تھیں۔ چندا سے بڑی نیلو (جو روحی
ے اوپر تلے کے دو چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال کے واسطے پچھلے سال سے ان کے ہاں رہ رہی
ھی) اس کے جہیز کے لئے کپڑے خریدنے کے سلسلے میں یہاں آئی ہوئی تھی۔

طلعت کو تو صفیہ یونہی ہمراہی کے واسطے ساتھ لے آئی تھیں۔ پسند اور مرضی تو اُنہی کی چلتی
ھی۔ البتہ راحت خود سے صفیہ کے ساتھ آئی تھی۔ اُسے پہلی تنخواہ ملی تھی' وہ فرحت' عفت اور اماں
لئے اچھے سے جوڑے خریدنا چاہتی تھی۔ اماں نے کہا بھی تھا۔

''ارے پیسے بچا کے رکھ بیٹی۔ کیوں الٹے تلّلوں میں ضائع کرتی ہے۔ ہمارے پاس بہت
کپڑے ہیں۔''

''کون سے ہیں بھلا۔ سب گھسے پٹے اور پیوند لگے ہیں۔ کوئی ایک اچھا جوڑا بھی نہیں ہے
جانے کے لئے پہننے کو۔''

''ہمیں پہن کر کون سا دہی جانا ہے۔ گزارا چل رہا ہے' سو چلنے دو۔''

''نہیں اماں۔ بس آپ مجھے اپنی مرضی کرنے دیں۔'' پنو کو اس نے اس کی ضرورت کے
طابق نیا یونیفارم دلا دیا تھا۔ سب لوگوں پر خرچ کرنے کے بعد تنخواہ کے سارے پیسے برابر ہو گئے
اپنی ضرورتوں کا خیال آیا۔

''چلو اگلی دفعہ سہی۔'' اُس نے سوچا تھا۔

''ہاں بھئی' راحت بی بی۔ کیسے مزاج ہیں۔ کپڑوں کی شاپنگ ہو رہی ہے' بہت خوب۔''
ہن نے خوشدلی سے اپنی شاگرد کے شانے تھپتھپائے تھے۔

''میڈم شاپنگ کیا۔ بس یونہی۔'' راحت کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''اِن سے ملو اظہر۔ میری بہت ذہین اور عزیز سٹوڈنٹ راحت اور یہ میرے خالہ زاد؛ اظہر۔''

''السلام علیکم۔'' راحت نے گرے پینٹ اور فان کلر کی شرٹ میں ملبوس خوش باش مگر لا سے نوجوان کو جھجک کر دیکھا اور بدقتِ تمام سلام کا فریضہ انجام دیا۔ تاہم اظہر کا اندازِ گفتگو، طرزِ عمل اتنا سادہ و رواں تھا کہ وہ چند لمحوں بعد ایزی ہوگئی۔

''وعلیکم السلام۔ نام کے ساتھ ساتھ عہدہ بھی تو بتائیں نا۔ اس سے مقابل پر زیادہ رُ پڑتا ہے۔'' وہ معصومیت سے نگین کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہاں بھئی۔ راحت نوٹ بک نکال کر نوٹ کرلو' موصوف ڈاکٹر بھی ہیں' غلطی سے۔''

''غلطی سے کیوں۔ اپنی امی کی دعاؤں اور اپنی محنت سے بنا ہوں۔'' وہ چیں بہ چیں ہ

راحت کو مسکراہٹ روکنا دشوار ہوگئی۔ اس نے یونہی پلٹ کر بہن اور اُس کی ساس کی طرف دیکھ طلعت کونے میں کھڑی کپڑے کا بھاؤ تاؤ کر رہی تھی۔ البتہ صفیہ کی نظریں راحت کے ساتھ کھڑ پیاری سی لڑکی اور نوجوان لڑکے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ خصوصاً راحت کو لڑکے سے بات کرتے ا مسکراتے دیکھ کر اُن کا تنگ نظر ذہن شک اور طیش سے بل کھا رہا تھا۔ راحت اُن کے کرخت دیکھ کر معاملہ بھانپ گئی۔ وہ بُری طرح گھبرا گئی۔ وہ جس طبقے سے تعلق رکھتی تھی' وہاں اس قسم رواداری کو ''اخلاقیات'' کے بجائے بے شرمی اور بے غیرتی کا نام دیا جاتا تھا۔

''اظہر۔ بھئی' کیا مصیبت ہے۔ یہاں بھی وہ پرنٹ نہیں ہے۔'' نگین باتیں کرنے ساتھ ساتھ انہماک سے جائزہ بھی لے چکی تھی۔ ''چلو اگلی شاپ پر چلتے ہیں۔ او کے راحت۔ تم ا کام کرو۔ خدا حافظ۔''

''خدا جانے ابھی اور کتنی خواری لکھی ہے' اپنے نصیب میں۔'' اظہر آہ بھر کر بولا۔ ''اچھا بھ مس راحت۔ ہمارے لئے دعا کیجئے گا۔ السلام علیکم۔'' وہ ناچار نگین کی تقلید میں اُس کے پ باہر نکلا۔ راحت واپس طلعت اور صفیہ کے پاس آگئی۔

''ہوگئی ملاقات ننھی بی۔'' صفیہ نے بڑے طنز بھرے تیکھے پن سے گھورا۔ طلعت قدموں تلے سے زمین سرکنے لگی۔ گویا اُس کے سُسرالیوں کو طعن و تشنیع کے لئے نیا موضوع ہاتھ

ا تھا۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپ صفیہ خالہ؟'' راحت خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

''وہ میری میڈم تھیں جو کالج میں پڑھاتی ہیں۔ ساتھ میں اُن کی خالہ کا بیٹا تھا۔ دونوں اری کے لئے بازار آئے تھے۔''

''میڈم کے خالہ کے بیٹے سے تمہارا کیا تعلق' تم کس حساب میں اُس سے مٹھار مٹھار کر ا کر رہی تھیں۔ ارے' میں سب سمجھتی ہوں۔ آگ لگے ایسی پڑھائیوں کو جو شرم و حیا کا جنازہ ال دیں اور استانی جی کو تو دیکھو۔ یہ سکھاتی ہے اپنی شاگردوں کو؟ لونڈے لپاڑے کے ساتھ لور لور لوں گلیوں میں آوارہ پھر رہی ہے۔ توبہ کیا زمانہ آگیا ہے۔''

راحت کا جی چاہا' کہیں سے ایلفی لا کر ہمیشہ کے لئے اُن کے انگارے اُگلتے ہونٹوں کو آپس ں چپکا کر بند کردے۔

O☆O

''ان کے انکار و اقرار سے فرق نہیں پڑتا۔ ساری اہمیت بات کی ہے۔'' ملک بابا طمطراق انوار صاحب سے مخاطب تھے۔

''ہم نے اُس گھر کی لڑکی بہو بنانے کے لئے منتخب کرلی ہے' اب وہ ہماری ہے۔ اُس کی ا لی صرف ''ملک ہاؤس'' میں اُترے گی۔ ہم جس چیز پر ایک دفعہ ہاتھ رکھ دیں' وہ ہمیشہ کے لئے اری ہو جاتی ہے۔''

''مگر بابا جان' ہم لڑکی کی ماں کو زبردستی راضی نہیں کر سکتے۔'' روشن اور مہذب خاندان کی ر وہ عذرا نے ڈرتے ڈرتے اپنے سُسر کے روبرو مخاطب ہونے کی جرأت کی تھی۔

جواباً انہوں نے اپنی بڑی بڑی سرخی مائل سرد آنکھوں سے اُن کی طرف دیکھا۔ عذرا کی ح فنا ہونے لگی۔

''ہم ایسی باریکیوں میں نہیں پڑتے بہو۔'' وہ ناگواری سے گویا ہوئے۔ ''ہم دوٹوک اور ات فیصلہ کرنے کے عادی ہیں۔ تخت یا تختہ۔ بس بات ختم۔ زیادہ سوچ بچار اور حساب کتاب ای کی شخصیت کمزور کر دیتا ہے۔'' پھر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''تم لوگ کل آخری دفعہ اُن کے ہاں جاؤ' کپڑا لتا اور زیور مٹھائی وغیرہ بھی لے جانا۔ انہیں

کہو' ہمیں صرف اتنا بتائیں کہ ہم کس تاریخ کو بارات لائیں اور بس۔ اگر وہ عورت اپنی بات اڑی رہی تو اپنی طرف سے ایک ماہ بعد کی کوئی تاریخ دے دینا اور بتا آنا کہ ہم اُس دن آ کرا امانت لے جائیں گے۔ بس اب نپٹاؤ' اس معاملے کو چھوٹی سی بات کو طول دینے کی ضرورت کیا ہے۔"

وہ حتمی حکم صادر کرنے کے بعد سٹنگ روم کے ہال سے باہر نکل گئے۔ جملہ حاضرین ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ آپا جان طبیعت کی خرابی کے باعث اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے' ہم چلے جاتے ہیں کل۔ توقیر بھائی آپ بھی ساتھ چلیے گا۔ شبیر بھائی اور آپا جان تو خیر ہمارے ہمراہ ہی ہوں گے۔" انوار صاحب نے کندھے اُچکا کر سب پر باری باری نظر ڈالی۔

"میں کوشش پوری کروں گا' وعدہ نہیں کر سکتا۔ کل ملکوال سے گنے اور مالٹوں کے تین ٹرک آ رہے ہیں۔ تیار شدہ مال کراچی بھجوانے کے لئے ٹرین پر بکنگ بھی کروانا ہے۔ پھر ساحر نے بھی کل اپنی کنسٹرکشن کمپنی میں بلوایا ہے۔ اس نے ملک آباد میں سڑک کی تعمیر کے لئے مختلف فرموں سے ٹینڈر طلب کئے ہیں' اس ضمن میں مجھ سے مشورہ لینا چاہتا ہے۔" توقیر صاحب نے جواب دیا۔ وہ ساحر اور سمیر کے والد تھے۔

"ٹھیک ہے' جیسے آپ کو سہولت ہو۔ وہ دراب والا معاملہ نپٹایا نہیں۔"

"ملک بابا نے سمجھایا تو ہے ایاز بھائی اور اُن کے بیٹے کو۔ اب دیکھو۔"

توقیر صاحب کے چہرے پر کشیدگی کے آثار نمایاں ہو گئے۔

"میں تو براہِ راست خود نپٹانا چاہتا تھا اُن سے مگر ملک بابا نے روک دیا۔ وہ لوگ ہماری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ زمین میرے سگے باپ کی ہے' میرا اور میرے بیٹے کا اس پر پورا پورا حق بنتا ہے۔ ایاز بھائی یا اُن کا بیٹا کس حساب میں اس پر قبضہ جمانے کا سوچ رہے ہیں میرے بیٹے پر پستول چلانے والے کے لئے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں بن سکتی۔"

"چلیں اس بحث کو یہیں ختم کر دیں بھائی صاحب" صلح جو اور نرم دل عذرا اپنے جیٹھ کے بھڑکتے تیور دیکھ کر فوراً امن کی فاختہ بن کر درمیان میں آ گئیں" آپ اپنے کمرے میں چل کر

ام کریں۔ میں بہت اچھی سی کافی بنا کر بھجواتی ہوں۔"

وہ باہر آئیں تو سمیر کی بیوی کومل کو فکرمندی سے کوریڈور میں ٹہلتے پایا۔

"کیا ہوا کومل بیٹے۔ خیر تو ہے ناں۔" عذرا تھوڑی دیر پہلے کومل اور سعود کو ڈرائنگ روم میں ل پر بیٹھے کافی پیتے اور باتیں کرتے دیکھ کے گئی تھی۔

"سعود حد سے زیادہ جذباتی ہے چھوٹی چچی۔ اسے "اُدھر" سے انکار کی خبر ہو گئی ہے۔ کہہ رہا تھا' جو چیز مانگنے سے نہ ملے' اسے چھین لینا چاہئے۔ پھر اسی طرح کی باتیں کرتا رہا اور عجیب و غریب منصوبے بناتا ہوا ایک دم اُٹھ کے چل دیا۔ مجھے اُس کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔"

کومل خاصی خوفزدہ اور پریشان تھی۔ عذرا بھی سن کر ہراساں ہو گئیں۔

"مگر وہ گیا کہاں ہے؟"

"میں کچھ اندازہ نہیں کر پائی۔"

O☆O

کالج بس نے حسبِ معمول ڈبل روڈ پر اُتارا تھا۔

مہرینہ تھکے تھکے قدموں سے گھر کی طرف رواں دواں تھی' جب ایک دم کہیں سے ایک سرخ پورلس کار اُس کے بالکل قریب آن رکی۔

اُس نے اُچھل کر اپنا توازن قائم رکھتے ہوئے گردن موڑ کر دیکھا۔

بھنچے بھنچے ہونٹوں اور جارحانہ نظروں سمیت سعود اُس کی طرف متوجہ تھا۔

"آپ نے شادی سے انکار کیوں کیا محترمہ۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں' مجھ میں آپ نے کون سا سنگین عیب دیکھا تھا جو رشتہ ٹھکرا دیا گیا؟"

"میں آپ جیسے فضول شخص کے فضول سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی۔" وہ نخوت سے کہہ کر آگے بڑھنے لگی۔

"مگر مجھے اپنے سوال کا جواب لینا آتا ہے اور میں اسے ضروری بھی سمجھتا ہوں۔" پلک جھپکنے کی مہلت میں سعود نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا اور اُسے کلائی سے کھینچ کر اندر بٹھانے کے بعد گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس سے پہلے کہ وہ چیختی چلاتی' کلوروفام سے بھیگے رومال نے بے ہوش کر کے اُس کی ساری مزاحمت ختم کر دی۔ گاڑی فل سپیڈ میں خدا جانے کہاں جا رہی تھی۔

ہوش آیا تو مہرینہ نے خود کو ہوٹل کے ایک کمرے میں بند پایا۔ وہ بیڈ پر دراز تھی اور سعود کچھ فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔

اُسے ہوش میں آتا دیکھ کر سگریٹ بجھائی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر بیڈ کے قریب آ گیا۔ اُس پر جھک کر اُس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھا اور اپنی ضدی آنکھیں اس کی آنکھوں میں پیوست کرتا ہوا گویا ہوا۔

''میں آپ کو یہاں اس لئے لایا ہوں تاکہ یہ واضح کر سکوں کہ آپ کی زندگی اب میرے نام کے ساتھ بندھ چکی ہے۔ آپ میری ہیں اور ہمیشہ میری رہیں گی۔ آپ کی زندگی میں آنے والا پہلا اور آخری مرد میں ہی ہوں گا۔ آپ چاہیں بھی تو مجھ سے دور نہیں جا سکتیں۔''

''چھوڑو مجھے۔ خبردار جو ہاتھ لگایا۔'' وہ حلق کے بل چیخی تھی۔ وہ معنی خیز انداز میں مسکرا دیا۔

''میرا تعلق جدی پشتی جاگیردار طبقے سے سہی مگر میں ''حلال'' کھانے کا قائل ہوں۔ ناجائز راستوں سے خواہشات کی تکمیل نہیں کرتا۔ تمہارے وجود کی ملائمت اور حلاوت سے نکاح کے بعد ہی تعارف حاصل کروں گا۔ بے فکر رہو۔ بس تم ذہن کی سلیٹ پر لکھ کے رکھ لو کہ تم سراپا میری ہو۔'' وہ اس سے کچھ فاصلے پر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گیا اور دوسری سگریٹ جلانے لگا۔ وہ پلنگ سے چھلانگ مار کر نیچے اتر آئی۔

''تم جیسے عیاش اور رنگین مزاج امیرزادوں کو لڑکیوں کی کمی نہیں ہوتی۔ کوئی اور اپنی حیثیت طبیعت کی لڑکی ڈھونڈ لینا۔ مجھے جانے دو۔ دروازے کا لاک کھولو۔'' وہ بپھرے ہوئے انداز بند دروازے پر مکے برسانے لگی۔

''کمرا ساؤنڈ پروف ہے مادام!'' سعود آرام سے کش لیتا ہوا اس کا غیظ و غضب ملاحظہ کر تھا۔

''دیکھو آرام سے بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے میری بات پر غور کرو۔ میں تمہارے ساتھ کوئی ادتی نہیں کرنا چاہتا۔ تم مجھے پہلی نظر میں اچھی لگی تھیں۔ اتنی اچھی کہ میں نے فوراً ہی تمہیں ہمیشہ لئے اپنانے کی ٹھان لی۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کھڑے پیر کئے جانے والے عاجلانہ فیصلے اکثر ارے کا سبب بنا کرتے ہیں۔ مگر تمہارے معاملے میں نہ جانے کیوں مجھے پچھتانے کا شوق ہو ا ہے۔ اگر تم سے شادی کرنا گھاٹے کا سودا ثابت ہوا تو بھی میں یہ سودا ضرور کروں گا۔ تمہارے میں ہر طرح کا پچھتاوا مول لینے کو تیار ہوں۔'' اس کے لہجے میں خمار گھل گیا۔

''مجھے اپنے گھر جانا ہے۔ دروازہ کھولو ورنہ میں تمہاری جان لے لوں گی۔'' وہ بھوکی شیرنی طرح اُس پر ٹوٹ پڑی۔ سعود نے بڑے آرام سے اُس کی بانہیں تھام کر بے بس کر دیا۔

''چھوڑو مجھے۔ کمینے' ذلیل!'' وہ چنگھاڑتی ہوئی دوبارہ حملہ آور ہوئی اور کچھ بس نہ چلا تو اس ائی پر دانت گاڑ دیئے۔ غیظ و غضب سے وہ پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ ایک عیاش جاگیردار کی یہ ل کہ راہ چلتے اس پر ہاتھ ڈالے۔ اسے اٹھا کر لے آئے۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں۔'' سعود نے اپنی کلائی جھٹک کر اس کی دستبرد سے محفوظ کی پھر برق ی سے دونوں کلائیاں پیچھے لے جا کر اس کی مزاحمت زیر و بنا دی۔

''اس پاگل پن سے کچھ حاصل نہیں ہوگا بے وقوف لڑکی۔'' سعود نے اسی طرح اس کے ں ہاتھ پشت پر باندھتے ہوئے دھکا دے کر بیڈ پر گرا دیا۔ اس کے لہجے میں تندی اور سختی تھی۔ اکت بیٹھی اس کی صورت دیکھتی رہ گئی۔ یک لخت اسے صورت حال کی سنگینی کا احساس ... کی جگہ خوف نے لے لی۔

ود نے اٹھ کر ٹیبل پہ رکھا گلاس اٹھایا اور جگ سے پانی انڈیل کر ایک سانس میں پورا خالی کر دیا۔ پھر وہ دوبارہ کرسی پہ آ بیٹھا۔

''دیکھو۔ میں مانتا ہوں اپنی بات سمجھانے یا منوانے کا یہ طریقہ قطعی نامناسب ہے۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا مگر تمہارے ہاں سے دوٹوک انکار نے میرا دماغ ماؤف کر دیا۔''

سعود کے اعصاب پُرسکون ہو چکے تھے۔ بولا تو لہجے سے حقیقی شرمساری و اعتراف ندامت چھلک رہا تھا۔

''میں تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں ہر طرح سے تمہارے لئے مخلص ہوں۔ سچے دل سے عمر بھر تمہارے ساتھ کا طلب گار ہوں۔ میرا یقین کرلو' یہ تو نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ میری بہت لڑکیوں سے دوستی ہے جیسا کہ ہمارے طبقے میں اسے معمول کی بات سمجھا جاتا ہے لیکن اس دوستی کے اغراض و مقاصد اور انداز وہی ہیں جو دوسرے دوستوں کے لئے مخصوص ہیں۔ مثلاً مل کے بولنا' گھومنا پھرنا' تفریح لینا اور مشترکہ دلچسپی کے معاملات و موضوعات ڈسکس کرنا۔ اس سے زیادہ میں نے اپنی کسی دوست کی ذات میں دلچسپی نہیں لی۔ شاید قرعۂ فال تمہارے نام نکلنا تھا۔'' وہ مسکرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

''میں تھوڑا سا جذباتی' کچھ کچھ ضدی' قدرے جلد باز اور بہت زیادہ شاہ خرچ ہوں۔ مجھ میں بہت سی ایسی برائیاں ہیں جو فطری اچھائیوں کو پس پشت ڈال کر میری شخصیت کا امیج خراب کر دیتی ہیں۔ مجھے ان کا اعتراف ہے لیکن میں اس سلسلے میں تم سے فراخدلی اور تحمل کی درخواست کروں گا۔ تم ساتھ دو گی تو رفتہ رفتہ ہر کمزوری پر قابو پالوں گا۔ پلیز انکار نہ کرو۔ پلیز۔'' وہ بڑی نرمی سے مخاطب تھا۔

مہرینہ کے اندر غیظ کا ایک سمندر کھول رہا تھا۔

''ڈائیلاگ بازی کی داد کسی اور سے لیجئے گا مسٹر۔'' وہ دانت بھینچ کر غرائی۔ ''میں مڈل کلاس کی خواب پرست اور ترسی ہوئی ناآسودہ لڑکی نہیں ہوں جو خواہش کے جنگل میں بھٹکتی ہوئی شہزادے المعروف مال زادے کی انٹری کی منتظر رہتی ہے۔''

''آخر تم نے کسی سے تو شادی کرنی ہے ناں۔ مجھ سے ہی سہی۔''

''وہ آپ کے علاوہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ آپ نہیں۔'' اس کا لہجہ اٹل تھا۔

''تو پھر وہ میں ہی ہوں گا۔'' سعود بپھر گیا۔ ''اور میں یہ ثابت کر کے دکھاؤں گا۔ آپ کی شادی صرف مجھ سے ہوگی۔''

''اگر آپ دنیا کے آخری انسان ہوتے تو بھی میں آپ سے شادی نہ کرتی۔'' مارے جذب کے مہرینہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

''یا تو تمہاری شادی ہوگی نہیں۔ ہوئی تو صرف مجھ سے ہوگی۔ دیکھ لینا۔'' سعود نے ہتھیلی پہ دوسرے ہاتھ کی مٹھی بنا کر ٹھونکی۔ ''تم بھی یہیں ہو اور میں بھی۔''

''کیا کر سکتے ہو تم؟''

''وقت آنے پر بتاؤں گا۔'' سعود نے سر تا پا اسے دیکھا۔ ''یہ تو معمولی جھلک تھی۔ ملک بابا تمہاری والدہ سے جو تاریخ طے کریں گے اس میں کوئی رد و بدل نہیں ہوگا۔ تم دلہن بننے کی تیاریاں کرو۔''

سعود اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر بیل بجا کر ویٹر کو بلایا۔

''اچھی سی کافی اور سینڈوچز لا دو۔'' ویٹر مستعدی سے باہر نکل گیا۔

''واش روم میں جا کر اپنا حلیہ درست کر لو۔ کافی پی کر واپس چلتے ہیں۔'' سعود نے دوستانہ انداز میں اُس کی طرف دیکھا۔

''جہنم میں جائے کافی وافی۔ مجھے گھر چھوڑ کر آئیں۔ چار گھنٹے ہو چکے ہیں۔ امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' مہرینہ گھڑی دیکھتے ہوئے بے قراری سے مچلی۔

''کہا ناں۔ ابھی چلتے ہیں۔'' وہ ہموار لہجے میں گویا ہوا۔

مہرینہ کا جی چاہا بھڑوں کا چھتا بن کر اس سے چمٹ جائے اور اس وقت چھوڑے جب زہر کی ساری سوئیاں اُس کے جسم میں اتار چکی ہو۔

مجبوراً واش روم جا کر ہاتھ منہ دھو کر بکھرے بال سلجھا کر درست کیے۔

کبھی تو میری بھی باری آئے گی مسٹر۔

عبرت ناک انتقام نہ لیا تو مہرینہ تنویر نام نہیں۔

اس کے ریشے ریشے میں آتش انتقام بھڑک رہی تھی۔

کافی پی کر سعود نے شرافت سے اسے اس کے گھر کے آگے ڈراپ کر دیا۔

گیٹ پر حواسوں سے بیگانہ یاسمین بیگم جلے پیر کی بلی کی طرح ٹہل رہی تھیں۔

''دیکھ لیجئے غور سے مسز تلقین۔'' سعود نے مہرینہ کی طرف کا دروازہ کھولا۔ ''بحفاظت

واپس دروازے پر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ لیکن یاد رہے ہر بازی شرافت سے کھیل کر جیتنے والی نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے اگلی بار نتائج اور حالات مختلف ہوں۔ سوچئے گا ضرور۔" یاسمین بیگم کو ہکا بکا کر وہ کار لے اُڑا تھا۔

O☆O

بیگم ریاض کی طبیعت کچھ سست سی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں۔ نگین نا[شتہ] بنانے کے لئے کچن سنبھال چکی تھی۔ چھٹی کی وجہ سے ناشتا عموماً تاخیر سے ہی کیا جاتا تھا۔

"ہے استانی جی۔" محسن ٹریک سوٹ میں خالص امریکن سٹائل میں مخاطب ہوا تھا "جوگ[نگ] کو چلو گی۔"

"مہربانی۔ میں جوگنگ نہیں کرتی۔" وہ آملیٹ بنانے کے لئے انڈا توڑ رہی تھی۔

"بُری بات۔ کیا کرو۔" وہ اپنی دُھن میں باہر نکل گیا۔

"میاں محسن! کہاں کو چل دیئے۔" دروازے پر اس کا ٹاکرا اظہر سے ہو گیا۔ جواباً اس ٹھنڈی سانس لی۔

"برخوردار! ہم کسی کے میاں نہیں ہیں فی الحال۔ اور چلتے ہو تو باغ کو چلئے سنتے ہیں بہاراں ہے۔" محسن جھپاک سے بیرونی دروازہ پار کر گیا۔

"لیجئے۔ بے نتھے بیل کی طرح جانے کدھر کو چل نکلے ہیں۔"

اظہر کچن میں آ کر ڈائننگ ٹیبل کی ایک کرسی کھینچ کر ڈھیر ہو گیا۔

"میں نے رات خواب میں پورے تیس روزے رکھے ہیں۔ سخت بھوک لگ رہی اب۔ ناتوانی اور کمزوری بھی محسوس ہو رہی ہے۔ اعضاء پر ناطاقتی غالب ہے۔ گھی میں تلا خستہ پراٹھا مل جائے تو کچھ آرام نصیب ہو۔" وہ کوکنگ رینج کے سامنے مصروف نگین کو دیکھتے ہو آنکھیں مسل کر نیند بھگا رہا تھا۔

"سیدھا سادا ناشتا بنا کر دے سکتی ہوں۔ پراٹھے کا کوئی سابقہ تجربہ نہیں ہے۔ ایسا نہ پراٹھے کی جگہ نمونہ تیار ہو جائے۔" اس نے صاف بات کہی۔

"بات یہ ہے مِس نمونہ۔" اظہر نے کہنیاں ٹیبل پر ٹکائیں اور جماہی لے کر کہا "پرا[ٹھے] سے ملتی جلتی کوئی سی چیز بھی ہمیں قبول ہو گی۔"

"اظہر باز آ جاؤ۔ سیدھی طرح نام لیا کرو۔ مجھے نہیں اچھا لگتا تم لوگوں کا یہ نمونہ یا نگینہ کہنا۔"
[وہ] اٹھی اور فریج سے آٹا نکال کر پراٹھے کی تیاری کرنے لگی۔

"جی تو چاہتا ہے آپ کو سامنے بٹھا کر احمد فراز صاحب کی وہ طویل و عریض معرکتہ الارا[ء غز]ل لی جائے۔ سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں۔ وہ تو فساد و فشار کے خدشے کے پیشِ [نظر ہ]م نگینہ یا نمونہ کہہ کر دل کی تسلی کر لیتے ہیں۔" اظہر نے نیم باز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔
[اس] بار وہ نگین کے غضب سے نہ بچ سکا۔ اس کی مشاقی سے پھینکی ہوئی سٹیل کی پلیٹ سیدھی اُس [کی] کمر پر آ کے لگی تھی۔

"ہائے۔ توڑ ڈالی نازک کمریا۔" وہ ایکٹنگ کرتے ہوئے کمر پہ ہاتھ رکھ کے کراہنے لگا [...] کمر کی بجائے کمرا بن گئی ہے اب......"

"جاؤ خالہ جان سے پوچھ کے ان کے کمرے میں ناشتا دے آؤ۔" نگین نے اس کے [وا]ویلے پر قطعاً توجہ نہ دی۔

جب تک اُس نے ٹیبل پر ناشتا لگایا۔ محسن بھی شوق پورا کر کے کچن میں تشریف لا چکا تھا۔ [دون]وں بھائی کرسیاں سنبھالے اُس کے منتظر تھے۔ بیگم ریاض نے ناشتا کمرے میں منگوا لیا تھا۔

"چلو ناں۔ شروع کرو اب۔ کہاں تو منہ اندھیرے نور کے تڑکے بھوک بھوک چلا رہے [تھے]۔" نگین نے نشست سنبھالتے ہوئے قدرے حیرت سے اظہر کی شکل دیکھی۔

"وہ میں پراٹھوں کا انتظار کر رہا ہوں۔" وہ سادگی سے پلکیں جھپکا کر بولا۔

"یہ کیا ہے۔ پلیٹ میں رکھے نظر نہیں آ رہے؟" اس نے ہلکے سے پلیٹ کا کنارہ چھو کر [ا]س سے اُسکی طرف دیکھا۔

"یہ پراٹھے ہیں؟" صدمے سے اظہر کی حالت غیر ہو گئی۔

"ہم تو منتظر تھے آپ خود ہی اس عجیب و غریب ادھ پکی لُنی نما ڈش کا تعارف کروائیں گی۔" [محس]ن بھی بھائی کا ہم نوا بن گیا۔

نگین روٹی ٹھیک ٹھاک بنا لیتی تھی مگر نہ جانے کیا بات تھی پراٹھا تیار کرتے ہوئے ساری [با]ت ملیامیٹ ہو کے رہ جاتی تھی۔ گول بنتا تو در کنار توے تک پہنچتے تک پراٹھے کی جگہ آٹے اور [گھی] میں لتھڑی سوراخ دار ٹکڑیاں باقی رہ جاتی تھیں۔ خفت تو اسے خاصی اٹھانی پڑتی تھی تاہم

ڈھٹائی سے وہی ادھ جلی ٹکڑیاں پلیٹ میں رکھ کے لے آئی تھی۔

''ذائقہ بالکل ٹھیک ہے۔ کیا ہوا جو شکل میں مار کھا گئے ہیں۔''

نگین نے ذرا سا کونا کتر کر تبصرہ کیا ''ہیں تو پراٹھے ہی ناں۔''

''صورت ہی نہیں ان کی سیرت بھی مشکوک ہے۔'' محسن نے غور سے پراٹھے ملاحظہ کر کے اعلان کیا ''انہیں کھانے سے فقط ایک ہی شخص کا بھلا ہو سکتا ہے اور وہ ہے ڈاکٹر۔ جو معدہ درست کرنے کی قرار واقعی فیس لے گا۔''

''ویسے ان کے ڈریکولائی حُسن کا راز کیا ہے استانی جی۔'' اظہر نے استفسار کیا۔

''میں کچھ نہیں سن رہی۔'' نگین پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگی ''کھانا ہے تو کھاؤ نہیں تو بھاڑ میں جاؤ، میری بلا سے۔''

''ڈریکولائی حُسن و جمال کو بحال رکھنے کے لئے مخصوص قسم کے سولہ سنگھار ہوا کرتے ہیں محسن بات کو کسی اور ہی سمت ہانک گیا ''مثلاً چیری بلاسم فاؤنڈیشن۔ مرغی کے خون کی لپ سٹک، نیل پالش۔ خار پشت کا سا ہیئر سٹائل، کوئلے سے تیار شدہ کاجل اور پہاڑی بکرے کا استعمال کردہ پرفیوم۔''

''چھی۔ کھانے کے دوران کیسی غلیظ باتیں چھیڑ بیٹھے ہو۔'' نگین نے دونوں کو گھور کر دیکھا ''خالہ یہاں ہوتیں تو جھانپڑ سے ایسی تواضع کرتیں کہ دونوں کا دماغ درست ہو جاتا۔''

''خالہ کی جگہ یہ خدمت آپ انجام دے لیں۔'' محسن جل بھن گیا ''جی تو یہی چاہ رہا ہوگا''

''بدذائقہ کھانا پکانے والی خواتین کا نشانہ ستم بننے والے مردوں کے لئے اسمبلی میں ایک بل پاس کیا جانا چاہئے۔'' اظہر نے مجبوراً پراٹھے کو ہاتھ میں لے کر چکھنے کا تکلف کیا ''کس قدر مظلوم طبقہ ہوتا ہے جو پھوہڑ عورتوں کے جان لیوا تجربات کا مرکز بنتا ہے۔''

''آپ لے آیئے گا کسی دختر نیک اختر ماہر امور خانہ داری کو بیاہ کر۔ فی الحال ما حضر تناول کیجئے۔'' نگین نے اطمینان سے کہا۔

''اب تو نہ وہ دختران رہی ہیں نہ نیک اختر۔ ہوا ہی اور ہو گئی ہے۔'' اظہر نے ٹھنڈی سانس لی۔

''دختران سے یاد آیا۔ خاتون نام کی ایک عجیب و غریب تیکھی سی چیز ہمارے آفس

لٹ ہوئی ہیں۔ مس انیتا جی خیر سے اپنے سپروائزر صاحب جناب جابر علی پہ بہت مہربان دہ زلہد خشک بھی اچھے خاصے ملتفت پائے جاتے ہیں حالانکہ مصدقہ اطلاع کے مطابق وہ لی شدہ ہیں اور ایک سچ مچ کی نیک پروین کے شوہر ہیں۔''

''تو کنسٹرکشن کمپنی میں سارا دن یہی جاسوسیاں کرتا ہے۔'' اظہر نے گھور کر دیکھا ''تیری ما قابلِ دست اندازی پولیس ہیں نکے پانڈے۔''

''کمپنی کا سرٹیفائیڈ قانونی مشیر ہوں۔ احترام ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ وہ تو یونہی آج کل لٹ کے دن کاٹ رہے ہیں اس لئے مشغلے کے طور پر معلومات میں اضافہ کر رہے ہیں۔''

''میں تمہارے باس سے مل چکی ہوں۔'' نگین نے مطلع کیا۔ ''سنجیدہ اور رعب دار شخصیت الک ہیں۔ اُن سے تو امید نہیں کی جا سکتی ایسی ویسی اپائنٹ منٹ کی۔''

''نچلی سطح کا عملہ بذاتِ خود سپروائزر جابر علی، باس کے دوست اور کمپنی کے حصے دار ایمان ب کے مشورے سے اپائنٹ کرتے ہیں۔ مس انیتا بھی انہی کی ''دریافت'' ہیں۔ ہے تو کسی اس گھرانے کی لڑکی مگر ادا و ناز بڑی بڑی ایکٹریس کو مات کرتے ہیں۔''

محسن نے خاصے دل جلے انداز میں تبصرہ کیا۔ وہ اپنی پلیٹ اور کپ بیسن میں رکھ رہا تھا۔

''ہم اس وقت جابر علی کے موضوع پر بحث نہیں کر رہے۔ ختم کرو یہ بوریت۔'' اظہر نے کہا ''چلو پکنک کا پروگرام بناتے ہیں۔''

''خالہ جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ان کے بغیر خاک مزہ آئے گا۔'' نگین نے سہولت ار کر دیا۔

''ابھی نہ سہی۔ اگلے ویک اینڈ کے لئے بنا لیتے ہیں۔''

''بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ فی الحال تم خالہ جان کا بخار چیک کرو اور دوائی بھی دیکھ اُن کے لئے دلیہ بنانے لگی ہوں۔'' نگین نے برتن سمیٹے۔

''بڑی خدمتیں ہو رہی ہیں ہماری امی کی۔ کیا بات ہے، کہیں ان کے مایہ ناز سپوتوں پر تو نظر ہ تمہاری؟'' محسن باقاعدہ فکر مند ہو گیا۔

''نہیں۔ ابھی مجھے اپنے عالیشان بنگلے کے لئے ملازمین کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ برتن گی۔ اظہر کپڑا لے کر ٹیبل کلاتھ پر پھیرنے لگا۔ محسن تھرموس میں بچی ہوئی چائے ٹھکانے

لگانے کے لئے دوسرا کپ تیار کر رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اخبار کا از سر نو جائزہ لے رہا تھا۔

''کیوں نہ امی سے اجازت لے کر فلم دیکھنے چلیں؟ نیفڈیک نمبر 2 پہ ''چوڑیاں'' لگی ہے۔ تین سے چھ بجے والا شو دیکھ لیں گے۔ ویسے آج چھٹی ہے۔ بارہ سے تین بجے والا بھی گا۔'' محسن نے اچانک جوش و خروش کے عالم میں سر اٹھایا۔

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' اظہر نے فوراً تائیدی جوش کا اظہار کیا۔ ''زیادہ دیر بھی نہیں لگے گی تفریح بھی ہو جائے گی۔''

''تو پھر ڈن ہے۔'' محسن نے منتظر نظروں سے نگین کے تاثرات جاننے چاہے۔

''افوہ۔ آج کے دن تفریح نہ کرنے سے کوئی قیامت نہیں آئے گی۔ خالہ کیا کہیں گی بیمار پڑی ہوں اور انہیں سیریں سوجھ رہی ہیں۔'' وہ اپنی محتاط' معاملہ فہم اور دور اندیش طبیعت ہاتھوں مجبور تھی۔

''انہیں معمولی ٹمپریچر ہے۔ آرام کرنے سے شام تک ٹھیک ہو جائیں گی اور رہی ان ماننے کی بات تو ہماری امی ایسی نہیں ہیں۔ وہ بہت مختلف مزاج کی مالک ہیں۔ روایتی سوچ رکھتیں تاہم تمہاری تسلی کے لئے میں ان سے پوچھ لیتا ہوں۔''

اظہر اٹھ گیا اور نہ جانے کس انداز میں اس کی بات پہنچائی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ان بلاوے پر کمرے میں موجود تھی۔ انہوں نے پیار سے اسے قریب بلا کر پیشانی چومی۔

''جیتی رہو۔ شاد و آباد رہو۔ اتنی توجہ' محبت اور تعظیم میری سگی بیٹی بھی نہ دکھاتی۔ تم لوگ آؤٹنگ کے لئے جاؤ۔ میں تو خود اظہر اور محسن سے کہنے والی تھی کہ جب سے بچی آئی ہے ا بار کے سوا کہیں نکلنا نہ ہو سکا۔ میری تو بوتیک نے مت ماری ہوئی ہے۔ ان بچوں کی اپنی ا ہیں پھر تم بھی دن رات مصروف نظر آتی ہو۔ شہر کا مزاج ایسا ہے کہ لوگوں کا بھی ایک دوسر ہاں اتنا آنا جانا نہیں ہے۔ وگرنہ محلے داری کی رونقیں جی بہلا دیتیں۔''

''آپ ٹھیک ہو جائیں خالہ۔ پھر چلیں گے۔''

''میں تقریباً ٹھیک ہو چکی ہوں۔ بس سستی باقی رہ گی ہے' وہ بھی ایک دو پہر بعد اتر جا اور ایسا نہ ہوا تو بھی بیمار ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ دوسروں کو اپنی خاطر پابند کر دیا جا تیمارداری اور مزاج پرسی اور بات ہے' اس کی آڑ میں اگلے کو پٹی سے باندھ کے بٹھا لیا؟

رنی ہے۔''

نگین اُن کے صاف ستھرے انسانی اقدار پر مبنی خیالات سے بہت متاثر ہوئی۔

''اور پھر والدین کی آدھی بیماری تو بچوں کے ہنستے مسکراتے خوش باش چہرے دیکھ کر ختم ہو ا ہے۔ تم جا کر تیار ہو جاؤ۔ نکلتے وقت گیٹ باہر سے لاک کر دینا۔ میں دوائی کھا کر اب لمبی تان جاؤں گی۔ کسی نے آنا جانا تو ہے نہیں۔ واپسی پر خود ہی تالا کھول کر داخل ہو جانا۔ جاؤ گے ؟''

''ٹیکسی لے لیں گے۔ ویسے اب سیکنڈ ہینڈ ہی سہی گاڑی ضرور خرید لینی چاہئے۔ اب یہ وری ہوتا جا رہا ہے۔''

''گاڑی بھی پیسوں سے آتی ہے عقل مند۔'' بیگم ریاض نے اظہر کے بالوں میں انگلیاں وا میں۔ ''جب اس قابل ہو جاؤ گے تو ضرور لے لینا۔ ابھی تو اوپر والی منزل تعمیر کرانا ہے۔ کل اں کو تم دونوں کی دلہنیں آ گئیں تو وہ کہاں رہیں گی۔''

''اکیلی تھوڑی آئیں گی۔ اس کے ساتھ ساز و سامان بھی ہو گا۔ اصل مسئلہ سامان ٹھکانے نے کا ہو گا۔ ثابت ہوا کہ گھر کا ڈبل سٹوری ہونا بے حد ضروری ہے۔'' محسن بائیں طرف سے آ ر ماں کے سرہانے بیٹھ گیا۔ اس کے لہجہ میں فکر مندی کا عنصر تھا۔

''گویا صاحب زادے پہلے ہی حساب کتاب کر چکے ہیں۔''

''ایسی صورت و سیرت پر بھی آپ کو گماں ہے کہ کوئی کاٹھ کا الو اپنی بیٹی آپ سے بیاہ دے ؟'' نگین نے ٹھیک ٹھاک چڑایا۔

''کیوں۔ کیا کمی ہے جی مجھ میں؟ ایک معزز گھرانے کی آئی اینڈ لیپ ہوں۔ ماں کی آنکھ ا تارا ہوں۔ بھائی کا رائٹ آرم ہوں۔ بہت سوں کا ''ڈیئر' ڈارلنگ'' ہوں۔ غرضیکہ لاکھوں میں ایک ہوں۔ جانے کتنی خواتین اس غم میں دبلی ہو رہی ہیں کہ وکیل صاحب کسے اپنی دلہن بنائیں گے۔ میں تو کہتا ہوں استانی جی اس سے اچھا چانس نہیں ملے گا تمہیں۔ مجھے پھانس کر اپنا نصیب وا۔ فائدے میں رہو گی۔'' وہ بن کر بولا۔

بیگم ریاض باتھ روم میں چلی گئی تھیں۔ سو محسن کو چرب زبانی دکھانے کا بھرپور موقع مل گیا ۔ نگین کو اس کی ایکٹنگ پر بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

اظہر اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔

''کدھر چلے۔ وہی بڑے؟'' محسن نے آنکھ کے اشارے سے دریافت کیا۔

''شکر ہے بروقت یاد آ گیا۔ مجھے بارہ بجے ہاسپٹل پہنچنا ہے۔''

''مگر آج تو تمہارا آف ہوتا ہے۔'' نگین نے اس کی عجلت نوٹ کی۔

''ڈاکٹر یونس ایمرجنسی لیو پر جہلم گئے ہیں۔ ان کی جگہ ڈیوٹی لگی ہے۔ میں چلتا ہوں'' باہر نکلنے لگا۔

''آؤ گے کب تک۔'' محسن نے ہانک لگائی۔

''امید ہے تین بجے سے پہلے لوٹ آؤں گا۔ ہاں اگر دیر ہو گئی تو وہیں سے نیفڈ جاؤں گا۔ بمشکل پانچ منٹ کا راستہ ہے ہاسپٹل سے۔ تم اور نگین ٹیکسی پہ پہنچ جانا۔ میں تم دونوں ٹکٹ لے رکھوں گا۔''

''مگر بھائی تم ملو گے کہاں۔ بھلے سے ڈھونڈتے ڈھونڈتے ''فلم دی اینڈ'' ہو جا محسن نے پریشانی سے کہا۔

''نیفڈ یک ٹو پہ فلم لگی ہے ناں۔ یعنی بیس منٹ والے ہال میں۔'' اظہر نے چٹکی بجائی'' تو میں ہال کے دروازے پہ باہر کھڑا ملوں گا۔ وہیں جہاں فلمی پوسٹرز اور پورٹریٹس وغیرہ لگے اب میں چلوں۔ لیٹ ہو رہا ہوں۔ راستے میں موٹر بائیک میں فیول بھی ڈلوانا ہے۔ امی کو بتا اور یہ گیٹ بند کر لو استانی جی۔ پھر کہو گی دروازے کھلے چھوڑ کر نکل جاتے ہیں۔''

O☆O

''بٹیا۔ ابھی تم صبح سے ہم کا بتاؤ ناں۔ وہ غنڈہ لوگ کون تھا پھر ام کچھ سوچتا ہے۔ کچھ کر ما فک بنتا ہے۔'' تلقین میاں نے پیشانی مسلی۔

''خاک سوچیں گے۔ دھول کریں گے' ہونہہ۔'' مہرینہ بھڑکی۔ ''ڈیڈی۔ آپ تو بس ٹی وی دیکھا کریں یا اچھے اچھے کھانے پکوا کر جان بنایا کریں۔ آپ کو کیا غرض گھریلو مسئلے سے۔'' وہ بھڑ بھڑ جل بھن رہی تھی۔

''کوئی ہوتا لگا سگا غیرت مند باپ تو اب تک خون کی ندیاں بہہ چکی ہوتیں۔ آپ سے نہ ہو سکا کہ اور کچھ نہیں تو پولیس میں ہی اغوا کی رپورٹ درج کرا دیں۔ بیٹھے رہیں ہاتھ پہ ہاتھ

اور کھاتے رہیں اپنے نصیب کا۔''

وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔

''اوئی نوج۔ کیسے بات کر رہی ہو باپ سے۔ اے بٹی کتنی بار بولا ہے لہجہ دبا کے ہولے ہولے بولا کرو۔ بیٹیاں منہ پھاڑ کے بات کرتی اچھی نہیں دکھتی ہیں۔'' چاول چنتی بوا نے خفگی سے اٹھایا تھا۔

''بھلے نہ دکھیں''

وہ زہر خند ہوئی۔ اس کی طبیعت بے طرح چڑچڑی ہو رہی تھی۔ ''مجھے کسی کے دیکھنے دکھانے کوئی غرض نہیں۔ جہنم میں جائے ساری دنیا۔''

وہ لاؤنج کے صوفے کے بازو پر سر پٹختے ہوئے بڑبڑائی۔

تلقین میاں کچھ فاصلے پر قالین پہ بیٹھے ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں پکڑے ٹی وی سکرین پہ نظر ائے کچھ سوچ رہے تھے۔ ماتھے پر تفکر کی لکیریں تھیں۔

''اتی کڑوی کسیلی کیوں ہو رہی ہو بٹی۔ کاہے کو جیا جلاتی ہو۔'' بوا نے ہمدردانہ انداز اختیار کر لیا۔

''مجھ سے کچھ نہ پوچھیں بوا۔'' وہ رنجیدگی و بیزاری اور یاسیت کی انتہا پر پرواز کر رہی تھی۔ 'میرا کسی سے بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا۔ جی چاہتا ہے ہر شے کو توڑ پھوڑ دوں۔ زمین کے اس گولے کو کاغذ کی گیند کی طرح مٹھی میں لے کر مسل ڈالوں یا کم از کم شہر کی بڑی بڑی عمارتوں کو تو ور ہی آگ لگا دوں۔''

وہ سپاٹ انداز میں اظہارِ خیال کر رہی تھی۔

''اوئی میری میا۔'' سیدھی سادی روایت پرست بوا نے تھرتھرا کے کلیجہ تھام لیا اور مہرینہ کی طرف یوں دیکھا جیسے دماغ چل گیا ہو۔

''اری کیا ہو گیا ہے میری چندا۔ کیوں باؤلوں جیسی باتیں کرتی ہو۔ ابھی آپ ہی سمجھائیں لالا۔''

بوا نے اندر آتی یاسمین بیگم کو گھبرا کر مخاطب کیا تھا۔

''کیا ہو گیا۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں مہرینہ کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

مہرینہ نے پاؤں سکیڑ کران کے بیٹھنے کی جگہ بنائی تھی۔

''ہونا کیا ہے جی۔ بٹیا کو دیکھیں۔ کیسی عجیب عجیب بات کر رہی ہے۔ پہلے اپنے باوا
لڑتی رہی اب خود سے باتیں کر رہی ہے۔'' بوا نے تعجب سے مہرینہ کو دیکھا۔

''سیدھے سبھاؤ پاگل کیوں نہیں کہہ دیتیں آپ۔'' مہرینہ انکل کھرے انداز میں بولی۔ پھر
ماں کی طرف رخ پھیرا۔

''امی آپ نے ''مسٹر ملک'' کے ''کارنامے'' کی اطلاع پولیس کو دی یا نہیں؟''

''کیسے دیتی۔ الٹا اپنا تماشا بن جائے گا۔ ان کا کیا بگڑے گا۔ پولیس' اخباری رپورٹرز،
آس پڑوس کے محلے دار سب کے سب جان کو آ جائیں گے۔ چٹ پٹی داستان مل جائے
انہیں۔''

یاسمین بیگم کی صورت سے پریشانی مترشح تھی۔ وہ پچھلے دن دن سے رات کو سو نہیں سکی تھیں
سوچ سوچ کے ذہن تھکا ڈالا تھا مگر معاملے کا سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

''اغوا...... ایک سنگین جرم ہے اور قانون میں اس کے لئے بڑی سخت سزائیں رکھی گئی ہیں
آپ تھانے جا کر رپٹ تو درج کروائیں۔'' مہرینہ بے چینی سے گویا ہوئی۔

''قاعدے قانون کی بات نہ کرو۔'' یاسمین بیگم پھیکے سے انداز میں ہنس پڑیں۔

''یہاں صرف ایک ہی قانون چلتا ہے۔ وہی صدیوں پرانا جنگل کا قانون' طاقت' جبر،
ناموری کا قانون۔ دنیا کے ساتھ چلنا ہے تو پھر مفاہمت کرتے ہی بن پڑے گی۔ مصلحت کے سبق
یاد کئے بغیر زمانے کی درس گاہ میں داخلہ نہیں مل سکتا۔''

''رعب اور دھونس پنے کی کوئی حد ہوتی ہے۔ یہاں وہ بھی نہیں ہے۔'' بوا جل کر بولی۔

''پرسوں لونڈا لڑکی اٹھا کر لے گیا اور کل اماں باوا شادی کی تاریخ لینے چلے آئے۔ شرافت کا تو
زمانہ نہیں رہا۔''

''امی آپ کیوں ان کی دھونس پر خاموش رہیں۔ تڑاخ سے جواب دینا تھا کہ ہم نے یہ رشتہ
نہیں کرنا۔'' مہرینہ ناگواری سے بولی۔

''میں نے کہا ناں مصلحت پسندی اور سمجھوتے کے بغیر زندگی کی گاڑی نہیں چلا کرتی
انہوں نے سمجھایا۔

''تو کیا ہم اُن کے اثر و رسوخ' اور طاقت سے ہار مان کر ان کے آگے گھٹنے ٹیک دیں؟
من مانی کرنے کی اجازت دے دیں؟'' وہ بھنائی۔

یاسمین بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مسعود کی اُس دن کی ''جسارت'' کے بعد کچھ سوچنے پر
ہو گئی تھیں۔ اسی لئے جب کل اس کے گھر والے آئے تو انہوں نے دھیمی پڑ کر بات کی تھی۔

''ایک ماہ بعد کی جو تاریخ بھی آپ دیں گی ہمیں منظور ہو گی۔'' عذرا نے تہذیب سے کہا

''تاریخ وغیرہ بعد میں طے ہو جائے گی۔ مجھے سوچنے کا موقع دیجئے۔ میں خود فون کر کے
کو حتمی جواب سے آگاہ کر دوں گی۔'' یاسمین بیگم نے تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ لوگ جلدی
اب دینے کی تاکید کر کے مطمئن ہو کر رخصت ہو گئے اور یوں معاملہ خطرناک نکتے تک پہنچتے
رہ گیا تھا۔ مہرینہ بعد میں جی بھر کر تلملائی تھی۔

''آپ نے انہیں خوب کیوں نہ سنائیں۔ اُن کے بیٹے کے کرتوت بتانے تھے ناں۔''

''پھر کیا ہوتا۔ وہ صاف مکر جاتے یا ڈھٹائی سے سنی ان سنی کر دیتے۔'' وہ سکون سے گویا
ہیں ''انہیں اس سے کیا فرق پڑتا تھا جبکہ دادا محترم پہلے ہی رشتہ مانگتے ہوئے دھونس دھمکی اور
ب دجلال کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔ پوتا ایسے نہ کرتا تو دادا صاحب اپنے آدمیوں کے ذریعے اٹھوا
''

''کمال ہے آپ کو ان جاگیرداروں کے مزاج' عادات اور فطرت کے بارے میں اتنی
لم کیسے پتا ہیں۔'' مہرینہ نے آنکھیں پٹپٹائی تھیں۔

جواب میں یاسمین بیگم پُر اسرار انداز میں مسکرائیں۔

''لوگ محاورۃً کہتے ہیں لیکن میں حقیقتاً یہ بات کہہ رہی ہوں کہ میں نے یہ بال دھوپ میں
نہیں کیے۔ جانے کتنا کچھ جان کر یہ بے خبری و بے پروائی کی ادا سیکھی ہے۔''

''بی بی تم نے بتایا نہیں۔ کیا سوچا ہے اس رشتے کے بارے میں۔'' بوا کے چونکانے پر
ین بیگم نے سر جھٹک کر پہلو بدلا۔ ''کیا کرنا ہے۔ کیا بتانا ہے ان لوگوں کو۔'' بوا نے وضاحت
کہا۔

''کیا بتانا ہے۔'' مہرینہ بگڑ کر بولی ''ظاہر ہے صاف انکار اور کیا۔ میں کبھی اس شخص سے

شادی نہیں کر سکتی جسے یہ نہ پتا ہو کہ ہر رشتے اور جذبے کی پہلی شرط باہمی احترام ہوتا ہے۔ جو
نہ کر سکے وہ محبت بھی نہیں کر سکتا۔ جس کو آپ کی عزتِ نفس کا خیال نہ ہو وہ شخص کبھی آپ سے
نہیں ہو سکتا۔ میں بتا رہی ہوں امی۔ آپ کسی صورت ہامی نہیں بھریں گی۔'' اس کا لہجہ قطعی تھا
''بچوں کی طرح ایک ہی بات پہ نہ اڑ جایا کرو۔ حالات بھی دیکھا کرتے ہیں۔'' یا سمین
الجھ کر بولیں۔ اُن کے لہجے میں چڑچڑاپن' انتشار اور بے ربطی تھی یوں جیسے خود بھی کسی نتیجے پر
پا رہی ہوں۔

''اور یہ تم دو تین دن سے کالج سے ناغہ کر رہی ہو۔ پڑھائی کا کتنا حرج ہوا ہوگا۔''

''میرا دل نہیں چاہتا جانے کو۔'' وہ منہ پھلا کر بولی۔

''بُری بات۔ کل ضرور جانا۔'' انہوں نے تنبیہ کی۔

''دیکھوں گی۔'' وہ بے دلی سے بولی اور سلیپر پاؤں میں اڑس کر کھڑی ہو گئی۔

O☆O

''راحت۔ تمہیں اماں بلا رہی ہیں۔'' فرحت نے کمرے میں جھانکتے ہوئے اطلاع
راحت قلم کاغذ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''کتنی بار کہا ہے باجی کہا کرو۔ تم سے بڑی ہوں میں۔''

''اوں۔ صرف دس مہینے کا ''بڑا پن'' ہم سے ہضم نہیں ہوتا۔'' فرحت نے ہنس کر چڑایا
''طلعت آپا اور ان کی ''ڈیئر'' ساس چلی گئیں یا ابھی تک اماں کے ساتھ تخت پر جلوہ ا
ہیں۔''

''آثار بتاتے ہیں کہ رخصت ہو چکی ہیں۔ میرے کان خاصا آرام محسوس کر رہے ہ
فرحت نے اپنے کان ہاتھوں سے دبائے۔

''توبہ' اس قدر بولتی ہیں صفیہ خالہ کہ کبھی کبھی ان کی زبان کا میٹریل چیک کرنے کو جی
ہے۔ خصوصاً چغل خوری کرنے میں اُن کا جواب نہیں۔ اس فراٹے سے جھوٹ بولتی ہیں ک
مشکل ہو جاتا ہے۔''

فرحت کے تبصرے نے راحت کو بے طرح گدگدایا۔

''آہستہ بولو۔ اماں نے سنا تو خفا ہوں گی اور اماں نے طلعت آپا کو روکا کیوں نہیں۔ ز

ی بھر کے اُن سے بات بھی نہیں کی تھی۔ ساس کے ساتھ آئیں' انہی کے پاس چپکی بیٹھی رہیں۔
بھو رہی تھی صفیہ خالہ انہیں چھوڑنے آئی ہیں۔''

''کہاں بھئی۔ ان کی بڑی نند روحی آپا مع اہل و عیال میکے آئی ہوئی ہیں۔ پورے ٹبر کا کھانا
ن تیار کرتا۔'' فرحت طنز سے بولی۔

''سارا کام ہماری بہن صاحبہ نے خراب کیا ہوا ہے۔'' راحت بڑبڑائی۔ ''نہ سسرالیوں کو اتنا
ہ جاتیں اور نہ وہ دیدہ دلیری سے انہیں کنیز بنا کر بے وقعت کرتے اور بھی تو عورتیں ہیں۔ کیا
، سے سسرال میں رہتی ہیں۔ ۔ن کرتی ہیں۔ ساسوں نندوں کے تیروں کا رخ چالاکی سے
ا کی جانب موڑ دیتی ہیں۔ معاملہ سنبھالنے کے ہزار ڈھنگ ہوتے ہیں۔ دل جیتنے کے لئے فقط
ی' غلامی اور عاجزی ہی درکار نہیں ہوتی اور بھی سوگن ہوتے ہیں دوسروں کو اپنا بنانے کے۔
ا تو بس ایک ہی فارمولے کو مٹھی میں دبائے بیٹھی ہیں۔''

وہ اماں کو ڈھونڈتی ہوئی صحن میں آ گئی۔

''جی اماں۔ مجھے بلایا تھا۔''

''بیٹھو یہاں۔'' خلافِ توقع اُن کا چہرہ اور لہجہ سنجیدہ تھا۔

''جی۔ کہیں کیا کہنا ہے۔'' وہ چونک کر ماں کی شکل دیکھتے ہوئے جیسے کچھ اخذ کرنے کی
ش کر رہی تھی۔

(آج کون سا بم پھوڑ کے گئی ہیں صفیہ خالہ)

''تم اُس دن بازار میں کس لڑکے سے ملی تھیں۔'' ان کا لہجہ اور نظر نیچی تھی۔

''لڑکے سے......!'' وہ بھونچکا رہ گئی پھر مس تمکین فاروقی کے لڑن کا دھیان آیا۔

''کمال کرتی ہیں اماں آپ۔ اس کا مطلب ہے میرے متعلق ایرا غیرا جو بھی کہے گا آپ
یقین کر لیں گی۔'' اسے سچ مچ صدمہ ہوا۔

''صفیہ خالہ کی فطرت کو تو میں اچھی طرح جانتی ہوں' آپ کے منہ سے ایسی بات سن کر
دکھ ہو رہا ہے۔ اماں! آپ ان کی سوچ اور ذہنیت کو سامنے رکھ کر بات نہ کریں۔ میں سمجھ سکتی
انہوں نے اس دن میری ٹیچر اور ان کے رشتے دار سے اتفاقیہ سلام دعا کو کیا رنگ دیا ہوگا۔
ایسی بات کریں' کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟ میں آپ کی بیٹی ہوں۔ آپ میری رگ رگ

سے واقف ہیں۔ کیا میں آپ کو ایسی لگتی ہوں جو ذرا سی آزادی پا کر آپے سے باہر ہو جاتی ہیں
غلط راستوں پہ چل نکلتی ہیں۔ جس پر جتنی ذمے داری بڑھے وہ اتنا ہی حساس، مجبور اور محتاط ہو
ہے۔"

"بات میرے یا تمہارے اعتبار کی نہیں ہے بیٹی۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس لی۔

"سیانے کہتے ہیں چادر جتنی صاف ہو گی اس پر داغ بھی اتنا ہی نمایاں نظر آئے گا۔ تم
ہو تمہارا باپ سارے خاندان برادری کی مخالفت مول لے کر تمہیں پڑھا رہا ہے۔ تمہیں ملا
کرنے کی اجازت دی ہے۔ کیسی کیسی باتیں سنتے ہیں ہم اس کے پیچھے مگر تمہاری خوشی کو مقدم
ہیں۔"

"مجھے اس بات کا پورا احساس ہے اماں مگر یہ تو بتائیں مجھ سے کیا خطا ہوئی۔ کون سی
لگائی ہے خالہ نے میرے خلاف۔"

"وہ کہہ رہی تھیں تم بھرے بازار میں گھنٹا بھر اس لونڈے سے باتیں مٹھارتی اور ٹھٹھے
رہیں۔"

"استغفراللہ۔" راحت نے بے اختیار کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "کیا صفیہ خالہ نے اللہ ...
نہیں دینی۔ اتنا جھوٹ۔ اُف۔ کیسی بے ضمیر عورت ہیں۔"

"ہمیں کسی کے کردار سے کیا۔ کون کیسا ہے؟ بندے کو اپنے دامن پہ نظر رکھنی چا
اماں ناراضگی سے بولیں۔

"آپ یقین کریں۔ اماں میری مس سے بمشکل دو چار منٹ کی بات ہوئی تھی۔ ...
نظر آ گئی تھیں اور انہوں نے مجھے دیکھ بھی لیا تھا۔ اب کیا سلام نہ کرتی۔" راحت نے جیسے صفا
ساتھ ساتھ دلیل بھی دی۔

"جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ استانی کے ساتھ کوئی مرد بھی ہے تو سلام کر کے
جاتیں۔ کیا ضرورت تھی بات بڑھانے کی۔" انہوں نے جرح کی۔

"میں نے بات تھوڑی بڑھائی تھی۔ مس جو پوچھ رہی تھیں اس کا جواب دیا تھا اور ا
ساتھ کون سا کوئی غنڈا بدمعاش تھا جو میں بدک کر بھاگ کھڑی ہوتی۔ آخر اخلاق بھی کس
نام ہے۔" وہ جھنجلائی۔

"اس "اخلاق" کا نتیجہ تو طلعت کو بھگتنا پڑا ہے ناں۔ ساس نے ساری داستان نمک مرچ
لگا کو سنائی تھی۔ اُس نے طعنے دے دے کر طلعت کی وہ مٹی پلید کی کہ بس......" اماں سخت
... تھیں۔

"جابر بھائی عادت میں بالکل اپنی امی پر گئے ہیں۔ ان سے اور توقع بھی کیا ہو سکتی ہے۔"
اطلاع پا کر رنجیدہ ہو گئی۔

"شاید جابر میاں خود بھی ادھر آئیں۔ تم سے بات ہو تو ہتھے سے مت اکھڑ جانا۔ جو کہے
... سے سن لینا۔ خواہ مخواہ بات بگاڑنے سے تمہاری بہن کا گھر خراب ہو گا۔" انہوں نے دبے
... میں سمجھایا۔

راحت کو غصہ تو بہت آیا تاہم ماں کی خاطر مجبوراً سر ہلا کر ہامی بھری۔

O☆O
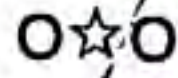
"تین بجے سے کھڑا سوکھ رہا ہوں۔ کہاں رہ گئے تھے۔"

محسن اور نگین کو نیفڈ یک ٹو کے ہال کی طرف بڑھتے دیکھ کر دروازے پہ کھڑے اظہر نے سکھ
کا سانس لیا تھا۔

"ہم سے ناراض مت ہو۔ قصور ٹیکسی والے کا تھا۔ محسن جانے کس اناڑی کو پکڑ لایا تھا۔
لوکیشن کا ہی نہیں پتا تھا۔ سارے راستے مغز ماری کرتے رہے کہ بھائی سعودی پاک ٹاور کی
... سے روڈ کراس کر کے سیدھا نیفڈ یک سینما ہے مگر کہاں۔ بلیو ایریا لال کوارٹر شاپ والا پتا
... سمجھا دیا کہ اس روڈ سے چلو۔ نتیجہ صفر۔ شکر ہے اسے سپر مارکیٹ کا راستہ آتا تھا۔ وہاں سے
... گائیڈ کیا۔" نگین نے ساری تفصیل بتائی پھر اس کے ہاتھ سے ٹکٹ لے کر دیکھنے لگی۔

"پورے ہیں ناں۔ اور فلم کب شروع ہو گی۔ تین بیس ہو رہے ہیں۔"
اس نے گھڑی پہ نگاہ کی۔

"شو تو تین بجے کا ہے۔ مگر شروع کرتے کراتے ہاؤس فل ہونے کے انتظار میں ساڑھے
... ہی جاتے ہیں۔ ابھی سکرین پر اشتہار لگے ہوں گے۔ آؤ چلتے ہیں۔ بعد میں سیٹیں ملنا
... ہو جائے گا۔" اظہر مڑا۔

ہال کی تمام لائٹیں بجھائی جا چکی تھیں۔ دیوار گیر سکرین روشن ہو چکی تھی۔ اظہر کی پیشن گوئی

بیچ ہی نکلی۔صابن کا اشتہار لگا ہوا تھا۔

''اگلی رو میں بیٹھتے ہیں۔'' محسن نے تجویز دی۔

''ہرگز نہیں۔اتنے قریب سے دیکھنے سے آنکھیں خراب ہو جائیں گی اور کانوں میں گڑگڑاہٹ گونجے گی وہ علیحدہ۔درمیان کی رو میں سیٹ ڈھونڈو۔'' نگین نے فوراً اختلاف کیا تھا

بالآخر وہ پانچویں رو میں درمیان کی تین خالی سیٹوں پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہو
نگین بیچ میں تھی۔دونوں بھائی اس کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔

قومی ترانے کے بعد فلم شروع ہوئی۔

حسبِ معمول تماش بین لڑائی مار کٹائی اور رومینٹک سین کے آغاز کے ساتھ سیٹیاں شروع ہو جاتے۔تبصرے بھی کئے جاتے۔تاہم اس سینما کا کراؤڈ نسبتاً مہذب، سنجیدہ اور شائ تھا۔وہ تینوں خاموشی سے فلم دیکھ رہے تھے۔آپس میں بات کرنا آسان تھا بھی نہیں۔آواز ا اونچی تھی کہ ہر مکالمہ سماعت میں ہتھوڑی بن کر بجتا تھا۔رہی سہی کسر کچھ نٹ کھٹ سے نوعمر تما بینوں کی وسلنگ نے پوری کر دی تھی۔مگر بیچ میں جب کچھ ایسے سین آئے کہ سکرین پر نظر جما بیٹھے رہنا ناممکن ہو گیا تو اظہر اور محسن نگاہ چُرا کر اس ''چلبلے'' گانے کے بولوں اور پکچرائزیشن کا زائل کرنے کے لئے نگین کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''کیا حال ہیں عزیزہ۔کیسی لگ رہی ہے فلم۔'' اظہر نے پہل کی اور اس کا سنگین نتیجہ بھگتنا پڑا۔

''ٹھہرو صاحب زادے، میں بتاتا ہوں کیا حال ہے۔'' اظہر کے آگے بیٹھے صاحب بل کر غراتے ہوئے پیچھے پلٹے تھے۔اُن کے ساتھ سبز ریشمی سوٹ میں ملبوس چھبیس ستائیس برس ایک خاتون بھی ناگواری سے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا جناب۔میں نے آپ سے تو کچھ نہیں کہا۔'' اظہر حیران ہوا۔

''خوب۔تو میری بیوی کا نام اتنی بے تکلفی سے کون لے رہا تھا؟'' وہ انگارے چبا بولے۔

''آپ کی بیوی کا نام؟ بخدا میں نے محترمہ کو مخاطب کرنے کا گناہ نہیں کیا۔ایسا کر بھی کیسے سکتا ہوں۔مجھے ان کا اسمِ گرامی ہی معلوم نہیں۔'' آخری جملہ خاصے افسوس سے ادا کیا گیا۔

''نمبر ایک کے جھوٹے اور مکار ہو تم۔ابھی بکواس نہیں کی تھی کہ کیا حال ہیں عزیزہ۔'' طیش دل کا بُرا حال تھا۔

''اومائی گڈنیس۔'' اظہر نے پہلے سر پہ ہاتھ مارا پھر بے اختیار ہنستا چلا گیا۔

''سوری جناب! آپ کو مغالطہ ہوا ہے۔انہوں نے مجھے مخاطب کیا تھا۔'' نگین موقع کی دیکھ کر نرمی و سنجیدگی سے گویا ہوئی۔''ہم میں سے کسی کو علم نہیں تھا کہ آپ کی بیگم کا نام عزیزہ ''وہ مزید بولی۔

خدا خدا کر کے معاملہ رفع دفع ہوا تو اس جوڑے نے گردنیں واپس موڑ لیں۔

''لاحول ولاقوۃ۔نام رکھنے کے سلسلے میں اتنی عظیم بدذوقی پہلی بار دیکھنے میں آئی ہے۔'' جھک کر سرگوشی میں نگین سے کہا۔

''اونہوں۔ابھی بمشکل جان چھڑائی ہے نک چڑھے صاحب سے۔کیوں دوبارہ پھڈے پیچھے لگانا چاہتے ہو۔''

''بتاؤں بھائی صاحب کو۔یہ حسینہ مس نگین آپ کو بھرا اسانڈ کہہ رہی ہے؟'' محسن نے نگین چڑا لیا۔

''ہمت ہے تو بتا دو۔اب کی بار وہ ثابت بھی کر دکھائیں گے۔تمہیں ٹکر مار کر۔'' نگین سے بولی۔

''اچھا چھوڑو۔فلم کے متعلق کچھ تبصرہ ہو جائے۔'' اظہر نے موضوع بدلا۔''کیا رائے ہے ''

''اچھی ہے۔'' نگین مختصراً بولی۔

''آج کے دور میں اچھی فلم بنانا بھی اِک کوہ گراں ہے گویا۔عموماً دو طرح کی فلمیں بنائی جاتی آرٹ یا کمرشل۔آرٹ فلمیں تکنیکی اعتبار سے تو بہترین ہوتی ہیں مگر بزنس نہیں کرتیں اور اتیں۔کمرشل فلموں میں بارہ مصالحے کی چاٹ شامل ہوتی ہے، وہ بزنس خوب کرتی ہیں نی اعتبار سے بے شمار نقائص اور خامیاں پائی جاتی ہیں۔فلم سازوں کو کوئی بیچ کی راہ ہئے۔یعنی ایسی فلمیں بنائیں جو آرٹ فلموں کی طرح تکنیکی لحاظ سے بھی ٹھیک ہوں اور ر ایسی دلچسپی و تجسس لئے ہوں کہ کمرشل سطح پر بزنس بھی خوب کریں۔ان میں حقیقت

پسندی' افسانوی پن' محبت' معاشرتی اقدار اور ایکشن اس طرح ضم کیا جائے کہ فلم کا ہر سین لگ دے۔"

"میاں۔ جب تمہیں فلم میکنگ کی اتنی سدھ بدھ ہے تو خود کوئی فلم کیوں نہیں بنا وہی والے صاحب گردن کو قدرے ٹیڑھا کر کے دوبارہ بھڑ گئے۔ تاہم اب کی بار لہجہ دوستا

"جناب جس طرح میرے خیالات جان کر آپ کو یہ نیک مشورہ سوجھا اسی طرح آ دیکھ کر میرے ذہن میں ایک خاکہ اترا ہے۔ کیوں نہ آپ میری مجوزہ فلم کے ہیرو بن جا بڑے عرصے سے دبلے پتلے' لمبے لمبے بالوں والے ہیرولڑ کے فلم انڈسٹری میں کام کر ر اب کوئی تبدیلی آنی چاہیے۔ گنجے' لحیم شحیم موٹے تازے اور گہرے کالے رنگ کے ماشا کے توپ ہیرو کی شکل میں۔ میں شرطیہ کہتا ہوں آپ کے آتے ہی فلم انڈسٹری میں تھرتھلی مچ گی۔"

اظہر بلا کی معصومیت وسادگی سے پلکیں جھپکا کر بولا۔

جواب میں موصوف نے اس کی بدتمیزی اور بدلحاظی پر ایک طویل خطبہ دیا۔ پھر ی سمجھانے اور صائمہ جی کے سکرین پر آنے کی وجہ سے ہانپتے کانپتے دوبارہ سیدھے ہو گئے

"مجھے علامہ اقبال کا خطبۂ الہ آباد یاد آ گیا۔ وہ اس سے زیادہ لمبا نہیں ہوگا۔" محسن جوڑا۔ نگین ہنس ہنس کر دوہری ہو رہی تھی۔ سچوایشن ہی ایسی تھی۔

بالآخر فلم ختم ہوئی۔ چند ایک قابلِ اعتراض سین کے علاوہ مجموعی طور پر کہانی جاندار' مربوط اور دیہی زندگی سے قریب تر تھی۔

جہاں فلم دیکھ کر وقت اچھا گزرا وہاں نگین کو اپنے کزنز کی اعلیٰ کرداری' نیک نیتی ہوئی پیاری فطرت پر فخر بھی محسوس ہوا۔ لڑکی کے ساتھ سینما ہال کے بھٹکانے اور حوصلہ والے ملگجے نیم تاریک ماحول میں بیٹھ کر اچھے خاصے ہوش مند شخص کا دماغ خراب ہونے لگ اور وہ کسی بہانے عامیانہ پن پہ اتر آتا ہے یا کم از کم "ایسے ویسے" سین پر معنی خیز انداز میں متوجہ کر کے کچھ نہ کچھ ضرور کہتا ہے اور لڑکی پانی پانی ہو کر رہ جاتی ہے۔ خود کو کوستی ہے کہ کیوں کر چلی آئی۔ سارا مزہ کرکرہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ مگر محسن اور اظہر نے جس شائستگی' سکون اور کا مظاہرہ کیا تھا' وہ اُن کے کردار کی ٹھوس تعمیر اور تربیت کی پختگی کی واضح علامت تھا۔ دونو

درجہ حساس اور سمجھدار تھے کہ فلم کے کسی "رنگین وسنگین" سین پر نگین کو پیش آنے والی کوفت و لت اور گھبراہٹ کا تاثر زائل کرنے کے لئے خوبصورتی سے فلم سے ہٹ کر اسے اپنی دلچسپ توں میں لگا لیتے تھے تاکہ وہ ایزی ہو جائے۔

"اوئے اٹھ اوئے۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" انٹرول میں لیا ہوا بیف برگر ابھی تک محسن ہاتھ میں تھا۔ اٹھتے اٹھتے جانے کدھر کو نظر گئی کہ وہ تیز متحیر سرگوشی میں انہیں متوجہ کر گیا۔ فلم ختم ہو الی تھی اور اب لوگ تبصرے کرتے ہوئے آہستہ آہستہ نشستیں خالی کرتے جا رہے تھے۔

سینما کے منتظمین اگلے شو کی تیاریاں کر رہے تھے۔

"کیا دیکھا تیری ہمیشہ کی گنہگار آنکھوں نے؟" اظہر نے سائیڈ پہ ہو کے نگین کو رو سے نکل اوپر سیڑھیاں چڑھنے کا اشارہ کیا۔

"وہ دیکھو ہماری کمپنی کے سپر دائزر جابر علی انیتا جی کے ساتھ فلم دیکھنے کے بعد باہر نکل رہے ہیں۔"

"کون انیتا۔" نگین نے محسن کی شکل دیکھی۔

"ارے بھئی وہی ٹیلی فون آپریٹر جو ہمارے آفس میں نئی بھرتی ہوئی ہے اور جابر صاحب پر ماس مہربان ہے۔" محسن نے لہجہ دبا کر کہا۔

"توبہ' شادی شدہ ہو کر یہ لچھن ہیں۔"

"اسی لئے تو میں شادی نہیں کرتا۔" محسن نے دانت نکالے "کہ کہیں میرا اخلاق بھی نہ بگڑ جائے۔"

"آپ پہلے ہی ضرورت سے زیادہ بگڑے ہوئے ہیں۔" اظہر نے اطمینان سے کہا۔

"ہو سکتا ہے شادی کے بعد معاملہ الٹ ہو جائے۔ یعنی مثبت نتائج سامنے آئیں۔"

"کیا خیال ہے جابر صاحب سے سلام دعا کروں۔" محسن نے شرارتی سی سرگوشی بھری "اب شرمندہ ہوں گے۔"

"جنہوں نے شرمندہ ہونا ہو اُن کے لئے ان کے ضمیر کی لتاڑ ہی بہت کافی ہوتی ہے اور وں نے نہ ہونا ہو اُن کو کسی کے دیکھنے دکھانے سے فرق نہیں پڑتا۔ چلو تم اپنی راہ لو۔" نگین نے ونی گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''خواہ مخواہ تم نے روک دیا استانی جی۔ بڑا جی چاہ رہا تھا اس ''ہدایت'' پر عمل کرنے کو م
کُڑی منڈا او یکھو رنگ وِچ بھنگ پاؤ۔ نیویں نیویں ہو کے کول جا کے کھنگ جاؤ۔''
محسن پر شرارت کا بھوت سوار تھا۔
سینما کے احاطے سے نکل کر روڈ پر آ کر وہ ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ مغر
اذانیں ہو رہی تھیں۔ شام ڈوبنے کے قریب تھی۔
''کوئی ٹیکسی ہی نہیں مل رہی۔'' ادھر نے ادھر اُدھر سڑک پر نظریں دوڑائیں ''لگتا ہے ا
روڈ پہ جانا پڑے گا۔''
''ایک دن وہ بھی آئے گا جب میں اپنی نئی گرے ہونڈا ہوک کا فرنٹ ڈور کھول کر ا
جی سے کہوں گا۔ ملکہ عالیہ تشریف لائیے۔''
محسن نے لانگ ٹرم پلاننگ بتائی اور کمر کو ہلکا سا خم دے کر باقاعدہ جھک کر ریہرسل کی
''جب تک ''وہ'' وقت آئے گا ائر ٹریفک عام ہو چکی ہو گی۔ یہ بھی ممکن ہے استانی
تمہاری آفر کے جواب میں کہیں'' سوری اپنا چھکڑا اسنبھال کر رکھیں۔ میری ائر کار ابھی اُڑتی ،
لینڈ کرنے والی ہے۔'' اظہر نے ٹکڑا لگایا اور نگین اُن کے مکالموں پر بے ساختہ ہنس دی۔
اسی وقت ایک ٹیکسی ہارن بجاتی ہوئی قریب آئی تھی۔ اظہر کے ہاتھ دینے پر آہستہ آ
کنارے پر آن رکی۔

O☆O

''بی بی آپ سے ایک بات کرنی تھی۔'' ماسی پلو سے ہاتھ پونچھتی ہوئی پاس آئی۔ زرلا
نے چونک کر اُس کی صورت دیکھی۔
''ابھی تک تو میں آپ کے کہنے پہ سویرے سے رات تک یہاں رک جاتی رہی تھی پر جی ا
مشکل ہو گیا ہے۔''
''کیوں۔ اب کیا مسئلہ ہو گیا ہے۔'' زرلالہ پریشان ہو گئی۔
''او جی میرا خاوند نہیں مانتا۔ کہتا ہے گھر میں بچے بھوکے پیاسے ماں کے انتظار میں
رہتے ہیں اور تم رات کے دس دس بجے تک گھر سے باہر رہتی ہو۔'' ماسی نے اپنی مجبوری بتائی۔
''اوہو۔'' زرلالہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔

''مجھے دن میں کئی مرتبہ ہسپتال جیا کو دیکھنے جانا پڑتا ہے۔ تم گھر میں ہوتی ہو تو بچوں کی
ل سے تسلی رہتی ہے۔''
''بی بی ایک بات کہوں۔ آپ اس مسئلے کا کوئی پکا حل سوچو۔ دیکھو ناں اب کب تک آپ
ں موٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ اکیلے رہ سکو گے۔'' اس نے صلاح دی۔
''کیا حل سوچوں۔'' زرلالہ اداسی سے بولی۔
''کیا آپ کا کوئی بھی نہیں ہے جان پہچان والا بندہ؟ میرا مطلب ہے کوئی رشتے دار۔ آپ
ساتھ کسی بزرگ کو ہونا چاہئے یا فیر......'' وہ دانستہ چپ ہو گئی۔
''یا پھر کیا۔''
''یا فیر آپ کو شادی کر لینی چاہئے۔ خاوند کا ساتھ مل جائے تو ساری مشکلیں دور ہو جائیں
ں۔'' ماسی نے ڈرتے ڈرتے تجویز دی۔
''شادی۔'' ایک بے نام سی استہزائیہ مسکراہٹ زرلالہ کے ہونٹوں پر ابھر آئی۔
''صحیح کہہ رہی ہوں بی بی۔'' اس کی خاموشی دیکھ کر ماسی کا لہجہ مضبوط ہو گیا۔ ''ابھی آپ کی
ں کیا ہے۔ ایسا سوہنا رنگ روپ' کچی عمر اور لاوارثی۔ سچ بی بی دنیا آپ کا جینا حرام کر دے
۔ زمانہ بڑا خراب ہے اور مرد ذات اکیلی عورت پہ جناور کی طرح ٹوٹتی ہے۔'' ماسی کے لب و
لہجہ میں زمانے بھر کے تجربات کا نچوڑ شامل تھا۔
''شادی کرنا یا نہ کرنا میرے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ کوئی جادو کا کھیل تھوڑی ہوتا ہے۔
ں تم دعا کرو جیا صحت یاب ہو کر گھر واپس آ جائیں پھر سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔''
''ڈاکٹروں نے کیا کہا ہے۔''
''وہ اپنی سی کر چکے ہیں۔ اب سارا دار و مدار دعا پر ہے۔ فی الحال تو انہیں مستقل دماغی
اس کے وارڈ میں ایڈمٹ کر لیا گیا ہے جہاں مصنوعی آلات اور میڈیسن کے ذریعے انہیں
گی سے قریب رکھا جا رہا ہے۔ وہ کب ہوش و حواس کی دنیا میں واپس لوٹتی ہیں اس کے بارے
ں پہ نہیں کہا جا سکتا۔ شاید ایک ماہ بعد۔ ایک سال بعد یا پھر کبھی نہیں۔'' وہ مایوسیت سے بولی۔
''اوہ۔'' ماسی کو دلی افسوس ہوا۔
''آپ کے گھر کا خرچہ کیسے چلے گا بی بی۔''

''یہی سوچ رہی ہوں۔ ہاتھ میں تو جتنے تھے سب خرچ ہو گئے۔ بینک میں کچھ نہیں کیونکہ کچھ ماہ پہلے جیا نے مہراب بھائی کی تنخواہ جوڑ کر اسی ہزار روپے بینک کے قرضے کی مد جمع کروائے تھے۔ بینک سے بار بار نوٹس آ رہا تھا۔ کافی مدت گزر گئی اس بات کو شاید دوبارہ نوٹس جائے۔ دس لاکھ روپے کا قرض ہے جو سود سمیت بڑھ کر یقیناً پندرہ لاکھ تک پہنچ چکا ہوگا۔ سمجھ نہیں رہا اگر بینک کو یکمشت ادائیگی کرنا پڑی تو اتنی رقم کہاں سے لاؤں گی۔''

''اتنے پیسے تو گھر بیچ کے ہی مل سکتے ہیں۔''

ماسی نے تو یونہی گوہر افشانی کی تھی تاہم زرلالہ کے ذہن کو نیا کلیو مل گیا۔

''ہاں ایسا بھی تو کیا جا سکتا ہے۔'' اس نے دل میں سوچا ''گھر بیچ کر قرض ادا کرنے کے بعد جو رقم باقی بچے گی اس سے کوئی فلیٹ یا پورشن کرائے پہ لیا جا سکتا ہے۔ مگر ان سب معاملات ڈیل کرنے کے لئے کسی پختہ' آزمودہ کار اور جہاندیدہ شخص کی ضرورت ہے۔ کاش جیا پیرالائز نہ ہوتیں۔'' اس نے ہاتھ ملے۔

ماسی سلام کر کے جا چکی تھی۔ شام کا سنہرا پن در و دیوار پہ عکس بکھیر رہا تھا۔

پھر رات۔ وہی عذاب۔ وہی کھٹکے سے بوجھل نہ گزرنے والی طویل گھڑیاں۔ خوف اعصابی کشیدگی اور کسی انہونی کے ہونے کا ڈر۔

زرلالہ منتشر دل و دماغ لئے لان سے اٹھ کر اندر آئی تھی۔

O☆O

''سنا ہے تمہارے کزن دراب ملک نے تمہاری ضد میں بلیو ایریا میں کوئی آفس بنایا ہے میں نے اخبار میں سٹاف وانٹڈ کا اشتہار پڑھا تھا۔''

ایمان نے فائل پہ پیپر ویٹ رکھتے ہوئے کاغذ کے پلندے میں گم ساحر کو مخاطب کیا۔

''ملک بابا ذکر کر تو رہے تھے۔ میں نے دھیان نہیں دیا۔ ہوگا ایسا کچھ ارادہ۔ وہ کافی دنوں سے اسلام آباد اور ملک آباد میں پایا جا رہا ہے۔ شاید اسی چکر میں ہو۔'' ساحر نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''سارا کھیل پیسے کا ہے۔ جیب بھری ہو تو راتوں رات آفس کی بلڈنگ خرید کے کام شروع کیا جا سکتا ہے۔'' ایمان نے انگڑائی لے کر بدن ڈھیلا چھوڑ دیا اور کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

''ملک آباد والا معاملہ سیٹ ہو چکا ہے۔ ملک بابا نے ایاز چچا اور ان کے صاحبزادے کو اس طرح سمجھا دیا ہے' وہ میرے معاملے میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔ تم سروے ٹیم کو مطلع کر دو انشاءاللہ پرسوں سے باقاعدہ کام شروع ہو جائے گا۔ ٹھیک ہے۔''

''ہوں۔ ٹھیک ہے۔'' ایمان کسی گہرے دھیان سے چونکا۔

''کیا بات ہے۔'' ساحر نے غور سے اسے دیکھا۔ ''تم ہو کہاں؟'' ساحر نے اب کے دھیان سے اس کا جائزہ لیا۔

''کہیں بھی نہیں۔ میں تو یہیں ہوں۔'' ایمان ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

''کیا سوچ رہے تھے؟'' ساحر بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''یہی کہ

وہ نہیں ملتا ایک بار ہمیں
اور یہ زندگی دوبارہ نہیں

ایمان ہنس دیا۔ تاہم اس کی ہنسی بھرپوریت اور دلجمعی سے خالی تھی۔ یونہی جیسے کوئی اخلاقاً یا ذرا ہنس دے موڈ یا ماحول تبدیل کرنے کی غرض سے۔

''اسی لئے کہتا ہوں باز آ جاؤ اس لاحاصل اور بے منزل سفر سے۔'' ساحر جیسے اس کی کیفیت سمجھ گیا تھا۔

''کیا کہنے۔ میرے عزیز۔ اپنا تو وہ حال ہے کہ

لاحاصلی کا عشق میں چرچا نہیں کیا
دنیا جو چاہتی تھی تماشا نہیں کیا

''پتا نہیں لوگ کیسے عشق کر لیتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں میں تو عشق افورڈ ہی نہیں کر سکتا۔ اتنا ہمارا ٹائم نکالنا اور سارے دھندے چھوڑ کر ایک در کا ہو کر رہ جانا کس قدر مشکل کام ہے۔ جانے کیسے لوگ ان ٹیڑھے راستوں کا انتخاب کر لیتے ہیں۔'' ساحر بولا۔

''شوق سے کون آتش کدے میں کودتا ہے عقل مند۔ عشق وہ آتش ہے جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے۔''

''اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔ وہ روڈ کنسٹرکشن پراجیکٹ کی فائلیں کہاں ہیں؟''

"مسٹر جابر علی کی تحویل میں ہیں۔" ایمان کی نشاندہی کے بعد ساحر نے بیل بجا کر جابر
بلوایا اور متعلقہ فائلوں کے بارے میں پوچھا۔

"سر وہ میں ابھی تیار کر کے بھجواتا ہوں۔" جابر نے معذرت خواہانہ انداز میں جواب دیا

"کیا بات ہے مسٹر جابر! آپ سے تو ایسی سستی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔" ساحر کا لہجہ سخت
گیا۔

"جی۔ جی سر۔ آئی ایم سوری سر۔ بس آدھا گھنٹا چاہئے ہوگا مجھے۔ ابھی حاضر کرتا ہوں
وہ بوکھلا گیا۔

ساحر نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی۔ جابر سچ مچ گھبرا گیا اور الٹے قدموں واپس چلا گیا۔

"اس کا دھیان کام میں نہیں ہے آج کل۔" ساحر ناگواری سے بولا۔ پھر فائل پہ جھک گ

"اسی لئے میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ ٹیلی فون آپریٹر کے لئے کسی خاتون کا انتخاب نہ کرنا۔"

"سبحان اللہ۔ کیا دور کی کوڑی لائے ہیں آپ۔" ایمان کو ساحر کے انداز۔۔ پر ہنسی آ گئی
انیتا کا سلیکشن ایمان کی صوابدید پر ہی عمل میں آیا تھا۔ ساحر لیڈی آپریٹر رکھنے کے خلاف تھا
اس کا خیال تھا خواتین کی موجودگی ورکرز کی کارکردگی پر منفی طریقے سے اثر انداز ہوتی ہے مگر
مناسب مرد آپریٹر نہ ملنے کی وجہ سے ایمان کو انیتا کا انتخاب کرنا پڑا تھا۔

"تم اپنے طور پر خاتون کو سمجھا دینا کہ یہاں رہنا ہے تو اپنا عورت پن اور نسوانیت کا زعم گھ
چھوڑ کے آنا ہوگا۔ یہاں مردوں کے لئے کام برائے تفریح" اور خواتین کے لئے "کام برا
نمائش" کا مخصوص رجحان نہیں چلے گا۔"

ساحر کا لہجہ حتمی تھا۔

"او کے او کے۔ بتا دوں گا۔" ایمان اس کے موڈ کے پیش نظر سنجیدہ لب و لہجے میں بولا۔

"مسٹر محسن آفتاب کو بھیجیں۔" ساحر نے انٹر کام پر آرڈر دیا۔

ایمان چونکا۔

"خیریت؟" وہ طلبی کی نوعیت جاننا چاہتا تھا۔

"خیریت ہی ہے۔"

اسی دم محسن دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم سر۔" وہ مودب و متین انداز میں گویا ہوا۔

"وعلیکم السلام۔ تشریف رکھیں۔"

"جی سر۔" وہ قدرے جھک کر ایمان کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔

ایمان کے بے تکلف اور سیدھے سادے فراخدلانہ رویے کی وجہ سے سٹاف کے لوگ اس
ازی ہو کر بات کرتے تھے اس کے برعکس ساحر کے سامنے خود بخود اٹینشن ہو جاتے تھے۔
ں اپنی فطری شوخی و شرارت اور خوش مزاجی کی بدولت دنوں میں ایمان سے فری ہو گیا تھا مگر
کی پُرتکلف شخصیت کے آگے اس کی ساری طراری دھری کی دھری رہ جاتی تھی۔ اس وقت بھی
ٹ سے بلاوے کا سن کر وہ اچھا خاصا گھبرا گیا تھا۔ دھڑکتے دل سے اندر آیا تھا۔

"آپ کا دل لگ گیا ہے؟" ساحر پیپر ویٹ گھماتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"جی۔ جی سر۔" ساحر کے نرم لب و لہجے نے محسن کو قدرے حوصلہ دیا۔

"مجھے خوشی ہے کہ آپ کی شکل میں ہمیں ایک محنتی، ذہنی اور مستعد و پُرخلوص ساتھی مل گیا
ہم نے جو کچھ کرنا ہے مل کر کرنا ہے۔ اس میں کسی عہدے، مرتبے یا ذمے داری کی تخصیص
ہے۔ آپ اپنی صلاحیتوں کو محض لیگل ایڈوائزر تک محدود نہ کریں۔ آپ اس پراجیکٹ کے
ں بھی شعبے میں رائے دے سکتے ہیں۔ اپنی صلاحیت کا اظہار کر سکتے ہیں۔ حصہ لے سکتے ہیں اگر
یکٹ کا کوئی پہلو آپ کی نگاہ میں قابلِ اعتراض ہو تو آپ اس کی نشاندہی بھی کر سکتے ہیں۔"

"تھینک یو سر۔" محسن اب خود کو پُراعتماد محسوس کر رہا تھا۔

"یہ حق ملکیت کے کاغذات ہیں۔ اس میں ملک آباد کی زمین کا کل رقبہ، گورنمنٹ کی طرف
ادا مرحوم کو تفویض کی جانے والی زمین کے سرکاری ثبوت اور دیگر ضروری قانونی رسیدیں
ل ہیں۔ آپ انہیں اچھی طرح پڑھ لیں اور مناسب کارروائی کریں۔ میں چاہتا ہوں آپ جلد
ہد عدالت سے مختار نامہ حاصل کر لیں تاکہ ہم پراجیکٹ کا آغاز کر سکیں۔"

"ٹھیک ہے سر۔" اس نے مستعدی سے سر ہلایا۔

"او کے۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔"

O☆O

"کیسا ہے تمہارا زخم۔ ٹھیک ہو؟ امید ہے کھوپڑی میں یہ بات سما گئی ہوگی کہ اپنے سے

اونچے مرتبے والے لوگوں کے معاملے میں پڑنا کتنا خطرناک ہوتا ہے۔ شکر مناؤ کہ ریوالور میں گولی نہیں تھی۔''

سیاہ واسکٹ اور سفید راؤ سلک کے شلوار قمیص میں ملبوس گرانڈیل اور جسیم نظر آنے وا ذراب نے بڑی حقارت سے سکندر کو مخاطب کیا تھا۔

سکندر باغ کے پودوں کو پائپ سے پانی دے رہا تھا۔

ذراب دوپہر کی نیند لے کر ابھی ابھی تازہ دم ہو کر اندرونی عمارت سے نکل کر باغ میں آ بیٹھا تھا۔ وہ ابھی تک ملک آباد میں موجود تھا۔ حالانکہ ملک ایاز دو تین بار موبائل پر ملکوال وا لوٹنے کی تاکید کر چکے تھے۔

''ایک کام کرنا ہے تمہیں۔ چھوڑو یہ پانی وانی۔ اِدھر آ کے سنو میری بات۔''

ذراب کے حکم پر وہ پائپ کیاری میں رکھ کے سنگی نشستوں کے پاس آ گیا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

''جی حکم۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

''تمہیں اُس چھوکری کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنی ہیں۔ کیا نام بتایا تھا۔ زرلالہ۔ شہریال بتا رہی تھی تم ہی اُسے اُس کے پاس لائے تھے۔''

''جی۔'' سکندر کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا۔ ''آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟'' وہ اندر اندر تشویش میں مبتلا ہو رہا تھا۔

''اپنی اوقات میں رہو۔'' ذراب نے بُری طرح جھڑک دیا پھر مونچھوں کو بل دینے لگا۔

''ہر اچھی چیز پہ ہمارا حق ہے۔ جس پر ملک ذراب کی نظر ٹھہر جائے وہ اپنے حسن کا خراج دیے بنا ہمارے سامنے سے نہیں گزر سکتی۔'' وہ رعونت سے بولا۔

سکندر اپنا نچلا لب کاٹنے لگا۔

''پتا کرو اس کی ماں اب کس وارڈ میں داخل ہوئی ہے۔ میں ایک دو بار ہسپتال گیا تھا وہ نہیں آئی۔ مگر یہ طے ہے کہ وہ دن میں ایک دو بار ہسپتال ضرور آتی ہے۔ تم اس کا پیچھا کرو اور گھر کا ایڈریس معلوم کر لو۔ یہ بھی کھوج لگاؤ کہ اس کے گھر میں کون کون رہتا ہے۔ کس قسم کے لوگوں کا اس کے ہاں آنا جانا ہے۔ شہریال بتا رہی تھی وہ بیوہ ہے۔ چلو اچھا ہے آگے پیچھے کوئی نہ ہو تو شکار کو گھ

مان ہو جاتا ہے۔''

سکندر کا خون کنپٹی میں ٹھوکر مارنے لگا۔ مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔ یہ عامیانہ پن، خباثت اور ہوس ہی ذراب کی فطرت کا حصہ تھی، اسے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔

''سمجھ گئے ہو میری بات؟'' ذراب نے رعب سے پوچھا۔

''جی۔'' وہ مجبوراً بولا۔

''دو چار دن میں کام مکمل کر لو۔ میں جلد از جلد مچھلی کو جال میں پھانسنا چاہتا ہوں۔ جب سے دیکھا ہے سینے میں آگ سی جل اٹھی ہے اب اس آگ کو وہی حسینہ بجھائے گی۔'' اس کی مسکراہٹ نہایت پُر خباثت تھی۔

O☆O

''ایک منٹ مس۔ مس زرلالہ۔ جی میں آپ کو ہی بلا رہا ہوں۔ مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ آپ کے بھلے کے لئے ہے۔''

ہسپتال کے کوریڈور میں دوائیوں کا لفافہ ہاتھ میں تھامے اپنی دُھن میں چلتی زرلالہ ایک تیز آواز سن کر متعجبانہ انداز میں پلٹی تھی۔

''جی فرمائیے۔'' زرلالہ کو سانولے رنگ کے اس دراز قامت ہمدرد شخص کو پہچاننے میں دقت نہیں ہوئی۔ یہ تو وہی تھا جس نے اسے ڈاکٹر شہریال سے ملوایا تھا۔

''آپ کے ماں باپ، بہن بھائی یا سسرالی رشتے داروں میں سے کوئی آپ کے پاس رہتا ہے؟'' سکندر نے براہِ راست سوال کیا۔

''میں سمجھی نہیں۔'' بڑا عجیب و غریب قسم کا سوال تھا۔ زرلالہ آنکھیں پھاڑے دیکھتی رہ گئی۔

سکندر بہت بے چین اور فکرمند دکھائی دے رہا تھا۔ اس سے بات کرتے ہوئے وہ اِدھر اُدھر بھی دیکھتا جا رہا تھا جیسے کسی کے آ جانے کا خدشہ ہو۔

''مجھے نہیں معلوم آپ کی سماجی حیثیت کیا ہے۔ کیا آپ کے گھر والے اتنے طاقت ور ہیں کہ جاگیرداروں سے ٹکر لے سکیں؟''

''گھر والے ہیں ہی نہیں جو ٹکر لیں مگر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

''تو کیا آپ اپنے بچوں اور بیمار ماں کے ساتھ اکیلی رہتی ہیں۔''

"ہاں مگر۔" وہ متذبذب سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"پھر میرا مشورہ ہے کہ کچھ دنوں کے لئے اسلام آباد سے باہر کسی رشتے دار کے ہاں جائیں۔"

"میرا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔ آپ بتائیں تو سہی بات کیا ہے۔"

زرلالہ کو صورتِ حال کی سنگینی کا احساس ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ پریشان کن انداز میں ا کی طرف دیکھنے لگی۔

"کوئی جاگیردار صاحب ہیں۔ اتفاقاً آپ اُن کی نظر میں آ گئیں۔ اب وہ آپ پر جمانا چاہتے ہیں۔ اُن کے ارادے اچھے نہیں ہیں۔ بہتر ہو گا آپ اپنا بندوبست کر لیں۔ میں چاہتا آپ ان کے ہاتھوں نقصان اٹھائیں۔ گو کہ میں آپ کو بہت زیادہ نہیں جانتا شاید آپ زبان پر اعتبار بھی نہ کریں۔ مگر ایک بات ضرور کہوں گا دکھ کا رشتہ بہت سچا ہوتا ہے۔ آپ مصی میں ہیں۔ مشکل مرحلے سے گزر رہی ہیں' تکلیفیں اٹھا رہی ہیں۔ میں آپ کے دکھ تو نہیں بانٹ نہ آپ کے تحفظ کی ضمانت بن سکتا ہوں کہ خود بھی بے بسی' محکومی اور غلامی کی زنجیریں باند ہوئے ہوں تاہم جو بساط میں تھا وہ کر دیا ہے۔ براہِ کرم میری باتوں کو معمولی اور غیر اہم سمجھ نظر انداز نہ کریں۔ شیر کے آنے سے پہلے اپنا ٹھکانا کر لیں۔ درندے جو شے سامنے آ جائے ا چیر پھاڑ دیتے ہیں۔"

ایک ایک کر کے زرلالہ کے سارے اعصاب جواب دیتے جا رہے تھے۔

رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔

وہ کون سا آزمودہ کار' سرد گرم چشیدہ اور بولڈ سی لڑکی تھی جو باہر کے معاملات خوش اسلو سے نپٹانے کی اہل ہوتی۔

جانے کس ہمت و بہادری سے جیا کی دیکھ بھال کو ہسپتال آ جا رہی تھی اور گھر کا سودا سل لانے دو قدم کے فاصلے پر موجود مارکیٹ میں چلی جاتی تھی۔

اس سے زیادہ جرأت مندی اور اعتماد کا مظاہرہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

اس کے ہاتھوں پیروں سے جان نکلنے لگی۔ وہ تو پہلے ہی اس لمبے چوڑے دیوہیکل جاگیر کی پُر ہوس نظروں سے گھبرائی ہوئی تھی۔ اب اس کے ارادے جان کر اس کے قدموں تلے

سرکنے لگی۔

"لیکن میں کروں کیا۔" سکندر اطلاع دے کر فوراً غائب ہو گیا تھا اور زرلالہ ڈوبتے دل سے سوال کر رہی تھی۔

✿✿✿

ایک مفلوج' معذور اور ہوش وحواس سے بیگانہ نیم پاگل' بوڑھی عورت کی دیکھ بھال' چھو
چھوٹے تین کمسن بچوں کا ساتھ' باپ بھائی یا شوہر کی سرپرستی سے محرومی اور مناسب تعلیمی ،
ورانہ صلاحیتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے پیدا شدہ معاشی و معاشرتی مسائل ہی زرلالہ کی اعصا'
کشیدگی کے لئے کم نہیں تھے کہ ملک دُراب کی صورت میں ایک نیا فتنہ سامنے آ گیا تھا۔

سکندر اپنی بات مکمل کرنے کے بعد فوراً غائب ہو گیا تھا۔

وہ اسے خبردار ہی کر سکتا تھا' سو بساط بھر ذمے داری نبھا گیا تھا۔ اور اب وہ دُراب کی ہدا
کے مطابق انٹرلینس سے قدرے ہٹ کر شعبہ حادثات کے بنے کیبن کے ساتھ لگ کر مستعد
ہو گیا تھا تا کہ اگر دُراب نے کراس چیک کرنے کے لئے اُس کے پیچھے کسی بندے کو لگایا ہو تو
صورت میں اپنی پوزیشن صاف رکھی جا سکے۔

''ولی۔ چلو' آؤ میرے ساتھ۔''

وہ وارڈ میں جیا کے مخصوص بیڈ کے پاس سٹول پر بیٹھے ولی کا بازو پکڑ کر گھبرائے ہوئے ا
میں بولی۔

''کہاں مما۔'' ولی ماں کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''واپس گھر چلتے ہیں' سارہ اور علی گھر پر اکیلے ہیں۔'' اس کے لہجے میں اضطرار تھا۔

''پھولوں والی آنٹی کے گھر سے تُو آئیں تو تھیں اُن کے پاس ٹھہرنے کو۔'' ولی باہر نکلتے
ے حسب عادت تفتیش کرنے لگا۔

''ہاں۔ مگر وہ میری درخواست پر آئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لئے بلایا تھا' انہیں یہ تھوڑی کہا
شام تک بیٹھی رہیں۔'' زرلالہ کا ذہن سخت منتشر تھا۔

بلکہ ایک طرح سے وہ دہشت زدہ سی ہو گئی تھی۔ طاقتور' جابر اور قاہر شخص سے ٹکر لینا مصیبت
مارے کمزور انسان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ وہ ایک کم عمر' ناتجربہ کار اور گوشہ نشین قسم کی کم
لڑکی تھی جو اپنے ہی خول میں بند رہتی تھی۔ خصوصاً جیا کے پاس آ کر تو گویا وہ حقیقی معنوں میں
اپنے کی نظروں سے چھپ گئی تھی۔ اردگرد کیا ہو رہا ہے' کیوں ہو رہا ہے' وقت نے کتنے رنگ
اور ادوار بدلے ہیں' اخلاقیات کا جنازہ کون لوگ نکال رہے ہیں اور انسانوں کے اصل
ے کتنے نقابوں تلے چھپے ہیں' وہ ایسے سارے حساب کتاب اور معلومات سے بے خبر ہو گئی
شاید وہ جان بُوجھ کر خود کو حال کے دھارے میں شامل نہیں کرنا چاہتی تھی۔
یا منظرِ عام پر آ کر دنیا کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔
خود کو سمیٹ سکیڑ کر' بس پردہ رکھ کر زندگی گزارنے کی خواہاں تھی۔
مگر سب خواہشیں کب پوری ہوتی ہیں؟

مہراب کی ناگہانی موت اور جیا کی مفلوج کیفیت کے پیشِ نظر اسے مجبوراً میدانِ عمل میں
اُترا تھا کہ اس کے بغیر چارہ بھی نہ رہا تھا۔

''مما۔ آپ اِدھر اُدھر کیا دیکھ رہی ہیں۔'' ولی کی فطری ذہانت اور تجسس کی بے ساختہ اُمڈ
آنے والی ذہنی رَو نے زرلالہ کی بوکھلاہٹ کا پردہ چاک کر دیا۔ وہ واقعی ہسپتال سے باہر نکلتے
ڈرے ڈرے انداز میں اِدھر اُدھر کا جائزہ لے رہی تھی۔ سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ ہسپتال کے
میں سواری کی منتظر ہارن بجا کر متوجہ کرتی' بہت سی ٹیکسیوں کی طرف بھی نہیں بڑھی تھی کہ
کس ڈرائیور کے روپ میں ملک دُراب کے پالتو غنڈے مل جائیں۔ کیا خبر بیچ راستے میں
دھمکا کر یا بے ہوش کر کے اپنے مالک کی خدمت میں پیش کر دیں۔

''ہم آگے جا کر ہسپتال کے مین گیٹ سے ٹیکسی لیں گے۔ گیٹ تک آپ کو واک کرنا
گی۔ دھیان سے فٹ پاتھ پر چلو۔ دیکھو پودوں کے گملوں سے نہ ٹکراؤ۔''

زرلالہ نے خشک گلے کو تر کرتے ہوئے بمشکل اپنی اُڑی اُڑی تحمّل و بے اوسان کیفی

قابو پایا۔

مین گیٹ کے آگے ڈبل روڈ تھی۔ یہ بسوں اور ویگنوں کا اہم شاپ تھا۔ ہاسپٹل کے پار،

طرف باؤنڈری وال کے ساتھ پختہ فٹ پاتھ تھا۔ خوانچہ فروش' پکوڑے اور سموسے بیچنے وا

'مسافروں کو پان فراہم کرنے والے' کُولر ہاتھ میں لئے کھڑے بچے اور پھلوں کی چھابڑی لگا

بیٹھے آدمیوں کے علاوہ گنڈیریاں بنانے والی مشین پر جُتے دو پندرہ سولہ سالہ افغانی لڑکے شور

کر سٹاپ پہ میٹرو اور پیلی ویگن کا انتظار کرنے والے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے۔

''اتنی ساری ٹیکسیاں گزر گئیں مما۔ آپ نے کسی کو روکا ہی نہیں۔'' ولی فکرمندی سے ما

طرف دیکھ رہا تھا۔ جو اُس کی انگلی تھامے متذبذب قدموں سے فٹ پاتھ پر کچھ دور چلنے کے

''نوائے وقت'' موڑ پہ آ کے رُک گئی تھی۔ وہ ڈبل روڈ کراس کرنے کا سوچ رہی تھی۔ اس کی

کی طرف جی ایٹ مرکز کی مارکیٹ تھی جہاں وہ جیا کی دوائیں خریدنے اکثر آتی تھی۔

''ولی آؤ' تمہیں گود میں اُٹھالوں۔ روڈ کراس کر کے آگے جانا ہے۔''

بالآخر وہ کسی نتیجے پر پہنچ گئی۔ ڈبل روڈ کراس کرنے کے بعد پیلی ویگن کا مخصوص سٹا

جہاں اِکا دُکا مسافر دیکھ کر ویگن والے ٹھہر جاتے تے۔ اس نے اس سے پہلے ویگن کا سفر نہیں

مگر موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ تجربہ حاصل کرنا لازمی ہو گیا تھا۔ ٹیکسی کے اخراجا

کے علاوہ دوسرا خوف یہ بھی تھا کہ ٹیکسی میں بیٹھی اکیلی عورت کو کسی موڑ پر روک کر اغوا کر لینا

مشکل کام نہیں تھا' اس کے برعکس پبلک ٹرانسپورٹ کے ذریعے سفر کرنے سے ایک تو انسان

بخود غیر نمایاں اور محفوظ ہو جاتا ہے۔ دوسرے اتنے ہجوم میں دشمن ہاتھ ڈالتے ہوئے سوچ

ہے۔

''نہیں مما۔ میں خود روڈ کراس کروں گا۔ واک کر کے۔''

ولی نے ضد کی بلکہ فٹ پاتھ سے اُتر کر سڑک پر چل پڑا' جیسے ماں پر سبقت لے جا

ارادہ ہو۔ زرلالہ اپنی پریشانی میں تھی' اس نے نوٹ نہیں کیا۔ ولی پہلے دوسری طرف پہنچنے

میں تیز تیز چلنے لگا اور اسی دُھن میں سامنے سے آتی گاڑی کے آگے آ گیا۔ ٹاپ گیئر میں

ہوئی گرے ہنڈا سوک پونے چار برس کے اس ننھے سے گل گوتھنے اور خوبصورت بچے کو ا

پا کر آخری لمحوں میں اس سے محض دو تین انچ پر رکنے میں کامیاب ہوئی۔

''ولی!'' زرلالہ اس کی چیخ سن کر دیوانوں کی طرح قریب آئی اور سڑک پر بے حس و حرکت

ولی کو اُٹھا کر ٹٹولنے لگی۔

''ولی۔ ولی۔ میرے بچے۔ میرے چندا۔ میری جان۔ اُٹھو ہوش میں آؤ۔ دیکھو مما تمہیں

لا رہی ہیں۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو بارش کی طرح موسلا دھار برس رہے تھے اور وہ بچے کو گود میں

سمیٹتے ہوئے بے قراری سے اس کا سر مُنہ چوم رہی تھی۔

کار کا مالک نیچے اُتر آیا تھا۔

''لائیے' مجھے دیجئے بچہ' اسے گاڑی میں ہاسپٹل لے چلتے ہیں۔ دو قدم پر ہے۔'' گرے

کوٹ میں روشن چمکدار آنکھوں اور پُراعتماد اور مستحکم آواز والے دراز قامت صاحب نے

پلکتے میں جھک کر اس کے ہاتھوں سے بچے کو لے لیا۔

زرلالہ ہکا بکا دیکھتی رہ گئی پھر تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ کیا آنکھیں بند کر کے ڈرائیو کر رہے تھے جو انسان کا بچہ کھڑا نظر نہیں آیا؟''

وہ صدمے سے اس درجہ مغلوب تھی کہ اپنی دھیمی طبیعت و عادت کے برخلاف غصے سے

بڑی۔ اس کے لہجے کی تندی اور تلخی شدید جذباتی دباؤ کا ردِ عمل تھی جو ایسی صورتِ حال میں

فطری امر تھا۔

ونڈ بونڈ کلف زدہ صاحب کے چہرے پر ناگوار تاثرات دستک دینے لگے۔

''معاف کیجئے گا محترمہ! کیا آپ نے اتنی مصروف شاہراہ پر بچے کو ڈرائیور حضرات کی

کے سپرد کر رکھا تھا؟'' وہ سرد لہجے میں گویا ہوا۔ ''آپ کے اپنے ہوش کدھر تھے؟'' وہ پچھلا

کھول کر بچے کو لٹانے لگا۔

''چھوڑیں میرے بچے کو۔ کہاں لے جا رہے ہیں آپ؟'' ولی کا بے حس و حرکت جسم دیکھ

لالہ کی دماغی رَو اُلٹ گئی تھی۔ اس وقت اسے کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔ وہ لپک کر بیک ڈور کی

الی۔

''کچھ نہیں ہوا ہے آپ کے بچے کو۔ گاڑی سے ٹکرانے سے بال بال بچا ہے۔ صرف خوف

کے زیراثر بے ہوشی طاری ہوگئی ہے۔ کچھ دیر بعد ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ شور مچا کر وقت کرنے کے بجائے بچے کے ساتھ بیٹھ جائیں۔ ہسپتال جا رہے ہیں ہم۔"

وہ مجبوراً تحمل مزاجی سے کام لے رہا تھا ورنہ بچے کی اس خوبصورت اور بد دماغ اماں پر غصہ اسے بھی کم نہیں تھا۔ رہ رہ کر ابال آ رہا تھا۔ اتنی ٹریفک میں بچے کو لاپروائی سے روڈ پہ دیا۔ حد ہے' غیر ذمے داری کی۔

"بیٹھ بھی جائیں۔ محترمہ' اب کیا پکڑ کر بٹھاؤں۔" ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر اس نے ؛ سٹارٹ کرنے کے بعد پلٹ کر دیکھا تو بھنا گیا۔ وہ ہنوز دروازے کا ہینڈل تھامے سمجھ میں نہ ا والے بے یقین انداز میں کھڑی تھی' جیسے سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی تمام صلاحیت کھو بیٹھی اس کے بگڑنے پر جلدی سے بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا اور ہولے ہولے بے ہوش ولی کے گا تھپتھپانے لگی۔

وہ سیدھا شعبہ حادثات کی طرف آیا تھا۔ دروازے پہ رکی بیش قیمت شاندار گاڑی ا اٹھا کر لانے والے صاحب کی مرعوب کن پرسنالٹی نے انتظامیہ کو خود بخود اس کے با بارسوخ اور "وی آئی پی" ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا تھا' کیس ہاتھوں ہاتھ لیا اور نمٹایا گیا۔

اس نے ریسپشن پر کاغذات میں اپنا نام ساحر ملک لکھوایا تھا۔

وہ ریسپشن کے پاس ہی کھڑا تھا۔ زرلالہ کچھ فاصلے پر رکھے بنچ پر بیٹھی بے چینی سے ا مروڑ رہی تھی۔ اس کی نظریں ایمرجنسی روم کے بند دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔

انتظار کا ایک ایک لمحہ کٹھن تھا۔

پانچ سات منٹ بعد ایمرجنسی روم کا دروازہ کھلا۔

زرلالہ تیزی سے کھڑی ہوگئی۔

"بچے کو ہوش آ گیا ہے جناب' وہ بالکل ٹھیک ہے۔" ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر نے ا احترام سے ساحر کو مخاطب کیا تھا جو ڈاکٹر کو باہر نکلتے دیکھ کر گھوم گیا تھا اور پوری طرح متوجہ تھا "فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے اپنی روایتی رواداری نبھائی۔ "آپ اور ا مسز بچے کے پاس جا سکتے ہیں بلکہ آپ چاہیں تو اُسے اپنے ساتھ لے جائیں۔ بچہ خود بھی نکلنے کو تیار نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے بیک وقت زرلالہ اور ساحر پر نظر ڈال کر مخلصانہ خیالات کا ا

لا۔

ظاہر ہے' دونوں کو ساتھ ساتھ اور پریشان دیکھ کر' وہ یہی رائے قائم کر سکتا تھا کہ دونوں میاں ی ہیں۔

"لاحول ولاقوۃ۔" ساحر بُری طرح خفیف ہوگیا۔ "یہ میری مسز نہیں ہیں۔ اس بچے کی ماں ں۔ وہ اتفاقاً میری گاڑی کے آگے آ گیا تھا۔" وہ ناخوشگوار لہجے میں وضاحت کر رہا تھا۔

"اوہ۔ آئی ایم سوری۔" اب شرمندہ ہونے کی باری ڈاکٹر کی تھی۔

"دراصل آپ دونوں کے ساتھ کھڑے اتنا پرفیکٹ کپل لگ رہے تھے کہ......"

ڈاکٹر کھسیا کر سر کھجانے لگا۔ "آئی ایم اگین سوری خاتون۔"

اب کے وہ زرلالہ کی طرف مڑ کر معذرت کرنے لگا جو بھونچکا کھڑی فق چہرہ لئے ڈاکٹر کی ہنی پر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

مہذبانہ معذرت کے جواب میں غصے اور برہمی کا اظہار خلاف تہذیب تھا' سو وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی اور سر جھٹک کر اندر داخل ہوگئی۔

"مما۔" ولی لپک کر اس کی آغوش میں سما گیا۔

"میری جان۔ کتنی بار کہا ہے' باہر نکلو تو مما کے ساتھ ساتھ رہا کرو۔ اکیلے نہیں بھاگا کرتے۔" وہ پیار سے اس کے ریشمی بال سلجھانے لگی۔

ساحر اندر آیا تو ماں بیٹا حال احوال میں مگن تھے۔

"ہیلو ینگ بوائے۔ کیسے ہیں آپ!" ولی ساحر کو دیکھ کر ماں کو چھوڑ کر سیدھا ہوگیا اور ہت کے مطابق سلام میں پہل کی۔

"السلام علیکم انکل!" فرض پورا کرنے کے بعد وہ سوالیہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھنے جیسے تذبذب میں ہو کہ مجھے مزید کیا کہنا چاہئے۔

"یہ وہی انکل ہیں جنہوں نے آپ کو گاڑی میں یہاں پہنچایا تھا۔"

زرلالہ اپنی برہمی دبا کر بمشکل لہجہ ہموار رکھ پائی تھی۔

"ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔ بچے کو ٹکر خود ماری اور پھر ڈانٹ ایسے رہے تھے' جیسے ، میرا ہو۔ یہاں تک لے آئے تو کون سا احسان کیا۔ جرم بھی تو کیا تھا۔ اتنی نیکی تو کوئی بھی کر

سکتا تھا۔ اُونہہ۔"

"آؤ بیٹے۔ چلیں محترمہ آپ بھی۔" وہ کچھ جلدی میں تھا۔

"کہاں چلیں؟" وہ خار کھانے والے انداز میں گھورنے لگی۔

"آپ کو گھر پہنچا دوں اور کہاں۔" ساحر بگڑ کر بولا۔

"جیسے روز تو آپ ہی پہنچاتے ہیں ناں۔" وہ طنز سے بولی۔ "مہربانی فرمایئے۔ ہم خود جائیں گے۔"

"میں بھی فارغ نہیں بیٹھا، ایرے غیرے لوگوں کو ڈھونے کے لئے۔ اخلاقاً پوچھ لیا تھا بھی اس بچے کی وجہ سے۔" ساحر چراغ پا ہو گیا۔ عجیب خرد ماغ، چڑچڑی اور بدمزاج لڑکی بات بات پہ کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔ میری بلا سے جیسے مرضی دھکے کھاتی گھر پہنچے۔

"او کے بیٹے۔ یہ رکھ لو ٹافیاں اور کھلونے لے لینا۔" وہ ہزار کا سبز نوٹ بچے کے ہاتھ تھمانے اور اُس کے گال چھونے کے بعد پیچھے ہٹا۔

"یہ۔ یہ خیرات دے رہے ہیں، آپ میرے بیٹے کو......؟" زرلالہ کے تو سر سے لگی اور تلوؤں پر بجھی۔ اس نے جھپٹ کر حیران پریشان ولی کے ہاتھ سے نوٹ لے لیا۔

"اپنے پاس رکھیے یہ بھیک۔" وہ تیوریاں چڑھا کر بولی۔

"کمال کرتی ہیں آپ خاتون۔ اس میں اتنا آگ بگولا ہونے کی کیا ضرورت ہے نے اپنی خوشی سے بچے کو دیئے ہیں۔ کیا محبت اور خلوص کے اظہار کے لئے دی جانے والی خیرات کہلاتی ہے؟" وہ برہم ہوا۔

"ہمیں نہیں چاہیے یہ نذرانہ۔" زرلالہ نے ہزار کا نوٹ واپس اس کی طرف بڑھایا۔

ساحر کے تیور کڑے تھے۔

"میں دی ہوئی چیز واپس لینے کا قائل نہیں ہوں۔ یہ اس بچے کے لئے ہیں۔" ساحر نوٹ زرلالہ کے ہاتھ سے کھینچ کر دوبارہ ولی کی مٹھی میں دے دیا۔

"سوری انکل۔ میں مما کی اجازت کے بغیر یہ پیسے نہیں رکھ سکتا۔"

ولی کی معصومانہ فرمانبرداری اور سعادت مندی قابلِ رشک تھی۔

"او کے۔ ایسی صورت میں جاتے ہوئے راستے میں کسی ضرورت مند کو دے دینا، اپنی

صدقہ سمجھ کر۔ میں اب چلوں گا۔"

وہ غڑاپ سے باہر نکل گیا۔

زرلالہ اپنی ذہنی اُدھیڑ بن میں لگی ہوئی تھی، اُس نے مڑ کر دیکھنے کی زحمت بھی نہ کی تھی۔

"اِن انکل کا نام کیا تھا مما۔" ولی کو ساحر کا شاندار پُر وقار لب و لہجہ اور بظاہر سپاٹ اندازِ گفتگو سے جھلکتی شفقت کی خوشبو نے بہت متاثر کیا تھا۔

"مجھے کیا پتا، کیا نام تھا۔ چلو اب اُٹھو۔" وہ بیزاری سے بولی۔

O☆O

ساحر ہسپتال سے فارغ ہو کر جونہی ملک کنسٹرکشن کمپنی کے آفس پہنچا۔ ایک بُری خبر اُس کی منتظر تھی۔ کمپنی سروے کے لئے کنسلٹ کے لئے جانے والے جیالوجسٹ رشید صاحب کو حادثہ پیش آ گیا تھا۔

"سر، میں آپ کو تلاش کر رہا تھا۔ آپریٹر نے آپ کے گھر کے سارے نمبر چیک کئے تھے۔ موبائل بند تھا۔ رابطہ نہیں ہو سکا۔ وہ رشید صاحب اپنے گھر سے آفس کے لئے نکلے تھے، راستے میں کسی نے اُن پر فائرنگ کر دی وہ زخمی حالت میں پولی کلینک میں ایڈمٹ ہیں۔"

سپروائزر جابر علی اسے دیکھتے ہی گھبرائے ہوئے انداز میں اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"مائی گڈنیس۔" ساحر کے چہرے پر تشویش دوڑنے لگی۔

"کب ہوا یہ واقعہ؟"

"ایک گھنٹہ پہلے۔" جابر مستعدی سے بولا۔

"آپ کو کس نے اطلاع دی۔" ساحر کڑیاں ملا رہا تھا۔ وہ کرسی پہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا۔

"سر۔ پروگرام کے مطابق رشید صاحب کو بارہ بجے ہمارے آفس پہنچنا تھا۔ جب ساڑھے بارہ ہو گئے تو ایمان صاحب نے مس انیتا سے اُن کے گھر رابطہ کرنے کو کہا۔ اُن کی بیگم سے بات ہوئی، انہوں نے بتایا، وہ پونے بارہ بجے گھر سے چل پڑے تھے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں انہیں آفس پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ہم یہی سمجھے کہ ٹریفک میں پھنس گئے ہوں گے۔ تھوڑا اور انتظار کر لینا چاہیے۔ یقیناً پہنچنے والے ہوں گے۔ مگر پھر دس منٹ بعد اُن کی بیگم کا فون آ گیا۔ وہ سخت گھبرائی ہوئی تھیں۔ انہیں ہسپتال سے اطلاع ملی تھی کہ رشید صاحب یہاں ایڈمٹ ہیں۔"

"ہوں۔" ساحر کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

"ایمان صاحب کہاں ہیں؟"

"وہ اطلاع ملتے ہی ہاسپٹل روانہ ہو گئے تھے۔"

"آپ کو مجھے اطلاع کرنا چاہئے تھی۔ وہ تو اتفاقاً دوبارہ اِدھر آ گیا ورنہ میں تو پنڈی سا پہ ایک انڈسٹریلسٹ سے ملاقات کے ارادے سے نکلنے والا تھا۔ آپ مجھے ٹی سی بیجر پر پیغام د دیتے۔" ساحر کی پیشانی پر لکیریں بچھنے لگیں۔

"سوری سر۔ میرے ذہن میں نہیں آیا۔" جابر نے مجرمانہ اقرار کیا۔

"مسٹر محسن آفتاب اپنی سیٹ پر ہیں؟ انہیں میرے آفس میں بھیجئے۔"

"سر ایمان صاحب اُنہیں بھی ساتھ لے گئے تھے۔" جابر علی نے جلدی سے بتایا۔

جابر کی بات سن کر ساحر اپنے روم کی طرف جاتے جاتے ٹھہر گیا۔

"پولیس موقع پر پہنچ گئی تھی۔ وہ رشید صاحب کے ہوش میں آنے کے بعد بیان ریکارڈ کرنے کی غرض سے ہسپتال میں موجود ہے۔ مجسٹریٹ صاحب بھی وہیں ہیں اس لئے ایمان صاحب قانونی معاملات سنبھالنے کے لئے محسن صاحب کو ساتھ لے گئے۔"

"ٹھیک۔" ساحر کو ایمان کی دوراندیشی پسند آئی۔

"آپریٹر سے کہو پولی کلینک کے ایمرجنسی روم کا نمبر ملائے۔ کال میرے روم میں ٹرانسفر کر دیں۔"

وہ اپنے آفس میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ مل گیا۔ اس نے ایمان علی کو بلوانے کو کہا۔

کچھ دیر بعد وہ لائن پر آ گیا۔

"ہاں بھئی ساحر۔ رشید صاحب کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ گولیاں زیادہ تر گاڑی کی باڈی پر لگی تھیں البتہ ایک گولی ونڈ سکرین توڑتی ہوئی شانے کا اوپری گوشت پھاڑتی گزر گئی۔ خدا کا شکر ہے ہڈی پہ نہیں لگی۔ تھوڑی سی بلیڈنگ ہوئی تھی ڈاکٹر نے بینڈیج کر دی ہے۔"

"انہیں ہوش آ گیا ہے؟"

"ہاں۔ دس منٹ پہلے آنکھیں کھول دی تھیں۔ پولیس ابتدائی بیان لے رہی ہے۔ محسن اُن کے ساتھ ہے کمرے میں۔ بڑا تیز لڑکا ہے۔ اس نے نہایت باریک بینی سے حالات کا تجزیہ کر

ہے۔"

"اس کی ذہانت اور ہوشیاری میں کوئی شُبہ نہیں۔" ساحر نے اعتراف کیا۔ "رشید صاحب کیا بیان دیا ہے۔ کیا وہ حملہ آوروں کو جانتے ہیں؟"

"نہیں۔ وہ انہیں دیکھ نہیں سکے۔ فائرنگ ایک پجیرو گاڑی سے ہوئی تھی جس کے سارے شے کالے تھے۔ کلاشنکوف کا برسٹ مارا گیا تھا۔ مجرم فائرنگ کے فوراً بعد گاڑی فل سپیڈ سے دوڑا کر غائب ہو گئے۔"

ایمان نے تفصیل بتائی۔

"کیا رشید صاحب کو کسی پر شک ہے؟ مطلب یہ کہ کسی نے ذاتی دشمنی یا انتقام کی غرض سے تو ایسا قدم نہیں اُٹھایا؟"

"تم بھی پولیس والوں کا سا مخصوص رٹا رٹایا سوال کر رہے ہو۔" ایمان ہنسا۔

"ارے بابا۔ وہ بے چارے سیدھے سادھے ادھیڑ عمر درویش منش انسان ہیں۔ کالج میں فیسری کے بعد ریٹائرمنٹ لی تو تم نے اُن کی خدمات اپنی کمپنی کے لئے حاصل کر لیں۔ دو بچے ہیں۔ بیٹا اور ایک بیٹی۔ دونوں شادی شدہ ہیں اور امریکہ میں سیٹل ہیں۔ یہاں فقط میاں بیوی ہتے ہیں۔ محدود سی سوشل لائف ہے۔ اپنی دنیا میں مگن ہیں۔ اُن سے دشمنی کر کے کسی نے کیا لینا ینا۔ سیاسی شخصیت ہیں نہ کاروباری اور نہ کسی جاگیردارانہ سسٹم سے تعلق رکھتے ہیں۔ سیلف میڈ انسان ہیں۔"

ساحر کا ذہن دور کہیں پرواز کر رہا تھا۔

اس نے ایک خاص مقصد کے تحت یہ سوال پوچھا تھا۔

فقط اپنے واہمے پر یقین کی مہر لگوانے کے لئے۔

ورنہ وہ "دشمن" کو اچھی طرح شناخت کر چکا تھا۔

"سنو ایمان۔ تم محسن کے ساتھ وہیں ہاسپٹل میں ٹھہرو۔ رشید صاحب کی زندگی کو خطرہ ہے۔ حملہ آور ہسپتال کا رُخ بھی کر سکتے ہیں۔ ہاسپٹل کا سکیورٹی سسٹم ناکارہ بنانا اُن کے لئے کل ہے۔"

اس کا لہجہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔

''کیا مطلب۔ کیا تم فائرنگ کرنے والوں کے بارے میں تحقیق کر چکے ہو؟ تم جا نہیں؟''

''کہہ سکتے ہو۔'' ساحر دبے دبے لہجے میں راز آشکار کر گیا۔

''یہ کام ملک ذراب کے پالتو غنڈوں کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔ جاگیردار ایسے ''کام'' پُرزے ہر وقت جیب میں رکھتے ہیں۔ اس نے ملکوال یا ملک آباد سے اپنے بندے بلوائے ہو گے یا ہو سکتا ہے' کرائے کے قاتلوں کی ''خدمات'' حاصل کی ہوں۔ اِن موت کے ہرکاروں شہر میں جگہ جگہ خفیہ ٹھکانے ہیں۔ کوئی بھی مطلوبہ رقم دے کر اِن کے ذریعے بندہ مروا سکتا انہیں تو پیسے سے غرض ہوتی ہے۔''

''اوہ۔'' ایمان ساری صورت حال سمجھ گیا۔

''گویا ملک صاحب نے اپنا کھیل شروع کر دیا ہے۔ یہ تو کھُلم کھُلا قانون کی خلاف ہے۔ اقدامِ قتل اُس کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔'' ایمان کسی نتیجے پر پہنچ گیا۔

''جہاں تک میرا انداز ہے' یہ محض وارننگ تھی۔ وہ چاہتا تو رشید صاحب کو براہِ راست سکتا تھا۔ ایسا مشکل بھی نہیں تھا۔ کلاشنکوف سے دوسرا برسٹ بھی فائر کیا جا سکتا تھا۔ روڈ سنسان اور پولیس یا امداد کے فوری پہنچنے کا کوئی چانس نہیں تھا۔ میرا خیال ہے' اُس کا مقصد رشید صا ڈرا دھمکا کر اور خوفزدہ کر کے ہمارا ساتھ چھوڑنے پر مجبور کرنا تھا۔ دشمن عقل سے خالی ہو تو زیر کر کے لئے ہمیشہ اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے اور طاقت اور جبر کے ذریعے حریف کو نفسیاتی ط پر کمزور بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ ملک ذراب ہمیں بھڑکا کر تماشا دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ ہماری پراجیکٹ سے ہٹا کر ہمیں دشمنی پالنے' جوابی وار کرنے اور سازشوں میں اُلجھانے کے چکر میں مگر ہم اپنا دماغ ٹھنڈا رکھیں گے۔ اپنے مقصد سے نہیں بھٹکیں گے۔ ہمیں صبر و تحمل اور دانش سے کام لینے کی ضرورت ہے۔''

ساحر نے تفصیلاً وضاحت کی۔

''تم نے درست کہا۔ اس کا مقصد پراجیکٹ کی تکمیل میں روڑے اٹکانا ہے اور وہ اس لئے ہر گھٹیا حربہ استعمال کرے گا۔ بہر حال۔ ہم اپنی جگہ مضبوطی سے ڈٹے ہوئے ہیں۔ تُو تیز آ ہم جگر آزمائیں۔''

''مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہم چُپ سادھ کر دشمن کے لئے تر نوالہ بن جائیں۔'' بولا۔

''پھر کیا سوچا ہے تم نے؟''

''ہم قانونی جنگ لڑیں گے۔ قانون کے ذریعے اپنا دفاع کریں گے اور مجرموں کو قرار واقعی دلوائیں گے۔ ایس ایس پی سٹی سے ڈیڈی کی پُرانی واقفیت ہے۔ میں شام کو اُن سے بات کر سارا معاملہ اُن کے سامنے رکھوں گا۔ وہ خصوصی ٹیم تشکیل دے کر خود ہی اُن سے حقائق معلوم لیں گے۔''

ساحر نے حتمی انداز میں کہا۔

''پولیس تو یہاں بھی آئی ہوئی ہے۔''

''یہ تو نمائشی وردیاں ہیں فقط۔'' ساحر تلخی سے بولا۔ ''کاغذوں کا پیٹ بھر کے نامعلوم ان کے خلاف مقدمہ درج کر کے گھر سدھاریں گے۔ کچھ عرصے تک مقدمہ فائلوں میں دبا رہے گا' بعد میں داخل دفتر کر دیا جائے گا۔ خس کم جہاں پاک۔ جب تک ''اوپر'' سے اُن کی ڈور نہ ہلائی جائے' انہیں ذمے داری سے ڈیوٹی پوری کرنا خواہ مخواہ کی ''پھرتیاں'' دکھانے بلکہ ضائع کرنے کے مترادف لگتا ہے۔''

''صحیح فرمایا پیر و مرشد۔ مجھے اجازت ہے اب؟ ریسپشن پہ بیٹھی خاتون پچھلے دس منٹ سے آپ کی شکل مبارک پر غصیلی نظروں کی شعاعیں پھینک رہی ہے۔ یقیناً وہ ریسیور میرے حوالے کر کے پچھتا رہی ہوگی۔''

ایمان نے چوری سے گھورتی ہوئی چشمے والی آپریٹر کو دیکھا۔

''اوکے۔'' ساحر ہلکا سا مسکرایا' پھر اسے کچھ یاد آ گیا۔

''ایک بات رہ گئی۔ میں دو گارڈز بھیج رہا ہوں ہاسپٹل۔ ڈیڈی نے ایک بہت اچھی سکیورٹی ایجنسی سے منگوائے تھے۔ اُن کی ٹریننگ کمانڈوز کے سے انداز میں کی گئی ہے۔ ہر طرح کے خودکار اسلحہ کا استعمال جانتے ہیں۔ جسمانی اور ذہنی اعتبار سے اپنا دفاع کرنے اور دشمن سے مقابلہ کرنے کے سارے داؤ پیچ اُنہیں سکھا دیئے گئے ہیں۔ جب تک رشید صاحب زخمی حالت میں ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں' یہ وہاں ڈیوٹی دیں گے۔ صحت یابی کے بعد ایک اُن کے ذاتی باڈی گارڈ کے طور

پر ہر وقت ان کے ساتھ رہے گا' دوسرا گھر کے گیٹ پر تعینات کر دیا جائے گا۔''

''یہ تو تم نے بہت لاجواب انتظام کیا ہے اُن کی حفاظت کا۔'' ایمان نے بے ساختہ دی۔

''کوئی اہم بات ہو تو مجھے موبائل پر رِنگ کر لینا۔'' ساحر نے فون رکھ دیا۔

O☆O

محسن رات گئے گھر لوٹا تھا۔

''ہم آ گئے۔'' نگین کے گیٹ کھولنے پر وہ دانت نکالتے ہوئے آگے بڑھا۔

''کچھ جلدی ہی آ گئے آپ۔'' نگین نے حیرانی کا مظاہرہ کیا۔

''ہم انتظامات مکمل ہونے تک یہیں انتظار فرما لیتے ہیں۔'' اس نے اپنی خودی پہ حرف نہ آنے دیا۔

''زیادہ سے زیادہ پانچ بجے تک آپ کی تشریف واپس آ جاتی ہے۔ ذرا گھڑی کی سوئیوں پر نظر ڈالئے اس وقت ساڑھے دس ہو رہے ہیں۔ خالہ غم و غصے سے آتش فشاں بنی ہوئی ہیں۔''

''کوئی بات نہیں۔ ہماری داستانِ شجاعت سنیں گی تو شبنم افشانی شروع کر دیں گی۔'' اس نے اپنی متانت برقرار رکھی۔ ''ایسا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے کہ آہ محسن اور واہ محسن۔ سمجھو لو وکالت کی سند مل گئی۔ پولیس کے بندوں کو قانونی موشگافیوں میں ایسا اُلجھایا کہ اُن کے رہے سہے چھکے چھوٹ ہو گئے۔ سر پکڑ کے رہ گئے تھے' جناب سب انسپکٹر صاحب۔ وہ تو آئے تھے مک مکا کر کے گل مکانے اور معاملہ دبانے تاکہ بھاگ دوڑ نہ کرنی پڑے اور بات نکلنے سے پہلے ختم ہو جائے۔ ہم نے ڈال دی پسوڑی۔ واہ یار محسن۔ کیا با کمال آدمی ہو تم۔'' محسن نے خود کو شاباشی سے نوازا۔

''سیدھی طرح بتاؤ معاملہ کیا تھا۔'' نگین اسے گھورنے لگی۔

''معاملہ تھا مردانہ اور رازدارانہ قسم کا۔ ہیں جی۔ زنانیوں کا ایسی باتوں میں کیا کام۔ جا کر ہانڈی چولہا گرم کرو اور مابدولت کے لئے دستر خوان بچھاؤ۔ اس غضب کی بھوک لگی ہے تمہاری صورت بھی شامی کباب کی طرح دکھائی دے رہی ہے' وہی گول گول براؤن خستہ اور۔۔۔''

محسن کی بات ادھوری رہ گئی۔ نگین نے خاموشی سے برآمدے میں دیوار کے ساتھ بیڈمنٹن کا ٹوٹا ہوا ریکٹ اُٹھا لیا اور گھما کر اس کے شانے پر مارنے کی کوشش کی مگر وہ اُچھل کر دور ہو گیا اور واویلا کرنے لگا۔

''اب کہو ہائے محسن اور وائے محسن۔'' نگین نے دوسرا وار کیا جو ہلکا سا محسن کے بائیں کندھے پہ پڑا گیا۔

''اوئی اماں میں مر گیا۔'' محسن نے مصنوعی چیخ ماری۔

''یہ کیا آدھی رات کو محلّہ سر پر اُٹھا رکھا ہے۔'' بیگم ریاض تپ کر اندر کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئیں۔ محسن کو فوراً شاپ لگ گیا۔

''السلام علیکم مادرِ مہربان۔'' اس نے خوشامدی انداز اپنایا کہ اسی میں عافیت تھی۔

مگر بیگم ریاض کے تیور خاصے کڑے تھے۔

''کہاں تھے' صاحب زادے آپ۔ گھر کی راہ کیسے یاد آ گئی؟ ابھی اتنی دیر تو نہیں ہوئی تھی۔''

''ہوں گے کسی تھانے میں بند۔'' اظہر نے دروازے سے سر نکال کر خاصا اشتعال انگیز بیان جاری کیا۔ ''آوارہ گردی عرفِ عام میں روڈ ماسٹری کے جرم میں۔ ویسے آپس کی بات ہے چھوٹے۔ رشوت دے کر یا تیرہ نمبر کے چھتر کباب سے ''تواضع'' کروانے کے بعد۔'' اس نے محسن کو آنکھ ماری۔

''تجھے تو میں سمجھ لوں گا' اُلو کے چاچے۔'' محسن نے اس کی آتش بیانی پر غصے سے لال ہو کر کہا۔

''چاچا تو تیرے بچوں کا بنوں گا میں۔ چل اچھا ہوا' ابھی سے بتا دی اپنی ''پروڈکشن'' کی اہلیت۔'' اظہر ہنسنے لگا۔

''امی دیکھ رہی ہیں' اس اظہر کے خچر کو۔'' محسن بگڑ کر ماں سے انصاف طلب کرنے لگا۔ ''میں غصے سے پھٹنے لگا ہوں۔''

''اچھا۔'' اظہر نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ ''تو پھر ہمیں حفاظتی تدابیر کر لینی چاہئیں۔ ہاں بھئی۔ سب پرے پرے ہو جاؤ' ہمارے محسن میاں بم بن کر پھٹنے لگے ہیں۔''

''یا اللہ' میں کہاں چلی جاؤں۔'' بیگم ریاض اپنے سپوتوں کی عقل کا ماتم کرتے ہوئے اُنہیں غضبناک نظروں سے گھور رہی تھیں۔

"ایک ڈاکٹر ہے' ایک وکیل ہے۔ مگر عقل نام کی چیز سے دونوں خالی ہیں۔ اتنا تو بند
خیال ہوتا ہے کہ اپنے پیشے کی ہی لاج رکھ لے۔ چلو اندر دفع ہو' مرو۔ کیوں پورے سیکنڈ
نشریات سنا رہے ہو۔"

اُن کی ڈانٹ ڈپٹ کے نتیجے میں سب اندر آ گئے اور مختصری راہداری سے گزر کر سٹنگ
میں ڈیرہ جما کے بیٹھ گئے۔ نگین کھانا گرم کرنے چلی گئی۔ سٹنگ روم میں ٹی وی چل رہا تھا
قالین پر اپنے کاغذات بکھرائے کسی مریض کا کیس تیار کر رہا تھا۔ بیگم ریاض اس سے کچھ فا
کشن سنبھالے تھوڑی دیر پہلے کسی میگزین سے گلے کا ڈیزائن نوٹ کر رہی تھیں۔ محسن کپڑے
کر فریش ہونے کے بعد ادھر ہی چلا آیا اور دیوار سے جڑے تخت پہ فروکش ہو گیا۔

"اب بتاؤ کہاں رہ گئے تھے اور دیکھو اگر جھوٹ بولا تو تھپڑ مار دوں گی سچ مچ۔" بیگم
سنجیدگی سے تفتیش کرنے لگیں۔

"بڑی لمبی کہانی ہے۔ دردناک پیچ و خم اور المناک حادثات سے بھرپور۔ درمیان میں ا
موڑ بھی آئیں گے' جب آپ پر رقت طاری ہو جائے گی بلکہ ہو سکتا ہے' دن بادل برسا
شروع ہو جائے آنکھوں سے۔ کھانا کھا لوں پھر عرض کروں گا' تسلی سے۔"

"مسخرہ پن کرنے سے باز نہ آنا۔" انہوں نے گھورا۔

"سچ کہہ رہا ہوں' یقین کر لیں۔" وہ مسمی صورت بنا کر بولا۔

"حالانکہ آپ پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔" کاغذوں میں گم اظہر نے لقمہ دیا۔

"کیا فرمایا آپ نے ڈاکو صاحب۔" محسن نے آستینیں چڑھا لیں۔ "ذرا دوبارہ ا
کیجئے۔" اُس نے جان کر ڈاکٹر کے بجائے ڈاکو کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

"میرا مطلب ہے' اے لائر از آ لو یز لائر۔ یہ میں نہیں' لوگ کہتے ہیں وکیلوں کے بار
میں۔" اظہر نے فوراً تصحیح کی۔

"ڈاکٹر اور ڈاکو میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا۔" محسن نے بھنا کر فتویٰ دیا۔ "دونوں خلق
کو لوٹتے ہیں اور ان کی کھال کھینچتے ہیں۔"

"معاف کیجئے گا۔ ہم ڈاکٹر ہیں قصائی نہیں ہیں۔" اظہر نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کھانا گرم کر دیا ہے میں نے۔ ازراہِ ترحم۔" نگین نے انٹری دی۔ "اب جا کر حلق

ئیے۔" وہ بیگم ریاض کے پاس بیٹھ گئی۔

"ہم ٹھونستے نہیں' تناول فرماتے ہیں' نادان لڑکی۔" محسن نے رعب سے کہہ کر تخت پر
پار لیں۔

"بعد میں اینڈتے رہنا بستر پر۔ جا کر کھانا کھا لو پہلے۔" نگین نے اس کی طرف دیکھا۔

"بدولت سخت تھکے ہوئے ہیں۔ اُٹھنے سے لاچار ہیں۔ کھانا یہیں لے آؤ خادمہ۔" محسن
ے تخت پر لیٹ گیا۔

"سیدھی طرح اُٹھتے ہو یا میں خود آؤں تمہیں اُٹھانے۔"

اس سے پہلے کہ نگین اس کو مزہ چکھانے کے لئے آگے بڑھتی' بیگم ریاض نے اُس کی خبر لے

آلآخر محسن کو اُٹھنا پڑا۔

مگر تھا' وہ بھی اپنے نام کا ایک' خود ہی کھانا ٹرے میں لگا کے واپس آ گیا اور قالین پر بیٹھ

"مجھ سے نہیں کھایا جاتا' اکیلے ٹیبل پر بیٹھ کر۔" ماں کے گھورنے پر وہ بسور کر بولا تو نگین کو
لراہٹ ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔

"مجھے پہلے بتا دیا ہوتا۔ تمہارا ساتھ دینے کو بیٹھ جاتی وہیں۔"

ین کی مخلصانہ پیشکش پر اظہر نے سر اُٹھا کر غور سے اس کی صورت دیکھی تھی۔

"اجی توبہ کیجئے۔ بعد میں جانے کس کس موقع پر احسان جتا کر ذلیل کرتی رہتیں۔" محسن
کر ارشاد کیا۔ "معاف رکھئے' اس عنایت و اکرام سے۔"

"اب' اپنی دن بھر کی کارگزاری کب سنائے گا تو۔ نیند آ رہی ہے مجھے۔"

"واقعہ بیان کرنے سے پہلے میں حاضرین سے درخواست کروں گا کہ اجتماعی طور پر میری
لیں' قبل از وقت کیونکہ میں کسی بھی وقت مرحوم ہو سکتا ہوں۔ خطرناک کام میں ہاتھ ڈالا
ل۔"

"جوتا دوں گی کھینچ کے جو بکواس کی تو۔" بیگم ریاض نے کھا جانے والی غضبناک نظروں
لاڈلے بیٹے کو دیکھا۔

محسن نے ٹھنڈی سانس لی۔

''میں سوچتا ہوں' آپ ماں بن کراتنی جلاد واقع ہوئی ہیں تو بطور ساس کس درجہ
بن جائیں گی۔'' وہ فکرمندی ظاہر کرنے لگا۔'' آپ کی جگہ کوئی اور مشفق و مہربان خاتون
ہول کر کہتیں۔'' ہائے خدانہ کرے' میرے لال۔کیسی باتیں کر رہے ہو۔اللہ تمہیں ہزاری
کرے۔ جگ جگ جیو۔ دودھوں پھلو' پوتوں نہاؤ۔''

وہ باقاعدہ ''پرفارم'' کر رہا تھا۔

''ایکٹر' بکواسی۔ خبطی۔'' بیگم ریاض نے پیچھے سے ایک دھپ لگائی اور ہنسی دبا کر
سے بولیں۔

''چلو' سیدھی طرح بتاؤ سارا قصہ۔''

''قصہ یہ ہے' میرے عزیزو۔'' محسن ہاتھ جھاڑ کر فراغت سے گویا ہوا۔

''کہ میرے باس ایک جدّی پشتی جاگیردار اور متمول گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں
رکھنے والے نیک اور مضبوط انسان ہیں۔ ویسے تو اپنے باپ' تایا اور بھائی وغیرہ کے ہمراہ مل
انڈسٹریز کے انتظامی و عمومی معاملات کی نگرانی کرتے ہیں مگر عوامی فلاح و بہبود کے جذ
تحت ڈیڑھ دو برس پہلے ملک کنسٹرکشن کمپنی کے نام سے اپنے آفس کا افتتاح کیا تھا۔
باس خود ایک منجھے ہوئے بین الاقوامی سند یافتہ انجینئر ہیں یعنی باہر کے پڑھے لکھے ہیں بلکہ
طور پر دو تین سال تک ایک ملٹی نیشنل کنسٹرکشن کمپنی میں کام کر کے اپنی صلاحیتوں کا لوہا بھی
ہیں لہٰذا ایک سال کے قلیل عرصے میں کمپنی کی ساکھ بن گئی اور تواتر سے آرڈرز ملنے لگے
کام چل نکلا تو مسٹر باس اصل مقصد کی طرف آئے جس کے لئے اُنہوں نے کنسٹرکشن کمپنی
بنیاد رکھا تھا۔''

''کیا مطلب۔ کیا موصوف کنسٹرکشن کی آڑ میں کوئی خفیہ کام کرنے کا ارادہ رکھتے
اظہر حیران ہوا۔

''کیا آپ کو وہ ایسے عزائم رکھنے والے نظر آتے ہیں؟'' محسن نے ملامت انگیز نظروں سے
اسے دیکھا۔

''کیا کہا جا سکتا ہے بھائی۔'' اظہر نے کندھے اُچکائے۔ ''ہیں کو اکب کچھ اور نظر آ

نہیں سیانے کہتے ہیں۔''
پہلے وہ سن لو جو میں کہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ سراسر جھوٹے ہیں نہ صرف جھوٹے بلکہ سازشی
ن اور بد باطن۔'' محسن نے تیز نظروں سے گھورا۔
صورت رہ گیا ہے' وہ بھی کہہ ڈالو۔'' نگین نے شرارت سے محسن کو شہہ دی۔
وہ اسے آئینہ روز کہتا ہے' یہ الگ بات کہ موصوف کان نہیں دھرتے۔'' محسن اطمینان سے

ان ریشہ دوانیوں کے باوجود میں ایک متین و معتبر' معزز و محترم اور مدبر و متحمل مزاج
کی طرح پُرسکون رہوں گا۔ آپ اپنا بیان یا بکواس جاری رکھیے۔'' اظہر نے درجواب آں
کی۔ محسن ماں کے تیور دیکھ کر کرارا سا جواب دینے کے بجائے تفصیلات بتانے لگا۔
''کمپنی کا ایک کام تو دوسروں سے ٹھیکا لے کر کنسٹرکشن کرنا اور منافع کمانا تھا۔ دوسرا مقصد یہ
ے باس کا خواب تھا کہ وہ کمپنی کے تھرو اپنی غیر آباد' بنجر و بیابان آبائی زمین پر ماڈل
ایک نگر آباد کریں تا کہ مقامی آبادی جدید سہولیات سے بہرہ مند ہو سکے۔ اُن کے
کے تحت وہاں رہائش پذیر غریب اور محکوم طبقے کے لئے کالونی ٹائپ جدید اور آرام دہ
میر کئے جائیں گے۔ سکول' مسجد' چھوٹا ہسپتال اور گھروں کے آگے سے گزرتی پکی سڑک
گی۔ اس کے علاوہ بچوں کے لئے تفریحی پارک' کھیلنے کے لئے گراؤنڈ اور مستقبل قریب
انڈسٹری وغیرہ بھی لگائی جائے گی تا کہ لوگوں کو روزگار مل سکے۔ ظاہر ہے' جب علاقہ جدید
سے مزین ہو جائے گا تو سرمایہ دار خود بخود کھنچے چلے آئیں گے۔ یوں وہاں کے لوگوں کی
ل جائے گی۔''
''خواب تو بہت سہانا ہے مگر فی زمانہ اس کی حسب منشا تعبیر پانا بہت مشکل ہے۔'' اظہر نے

''میرے باس کے لئے کوئی مشکل' مشکل نہیں ہوتی۔'' محسن نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔
''خیر۔ اُن کے ان عزائم کی خبر اُن کے رشتے داروں کو ہوئی تو حسب توقع بھڑک اُٹھے۔
دماغ' سفاک و قہرمان ملک زادہ براہِ راست اُن سے اُلجھ پڑا۔ وہ ضروری پیمائش اور
کے لئے ملک آباد گئے تو ان کے اس چچازاد ملک ذراب نے فائرنگ کر دی۔ معاملات

خاصے بگڑ گئے۔ موصوف دھمکیاں دے کر چلے گئے۔ وہ یہ بیکار زمین اپنے کسی جاننے وا
چاہتے تھے مگر ہمارے باس محاذ پر ڈٹ گئے۔ معاملہ بظاہر رفع دفع ہو گیا اور ہماری کمپنی کے
نے ملک آباد میں پراجیکٹ کا آغاز کر دیا۔ ایک ماہ خیریت رہی پھر دُراب صاحب نے سرا
کے اہم ترین ممبر اور معروف جیالوجسٹ پر سرِ راہ قاتلانہ حملہ کروا دیا۔ وہ بال بال بچے۔
آج کا ہے۔ میں ابھی ہسپتال سے آ رہا ہوں۔"

"ہائیں۔" محسن نے اس روانی سے ماضی کا کنکشن حال سے جوڑا تھا کہ وہ ایک
ششدر رہ گئے۔

"جی ہاں' تمت بالخیر۔"

محسن نے بیگم ریاض کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں میں پُرتشویش قسم کے تاثرات
تھے۔

"یہ ایک خطرناک معاملہ ہے محسن۔ تمہارے باس کا مقصد نیک ہے۔ میں مانتی ہوا
اس کے لئے حالات سازگار نہیں ہیں۔ ایک نہیں بہت سی جانوں کو خطرہ ہے۔ آج پروفیسر
باری آئی ہے۔ کل پرچی دوسرے ورکر کے نام نکل سکتی ہے۔ قتل و غارت گری کا یہ سلسلہ
دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ تمہیں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔"

"آپ فکر کیوں کرتی ہیں امی۔ میں اپنی حفاظت سے غافل نہیں ہوں۔ انشاء اللہ کچھ نہ
گا۔ دشمن ایسے ہتھکنڈے استعمال کر کے ہمیں ڈرانا چاہتا ہے تاکہ ہم خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ
مگر ایسا نہیں ہوگا۔ ہم ڈر کر میدان نہیں چھوڑیں گے۔"

"یہ بہت لمبا پراجیکٹ ہے۔ رسکی بھی ہے۔ اگر تمہیں کوئی اور اچھی جاب کی آفر آتی
فوراً کمپنی چھوڑ دینا۔ اب چل کر آرام کرو' دن بھر کے تھکے ہوئے ہو۔ آجاؤ نگین تم بھی۔"

بیگم ریاض اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ نگین اُنہی کے کمرے میں سوتی تھی۔

"آپ چلیں خالہ' میں آ رہی ہوں۔" وہ کشن اُٹھا کر دیوار کے ساتھ ٹھیک سے لگانے لگ

"اور ہاں۔" یاد آ جانے پر وہ محسن کی طرف مڑیں۔ "آئندہ دیر سویر ہو جائے تو فون
بتا ضرور دینا۔ بندہ اتنا تو خیال کر لیتا ہے کہ گھر والوں کو اطلاع کر دے۔" وہ خفا ہوئیں۔

"میں نے پانچ سوا پانچ کے قریب نمبر ملایا تھا۔ مگر لائن نہیں مل سکی۔ بار بار کوشش کر

اچ کر رکھ دیا کہ شاید فون فوت ہو گیا ہے یا لائن قتل ہو گئی ہے۔" محسن نے صفائی پیش کی۔

"بیان درست تسلیم کیا جاتا ہے۔ میں ساڑھے پانچ بجے کے قریب ضروری فون کرنے
لی میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تار فون کو دغا دے کر اس سے علیحدگی لے چکا ہے۔" اظہر نے
کی حمایت میں بیان دیا۔ "پھر میں نے دوبارہ تار جوڑ کر اُن کا ملاپ کرایا۔"

"ایک دوسرے کے جرم پہ پردہ ڈالنا دونوں کو خوب آتا ہے۔" بیگم ریاض باہر نکلتے ہوئے

"ہم اپنے کمرے میں جا رہے ہیں۔ دو گلاس دودھ لے کر فوراً حاضر ہو جاؤ استانی جی۔"
ل نے ماں کے جانے کے بعد کہا۔ "وہاں جا کر کھُل کے بات ہو گی۔"

"خود جا کر دودھ گرم کرو اور نوش فرماؤ۔ میں نوکر نہیں ہوں۔"

"اچھا کیا جو بتا دیا۔ میں تو اب تک یہی سمجھ رہا تھا۔" محسن نے دانت نکالے۔

"دودھ پینا اتنا ضروری نہیں ہے وکیل صاحب۔ تم اصل بات شروع کرو۔"

اظہر سب سے پہلے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ دونوں نے ایک بیڈ سنبھال لیا' دوسرا سنگل
ہدفٹ کے فاصلے پر عین سامنے تھا نگین اس کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

"آج رات نو بجے کمپنی کے اُن ورکرز کی خفیہ میٹنگ ہوئی تھی جو اس پراجیکٹ میں حصہ
رہے ہیں۔" محسن نے سنجیدگی اختیار کی۔ "ساحر صاحب نے سب کو صاف بتا دیا ہے کہ اس
یکٹ میں جگہ جگہ خطرناک مرحلے آئیں گے۔ جو کم ہمت ہیں یا ساتھ نہیں دے سکتے ابھی بتا
دگرنہ پھر واپسی کا راستہ نہیں رہے گا۔ آپ لوگوں کو خدا کے بعد اپنی صلاحیت' ذہانت اور دل
ر بھروسہ کر کے آگے بڑھنا ہوگا۔ اگر ذمے داری سنبھال سکتے ہیں تو آگے آئیں وگرنہ بغیر
شرمائے خاموشی سے پراجیکٹ سے نکل جائیں۔ ملک دُراب کی طرف سے خاندانی دشمنی
علاوہ ایک اور محاذ پر بھی ہمیں خطرات کا سامنا ہے۔ ملک ایاز نے اپنے بیٹے دُراب کی تجویز پر
ہ زمین چودھری افضل کے ہاتھ بیچنے کا فیصلہ کیا تھا بلکہ سودا تقریباً تقریباً طے تھا' صرف ملک
ے رسمی رضامندی لینا باقی تھی' جب ساحر صاحب نے پراجیکٹ کا اعلان کیا۔ چودھری
ب بذاتِ خود جاگیردار ہیں' وہ اس زمین کو اپنی غیر قانونی اور ناجائز سرگرمیوں کے لئے
ال کرنا چاہتے ہیں۔ غالباً منشیات یا سمگلنگ کا دھندا شروع کرنا چاہتے ہیں۔ ساحر صاحب

نے اپنے خفیہ انٹیلی جنس سسٹم کے ذریعے اس ڈیل کا سراغ لگایا تھا' چنانچہ اب ہمیں ملک د
کے ساتھ ساتھ چودھری افضل کے پالتو غنڈوں کی جارحیت کا بھی مقابلہ کرنا ہوگا۔''

''خطرہ تو واقعی ہے۔'' اظہر بھی سنجیدہ و متفکر نظر آنے لگا۔

''میں نے اسی لئے امی کے سامنے زیادہ تفصیل نہیں بتائی۔ وہ بظاہر اپنی فکر یا تشویش نہیں کرتیں کہ کہیں اولاد کمزور نہ پڑ جائے مگر اندر ہی اندر بُری طرح بے چین ہو جاتی ہیں۔ وہ حوصلہ بڑھانے اور ہمیں مضبوط رکھنے کو اپنا چہرہ سپاٹ رکھتی ہیں یا اس طرح ظاہر کرتی ہیں' جیسے پروانہ ہو مگر ہم اُن کی اس بے نیازی کی ادا میں چھپی ممتا زبھری تڑپ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔''

وہ متانت اور تدبر سے بولتا ہوا کہیں سے بھی پہلے والا شوخ و شریر چلبلا سا محسن نہیں لگ رہا تھا۔

''تم نے اپنے باس کے پوچھنے پر کیا جواب دیا؟'' نگین نے ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ سجا کے پوچھا۔

''یہی کہ میں ہر مرحلے پر اُن کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔''

محسن نے فوراً جواب دیا۔

''سچ پوچھو تو میں ساحر صاحب کے عزم' اُن کے مضبوط ارادے' اعلیٰ سوچ اور بھرپور شخصیت سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ وہ اُن لوگوں میں شامل ہیں جو جسم میں خون کے آخری قطرے تک ہار نہیں مانتے اور آخری دم تک لڑتے ہیں۔ کوئی چیز اُن کے حوصلوں کو شکست نہیں د
اور پھر ایک اچھے مقصد کی خاطر اپنی ذات اور پیسہ وقف کرنا بڑے دل گردے والے لوگوں کا ہوتا ہے۔ امیرزادوں کو پیسہ پانی کی طرح بہانے کے لئے تفریحات کی کمی تو نہیں ہوتی۔''

''نکے پانڈے ایک کام کرو۔'' اظہر نے سوچ کر کہا۔ ''تم جاب کے ساتھ ساتھ فارغ
میں کورٹ جانا شروع کر دو۔ بلکہ ہو سکے تو کسی سینئر وکیل کی لیگل فرم جونیئر کے طور پر جوائن کر لو۔''

''مشورہ بہت اچھا اور فوراً عمل کا متقاضی ہے۔'' نگین نے اظہر کی حمایت کی۔

''تمہیں وکالت کی پریکٹس کا لائسنس مل جائے گا تو خود بخود قانونی تحفظ حاصل ہو جا
تمہاری پوزیشن زیادہ مضبوط ہو جائے گی' دوسرے کتابوں میں پڑھا علم عملی طور پر استعمال
گے تب کہیں وکالت کے شعبے کی صحیح الف بے پتا چلے گی۔'' نگین مزید بولی۔

''سوچا تو میں نے بھی ایسا ہی ہے یار مگر وکیلوں کی حالت تمہیں پتا ہی ہے۔ عمریں گل جاتی ہیں اس فیلڈ میں قدم جمانے اور نام کمانے میں۔ پاکستان میں ذاتی کلینک یا ذاتی لاء چیمبر بنا کر کامیابی سے چلانا کسی عام مڈل کلاس کے نمائندہ ڈاکٹر یا وکیل کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔ اس کے لئے امیروں ڈھیروں پیسہ چاہئے' فراغت چاہئے اور ابتدا میں ہونے والے گھاٹے کو برداشت کرنے کے لئے صبر جمیل چاہئے۔''

''بے شک' اِن حقائق سے کسی کو انکار نہیں ہے مگر مخلصانہ کوشش اور سچی لگن ہر کام کے لئے اوّل ہے۔ بھلے سے منزل پہ دو چار ہی پہنچتے ہیں مگر کوشش کرنے اور پیچھے آنے والوں کی محنت کم نہیں ہوتی۔ وہ بھی داد کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔'' نگین تحمل سے بولی۔

''آپ کی بات سے ہم نے پہلے کبھی انکار کیا ہے' استانی جی۔'' محسن فدویانہ انداز میں

نگین مربیانہ انداز میں مسکرا دی پھر بولی۔

''بہرحال تم کل کسی اچھے وکیل کی لیگل فرم کا اتا پتا لگاؤ۔ تمہارے اپنے جاننے والے وکیل ہوں گے جنہوں نے تمہارے ساتھ یا تم سے ایک دو سال پہلے وکالت کا امتحان پاس کیا تھا اُن سے مشورہ کرو۔''

''بجا ارشاد۔ جو حکم میرے آقا۔'' محسن نے سرِ تسلیم خم کیا۔

''تم کس سوچ میں گم ہو ڈاکٹر؟'' نگین نے اظہر کو مخاطب کیا جو بظاہر محسن اور نگین کی شکلیں دیکھ رہا تھا مگر ذہنی طور پر کہیں اور تھا۔

''یہ کہیں پہنچے ہوئے ہیں۔'' محسن نے غور فرما کر کہا۔

''کہاں؟''

''ماؤنٹ ایورسٹ' وائٹ ہاؤس' قطب جنوبی یا پھر ایفل ٹاور پر۔'' محسن نے قیاس لگایا۔

''تمہارے سر پر۔'' اظہر نے محسن کے دھپ لگائی۔ ''میں اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''اچھا۔ آپ کا بھی کوئی مستقبل ہے۔'' محسن نے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔

''جی ہاں۔ اور آپ کے برعکس خاصا روشن اور پرامید بھی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں' سرجری

میں سپیشلائز کرلوں۔ پمز میں فقط دو سال کی عارضی تقرری ہے۔ اس کے بعد کیا جوتیاں چٹخاؤں
گا۔ میرا ارادہ پولیس سرجن بننے کا ہے۔''

''کیا تم نے اپلائی کیا ہوا ہے۔ اس کے لئے تو کافی پہلے سے کاغذات جمع کرانے پڑتے
ہیں۔'' نگین نے پوچھا۔ ''سالوں بعد کہیں سنیارٹی بیس پر اس عہدے پر تقرر کیا جاتا ہے۔''

''آج کل میں کرا دوں گا۔ فی الحال میں سپیشلائز کرانے والے ایک غیر ملکی انسٹی ٹیوٹ میں
ایڈمشن لے رہا ہوں۔''

''مشکل نہیں ہو جائے گا' دو دو کام ساتھ کرنا۔ جاب بھی اور پڑھائی بھی۔'' محسن
ہمدردی سے بھائی کی طرف دیکھا۔

''مشکل تو بہت سارے کام ہوتے ہیں مگر انہیں انسان ہی کرتے ہیں۔'' وہ مسکرایا۔

''تم مستقبل کے خواب بنو اور میں چلوں۔ بہت دیر ہوگئی ہے۔'' نگین کھڑی ہوگئی۔

''میں دروازے تک چھوڑ آؤں۔'' محسن شرارت سے اسے دیکھنے لگا۔

''ہوسکتا ہے' جاؤ تو اسی طرح 'استقبال' کریں جیسے دیر سے آنے پر میرا کیا تھا۔''

''بکواس نہیں کرو۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر باہر نکل گئی۔

O☆O

''ڈیڈی۔ میں آپ کا کچھ وقت لے سکتا ہوں؟'' ساحر توقیر صاحب کی سٹڈی کا دروازہ
ناک کر کے اندر آ گیا اور اجازت طلب نظروں سے باپ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ فوڈ ٹیکنالوجی
کسی جدید دریافت کے بارے میں تفصیلات پڑھ رہے تھے۔

''آؤ برخوردار۔'' انہوں نے اپنے بائی فوکل گلاسز میز پر رکھ کر بیٹے کی طرف دیکھا۔
موڈ خوشگوار دکھائی دے رہا تھا۔

''بہت بزی ہو گیا ہے میرا بیٹا۔ ہفتوں ملاقات نہیں ہو پاتی۔ کیسی چل رہی ہے' تمہاری
کنسٹرکشن کمپنی۔ میری مدد کی ضرورت ہو تو ضرور بتانا۔''

''شکریہ ڈیڈی۔'' وہ اُن کے سامنے والی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''سنا ہے' پرسوں تمہارا کوئی اور ورکر زخمی ہو گیا تھا۔ غالباً فائرنگ ہوئی تھی اُس پر۔ ایس ایس
پی زمان ملا تھا' رات میریٹ کے ایک فنکشن میں۔ اُس نے سرسری سا ذکر کیا تھا۔'' انہوں

نے آنکھیں سکیڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔

''جی ہاں۔ میں نے انہیں فون کیا تھا۔ انہوں نے یقین دلایا ہے کہ وہ اعلیٰ پیمانے پر واقعے کی
تحقیقات کرائیں گے اور اس مقصد کے لئے پولیس ڈیپارٹمنٹ کے ایماندار اور باصلاحیت
افسران پر مشتمل تفتیشی ٹیم تشکیل دیں گے۔ دیکھتے ہیں' کیا بنتا ہے۔ میں تفتیش مکمل ہونے اور
حالات منظرِ عام پر آنے کا انتظار کر رہا ہوں۔''

ساحر بہت تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

''تفصیل سے بتاؤ سارا واقعہ۔'' توقیر صاحب غالباً فراغت سے بیٹھے تھے ورنہ وہ گھر کی
سب سے مصروف شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ اُن کے بعد سعود کے ڈیڈی انوار صاحب کا نمبر آتا
اہلِ خانہ ضروری بات کہنے کے لئے بھی دس جگہ نمبر گھما کر ان کی 'لوکیشن' معلوم کر پاتے

ساحر نے مختصراً پرسوں کا واقعہ بیان کیا۔ اُن کے چہرے پر سختی آ گئی۔

''تمہارے خیال میں یہ کس کی کارروائی ہو سکتی ہے؟'' توقیر صاحب نے سیدھا بیٹے کی
آنکھوں میں دیکھا۔

''ظاہر ہے ڈیڈی۔ حملہ آور کو آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی۔'' ساحر نے کندھے اُچکا کر
لاپرواہی انداز میں کہا۔ ''مسئلہ ہے' ثبوت کے ساتھ پکڑنے اور چور کو اس کے گھر تک پہنچانے کا۔''

''ایاز کو اپنے بیٹے کے کرتوتوں کے سنگین نتائج بھگتنا پڑیں گے۔'' توقیر صاحب دانت بھینچ
کر غرائے۔ ''میں ویسے بھی ابھی پچھلا وار نہیں بھولا۔''

''نہیں ڈیڈی۔'' وہ بدستور پُرسکون تھا۔

''طاقت کا جواب طاقت سے دینا ہوتا تو میں بھی ملک ہاؤس سے اپنے خاص اور ٹرینڈ
بندے لے کر دُراب ملک کی اسلام آباد والی کوٹھی پر حملہ کر دیتا۔ وہ یہی تو چاہتا ہے کہ ہم اُس سے
اپنا اصل کام بھول جائیں اور لڑائی جھگڑوں میں وقت ضائع ہوتا رہے۔'' اس کا لہجہ مستحکم تھا۔

''اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دیا جائے تو حریف اسے کمزوری اور بزدلی شمار کرتا ہے۔'' وہ
تاب کھا رہے تھے۔ ملک ایاز سے یوں بھی ملک ہاؤس کے مکینوں کے خوشگوار تعلقات نہیں
تھے۔ اب دراب کی کھلم کھلا دشمنی نے بھڑکتے شعلوں کو مزید ہوا دی تھی۔

''نہیں ڈیڈی' میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔''

ساحر نے مہذب انداز میں اختلاف کیا۔

''ہمیں جبر کا جواب صبر سے اور وحشی پن کا جواب دانش مندی سے دینا چاہئے اور دا...
کا تقاضا ہے کہ معاملات کو قانونی طریقے سے ہینڈل کیا جائے۔ دوطرفہ جارحیت کا نتیجہ
خرابے کی صورت میں نکلے گا۔ مقصد بڑا ہو تو دل' ظرف اور حوصلہ بھی اتنا ہی کشادہ ہونا چاہئے
قانونی جنگ لڑیں گے۔ اگر دوسرے غلط ہوں تو اُن کا مقابلہ کرنے کے لئے انسان خود تو غلط
ہو جاتا۔ لڑائی میں اصل مقابلہ آپس کی ذہانت اور حکمتِ عملی کا ہوا کرتا ہے' طاقت کا نہیں۔ تا...
شاہد ہے کہ اپنے عزم پہ بھروسا کرنے والے جیالوں نے مناسب حکمتِ عملی اور ذہانت و ہوشمندی
سے کام لے کر اپنے سے دوگنی طاقت رکھنے والے دشمن کو پچھاڑ ڈالا اور بڑے بڑے سورما
اقتدار اور تعداد کے زعم میں مردانِ عزم وعمل کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہو کر ذلیل
ہوئے۔'' وہ چند ثانیے کو رُکا پھر بولا۔ ''غصے سے کام لینا کون سا مشکل ہے غصہ کوئی بھی کر سکتا
عقل سے کام لینا اور ہر حال میں ہوش کا دامن تھامے رکھنا اصل مرحلہ ہوتا ہے۔ یہ مردوں کا
ہوتا ہے۔ غصے سے صرف معاملہ بگڑتا ہے' سلجھنے کی کوئی تدبیر نہیں نکلتی۔''

وہ خاموش ہو گیا۔

توقیر صاحب از حد خوشگوار بلکہ فخریہ سی کیفیت میں گھِر کر اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ ا...
آنکھوں میں نرمی اور پدرانہ شفقت تھی۔

''انوار اکثر تمہاری معاملہ فہمی' تحمل اور سٹیمنا کی تعریف کرتا ہے۔ وہ تمہاری سوچ اور ا...
سٹائل کو بہت سراہتا ہے۔ کبھی کبھی مجھ سے کہا کرتا ہے کہ اگر ساحر کی پختگی' ٹھوس پن اور
برداشت کے چند چھینٹے بھی سعود پر گرے ہوتے تو وہ خاصا سمجھدار ہو جاتا۔ آج سمجھ میں آیا
تمہارے طرزِ فکر سے کیونکر متاثر ہے۔''

اُنہوں نے آگے کو جھک کر اس کے کندھے پر تھپکی دی۔

''مجھے تم پر فخر بھی ہے اور تمہاری صلاحیتوں پر اعتماد بھی۔ اب میں ہر طرح سے
سپورٹ کرنے کو تیار ہوں۔ بھلے سے ملک بابا خفگی کا اظہار کرتے رہیں۔ اُنہیں تمہار...
پراجیکٹ سے اختلاف ہے بلکہ بہت سی شکایتیں بھی رہی ہیں تم سے۔ میرا خیال تھا' کسی دن

...ا اچھی طرح سمجھاؤں گا اور دباؤ ڈال کر اس منصوبے کو ختم کرنے کی تدبیر کروں گا۔ مگر اب میں
...ئن ہوں۔ تم از خود سمجھداری کے ساتھ مراتب سے آگاہ ہو چکے ہو۔ مجھے یہ اعتراف کرنے
...وئی باک نہیں ہے کہ نئی نسل بھلے سے جوشیلی اور جلد باز سہی مگر علم و دانش' حکمت اور ذہنی
...لاحیتوں کے استعمال میں پرانی نسل سے کہیں بہتر ہے۔ اس کی سوچ' فکر اور نظریہ حیات عملی
...۔ پرانی نسل جذباتی سہاروں سے خود کو بہلاتی تھی۔ نئی نسل ٹھوس اور واضح حقائق پر اپنے
...اسات کی بنیاد رکھتی ہے۔ وہ ہر چیز دیکھ کر' چھو کر اور پرکھ کر یقین کی سیڑھی پہ قدم رکھتی ہے۔
...اری طرح سنی سنائی اور خود سے بنائی گئی روایات پر نہیں چلتی۔''

باپ کے واضح اعتراف و اقرار اور پُرجوش حوصلہ مندانہ جذبات نے ساحر کا عزم دو چند کر
...۔ اس سٹیج پر اُسے خیر خواہی اور خیر سگالی کے جذبات کی سخت ضرورت بھی تھی۔

''تھینک یو ڈیڈی۔'' وہ ممنونیت سے بولا۔ ''آپ کی مورل' ایموشنل اور ضرورت پڑنے پر
...ل سپورٹ مل جانے کا احساس اتنا قوی ہے کہ میرا آدھا بوجھ کم ہو گیا ہے۔ ڈیڈی' مجھے زمین
...ی ملکیت کے قانونی معاملات پر آپ سے بات کرنا تھی۔''

وہ پہلو بدل کر آرام دہ پوزیشن میں آ گیا۔

''ہاں ہاں کہو۔'' اُن کے مشفقانہ جذبات اپنے عروج پر تھے۔

''قانون کی رُو سے باپ کا ترکہ اولاد کو اور دادا کا ترکہ پوتوں کو ملتا ہے۔ ہمارے دادا مرحوم'
...مطلب ہے' سگے دادا شیروز دین کو ملک آباد کی زمین فوج سے بہادری کے انعام کے طور پر ملی
...ی۔ اُن کی شہادت کے بعد ظاہر ہے' زمین اُن کے تینوں بیٹوں یعنی شبیر تایا' آپ اور تنویر چچا
...یں برابر تقسیم کی جانی تھی کیونکہ آپ دادا شیروز دین کے اصلی وارث ہیں۔ تنویر چچا بدقسمتی سے
...وانی میں فوت ہو گئے۔ اُن کا کوئی بیوی بچہ بھی نہیں تھا جو وراثت کا حقدار ٹھہرتا لہٰذا ملک آباد کی
...ین پر آپ کا اور شبیر تایا کا حق ہو گیا۔ اب مجھے آپ یہ بتائیے کہ ایاز چچا یا ذرار ملک کس حساب
... اس پر قبضہ کرنے یا حق رکھنے کے دعویدار بنے بیٹھے ہیں؟''

''ہاں۔ قانونی اعتبار سے تو اُن کا ملک آباد کی زمین پر کوئی حق نہیں بنتا۔''

توقیر صاحب پیپر ویٹ گھماتے ہوئے آہستگی سے بولے۔ ''مگر مسئلہ یہ ہے مائی سن کہ
...ارے ہاں صدیوں سے زمین و جائیداد کی تقسیم نہیں ہوئی۔ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ عملاً زمینوں

کا قبضہ خاندان کے سربراہ کے سپرد رہے گا اور خاندان کے تمام مردوں کا زمین اور اس کی کمائی
برابر کا حصہ رہے گا۔ یوں سمجھ لو جیسے ملکوال، ملک آباد، ملک ہاؤس اور ملک فوڈ انڈسٹریز سمیت ہ
خاندان کی مشترکہ ملکیت ہے۔ جس کا دل چاہے جہاں مرضی آئے جائے یار ہے۔ یہ الگ ا
ہے کہ ملک ایاز سے خاندانی چپقلش کی خلیج بڑھ کر تلخی اور دشمنی میں بدل گئی ہے، اس لئے ملکوال
ملک ہاؤس کے مکین ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے سے ازخود کترانے لگے ہیں۔ وگر
دونوں طرف سے بدستور ہے۔ کوئی استعمال کرے نہ کرے یہ اُس کی مرضی۔"

"قانون اِن خاندانی ریتوں رسموں کو نہیں مانتا ڈیڈی۔ حق اُس کا ہوتا ہے جو صحیح معنوں
حق دار ہو۔"

"نہیں۔ حق اُسی کا ہوتا ہے جو حق لینا جانتا ہے۔" وہ دھیمے سے مسکرائے۔

"ملک فیملی کی ہر چیز پر ملک بابا کا اختیار ہے، مکینوں سمیت۔ یوں بھی اُن کے دونوں بھا
شیروز دین اور بہروز دین وفات پا چکے تھے اس لئے بھائیوں کی زمینیں خود بخود اُن کے حصے میں
گئیں۔" انہوں نے وضاحت کی۔

"مگر کیسے۔ بغیر کسی قانونی کارروائی کے زبانی کلامی اُن کا حقِ ملکیت کیسے تسلیم کیا جا
ہے۔" ساحر نے جرح کی۔

"بھئی، شیروز دین کی بیوہ یعنی ہماری امی مرحوم سے انہوں نے دوسری شادی کر لی تھی، ا
طرح خود بخود ملک آباد کی زمین اُن کی ہو گئی۔ بہروز دین چچا کی فقط ایک بیٹی تھی گل بانو۔ شادی
کے بعد وہ بیاہ کر ملکوال سے دور چلی گئی۔ اس کے بعد بہروز چچا بھی وفات پا گئے سو قصہ ختم۔ انہو
نے ملک آباد میں جو حویلی تعمیر کی تھی اور ملکوال کی زمین کا جتنا حصہ تھا، وہ ملک بابا کا ہو گیا۔ ساحر
بخود ماضی کی داستان کے چیدہ چیدہ اسرار سے آگاہ ہو رہا تھا۔

"کمال ہے۔ ملکیت کا کیا آٹومیٹک انداز ہے۔" اس نے خود کلامی کی۔

"وہ جو گل بانو تھیں، بہروز دین کی بیٹی۔ ان کا اپنے باپ کی حویلی اور جائیداد پر وراثتی ح
بنتا تھا، وہ کیا ہوا۔"

"اس زمانے میں ہم یہاں اسلام آباد آ چکے تھے، ملکوال چھوڑ کر۔ لہٰذا تفصیلات کا علم نہیں
ہو سکا۔ بس اتنا پتا ہے کہ گل بانو شادی کے کچھ عرصے بعد انتقال کر گئی تھی۔"

"اُن کا کوئی والی وارث تو ہو گا جو ماں کے حصے کی جائیداد کا مستحق ٹھہرایا جا سکے۔ ساحر دور
/ازی لایا۔

"شاید ہاں یا شاید نہیں۔ ہم ملک ہاؤس کے مکین اس سلسلے میں قطعی لاعلم ہیں۔ اصل میں گل
نے سب کی مرضی کے خلاف کسی معمولی حیثیت کے شخص سے شادی کی تھی۔ اس کی پاداش میں
ہمیشہ کے لئے ملکوال اور ملک آباد سے دربدر کر دیا گیا تھا۔ اُس کے ساتھ آگے کیا ہوا اور کن
ت میں وہ دنیا سے رخصت ہوئی، ہمیں کچھ خبر نہیں۔ یہاں اپنی خبر نہیں ہوتی۔ کسی کے بارے
ش کرنے کی کہاں فرصت تھی اور اب تو یوں بھی بہت وقت گزر چکا ہے۔"

"یہ بات ابھی تک وضاحت طلب ہے ڈیڈی کہ آپ کی اور شبیر تایا کے حصے کی زمین پر ایاز
ان کی اولاد کا دعویٰ ملکیت کیونکر ثابت ہوتا ہے۔"

ساحر ماضی کے افسوسناک موڑ سے ٹرن لے کر حال کے سپیڈ بریکر کی طرف آ گیا جہاں پر
کے پراجیکٹ کی گاڑی رکی ہوئی تھی۔

"ملک فیروز دین یعنی ملک بابا ہمارے سوتیلے اور ملک ایاز کے سگے باپ ہیں۔ ظاہر ہے،
ا سگے باپ کی جائیداد پر برابر کا حق بنتا ہے۔"

"لیکن قانوناً ملک بابا اپنے بھائی کی اولاد کا حصہ اپنے یا اپنی سگی اولاد کے نام لگانے کے مجاز
ہیں۔" ساحر نے پُرزور احتجاجی بیان دیا۔

"ہاں ظاہر ہے۔ ملک بابا پہلے ہمارے تایا تھے۔ پھر اباجی کی وفات کے بعد امی سے نکاح
باپ کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ دونوں صورتوں میں ملک آباد کی زمین پر ہمارا حق برقرار
۔ ہمارے سے مراد صرف میرا اور شبیر بھائی کا۔ کیونکہ ملک ایاز ہمارا تایا زاد اور سوتیلا بھائی
رشتے میں۔ انوار کا حق بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ بہرحال ماں ایک سہی مگر ولدیت کے
نیں ملک بابا کا نام آتا ہے۔ اس کا براہ راست حق ملک بابا کی ذاتی جائیداد پر ہو گا۔ مگر تم ان
ا جھگڑوں کو چھوڑو۔ آرام سے اپنا کام شروع کرو۔ کوئی مسئلہ ہوا تو میں سنبھال لوں گا۔"
ا نے لاپروائی سے کہا۔

"کام شروع کرنے سے پہلے قانونی مسائل سے نپٹنا ضروری ہے ڈیڈی۔ یہ تمام پہلو جو
آپ سے ڈسکس کئے ہیں، میری کمپنی کے قانونی مشیر مسٹر محسن آفتاب نے کاغذات کی

تفصیلی جانچ پڑتال کے بعد اخذ کئے ہیں بلکہ ایک اور قانونی سقم ابھی باقی ہے۔ ملک آباد کی ز
پر آپ کے علاوہ شبیر تایا کا بھی حصہ ہے۔ ان سے ڈسکس کر کے اجازت لینا لازمی ہے۔''

''اُن کی طرف سے اجازت ہی اجازت ہے برخوردار۔'' توقیر صاحب نے ہاتھ ہلا

''کوئی اولاد تو ہے نہیں بھائی صاحب کی۔ جڑواں بیٹا بیٹی تھے۔ بیٹا پیدا ہوتے ہی مر گیا۔
پراسرار طور پر ہسپتال سے لاپتہ ہوگئی۔ ایسی گم ہوئی کہ آج تک سراغ نہیں مل سکا اور نہ ملنے کی
ہے۔ وہ کئی بار باتوں میں کہہ چکے ہیں کہ میرے حصے کی زمین کو اپنا ہی سمجھو۔ چاہو تو پکے کاغذ پر
لو۔ میرا کون ہے، جس کو وراثت سونپوں گا۔''

''پھر بھی میں اپنی تسلی کے لئے ان سے کاغذات پر سائن کروالوں گا۔'' ساحر اُٹھتے ہو
بولا۔ وہ اپنی اصول پسند فطرت سے مجبور تھا۔ یہ بات توقیر صاحب بھی جانتے تھے' سو نرمی سے
کر سر ہلانے لگے۔

''اتنا ٹائم دینے کا شکریہ ڈیڈی۔'' وہ انہیں سلام کر کے باہر نکل گیا۔

O☆O

''کیا بات ہے مہرینہ صبح سے تم نے ایک کلاس بھی نہیں لی۔ بھلا بتاؤ تو کیا فائدہ ہوا کا
آنے کا۔'' راحت کلاس ختم ہونے کے بعد سیدھی پچھلے گراؤنڈ میں آئی جہاں مہرینہ نیم دراز تھی
اس نے صبح ہی بتا دیا تھا کہ وہ کوئی کلاس نہیں لے گی۔ راحت فارغ ہو کر یہاں آ جائے۔

''میں اپنے نفع نقصان سے بے نیاز ہو چکی ہوں۔'' وہ بیزاری و تلخی سے گویا ہوئی۔''
سوچ جسے خود پر اختیار ہو۔ اپنی تقدیر خود بنانے کا حق حاصل ہو۔ آخر کیوں پیدا کرتا ہے
بیٹیاں۔ کیا ضرورت ہوتی ہے اُن کی اس زمین پر۔'' وہ شدید فرسٹریشن کا شکار تھی۔

''اب کیا ہوا؟'' راحت فکرمندی سے اُس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''اب تو جو ہو سو کم ہے۔ امی ملک ہاؤس کے سورماؤں کے کھوکھلے دعوؤں اور دھمکیوں
ڈر کر ہاں کر چکی ہیں۔'' وہ اُبل پڑی۔

''کیا واقعی۔'' راحت بھونچکا رہ گئی۔ ''مگر پہلے تو اُنہوں نے انکار کر دیا تھا۔ وہ ملک
سے سخت پرخاش رکھتی تھیں۔ پھر یہ سب کیسے ہوا؟''

''بس آ گئیں' بالآخر اُن کے دباؤ میں۔ اغوا کے فلاپ ڈرامے کے متعلق تو میں تمہیں

چکی ہوں۔ اس کارروائی کے بعد امی تشویش میں مبتلا ہو گئیں پھر اگلے دن ملک ہاؤس سے حتمی
'ایجنڈا' بھی بن کر آ گیا کہ خود سے تاریخ نہ دی گئی تو وہ ٹھیک ایک ماہ بعد اپنی 'امانت' وصول
کرنے آ جائیں گے۔ کسی بھی طرح' کوئی ہتھکنڈہ استعمال کرے۔''

مہرینہ کی حالت رونے والی ہو رہی تھی۔

''گویا مجبوراً آنٹی کو عزت بچانے کی خاطر یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑا۔'' راحت کو سخت افسوس
ہوا۔ ''کیا تاریخ طے ہوئی ہے؟''

''آج سے ٹھیک دو ماہ بعد کی۔'' اُس کی رگ رگ میں زہر دوڑ رہا تھا۔

''خبر تو واقعی افسوسناک ہے مگر اس مرحلے پر حوصلے سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ آنٹی کو
حالات کے تقاضے سامنے رکھتے ہوئے تمہاری مرضی کے خلاف فیصلہ کرنا پڑا۔ اللہ سے اُمید رکھنی
چاہئے کہ وہ صاحب تمہارے حق میں اچھے ثابت ہوں۔ یوں بھی دھونس اور اختیارات کا رعب داب
جمانے کے علاوہ ملک فیملی میں اور کوئی خاص خامی نہیں پائی گئی۔ اونچا خاندان ہے۔ پڑھے لکھے
ساس سسر ہیں۔ بیٹا بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔'' راحت نے اس معاملے کا روشن پہلو دکھایا۔

''واقعی۔ کہنا تو بہت آسان ہے بلکہ اتنے پرتعیش اور مشہور و معروف اعلیٰ خاندانی سسرال
میں رہنے بسنے کا تصور بھی بہت حسین ہے۔'' مہرینہ کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

''مائی ڈیئر بات ایک ہو بھلے سے مگر اسے بیان کرنے کے ہزار طریقے ہوتے ہیں اور یہی
طریقے ایک ہی بات کو قبول یا رد کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ اگر کوئی شخص انسانی اقدار کو سامنے
رکھتے ہوئے احترام و تمیز سے درخواست کرے کہ کیا آپ مجھ سے شادی کر سکتی ہیں تو ظاہر ہے'
اب میں لڑکی بالفرض محال اگر انکار بھی کرے گی تو اتنے ہی جوابی احترام اور تمیز و ادب سے جس
سے اس کی عزتِ نفس کو ٹھیس نہ پہنچے۔ اول تو وہ اس معززانہ پیشکش پر غور فرمائے گی لیکن اس کے
برعکس ایک صاحب گن پوائنٹ پر آپ کو اغوا کر کے بے دست و پا کر کے شادی کا پیغام دیں تو کیا
آپ ان کے سچے جذبے اور لگن کو سراہتے ہوئے ہامی بھر لیں گی؟''

مہرینہ جذباتی ہو گئی۔

''تمہاری بات میں وزن ہے۔'' راحت لاجواب ہو کر بولی

''ارادہ نیک سہی' طریقہ غلط ہو تو کبھی حسب توقع نتیجہ نہیں نکلا کرتا۔ جو بھی ہو گا' اُس کے

اُلٹ ہی ہوگا۔'' مہرینہ زور دے کر بولی۔ ''مجھے یقین ہے' اس کی یہ عشق و عاشقی فقط شاندار
بازی ہے۔ امیرزادے دوستیاں کرنے کے شوقین ضرور ہوتے ہیں مگر شادی کی نوبت نہیں
دیتے۔ بالفرض کسی کے ہاتھ نہ آنے پر شادی کا ڈھونگ رچا بھی لیں تو زیادہ دیر تک گلے کا ہا
نہیں رکھتے۔ دل بھر جانے پر طلاق دے کر چلتے بنتے ہیں۔ اچھی طرح جانتی ہوں' اِن بظاہر
ومصفا خاندانی سپوتوں کو۔'' وہ دانت پیسنے لگی۔

''کیا تم شادی کے بعد کالج چھوڑ دوگی؟'' راحت نے اُس کا دھیان بٹایا۔

''کسی کی مجال ہے جو میری پڑھائی ختم کرنے کا سوچے؟'' وہ بل کھا کر غرّائی۔ ''تم
سنی' میں اس ڈرامے کو کس کلائمکس پر پہنچاتی ہوں۔ تم کیا سمجھ رہی ہو' میں ہار گئی ہوں؟ اپنی کز
تسلیم کرلی ہے؟ ہرگز نہیں۔ مہرینہ کی آن بان ابھی باقی ہے۔ زندگی کی آخری سانس تک'' ا
سے نفرت کرتی رہوں گی۔ میں نے بظاہر سر جھکایا ہے۔ بباطن خود کو ''اُس'' کی سپرداری میں
دیا۔ تم دیکھنا' میں اُس کے سامنے رہ کر اُسے ترساؤں گی۔ اُس کی زندگی کو جہنم نہ بنایا تو مہر
نہیں۔ زبردستی اپنے نام تو لگا سکتا ہے مجھے پا نہیں سکتا۔'' راحت اس کے وحشت زدہ تاثرات
کر ہول رہی تھی۔

O☆O

اے عشق آ کہ پھر سے نیا تجربہ کریں
دل بھولنے لگا ہے پرانی کہانیاں

''آہ۔ ہا۔ کیا کیا جائے۔ پُرانی کہانیاں ہی تو نہیں بھولتیں وگرنہ کمی کس چیز کی ہے اس
میں۔'' سیاہ چیک کی شرٹ اور سیاہ جینز میں ملبوس ایمان آفس میں آتے ہی کرسی پر گر گیا تھا۔

''ہاسپٹل سے آرہے ہیں آپ؟'' محسن نے فائل پر چلتا قلم روک کر پوچھا۔

''ہاں بھئی۔ مُلّا کی دوڑ مسجد تک!'' اس نے کرسی کی پشت پر سر ٹکایا۔

''کیسے ہیں رشید صاحب اب۔ کب تک ڈسچارج ہوں گے؟''

ایمان کے بے تکلفانہ سٹائل اور دوستانہ لب و لہجے نے بہت کم عرصے میں محسن کو اُس
قریب کر دیا تھا۔ شاید ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دونوں کا مزاج اور فطرت کسی حد تک ملتی جلتی تھی۔

''ایک ہفتہ اور ایڈمٹ رہیں گے۔ تم پولیس اسٹیشن گئے تھے۔ کیا صورتِ حال ہے وہاں

پر کام شروع ہوا کچھ یا حسب معمول حرام خوری ہو رہی ہے۔''

''ان سے اور کیا توقع کی جا سکتی ہے جناب۔ ان کی ابتدائی تفتیش کا انداز تو آپ پرسوں
کے روز ملاحظہ کر ہی چکے ہیں۔ جائے واردات کا معائنہ میری جرح کے بعد مارے
مے یوں کیا' جیسے گلے پڑی مصیبت سے بھگتا جاتا ہے۔ میں آج گیا تھا اُن کی اب تک کی کار
کی دریافت کرنے۔'' محسن افسوس سے بولا۔

''وقوعے کا نقشہ تیار نہیں کیا گیا۔ عینی گواہوں کے بیانات لینے کی زحمت نہیں فرمائی گئی۔
لی تو ہوگا' واردات کے وقت سڑک پر۔ جھاڑو دینے والا کوئی خاکروب' فٹ پاتھ پہ چلتا کوئی
قریبی مکانوں کی رہائشی یا کوئی ٹھیلے والا۔ کسی گزرتی بس' کار یا ویگن کا ڈرائیور۔ کسی سے
کے یہ بلوا کر نہیں پوچھا گیا' شاید کسی نے پجیرو کا نمبر نوٹ کیا ہو۔''

''یہ ہے اِن کی تفتیش!'' ایمان نے تلخی سے تبصرہ کیا۔

''آپ سر سے کہیں' ایس ایس پی یا ڈی آئی جی صاحب سے بات کریں۔ تاکہ وہ اپنے
اختیارات استعمال کرتے ہوئے اِن صاحبان کو لائن حاضر کریں اور سنجیدہ افسروں کو اس
لگائیں۔ محسن نے گُر کی بات بتائی۔

''یہ سب ہو چکا صاحب زادے۔'' ایمان آنکھیں بند کیے کیے بولا۔

''پھر تو خدا ہی سدھارے اس قوم کو۔'' ایمان آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

''یار' میں گھر جا رہا ہوں۔ ساحر پوچھے تو بتا دینا۔ دو دن ہسپتال میں ڈیوٹی دے کر جسم اکڑ گیا
اس نے سُستی سے سر جھٹکا۔

''ایک لمبی نیند لینے کی خواہش ہو رہی ہے۔''

''جی میں بتا دوں گا۔'' محسن نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔

''اور ہاں' وہ زمین کے کاغذات والی فائل احتیاط سے رکھنا' لاک میں۔'' ایمان نے نکلتے
ہت کی تھی۔

''بے فکر رہیں۔ میں اسے حفاظت سے رکھوں گا۔''

محسن فائل اُٹھا کر لاکر کھولنے لگا۔

ایمان باہر جا چکا تھا۔

محسن لاکر بند کر کے چابی مٹھی میں دبا کر مڑا تو اس نے دیکھا۔
ٹیلی فون آپریٹر مس انیتا بہت غور سے لاکر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کیا بات ہے مس انیتا؟'' محسن اس کی اچانک آمد اور پُراسرار انداز سے چونک گیا

''کچھ نہیں مسٹر محسن۔'' انیتا دل نواز انداز میں مسکرائی۔

''یونہی گپ شپ کو جی چاہ رہا تھا' سو آپ کے کیبن کی طرف چلے آئے۔ کیا آپ کو آنا ناگوار گزرا ہے؟'' وہ میز پر دونوں ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر قاتل ادا سے جھکی۔ اس کا چُست اور قابلِ اعتراض حد تک کشادہ تھا۔

محسن بُرا سا مُنہ بنا کر خون کے گھونٹ پیتا پلٹ کر کیبنٹ سے پراجیکٹ کے نقشے نکالنے لگا۔ مشکوک قسم کی حرکات و سکنات' بازاری اور لچر انداز اور دعوتِ گناہ دیتے دلانے والے بے ہودہ لب و لہجے کی وجہ سے وہ پہلی ملاقات میں ہی اس چھمک چھلو سے تنگ تھا۔

''سمجھ میں نہیں آتا' اس قسم کی تھرڈ کلاس عورتوں کو دفتروں میں نوکری کیوں دی جاتی انہیں ضرورت ہی کیا ہے' نوکری کی جا کر کوٹھے آباد کریں۔ جس قسم کی ''صلاحیتیں'' دکھاتی حساب سے تو چوباروں پر ہی بجتی ہیں بیٹھتی ہوئی۔'' محسن دل ہی دل میں جل بھُن کر رہ گیا تھا۔

اسے علم نہیں تھا کہ انیتا کی پُرسوچ نظریں اُس لاکر کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھیں کاغذات تھے۔

محسن کا کٹھور اور بیگانہ و بے نیاز رویہ دیکھ کر انیتا بغیر کچھ کہے خاموشی سے باہر آ گئی پر اپنی مخصوص کرسی پہ بیٹھ کے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر رازدارانہ انداز میں ایک نمبر ملا لہجے میں بولی۔

''شیرے' ملک دُراب کوٹھی میں ہیں یا ملکوال واپس چلے گئے ہیں؟'' رابطہ ملتے ہی دریافت کیا تھا۔

''آپ کون ہو جی۔'' شیرے نے محتاط انداز میں پوچھا۔

''اوہو۔ بھئی انیتا ہوں۔ ملک صاحب کی تنخواہ دار' خدمت گار' جاں نثار اور وفا

طرح سے ہنسی۔

''او اچھا جی آپ ہو۔'' شیرا سمجھ گیا۔ وہ جانتا تھا' ملک دُراب کی اسلام آباد والی کوٹھی پہ کال 'ماڈلز اور شوبز کی دنیا کی رنگین تتلیوں کا اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ اونچے طبقے اور نام والیاں ''ت'' کہلاتی تھیں اور اس سے نچلے درجے والیاں ضرورت کا ''مال'' جنہیں سودا طے کر کے طبی تسکین کے لئے دعوت دے کر بلوایا جاتا تھا۔ کچھ ایسی لڑکیاں بھی تھیں جنہیں دُراب نے شہر کوٹھی یا فلیٹ دے کر اپنے اور اپنے کام کے لئے ''ریزرو'' کر رکھا تھا اور جن پر اعتماد کر کے چھوٹے موٹے مقاصد کے لئے استعمال کر لیا کرتا تھا۔ انیتا بھی اُن میں سے ایک تھی۔

''ملک صاحب اپنے بیڈروم میں ہیں جی۔''

شیرے نے ''بندہ'' پہچان کر صحیح اطلاع دی۔

''اچھا۔'' انیتا طنز سے ہنسی۔ ''کس کے ساتھ یہ بھی بتا دو؟''

''ابھی تو جی کلّے ہی ہیں۔'' شیرا گڑبڑا گیا۔

''خیر ''کسی'' کے ساتھ بھی ہوں تو بھلا ہم کون ہوتے ہیں' پوچھ گچھ کرنے والے۔ ہم تو لوگوں کا وہ کھلونا ہوتے ہیں پیسے کی چابی سے چلتا ہے۔ بہرحال اُنہیں اطلاع پہنچا دینا کہ نے کاغذات کی فائل کا سراغ لگا لیا ہے۔ اسے لاکر میں رکھ دیا ہے۔ کسی بندے کو شام میرے پہ بھجوا دیں' میں اُسے نقشہ سمجھا دوں گی آفس کا اور یہ بھی کہ فائل کس کے کمرے اور کس قسم لاکر میں رکھی گئی ہے۔ لاکر توڑ کر فائل نکالنا کچھ مشکل نہیں۔ ملک صاحب کے پاس یقیناً تالہ لے اور ہر قسم کا لاک کھولنے کے ''ایکسپرٹ'' ضرور ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے جی!''

انیتا نے فون رکھ کے ماتھے پہ آیا پسینہ پونچھا اور پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر اطمینان کا سانس لیتے سامنے رکھے پیپرز پر جھک گئی۔

٭٭٭

"ارے انیتا۔ تم ابھی تک گئی نہیں۔" جابر اُسے تلاشتا ہوا اُس کے کیبن میں آ گیا تھا
"بس نکلنے ہی والی تھی۔" انیتا بڑے دل بر ما دینے والے تبسم کے ساتھ اس کی طرف
ہوئی تھی۔ جابر دیکھتا ہی رہ گیا۔
انہی اداؤں نے تو اس کی عقل خبط کی تھی۔
اور یہی وہ جانتی تھی کہ عورت کس طرح اپنے انگ انگ کو کیش کرا سکتی ہے۔
"آؤ میں چھوڑ دوں۔" جابر نے دفورِ شوق سے چمکتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا
"کس پر۔" ایک پُراسرار مسکراہٹ دھیرے سے انیتا کے رخ پر پھیلی۔
"بائیک پر۔" جابر قدرے خجل سا ہو گیا۔ جیسے اس کی شایانِ شان سواری فراہم نہ کر
شرمسار ہو۔
انیتا چھوٹی بڑی ہر طرح کی پُرتعیش اور شاندار گاڑیوں میں ہر قسم کے مردوں کے ساتھ
چکی تھی۔ عارضی سفر کہ جس کا اختتام نوٹوں کی گڈی اور جسمانی تکان کی صورت میں ہوتا تھا۔
"چلئے۔" اس نے بڑے نوازنے والے انداز میں جابر کی طرف دیکھ کر کندھے اچکا
تھے۔ جابر نے تشکرانہ سرخم کیا اور اُسے آگے نکلنے کا اشارہ کیا۔ انیتا کی رہائش انڈسٹریل ایریا
پولیس تھانے کے آگے بنی بلڈنگ کے فلیٹ میں تھی۔

O☆O

راحت اکیڈمی سے فارغ ہو چکی تھی۔ اب سڑک کے کنارے کھڑی سوزوکی کا انتظار کر رہی
یوں تو پیدل بھی گھر پہنچا جا سکتا تھا مگر اس میں بیس پچیس منٹ لگتے۔ وہ ویسے بھی کالج سے
ہاری آئی تھی۔ جغرافیہ کے تھکا دینے والے پریکٹیکل مکمل کرنے میں تین بج گئے تھے۔ آتے
ہاتھ دھو کر روٹی کے چند نوالے لے کر پڑھانے کے لئے اکیڈمی آ گئی تھی۔
"افوہ۔ اتنی دیر ہو گئی ہے۔ کیا مصیبت ہے۔" اس نے انتظار کی کوفت سے چُور چُور ہوتے
بیزاری سے گھڑی کی طرف دیکھا۔ سوا پانچ ہو رہے تھے۔ جو بس یا سوزوکی گزرتی وہ بھری
ہوتی تھی۔
اُس نے شام کے گہرے پڑتے سایوں کو تشویش سے دیکھتے ہوئے دوبارہ گردن موڑ کر
کی طرف دیکھا۔
آنکھوں کے سامنے ایک جھماکا سا ہوا۔
وہ بے یقینی سے سر جھٹک کر دوبارہ متوازن رفتار سے چلتے ہوئے موٹر بائیک کی طرف
لگی جو سڑک کے بائیں جانب رواں دواں تھا۔
"جابر بھائی۔" اس کے ہونٹ تحیر سے کھل گئے۔ بڑبڑاتے ہوئے پیچھے بیٹھی سٹائلش
ڈریس میں ملبوس اس خاتون کو دیکھا جو بڑی ادا سے جابر بھائی کا شانہ تھامے اُن سے جُڑ کر
تھی۔ دونوں اپنی باتوں میں گم تھے۔ بائیک سڑک کراس کر کے اسلام آباد سائیڈ پہ بنے فلیٹوں
مڑ چکی تھی۔
"میرے خدایا۔ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔"
جابر بھائی کا کھلکھلاتا، سرشار و والہانہ اور فدویانہ انداز اُسے انگشت بدنداں کئے دے رہا

اپنے نام کی تفسیر بنے، ہمہ وقت جبر و قہر اوڑھے، تیوریاں چڑھائے، سخت و ترش لب و لہجے
کلام کرنے والے پتھر صفت جابر بھائی سراپا نیاز بنے بیٹھے تھے۔ کہاں تو اپنی بیوی کے لئے
وحشت تھے اور کہاں پرائی عورت پہ دالہ و شیدا ہوئے جا رہے تھے جیسے ان سے بڑھ کر عاشق و
والی پیدا ہی نہیں ہوا۔
بعض اوقات کوئی ایک لمحاتی انداز ہی اس کو اندر تک ٹٹول لینے اور جاننے کا سبب بن جایا

کرتا ہے۔

جابر بھائی اور اس عورت کے درمیان کیا تعلق تھا۔ ایک الہام کی طرح راحت کے ذہن اتر آیا۔

اپنے گھر کی عورتوں کو توجہ کے لئے ترسا کر پرائی عورتوں کی جھولیاں بھرنا مرد کی سرشت عادت ہے یا پھر کمینی فطرت۔

اُسے طلعت آپا کا بے رونق اور بے خواب و بے آباد چہرہ یاد آ گیا۔

اِک نیزہ سا دل میں اترتا چلا گیا تھا۔

O☆O

''ہاں بھئی محسن۔ وہ زمین والے کاغذات لاکر سے نکال لاؤ۔'' ایمان کرسی گھسیٹ کر گیا۔ ''مناسب کارروائی مکمل کرنے کے بعد ایک دو دن میں ہمیں سروے کے لئے ملک آ ہے۔ پروفیسر رشید صاحب پر اچانک حملے کی وجہ سے معاملات جوں کے توں ٹھپ ہو کر رہ تھے۔ اب خدا کے فضل سے وہ ٹھیک ٹھاک ہیں۔ ہو سکتا ہے کل صبح ہسپتال سے ڈسچارج جائیں۔''

محسن اس کی باتیں سنتا ہوا لاکر کھول رہا تھا۔

''جابر۔ بھئی کسی سے کہہ کر دو کپ چائے تو بھجوا دو میرے روم میں۔'' ایمان نے انٹر جابر کو مخاطب کیا تھا۔

محسن کچھ دیر تک الماری میں کھڑ پڑ کرتا رہا پھر مڑا تو اس کا چہرہ فق ہو رہا تھا۔

''ایمان بھائی۔'' اس کے منہ سے تھرتھراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

''کاغذات لاکر میں نہیں ہیں؟''

''نہیں ہیں؟'' ایمان بے یقینی سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔

''کدھر گئے؟''

وہ کرسی چھوڑ کر لاکر کی طرف آیا۔

''کہاں رکھے تھے تم نے؟''

''یہیں۔ اسی جگہ۔'' محسن کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

وہ کاغذات کی اہمیت سے بخوبی واقف تھا۔ ان کے بغیر زمین پر حق ملکیت ثابت نہیں کیا جا تھا۔

دونوں نے مل کر لاکر اچھی طرح کھنگال ڈالا مگر کاغذات کو نہ ملنا تھا سو نہ ملے۔

محسن کی پریشانی و فکرمندی دیدنی تھی۔

''غلطی میری ہے ایمان بھائی۔ میں ذمے دار ٹھہرایا گیا تھا۔''

''پریشان نہ ہو۔ ذہن پر زور ڈالنے کی کوشش کرو۔ کہیں تم نے کسی اور جگہ تو نہیں رکھ دیئے ''

ایمان نے تحمل سے پوچھا۔

''نہیں۔ میں نے پوری حفاظت سے اس لاکر میں رکھے تھے۔''

''اور چابی؟''

''چابی میرے پاس تھی' میں نے اپنے والٹ میں رکھی تھی۔ گھر جا کر والٹ سے نکال کر اپنی کی دراز میں رکھ کر مقفل کر دی۔ صبح خود نکال کر لایا ہوں۔'' اس نے چابی کا چھلا ایمان کے پر رکھا۔

ایمان سوچ میں پڑ گیا۔

''لاکر بند تھا۔ چابی محفوظ تھی۔ تالا بھی نہیں توڑا گیا پھر کاغذات از خود کیسے غائب ہو گئے۔ کہیں کسی نے ''ماسٹر کی'' کا کمال دکھا کر تو کاغذات نہیں اڑا لئے؟''

''کیا کہا جا سکتا ہے۔'' محسن سخت متوحش تھا ''میرا تو دماغ کام نہیں کر رہا۔ سر کیا کہیں گے۔ منہ دکھاؤں گا انہیں۔ پہلی پہلی ذمے داری بھی پوری طرح نہ نبھا سکا۔ یہ سوچ کر شرمندگی ہو رہی ہے۔''

''ٹیک اِٹ ایزی یار!''

''بھول چوک انسان سے ہی ہوتی ہے۔ ساحر کو تمہاری کارکردگی پر مکمل اطمینان ہے۔ وہ تم بہت خوش ہے۔ ایسا سطحی اور تنگ دل بھی نہیں ہے کہ بے سوچے سمجھے تم پر چڑھ دوڑے۔ میں بتا دوں گا۔''

''مگر اب ہوگا کیا ایمان بھائی۔''

محسن نے ہاتھ مسلے۔

''اوہو۔تم تو بچوں کی طرح پریشان ہورہے ہو۔'' ایمان اُس کی حالت کے پیشِ نظر صبر سے کام لے رہا تھا۔

''زندگی میں پہلی مرتبہ اتنی بڑی بھول ہوئی ہے۔'' محسن اپنی فطری شوخی وزندہ دلی بھول گیا تھا۔شانوں پر اعتماد پر پورا نہ اترنے کا بھاری بوجھ تھا۔

''آفس کے دوسرے لوگوں سے پوچھتے ہیں۔''

ایمان نے اپنے حواس بحال رکھے تھے۔اس نے باری باری ورکرز کو بلایا۔انیتا اور جابر سے بھی اس ضمن میں سوال کئے۔

''نوسر۔آپ جانتے ہیں میرا کام کالز ریسیو کرنا ہے۔اندر کی ڈیلنگز سے میرا کیا واسطہ۔''

انیتا نے کمال معصومیت سے کہا تھا۔

جابر نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔

''سوری سر۔مجھے صرف اتنی اطلاع ہے کہ کاغذات کی فائل محسن صاحب کی تحویل میں دی گئی تھی۔اس سے زیادہ معلومات نہیں رکھتا۔''

''بڑا ہوشیار چور لگتا ہے۔کس صفائی سے بند لاکر سے کاغذات اُڑا لئے اور پھر دوبارہ لاک کرکے رفو چکر ہو گیا۔''

بالآخر ایمان نے تبصرہ کیا۔

انیتا کے ہونٹوں پر چمکتی ہوئی مسکراہٹ ابھر آئی۔

''اس کا مطلب ہے ملک دُراب نے سچ مچ کسی ''ماہر قفل چور'' کی خدمات حاصل کی ہیں۔'' اس نے دل میں سوچا تھا۔

O☆O

''کیا بات ہے محسن۔تم نے رات کا کھانا نہیں کھایا۔صبح ناشتے پہ بھی ایک کپ چائے لے کر اٹھ گئے تھے اور اب دوپہر کا کھانا گول کرنے کے چکروں میں ہو۔''

نگین اُس کے کمرے میں داخل ہوکر حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

محسن اپنے بیڈ پر اوندھا لیٹا تھا۔اس کی آواز سن کر سستی سے سیدھا ہوا مگر بستر سے نہیں

اٹھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس کی آواز میں تھکن تھی۔

''اور بھوک کیوں نہیں ہے بھلا۔'' نگین نے کھڑکی سے پردے ہٹائے۔

''بس یونہی۔تم اور اظہر کھا لو۔میں بعد میں کھا لوں گا پلیز۔''

''اظہر صاحب تو کہیں باہر نکلے ہوئے ہیں۔خالہ جان صبح صبح نوشہرہ روانہ ہوگئی تھیں۔اُن کی عزیز از جان سہیلی کا فون آیا تھا۔مزاج پرسی کے لئے گئی ہیں۔رات کو لوٹیں گی۔میں اکیلی کھانے کی ٹیبل پر بیٹھ کر بور ہونے کے موڈ میں نہیں ہوں۔چلو شاباش جلدی سے اٹھ جاؤ۔''

''اظہر کہاں گیا ہے۔آج تو آف ڈے ہے۔''

''پچھلی گلی میں حامد صاحب کی والدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔انہوں نے چیک اپ کے لئے بلایا تھا۔وہیں گیا ہے۔آتا ہی ہوگا۔اب اٹھ بھی جاؤ محسن۔''

نگین اس کی طرف پلٹی اور بغور جائزہ لیا۔

سُتا سُتا چہرہ، پریشان کن انداز، تفکر اور تشویش سے لبریز آنکھیں۔اس میں کسی پہلو سے بھی پرانے محسن کی جھلک دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

لامحالہ اسے سنجیدہ ہونا پڑا۔

وہ اس کے قریب کچھ فاصلے پر آکر بیٹھ گئی۔

''کوئی مسئلہ ہے محسن۔'' اس نے براہِ راست محسن کی آنکھوں میں جھانکا۔لہجہ اور انداز دونوں سنجیدہ تھے۔

''ہے تو۔'' محسن اس سے چھپا نہ سکا۔

''تو پھر میں کس لئے ہوں۔مجھے بتاؤ ناں۔'' نگین بے ساختہ بولی۔

محسن کچھ دیر تک پُرسکون نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بالآخر لب کھول دیئے۔

''مجھ سے باس کے بہت ضروری کاغذات کھو گئے ہیں۔سمجھ نہیں آتا زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔''

''آفس کی باقی جگہیں اچھی طرح دیکھ لی ہیں؟''

''سب جگہ تلاش کیا ہے۔''

''ہوں۔ تو یہ مسئلہ ہے۔'' نگین کسی دھیان میں کھوگئی۔

''مجھے ساحر صاحب کا سامنا کرنے کے خیال سے شرمندگی ہو رہی ہے۔ کس بھروسے سے انہوں نے وہ خاندانی فائل میرے سپرد کی تھی۔'' محسن نے ہونٹ کاٹے۔

''ایک منٹ۔''

''اچانک نگین کے ذہن میں سوچ کا جگنو چمکا۔

''کہیں یہ کارروائی ملک دُراب کے آدمیوں کی تو نہیں ہے؟''

''ہائیں۔''

محسن کو جیسے بستر نے پلک جھپکتے میں اچھال کر کھڑا کر دیا تھا۔

''اس طرف تو میرا ذہن گیا ہی نہیں۔ بہت خوب!''

وہ پھڑک گیا۔

''ظاہر ہے ملک دُراب ہر صورت وہ زمین اپنے دوست چودھری افضل کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہے۔ وہ ساحر ملک کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے اور روڑے اٹکانے کے لئے پہلے ہی سروے کے ممبر پروفیسر رشید پر قاتلانہ حملہ کروا چکا ہے۔ کاغذات چوری کروا کر گویا دوسرا وار کیا ہے۔ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چودھری افضل ملک دراب نے باہمی مشاورت کر کے اپنے بندوں سے کاغذات چوری کروائے ہوں۔''

''تم سچ مچ استانی ہو مس نگینہ۔'' محسن نے جوش کے عالم میں اس کے ہاتھ تھام کر دبائے۔

نگین ہنس پڑی۔

اسی لمحے اظہر اندر داخل ہوا تھا۔

اندر کی صورت حال نے اس کے حواس پر ضرب بھی برسادی۔

نگین اور محسن۔

ایک خوش وخرم اور بھرپور شاداب جوڑی کی صورت میں گویا فریم میں جڑے ایک دوسرے کے پاس پاس کھڑے تھے۔ وہم تو اظہر کو پہلے بھی کئی بار ہوا تھا کہ محسن نگین کو پسند کرتا ہے مگر ہر بار وہ یقین کرتے کرتے رہ جاتا۔

ہاں یہ ضرور ہوا تھا کہ جب بھی وہ نگین کو محسن کے حوالے سے سوچنے کی کوشش کرتا۔ اس

اندر دھواں سا بھر جاتا۔ یوں لگتا جیسے اس کے اندر اچانک گھٹن بڑھ گئی ہے۔

کیوں؟

نگین کو محسن کے ہمراہ سوچنے کا تصور اسے تکلیف میں مبتلا کیوں کر دیتا تھا۔

اسے نگین کی خصوصی توجہ کا مرکز بنا دیکھ کر دل میں ٹیس سی کیوں جاگنے لگتی تھی۔

وہ ان سوالوں کا جواب حاصل کرنے سے قاصر تھا۔

تاہم آج۔

محسن اور نگین کے درمیان کسی خاص تعلق کے قائم ہونے کا یقین آنکھوں سے پا کر وہ اندر سے ڈھے گیا تھا۔

''گویا دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔''

وہ دبے قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا اور راہداری میں رکھے فون کے سٹینڈ کے پاس کھڑا ہو کر بے مقصد ہی ریسیور پر انگلیاں پھیرنے لگا۔

''تو پھر یہ تو اچھی بات ہے۔ ظاہر ہے محسن میری جان ہے اور نگین کزن اور دوست ہونے کے ناتے برابر کی عزیز ہے۔ مجھے تو دونوں پیارے ہیں۔ ان کی یک جائی میرے لئے باعثِ صد ہزار مسرت ہونا چاہئے پھر دل اندر سے خوش کیوں نہیں ہے۔''

وہ تادیر خود سے سوال کرتا رہا۔ الجھتا رہا، بکھرتا اور ٹوٹتا رہا۔

اندر باہر خلا محسوس ہو رہا تھا۔

''کیا میں اس لئے خوش نہیں ہوں کہ میں خود نگین سے......''

اظہر اس خیال کو ذہن میں آنے سے بار بار روک رہا تھا۔

''نہیں۔ نہیں۔ مجھے اپنے پیاروں کی خوشی میں خوش ہونا چاہئے۔''

اُس نے خود کو جھڑکا۔

پھر اپنے اندر کے سوالات سے بچنے کے لئے بائیک لے کر گھر سے باہر نکل گیا۔

یونہی پھرتے پھراتے تیل پھونکتے ہوئے وہ پنڈی سائیڈ کی طرف آ گیا۔

''آپ......'' سڑک پر کھڑی راحت کو دیکھ کر وہ موٹر بائیک کنارے پر روک کر نیچے اتر آیا تھا۔ وہ پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

راحت نے چادر درست کرتے ہوئے بیگ کی ڈوریاں شانے پر ڈال کر اظہر کی طر
دیکھا۔

"اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو آپ مس راحت ہیں۔ نگین کی شاگرد۔ میری آپ
ملاقات ہو چکی ہے۔ یاد کیجئے۔ کپڑے کی شاپ پر۔"

"جی۔ جی...... میں پہچان گئی ہوں۔" وہ جھجک سی گئی۔

"آپ غالباً کہیں جا رہی ہیں۔"

"جی۔ اکیڈمی سے پڑھا کر واپس جا رہی ہوں۔"

"کہاں۔" اس نے بے خیالی میں دریافت کیا۔

"ظاہر ہے۔ گھر......" وہ پُر تکان مسکراہٹ سمیت بولی۔

اپنے سوال کے بے تکے پن کا احساس کر کے اظہر خود ہی خفیف ہو گیا۔

"اور میڈم کیسی ہیں۔ آج کالج نہیں آئیں۔" راحت اخلاقاً پوچھنے لگی۔ کوئی اور
بجھائی بھی نہیں دے رہی تھی۔ دوسرا اماں کی تنبیہ بھی یادداشت میں محفوظ تھی۔

"امی کو نوشہرہ جانا تھا۔ ضروری کام سے۔ اس لئے نگین گھر پر رک گئی۔ کل آئے گی ا
اللہ۔"

نگین کے نام کے ساتھ ہی جیسے پھر سے درد پرانے لوٹ آئے تھے۔

"اچھا جی۔ میں چلتا ہوں۔ اگر میرے پاس بائیک کی بجائے کار ہوتی تو ضرور گھر چھوڑ
کی آفر کرتا۔ فی الحال افسوس ہی کر سکتا ہوں۔"

"اگر آپ کے پاس کار ہوتی اور آپ آفر کرتے تو بھی میں نہ جاتی۔" راحت ہلکے
کے ساتھ بولی۔

"کیونکہ میرے اور آپ کے بیچ ایسا کوئی تعلق نہیں بنتا۔ لہٰذا آپ افسوس نہ کریں۔"

اسی لمحے۔

ٹھیک اسی لمحے جابر بھائی کی موٹر بائیک اُس کے قریب آ کر رکی تھی۔

"تم یہاں کیا تماشا لگائے کھڑی ہو۔"

وہ بائیک اس کے پاس روک کر سفید شرٹ اور سیاہ پینٹ میں ملبوس خوبرو نوجوان کو کھ

وں سے دیکھتے ہوئے بھنچے لہجے میں راحت سے مخاطب ہوئے۔ راحت انہیں اچانک سامنے
کر بری طرح ٹپٹا گئی۔

اُن کے خوں خوار تیور، خشک زدہ الفاظ، زہر میں بجھا انداز ایک ایک چیز ان کے ذہن میں
نے والی غلاظت کی نشاندہی کر رہی تھی۔

"السلام علیکم۔ آپ کی تعریف!"

اظہر نے نو وارد کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت اور ناگواری کے ملے جلے انداز میں دریافت
کیا۔

"میری تعریف تو بعد میں ہو گی صاحب زادے۔ پہلے تم اپنا محل وقوع بتاؤ۔"

جابر بھائی نے دانت پیس کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"جابر بھائی پلیز۔ کیا کر رہے ہیں آپ۔ چھوڑیں انہیں۔"

راحت ان کے تیور دیکھ کر سخت گھبرائے ہوئے انداز میں آگے بڑھی تھی۔

"کیوں۔" انہوں نے پھاڑ کھانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"کیا لگتا ہے یہ تمہارا۔"

"یہ میری ٹیچر کے کزن ہیں۔" وضاحت دینے کی بجائے اس کا زہر پھانکنے کو جی چاہا تھا۔

"ٹیچر کے کزن ہیں تو یہاں کیا کر رہے ہیں۔ تم سے کس حساب میں گٹھ جوڑ باندھ رہے
ہیں۔" وہ شکی انداز میں گویا ہوئے۔

"ایکسکیوز می مسٹر۔" اظہر بڑی دیر تک برداشت کرتا رہا تھا کہ یہ ضبط وتحمل اس کی تربیت کا
حصہ تھا مگر موصوف آپے میں آنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ لہٰذا اس نے بھی تحمل کو خیر باد کہہ کر
دو ہاتھ کرنے کی ٹھان لی۔ وہ بڑے خشک لہجے میں مخاطب ہوا تھا "لگتا ہے آپ تعلیم وتہذیب
کے چھینٹوں سے بھی دور رہے ہیں ورنہ الزام لگانے سے پہلے صورتِ حال جانچنے کی زحمت گوارا
کر لیتے ہیں۔" اظہر نے ایک جھٹکے سے اپنا گریبان چھڑایا۔ اس کا چہرہ غصے سے تپنے لگا تھا۔

"آپ گھر چلیں جابر بھائی۔"

راحت کو اظہر سے سخت شرمندگی ہو رہی تھی۔ کیا سوچتے ہوں گے وہ۔ ہمارے رشتے دار
اتنے جاہل اور بدتہذیب ہیں۔

"پلیز اظہر صاحب۔ آپ بھی یہاں سے جائیں۔ اردگرد کے لوگ متوجہ ہو رہے ہیں۔ آئی ایم سوری۔ میری وجہ سے آپ کو تکلیف اٹھانا پڑی۔"

راحت کی لجاجت بھری آواز نے کھولتے ہوئے اظہر کو ٹھنڈا کرنے پر مجبور کر دیا۔ وگر جوابی کارروائی کا آغاز کرنے والا تھا۔

"او کے۔" اظہر ہونٹ چباتا بائیک سٹارٹ کر کے وہاں سے چلا گیا۔

"تم گھر چلو ذرا۔ تمہارے اماں بادا کو بتاتا ہوں تمہارے کرتوت۔ خوب خاندان روشن ہو رہا ہے۔ عزت پہ چاند تارے ٹانکے جا رہے ہیں۔ اسی لئے تو میں عورتوں کی آزاد خلاف ہوں۔" وہ پھنکارے۔

راحت خاموشی سے اُن کے پیچھے لگ گئی۔

"چار حرف پڑھ کر قدم دہلیز کے باہر نکل پڑتے ہیں۔ نوکری کے بہانے بے حیائی سامان کئے جا رہے ہیں۔" وہ سارے راستے بڑبڑاتے، تلملاتے رہے۔

راحت ایک مہیب طوفان کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ رہی تھی "میری تو خیر ہے، جابر بھائی زہر طلعت آپا کی روح اور جسم پر انڈیلیں گے۔ انہیں ذہنی وجسمانی اذیت دیں گے۔" وہ ا ں میں تھی۔

O☆O

جابر بھائی اسے لے کر سیدھے گھر آئے تھے۔

اتفاقاً طلعت بھی چھوٹے دیور کے ساتھ ماں کی طرف آئی ہوئی تھی۔

اپنے خاوند اور بہن کو ایک ساتھ اندر آتے دیکھ کر اس کا دل انجانے خدشات [illegible] لگا۔

شوہر کا خراب موڈ تو منہ پر نیون سائن کی طرح لکھا نظر آ رہا تھا۔

بہن کے گم صم قدم بھی کسی ناخوشگوار واقعے کی تصدیق کرتے دکھائی دے رہے تھے

الٰہی خیر!

جابر نے کمرے میں پہنچنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔

صحن سے ہی شروع ہو گئے۔

"کیا ہوا بیٹے۔ آؤ۔ اندر آ کر بیٹھو۔ آرام سے بات کرو۔" اماں داماد کے غصے کو ٹھنڈا تے ہوئے خود بھی اندر سے برف ہوئی جا رہی تھیں۔

"آرام وسکون تو اسی دن لٹ گیا تھا خالہ جس دن آپ کی بیٹی کو بیاہ کر گھر لے گیا تھا۔ رہا کھ چین برباد کرنے کو آپ نے دوسری کو گھر سے باہر کا راستہ دکھا دیا۔ اس طرح خاندان کی ت نیلام کرنے سے بہتر ہے آپ اس سے پوچھ کر ایک ہی بار فیصلہ کر لیں، جہاں چاہتی ہے اں بیاہ دیں۔"

"خدانخواستہ۔ ایسی ویسی کوئی بات نہیں ہے۔" اماں ہول گئیں۔

"یہ تو اپنی صاحب زادی سے پوچھیں جو سرِعام باتیں، ملاقاتیں کرتی پھر رہی تھیں۔" وہ ہوئے تلخ انداز میں راحت کی طرف دیکھنے لگے۔

"آپ خواہ مخواہ بات کو بڑھا رہے ہیں بلکہ بگاڑ رہے ہیں جابر بھائی۔"

راحت کو خود پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا مصلحت کا تقاضا تھا کہ وہ صبر سے کام لے۔

"ایک چھوٹی سی اور غیر اہم بات کے پیچھے آپ فساد کھڑا کر کے ہمیں اور طلعت آپا کو ذہنی ف پہنچانا چاہتے ہیں۔ آخر ایسی کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ہے جو آپ واویلا مچا رہے ہیں۔"

"گویا تمہارے نزدیک یہ کوئی بات ہی نہیں ہے۔" وہ چبا چبا کر بولے۔

"دیکھ رہی ہیں۔ دیکھ رہی ہیں نا۔ خالہ اس کی ڈھٹائی اور بے حیائی کو۔ یہی سکھایا ہے کیا پ نے اِسے۔"

"اماں سے الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" راحت کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

"آپ مجھ سے بات کریں۔ وہاں سڑک پر مجھے بحث کر کے تماشا لگوانا اچھا نہیں لگا تھا اس ورا چپ رہی۔ اب بتایئے کس بات پر آپ کو مرچیں لگ رہی ہیں۔ کیا کیا ہے میں نے؟ ان سے لعل و یمن اکھاڑے ہیں خاندانی شرافت کے تاج سے؟ میرا قصور فقط اتنا ہے کہ اپنی ٹیچر لزن سے سلام دعا کر لی مگر میں نے اسے وہاں بلوایا نہیں تھا۔ نہ خود نے بات شروع کی تھی۔ وہ طور پر پہچان کر مجھ تک آیا تھا۔ آپ کے آنے سے فقط تین منٹ قبل اور سرسری بات چیت عد روانہ ہونے کو تھا جب آپ آئے۔ اتنا سا واقعہ ہے جسے آپ فلمی وافسانوی رنگ دے کر انے کون سی کہانی گھڑنے کے چکروں میں ہیں۔ کون سا انتقام لے رہے ہیں آپ۔ ہماری

چھوٹی چھوٹی باتوں کو قابلِ گرفت بنا کر اور ہمیں بہانوں بہانوں سے ذلیل کر کے۔"

وہ کلس کر پوچھ رہی تھی۔ جابر بھائی کو خواہ مخواہ الزام تراشی کرتے دیکھ کر اس نے بھی صاف بات کرنے کی ٹھان لی تھی۔ حالانکہ وہ طلعت کی ڈری ڈری ملتجی آنکھوں کو بار بار اپی اٹھتے محسوس کر چکی تھی۔

"سن رہی ہیں خالہ آپ!" جابر بھائی زہر خند سے اماں سے مخاطب تھے۔ ابرو طنز میں کھنچ گئے تھے۔

"سسرال کا معاملہ ہے کچھ کہوں گا تو آپ لوگوں کو برا لگے گا۔ مگر یہی بات ہے مہ اس طرح زبان درازی اور گستاخ کلامی کرتی تو مار مار کر اس کا منہ سُجا دیتا۔ عورت کو اتنی بر کیوں ہو کہ مرد کے آگے اونچی آواز میں بولے۔"

"آپ کا بس چلے تو اپنی عورتوں کو مرضی کے بغیر سانس بھی نہ لینے دیں۔" راحت ا سکی۔

"چپ کرو راحت۔" اماں کو غصہ آ گیا۔

"میں نے تمہیں پہلے بھی منع کیا تھا۔ سمجھایا تھا کہ اس طرح کی چیزوں کا ہمارے ہاں میں رواج نہیں ہے۔ تمہیں استانی کے رشتے دار کی بات کا جواب دینے کی کیا ضرورت تم خاموش رہتیں تو وہ اکیلا کتنی دیر تک بول سکتا تھا۔ خود ہی بول بک کر چلا جاتا۔"

داماد کے مزاج کی برہمی دور کرنے کے لئے اپنی بیٹی کو لتاڑنا ضروری تھا سو انہوں کیا۔

"میں نے کون سا داستانِ امیر حمزہ شروع کی تھی اس کے ساتھ۔ کمال کرتی ہ آپ۔"

"اچھا بس اب چپ رہو۔" انہوں نے جھڑکا۔

"تم بیٹھو جابر بیٹے۔ کم عقل ہے یہ۔ دماغ کام نہیں کرتا اس کا۔ چھوڑو جانے دو طلعت جابر کے لئے چائے بنا دو۔" انہوں نے عاجزی اور چاپلوسی سے داماد کی طرف دیکھا مگر وہ ماش کے آٹے کی طرح اکڑے کھڑے رہے۔

"چھوڑیں چائے وائے کو خالہ میں اب گھر چلوں گا اور ہاں اس کا نوکری پہ

بہت ہو گئی عیاشی۔" پھر وہ طلعت کی طرف مڑے۔

"تم کب سے آئی بیٹھی ہو۔ کچھ گھر بار کا بھی ہوش ہے یا میرے پیچھے محلے کی گلیاں ناپنے لگی ہوتی ہو۔"

"میں بس ابھی آئی تھی۔ اماں نے بلوایا تھا۔" طلعت گھبرا کر چادر اوڑھنے لگی "میں چلتی اماں۔"

"اچھا بیٹی۔" اماں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

داماد اور بیٹی کو رخصت کرنے کے بعد وہ راحت کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

وہ صحن کی چارپائی پر گرنے کے سے انداز میں پڑ گئی تھی۔

"میری بیٹی۔ بندہ دل کا لاکھ اچھا ہو تو بھی دنیا اس کا ظاہر ہی دیکھتی ہے۔ اعتبار جسم کی آنکھ جاتا ہے۔ دل کی آنکھ سے کون دیکھتا ہے۔ سمجھا کر میری بچی۔ میری جھلی پاگل بیٹی۔"

وہ آہستہ آہستہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔ اُن کا نرم لہجہ پھوار بن کر راحت اعصاب بھگو رہا تھا۔

"ایک کو نہیں دیکھتی کیسے دن رات دکھ کی بھٹی میں جلتی ہے۔"

وہ ہولے ہولے سمجھا رہی تھیں۔

"مگر جلنا عورت کا مقدر ہی کیوں ہے اماں۔"

اماں اُس کے سوال کا جواب نہ دے سکیں۔

ہاں سوچنے کی بات ہے۔

آخر عورت ہی کیوں جلتی ہے۔

کیا آگ کی عورت سے زیادہ گہری دوستی ہے۔

ٹھہرا دیا گاؤں۔

یہاں جہاں آگ جلتی ہے وہاں عورت بھی جلتی ہے۔

کہیں مٹی کے تیل سے اس کا جسم جلایا جاتا ہے۔

اور کہیں نامناسب رویوں اور الزامات کی ماچس سے اس کی روح جلائی جاتی ہے۔

تہذیب و تعلیم سے ناآشنا ان پڑھ عورت اپنی ناسمجھی کی سزا پاتی ہے اور پڑھی لکھی ذہین

عورت اپنی سمجھداری کی سزا بھگتتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ابھی اس معاشرے میں اتنا ظرف ہی پیدا نہیں ہوا کہ ایک ذہین؛ ذی ہوش عورت کو برداشت کر سکے۔ قبول کر سکے یا مقام دے سکے۔ اسی لئے اسے را ہٹانے کے لئے اس معاشرے کا مرد الزامات' شکوک اور ذہنی وجسمانی اذیت کا سہارا لیتا عورت کی زندگی کو کہیں امان نہیں ہے۔ جابر کے گھر کا یہ سین گواہ تھا۔ غصہ تو ا خودسری وخود اعتمادی پر تھا مگر بہانہ چائے بن گئی۔

"یہ تم نے چائے بنائی ہے۔ کڑوی زہر۔ پتی کا سارا ڈبا گھول دیا ہے گویا۔" جابر سیدھا طلعت کے کھینچ مارا۔ گرم گرم چائے ہاتھ اور پاؤں جلاتی چلی گئی۔

"مفت کی تو نہیں آتی بہو۔ جانتی ہو چائے کتنی مہنگی ہوگئی ہے۔ کبھی تو عقل سے کا کرو۔"

صفیہ نے بڑے آرام سے پلنگ پر بیٹھے بیٹھے بہو کو نرم گرم انداز میں کچوکا لگایا تھا جابر اُسے جلا کر گویا اپنی کوفت اور خفگی دور کر چکے تھے سو بڑی بے پروائی سے ٹی وی بیٹھ گئے۔

طلعت کے دونوں ہاتھوں اور ایک پاؤں پر پنڈلی تک بڑے بڑے آبلے پڑ گئے وہ گھریلو ٹوٹکوں سے جلن دور کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

ساری رات آنکھوں سے موت بتی کی طرح آنسو ٹپکتے رہے۔

کسی نے آکر خیر خیریت پوچھنے کی زحمت نہ کی۔ وہ یوں بھی ساس کے کمرے تھی۔ جابر "ضرورتاً" ہی اسے اپنے کمرے میں شب بسری کے لئے بلاتے تھے۔ اور ا سے انیتا کی زلفوں کے اسیر ہوئے تھے ازدواجی حقوق وفرائض بھی بھلا چکے تھے۔

حالانکہ ایک ماہ قبل طلعت نے انہیں باپ بننے کی نوید سنائی تھی۔

صفیہ کو بھی علم تھا کہ بہو دوسرے جی سے ہوگئی ہے۔ مگر یہاں وہ روایتی ناز نخرے ا ناپید تھے جو ایسے موقعوں پر سسرال میں بہو کے اٹھائے جاتے ہیں۔

"چلو۔ تین سال کے اجاڑ عرصے کے بعد کچھ تو امید بندھی۔"

صفیہ نے خوشخبری سن کر اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا۔

مگر اس کی روٹین بدلنے پر کسی نے اصرار نہیں کیا۔ راحت البتہ جب بھی آتی اس سے ا

"آپا۔ آپ خود پر نہ سہی آنے والی جان پر ہی رحم کریں۔ سارا سارا دن کولہو کے بیل کی ام میں جتی رہتی ہیں۔ حالت دیکھی ہے اپنی۔ کیسی پیلی پھٹک رنگت ہے اور اوپر سے ں۔ میری مانیں تو جا کر ڈاکٹر سے اپنا مکمل چیک اپ کرائیں۔"

"ا یہ بھی بھلی کہی۔ ارے بھئی دنیا میں کروڑوں اربوں عورتیں ماں بنتی ہیں۔ یہ انوکھی ہی ا ہیں کیا۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ خوامخواہ پیسے لٹانے والی بات ہے۔ ڈاکٹری دوائیں کیا ان بنا دیں گی۔ ہم نے بھی بچے جنے تھے۔ پرورش کی ہے۔ خیر سے ہر طرح کی تندرستی حالی دیکھی ہے۔" صفیہ چیں بہ چیں ہو کر بولیں اور راحت طلعت کے اشارے پر مجبوراً ہو گئی تھی۔

ات آہستہ آہستہ بیت گئی تھی۔

اور دو عورتیں اپنے زخموں کی جلن لئے اس رات کے ایک ایک لمحے کے ساتھ جاگی تھیں۔

یک روح پر لگے زخموں کی جلن سے بیدار رہی۔

سری کو جسم پر پھوٹنے والے آبلوں کے درد نے سونے نہ دیا۔

یا زمین پر کوئی ایسی رات آئے گی جب اس کائنات کی ہر عورت پوری نیند لے سکے

کوئی درد' کوئی خلش' کوئی زخم ان کی نیندیں حرام کرنے کا باعث نہیں بن سکے گا۔

O☆O

"یہ گھر میں کس قسم کی تیاریاں ہو رہی ہیں بھابی۔" ساحر نے گھڑی کلائی پر باندھتے ہوئے صوفے پر بیٹھی کومل سے دریافت کیا تھا۔

"کمال ہے تم ابھی تک بے خبر ہو۔ بھئی سعود کی شادی ہو رہی ہے۔"

"سعود کی شادی......؟" وہ اچنبھے سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"مگر کس کے ساتھ......اور کب؟"

اس نے کومل کے سامنے والی نشست سنبھال لی۔

"تم اپنے پروجیکٹ میں اس قدر مصروف رہتے ہو کہ گھر کے معاملات پر دھیان نہ پاتے۔"

"مجھے گھریلو سیاست سے واقعتاً دلچسپی نہیں ہے۔ مگر خیر سعود کی شادی کی خبر بہرحال لئے اہم ہے۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"اسی لڑکی سے ہو رہی ہے جو سعود نے پسند کی تھی۔"

"تو کیا ملک بابا اور آپا جان مان گئے ہیں؟"

"ہاں...... مسئلہ ان سے زیادہ لڑکی والوں سے بات منوانے کا تھا۔ بہرحال طے ہو مرحلہ۔"

"لڑکی والے رضامند نہیں تھے پھر کیسے طے ہوا معاملہ۔" وہ الجھا۔

"طاقت و اختیار سب کچھ منوا لیتے ہیں بھیا" کومل پھیکے انداز میں مسکرائی۔ جس طر کی بات طے ہوئی تھی اسے یہ سب اچھا نہیں لگا تھا۔

شادی خوشیاں بانٹنے اور بڑھانے کا ذریعہ ہوتی ہے اور اس رشتے میں بے ساختگی کی مضبوطی اور پائیداری کا ثبوت ہوا کرتی ہے۔ زور زبردستی سے دل کے کھلے دروازوں پڑ جاتے ہیں۔

"ملک بابا اور آپا جان نے زبردستی ہاں کروائی ہے اُن سے؟"

ساحر ناخوشگوار انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"ظاہر ہے۔"

"مگر یہ تو زیادتی ہے۔ میں بات کروں گا آپا جان سے۔"

"خدا کے لئے۔" کومل نے جلدی سے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روکا۔

"ایسی حماقت نہ کرنا ساحر۔ اول تو کچھ ہوگا نہیں۔ دوم میں خواہ مخواہ ان کی نظروں بُری بنوں گی۔"

"مزید...... مزید...... کا کیا مطلب!" ساحر حیران ہوا۔

کومل نے سر جھکا لیا۔

اب وہ کیا بتاتی۔

وہ غیر خاندان کی تھی۔ شادی کو چوتھا سال شروع ہو چکا تھا اور ابھی تک اُس کی گود ہری نہیں لی۔ تین سال تک بہرحال آپا جان خاموش رہی تھیں مگر اب دبے دبے انداز میں وہ اسے لگی تھیں۔ وہ اس کنٹیلے اور چبھتے ہوئے انداز میں بات کرتیں کہ کومل کٹ کر رہ جاتی' اس سے اب نہ بن پڑتا۔ یوں بھی اس کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ وہ اکلوتی تھی۔ والدہ بچپن میں ر گئی تھیں اور والد صاحب پچھلے سال وفات پا گئے تھے۔ عورت کی پشت پر کوئی نہ ہو تو ل میں اس کا پلّہ بھاری نہیں رہتا لہٰذا وہ ملک ہاؤس کے خاندانی معاملات میں قطعی خاموش و لب رہتی تھی۔ یہ سوچ کر کہ کہیں ایسی ویسی بات منہ سے نکل گئی تو جواب میں سرد و خشک کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حالانکہ دیکھا جائے تو ایک طرح سے اسے ساس بہو کے مسائل کا سامنا نہیں تھا۔ اس کی ماں یعنی سمیر اور ساحر کی امی وفات پا چکی تھیں۔ آپ جان اس کی تائی ساس تھیں۔ شبیر تایا لی مگر ملک ہاؤس میں چونکہ انہی کے نام کا سکہ چلتا تھا اور وہی مختار کل تھیں اس لئے سب پر اطاعت لازمی تھی۔ عذرا اس کی چچی ساس تھیں یعنی انوار چچا کی بیوی اور سعود کی امی۔ ان کی بہت بنتی تھی کیونکہ وہ بھی کومل کی طرح پڑھی لکھی روشن خیال فیملی سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپا جان کی تلخ ترش باتوں پر اس کی دلجوئی کرتی رہتی تھیں۔ انہی کی وجہ سے اس کا دل لگا
سمیر تو زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہتے تھے۔ وہ لندن اور امریکہ کی برانچوں کے معاملات لئے کی غرض سے عموماً پاکستان سے باہر پائے جاتے تھے۔

"آپ نے وضاحت نہیں کی بھابی۔" ساحر سراپا سنجیدگی بنا بیٹھا تھا۔

"کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتایئے۔ کیا کسی نے کچھ کہہ دیا ہے۔"

"میرا اپنا گھر ہے' اپنے لوگ ہیں۔ پھر "کسی" کون ہے جو کچھ کہے گا۔ بس یونہی کہہ رہی ل میں' میں غیر خاندان کی ہوں نا' ڈر رہتا ہے کہ کہیں میری کسی بات پر کوئی ناراض نہ ہو
"

'اب تو اتنا عرصہ گزر گیا ہے۔ آپ کو یہاں کے مکینوں کی سمجھ آ گئی ہوگی۔ پھر یہ ڈر خوف

ساحر ریلیکس ہو گیا۔

"مجھے ملک بابا اور آپا جان کا انداز اچھا نہیں لگا۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"رشتہ دینا یا نہ دینا لڑکی کے والدین کی صوابدید اور مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ زبردستی اور مجبوری کے بندھن آج کے دور میں پائیدار ثابت ہوں گے' سراسر حماقت خیال ہے لڑکی والوں کو اپنے انکار پر قائم رہنا چاہئے تھا۔"

"وہ سعود اور ملک بابا کی دھمکیوں سے خائف ہو گئے تھے۔ یوں بھی مہرینہ کے وفات پا چکے ہیں۔ سوتیلے کا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے۔ ماں نے پہلے انکار کیا تھا پھر خاندان کی طاقت دیکھ کر مجبوراً حامی بھر لی بلکہ شادی کی تاریخ بھی دے دی۔"

"اب ایسی بھی کیا مرعوبیت۔" ساحر کا موڈ بگڑ گیا۔

"کوئی قیامت تو نہیں آنے لگی تھی۔ کیا کر لیتے سعود یا ملک بابا۔"

"کرتے کیا' کر چکے ہیں۔" کومل نے اپنے الفاظ پر زور دے کر کہا۔

"کیا کر چکے ہیں؟"

"سعود اُسے زبردستی راستے سے اٹھا کر لے گیا تھا۔"

"شٹ!" غصے سے ساحر کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"مجھے سعود سے اس درجہ گری ہوئی حرکت کی امید نہیں تھی۔ ایسے گھٹیا اور اوچھے ہ وہ اپناتے ہیں جو فقط اپنی خواہش کے غلام ہوتے ہیں۔"

"وہ اس لڑکی کے لئے سچ مچ سیریس تھا اور اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔"

"پھر سیدھے راستے سے اس تک پہنچتا۔ طاقت اور زعم کا مظاہرہ دکھا کر تو یقیناً متنفر ہی کیا ہو گا۔"

"بس ہے ناں جذباتی اور ضدی۔ اپنی ہٹ دھرمی پوری کر کے دم لیتا ہے۔ دیکھا آپا جان کو ایموشنل بلیک میلنگ کر کے بات منوالی۔"

"لڑکی والوں نے حامی کیوں بھری۔ مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آئی۔ خصوصاً اتنی رذ کے بعد تو انہیں ہاں کرنی ہی نہیں چاہئے تھی۔"

"ہر بندے کی اپنی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ یہ سوچ کر خاموش ہو کچھ بھی سہی رشتہ اچھا ہے۔ لڑکے کا خاندان جدی پشتی امیر ہے۔ اثر ورسوخ میں نمایاں

لس ہے' کارخانے اور صنعتیں ہیں۔ نام ونمود ہے پھر لڑکا بھی دل و جان سے تمنائی ہے۔ ی تو کرنی ہی ہے ایک دن۔ اسی سے سہی۔"

کومل نے حقیقت پسندی سے تجزیہ کیا۔

"مگر پھر بھی۔ انسان کی انا' غیرت اور خودداری بھی کوئی چیز ہوا کرتی ہے۔"

"اب وہ زمانے نہیں رہے بھیا۔ بڑا عجیب دور آ گیا ہے۔ خیر چھوڑ دان باتوں کو۔ یہ بتاؤ ے کیا ارادے ہیں۔ آپا جان سعود کو نبٹا کر تمہارا گھیراؤ کرنے والی ہیں۔"

"انہیں کہیے۔ مجھے فی الحال بھول جائیں۔"

ساحر نے صفا جواب دیا۔

"یہ تو نہیں ہونے لگا۔" کومل مسکرائی پھر کچھ سوچ کر پوچھنے لگی۔

"تمہارے دوست ایمان کی بہن فاکہہ کیسی لگتی ہے تمہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"اتنا مشکل سوال تو نہیں ہے۔" کومل شرارت سے بولی۔

"تمہاری دیکھی بھالی ہے' سلجھی ہوئی پڑھی لکھی اور نفیس مزاج کی لڑکی ہے۔ وہ لوگ ی کے ملک ہیں اور ملک ہاؤس کے پرانے جاننے والوں میں سے ہیں لہٰذا رشتہ ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی۔ آپا جان ایک روز پوچھ رہی تھیں مجھ سے بلکہ صلاح لے رہی تھیں۔ وہ ے تاثرات جاننے کی خواہش مند تھیں۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" ساحر نے سر جھٹکا۔

"گھر بیٹھی فارغ خواتین کو لڑکے لڑکی کے درمیان رشتوں کی ڈور باندھنے کا سوچنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ معاف رکھیں مجھے اور فاکہہ دونوں کو۔ جب وقت آئے گا دیکھا گا۔"

وہ جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں کل ملک آباد جا رہا ہوں سروے کے سلسلے میں۔ آپا جان سے بات ہو تو بتا دیجئے گا۔"

ابھی وہ راہداری میں ہی تھا کہ موبائل کی بیل بج اٹھی۔

دوسری طرف ایمان تھا۔

"میں کل سے تمہیں کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تمہارا موبائل بند تھا۔ ملک فون کیا تو پتا چلا حسب معمول گھر سے باہر ہو۔"

"ہاں کچھ کام تھا۔ کہو خیریت ہے ناں۔"

"خیریت ہی تو نہیں ہے میرے بھائی۔"

ایمان نے ٹھنڈی سانس لی۔ پھر اُسے حق ملکیت کے کاغذات کی چوری اور محسن کی کے بارے میں بتایا۔

"محسن کو تسلی دو کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اسی قسم کا خطرہ تھا اس احتیاطاً کاغذات کی فوٹو کاپی بنوا کر اپنے گھر میں لاکر میں محفوظ کر لی تھی۔"

"اوہ شکر ہے خدایا۔" ایمان کے سر سے گویا بھاری بوجھ اتر گیا۔

"تمہاری دور اندیشی کی داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔ میں ابھی محسن کو فون کر کے بتاتا ہوں ملک آباد کب چلنا ہے؟"

"انشاء اللہ! کل صبح۔ پروفیسر رشید صاحب بھی ڈسچارج ہو جائیں گے تب تک۔"

"اوکے!"

O☆O

"مما۔"

زرلالہ سارہ کو سُلا رہی تھی جب دائیں طرف کمبل میں چھپے ولی نے دھیرے سے مخاطب کیا۔ تینوں ڈبل بیڈ پر تھے۔ علی ڈبل بیڈ کے بائیں طرف کے چھوٹے سے خوب سنگل بے بی بیڈ پر محوِ خواب تھا۔

"کیا بات ہے بیٹے۔" سارہ کے سونے کا اطمینان کرنے کے بعد زرلالہ نے آہستگی کروٹ لے کر ولی کی طرف منہ کر لیا "نیند نہیں آ رہی کیا۔" وہ اس کے ریشم سے بالوں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

"نہیں۔" وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

"مما آپ بھی تو نہیں سوتیں۔"

"تم سے کس نے کہا میں نہیں سوتی۔" وہ مسکرائی۔

"میں نے خود دیکھا ہے' آپ رات کو بیڈ پہ بیٹھی روتی رہتی ہیں۔ مما آپ کیوں روتی وہ دکھ سے پوچھنے لگا۔

زرلالہ دھک سے رہ گئی۔ "یہ ننھا سا فرشتہ میرے دل میں اتر کر راز کیسے پا گیا۔"

"میں کب روتی ہوں بیٹے۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" الفاظ حلق میں اٹک کر رہ گئے تھے۔

ں کی ننھی سی جان ماں کی کیفیات سے کس درجہ باخبر تھی۔

"مما جھوٹ بولنے سے زبان کالی ہو جاتی ہے۔ آپ خود ہی تو کہتی ہیں۔"

لی نے بڑے سبھاؤ سے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

زرلالہ نے چٹ چٹ اس کے گال چوم لئے۔

"میری جان! میری زندگی۔"

"آپ پاپا کو یاد کر کے روتی ہیں مما؟" ولی کی سوئی ایک ہی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔

"پاپا۔" زرلالہ کے دل پر کسی نے ہتھوڑے سے میخیں ٹھوک دیں۔

"ہاں۔ آپ پاپا کو یاد کر کے روتی ہیں۔ مجھے پتا ہے۔"

اب کے وہ پورے یقین سے آنکھیں پھیلا کر بولا۔

"کیسے پتا ہے؟" وہ جانے کس دل سے مسکرائی تھی۔ وہ مسکراہٹ تھی یا نوحہ۔

"وہ میرا دوست نہیں ہے زبیر۔ وہی جو سکول میں میرے ساتھ پڑھتا ہے' اس نے بتایا تھا ی مما پاپا کو یاد کر کے رویا کرتی ہیں۔ مما اُس کے پاپا تو ائر کریش میں اللہ میاں کے پاس تھے۔ ہمارے پاپا کو کیا ہوا تھا؟"

"کیا ہوا تھا تمہارے پاپا کو۔" بچے کے سوال نے کوڑیالے سانپ کی طرح اس کے ب کو ڈس لیا۔

وہشت زدہ ہو کر بیٹھ گئی۔

ل اس قدر شدت سے دھڑکا جیسے سینے سے باہر ٹپک جائے گا۔

را بدن پسینے میں نہا گیا تھا۔

"مما کیا ہوا۔ آپ ڈر کیوں گئیں۔" ولی بھی ماں کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کچھ نہیں۔ چلو تم سو جاؤ۔" گہری سانس لے کر خود کو سنبھالتے ہوئے زرلالہ نے ولی کو

تھپک کر لٹا دیا۔

اسی اثناء میں ولی اپنا سوال بھول گیا البتہ موضوع بحث نہیں بھولا۔

''پاپا کس طرح کے ہوتے ہیں مما۔'' اس کے لہجے میں حسرت سی تھی۔

''جیسے سب کے پاپا ہوتے ہیں۔'' وہ موضوع سے کترا رہی تھی۔

''ہمارے پاپا کیسے تھے؟'' وہ اشتیاق سے پوچھنے لگا۔

وہ بے بسی سے ہونٹ چبانے لگی۔

کیا کہوں؟

کیا جواب دوں؟

''آپ کے پاس پاپا کی کوئی تصویر نہیں ہے؟''

''نہیں بیٹے۔''

''اب مجھے کیسے پتا چلے گا کہ پاپا کس طرح کے تھے۔ زبیر کے پاس تو اتنی ڈھیر تصویریں ہیں اپنے پاپا کی۔'' وہ بسورا۔

زرلالہ پتھر کی طرح ساکت وصامت لیٹی رہی۔

''مما!'' اچانک ولی کی پُرتجسس آواز ابھری۔

''کیا پاپا اُن انکل کی طرح کے تھے؟''

''کون سے انکل۔''

''وہی جو مجھے ہسپتال لے کر آ گئے تھے۔ لمبے سے' پیارے سے۔ جو بڑے رعب کر رہے تھے مگر انہوں نے مجھے پیار بھی کیا تھا اور پیسے بھی دیئے تھے۔''

ولی کو ایک ایک تفصیل یاد آ گئی۔

زرلالہ کے ذہن میں ساحر ملک کا سراپا اتر آیا۔

''مجھے ان کا نام بھی یاد آ گیا۔ ساحر۔ ساحر انکل...... ہے نا...... مما۔'' ولی اچانک

''ہاں یہی نام تھا اُن کا۔ مگر تمہارے پاپا ان کی طرح کے نہیں تھے۔ اب یہ فضول کرو۔ صبح جلدی اٹھنا ہے۔ سکول بھی تو جانا ہے۔ دیکھو علی کب کا سو چکا ہے۔ سارہ بھی ہے۔ چلو شاباش آنکھیں بند کرو۔''

اس کی تاکید وہدایت پر ولی نے لامحالہ آنکھیں میچ لیں۔

''مما' کیا ہم دوبارہ مل سکتے ہیں ساحر انکل سے۔'' تھوڑی دیر بعد وہ اسی طرح آنکھیں بند آہستہ گویا ہوا۔

''نہیں۔'' زرلالہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

''اللہ نہ کرے جو ہمیں دوبارہ اُن سے ملنا پڑے۔ وہ ہمارے کیا لگتے ہیں جو ہم اُن سے ملیں

''کیا وہ اچھے آدمی نہیں ہیں مما۔'' ماں کے انداز سے وہ یہی اخذ کر سکا۔

''میں نے کب کہا۔'' وہ خائف سی ہو گئی۔

''پھر ہم اُن سے کیوں نہیں مل سکتے۔'' وہ مایوسی سے بولا۔

''ملنا ضروری تو نہیں ہے ولی۔'' وہ جھلا سی گئی۔

''ضروری تو نہیں ہے مگر دل چاہتا ہے۔'' وہ آہستگی سے بولا ''اچھا آپ کہیں گی تو میں نہیں لیکن اگر وہ خود سے نظر آ گئے تو کیا میں انہیں سلام کر سکتا ہوں۔'' وہ بھولپن سے پوچھنے لگا۔

ناچار زرلالہ نے گردن ہلا دی۔

بچہ تھا۔ بہل گیا تو سو بھی گیا۔

مگر وہ تو بچی نہیں تھی۔ سو نہ بہل سکی اور نہ سوئی۔

''اس کے پاپا تو ائیر کریش میں اللہ میاں کے پاس چلے گئے تھے۔ ہمارے پاپا کو کیا ہوا تھا۔''

جملہ رہ رہ کر اس کے دماغ کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

''کیا بتاؤں تمہیں۔'' اس نے تھکی تھکی نگاہ سوتے ہوئے بچوں پہ ڈالی ''یہی کہ تمہارے خون تمہاری ماں نے کیا ہے۔ وہ شوہر کے سینے میں خنجر اتارنے کا جرم کر چکی ہے۔ وہ قاتلہ باپ کی۔''

وہ بڑی دیر تک ذہن میں در آنے والی بھیانک سوچوں سے لڑتی رہی۔

O☆O

''توقیر' مصروف تو نہیں ہو؟'' توقیر صاحب کے بڑے بھائی اور آپا جان کے شوہر شبیر ملک پر دستک دے کر پوچھ رہے تھے۔

"نہیں بھائی صاحب۔ آپ آیئے پلیز۔"

بڑے بھائی کو اپنی سٹڈی میں دیکھ کر انہیں خوشگوار حیرت کا سامنا ہوا۔ وہ احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

شبیر صاحب انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی سائیڈ کے صوفے پر براجمان ہو گئے۔

"تمہاری آپا جان نے ایک عجیب بات کہی ہے۔"

"کیسی بات۔" وہ سنبھل کر ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"وہ کہہ رہی ہیں سعود کی شادی کی تقریب ملکوال کے گاؤں میں ہوگی۔"

"ملکوال میں؟" توقیر صاحب نے تعجب سے دہرایا۔

"ہم سب تو یہاں ہیں پھر ملکوال میں شادی کے انتظامات کون کرے گا؟"

"بڑی اماں نے فون کر کے بلوایا ہے۔ شادی سے ایک ہفتہ قبل سب ملکوال چلے گے۔ آج دوپہر کو ان کی بات ہوئی تھی پروین (آپا جان) سے۔ وہ کہہ رہی تھیں ایاز نے سے درخواست کی تھی۔ وہ چاہتا ہے برات ملکوال سے دھوم دھام سے جائے۔"

"اوہ!" توقیر صاحب کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

"تمہاری کیا رائے ہے؟"

"آپ جانتے ہیں کہ ملک ایاز اور اس کا بیٹا ذراب ساحر کے لئے کس قدر ٹکا رہے ہیں۔ ایسے میں کم از کم میں ان کی میزبانی و "مہربانی" سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا رائے کی بات تو اصل اہمیت آپا جان کی رائے کی ہے۔ اس کے بعد خود سعود کے صوابدید پر ہے کہ وہ بیٹے کی شادی کے انتظامات کس جگہ کرنا پسند کریں گے۔ لہٰذا یہ سوال عذرا بھابی سے کیا جانا چاہیے۔"

توقیر صاحب نے صاف گوئی سے کام لیا کہ بڑے بھائی کے ساتھ وہ ہر طرح کی کر لیتے تھے۔ شبیر صاحب اپنی بیوی کے برعکس صلح جو قسم کے نرم مزاج اور مفاہمت تھے۔ وہ اپنی بات پر دوسروں کی رائے مقدم رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کی بیگم آپا ہاؤس کے سیاہ و سفید کی مالک بن گئی تھی۔ انہوں نے کبھی آپا جان یا ان کے سگے والدین

(بڑی اماں) کے احکامات و معاملات میں دخل نہیں دیا تھا۔

"انوار اور عذرا کی کیا مجال کہ ملک بابا، بڑی اماں یا تمہاری آپا جان کی خواہش ٹال سکیں۔ ے لئے ان کی فرمائش حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ یوں بھی شادی کے معاملات خود بڑی اماں اور بابا اپنی نگرانی میں ڈیل کریں گے۔"

"ٹھیک ہے پھر جیسے وہ مناسب سمجھیں۔" توقیر صاحب نے بادلِ نخواستہ کہا۔

"مگر ساحر شاید ملکوال جانے پر رضامند نہ ہو۔" انہوں نے تذبذب سے کہا۔

"وہاں ملک ذراب بھی ہوگا۔ دونوں کا آمنا سامنا ہوگا تو نیا فساد اٹھ کھڑا ہوگا۔"

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ وہاں ملک بابا اور بڑی اماں بھی ہوں گی۔ ان کی موجودگی میں ن کو جرأت نہیں ہوگی۔ دوسرا ساحر کی طبیعت میں بہت تحمل اور ضبط و برداشت ہے۔ وہ موقع لحاظ کرے گا۔" شبیر صاحب نے بھتیجے کی سائیڈ لی۔

"اور اگر ذراب نے لحاظ نہ کیا تو۔" توقیر صاحب نے بھائی کی آنکھوں میں دیکھا۔

"تو دیکھی جائے گی۔ اگر ملک ایاز اپنے بیٹے کو لگام نہیں ڈال سکا تو پھر ہم اسے مظاہرہ کر دیں گے۔ چوڑیاں پہن کر نہیں جائیں گے۔"

شبیر صاحب نے دوٹوک جواب دیا۔ توقیر صاحب قدرے اطمینان محسوس کرنے لگے۔

"چلیں ٹھیک ہے پھر جیسے سب کی مرضی۔ ابھی تو یوں بھی ایک مہینہ رہتا ہے۔ بہت ٹائم

"ہاں یہ تو ہے۔"

"بات تو ساری احساس کی ہے بھائی صاحب۔" توقیر صاحب نے گہری سانس لی "ورنہ تو ہمارے بہت سے رشتے بنتے ہیں۔ وہ ہمارا سگا تایازاد ہے۔ نمبر دو ملک بابا اور امی کی ے بعد سے سوتیلا بھائی بن گیا پھر اس کی بہن یعنی آپا جان کی آپ سے شادی کے بعد گویا ے سالے رشتہ بھی جڑ گیا۔ تین تین رشتے ہیں ہمارے اور اس کے بیچ مگر پھر بھی ملک ہاؤس ل کے خلاف اس کی عداوت نہیں جاتی۔ ہر وقت ہمیں گزند پہنچانے کے لئے جوڑ توڑ میں ہ اب بیٹے کو بھی اسی راہ پہ ڈال دیا۔"

"بس اپنی اپنی طبیعت ہوتی ہے۔" شبیر صاحب نے افسوس سے کہا "ورنہ سرفراز مرحوم

بھی اسی کا بھائی تھا۔ وہ پڑھ لکھ کر لاہور شفٹ ہو گیا اور اپنے دونوں بچوں کی بہترین تربیت کی
امریکہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا ہے اور شہریال ماشاء اللہ ڈاکٹر بن گئی ہے۔''

''مگر نصیب دیکھئے ناں دونوں بچوں کا۔ لڑکے کو تعلیم کے دوران ہی گاؤں کی لڑکی
کے زنجیر ڈال دی اور شہریال کو دُراب سے منسوب کر دیا۔ اتنی اچھی سلجھی ہوئی بچی کو اس اَن
پلے باندھ دیا ہے۔ بات بہت پرانی ہو چکی ہے اور پھر سرفراز اور اس کی بیوی بھی اللہ کو پیار
چکے ہیں ورنہ میرا ارادہ تھا اپنے ملک ہاؤس کے کسی لڑکے کے لئے اُسے مانگ لیتے۔ سعود یا
کے لئے۔ ساحر کے ساتھ اس کی جوڑی بہت جچتی۔''

شبیر صاحب نے اپنی خواہش ظاہر کی۔

''شہریال اور ساحر!'' توقیر صاحب نے چشم تصور سے دیکھا پھر ہلکا سا مسکرائے ''وا
جوڑ تو بہت اچھا تھا۔''

''مگر افسوس۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔'' شبیر صاحب نے ملال سے کہا۔

''اسی کا نام تقدیر ہے بھائی صاحب۔''

''ساحر مجھے بہت عزیز ہے۔ کاش میری اپنی بیٹی حیات ہوتی تو میں بیٹی کا باپ ہو
باوجود خود تم سے ساحر کا رشتہ مانگ لیتا۔'' شبیر صاحب کی آنکھوں میں ماضی کے اذیت نا
سائے اتر آئے۔

''ایسی بات کیوں کرتے ہیں بھائی صاحب۔ انشاء اللہ وہ حیات ہی ہوگی۔ خدا اُ
دے اور جلد ہم سے ملائے۔ وہ گم ضرور ہوئی ہے مگر خدانخواستہ......''

''کیا خبر، کون جانتا ہے وہ زندہ ہے یا۔'' شبیر صاحب نے آہ بھری۔

''بیٹا اور بیٹی جڑواں تھے۔ بیٹا آنکھوں کے سامنے اللہ کو پیارا ہو گیا۔ کسی نہ کسی طرح
ہی گیا مگر بیٹی کا زندہ کھلکھلاتا بھرپور وجود اچانک یوں غائب ہوا کہ عقل خبط ہو کے رہ گئی۔ کس
نہیں ڈھونڈا اُسے۔ چوبیسواں برس لگ گیا ہوگا اسے۔ اگر وہ زندہ ہے تو۔''

انہوں نے ہونٹ دانتوں تلے دبا کر درد کی لہر پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''انشاء اللہ زندہ ہی ہوگی۔'' توقیر صاحب نے بڑے بھائی کو حوصلہ دیا۔

''ساحر، سمیر، سعود اور ملک ہاؤس کے باقی بچے سب آپ ہی کی تو اولاد ہیں۔ آپ

اے داریاں نبھائیں گے۔ دل چھوٹا کیوں کرتے ہیں۔''

''تم اپنا کام کرو میں چلتا ہوں۔'' شبیر صاحب خود کو سنبھال چکے تھے۔

''ارے بیٹھیے نا...... کبھی کبھار تو آپ سے گپ شپ کا موقع ملتا ہے۔''

''نہیں۔ اب چلوں گا۔ تمہاری آپا جان بھی حیران ہوں گی کہ چائے کمرے میں منگوا کر
کہاں غائب ہو گیا۔''

O☆O

''آئی ایم سوری ساحر۔ تمہیں تکلیف دے رہی ہوں۔ دراصل اس وقت اور کوئی گھر پر
نہیں ہے۔ ڈرائیور نیا ہے اُس کی عقل پہ بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔'' کومل نے معذرت خواہانہ
از میں کہا۔

''کوئی بات نہیں بھابی۔ میں ویسے بھی کچھ پرزہ جات خریدنے کراچی کمپنی جا رہا تھا۔
ٹ کے سامنے والے رہائشی مکانات کی طرف جانا ہے نا......'' ساحر نے پرچی پر لکھے ایڈریس
ر دیکھنے کے بعد گاڑی کا دروازہ بند کیا تھا۔

''ہاں۔ بالکل۔''

''آپ نے انہیں فون تو کر دیا تھا نا...... میں وہاں رکوں گا نہیں۔ مطلوبہ چیزیں لے کر فوراً آ
ں گا۔''

''میں نے یاسمین آنٹی کو بتا دیا تھا۔'' کومل نے یقین دہانی کرائی۔

''انہوں نے ناپ کے لئے مہرینہ کا سوٹ، جوتے اور جیولری وغیرہ سب ایک جگہ پیکٹ بنا
کھ دیئے ہیں۔ تمہیں بس بیل بجا کر اندر جانا ہے اور لے کر واپس آ جانا ہے۔ سعود کا اپنے
ال جانا اچھا نہیں لگتا ورنہ وہ تو سر کے بل جانے کو تیار تھا۔'' کومل ہنس دی۔

''ایمان کا فون آئے تو اسے بتا دیجئے گا کہ آج سردے پر جانے کا پروگرام کینسل کر دیا گیا
ابھی مطلوبہ سامان پورا نہیں ہوا۔ ہو سکتا ہے کل روانگی ہو جائے۔ میں شام کو اسے خود کانٹیکٹ
وں گا۔''

ساحر نے سن گلاسز چڑھا کر گاڑی اسٹارٹ کی۔

باوردی مسلح چوکیدار بہ سرعت گیٹ کھول چکا تھا۔

اپنے کام سے فارغ ہو کر ساحر جی نائن میں مہرینہ کے گھر کی طرف نکل آیا۔

مطلوبہ ہاؤس نمبر کے گیٹ پر گاڑی روکنے کے بعد وہ نیچے اترا اور بیل بجائی۔ دو تین دفعہ بجانے کے باوجود کوئی باہر نہ نکلا تو اس نے جھنجھلا کر انگلی بٹن پر رکھ دی۔ نتیجہ یہ کہ بیل متواتر بجتی چلی گئی۔

"کیا مصیبت ہے! کون اُلو کا پٹھا بیل سے چمٹ گیا ہے۔"

غضب ناک تیور اور لال بھبوکا چہرہ لئے سیاہ پرنٹڈ شلوار قمیص میں سرخ دوپٹہ بائیں کندھے پر بے ڈھنگے انداز میں لٹکائے گندمی رنگت کی نوجوان لڑکی نے دونوں پٹ ایک جھٹکے سے کھول دیئے تھے اور اب گیٹ کے بیچوں بیچ کمر پہ ہاتھ ٹکائے کھا جانے والی نظروں سے سفید شلوار قمیص اور سیاہ واسکٹ میں ملبوس وجیہہ و پُروقار ساحر کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو بات کرنے کی تمیز نہیں ہے محترمہ۔"

ایک تو گستاخ لب و لہجہ' اوپر سے گالم گلوچ اور بدتمیزی۔ اس پہ طرّہ یہ کہ بے باک و بدلحاظ انداز پھر مہمانوں سے بات چیت کا تہذیب و اخلاق سے گرا ہوا طریقہ۔ ساحر نے سر سے پیر تک اسے ناپسندیدگی کی سند عطا کر دی۔

"لاحول ولاقوۃ۔ اس "نمونے" پر پھسلے ہیں سعود ملک صاحب۔ جسے قرینہ' تہذیب' وقار اور متانت چھو کر نہیں گزری۔" عنقریب ہونے والی رشتے داری کا لحاظ تھا جو وہ خاموش رہا ورنہ جی تو کھری کھری سنانے کو چاہ رہا تھا۔

"آپ کون ہوتے ہیں مجھے تمیز سکھانے والے۔"

مہرینہ نے ٹیڑھی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر بگڑ کر گویا ہوئی۔

"اور آپ نے کس یونیورسٹی سے تمیز کی ڈگری لے رکھی ہے۔ آپ کو بیل بجانے کا سلیقہ نہیں ہے یا پہلی بار دیکھی تھی۔ جی نہیں بھرا تو مزید شوق فرما لیجئے۔"

"میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ کسی بڑے کو باہر بھیجئے۔"

ساحر نے سخت لہجے میں کہا۔ وہ خواہ مخواہ اس کے منہ نہیں لگنا چاہتا تھا۔

"کیوں؟" وہ تنک مزاجی سے بولی "میرے "بڑوں" نے کیا آپ کا ادھار کھا رکھا ہے مجھ سے بات کیجئے جو بھی کرنی ہے۔"

"مہرینہ بیٹے کون ہے گیٹ پر؟" یاسمین بیگم شور کی آواز سن کر باہر آئی تھیں۔

ساحر کوئی "موزوں" جواب دے کر اس سرپھری بگڑی ہوئی لڑکی کو سبق سکھانا چاہتا تھا کہ نیلی ساڑھی میں ملبوس اس ادھیڑ عمر خاتون کو دیکھ کر رک گیا۔

"السلام علیکم۔ میں ملک ہاؤس سے آیا ہوں اور......"

"ارے ساحر بیٹے تم۔ اندر آؤ ناں۔ کومل نے تھوڑی دیر پہلے فون کر کے تمہارے متعلق بتایا تھا۔" یاسمین بیگم گرمجوشی سے آگے بڑھیں۔ مہرینہ اسی طرح بے لچک انداز میں کھڑی ہونٹ چباتی رہی۔

"سوری۔ اس وقت بیٹھنے کا ٹائم نہیں ہے۔ پھر سہی۔ آپ پلیز وہ پیکٹ دے دیجئے مجھے۔" اس نے سلیقے سے معذرت کی۔

"اچھا۔ میں ابھی لاتی ہوں۔" کافی اصرار کے باوجود بھی ساحر نہ مانا تو یاسمین بیگم کو ہار ماننا پڑی۔

کچھ دیر کے لئے وہ اور مہرینہ تنہا رہ گئے۔

"گویا آپ مہرینہ ہیں!" بغور تنقیدی جائزہ لینے کے بعد ساحر نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ مگر مجھے آپ کے متعلق اندازہ لگانے یا جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اکل کھرے انداز میں گویا ہوئی۔ "میں جانتی ہوں آپ کون ہیں۔"

"تو پھر بتائیے۔" وہ تحمل سے بولا۔ نہ جانے کیوں اسے وہ ایک روٹھی روٹھی چھوٹی سی خودسر ضدی بچی لگ رہی تھی۔ جو دوسروں کے ساتھ ساتھ خود اپنے آپ سے بھی خفا اور بیزار ہو۔

"آپ بھی انہی امیر زادوں اور جاگیرداروں میں سے ایک ہیں جو دوسروں کی لڑکیوں پہ ہاتھ ڈالتے ہوئے اپنے گھر کی بہو بیٹیوں کو بھول جاتے ہیں۔ جو ہر پسند آ جانے والے مال کو کوٹھی کی زینت بنانا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ صرف طاقت اور جبر کا قانون جانتے ہیں اور جو دولت اور دھونس کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ جنہیں فقط اپنی خواہشات کی تکمیل سے دلچسپی ہوتی ہے۔"

مہرینہ کا چہرہ شدتِ رنج اور وفورِ جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔

ساحر دم بخود رہ گیا۔

ابھی تک تو وہ اس کے انداز و اطوار سے اُسے ایک امیچور اور لاڈلی نخریلی' نک چڑھی' کمسن

لڑکی خیال کر رہا تھا اور اسی حساب سے رعایت بھی دے رہا تھا مگر اب......

کہاں سے آیا ہے اس کے اندر اتنا بڑا پن۔

اس قدر زہر کیسے بھر گیا اتنی کم عمری میں۔

اگر ناپسندیدگی بلکہ نفرت کی سطح اتنی بلند تھی تو ملک بابا اور آپ جان نے سعود کی خواہش
زبردستی رشتہ کیوں استوار کیا۔ یہ تو بہت غلط بات ہے۔

ساحر کا صاف شفاف ذہن اس زیادتی کو مصلحت سمجھ کر قبول نہیں کر پا رہا تھا۔

"اگر آپ میں اتنی سمجھ تھی تو پھر اپنی والدہ سے دوٹوک انکار کیوں نہیں کہلوایا۔"

ساحر یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔ اس کے لہجے میں حقیقی فکرمندی کی جھلک تھی۔

مہرینہ نے ایک گہری سانس لے کر تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے چھوڑے پھر سر جھٹک کرا
کی طرف دیکھا۔

"کیا ہمارے معاشرے میں لڑکی کا انکار کوئی حیثیت رکھتا ہے؟"

اُس کے لہجے اور آنکھوں سے برستی تلخی میں اتنی بے بسی' تکلیف اور اذیت پوشیدہ تھی
ساحر کے دل سے اُس کے خلاف بھرا سارا غبار ڈھل گیا۔

اب وہ اس کی گستاخی و کڑواہٹ کے اسباب کا کھوج لگا سکتا تھا۔

"کیوں نہیں۔" بالآخر وہ بولا "اگر گھر والے لڑکی کو سپورٹ کریں۔ اُسے تحفظ کا احسا
دلائیں تو وہ پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ انکار یا اقرار کر سکتی ہے۔ آپ کے والدین' خصو
والدہ کو اتنی جلدی ہتھیار نہیں ڈالنے چاہئے تھے۔"

"کمال ہے۔ یہ آپ کہہ رہے ہیں۔" وہ طنزیہ ہنسی۔

"آپ کی فیملی کے توسط سے تو نوبت یہاں تک پہنچی ہے۔"

"انہوں نے جو کیا غلط کیا۔ اس میں میری مرضی' تجویز یا حوصلہ افزائی شامل نہیں تھی بلکہ :
سرے سے اس معاملے سے بے خبر رہا۔ اگر بروقت پتا چل جاتا تو یقیناً ان کے اقدام کی مذمت
کرتا۔ اب معاملہ اتنا آگے جا چکا ہے کہ کچھ کرنے کرانے کی بات اپنے خاندان کی رسوائی
سامان کرنے کے مترادف ہوگی۔ شادی کے کارڈز چھپ چکے ہیں۔ تیاریاں مکمل ہیں۔ اور
پھیل چکی ہے۔"

"چچ چچ...... کتنا بڑا مسئلہ درپیش ہے۔ ہے ناں۔" وہ زہرخند سے گویا ہوئی "آپ جیسا
اختیار جاگیردار بھی مجبور ہے۔ دوسرا بھائی دل کے ہاتھوں مجبور ہے۔ اس کی مجبوری بھی بہت
جینوئن" ہے۔ کیا کیا جائے۔ لگتا ہے کہ آپ کے ہاں مجبور لوگوں کا ایک کنبہ آباد ہے۔"

ساحر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ عجیب پاگل اور سرپھری لڑکی ہے۔ کچھ لوگوں کے ساتھ کی
نیکی گلے پڑ جاتی ہے۔ سو یہاں بھی یہی حال ہے۔

"آپ تو خود اپنی دشمن بنی بیٹھی ہیں۔ جس کو خود اپنے ساتھ ہمدردی نہ ہو اُس کے ساتھ
ہمدردی کون کرے گا۔"

یاسمین بیگم پیکٹ لے کر آ گئی تھیں۔ وہ اُن کے ہاتھ سے لے کر سلام کرنے کے بعد سڑک
کنارے کھڑی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے یونہی اس کی نگاہ سامنے والے گھر کے ٹیرس پر سبز سوٹ میں
اس تار پر کپڑے پھیلاتی لڑکی پر اٹھ گئی۔

"یہ تو وہی ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"زرلالہ۔ ہاں یہی نام بتایا تھا اس نے ڈاکٹر کو۔" ذہن پر ذرا سا زور دینے کے بعد اسے
اس کا نام یاد آ گیا۔

زرلالہ اپنے دھیان میں کپڑے پھیلا کر اندر چلی گئی تھی۔

ساحر نے بغیر کسی ارادے کے سامنے والے گھر کے گیٹ کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ پھر
مین گیٹ کے آگے جا کر رک گیا جیسے اپنی آمد کا جواز سوچ رہا ہو۔

"نہیں۔" بیل کی طرف بڑھتے ہاتھ کو روک کر اس نے سوچا۔

"یہ مناسب نہیں ہوگا۔ بھلا کیا کہہ کر تعارف کرواؤں گا یا بات آگے بڑھاؤں گا۔ بنا کسی
تعلق یا کام کے کسی اجنبی کے گھر پہ دستک دینا زیب نہیں دیتا۔" اس کا خود احتسابی نظام پوری
طرح چالو تھا چنانچہ خود بخود اس کے قدم پیچھے ہٹ گئے۔

مگر اسی وقت ایک دلچسپ اتفاق ہوا۔

ولی چھوٹا دروازہ کھول کر بال اٹھانے گھر سے باہر آیا تھا۔

"انکل آپ!" جانے پہچانے چہرے اور خدوخال نے ولی کی یادداشت کا بزر بڑے

مناسب وقت پر بچایا تھا۔

"آپ ساحر انکل ہیں ناں!" ولی کے لہجے میں جوش تھا "وہی...... جو مجھے ہاسپٹل لے گئے تھے؟"

"درست پہچانا۔" ساحر نے بھرپور مسکراہٹ لئے اس کے گال تھپتھپائے۔

"آپ یہاں کیسے آئے انکل۔"

"کسی کام سے آیا تھا۔ آپ پر نظر پڑی تو ٹھہر گیا۔"

"آئیں انکل، اندر آئیں ناں۔" ولی نے چھوٹا دروازہ کھول کر اخلاق سے دعوت دی۔

"کس کو اندر لا رہے ہو ولی۔ مما نے بغیر اجازت کسی کو گھر بلانے سے منع کر رکھا ہے۔ ان سے پوچھ تو لیتے۔"

ولی سے ایک سال بڑا علی گیٹ کے پاس آ کر بڑے بُردبار لہجے میں چھوٹے بھائی سے مخاطب تھا۔

پھر ساحر کی متین و مدبر شاندار شخصیت دیکھ کر جھجک کر چپ سا ہو گیا۔

"بھائی یہ ساحر انکل ہیں۔ وہی والے۔"

ولی غالباً بھائی کو اس دن کی ساری تفصیلات سنا چکا تھا۔

"السلام علیکم انکل۔" علی نے مودب ہو کر ہاتھ ملایا۔

"وعلیکم السلام۔" ساحر نے بھرپور گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔

"آپ ایک منٹ یہاں رکیں گے انکل؟" علی نے مہذبانہ انداز میں دریافت کیا "مما سے پوچھ آؤں پھر آپ کو اندر بلاتا ہوں۔" کیا بلا کی سعادت مندی اور فرمانبرداری تھی۔ سا بچوں کی ماں پر رشک آیا۔

"اب چلوں گا برخوردار۔ میں بیٹھنے کے نہیں آیا تھا اور......"

"علی۔ ولی۔ بھئی کدھر ہو اور یہ گیٹ کیوں کھولا ہوا ہے۔"

ساحر کی بات پوری نہیں ہو سکی تھی کہ زرلالہ نمودار ہو گئی۔

"مما۔ یہ انکل آئے ہیں۔ وہی والے۔" ولی نے اپنے سابقہ بھولپن سے اطلاع پہنچائی۔

"کون سے انکل۔" زرلالہ نے گیٹ سے باہر نکل کر جھانکا اور پھر اسے سامنے پا کر متحیر رہ گئی۔ وہ اسے پہچان گئی تھی۔

"جی فرمائیے۔ کس سلسلے میں تشریف آوری ہوئی۔"

وہ بغیر لگی لپٹی کے سپاٹ انداز میں پوچھ رہی تھی گویا اس روز کی تلخی ذہن میں محفوظ تھی۔

"یونہی گزرتے ہوئے بچے پر نگاہ پڑ گئی تھی۔ اس لئے چند لمحوں کے لئے ٹھہر گیا۔ آپ کو اعتراض ہے تو چلا جاتا ہوں۔"

"میری پسند یا مرضی سے تو آپ آئے بھی نہیں تھے۔" زرلالہ کا لہجہ خشک رہا۔ ساحر کو اس کا انداز توہین آمیز اور ناگوار محسوس ہوا۔

"او کے بیٹے۔ خدا حافظ!" وہ دونوں بچوں سے ہاتھ ملا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"اچھے تھے ناں ساحر انکل۔" ولی ماں سے نظر بچا کر سرگوشی میں علی کی رائے دریافت کرنے لگا۔

"ہاں۔" علی نے خاموشی سے تائید کی پھر ماں کی طرف دیکھا۔

زرلالہ سر جھٹک کر بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئی تھی۔

O☆O

"دھیان سے ساری چیزیں رکھ لو۔ کہیں کچھ رہ نہ جائے۔ جانے کتنے دن لگیں پھر ہے بھی ہالا بیابان جگہ۔"

نگین مسلسل محسن کو ہدایات دے رہی تھی۔

اظہر خاموشی سے اسے محسن کے ساتھ مصروفِ عمل دیکھ رہا تھا۔

سروے پر ملک آباد جانے کا پروگرام فائنل ہو گیا تھا۔ کل صبح سات بجے ٹیوٹا ہائی ایس نے گھر سے پک کرنے آنا تھا۔ ایمان نے دوپہر کو فون کر کے بتا دیا تھا۔

"اتنے لاڈ پیار سے رخصت نہ کرو بس نگینہ۔ ایسا نہ ہو میرا جانے کو جی نہ چاہے۔" محسن ازار تہہ کرتا ہوا شرارت سے ہنسا۔

"آپ کیوں منہ لٹکائے بیٹھے ہیں داہی بڑے۔"

"لگتا ہے ایم ایس سے زبردست سی ڈانٹ کھا کر آ رہا ہے۔" نگین نے بغور اظہر کا جائزہ

لینے کے بعد قیاس آرائی کی۔

''دو تین دن سے آپ ''فارم'' میں نظر نہیں آ رہے۔ خیر تو ہے ناں۔'' محسن اس کے ا
الجھے تاثرات اور غائب دماغی شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ دونوں بھائی مزاج آشنائی
مقام پر تھے جہاں کیفیات کا معمولی سا رد و بدل اور اتار چڑھاؤ دوسرے فریق کی نظروں
پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔

''خیر ہی ہے۔ انسٹی ٹیوٹ میں ایڈمشن لے لیا ہے ناں۔ جاب کے ساتھ پڑھائی کا
ہو تو بندہ ذہنی طور پر مصروف ہو جاتا ہے۔'' اظہر نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں جواب دیا۔

''پہنچ کر خیریت کی اطلاع ضرور دینا۔'' بیگم ریاض اندر ہی اندر سخت تشویش میں
تھیں۔

''لام پر تو نہیں جا رہا ہوں مادرِ مہرباں۔'' محسن ترنگ سے بولا۔

''شریف لوگوں کو جاگیرداروں کے گورکھ دھندوں میں نہیں پڑنا چاہئے۔ ایسے الجھاؤ
والے بکھیڑے ہوتے ہیں کہ سیدھا سادہ آدمی خبطی ہو کر رہ جائے۔''

وہ مسلسل فکرمند تھیں۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا خالہ۔ کیوں فکر کرتی ہیں۔''

نگین نے تسلی دی۔

اظہر اس دوران قطعی خاموش رہا۔

صبح محسن کو رخصت کرتے سمے بھی اس کی چپ کا قفل نہیں ٹوٹا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے ڈاکٹر صاحب۔''

نگین نے محسن کے جانے کے بعد لاؤنج میں قدم رکھتے ہوئے ہمراہ چلتے اظہر کو بغور
تھا۔

''کچھ نہیں۔''

اظہر کا دھیما انداز اتنا قطعی تھا کہ وہ مزید تفتیش جاری نہ رکھ سکی۔

''ایکسکیوزمی۔ مجھے کچھ کام ہے۔'' وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

یہ گریزپائی، اجنبیت، بات چیت سے احتراز اور کترایا کترایا ٹوٹا ہوا انداز۔

نگین سنجیدگی سے اس کے رویے کی توجیہہ تلاش کرنے لگی۔

O☆O

''یہ کون سی پُراسرار جگہ ہے ایمان بھائی۔''

محسن نے ساتھ بیٹھے ایمان کے کان میں سرگوشی کی۔

ٹویوٹا ہائی ایس ملک آباد کی عالیشان حویلی کے پھاٹک سے گزر کر اندر داخل ہو گئی تھی۔ اب
ں کا رخ مردان خانے کی طرف تھا۔ وہاں جانے کے لئے ایک الگ گیٹ تھا۔ یہ حصہ باقی
مارت سے الگ تھا تاکہ پرائیویسی قائم رہے۔ ملک بابا کی ہدایت پر ساحر اپنے ورکرز کے ساتھ
لی میں قیام کا ارادہ رکھتا تھا۔ سامان سے لدی دو پک اپ گاڑیاں پورچ میں ہی رک گئی تھیں۔

''بھئی یہ ملک آباد کی حویلی ہے۔ ساحر کے دادا کی جاگیر۔''

ایمان نے جواب دیا اور گاڑی کا دروازہ کھلتے ہی باہر نکل آیا۔

''آپ پہلے بھی یہاں آ چکے ہیں؟'' محسن نے تجسس سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''زمینوں پر تو کئی بار آیا ہوں۔ البتہ حویلی کے اندر پہلی مرتبہ قدم رکھا ہے۔ اس سے پہلے
ں کچھ فاصلے پہ بنے ساحر کے والد صاحب کے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا کرتے تھے۔''

''پھر یہ انقلاب کیوں۔ اب کی بار حویلی میں کیوں ٹھہرے ہیں۔''

''ساحر بتا رہا تھا توقیر انکل اور شبیر انکل نے ملک بابا سے بات کی تھی کہ حویلی اور جاگیر پر
ا برابر کا حق بنتا ہے۔ لہٰذا اسے وہی ''پروٹوکول'' اور حیثیت حاصل ہونی چاہئے جو ملک
ب کو حاصل ہے۔''

ایمان ملازم کی مؤدبانہ درخواست پر اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

محسن اس کے ساتھ تھا۔

مردان خانے کے بے شمار کمرے تیار پڑے گویا مہمانوں کے انتظار میں تھے لہٰذا گاڑی میں
الہ افراد چند ثانیے بعد ڈبل بیڈ کے کمروں میں سیٹ ہو گئے تھے۔

ایمان نے محسن کو اپنے کمرے میں ساتھ رکھا تھا۔

نہا دھو کر فارغ ہوئے تو ہر کمرے میں کھانے کی ٹرے پہنچ گئی۔

ساحر ان کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ غالباً حویلی کے اندرونی حصے میں مقیم تھا۔

"ایمان بھائی۔ آئیں باغ میں چہل قدمی کریں۔" محسن نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو شاداب حسین باغیچہ اُسے للچا گیا۔ یوں بھی صبح کو چہل قدمی اور جاگنگ اس کی کمزوری تھی عادت اتنی پختہ تھی کہ سخت سردی میں بھی وہ کوٹ بوٹ چڑھا کر باہر نکل جاتا تھا۔

"یار۔ میرا موڈ نہیں ہے۔"

ایمان نے تساہل سے کروٹ لی۔

"اٹھیں تو۔ موڈ بھی بن جائے گا۔" محسن نے قدرے بے تکلفی سے فرمائش کی۔

"اچھا بھائی۔" وہ کاہلی سے اونگھتے ہوئے اٹھ گیا۔

تمہارے ہاتھ لگے ہیں تو اب کرو سو کرو
وگرنہ تم سے تو ہم سو غلام رکھتے تھے

"آئیں ہائیں۔ یہ کمنٹ ہے یا کمپلی منٹ!" محسن نے آنکھیں نکالیں۔

"دونوں میں سے کچھ بھی نہیں۔" ایمان ہنس دیا اور جھک کر چپل ٹٹولنے لگا "فقط زہا بے ساختگی ہے۔ جو بھی دل میں خیال آ گیا" "بک" "دیا۔" دونوں باتیں کرتے ہوئے باہر آ

ابھی کچھ دور چلے ہوں گے کہ سفید سرسراتے ریشمی فراک پاجامے میں ملبوس ایک ا پھول دوپٹے میں ڈالتے دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

"یہ سچ مچ پریوں کے دیس کی شہزادی ہے یا میرا وہم ہے۔"

ایمان نے آنکھیں مل کر محسن سے تصدیق چاہی۔

سپید چاندی جیسی رنگت، گھور سیاہ موتیوں سی آنکھیں۔

غنچہ دہن، سیمیں بدن۔ سراپے کی نازکی ونرمی ایسی کہ چنبیلی کی ڈال کو شرمائے۔

وہ اپنے دھیان میں باؤنڈری وال کے ساتھ لگی پھولوں کی بیلوں سے پھول چُن رہی

اسی اثنا میں اچانک ہی منظرنامے میں ساحر شامل ہوگیا۔ وہ ٹریک سوٹ میں تھا، جاگنگ کر کے آیا تھا۔ حویلی کا پھاٹک عبور کرنے کے بعد وہ اپنی دُھن میں سبزے پر بھا طرف آرہا تھا۔ پھر اس ہوشربا ساحرہ کو دیکھ کر وہ بھی ایمان اور محسن کی طرح ٹھٹک کر رک گیا

اس کی موجودگی ساحر کے لئے بہت غیر متوقع تھی۔

پھر انہوں نے سنا۔ ساحر لڑکی سے مخاطب تھا۔

"اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو آپ سرفراز انکل مرحوم کی بیٹی ہیں۔ آپ کا نام اس وقت ذہن میں نہیں آرہا۔"

"آپ نے ٹھیک پہچانا۔" لڑکی کی آواز میں غضب کی ملاحت اور لوچ تھا۔

"میرا نام شہریال ہے اور میں نہ صرف آپ کو جانتی ہوں بلکہ آپ کے نام سے بھی واقف ہوں۔ آپ توقیر تایا کے بیٹے ساحر ہیں ناں۔ سمیر بھائی سے چھوٹے۔ جو انجینئرنگ کی تعلیم کے لئے ملک سے باہر گئے ہوئے تھے۔"

شہریال کے انداز میں اپنائیت اور رشتے کا احترام تھا۔

"فہد کیسا ہے۔ اس کا کوئی خط یا فون وغیرہ آیا؟" اب وہ خاندانی ذاتیات پر بات کر رہے

"وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ ان کا دل لگا ہوا ہے۔ پچھلے ماہ فون پر بات ہوئی تھی۔"

"اور آپ کیا کر رہی ہیں۔ میرا مطلب ہے کیا مشغل ہیں۔"

ساحر کے انداز میں محسوس کی جانے والی دلچسپی اور توجہ شامل تھی۔

"میں نے حال ہی میں ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا ہے۔ آج کل ہاؤس جاب کر رہی ہوں۔"

"کس ہاسپٹل سے۔"

"پمز سے۔"

"اوہ گویا اسلام آباد میں روز کا آنا جانا رہتا ہے۔ کبھی ملک ہاؤس نہیں آئیں۔"

"میرا تو بہت جی چاہتا ہے آنے کو مگر......"

شہریال مصلحتاً خاموش ہوگئی۔

"کیا بات ہے بھئی۔ زاہد خشک جناب ساحر ملک صاحب کس طرح مست ہو کر لہک لہک کر اس آئینہ سے باتیں کر رہے ہیں۔ چلو کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔" ایمان نے محسن کے کان میں کہی تھی۔ دونوں سائیڈ پر تھے اس لئے ابھی تک شہریال اور ساحر کی نظر میں نہ آسکے تھے۔

"السلام علیکم۔ چھوٹے ملک آپ ناشتہ اندر کریں گے یا مردان خانے میں اپنے آدمیوں کے ساتھ۔"

سانولا سلونا متین صورت مہذب نو جوان ساحر کے پاس آ کر ادب سے پوچھ رہا تھا۔

''آؤ سکندر۔ کیسے ہو تم۔ تمہارا زخم ٹھیک ہو گیا؟''

''جی۔ شکریہ۔'' وہ انکساری سے بولا پھر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''یہ اندر ہمارے ساتھ ناشتہ کریں گے۔'' ساحر سے پہلے ہی شہریال بول اٹھی۔

''ٹھیک ہے۔'' سکندر واپس مڑ گیا۔

''آیئے ناں۔ پلیز۔'' شہریال نے بڑے اخلاق سے ساحر کو دعوت دی۔ وہ پھول میں سمیٹے اس کی طرف آئی تھی۔ اسی آن کھلے پھاٹک سے ملک دُراب کی جیپ اندر داخل ہوئی ایک لمحے کو شہریال کو چکر سا آ گیا۔

اس نے خوفزدہ نظروں سے ساحر کی طرف دیکھا۔

اچانک دُراب کو سامنے پا کر ساحر ایک ساعت کو چونکا ضرور تھا تاہم وہ پُرسکون کھڑا رہا

ملک دُراب ایک دھاڑ کے ساتھ جیپ کا دروازہ بند کر کے نیچے اترا تھا۔

اس کے ہولسٹر میں ریوالور جھانک رہا تھا اور کندھے پر شکاری بندوق تھی۔

آنکھوں میں دہکتی چنگاریاں دور سے بھی بخوبی دکھائی دے رہی تھیں۔

اپنی منگیتر کو دشمنِ اول کے ساتھ بے تکلفی سے گپیں ہانکتے اور ہنستے مسکراتے دیکھ کر کچھ نہ کرتا وہ کم تھا۔

O☆O

''دیکھیں تو۔ کیا حشر بنا رکھا ہے اپنا۔ چندا سے کہتیں وہ روٹیاں ڈال لیتی۔ ابھی تو پیروں کے آبلے بھی ٹھیک نہیں ہوئے۔ چلیں چھوڑیں یہ آٹا واٹا۔''

راحت نے طلعت کا بازو پکڑ کر چولہے کے آگے سے اٹھا دیا۔

وہ احتجاج کرتی رہ گئی۔

''جابر آنے والے ہیں انہیں کھانا دینا ہے۔ میں ٹھیک ہوں بس ذرا چکر آ رہے تھے

''کمزوری سے چکر تو آئیں گے۔'' راحت نے ڈانٹا ''بی پی ڈاؤن ہو رہا ہے۔ یقینا کو کب چیک اپ کروایا تھا؟''

وہ اُسے لے کر اس کے کمرے میں آ گئی اور پلنگ پر لٹا کر جوتے اتارنے لگی۔

''ڈاکٹر کو!'' طلعت چونکی۔ غالباً ڈیڑھ برس قبل اس نے ہسپتال کی شکل دیکھی تھی جب اس ثان خطرناک حد تک بگڑ گیا تو صفیہ لے کر ہسپتال آئی تھیں۔

''کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ پیسہ اور وقت برباد کرنے کی۔'' وہ کمزور سے لہجے میں بولی۔

نے گھور کر اُس کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا ہو گیا آپا آپ کو۔ مظلومیت کی اعلیٰ مسند پر فائز ہو جانے سے کچھ بھلا نہیں ہوتا بندے اُس کے لئے آپ ناحق سزا بھگت رہی ہیں؟''

''تو پھر کیا کروں۔ تم' عفت' فرحت' بچوں کی تعلیم' ابا کی ریٹائرمنٹ اور بڑھاپا' پھر گھر کی کس کس چیز کو نظرانداز کروں۔ خدا خدا کر کے اُن کے سر سے ایک بیٹی کا بوجھ سرکا ہے' اب ال کے مظالم سے تنگ آ کر میکے جا بیٹھوں کیا۔'' وہ کراہتی ہوئی سر پکڑ کر دبا رہی تھی۔

راحت اُس کے ہاتھ ہٹا کر خود پیشانی دبانے لگی۔

''میں نے یہ کب کہا کہ گھر چھوڑ دیں مگر کم از کم یہاں کے مکینوں کو اپنے وجود کا' اپنے مقام پاس تو دلائیں۔ جانتی ہیں جابر بھائی کیا کرتے پھر رہے ہیں باہر۔ وہ اپنے آفس کی لڑکی پینگیں بڑھا رہے ہیں۔''

''نہیں۔ جابر ایسے نہیں ہیں۔ تمہیں یقینا غلط فہمی ہوئی ہو گی۔'' طلعت نے پورے یقین کہا۔

''یہی تو بات ہے۔ خاوندوں پر اندھا یقین ہی بے خبر عورتوں کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔''

نے ٹھنڈی سانس لی۔

''میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔'' راحت نے ساری تفصیلات بتائیں۔ طلعت کا پہ کا پڑ گیا۔ تاہم آنکھوں میں بے یقینی کے رنگ تھے۔

''تم نے ٹھیک سے دیکھا نہیں ہو گا۔''

''میں آج بھی یہی دیکھ کر آ رہی ہوں۔ میں اسلام آباد گئی تھی۔ مہرینہ کی شادی کے لئے گئے کپڑے دیکھنے۔ واپسی پر میں نے جابر بھائی کی بائیک ایک ریسٹورنٹ کے آگے رکتی اُن کے پیچھے وہی عورت بیٹھی ہوئی تھی پھر دونوں اتر کر اندر چلے گئے۔''

طلعت کی مٹھیاں اضطراری انداز میں کھلتی اور بند ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ راحت کے ہاتھ ہٹا

کر اٹھ بیٹھی۔

کچھ دیر تک خالی خالی نظروں سے سامنے کی دیوار کو گھورتی رہی۔

پھر ہونٹ بھینچ کے عجیب سے انداز میں راحت کی طرف دیکھنے لگی۔

''تم شروع سے جابر کے ساتھ بدتمیزی کرتی رہی ہو۔ انہیں ناپسند کرتی ہو اس لئے
ہر بات تمہیں قابلِ گرفت نظر آتی ہے۔ تم چاہتی ہو میں بھی ان سے متنفر ہو جاؤں۔ ہے ناں
لئے جھوٹ طوفان گھڑ رہی ہو۔ یہی بات ہے ناں۔''

مجھے کیا ضرورت ہے داستان گھڑنے کی۔'' راحت کو بہن کی بے اعتباری اور بداعتمادی
سخت دکھ ہوا تھا۔

۞۞۞
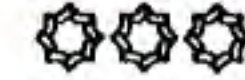
''ضرورت تو ہے تمہیں۔'' طلعت نے زور دے کر جملوں کی ادائیگی کی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آپا۔'' راحت کو سچ مچ غصہ آ گیا۔ ''مجھے کیا ضرورت ہے آپ
اور آپ کے شوہر کے درمیان بدمزگی یا نفرت پیدا کرنے کی۔''

''تمہاری اپنی شادی جو نہیں ہوئی۔ ابھی تک کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہیں آیا۔ لے دے کر
ان میں ایک ہی رہ گیا ہے وہ بھی نکما اور نکھٹو۔''

طلعت کا ہسٹریا خطرناک حد کو چھو رہا تھا۔

اُس کا بھنچا بھنچا مضطرب لہجہ آنسوؤں کی نمی لئے ہوئے تھا۔

راحت اس کی حالت کے پیشِ نظر اس کے تلخ الفاظ نظر انداز کر کے آگے بڑھی اور کمر کے
ہاتھ ڈال کر اسے بستر کی طرف لانے لگی۔

''آرام سے آپا۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ چلیں ادھر بیٹھیں بلکہ لیٹ جائیں۔''

''چھوڑو مجھے۔'' طلعت ہذیانی انداز میں چیخی۔

''چھوڑ دو مجھے اکیلا۔ نہیں چاہئے مجھے کسی کا سہارا۔'' وہ روتے ہوئے اپنا آپ چھڑوانے
لگی۔

راحت اُس کی کیفیت سمجھ رہی تھی۔ جابر کے سنگدلانہ رویے اور سختی نے طلعت کو اتنی اذیت

نہیں دی تھی، جتنی اُن کی بے وفائی اور خیانتِ مجرمانہ نے اس کے دل کو زک پہنچائی تھی۔ وہ ا
تکلیف دہ انکشاف کو قبول نہیں کر پا رہی تھی اس لئے ردِعمل کے طور پر اس کے دماغ نے حقیقت
سے انکار کی حکمتِ عملی اپنا کر گویا اذیت سے وقتی فرار حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔

''اے ہے۔ ادھر کیا دنگل لگا ہوا ہے۔'' صفیہ اندر آ کر اپنے مخصوص چبھتے ہوئے انداز
مخاطب ہوئیں۔ اُن کی تمسخرانہ نظریں بیک وقت راحت اور طلعت کا احاطہ کر رہی تھیں۔

''کچھ نہیں ہوا۔ بس مرنے کی کسر رہ گئی ہے۔'' راحت طلعت کو سنبھالتے ہوئے خشک
میں صفیہ سے گویا ہوئی۔ ''کیا حال ہو گیا ہے ان کا۔ آپ سے اتنا نہیں ہوا کہ کسی ڈاکٹر کو ہی د
دیتیں۔ انہیں ذہنی اور جسمانی آرام کی سخت ضرورت ہے۔ حالت دیکھی ہے آپ نے۔''

''کہ تو ایسے رہی ہو جیسے اس کی حالت کے ذمے دار ہم ہیں۔''

صفیہ چمک کر بولیں۔ انہیں تپ چڑھ گئی تھی۔

''شادی کے بعد لڑکی سسرال والوں کی ذمے داری ہوتی ہے۔ اس کی ضروریات، مسائل
صحت اور خوشی کا خیال رکھنا سسرالی عزیزوں کا فرض ہوتا ہے۔ کون ہے ذمے داران کی اس بد
سے بدتر حالت کا۔'' راحت نے آج کسی بات کا لحاظ نہ رکھنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

''آرام سے بی بی آرام سے۔ بولنے سے پہلے دیکھ لو کس جگہ کھڑی ہو۔''

صفیہ نے تیوریاں بدل کر اکل کھرا انداز اپنا لیا۔ وہ یہ احساس دلا رہی تھیں کہ اس کی زبا
درازی کا خمیازہ بہن کو بھگتنا پڑے گا۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے۔ ٹھیک ہوں میں۔ کیوں تماشا بنا رہی ہو میرا۔''

طلعت نے جھنجلا کر راحت کا ہاتھ ہٹایا، وہ ساس کی شعلہ بار نگاہوں سے سہم سی گئی تھی۔

''تم گھر جاؤ۔ اماں پریشان ہوں گی۔''

''یہاں ماں کی پریشانی کی کس کو پروا ہے۔ شُتر بے مہار جہاں جی چاہئے منہ اٹھا کے نکل
کھڑی ہوئیں۔ کہنے کو کالج سے ہو کے آتی ہیں۔ اب بھولے اماں باوا کیا جانیں، واپسی کے را
میں کہاں کہاں پڑاؤ ہوتا ہے۔''

صفیہ انجان بنے کے سے انداز میں تیر برسا کر چلتی بنیں۔

''سن رہی ہیں، اپنی ساس صاحبہ کے ارشادات!'' راحت نے جتلانے والی نگاہ بہن

امت کے چہرے پر کوفت، خفگی اور خوف بھری بے بسی کے تاثرات رقم تھے۔

''کیا کروں پھر میں۔ بس دشواری یہ ہے کہ مر نہیں سکتی۔'' وہ چکراتے سر کو پکڑ کر پاس رکھے
ہ گئی۔ دل کے اندر آنسوؤں کا ایک سیلِ رواں جمع ہو گیا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے
ل کو بمشکل دبا رہی تھی۔

امت نے ایک نظر بہن کی شکستہ خاطر کیفیت کا جائزہ لیا پھر خاموشی سے باہر نکل گئی۔

مں حالت میں فریب کھانا اور خود کو دھوکے میں رکھنا بہت ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کے
ان نہیں ہوتا۔

O☆O

حر بڑے پُراعتماد اور بے نیاز انداز میں قدم جمائے سینے پر بازو لپیٹے ملک دراب کو اپنی
دیکھ رہا تھا۔ اُس کے چہرے یا آنکھوں سے کسی قسم کے اضطراب، بے چینی یا بوکھلاہٹ
ہو رہا تھا۔

یلی میں بڑی رونقیں اتری ہوئی ہیں۔ بہت خوب......''

دراب عین اُس کے سامنے چند قدم کے فاصلے پر آ کھڑا ہوا اور بظاہر بڑے خوشگوار
حر سے مخاطب ہوا۔ عین ٹائم پر اس نے اپنی حکمتِ عملی تبدیل کر لی تھی۔ غالباً شہریال
ب شائستگی اور رواداری کا سکہ جمانا مطلوب تھا۔

سے کب تشریف آوری ہوئی۔'' گھنی پلی پلائی مونچھیں مروڑتے ہوئے دراب نے
لئے ہاتھ بڑھایا۔

ات کو پہنچے تھے۔'' ساحر نے سپاٹ انداز میں ہاتھ ملا کر چھوڑ دیا۔ وہ دراب کے لہجے کی
گی خوشگواریت اور اپنائیت کے جھوٹے انداز کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔

لمڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ جا کر بندوں کی روٹی پانی کا انتظام کرو۔''

اب ہی دراب کچھ فاصلے پر متذبذب کھڑے سکندر پر الٹ پڑا تھا، یوں جیسے اپنی
ال فریب پر انڈیل کر غصہ ٹھنڈا کرنا چاہتا ہو۔

''سکندر خاموشی سے چلا گیا۔

"تمہیں غالباً ہسپتال جانا تھا۔" دراب نے شہریال کی طرف دیکھتے ہوئے سپاٹ
مخاطب کیا۔

"جی۔ جی۔" شہریال یوں تو دراب ملک کے تیوروں کو خاطر میں نہ لاتی تھی مگر
صورت حال ایسی تھی کہ وہ سچ مچ اس سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔ وہ دوپٹہ سر پر جماتی تیز قدموں
اندر چلی گئی۔

"آیئے' تشریف لایئے۔" دراب نے چبھتی ہوئی مسکراہٹ سمیت ساحر کی طرف

"شکریہ۔ وہ پُرسکون رہا' "میرا اپنا گھر ہے۔ جب اور جہاں دل چاہے جا سکتا ہوں"
اطمینان سے ایڑیوں کے بل گھوم کر اس سمت پلٹ گیا جہاں ایمان اور محسن دم بخود کھڑے
ملاحظہ کر رہے تھے۔

دراب سر جھٹک کر دوسری طرف چل دیا۔

دونوں کے تیور کہہ رہے تھے "پھر ملیں گے۔ کسی "اور" ..... انداز میں۔"

O☆O

"مما حمیدی صاحب آئے ہیں۔" زرلالہ ہسپتال جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی'
نے آ کر اطلاع دی۔

"حمیدی صاحب؟" ایک لمحے کو وہ بالکل نہیں سمجھی۔

"وہی جو تین چار گھر چھوڑ کر رہتے ہیں۔ انکل کے افسوس کے لئے بھی آئے تھے"

"اچھا۔" زرلالہ نے سر ہلایا۔ حمیدی صاحب پینتالیس چھیالیس برس کے ادھیڑ عمر
اور خلیق قسم کے آدمی تھے۔ اوورسیز کا کام کرتے تھے' مالی اعتبار سے خوشحال اور آسودہ
بچے ملتان میں آبائی گھر میں مقیم تھے۔ یہاں اکیلے سکونت پذیر تھے۔ محلے والوں کے دکھ
شریک ہونا اپنا فرض سمجھتے تھے۔

"السلام علیکم۔" زرلالہ اچھی طرح دوپٹہ سر پر جما کر گیٹ پر آئی تھی۔

ہلکے سبز مائل کاٹن کے شلوار قمیص میں ملبوس ٹھگنے اور قدرے فربہی مائل حمیدی صا
بالوں سے تقریباً خالی گول سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے چونک کر اس کی طرف مڑے۔

"وعلیکم السلام۔ میں ادھر سے گزر رہا تھا' سوچا مسز شہاب کا حال چال پوچھ لوں اور

ت بھی دریافت کر لوں۔ پچھلے ہفتے میں سکھر گیا ہوا تھا ورنہ ضرور حاضری دیتا۔" وہ بڑے
ے گویا ہوئے۔

"ابھی تک تو وہی بے خبری کی کیفیت ہے۔" زرلالہ افسردگی سے بولی۔

"اللہ اپنا کرم کرے گا۔" انہوں نے تسلی دی۔

"اور گھر میں تو سب خیریت ہے ناں۔ کسی چیز یا مدد کی ضرورت ہو تو بلا تکلف کہہ دیجئے

"بہت شکریہ حمیدی صاحب۔" وہ ممنون ہوئی۔

"شکریے کی کیا بات ہے' آپ میری بیٹی اور بہن کی جگہ ہیں۔" انہوں نے دلدہی سے کہا۔
ہت اور مشکل کسی پہ بھی آ سکتی ہے۔ ہم بھی بہنوں بیٹیوں والے ہیں۔ آج کسی کے دکھ سکھ
یک ہوں گے تو کل کوئی ہمارے کام آئے گا۔"

"یہ آپ کی نیک سوچ ہے ورنہ کون کس کے لئے سوچتا ہے۔" زرلالہ دلی شکر گزار ہوئی۔

"یہی تو غلط بات ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔" انہوں نے شدومد سے کہا "ہم ہر کام کے
ل ڈھونڈتے ہیں۔ اپنا مفاد تلاش کرتے ہیں۔ انسانی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات
ہ کہانیوں کی باتیں ہو کر رہ گئے ہیں۔ خیر ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کسی پہ اعتبار کرتے ہوئے بھی
ا ہے کہ خدا جانے کون کیسا نکلے۔"

"جی ہاں' آپ بجا فرما رہے ہیں۔" زرلالہ نے تائید کی۔

"اندھا دھند اعتبار کرنا بھی نہیں چاہئے باجی۔" وہ اپنے پُرخلوص جذبات کی شدت وحدت
ر کرنے کے لئے باجی کا طرز تخاطب اختیار کر گئے۔

زرلالہ کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی۔

"بہرحال میں آپ کو یہ تو نہیں کہوں گا کہ مجھ پر مکمل اعتبار کر کے اپنے مسئلے مسائل بتائیں
آپ کہیں گی کیا گارنٹی ہے' آپ کے مخلص اور شریف ہونے کی مگر پھر بھی اتنا ضرور کہوں گا کہ
م کی پریشانی میں جب جی چاہے' بے دھڑک بلوا لیجئے گا۔ میں ہر طرح سے آپ کی خدمت کو
ا ہوگا۔" انہوں نے انکساری سے یقین دلایا۔

"کیوں شرمندہ کرتے ہیں بھائی صاحب۔" انہوں نے باجی کہا تو اس نے بھی اسی حساب

سے انہیں بھائی صاحب کا خطاب دے ڈالا۔

''آپ جیسے لوگوں سے مل کر یہ احساس ہوتا ہے کہ انسانیت ابھی ختم نہیں ہوئی۔ لوگ بے غرض اور مخلص ہو کر سوچتے ہیں۔ آپ آیئے ناں اندر تشریف لایئے۔''

''نہیں اب چلوں گا باجی۔ آپ شاید کہیں جا رہی ہیں۔''

''ہاں، جیا کی خبر لینے ہسپتال جا رہی تھی۔''

''آیئے میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔ میں بھی کمپلیکس کی طرف ہی نکل رہا ہوں۔''

''ارے نہیں، آپ کو زحمت ہوگی۔''

''زحمت کیسی۔ کمال کرتی ہیں آپ۔ چلئے آیئے۔'' انہوں نے اصرار کیا تو زرلالہ پس و پیش کے بعد رضامند ہوگئی۔ ماسی کو بچوں کا خیال رکھنے کی تاکید کرنے کے بعد وہ ان کی سفـ کرولا کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

وہ دھیمی رفتار سے گاڑی چلاتے ہوئے جیا کی بیماری کے متعلق باتیں پوچھتے رہے۔

''اس طرح تو باجی آپ کو دو تین بار ہسپتال کا چکر لگانا پڑتا ہوگا۔ کیسے انتظام کرلی آنے جانے کا۔''

''ٹیکسی سے۔''

''مگر یہ تو اچھا خاصا مہنگا اور رسکی پڑتا ہے۔'' وہ فکرمند ہوئے۔

''یہ تو ہے بھائی صاحب۔''

''آپ اپنی کار کیوں نہیں خرید لیتیں؟'' انہوں نے سوچ کر مشورہ دیا ''ایک ڈیڑھ لا سیکنڈ ہینڈ سوزوکی لے لیں۔ پیسوں کی بھی بچت ہوگی اور تحفظ بھی رہے گا۔''

''مگر یہ ایک ڈیڑھ لاکھ آئیں کہاں سے۔'' وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی جیسے انہ کوئی ناممکن بات کہہ دی ہو۔

''آپ مجھ سے لے لیں۔'' وہ جھٹ بولے۔

''ارے نہیں، نہیں۔'' وہ بے ساختہ تردیدی انداز میں سر ہلانے لگی۔

''نہیں کیوں۔ اُدھار سمجھ کے لے لیں۔ مجھے جب ضرورت ہوگی، آپ سے ما گا۔'' انہوں نے یوں کہا، جیسے بات ایک ڈیڑھ لاکھ کی نہیں اسی روپے کی ہو رہی ہو۔ زر

''خلوص اور ایثار کا ایسا طوفانی مظاہرہ بھی اچھا نہیں ہوتا بھائی صاحب۔ مجھے جب خدا ے گا، اپنی گاڑی لے لوں گی۔ آپ کی آفر کا بے حد شکریہ ابھی حالات اجازت نہیں بھی اچھے حالات ہوئے تو پہلے ڈرائیونگ سیکھوں گی پھر کار لوں گی۔''

''ڈرائیونگ آپ مجھ سے سیکھ لیجئے۔'' وہ پھر اپنے بے لوث جذبات کا اظہار کر گئے ''میری ی پر اچھی طرح پریکٹس کر لیں پھر بھلے سے اپنی گاڑی خرید لیجئے گا۔''

''بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی بھائی صاحب۔ ابھی تو سامنے کھڑے مسائل کے پہاڑ ہیں۔'' وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

ہسپتال آ گیا تھا۔ وہ شکریہ کہہ کر اتر گئی۔ ایک گھنٹے بعد واپس آئی تو حمیدی صحب کی کرولا ہی تہاں کھڑی دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''ارے آپ گئے نہیں بھائی صاحب!''

''میں نے سوچا، آپ کو واپسی میں سواری کی پریشانی ہوگی۔'' وہ سادگی سے بولے۔

''میرے خدایا۔ آپ اس فکر میں اپنے کام کا حرج کر کے گھنٹے بھر سے انتظار کر رہے'' زرلالہ نے سر پکڑ لیا۔ ایسی بھی کیا ایثار پسندی۔

''تو کیا ہوا باجی۔ آیئے آپ۔'' انہوں نے فرنٹ ڈور کھولا۔

''مجھے میڈیکل سٹور سے کچھ دوائیں لینی ہیں۔''

''لے لیتے ہیں۔ آپ آیئے تو۔'' ناچار اُسے بیٹھنا پڑا۔

''لایئے، پرچی مجھے دیجئے۔'' میڈیکل سٹور کے سامنے گاڑی روک کر انہوں نے اُس کولڈ ال۔ زرلالہ نے پیسے بھی تھمانے چاہے مگر انہوں نہیں لئے۔

''یہ غلط بات ہے بھائی صاحب۔'' وہ دوائیوں کا پیکٹ لے کر واپس آئے تو زرلالہ نے فکر کیا۔

''بھائی بھی کہتی ہیں اور غیریت بھی برت رہی ہیں۔'' انہوں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر سے کہا۔

''مجھے سپر مارکیٹ کی بیک پر اتار دیجئے گا بھائی صاحب۔ بچوں کے ایڈمشن کے لئے ایک

سکول میں پتا کرنا ہے۔"

"بہت بہتر۔" انہوں نے گاڑی مطلوبہ روڈ پر ڈال دی اور دھیرے دھیرے چلانے

"تنہا زندگی بھی ایک عذاب سے کم نہیں ہے۔"

"صحیح کہتے ہیں آپ۔" زرلالہ کے منہ سے بے اختیار آہ نکل گئی۔

اُس سے بڑھ کر کسے پتا ہوگا کہ تنہائی کتنی ظالم ہوتی ہے۔

کتنی ڈرا دینے والی اور تکلیف دہ چیز ہے۔

"آپ بھی تو بہت تنہا ہو گئی ہوں گی مسز شہاب کی بیماری کے بعد۔"

انہوں نے گردن موڑ کر اُس کے نرم گلابی چہرے پر چھانے والی افسردگی کو نوٹ کیا

"جی یہ تو ہے مگر بچوں کی وجہ سے آسرا رہتا ہے۔"

حمیدی صاحب نے دوبارہ گہری ہمدردی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"آسرا تو سچ پوچھیں کسی کا بھی نہیں ہوتا زرلالہ جی۔" انہوں نے تاسف سے کہا"
لیں بیوی بچوں کے ہوتے ہوئے تنہا۔ ہوں۔ بظاہر سارے رشتے ہیں مگر دنیا کی نظر میں۔
لئے کسی رشتے میں کوئی سکھ نہیں ہے۔"

"آپ نے اپنے بیوی بچوں کو ملتان میں کیوں چھوڑ رکھا ہے۔ یہاں بلوالیں تو رونق
جائے گی اور آپ کی تنہائی بھی دور ہو جائے گی۔"

"وہ لوگ آبائی گاؤں میں زیادہ خوش ہیں۔"

"کتنے بچے ہیں آپ کے؟" اس کے لہجے میں اشتیاق امڈ آیا۔

"دو۔" انہوں نے مختصراً کہا۔

سیکنڈ؟ "پڑھتے ہیں کیا؟"

"ہاں۔ وہاں سکول میں داخل ہیں بڑا بیٹا کالج جاتا ہے۔"

"آپ بچوں کی تعلیم اور بہتر تربیت کے لئے انہیں یہاں اسلام آباد میں داخل کروا

"ان کی ماں نہیں مانے گی۔" انہوں نے بے دلی سے کہہ کر موضوع گفتگو سمیٹ لیا
عادی ہو گیا ہوں اس لائف سٹائل کا۔"

"لیکن ایسے زندگی گزارنا بہت مشکل ہوتا ہے۔" زرلالہ نے آنکھیں پھیلا کر حیر

ل دیکھا۔ وہ خوش دلی سے مسکرائے۔

"نہیں۔ اگر بندہ لوگوں کے کام آتا رہے تو ان کی خوشی غمی اپنی ہو جاتی ہے۔ ان کاموں
کر اپنی ذات کے لئے سکھ چین کا تصور کہیں پیچھے رہ جاتا ہے۔

"اوہ۔ ویری نائس۔" بے اختیار زرلالہ کے منہ سے نکلا۔

کول سے ایڈمشن کا معلوم کرنے کے بعد جب زرلالہ گیٹ پر آئی تو حسب سابق وہ گاڑی
ی کی پشت سے ٹیک لگائے سکون سے محوِ انتظار تھے۔

زرلالہ کو ان کی حالتِ سکون پر حیرت ہوئی۔

س درجہ صبر اور اطمینان کے ساتھ منتظر تھے' گویا یہ کام خالصتاً ذاتی ہو۔

انتظار کی کوفت یا جھلاہٹ کا دور دور تک نشان نہیں تھا۔

وہ استعجاب کے عالم میں دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"آپ خواہ مخواہ میری وجہ سے اپنا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں' بھائی صاحب۔"

"کس نے کہا' وقت برباد ہو رہا ہے؟" وہ مسکرائے "میرے خیال میں وقت کا اس سے اہم
ل کوئی ہو ہی نہیں سکتا کہ انسان اسے دوسروں کے لئے وقف کر دے۔" انہوں نے سپر
ے کے مشہور ریسٹورنٹ "ہیونز" کے آگے گاڑی روک دی۔

"اندر چلیں یا گاڑی میں بیٹھے رہیں؟"

"ارے' یہ تو زیادتی ہے بھائی صاحب۔" وہ پُر زور احتجاج کرنے لگی۔

"زیادتی کی کیا بات ہے۔" وہ والٹ جیب سے نکالنے لگے۔ "اتنی دیر سے پھر رہے ہیں۔
پیاس بھی تو انسان کو ہی لگتی ہے۔ میرا خیال ہے' یہیں گاڑی میں منگوا لیتے ہیں۔"

انہوں نے باہر کھڑے باوردی چوکیدار کو ہارن بجا کر متوجہ کیا اور چکن برگر کے ساتھ کولڈ
ں اور آئس کریم کا آرڈر دیا۔

زرلالہ منع کرتی رہ گئی۔ اسے یہ تکلف بہت زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔ یوں بھی اسے بچوں کی فکر
لا تھی۔ وہ گھر جانے کے لئے بے تاب تھی۔ جا کر ان کے لئے لنچ تیار کرنا تھا پھر اس طرح
ی صاحب کے ساتھ یہاں آنا اسے اچھا بھی نہیں لگ رہا تھا۔ بے شک عمر میں وہ اُس کے
ے کے برابر تھے اور دیکھنے میں بھی اپنے ٹھگنے قد' فربہ جسامت اور گنجے گول سر کی وجہ سے کہیں

سے بھی ہیرو نہیں لگتے تھے مگر پھر بھی مرد تو تھے۔ بغیر کسی معقول رشتے کے کھانے پینے کا
اقدام مناسب نہیں لگتا تھا۔
''بس بھائی صاحب' اب چلتے ہیں' دیر ہو رہی ہے۔'' اس نے جیسے تیسے پیپسی
گھونٹ لئے پھر واپس پکڑا دی۔ وہ رغبت سے کھا رہے تھے۔
زرلالہ نے برگر اور آئس کریم کو چھوا بھی نہیں۔ مارے باندھے کولڈ ڈرنک لی تھی۔
''چلتے ہیں بابا۔ اچھا یہ پیپسی تو ختم کر لو۔'' انہوں نے قدرے بے تکلفی سے اصرار کیا
وہ اپنی بوتل ختم کر چکے تھے۔
''نہیں' جی نہیں چاہ رہا۔'' وہ اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔
''کمال ہو گیا۔ کھانے پینے کی چور لگتی ہو۔ بھئی اتنا کام کرتی ہو' اپنی صحت اور خورا
خیال رکھا کرو۔'' انہوں نے اس کی چھوڑی ہوئی بوتل سے خود منہ لگا لیا اور دو تین لمبے لمبے گھ
میں خالی کر دی۔
زرلالہ کو عجیب سی جھنجھلاہٹ کا احساس ہوا۔
انہوں نے دوبارہ گاڑی سٹارٹ کر دی۔ راستے میں وہ حسب معمول چہکتے رہے۔ ز
بے دھیانی میں بس ہوں ہاں میں جواب دیتی رہی۔
''آپ اتنی پریشان کیوں ہو گئی ہیں۔ ریلیکس!''
''مجھے بچوں کی فکر ہو رہی ہے۔ بھوکے بیٹھے ہوں گے۔'' اسی لئے تو اس کے اپنے حلق
کچھ نہیں اتر رہا تھا۔
''آپ نے بتایا تو ہے کہ ماسی ان کے پاس ہے۔ وہ کھانا بنا دے گی۔''
''ماسی کھانا ضرور بنا دے گی مگر انہیں کھلا نہیں سکے گی۔ وہ میرے ہاتھ سے کھانے کے
ہیں۔''
''میرا تو موڈ تھا کہ ہم تھوڑی دیر ڈرائیو کریں اِدھر اُدھر بلکہ اچھا موقع ہے' تم بھ
ڈرائیونگ سیکھ لو۔'' انہوں نے گاڑی سنسان راستے پہ ڈال دی تھی۔
''بہت شکریہ۔ پھر کبھی سہی۔'' وہ عجلت سے بولی' یہاں سے واپس موڑ لیں پلیز۔'' گا
چڑیا گھر سے آگے سید پور گاؤں کی طرف جانے والی سڑک پر رواں دواں تھی۔ زرلالہ کے ا

ار پر انہوں نے مجبوراً واپس موڑنے کے لئے گاڑی ریورس گیئر میں ڈالی۔ اسی لمحے کچھ ہوا اور
ل ایک جھٹکے سے بند ہو گئی۔
''کیا ہوا؟'' زرلالہ کے چہرے پر پریشانی تیرنے لگی۔
''کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ چیک کرتا ہوں۔'' حمید صاحب بونٹ کھول کر دیکھنے لگے۔ کافی دیر
کھٹ پٹ کرتے رہے۔ زرلالہ بھی باہر نکل آئی تھی۔
''کوئی ویگن یا ٹیکسی بھی نظر نہیں آ رہی جسے روک کر میں واپس چلی جاتی۔'' وہ ہاتھ مل رہی
ما
''اچھی دوستی نبھا رہی ہو۔ دوست کو مشکل میں چھوڑ کر فرار ہونے کا سوچ رہی ہو۔'' انہوں
ر اٹھا کر بغور اُس کی شکل دیکھی اور مسکرا کر ہلکے پھلکے انداز میں گویا ہوئے۔
''مشکل کی کیا بات ہے۔ آپ کی گاڑی ہے' آپ کی ملکیت ہے' جب تک ٹھیک نہیں ہو گی'
پ کو اس کے پاس رہنا ہو گا' جبکہ مجھے ایسی کوئی مجبوری نہیں۔'' اسے بے طرح کوفت ہوئی۔
''میں کہہ بھی رہی تھی' اس طرف نہ جائیں۔ گھر کی طرف چلیں۔'' وہ بگڑنے کے قریب تھی
یہاں اجاڑ خانے میں کہاں سے امداد ملے گی۔''
''کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ پریشانی سے فائدہ ارے بھئی' مشکل لمحے بھی انسان کی زندگی میں
ۃ ہیں۔ انہیں سکون سے اور حوصلے سے فیس کرنا چاہئے۔ آؤ اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں' کچھ
تے ہیں۔''
وہ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ زرلالہ کے برعکس اُن کے چہرے یا انداز سے پریشانی کی کوئی
ہیں ملتی تھی۔ یوں جیسے یہ مسئلہ بھی ایک خوشگوار واقعہ ہو۔ وہ پیر پٹختی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ وہ
لرنٹ سیٹ پر براجمان ہو گئے تھے اس لئے اسے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنا پڑا۔
''یہ جہاں تمہارا دایاں پاؤں ہے' اس طرف...... ایکسیلیٹر ہوتا ہے۔ درمیان میں بریک
اِدھر بائیں پاؤں کے نیچے کلچ ہوتا ہے۔ بائیں ہاتھ کی طرف گیئر جو کلچ دبانے کے بعد تبدیل کیا
ا ہے۔''
وہ ہلکا سا جھک کر اس کے دائیں اور بائیں پنڈلی کو تھام کر مطلوبہ جگہ پر پاؤں رکھنے کی ہدایت
ے لگے۔

زرلالہ نے پاؤں کھینچ لئے۔

''چھوڑیئے۔ حمیدی صاحب۔ اس وقت ڈرائیونگ سیکھنے کا ذرہ برابر موڈ نہیں ہو رہا۔ گا' ٹھیک کرنے کی تدبیر کیجئے۔'' وہ حلق تک بیزار بیٹھی تھی۔

''وہ بھی ہو جائے گا۔ جب تک کوئی مناسب انتظام نہیں ہوتا' فارغ بیٹھے رہنے سے' ہے' وقت کا کوئی معقول مصرف ڈھونڈ لیں۔''

انہوں نے تاویل دی اور دوبارہ جھک کر اُس کے پاؤں سیٹ کرنے لگے۔

زرلالہ عجیب سی تنفر کن اور ناگوار کیفیت کا شکار ہو کر مارے باندھے اُن کی بات سننے لگ

''یہ لو چابی' سیلف میں گھماؤ اور گاڑی سٹارٹ کرو۔ ایسے۔'' انہوں نے اس کا ملائم '' گلابی مائل ہاتھ اپنے بھدے موٹے سانولے ہاتھ میں لے کر اگنیشن میں چابی گھمائی۔

''یوں' اس طرح گاڑی سٹارٹ ہوتی ہے۔''

''آپ اپنا ہاتھ ہٹا لیں' میں خود سٹارٹ کر لوں گی۔'' وہ برہمی سے اُن کا ہاتھ جھٹکنے لگی۔

''عجیب انسان ہیں' کمبل ہی ہوئے جا رہے ہیں۔ نہ واسطہ نہ مطلب اور خواہ مخواہ نوازشیں۔'' اب وہ کھٹکنے لگی تھی۔

''اچھا چلو ٹھیک ہے' یہ لو۔'' انہوں نے جھٹ ہاتھ کھینچ لئے مگر تھوڑی دیر بعد پھر '' متحرک ہو گئے۔

''سیٹ کے سینٹر میں بیٹھو تا کہ سٹیئرنگ صحیح کنٹرول کر سکو۔'' انہوں نے اس کے گداز شانے پر ہلکے سے ہاتھ پھیرا۔

''اب کلچ پہ پاؤں رکھ کر آگے کی طرف فل دباؤ۔ ایسے......'' انہوں نے اُس کے گ ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا ''اس ہاتھ سے گیئر بدلو۔ پہلے گیئر میں ڈالو۔''

انہوں نے اس کا بایاں ہاتھ گیئر کے ہک پر رکھا۔ پھر مختلف گیئرز کی پریکٹس کرانے بظاہر ان کا انداز اتنا سرسری اور نارمل تھا کہ زرلالہ ان حرکات میں چھپی ہوس کو محسوس کرتے '' بھی واویلا مچانے یا بری طرح ردِعمل دکھانے سے قاصر تھی کیونکہ وہ بڑے آرام سے کہہ دیے

''کیا ہوا باجی' میں تو آپ کو سکھا رہا تھا۔ اگر نہیں سیکھنا چاہتیں تو ٹھیک ہے۔ ناراض ہوتی ہیں۔''

وہ اب اُن کی فطرت کے غلیظ پیچ وخم سمجھتی جا رہی تھی۔

''مجھے گاڑی سیکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے حمیدی صاحب۔'' وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

اپنے غیظ وغضب پر قابو پانا وقت کی مصلحت تھی کیونکہ بہر حال یہاں سے بحفاظت گھر پہنچنے تک وہ ان پر انحصار کرنے پر مجبور تھی۔

''آپ آس پاس جا کر کسی آدمی کو ڈھونڈیں' شاید وہ کچھ مدد کر سکے۔''

اسی لمحے دو آدمی پہاڑی سے اتر کر سڑک کی طرف آتے دکھائی دیئے۔

حمیدی صاحب بھی باہر آ گئے۔

''کیا ہو گیا جناب۔ ہم بڑی دیر سے دیکھ رہے تھے کہ گاڑی رکی ہوئی ہے۔''

''جی ہاں' کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ گاڑی چل نہیں رہی۔''

''چلیں' دھکا شکا لگا کر دیکھتے ہیں۔'' آدمی بھلے مانس دکھائی دیتے تھے۔

''سیلف تو آن ہو جاتا ہے' انجن نہیں سٹارٹ ہو رہا۔ بڑی دیر تک کھپتا رہا ہوں۔ مگر بات ہی نہیں پڑی۔''

حمیدی صاحب نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی' دونوں آدمی دھکا لگانے لگے۔ زرلالہ کنارے کھڑی دیکھ رہی تھی۔

اللہ کرے' ٹھیک ہو جائے۔ وہ دل سے دعا کر رہی تھی۔ اسے رہ رہ کر بچوں کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ قریب پی سی او بھی نہیں تھا جو فون کر کے اپنی تسلی کر لیتی۔

دھکا لگانے کے باوجود گاڑی سٹارٹ نہیں ہوئی۔ وہ واپس اسی جگہ پر لے آئے۔

''آپ کے گاؤں میں کوئی مکینک نہیں ہے۔''

زرلالہ نے پریشانی سے پوچھا۔

''نہیں جی۔ اللہ دتا کا بیٹا مکینکی جانتا ہے مگر وہ پنڈی میں کسی ورکشاپ میں کام کرتا ہے۔''

''یہاں کوئی پی سی او ہو گا۔ میں گھر فون کرنا چاہتی ہوں۔''

''ہاں۔ آپ پتا کرا دیں۔ گھر میں بچے پریشان ہوں گے۔ بہتر ہو گا' انہیں فون کر کے اطلاع دے دیں کہ ہم تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گے۔'' حمیدی صاحب نے اُن آدمیوں کو مخاطب کر کے ایسا تاثر دیا' جیسے یہ معاملہ مشترکہ رہا ہو۔

زرلالہ کا خون کھول اٹھا۔ اُس نے قہر آلود نظروں سے اُن کی طرف دیکھا پھر ہونٹ کاٹنے لگی' اس کی کنپٹیاں بُری طرح سلگ رہی تھیں۔ رہ رہ کر خود پہ طیش آ رہا تھا کہ کیوں اس مصیبت کو پیچھے لگایا۔ نہ ان کی مدد لیتی' نہ یہ نوبت آتی۔

''فضل دین ٹھیکیدار کے گھر میں فون لگا ہوا ہے۔ میں دیکھ کر آتا ہوں وہ گھر پر ہے یا نہیں۔''

ایک آدمی اونچائی کی طرف اوپر چلا گیا۔ دوسرا گاڑی کو ہلکے ہلکے دھکیل کر سڑک سے ہٹا کر سائیڈ پر لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یہ آپ کیا فرما رہے تھے۔'' وہ دھیمے لہجے میں چیخی۔ اس کی طبیعت کچھ اس طرح کی تھی کہ وہ بے رحمی سے کسی کی بے عزتی کر کے اپنا اشتعال دور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ بس دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ جاتی۔

''میں...... ! کچھ بھی نہیں۔ وہ بھولپن سے معمول کے سے لہجے میں گویا ہوئے۔

''کیا مطلب کچھ بھی نہیں۔ کیا کہہ رہے تھے کہ ہم بچوں......'' اس کی آواز بلند ہوگئی۔

''آہستہ' آہستہ زرلالہ۔ صورت حال کو سمجھا کرتے ہیں۔ اب کیا انہیں یہ بتائیں کہ ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے؟ بے وقوف نہ بنو۔ کیا کہیں گے وہ۔''

''رشتہ ہی بتانا تھا تو بہن بھائی کہہ دیتے۔ سارے راستے جس کا راگ الاپتے آئے ہیں۔'' وہ تڑخی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ تم گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔'' وہ ٹالنے کو بولے۔

''جہنم میں جائے گاڑی۔ مجھے اپنے گھر جانا ہے۔ ان سے کہیں' ہو سکے تو ٹیکسی کا بندوبست کر دیں۔'' وہ بُری طرح اکھڑ رہی تھی۔

''اچھا بابا' آرام سے۔ دیکھو وہ آدمی قریب آ رہا ہے۔''

''یا اللہ' میں کہاں پھنس گئی۔'' زرلالہ کو اپنی عاقبت نااندیشی پر غصہ آ رہا تھا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔

''کیا ہو گیا جناب۔'' اسی لمحے ایک لینڈ کروزر عین اُن کے برابر آ کر رکی تھی۔ پیچھے فیملی بیٹھی تھی۔ آگے مونچھوں والا صحت مند اور پختہ عمر کا مرد گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

''گاڑی خراب ہوگئی ہے بھائی صاحب۔''

''ابھی دیکھے لیتے ہیں' کیا خرابی ہے۔''

''ہم تو گھنٹے سے یہاں پھنسے بیٹھے ہیں۔ روڈ سنسان ہے۔ ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہے۔ ورنہ کسی سے مدد ہی لے لیتے۔''

''اوہو۔'' مرد بونٹ کھول کر دیکھ رہا تھا۔

''بہن' آپ میری فیملی کے ساتھ بیٹھ جائیں۔'' اس نے زرلالہ پر نظر ڈال کر ہمدردانہ کہا ''پریشان نہ ہوں' میں کافی حد تک گاڑی کی مکینکس جانتا ہوں۔ ابھی فالٹ پتا چل جائے گا' آپ لوگ ادھر آئے کیسے؟''

''یونہی سیر کا پروگرام بن گیا تھا۔ سرسبز علاقہ ہے۔ ہم نے سوچا ایک چکر ہم بھی لگا لیں۔ اب فکر ہو رہی ہے' بچے گھر پر اکیلے ہوں گے۔''

حمیدی صاحب کے بیان پر مرد نے اور لینڈ کروزر میں بیٹھی اُس کی بیوی نے غور سے زرلالہ اور حمیدی صاحب کی شکل دیکھی تھی۔ غالباً دل ہی دل میں ''بے جوڑ کپل'' کا خطاب بھی دے ڈالا تھا۔ وہ سوچ رہے ہوں گے' لڑکی کے والدین نے دولت اور جائیداد دیکھ کر بیٹی کا بیاہ اس کی عمر سے تقریباً دگنے اور بدوضع بھدی شخصیت کے حامل آدمی سے کیا ہوگا۔ مرد کو ان کی قسمت پر رشک آ رہا تھا۔ بیٹھے بٹھائے اتنی بے تحاشہ حسین لڑکی کے مالک بن بیٹھے۔

زرلالہ کا تو یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''فکر کی کوئی بات نہیں۔ اول تو گاڑی ٹھیک ہو جائے گی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ہمارے ساتھ چلئے گا' ہم گھر تک پہنچا دیں گے۔''

''مہربانی جناب۔'' حمیدی صاحب مشکور ہوئے۔

زرلالہ من من بھر کے قدم اٹھاتی لینڈ کروزر میں مرد کی بیوی اور دو بچوں کے ہمراہ بیٹھ گئی۔ لڑکی بارہ تیرہ برس کی ہوگی' جبکہ لڑکے کی عمر نو دس کی دکھائی دیتی تھی۔

''آپ لوگ اسلام آباد میں رہتے ہیں۔'' سیاہ قیمتی سٹائلش سوٹ میں ہیرے کی انگوٹھیوں سے مرصع ہاتھ والی نفیس سی خاتون نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''جی ہاں۔''

''کیا کرتے ہیں' آپ کے ہسبینڈ۔''

"جی۔" زرلالہ کا جی چاہا' زہر کھالے یا زمین میں غرق ہو جائے۔ بے بسی کی حد تھی کہ جھٹلا بھی نہ سکتی تھی۔ ایک تو صورت حال ہی کچھ ایسی بن گئی تھی' دوسرا جھٹلانے سے اس کی ذا جھوٹی اور بے وقعت ہو جاتی۔ اگر شوہر نہیں ہے تو کس ناتے اس ویرانے میں اس کے ساتھ بھٹک رہی تھی۔ وہ لازماً یہی پوچھتے اور اپنی نظروں میں گر جاتی۔

"برنس۔" وہ جانے کس دل سے گویا ہوئی تھی۔ پیشانی پسینے سے تربتر ہو گئی تھی۔

"اوہ پور لیڈی۔ شی از سو پریٹی بٹ ہر ہسبینڈ از ویری اگلی مام۔ ٹوٹلی ان میچڈ کپل!" لڑ نے اپنے باب کٹ ریشمی بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ناک سکوڑ کر سرگوشی میں ماں کو مخاطب تھا۔ اس کی نظروں کے ترحم نے زرلالہ کو پانی پانی کر ڈالا۔

"لیں جی۔ انجن سٹارٹ ہو گیا۔ چھوٹا سا فالٹ تھا۔" مرد ہاتھ جھاڑتا ہوا اپنی گاڑی طرف آیا۔

"بہت شکریہ جناب۔" حمیدی صاحب نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا پھر زرلالہ کے لئے فر ڈور کھول دیا۔

واپسی پر انہوں نے بہتیرا مخاطب کر کے خوشگوار ماحول بنانے کی کوشش کی مگر زرلالہ جبڑ بھینچے خاموش بیٹھی رہی۔

گھر قریب آتے ہی اُس نے شکر کا کلمہ پڑھا۔

"کوئی اور خدمت ہو تو ضرور بتایئے گا۔ کبھی گاڑی کی ضرورت پڑے تو بلا تکلف بتا د گا۔ میں ڈرائیور سمیت بھجوا دوں گا۔ اور جب ڈرائیونگ سیکھنے کا موڈ ہو تو حکم کیجئے گا۔" ان کا ان حسب سابق ہشاش بشاش اور خلیق و مہربان تھا۔ جواب میں زرلالہ نے کھا جانے والی نظر سے دیکھا۔

کچھ لوگ کس درجہ بے غیرت اور ڈھیٹ ہوتے ہیں۔ کسی جوابی ردعمل سے اُن پر کوئی نہیں پڑتا۔

"شکریہ۔"

"اچھا جانے سے پہلے ہاتھ ملا لیں۔ کہتے ہیں' مصافحہ کرنے سے دل کا میل دور ہے۔" گاڑی روک کر انہوں نے ہاتھ بڑھایا۔

"اسی جگہ گیٹ پر چلنے سے پہلے آپ نے مجھے بہن کہا تھا۔ غالباً یاد ہو گا۔" وہ دانت پیس کر بظاہر عام سے انداز میں بولی۔

"ہاں ہاں۔" وہ شدومد سے سر ہلانے لگے" اسی لئے تو کہہ رہا ہوں' ہاتھ ملا کر دل کا غبار دور کر لیں۔ میرے دل میں آپ کے لئے کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے۔ میں تو بس اپنے جذبہ خدمت کی تسکین کے لئے دوسروں کے کام آتا ہوں۔"

"مجھے جب آپ سے خدمت کرانی ہو گی' خود کہلوا دوں گی۔ آپ براہ کرم دوبارہ ادھر کا رخ کیجئے گا۔ ورنہ میں پہچاننے سے انکار کر دوں گی۔ مجھے اچھا نہیں لگتا' اس طرح کا میل جول۔" وہ اکل کھرے انداز میں بولی۔

"بالکل ٹھیک' اچھا جی خدا حافظ!" وہ گاڑی نکال کر لے گئے۔

زرلالہ زہر بھرے انداز میں انہیں جاتا دیکھتی رہی پھر اندر آ گئی۔ اُس کے جسم کا رواں رواں سنسنا رہا تھا۔

کسی نہ کسی طرح بچوں کو بہلا کھلا کر فارغ ہوئی پھر کمرہ بند کر کے بستر پر گر گئی اور دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام لیا۔ آج جو کچھ ہوا تھا' رہ رہ کر آنکھوں کے آگے پھر رہا تھا۔

کتنی گھناؤنی ہوتی ہے' ایسے مردوں کی نفسیات۔

اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے کسی بھی رشتے کا تقدس اوڑھ سکتے ہیں اور پھر بڑے آرام سے اس تقدس کی دھجیاں اڑانے کی صلاحیت کا اظہار کرتے ہیں۔

کیا طریقہ واردات تھا۔ کس حسن و خوبی سے مطلب برآری کی۔ وہ جو اپنے آپ کو علم و آگہی اور زمانہ شناسی کے اونچے مدارج پر فائز پاتی تھی' اس کی ساری دانش مندی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

ہمدرد بن کر آیا' بہناپے کی سی تکریم دی۔ پھر اندر چھپے بدنیت شیطان نے "جھلکیاں" دکھانا شروع کیں۔ وہ بھولپن اور خدمتِ خلق کے غلاف لپیٹ کر شکار تاڑتا تھا۔ رشتوں کی پاکیزگی اُس بھیڑیے کے لئے بے معنی تھی۔

نیت میں فتور تو پہلے قدم پر ہی آ گیا تھا' یہ الگ بات تھی کہ زرلالہ شروع میں سمجھنے سے قاصر رہی۔

وگرنہ جس طرح وہ اس کا ڈرائیور بنا گھنٹوں انتظار کرتا رہا تھا پھر کھانے کھلانے کی
تھی۔ گھومنے پھرنے اور لانگ ڈرائیو کی خواہش ظاہر کی تھی۔ سب سے بڑھ کر ہمدردانہ اندا
اُس کی تنہائی کا ذکر کر کے اپنی تنہا اور مجبور زندگی کا رونا رویا تھا۔ یہ سب ٹریپ کرنے کی تر
تھیں۔

معاشرے میں تنہا رہنے والی ایک جوان، حسین لاوارث عورت کو ہر کوئی مالِ مفت
بٹورنے سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر للچائی نظر اُس کے تعاقب میں رہتی ہے۔

زرلالہ کو اپنے غیر محفوظ ہونے کا احساس شدت سے ہونے لگا تھا۔

ایک طرف خود کو بھیڑیوں سے بچائے رکھنے کا مرحلہ درپیش تھا اور دوسری طرف معاش
استحکام کے مسائل منہ پھاڑے نگلنے کو تیار کھڑے تھے۔

بینک سے دوبارہ عدم ادائیگی کا نوٹس آ چکا تھا۔ اگر مقررہ تاریخ پر قرضے کی ادائیگی نہ ہو
جائیداد ضبط ہو سکتی تھی۔

کیا کروں میں......؟

کس سے مدد مانگوں۔

کس سے مشورہ کروں۔

محلے میں اُس کی کسی سے کوئی خاص جان پہچان بھی نہیں تھی۔ ایک بار اُس نے
مہرینہ کے والد تلقین میاں سے گھر بکوانے کی بات کرے لیکن پھر ان سے مل کر یہ ارادہ ملتوی
تھا کہ ان کی مثال محض مٹی کے مادھو کی سی تھی۔ یاسمین آنٹی اچھی خاصی سوشل تھیں، ان سے تذ
تھا انہوں نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ بس ٹالا ہی تھا۔ یوں بھی کون کسی کے لئے اتنا تر
ہے۔

یہاں کوئی واقف کار بھی نہیں تھا۔ مہراب بھائی کے دوستوں سے بھی ایسی سلام دعا نہیں
کہ کسی سے کہتی۔

سکندر سے کہہ کر دیکھوں۔

اچانک اُسے خیال آیا۔

وہ ہمدرد انسان جس نے تعلق نہ ہوتے ہوئے اُسے خطرے سے آگاہ کیا تھا۔ جہاں

پڑا تھا، بچاؤ کی ترکیب بتائی تھی۔

لیکن پھر اُسے حمیدی صاحب کا خیال آ گیا۔

ہمدردی میں تو وہ بھی کم نہ تھے۔

کیا خبر سکندر بھی انہی کا دوسرا روپ ہو۔

اُس نے بے اختیار جھرجھری لی۔

ایک تجربے نے اسے برسوں کے لئے سبق سکھا دیا تھا۔

O☆O

پروفیسر رشید کو ایک ہفتہ قبل پولی کلینک سے کمپلیکس ہاسپٹل میں شفٹ کیا گیا تھا۔ یہ سب
شید کے ایما پر ہوا تھا۔ وہ پولی کلینک کے ڈاکٹرز کی کارکردگی پر مطمئن نہیں تھیں۔ پروفیسر رشید
ل کہتے رہے تھے کہ وہ بالکل ٹھیک ہیں اور ڈسچارج ہو کر پراجیکٹ کے لئے ملک آباد جانا
ہتے ہیں۔ مگر ڈاکٹرز نے انہیں سفر کرنے سے منع کر دیا تھا۔ کمپلیکس ہاسپٹل کے پرائیویٹ وی
پی وارڈ میں ہر دو گھنٹے بعد ان کا ٹمپریچر، بلڈ پریشر، پلس ریٹ اور ہارٹ بیٹ وغیرہ باقاعدگی
چیک کئے جاتے تھے۔ نرسنگ سٹاف لمحہ بہ لمحہ الرٹ رہتا اور ڈاکٹر حضرات وقفے وقفے سے
آ کر مریض کی جسمانی و ذہنی کیفیت چیک کرتے رہتے تھے۔ سکیورٹی سسٹم بھی اچھا تھا۔ اسی
یگم رشید نے ساحر کے متعین کردہ خصوصی گارڈز کو وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ یوں بھی ہاسپٹل کی
سیہ گارڈز متعین کرنے کے سلسلے میں معترض تھی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ اظہر کی وی آئی
وارڈ میں ڈیوٹی تھی۔ دو تین دن سے اس کی نائٹ ڈیوٹی اسی وارڈ میں لگ رہی تھی۔

وہ تھوڑی دیر پہلے راؤنڈ لے کر آیا تھا۔ اب ڈاکٹرز روم میں بیٹھا شام کے اخبارات کھنگال
رہا تھا۔ نیند بھگانے کے لئے اُس نے وارڈ بوائے کو کہلا کر کینٹین سے کافی منگوائی تھی۔ اس وقت
ے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ کمرے کے دائیں طرف پرائیویٹ وارڈ کے رومز تھے
ئیں طرف کاؤنٹر تھا جہاں دو نرسیں اور ایک اٹینڈنٹ بیٹھے اپنی ڈیوٹی بھگتا رہے تھے۔

کاؤنٹر کے پچھلے حصے میں میڈیسن کی کیبنٹ تھی جہاں سے دوائیاں نکال کر ہسپتال میں
ٹ مریضوں کو دی جاتی تھیں۔

"سر آپ کا فون ہے۔" اظہر کافی کے سپ لیتے ہوئے خبروں میں دلچسپی لینے کی کوشش کر

رہا تھا' جب اٹینڈنٹ نے کاؤنٹر اور ڈاکٹرز روم کی مشترکہ دیوار میں کھلنے والی کھڑکی سے سر ہانک لگائی۔

"اس وقت کس کا فون آ گیا؟" وہ کپ رکھ کر باہر آیا اور ڈھیلے ڈھالے انداز میں ہیلو

"ڈاکٹر اظہر بول رہے ہو؟" ایک کھردری آواز نے تحکمانہ انداز میں استفسار کیا۔

"جی' فرمایئے۔" وہ چونک کر مستعد ہو گیا۔ یہ کون آ گئے ہز ماسٹرز وائس۔

"پروفیسر رشید کے کمرے میں ڈیوٹی افسر اس وقت تم ہی ہو ناں۔"

"جی ہاں۔" وہ قدرے تحیر سے گویا ہوا۔

"کیا کہتی ہے' ان کی میڈیکل رپورٹ۔"

لہجہ بدستور سپاٹ اور بے تاثر تھا۔ وہ مشینی انداز میں سوال کر رہا تھا۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو اُن کی میڈیکل رپورٹ سے کیا دلچسپی ہے۔"

اظہر چوکنا ہو گیا۔ یہ تو وہ جان ہی چکا تھا کہ یہ وہی پروفیسر رشید ہیں جو ملک کنسٹرکشن سروے ٹیم کے انچارج ہیں۔ محسن اُن پر قاتلانہ حملے کی تفصیلات بتا چکا تھا۔ خود پروفیسر کے بھائی کے رشتے سے اظہر سے کافی کھل کر بات کر لیتے تھے۔

"ایک ان دیکھا خطرہ میرے اردگرد منڈلا رہا ہے ڈاکٹر۔" انہوں نے ایک دو با میں کہا تھا "دشمن مجھ سے غافل نہیں ہے' اس کی نادیدہ آنکھیں مجھ پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ کسی سے بھی وار کر سکتا ہے۔"

"پھر آپ کو اپنا ذاتی سیکورٹی سسٹم کینسل نہیں کرنا چاہئے۔"

"ہسپتالوں والوں نے یقین دلایا ہے کہ یہ جگہ ہر طرح سے محفوظ ہے۔" اظہر کے پر انہوں نے کہا تھا۔ "یوں بھی پہرے اندر رہ کر زیادہ ڈر لگتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے' موت سر پر پہنچ گئی ہے۔ میں اس طرح ٹھیک ہوں لیکن اب زیادہ دن ہسپتال میں قیام چاہتا۔ میں سمجھتا ہوں' ہسپتال سے باہر میں اپنی حفاظت بہتر طریقے سے کر سکتا ہوں۔" سے گویا ہوئے تھے۔

"میڈیکل فائل میں ایک مخصوص وقفے کے بعد ڈاکٹر مریض کی تازہ ترین کیفیت کرتا ہے۔ چونکہ ایک دو دن سے تم ہی گھنٹے دو گھنٹے بعد کی صورت حال نوٹ کر رہے ہو

یں گڑبڑ کرنا تمہارے لئے بے حد معمولی کام ہو گا۔ تم لکھ سکتے ہو کہ مریض بے چینی اور ٹ محسوس کر رہا۔ اس کے خون میں سی او ٹو گیس کی مقدار زیادہ پائی گئی ہے۔ آکسیجن کی کمی ن کے دماغ کے خلیات کا نظام متاثر ہو رہا ہے۔ اسی طرح بلڈ پریشر' ٹمپریچر یا ہارٹ بیٹ ریکارڈ آگے پیچھے کر کے خطرے کے نشان تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ تمہیں فقط قلم تھام کر چند ینا ہوں گی فائل پر۔" اظہر سکتے کے عالم میں ریسیور تھامے کھڑا تھا۔

مخاطب اتنے اطمینان سے ہدایات دے رہا تھا جیسے اہم سرکاری ڈیوٹی سمجھا رہا ہو۔

"اس کے بدلے میں مجھے کیا ملے گا اگر میں آپ کی مرضی کا نوٹ لکھ دوں۔"

اظہر کچھ کچھ معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ مزید اگلوانے کی خاطر اس نے دانستہ پتہ پھینکا

"نوٹ کے بدلے "نوٹ" ملے گا۔" اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ "ایک نہیں بہت سارے۔ گر چاہو تو اپنا چھوٹا موٹا کلینک کھول سکو۔"

اس نے گویا اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ ڈاکٹر پیشہ افراد کی نفسیات سے بخوبی معلوم ہوتا تھا۔

"اور اگر میں ایسا نہ کروں تو؟" اظہر نے پُرسکون آواز میں دریافت کیا۔

"تو......؟" مخاطب نے ایک لمحے کو توقف کیا۔

"تو کیا ہوا۔ پروفیسر رشید کو تو ہر صورت اللہ کو پیارا ہونا ہی ہے۔ تم تعاون نہیں کرو گے تو اس ارے پلان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ البتہ تمہیں دور تک اس انکار کا بھگتان بھگتنا پڑے گا' مفت"

"اس کا لہجہ اس بات کا عکاس تھا کہ یہ خالی خولی دھمکی نہیں تھی۔ وقت پڑنے پر اُسے ایسا ے میں کوئی تامل نہیں ہو گا۔

"اس "بھگتان" کی وضاحت کرنا پسند کریں گے آپ۔"

اس نے خوبصورتی سے طنز کیا۔

"کیوں نہیں۔" جواب آیا۔

"تم آئی ٹین فور میں سنگل سٹوری گرین پینٹ والے گھر میں مقیم ہو۔ تمہاری ماں "ردا " میں کام کرتی ہے۔ محسن تمہارا بھائی وکیل ہے' آج کل ملک آباد گیا ہوا ہے۔ تمہاری ایک

نوجوان رشتے دار لڑکی گورنمنٹ کالج میں پڑھاتی ہے۔ خود تم ڈاکٹر ہو اور فی الحال ایک موٹر سائیکل کے مالک ہو۔''

اظہر کے دماغ میں موجود شریانوں میں خون تپنے لگا۔

''اب کیا یہ بھی بتاؤں کہ تمہارے عدم تعاون سے تمہاری کیریئر' نوکری اور جان ا خطرہ ہوگا سو ہوگا' تمہارے جوان بھائی اور خالہ زاد بہن کے ساتھ جو کچھ ہوگا' اس کا تص دہروں کو دہلانے کے لئے کافی ہوگا۔ تمہاری کزن بہت خوبصورت نہ سہی' بہرحال جوا ہے۔ ہمارے یہاں نرم و نازک گداز گوشت کھانے کو بہت سے آدم خور درندے بھ رہتے ہیں اور......''

''بکواس بند کرو۔'' وہ اس سے زیادہ سننے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ اُس کا پورا وجو سرخ آگ کی تپش سے جل اٹھا تھا۔

جواباً ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا۔

''بس! اتنی 'ننھی منی' تفصیل سن کر خوفزدہ ہو گئے؟ ابھی تو میں نے تمہیں یہ نہیں تمہاری ماں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے گا۔''

''خبردار جو تم اپنی ناپاک زبان پر میری ماں کا نام لائے تو......'' وہ ساری سیکھ احتیاط بھول کر طوفانِ غیظ و غضب بن کر پھٹ پڑا تھا۔

کاؤنٹر پر بیٹھے اٹینڈنٹ اور اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھی کسی فائل کا جائزہ لیتی ز اپنے کام چھوڑ کر ٹکٹکی باندھے آنکھیں پھاڑے اس کی یکطرفہ گفتگو اور ردِعمل ملاحظہ کر ر

''بات سنو ڈاکٹر۔'' مخاطب کا لہجہ ایک دم سخت اور سنگین ہو گیا۔

''خود بھی سنبھل جاؤ اور اپنے وکیل بھائی کو بھی سمجھا دو کہ ہماری راہ میں نہ آئے اس کی ''وکیلی'' کا عذاب تمہیں سمیٹنا پڑے۔ بہتر ہوگا' وہ ملک کنسٹرکشن کمپنی سے ا دے۔ بصورت دیگر تمہیں اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اور شاید جان و مال ہاں آخری ہدایت۔ اگر بالفرض تمہیں پروفیسر رشید کی پوسٹ مارٹم رپورٹ لکھنا پڑے تو وجہ کسی دوائی کا الرجک ری ایکشن ہونا چاہئے۔ تم یہ بھی لکھ سکتے ہو کہ خون میں زہر تعداد زیادہ ہونے کے سبب استھیما جیسی کیفیت ہوگی اور دل نے کام کرنا چھوڑ دیا''

''گیا جس کی وجہ سے موت واقع ہوئی۔''

'دیکھئے محترم۔ میں نے بڑے صبر سے آپ کی لایعنی بات سنی ہے۔ اب آپ براہِ کرم ل لر توجہ سے میرا موقف سن لیں۔''

اظہر نے بڑی کوشش کے بعد اپنے اعصاب پر قابو پایا تھا۔

'میں اور مجھ سے وابستہ دیگر افراد نہ تو موت سے ڈرتے ہیں اور نہ خالی پیلی دھمکیوں میں ۔ آپ نے غلط نمبر ڈائل کیا ہے۔ میں ضمیر بیچنے کا کام نہیں کرتا۔ وہ در کھٹکھٹایئے جہاں ائے فروخت ہوتا ہے۔''

'کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟''

آخری اور قطعی!''

''کے۔ اب دیکھتے جانا کیا ہوتا ہے۔''

امری طرف سے فون رکھ دیا گیا۔

ایا ہوا ڈاکٹر صاحب۔'' جونہی اظہر نے لائن کٹ جانے کے بعد ریسیور کریڈل پر رکھا' ٹنڈنٹ یک زبان ہو کر پوچھنے لگے۔

'ونہیں۔'' اظہر نے ماتھے سے پسینہ پونچھا' روم نمبر سیون میں اس وقت کون ہے؟''

ل صائمہ گئی ہے۔ بلڈ پریشر چیک کرنے۔''

ل نے بتایا پھر پریشان نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

'مسئلہ کیا ہے؟''

نے مختصراً بتایا۔

ں نہایت چوکنا اور الرٹ رہنے کی ضرورت ہے میں دیکھتا ہوں اگر کسی طرح ایم ایس سکے' یہ بات اُن کے علم میں لانا ضروری ہے۔ میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ سے بھی ا ہوں۔''

ون سا انجکشن لگانا ہے' روم نمبر سیون کے پیشنٹ کو۔''

صائمہ کمرے سے باہر آ کر پوچھنے لگی۔

پلئے' میں خود مکسچر تیار کر کے دیتا ہوں۔''

وہ نرس کے ساتھ پروفیسر صاحب کے کمرے میں آیا۔

''کیسے ہیں سر آپ؟''

پروفیسر رشید جاگ رہے تھے۔

''انتظار کر رہے تھے کہ کب آپ سُلاتے ہیں اپنی دوائیوں کے ذریعے۔'' پروفیسر ما
نقاہت سے مسکرائے۔

اظہر نے خود بوتل میں محلول انجیکٹ کیا۔ نرس نے اشارے پر ڈرپ لگائی۔

''انشاء اللہ کل پرسوں تک آپ فٹ فاٹ ہو جائیں گے۔''

اظہر نے جاتے ہوئے تشفی دلائی۔ پروفیسر صاحب عجیب سے مضمحل انداز میں مسکرا

''آج کی رات بچیں گے تو سحر دیکھیں گے۔''

اُن کی شاعرانہ برجستگی نے ایک لمحے کو اظہر کو بری طرح ڈگمگا دیا۔

''اتنے بہادر انسان کی ایسی مایوس کن سوچ۔''

وہ اندر ہی اندر متوحش تھا۔ جانے کا ارادہ ترک کر کے وہ کرسی گھسیٹ کر اُن کے
گیا۔ نرس کام مکمل کر کے سامان سمیت کر جا چکی تھی۔

''ایک بات بتائیے گا سر۔ آپ کس قسم کا خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔''

وہ ازحد سنجیدہ تھا۔ لہجہ آہستگی لئے ہوئے تھا۔

''خطرے کی کوئی خاص شکل نہیں ہوا کرتی ڈاکٹر۔'' وہ سرہانہ اونچا کر کے قدر
پوز میں نیم دراز ہو گئے۔ اُن کی نظریں چھت پر کسی غیر مرئی نکتے پر جمی ہوئی تھیں۔

''خطرہ انسان کی حسیات کے اندر اتر جانے والی ایک غیر یقینی کیفیت کا نام ہے
بظاہر کچھ سامنے نہ ہوتے ہوئے انسان بہت کچھ دیکھتا ہے۔ مصیبت کا اعلان کرتی گھنٹی
سنتا ہے جو کسی دوسرے کو سنائی نہیں دیتی۔ اس کے محسوسات میں ایک شارٹ نیس آ جا
ان چیزوں کو بھی محسوس کر لیتا ہے جسے دوسرے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ میرے دل
سا بوجھ ہے۔ میرے اعصاب شکست و ریخت کا شکار ہیں۔ کوئی اندر سے چیخ چیخ کر کہ
ہونے والا ہے' کچھ ہو گا اور ہو کر رہے گا۔ ڈاکٹر مجھے بتاؤ' یہی میری چھٹی حس
خدشات۔''

وہ بے چین اور پریشان تھے۔

اظہر کے پورے وجود میں سنسنی کی لہر دوڑتی جا رہی تھی۔ وہ سچ مچ سراسیمہ ہو گیا۔ فون
لے والے کی دھمکی اور پروفیسر کے خدشات' دونوں میں یک گونہ ہم آہنگی تھی۔

''سچ پوچھو تو پہلے قاتلانہ حملے کے بعد سے میں نے سکھ کی سانس نہیں لی۔ مجھے ہر لمحہ خدشہ
ہے کہ وار کرنے والے پھر آئیں گے اور ادھورا رہ جانے والا کام مکمل کر لیں گے۔ مجھے زندگی
ال بھروسا نہیں رہا۔''

''ایسی باتیں نہ کریں سر۔ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور یاد رکھیے' مارنے والے
ہانے والا زیادہ قریب ہوتا ہے۔''

''مگر جب قضا آ جائے اور بچانے والے کی بھی یہی رضا ہو تو پھر کوئی حفاظتی بند کام نہیں
''وہ اداس اور غیر مطمئن تھے اور اظہر جلد از جلد اپنے سینئرز سے رابطہ کرنا چاہ رہا تھا۔

وہ اُن کی تسلی کے لئے کچھ دیر تک بیٹھا رہا۔ پروفیسر صاحب پر آہستہ آہستہ غنودگی طاری
گی۔

''میں چلتا ہوں سر۔''

''جلدی چکر لگانا ڈاکٹر۔ تمہاری موجودگی مجھے پُرسکون رکھنے میں مدد دیتی ہے۔''

''ٹھیک ہے سر میں دس پندرہ منٹ میں واپس آ رہا ہوں۔''

وہ بوتل کا فلو چیک کرنے کے بعد باہر نکلا۔ اسی دم سفید اوور آل میں ایک ڈاکٹر اُس کی
اکا۔ اس کے سینے پر ایمرجنسی وارڈ میں ڈیوٹی کرنے والوں کا مخصوص بیج لگا ہوا تھا۔

''ایکسکیوزمی۔ آپ ڈاکٹر اظہر ہیں؟''

''جی فرمائیے۔'' اظہر نے بغور اسکا جائزہ لیا۔

''ایمرجنسی وارڈ میں آپ کو کال کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اعجاز نے پیغام بھیجا ہے۔ آپ چاہیں تو
ہ ایمرجنسی کوڈ نمبر ڈائل کر کے تصدیق کر لیں۔''

''او کے' میں چلتا ہوں۔''

اظہر نے قدم آگے بڑھا دیئے' یہ کوئی انہونی بات نہیں تھی' بعض اوقات اوپر تلے ایمرجنسی
ہانے کی وجہ سے نائٹ ڈیوٹی ڈاکٹرز کو کال کر لیا جاتا تھا۔

"جی ڈاکٹر اعجاز! میں آپ کی کیا ہیلپ کر سکتا ہوں۔" وہ نیچے آ گیا۔ ڈاکٹر اعجاز نے اُ
دیکھ کر اپنی عینک اتار کر ٹیبل پر رکھی اور ایک دوستانہ سمائل دی۔

"آیئے ڈاکٹر اظہر۔ اچھا ہوا آپ آ گئے۔ دو کیسز آئے ہیں۔ بیرونی زخم ہیں۔ بس
پٹی کرنی ہے۔ آپ باآسانی سنبھال لیں گے۔ مجھے گھر سے فون آیا ہے کہ کچھ مہمان آ
ہو سکے تو جلدی آ جائیں۔ آپ دیکھ لیں گے ناں۔"

"میں ضرور دیکھ لیتا لیکن میں ایک بہت سیریس وی آئی پی کیس سپروائز کر رہا ہوں
آپ مائنڈ نہ کریں تو......" وہ رکا۔

"اوکے اوکے! نو پرابلم۔"

اظہر دس بارہ منٹ بعد دوبارہ اُن کے کمرے میں تھا۔

"جی سر۔ کیسا محسوس کر رہے ہیں آپ۔ میں سمجھا' سو چکے ہیں۔"

"ڈاکٹر۔" پروفیسر رشید نے ڈوبتی ہوئی آواز میں بلایا۔ ان پر تشنج کی سی کیفیت طا
اور وہ سانس لینے میں دقت محسوس کر رہے تھے۔

"کیا ہوا سر۔" اظہر کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

"ڈاکٹر۔" انہوں نے بمشکل اپنے ہاتھ کھول کر ٹشو پیپر کا تڑا مڑا پیس نکالا اور اس کی
بڑھا کر جیب میں ڈالنے کا اشارہ کیا۔ اظہر نے بے دھیانی سے ٹشو لے کر جیب میں ڈالا ا
لمبے پکار پکار کر نرسنگ سٹاف کو آکسیجن ماسک اور دیگر چیزیں لانے کی ہدایت کرنے لگا
حالت کے پیشِ نظر انہیں فوری طور پر آئی سی یو میں منتقل کر دیا گیا۔ ایمرجنسی میں اظہر نے
کیا لیکن سر توڑ کوشش کے باوجود وہ جانبر نہ ہو سکے۔ مناسب آکسیجن نہ ملنے کی وجہ
سانس بند ہونے اور اس کے نتیجے میں کارڈیک اریسٹ ہو جانے سے موت واقع ہوئی تھی

"میرے خدا!" اظہر کے اعصاب جھنجھنا اٹھے تھے۔ موت بالکل اسی طریقے سے
جس کے بارے میں اس اجنبی کھردری آواز نے ہدایت کی تھی۔ یہ قدرتی موت نہیں تھی
تھا۔

اُس نے فوراً سے پیشتر محسن کے دیئے ہوئے ملک آباد کے نمبر پر فون کر کے اطلاع

O☆O

"سکندر۔"

"جی شہریال بی بی۔" وہ کتاب لے کر اوپر بالکونی میں بیٹھ کر پڑھنے کے ارادے سے نکلا
تھا شہریال کے آواز دینے پر مستعدی سے پیچھے پلٹا۔

"اسلام آباد سے آنے والے مہمان چلے گئے کیا؟"

وہ چند قدم اٹھا کر آگے آ گئی۔

"کون' وہ ملک ہاؤس والے؟"

"ہاں ساحر ملک اور اُن کی ٹیم۔"

"نہیں' ابھی کچھ دن یہیں قیام ہو گا بلکہ اب تو پراجیکٹ کا باقاعدہ آغاز کر دیا ہے۔ اس لئے
آنا جانا لگا رہے گا۔ وہ شہر سے کسی پروفیسر رشید صاحب کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ آج یا کل میں
وہاں پہنچ جائیں گے۔"

سکندر نے تفصیلاً بتایا پھر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"آپ کو کوئی کام ہے ان سے؟ پیغام بھجوانا ہے تو۔"

"نہیں کام تو کوئی نہیں۔" وہ ہولے ہولے نازک سپید انگلیوں سے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے
کسی سوچ میں گم تھی۔ سکندر نے اس کی بے خبری کا فائدہ اٹھا کر بغور اس کے پھول سے سراپے کا
جائزہ لیا اور اواخر مارچ کی اس دلنشیں سی گرم نرم شام میں سرخ پھولوں والے سبز رنگ کے لباس
میں وہ بہار کا کوئی حسین ساعنوان دکھائی دے رہی تھی۔

چہرے پر حسبِ سابق تمکنت' نزاکت' ملاحت اور بُردباری کا راج تھا۔

سکندر کی حسرت بھری نگاہ نے اس کے وجود کے روئیں روئیں پہ شوق اظہار کی مہریں ثبت
کیں اور پھر لاحاصلی کی اذیت ناک کسک سمیٹ کر وہ نظر جھک گئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا' قریبی خاندانی رشتوں میں فاصلے بڑھانے سے کس قسم کی تسکین
حاصل ہوتی ہے؟ بغیر کسی ٹھوس وجہ کے صدیوں کی دشمنیاں پال لی جاتی ہیں پھر انسانی خون سے
ان کی آبیاری کی جاتی ہے' یوں بزرگوں کے "ورثے" کو نسل در نسل آگے بڑھایا جاتا ہے۔ یہ کوئی
ائیت ہے؟"

وہ سفید سنگِ مرمر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی تھی۔

"ساحر بھائی سے بھی میرا وہی رشتہ بنتا ہے جو دراب ملک سے ہے۔ فرق صرف اتنا ہ
دراب سگے تایا کی اولاد ہیں اور ساحر بھائی سوتیلے تایا کی۔ سگے سوتیلے سے کیا فرق پڑتا ہے۔
نے کبھی ایاز تایا اور توقیر تایا کی عزت میں کمی نہیں کی، نہ کبھی کسی رشتے کو دوسرے کے مقابلے میں
تر سمجھا۔ ابو مرحوم نے بھی مجھے یا فہد کو اس قسم کی تفریق و تقسیم نہیں سکھائی تھی۔ بڑی اماں اور ایاز ت
کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہوں ورنہ کب کی ملک ہاؤس کے مکینوں سے مل چکی ہوتی۔ اب بھی
دراب کی ناراضگی کے ڈر سے میں ساحر بھائی سے اچھی طرح ملنے یا اپنائیت کا مظاہرہ کرنے
لاچار ہوں۔"

وہ جیسے خود کلامی کر رہی تھی تاہم سکندر پوری طرح گوش برآواز اور متوجہ تھا۔
خاموش اس لئے تھا کہ اس مسئلے کا حل اس کے پاس نہیں تھا۔ یہ سب تو سسٹم کا حصہ تھا
ایسی روایات کو مٹانا یا بدل دینا خود ان کے اختیار میں بھی نہیں تھا جو اس پر قادر تھے۔ ناپسندیدگی
باوجود آباؤ اجداد کے اس ورثے کو ہمراہ گھسیٹنے پر مجبور تھے حتیٰ کہ ساحر جیسا انقلابی ذہن رکھنے وا
سپوت بھی اس سلسلے میں بے بس تھا۔

"تمہارے ایف۔اے کے پیپرز کی ڈیٹ شیٹ آ گئی؟"
شہریال نے حقیقت کا ادراک ہونے پر خود ہی موضوع بدل دیا۔
"جی، دو ہفتے بعد پیپر شروع ہو رہے ہیں۔"
"اب کی بار غفلت کا مظاہرہ نہ کرنا۔ ساری مصروفیات ایک طرف رکھ کر اپنا دھیان پ
میں لگاؤ۔ دو ہفتے تیاری کے لئے بہت زیادہ نہیں ہیں۔ ابھی کہاں جا رہے تھے۔" اس کے ل
سے فکر مندی اور اپنائیت کے ساتھ ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کا سا تاثر بھی ملتا تھا۔ سکندر کو ٹھنڈی ہوا
اپنے اردگرد گرتی ہوئی محسوس ہوئی۔
"اوپر پڑھنے کے لئے؟" وہ سفید شلوار قمیص میں، سادگی سے جواب دیتا سر جھکائے مود
و متین کھڑا معصومیت کا فطری عکس دکھائی دے رہا تھا۔
شہریال کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔
"جاؤ، دل لگا کر پڑھو۔" وہ سیڑھیوں سے اٹھ کر اندر کی طرف روانہ ہو گئی۔
"دل لگا کر۔" قدم بڑھاتے ہوئے وہ بے ساختہ ٹھٹک کر رکا۔ جاتی ہوئی شہریال کی پش

یاہ زلفوں کو نظر میں اتارا پھر خود سے گویا ہوا۔
ہس کے پاس یہ نعمت نہ ہو، وہ کیا کرے مادام!
ل تو جانے کب کا آپ کے قدموں میں وار چکے ہیں۔
اب تو فقط بے سروسامانی ہے وجود کے اندر باہر۔
ہر گھڑی بے چینی اور اضطراب کے جھکڑ چلتے ہیں یہاں۔
پا نہیں سکتا مگر خواہش بھی نہیں مٹا سکتا۔
وہ تھکے تھکے قدموں سے سیڑھیاں طے کرنے لگا۔
بسا اوقات اندر اتنے سوال اٹھتے تھے کہ وہ جواب ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہلکان ہونے لگتا۔
کیا چیز ہے یہ محبت۔
یہ لگن۔
یہ تپش۔
انسان کیوں پالتا ہے ایسے روگ۔
ایسے برباد کر دینے والے روگ۔
بے بس کر دینے والے دھندے۔
اس طرح کے تکلیف دہ کھٹ راگ پالنے سے فائدہ؟
لاکھ عقل سمجھائے، سکھلائے، راہ دکھلائے مگر جنون نے کس کی سنی ہے آج تک۔ عشق ہر
سے آزاد رہتا ہے۔ یہ ہر زمانے میں رواجوں، رسموں، رتبوں اور مصلحتوں سے بے نیاز رہا
ل شعور کے تقاضوں سے باغی ہو جائے تو عقل کی کسی دلیل سے نہیں سنبھلتا۔
وہ جانتا تھا کہ اس کا حصول ناممکنات میں سے ہے۔
حصول کیا وہ اپنی ساری عمر تیاگ کر بھی اس کی ایک نگاہِ التفات کا حقدار نہیں ٹھہر سکتا تھا۔
اس کے دل میں جگہ بنانا گویا کوہ کنی سے بڑھ کر دشوار مرحلہ تھا۔
وہ تھا ہی کیا۔ ایک حقیر و بے مایہ بے شناخت شخص، ایک ادنیٰ غلام جس کی روحانی آزادی
ے کے ہاں ہمیشہ کے لئے گروی رکھ دی گئی تھی۔ وہ تاحیات اُن کا ملازم تھا۔ بھلے سے اپنی تعلیم
ل پر کبھی زندگی میں اونچا منصب حاصل کر لیتا، تب بھی اسے حویلی والوں کا غلام رہنا تھا

کیونکہ یہ معاہدہ اس کی ماں نے ملک بابا سے برسوں پہلے کرلیا تھا۔ اسی معاہدہ کی رو سے
زندہ رکھا گیا تھا اس کی خوراک و رہائش اور دیگر ضروریات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ وہ اس معاہدہ
نبھانے کا پابند تھا۔ اپنوں کے ہوتے ہوئے وہ اپنوں کے بیچ یتیموں اور فقیروں کی طرح
آخر اُس کی ماں نے گاؤں کے ایک بے مرتبہ کمی سے شادی کی تھی۔ اس جرم کی پاداش
کے گھر کو آگ لگا کر زندہ جلا دینا اور پھر اس کے بیٹے کو غلام بنا کر رکھنا عین ''انصاف'' تھا۔

''ایکسکیوزمی جناب!'' وہ بالکونی میں بیٹھا سوشیالوجی کی کتاب کھولے ذہن کو یکسو
پڑھنے کی طرف مائل کر رہا تھا کہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھ کر کوئی اوپر آ گیا۔

''کیا آپ بتا سکتے ہیں' سر کہاں ہوں گے۔'' یہ محسن تھا' ساحر ملک کے ہمراہ آنے والی
سروے ٹیم کا مستعد اور خوش مزاج ممبر۔ سکندر جلدی سے کھڑا ہو گیا اور سلام کیا۔ وہ سمجھ گیا تھا
ساحر کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

''مجھے افسوس ہے' میں اس سلسلے میں کوئی اطلاع نہیں رکھتا۔'' وہ شائستگی سے بولا ''
تھوڑا انتظار کی زحمت اٹھانی پڑے گی۔ میں نچلے پورشن میں چیک کر کے آتا ہوں۔ ا
ایمرجنسی ہے۔''

سکندر نے محسن کے پریشان اور متفکر تیوروں سے یہی اندازہ لگایا تھا۔

''ہاں' اسلام آباد سے فون آیا ہے۔'' محسن کے چہرے پر ملول سا غبار تھا۔ یوں جیسے
تکلیف دہ انکشافات کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''کیا کوئی بُری خبر ہے خدانخواستہ۔'' سکندر اندازہ لگانے کی کوشش میں بغور اُس ک
ٹٹول رہا تھا۔

''پروفیسر رشید کو پُراسرار طور پر ہلاک کر دیا گیا ہے۔''

''اوہ۔''

''پلیز جتنی جلدی ہو سکے سر تک یہ خبر پہنچا دیں۔''

محسن کا چہرہ سُتا ہوا تھا۔ وہ خبر دے کر رکا نہیں تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

O☆O

پروفیسر رشید کی موت کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ ہیڈ آف دی ڈیپا

ں کی نوعیت کے پیش نظر پولیس کو اطلاع کرنا ضروری سمجھا۔ یوں بھی ایک طرح سے یہ کیس
ں پولیس سے متعلقہ تھا اگر انہیں نہ بھی بتایا جاتا تو از خود خبر پہنچ جاتی۔ کرائم رپورٹرز کی موٹر
اس بھی وقفے وقفے سے ہسپتال کے احاطے میں جمع ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ پولیس سرجن کی
مارٹم رپورٹ سامنے آتے ہی کھلبلی سی مچ گئی۔

رپورٹ میں لکھا گیا تھا کہ پروفیسر رشید کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے اور یہ زہر اس محلول
ال کیا گیا تھا جو ڈرپ کے ذریعے انہیں انجیکٹ کیا جا رہا تھا۔ ڈرپ میں دوا کی خاصی مقدار
تھی۔ لیبارٹری میں اس کا کیمیکل تجزیہ کیا گیا تھا۔ موت دو سے تین بجے کے درمیان ہوئی۔
نے ڈیوٹی پر موجود سٹاف کو طلب کر کے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کیا۔ اظہر نے پولیس کو تفصیلی
مکی آمیز فون اور پروفیسر رشید کی ذہنی کیفیت کے بارے میں بتایا۔ نرس صائمہ اور تبسم کے
اٹینڈنٹ سے بھی تفتیش کی گئی۔

''جب باہر سے کوئی نہیں آیا۔ سکیورٹی سسٹم ٹائٹ تھا تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اندر
کسی آدمی کا کام ہے۔'' انسپکٹر نے کڑی سے کڑی ملاتے ہوئے سوچا پھر اُن کی طرف دیکھنے

''دو سے تین بجے کے درمیان آپ میں سے کون ان کے کمرے میں گیا تھا یا موجود رہا
''

''جناب' میں دو بجے ان کا بلڈ پریشر اور ٹمپریچر لینے گئی تھی' اس کے بعد ڈاکٹر اظہر کے ساتھ
لگانے آئی تھی۔'' نرس نے وضاحت کی۔

''ڈرپ کے لئے مکسچر تم نے خود تیار کیا تھا؟'' انسپکٹر کی آنکھوں میں چمک سی ابھری۔

''نہیں جناب۔ ڈاکٹر صاحب نے خود بوتل میں مکسچر ڈالا تھا۔''

''آپ نے کون سی دوائیں محلول میں شامل کی تھیں۔'' انسپکٹر کی تفتیش کا رخ اظہر کی طرف
گیا۔ اظہر نے دوائیوں کے نام بتائے۔

''کیا یہ محلول پہلی بار انجیکٹ کیا گیا یا اس سے پہلے بھی لگایا جا چکا تھا۔''

''یہ مکسچر گزشتہ دو دنوں سے تین بار لگایا جا چکا تھا۔''

''گویا کوئی الرجک ری ایکشن یا سائیڈ افیکٹ نہیں ہوا۔'' انسپکٹر پڑھا لکھا دکھائی دیتا تھا اور

کافی تیز اور چاق و چوبند بھی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوا کے مضر اثرات سامنے نہیں آئے۔ اس میں دانستہ زہر اور ایسا کون کرسکتا ہے۔"

انسپکٹر کی تیز نظریں معنی خیز انداز میں اظہر پر جم گئیں۔ بے قصور ہوتے ہوئے بھی ایا کو وہ بوکھلا گیا۔ پولیس والوں کی مخصوص پزل کر دینے والے تفتیشی بلکہ کسی حد تک الزا، سے شریف شہری خود بخود گھبرا کر اعتماد کھو بیٹھتا ہے۔

"ڈاکٹر اظہر' آپ کتنی دیر تک مریض کے پاس بیٹھے رہے اور کب کمرے سے باہر"

"پندرہ منٹ تک میں ان کے پاس بیٹھا رہا تھا' اس کے بعد ایمرجنسی وارڈ کے ڈ اعجاز کی کال پر دو بجکر پندرہ منٹ پر نیچے گیا تھا۔"

"ایک منٹ۔ ابھی تصدیق کیے لیتے ہیں۔"

انسپکٹر نے کاؤنٹر مین سے کہہ کر ڈاکٹر اعجاز کا نمبر ملوایا۔ تھوڑی دیر تک بات کرنے فون رکھ دیا اور اس بار کڑی نظروں سے اظہر کا جائزہ لینے لگا۔

"ڈاکٹر' ہمیں افسوس ہے کہ آپ کے جھوٹے بیان کو کوئی سپورٹ نہیں مل سکی ہے۔ اعجاز کا کہنا ہے کہ انہوں نے از خود آپ کو نہیں بلوایا تھا۔ آپ خود ان کے ڈیپارٹمنٹ میں تھے۔"

اظہر کو آسمان و زمین نظروں میں گھومتے دکھائی دینے لگے۔

"انہوں نے اپنے وارڈ کے ایک ڈاکٹر کو بھیج کر مجھے پیغام دیا تھا۔"

"کیا نام تھا اُس ڈاکٹر کا۔"

"نام۔" اظہر کا سر پیٹنے کو جی چاہا۔ اس نے نام پوچھنے کی زحمت نہیں کی تھی "نام تو نہ میں حلیہ بتا سکتا ہوں۔ لمبا قد' سیاہ مونچھیں' براؤن آنکھیں' گھنگھریالے بال۔"

"او کے یہ بھی تصدیق کیے لیتے ہیں۔"

بدقسمتی سے ایمرجنسی وارڈ کا کوئی ڈاکٹر اظہر کے بتائے ہوئے ناک نقشے پر پورا نہیں اظہر کی پوزیشن خود بخود کمزور پڑتی گئی۔ خود اس کا ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ اس کا دفاع کر قاصر تھا۔ حالات و واقعات اس کے خلاف جا رہے تھے۔

"آپ ہی بتائیے ڈاکٹر' جب آپ خود گواہی دیتے ہیں کہ دو سے تین کے درمیان کوئی ان کے کمرے میں آیا نہ گیا تو پھر زہر ڈرپ تک کیسے پہنچا۔ دوا آپ نے اپنے ہاتھوں سے بنائی۔ اور آپ خود اپنی نگرانی میں چڑھوائی۔ حالانکہ یہ کام نرسنگ سٹاف کا ہوتا ہے' مکسچر بنا کر بوتل میں ملا دیے۔ آپ کے تیار کردہ محلول میں شامل زہر نے ان کی جان لی۔"

انسپکٹر کے شکوک کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا اور اظہر جس کا زندگی میں پہلی مرتبہ براہِ راست پولیس سے واسطہ پڑا تھا اس ٹوٹ پڑنے والی ناگہانی افتاد سے سرتاپا بوکھلاہٹ کا اشتہار بن گیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے ڈاکٹر' میں آپ کو پروفیسر رشید کے قتل کے شبے میں حراست میں لینے پر مجبور ہوں۔" بالآخر انسپکٹر نے تفتیش مکمل کر لی "آپ کو ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہوگا۔ میڈیکل جیسے معزز پیشے سے وابستہ شخص کو ہسپتال کے احاطے میں ہتھکڑی لگا کر لے جانا معیوب سا لگتا ہے۔ امید ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں گے۔"

انسپکٹر نے کانسٹیبلوں کو اُسے گرفتار کرنے کا اشارہ دیا۔

اظہر ہکا بکا آنکھیں پھاڑے کھڑا صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

O☆O

"مما۔ آپ کہاں جا رہی ہیں۔" ولی نے صبح صبح تیار کھڑی ماں کو حیرت سے دیکھا تھا۔ اور لالہ اُس کی طرف مڑی۔

"آفس جا رہی ہوں بیٹے۔ پہلے آپ کو اور علی کو سکول چھوڑوں گی پھر سارہ کو ڈے کیئر سینٹر میں چھوڑ کر آفس جاؤں گی۔"

"کون سے آفس مما۔" علی کو بھی تجسس ہوا۔ تین چار دن سے وہ ماں کو صبح سے شام تک باہر آتے جاتے نوٹ کر رہے تھے۔

"وہی جو کل جوائن کیا ہے۔ اتوار کو اخبار میں اشتہار آیا تھا۔ میں نے اپلائی کر دیا۔ اتفاق سے سلیکشن ہو گیا۔"

"کیا جاب ہے مما۔ آپ کو وہاں کیا کرنا ہوگا۔" ولی نے دریافت کیا۔

"بس کالز ریسیو کرنا ہوں گی۔ اور آنے جانے والوں کا اندراج کرنا ہوگا۔" اس نے

ریسپشنسٹ کی ڈیوٹی سمجھائی۔

بچوں کے سوالات شاید جلدی ختم نہ ہوتے لیکن زرلالہ نے سکول سے لیٹ ہونے کا شور کرانہیں بہلا دیا۔ اُس نے سوچ سوچ کر یہی حل نکالا تھا کہ گھر کے اخراجات پورے کرنے لئے وہ کوئی جاب ڈھونڈے۔ بے شک ہائی فائی قسم کی نہ سہی لیکن کم از کم لگی بندھی آمدن تو ہو رہے۔

"آفس جوائن کئے اسے دوسرا دن تھا۔ وہ کسی حد تک ایڈجسٹ ہونے کی کوشش کر ر تھی۔ آفس کا انتظام ایگزیکٹو ڈائریکٹر آفتاب احمد کے سپرد تھا۔ ایم ڈی اور آنر شاذونادر ہی آ میں پائے جاتے تھے۔ یہ معلومات اسے سٹاف کے ایک بندے ممتاز علی سے ملی تھیں۔ ممتاز ا کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھتا تھا۔ زرلالہ چونکہ نئی تھی اس لئے فی الحال وہ اس سے پوچھ کر پیغا لیتی اور دیتی تھی۔

"ایکسکیوزمی ممتاز صاحب۔" فون کی گھنٹی پر ریسیور اٹھانے اور بات سننے کے بعد اس ہولڈ کروا کر اُسے آواز دی تھی۔

"یہ کوئی مس انیتا ہیں' مسٹر دراب ملک سے بات کرنا چاہتی ہیں۔ دراب صاحب کون ؛ اور کس نمبر پر بیٹھتے ہیں۔"

"لیں جی' آپ کو دراب صاحب کا ہی نہیں پتا۔" ممتاز نے گویا مذاق اڑایا "ارے بی بی وہی تو ہیں' آپس کے مالک اور ایم ڈی۔ رہا نمبر کا سوال تو سارے نمبران کے ہیں' یہ الگ با ہے کہ دفتر کے کسی نمبر پر وہ کم ہی ٹکتے ہیں۔ مس انیتا جی تو ان کی پرانی "نمک خوار" ہیں۔ بتا دیجئے' ملک صاحب کی ایف ایٹ والی پرائیویٹ کوٹھی پر رنگ کر لیں۔ اگر وہاں بھی نہ ملے تو اسلام آباد یا ملکوال میں ہوں گے۔"

"اچھا' ٹھیک ہے۔" زرلالہ نے سادگی سے مشورہ دوسری طرف پہنچا دیا۔ جب سکندر اسے کسی عیاش جاگیردار کے متعلق بتا کر خبردار کیا تھا تو اس کا نام نہیں لیا تھا۔ زرلالہ نام سے ا نہیں جانتی تھی اس لئے وہ کیسے جان سکتی تھی کہ انجانے میں وہ شیر کی کچھار میں آ گھسی ہے۔ اور وہی جاگیردار ہے جو اپنی ہوس مٹانے کے لئے اُسے ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔

○☆○

"صبح کے دس بج رہے ہیں۔ اظہر کو زیادہ سے زیادہ چھ بجے تک آ جانا چاہئے تھا۔ نگین بیٹے ال فون کر کے پتہ کرو۔" بیگم ریاض کی فکرمندی نکتہ عروج تک پہنچ چکی تھی۔ نگین آج کالج ی تھی۔ فکر تو اُسے بھی ہو رہی تھی۔ اظہر کی نائٹ ڈیوٹی تھی وہ صبح ختم ہو جاتی تھی۔

"میں ہاسپٹل فون کرتی ہوں۔"

اس نے انکوائری نمبر ملایا۔

ادھر سے جو اطلاع ملی' اس نے اِس کے چھکے چھڑا دیئے۔

"انہیں پولیس تھانے لے گئی ہے۔ اُن پر پروفیسر رشید کے قتل کا الزام ہے۔"

"اظہر کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے؟"

سوال بلکہ یہ تصور بھی نگین کے لئے ناقابلِ یقین تھا؟

✪✪✪

"اظہر تھانے میں ہے......؟" بیگم ریاض نگین کی زبانی یہ خبر سن کر سناٹے میں آ گ
کیسے ہوسکتا ہے۔"

بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

نگین جواب میں کیا کہتی۔ اس کے تو اپنے اعصاب جھنجھنا کر رہ گئے تھے۔

"مگر یہ سب ہوا کیسے؟" بیگم ریاض چکراتے سر کو تھام کر لاؤنج کے فرشی قالین
گئیں۔ نگین کچھ سوچتی ہوئی دائیں کنپٹی کو شہادت کی انگلی سے بجا رہی تھی۔

"اس پر پولیس کیس بن گیا ہے خالہ۔" وہ دھیرے دھیرے انہیں تازہ ترین صو
سے آگاہ کرنے لگی۔

"محسن بھی یہاں نہیں ہے۔ اس کے پیچھے تھانے کون جائے گا۔ یہ پولیس تھا
کچہریوں کے چکر تو یوں بھی شیطان کے پھندے کی طرح ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ پاؤں پھن
تو دس گھوڑوں کی طاقت بھی کھینچ کر باہر نہیں نکال سکتی۔" پریشانی نے اُن کی عقل خبط کر دی

"آپ تسلی رکھیں خالہ۔ کچھ سوچتے ہیں۔"

مگر خالی سوچنے سے مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا تھا۔

"خالہ محسن نے ملک آباد کا کوئی کانٹیکٹ نمبر دیا تھا؟"

اس نے کچھ یاد آ جانے پر اُنہیں مخاطب کیا۔

"ارے ہاں' یاد آ گیا۔" بیگم ریاض تیز قدموں سے چلتی ہوئی کمرے میں گئی اور تلاش
ر کے بعد وہ نمبر تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔

نگین نے کوڈ ملا کر نمبر ڈائل کیا۔

دوسری طرف کافی دیر تک بیل بجتی رہی۔

پھر ایک نسوانی آواز کان پڑی۔

"ہیلو۔"

"جی میں اسلام آباد سے بات کر رہی ہوں۔ یہاں آپ کی حویلی میں میرے کزن محسن
اب ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اُن سے بات کرا دیجئے۔" نگین نے سنبھل کر گفتگو کا آغاز کیا۔

"محسن آفتاب......" غنائیہ آواز میں استفسار در آیا۔

"جی ہاں' وہ ساحر ملک صاحب کے ساتھ آئے ہیں' سروے ٹیم......"

"اوہ۔ اچھا۔ میں سمجھ گئی۔ آپ ہولڈ کریں گی یا دوبارہ رنگ کریں گی۔ اصل میں سروے ٹیم
کے ممبرز حویلی کے مردان خانے میں ہیں اور کچھ ریسٹ ہاؤس میں قیام پذیر ہیں۔ پتا کروانا
گا یا اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے نمبر لکھوا دیں۔ میں کانٹیکٹ کر لوں گی۔"

"جی ضرور۔" نگین نے اپنا نام اور نمبر لکھوایا۔

"میرا نام شہریال ہے۔ میں ابھی پانچ سات منٹ بعد آپ کو رنگ بیک کرتی ہوں۔"

پانچ سات منٹ بھی قیامت کی طرح گزرے۔

"سکندر بتا رہا ہے' محسن آفتاب' ساحر بھائی اور سروے ٹیم کے دوسرے ممبران فوری طور پر
لام آباد روانہ ہو گئے ہیں۔"

شہریال نے اطلاع دی۔

"شکریہ۔" نگین کے سر سے جیسے کوئی بوجھ سرک گیا۔ محسن وکیل تھا' وہ خود معاملہ سنبھال سکتا

O☆O

جس شخص نے کبھی زندگی میں تھانے کی اندرونی فضا کا تصور نہ کیا ہو اس کے لئے زنداں

کے درودیوار میں مقید ہونا سوہانِ روح بن جاتا ہے۔ اتنا بڑا حادثہ اس کو پیش آ سکتا ہے' وہم گمان میں بھی نہ تھا۔

''ابھی تو بادشاہو' آپ کے پیشے کی وجہ سے آپ کے ساتھ نرمی برتی گئی ہے ورنہ یہاں ڈرائنگ روم کی سیر کرنے کے بعد بندہ خود بخود باجے کی طرح بجنے لگتا ہے۔ انسپکٹر صاحب ضر کارروائی میں مصروف ہیں۔ اُن کا کہنا ہے' جب تک میں نہ آؤں آپ سے تفتیش شروع جائے۔''

رات کا کھانا دینے کے لئے آنے والا کانسٹیبل اسے بتا رہا تھا۔

اظہر کو تھانے میں بند ہوئے چودہ گھنٹے گزر چکے تھے اور ان چودوں گھنٹوں کا ایک ایا عذاب بن کر گزرا تھا۔

ذلت۔

رُسوائی۔

احساسِ شرمندگی۔

عزتِ نفس کی چوٹ۔

اور غیرت وحمیت پر کاری ضرب۔

ایک ایک احساس اس کو ڈس رہا تھا۔

حوالدار نے پوچھا تھا۔ ''اگر گھر اطلاع بھجوانی ہے یا کسی وکیل شکیل کو بلوانا ہے تو بتا دیں''

مگر وہ مانندِ دیوار ساکن وساکت تھا۔

گھر میں کس کو بتاتا۔

ماں تھی یا پھر نگین۔

بے گناہ ہوتے ہوئے بھی وہ ان کی نظروں کا سامنا کرنے سے لاچار تھا۔

کس مُنہ سے اُن سے ملتا۔

محسن کو اطلاع پہنچائی تھی' ایک اس پہلو سے اُمید کا دیا روشن نظر آتا تھا۔ وہ وکیل تھا' سنبھال سکتا تھا۔

''او جی' تہاڈی ملاقات آئی اے۔''

کانسٹیبل اپنی گنبد نما توند پر بیلٹ کستے ہوئے ادھر آیا۔

وہ چونک کر اُٹھا۔

اسی لمحے سامنے سے محسن آتا دکھائی دیا۔

''اظہر' یہ کیا ہوا۔'' اس نے کپکپا کر حوالات کی سلاخیں تھام لیں۔ اپنے پیارے کو اس حال یکھ کر وہ اپنی ساری ہوش مندی اور شخصیت کا ٹھہراؤ بھول چکا تھا۔

گو کہ اظہر بے قصور تھا مگر ایک ثانیے کو اپنے محسن سے جھجک محسوس ہوئی' وہ فوری طور پر ب دینے اور نظر ملانے کی ہمت نہ کر سکا۔

عجیب سا احساسِ شرمندگی اسے حصار میں لئے ہوئے تھا۔ بے بسی کی زنجیر میں بندھ کر کسی منا کرنا ایک پُراعتماد اور خوددار انسان کی روح پر تازیانہ ہوتا ہے۔

''دیکھ لو' نکے پانڈے۔ یہ دن بھی دیکھنا تھے۔'' وہ خود کو سنبھال کر زبردستی مسکرایا۔ اُس کی کراہٹ میں اضمحلال کا رنگ نمایاں تھا۔

''تو ٹھیک تو ہے ناں' کسی نے تجھے کچھ کہا تو نہیں۔ اگر کسی نے کوئی زیادتی کی ہے تو مجھے یکھنا' میں کیا حشر کرتا ہوں۔ ساحر صاحب بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ انہوں نے آتے ہی ایس پی سے بات کر کے ایس ایچ او کو ''ٹھنڈا'' کرا دیا ہے۔ میں آنے میں کچھ دیر ہو گئی ورنہ تجھے کلیف نہ اُٹھانا پڑتی۔''

''یہ بتا' صورت حال کیا بنی ہے اب۔'' اظہر خود کو بہت تھکا تھکا اور پژمردہ محسوس کر رہا تھا۔

''تجھے تھوڑی سی تکلیف اور برداشت کرنا ہو گی۔ آج کی رات یہاں گزارنا ہو گی۔ صبح ریٹ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ پولیس جسمانی ریمانڈ لینے کے چکروں میں ہو گی' ہم ل ریمانڈ حاصل کریں گے پھر ضمانت کی درخواست داخل کی جائے گی۔ باقی صورت حال ان پیش ہونے اور مقدمے کی باقاعدہ سماعت کے بعد کھل کر سامنے آئے گی۔ بہر حال تو فکر ' میں نے آتے ہی ساری رپورٹ جمع کر لی ہے۔ مکمل صورت حال میرے علم میں ہے۔ انشاء میرا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔ یہ بتا' تجھے جو ڈاکٹر ایمرجنسی وارڈ سے بلانے آیا تھا' اسے تیرے وہ بھی کسی نے اوپر آتے دیکھا تھا۔ کسی نرس یا اٹینڈنٹ نے؟''

''مجھے اس کے متعلق کچھ علم نہیں۔''

"ڈاکٹر اعجاز کا بیان اگر تمہارے حق میں ہو جائے تو معاملہ سلجھ سکتا ہے۔ مگر وہ حلفاً رہے تھے کہ اُنہوں نے تمہیں ایمرجنسی وارڈ میں بندہ بھیج کر نہیں بلوایا تھا۔ ارے ہاں اظہر' ا سن!" بات کرتے کرتے محسن اچانک چونک اُٹھا۔

"وہ آدمی کون تھا جو ڈاکٹر کے روپ میں تمہیں پیغام دے کر بلانے آیا تھا؟ کیا تم نے ا پہلے کبھی ہسپتال میں دیکھا تھا؟"

"نہیں' میں نے مخصوص بیج دیکھ کر یہ اخذ کیا تھا کہ وہ ایمرجنسی ڈیوٹی آفیسرز میں سے ا ہے۔"

"جس وقت تمہیں دھمکی آمیز کال آئی' اس وقت تمہارے آس پاس کوئی تھا؟"

"ہاں' اٹینڈنٹ اور ایک نرس پاس ہی کھڑے تھے۔"

"ہوں۔" محسن نے تسلی بخش انداز میں سر ہلایا۔

"اُن کی گواہیاں ہمارے لئے مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔"

"ایک خاص بات...... اوہ خدایا' میں اتنی بڑی بات کیسے بھول گیا۔"

اچانک ہی اظہر اُچھل پڑا پھر وہ بے چینی سے اپنی پینٹ کی سائیڈ پاکٹس کھنگالنے لگا۔

"کیا بات یاد آ گئی؟"

اظہر جواب دیئے بنا جیب کے اندر کچھ ٹٹولتا رہا پھر اس کا ہاتھ باہر آیا تو محسن نے اُس کے بیچ دبا ٹشو پیپر کا پیس دیکھا۔ اظہر احتیاط سے اسے کھول کر پڑھنے لگا۔

"مائی گڈنیس...... یہ دیکھ محسن!" فرطِ جذبات سے اظہر کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ محسن اشتیاق سے گلابی ٹشو پیپر اس کے ہاتھ سے لے کر پڑھا۔ ٹیڑھی میڑھی لرزیدہ رائٹنگ میں اس ہوا تھا۔

"براؤن آنکھوں اور گھونگریالے بالوں والا ایک آدمی ابھی ابھی سرنج کے ذریعے بوتل کوئی محلول انجیکٹ کر کے گیا ہے۔ اُس کا انداز پُراسرار تھا' مجھے معاملہ گڑبڑ لگتا ہے......" آ کر الفاظ اس طرح ٹوٹ گئے تھے کہ ان سے معانی اخذ کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔

محسن کی آنکھوں میں اُمید کامرانی کی واضح چمک نمایاں ہو گئی۔

"اب تو اور آسانی ہو گئی' معاملہ خود بخود کھل گیا۔ قاتل جعلی ایمرجنسی ڈیوٹی ڈاکٹر

پاس آیا تھا اور تمہارے کمرے سے نکلتے ہی وہ اپنا کام کر گیا۔ وقت آنے پر ہم یہ بات ں ثابت بھی کر دیں گے۔ میں ساحر صاحب کو تفصیلاً بتاتا ہوں۔"

'و بھی سہی محسن۔ مگر میری ذات پر پڑے تذلیل کے چھینٹے کون دھوئے گا۔ اپنے سٹاف امنا' لوگوں کی باتیں پھر امی اور نگین۔ میں ان سب لوگوں کو فیس نہیں کر سکتا۔"

'خواہ مخواہ دل پہ بوجھ نہ ڈال اظہر۔ تیرا دل صاف ہے' ضمیر مطمئن ہے۔ روحانی طور پر ۔ تجھے اور کیا چاہئے۔ ڈریں تو وہ جن کے دل میں چور ہو تو لوگوں کی اُٹھتی انگلیوں کی پروا انہ کس کا ہوا ہے؟ کس کے ساتھ چلا ہے۔ گولی مار سب چیزوں کو اور سٹاف ممبرز بھی تجھے ح جانتے ہیں۔ رہیں امی تو ماں کے دل میں اولاد کے لئے صرف محبت ہوتی ہے اور نگین ے اپنوں میں سے ہے۔ مجھے اور تجھے اچھی طرح جانتی ہے۔ وہ سطحی مزاج کی نہیں ہے۔"

'مگر ایک بات طے ہے' میں اب پمز ہاسپٹل میں مزید جاب نہیں کروں گا۔ بھلے سے اس ں پر کسی پرائیویٹ ہسپتال یا کلینک میں کام کرنا پڑے۔"

اس کی عزتِ نفس اور خودداری اس بات کی اجازت نہیں دے رہی تھی کہ وہ جن ساتھ ورکرز "توب ٹھہرایا گیا تھا' ان کے شانہ بشانہ دوبارہ کام شروع کر سکے۔

'ہاں' یہ تو بعد کی بات ہے۔ میں گھر چلتا ہوں اب۔ امی اور نگین پریشان ہوں گی۔ صبح تم تسلی رکھنا' اچھا۔"

O☆O

ح صادق کا اُجیارا چہار اطراف پھیل رہا تھا۔ سورج مشرق سے سرخ تھال کی مانند نمودار

اہر آئی ایٹ کے قبرستان میں پروفیسر رشید کی تازہ تازہ بنی قبر کے سرہانے کھڑا آس پاس رچی پُراسرار خاموشی' سوگواریت اور متانت کو شدت سے اپنے اندر اُترتا محسوس کر رہا

اجانا تو ازل سے لگا ہوا ہے کہ یہ رسمِ دنیا بھی ہے اور دستور بھی۔ ہر کسی کو اپنی باری پر کوچ ہے۔

گرچہ بعض اوقات کسی کا دنیا سے رخصت ہو جانا اپنے پیچھے ایک بڑا اور پُرپیچ سوالیہ نشان

چھوڑ جاتا ہے۔

پروفیسر رشید کو جس بہیمانہ اور سنگدلانہ انداز میں موت کے گھاٹ اُتارا گیا تھا اور
وقفوں وقفوں سے حملے کر کے اُن کی جان لی گئی تھی' اس عمل نے ساحر کے اندر بجلیاں
تھیں۔

سیدھے اور بھلے رستے پر چلنا بھی گویا ایک جرم بن گیا ہے۔ پروفیسر رشید نے
سزا بھگتی تھی۔

فاتحہ پڑھنے کے بعد وہ بوجھل قدموں سے آگے بڑھنے کو تھا۔ جب موبائل کی بیل
دوسری طرف ایمان تھا۔

''کیا خبر ہے ایمان؟''

''خبر اچھی نہیں ہے۔ وہ آدمی جو جعلی ڈاکٹر بن کر پروفیسر رشید کے کمرے میں گیا
تمہاری نشاندہی پر رات کو ملک دراب کی ایف ایٹ والی کوٹھی سے گرفتار کر لیا گیا تھا مگر
پہلے کہ پولیس اس سے باقاعدہ پوچھ گچھ کر کے حقائق اگلواتی' اُسے پولیس کسٹڈی میں ز
ہلاک کر دیا گیا۔''

''کیا......!'' ساحر بُری طرح چونک اٹھا۔

اسی نے ایس ایس پی سے بات کر کے انہیں ملک دراب کی کوٹھی پر چھاپہ مارنے کی
تھی۔ اسے شک تھا کہ قاتل ملک دراب کی پناہ میں ہے۔ اس کا شک درست ثابت ہوا
گیا مگر اس سے پہلے کہ اس کے ملک دراب کے خلاف ثبوت حاصل کئے جاتے' ملک
اپنے اندر کے آدمی کے ذریعے اسے زہر دے کر ختم کرا دیا۔ ہو سکتا تھا کہ کسی کانسٹیبل کو
کے ذریعے کھانے میں زہر ملایا گیا ہو۔

''یہ تو بہت بُرا ہوا۔ اس جعلی ڈاکٹر کا بیان ملک دراب کو سلاخوں کے پیچھے لے جا

ساحر آہستہ آہستہ چلتا ہوا قبرستان کے احاطے سے باہر نکل آیا تھا۔

''ہاں' مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔''

''محسن کدھر ہے۔ میرا کل سے اس سے رابطہ نہیں ہوا۔ کیا آفس آیا تھا وہ؟''

''نہیں۔ بھائی کی ضمانت کروانے کے بعد وہ اس کے ساتھ ہی گھر چلا گیا تھا

۔ابھی تو یوں بھی ساڑھے سات بجے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' ساحر نے کھوئے کھوئے انداز میں موبائل بند کر دیا۔

ڈرائیو کرتے ہوئے بھی اس کا ذہن بری طرح اُلجھا ہوا تھا۔

''کدھر غائب رہتے ہیں' صاحبزادے آپ۔'' ڈائننگ ہال میں اُس کا سامنا ملک بابا سے

''آپ کے بھائی کی شادی سر پر ہے اور آپ ہیں کہ دکھائی ہی نہیں دیتے۔''

ملک بابا کا موڈ خاصا خوشگوار دکھائی دے رہا تھا۔

''جی' آج کل کچھ مصروفیت ہے۔'' وہ کرسی سنبھال کر اُن کے مقابل بیٹھ گیا۔ ملازمین
سرو کرنے میں مصروف تھے۔ ڈائننگ ٹیبل اتنا بڑا تھا کہ بیک وقت تیس لوگ کھانا کھا سکتے

''سب لوگ اس ہفتے ملکوال روانہ ہو رہے ہیں۔ وہیں شادی کی تقریبات منعقد ہوں گی۔
کب تک پہنچیں گے؟''

''میں شادی پر پہنچ جاؤں گا' فکر نہ کریں۔''

وہ جلد ہی ناشتے سے فارغ ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

سارا گھر شادی کی خوشگوار مصروفیات میں مگن و سرشار دکھائی دیتا تھا۔ زرق برق' چہل پہل'
ہل' ہنگامے' خریداریاں اور دیگر لوازمات جو شادی بیاہ کی تقریبات کا خاصہ ہوتے ہیں' واضح طور
اک ہاؤس میں نظر آ رہے تھے۔ تیار ہو کر نہ جانے اسے کیا سوجھی کہ وہ ملک دراب کے بلیو ایریا
واقع آفس چلا آیا۔

ریسپشن پر پہنچتے ہی اسے جھٹکا سا لگا۔

سیاہ اور سبز پرنٹ کے لباس میں سیاہ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی گلابی رنگت' سیاہ آنکھوں اور سیاہ
ال والی وہ موم کی بنی نازک اندام لڑکی سو فیصد وہی تھی۔

''آپ یہاں......!'' وہ بحرِ تحیر میں ڈوب گیا تھا۔

زرلالہ نے فون رکھ کر بے دھیانی کے عالم میں سر اُٹھایا پھر اُسے سامنے دیکھ کر اور پہچان کر
اری کی لہریں اُس کے چہرے پر پھیلنے لگیں۔

''اس مصیبت نے یہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔'' وہ دل ہی دل میں کوفت میں مبتلا ہو گئی۔

''جی فرمایئے۔ کیا کام ہے آپ کو......؟''

''آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔''

''ظاہر ہے' ڈیوٹی دے رہی ہوں۔ کیا نظر نہیں آ رہا۔'' اس نے خشمگیں نظروں سے اُ
دیکھا۔

''کس قسم کی ''ڈیوٹی'' دے رہی ہیں یہاں۔'' ساحر کا لہجہ بہت چُبھتا ہوا تھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' زرلالہ بل کھا کر بولی۔

''کب سے ہیں آپ اس آفس میں۔'' ساحر نے اس کی تیوریاں نظرانداز کر دیں۔

''ایک ہفتے سے مگر آپ کو اس سے کیا۔''

''میرا ایک مشورہ ہے کہ فوراً سے پیشتر یہ جاب چھوڑ دیں۔''

''کیوں؟'' وہ تلملاتے ہوئے گویا ہوئی ''بڑا آیا مجھے مشوروں سے نوازنے والا۔''

''کیوں کا کیا مطلب ہے۔ نقصان اٹھائیں گی محترمہ۔ نوکری کا اتنا شوق ہے تو کسی ادارے یا سکول وغیرہ کا رخ کریں۔ یہ مشکوک قسم کے پرائیویٹ دفتروں میں دو دو نوکریوں کے پیچھے عزت مت گنوائیں۔''

''آپ کو میری فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔'' وہ رُکھائی سے بولی۔ ساحر نے ا
عنصیلی نظر اس پر ڈالی پھر سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔ لفٹ کے ذریعے نیچے آتے ہوئے وہ
برہم تھا۔ نہ جانے کیوں اُسے اُس کا دراب کے آفس میں جاب کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا
چاہتے ہوئے بھی وہ اس بددماغ اور اکل کھری لڑکی کے متعلق فکرمند ہو رہا تھا۔ وہ درا
ہولناک فطرت سے بخوبی واقف تھا۔

یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اتنی لہکتی مہکتی چنبیلی کی ڈال جیسی حسین و پُر شباب لڑکی اُس کی دسترس آنے سے محفوظ رہتی۔ شاید ابھی اُسے اس کا ''معائنہ'' کرنے کی فرصت نہیں ملی تھی ورنہ ا
ہاتھ صاف کر چکا ہوتا۔

O☆O

''مہرینہ' بیٹے میری بات تو سنو۔ اتنے دنوں سے مُنہ بنائے پھر رہی ہو۔ ماں سے نا
ہو کیا؟''

''کچھ نہیں امی۔ کیا فائدہ کچھ کہنے سننے کا۔'' وہ تلخی سے بولی۔ ''آپ میری ماں لگتی ہی نہیں
ہیں۔ ماں ہوتیں تو بیٹی کے دل کی بات جان چکی ہوتیں۔''

وہ اُٹھ کے جانے لگی۔

یاسمین بیگم کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ رینگ گئی۔ اُنہوں نے آہستگی سے کھینچ کر اُسے
اپنے پاس بٹھا لیا۔

''میں بہت اچھی طرح اپنی بیٹی کے دل کی بات جان چکی ہوں۔ میری چندا' میری زندگی'
ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو۔ میں تمہیں بتاتی ہوں کہ میں نے ملک فیروز کے گھر کا رشتہ کیوں قبول
بلکہ سچ پوچھو تو میں منتظر تھی کہ وہ رشتہ مانگیں اور میں ہاں کر دوں۔ وہ تو اتفاق ایسا ہوا کہ سعود خود
خود ہم سے آ ٹکرایا' ورنہ ملک ہاؤس تک پہنچنے کے لئے مجھے کوئی حیلہ بہانہ کرنا پڑتا۔''

''کیا مطلب......؟'' مہرینہ حق دق ماں کی صورت دیکھتی رہ گئی۔

''ہاں۔'' وہ معنی خیز انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگیں۔

''مگر آپ نے پہلے اُن کے پرپوزل پر انکار کر دیا تھا۔''

''وہ محض ڈرامہ تھا۔ اُن کی خود پسندی اور تکبر پر چوٹ کرنے کے لئے ورنہ میں سوچ چکی
تھی کہ تمہارا رشتہ وہیں طے کرنا ہے' بھلے سے اس کے لئے مجھے کچھ بھی کرنا پڑتا۔''

''مگر کیوں......؟''

مہرینہ ہکا بکا ان کی صورت دیکھ رہی تھی۔

''میں اس لمحے کا برسوں سے انتظار کر رہی تھی' میری جان۔ بڑے طویل اور صبر آزما مراحل گزر کر یہاں تک پہنچی ہوں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ میں اپنی ذلت کا بدلہ لے سکوں اور اپنے
میں مچلتے انتقام کے شعلوں کو ٹھنڈا کر سکوں۔ اس سلسلے میں مجھے تمہارا تعاون درکار ہوگا۔ آؤ'
تمہیں بتاؤں' اصل بات......''

O☆O

''اُن کی نظروں نے خدا جانے کیا کِیا جادو
کہ طبیعت میری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی''

جابر انیتا کو پیار لُٹاتی نظروں سے دیکھتے ہوئے گنگنایا تھا۔

وہ اس وقت اس کے فلیٹ میں تھا۔ آفس سے چھٹی کے بعد وہ اُس کے ساتھ سیدھا اِدھر
تھا۔

یہ پروگرام پہلے سے طے تھا۔ انیتا کی شوخ و مست اداؤں کا جادو کچھ اتنی تیزی سے اس
سر چڑھا تھا کہ وہ کون ومکاں فراموش کر بیٹھا تھا۔ اب اس کی اکثر شامیں انیتا کے ہمراہ گزرتیں
کچھ لوگوں کو صاف ستھرا کھانا چھوڑ کر باہر کی آلودہ اور باسی گلی سڑی چیزیں کھا
عادت ہوتی ہے' سو وہی حال جابر کا تھا۔ طلعت جیسی نیکوکار' شریف اور خدمت گار بیوی چھو
ایک کال گرل کے ناز نخرے اُٹھانے کو ہلکان ہوا جا رہا تھا۔

''سنو! ایسے کب تک ملتے رہیں گے؟'' جابر نے بے قراری سے دریافت کیا۔

انیتا ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی اپنی بکھری ہوئی تراشیدہ زلفیں سنوار رہی تھی۔

''کیسے کب تک ملتے رہیں گے۔'' وہ ایک جھٹکے سے بال پیچھے کرتی ہوئی ادا و ناز سے ا
کر بولی۔

''بھئی اس طرح' ترس ترس کر۔'' جابر بیڈ سے اُٹھ کر اُس تک آیا اور پیچھے سے شانوں
تھام لیا۔

''سچ پوچھو تو تمہارے یہاں سے جا کر میرا جی نہیں لگتا۔ بہت یاد آتی ہو۔ رات گز
مشکل ہو جاتا ہے۔ جی چاہتا ہے' ہر لمحہ تمہارا ساتھ رہے۔ میں سچ کہتا ہوں انیتا' تمہارے بغیر
میرے لئے اب ممکن نہیں رہا۔''

''تو پھر اب کیا کرنا چاہتے؟'' وہ ادائے دلبری سے مسکرائی اور اُس کی آنکھوں میں
گئی۔

''شادی۔'' جابر نے مخمور نظروں سے اسے تکا۔ ''شادی.....'' وہ زیرِ لب مسکراتی ہوئی
سے اٹھی۔

''وہ تو جناب کی ہو بھی چکی' ایک عدد بیوی رکھتے ہیں بھئی۔''

''اُونہہ۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔'' جابر نے حقارت سے طلعت کا ذکر کیا۔ ''اُس کی
مجال کہ میرے معاملے میں دخل دے۔ وہ ایک سائڈ پڑی رہے گی۔ اصل مہارانی تو تم ہی ہو۔''

''اگر ایسی بات ہے تو پھر سوچنا پڑے گا۔'' اس نے اداکاری کی۔

''جب تک تم سوچو' تب تک میں اپنے گھر والوں کو تیار کرلوں۔ آخر ماں بہنوں سے تو
نمٹنا ہی ہوگا۔'' جواباً انیتا شرمائی تو جابر مسرور و محسور ہو کر اس پر فدا ہونے لگا۔

O☆O

اظہر ضمانت پر رہا ہو کر گھر آ چکا تھا مگر جب سے آیا تھا' اپنے کمرے میں بند تھا۔ ہسپتال میں
ں نے استعفیٰ لکھ کر بھجوا دیا تھا اور کسی آئے گئے سے یا فون کال پر بات کرنے سے انکار کر دیا
تھا۔ اس کی ذہنی حالت کے پیشِ نظر گھر والوں نے بھی زیادہ کرید نہیں کی اور ریلیکس ہونے کے
ا اسے فی الوقت اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ محسن مقدمے کی کارروائی نپٹانے میں اتنا مصروف تھا
ہ کم کم ہی گھر پر نظر آتا تھا۔ دوسرے پروفیسر رشید کی تدفین سے لے کر سوئم تک کے تمام
ملات ساحر نے اپنی نگرانی میں کمپنی کے ورکرز کے ساتھ مل کر نپٹائے تھے۔ جن میں محسن بھی
ریک تھا۔

''اظہر چائے پیو گے......؟'' نگین ہلکے سے دروازہ بجا کر کمرے میں داخل ہوئی۔ ایک
لمحے بعد وہ براہِ راست اُس سے مخاطب ہوئی تھی۔ اس کے لہجے میں ملائمت تھی۔

''موڈ نہیں ہے۔'' وہ بستر پر بے ترتیبی سے لیٹا ہوا چھت کو گھور رہا تھا۔ اسے اندر آتا دیکھ
کر سست روی سے اُٹھ بیٹھا۔

''کیوں موڈ نہیں ہے۔ بھئی اب میں بنا کر لائی ہوں تو پینی بھی پڑے گی۔ چلو شرافت سے
پ پکڑو۔'' اس نے اپنے پرانے اپنائیت بھرے انداز میں رعب جمایا۔

اظہر نے مجبوراً کپ تھام لیا۔ نگین دوسرے بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

''یوں کب تک پڑے سوگ مناتے رہو گے اظہر۔ مرد بنو بھئی مرد۔ اور مرد وہ ہوتا ہے جو
کل صورتحال کو ڈٹ کر حوصلے اعتماد اور وقار سے ہینڈل کرتا ہے۔''

وہ لگی لپٹی رکھے بغیر دو ٹوک گویا ہوئی۔ وہ جانتی تھی' اس وقت اظہر کی جو اعصابی کیفیت تھی'
ایسے میں اسے اسی طرح کی ڈوز کی ضرورت تھی۔ اظہر اس سے کترا رہا تھا۔ اس کی جھجک اور گریز
ابھری تھی۔ جس کزن کے آگے وہ ہمیشہ سر اُٹھا کر ہنستا کھلکھلاتا مطمئن و مسرور روپ میں آیا تھا'
اس کے سامنے وہ اپنی ٹوٹی پھوٹی شکستہ کیفیت کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''سوگ کس بات کا۔'' وہ خجل سا ہو کر بمشکل مسکرایا۔

''یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں کہ سوگ کس بات کا۔ کون سا انوکھا یا عجیب و غریب واقعہ ہوا ہے۔ ٹھیک ہے' غلط فہمی کی بنا پر تمہیں پولیس کے ہاتھوں یہ ذلت اٹھانی پڑی اور حوالات اندر قدم رکھنے پڑے لیکن تمہاری بے گناہی ثابت ہو چکی ہے تو اب کس بات کا اندیشہ۔''

''دنیا والے نگین۔'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''دنیا کی پروا کر کے کس نے ثواب کمایا ہے آج تک۔ دنیا کی تو فیورٹ ہابی یہی ہوتی دوسروں پر کیچڑ اُچھالنا' دل دکھانا' زخم دینا۔ تم کیوں اپنی مثبت صلاحیتوں کو دنیا کی خاطر خاک ملاتے ہو۔ ٹھیک ہے اگر تم کمپلیکس ہاسپٹل میں جاب نہیں کر سکتے تو کسی اور جگہ ٹرائی کر لو۔ ا طرح دل اور اُمید ہار کر بیٹھ رہنے سے نقصان صرف تمہارا ہو گا۔ اس پیاری دنیا کا کچھ نہیں جا گا۔ جانتے ہو' خالہ تمہاری وجہ سے کتنی پریشان ہیں' آج کل۔ انہیں اس کی پروا نہیں ہے کہ تمہیں الزام لگا کر حوالات میں بند کیا گیا اور اس وجہ سے اُنہیں لوگوں کی طنز و تمسخر بھری نظروں کا سا کرنا پڑا بلکہ وہ تمہارے ردِعمل سے پریشان ہیں۔ تم جس احساس شرمندگی کے خول میں چھپ ڈھے گئے ہو' اس طرز عمل نے ہم سب کو تکلیف میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ہم تمہیں پہلے کی طرح ہشا' بشاش' پُر اعتماد اور بے نیاز و بے پروا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر تمہیں ہم سے محبت کا دعویٰ ہے' ا ہماری زبان پر یقین رکھتے ہو تو یقین کر لو کہ ہماری نظر میں تمہارا مقام' تمہارا وقار اور تمہاری ذا کا احترام اسی طرح محفوظ ہے' جیسے پہلے تھا۔ کچھ بھی نہیں بدلا' سب کچھ وہی ہے۔''

نگین بہت دیر تک اُسے سمجھاتی رہی' حتیٰ کہ اظہر کے جسم میں پیوست ذلت و اذیت کی ساری زہریلی سوئیاں ایک ایک کر کے نکلتی چلی گئیں۔

O☆O

ملک دراب ان دنوں ملکوال میں ہی تھا۔ اس کے کچھ عیاش دوست شہر سے آئے ہوئے ' اُن کا قیام ڈیرے پر تھا۔ سارا دن شکار کھیلنے میں گزرتا پھر ڈیرے پر آ کر شراب و کباب اور شبا کی محفلیں جمتیں۔ اس کام کے لئے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑتا تھا۔ لاہور کی ہیرا منڈی سے ایک ایک اچھا ''دانا'' داموں کے عوض مل جاتا تھا۔ دراب نے یار دوستوں کی خدمت کے لئے پو ا طائفہ ہفتے کے لئے بک کروا لیا تھا۔ ہر روز محفل ناؤ نوش بجتی تھی۔

''یار جانی۔ یہ شہر کے ہیرے موتی تو ہم وہاں بھی دیکھتے پرکھتے رہے ہیں' اِن کو چھوڑ

ہے۔ کوئی گاؤں کا کوہِ نور ہو تو دکھاؤ۔'' ایک دن کسی رئیس زادے نے ترنگ سے فرمائش کی۔

''صرف ایک۔ بھئی' یہ تو ہمارے ظرف کی توہین ہے۔ تم جس پہ ہاتھ رکھو' حاضر کئے دیتے حکم کرو' میری جان!''

ملک دراب نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے فراخدلی سے کہا۔

''وہ جو دکاندار ہے جو گاؤں کی نکڑ پر بیٹھتا ہے۔ دکان کے ساتھ ہی جس کا گھر ہے۔ وہاں ہے الھڑ مٹیار دیکھی تھی میں نے۔ وہ دکان پہ کھانا پہنچانے آئی تھی' خدا جانے اُس کی بیٹی ہے یا کچھ ...''

''نکڑ پر تو ڈوگر کی دکان ہے۔ اوئے شیرے' کیا نام ہے ڈوگر کی بیٹی کا۔''

''بہار' چھوٹے ملک۔'' شیرے نے جھٹ سے معلومات پہنچائیں۔

''بڑے خاصے کی چیز ہے' ملک جی۔ میں نے ایک بار پہلے بھی آپ سے ذکر کیا تھا۔ آپ حکم دیا تھا' کبھی فرصت میں اُسے ڈیرے پر بلانا۔''

''ٹھیک ہے۔ اُسے آج رات ڈیرے پر لے آؤ۔ مگر دیکھو' ذرا دھیان سے۔ آج کل اسلام آباد سے ملک ہاؤس کے لوگ شادی کے سلسلے میں یہاں آ رہے ہیں۔ اِن حالات میں کوئی گڑبڑ ہوا تو ابا جی غصے ہوں گے۔''

''آپ فکر ہی نہ کریں چھوٹے ملک۔ سارا کام مجھ پر چھوڑ دیں۔'' شیرا مستعدی سے گویا ہوا۔

ملک دراب سے اجازت لے کر وہ سیدھا ڈوگر کی دکان پر پہنچا۔

''اپنی بیٹی کو آج کے لئے حویلی بھیج دو بھئی۔ ملک صاحب کا حکم ہے' حویلی میں کچھ کام ہے۔''

وہ اپنے پالتو غنڈوں کے ساتھ آیا تھا۔ ڈوگر مسنڈوں کے اس گروہ کو دیکھ کر دل ہی دل میں ادھ موا ہو گیا۔

''اگر حویلی میں کام ہے تو میں اپنی بیوی کو بھیج دیتا ہوں۔'' وہ عاجزانہ گویا ہوا۔

شیرا ٹھٹھا مار کر ہنسا اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔

''تیری بڈھی کو ملک جی نے کیا کرنا ہے' اپنی لڑکی کو بھیج اُس کا بلاوا آیا ہے۔''

''دیکھو بھائی شیرے۔ مجھ پر ترس کھاؤ۔'' ڈوگر نے دونوں ہاتھ جوڑے۔ ''میں جوان کو رات بھر کے لئے گھر سے باہر نہیں بھیج سکتا۔ کوئی امیر ہو یا غریب عزت سب کی سانجھی ہے۔''

''دیکھ سوچ لے ڈوگر۔ ملک دراب کو نہ کہنے والا زمین کے اوپر کم ہی ملتا ہے۔'' شیرے نے دھمکی دی۔

''کچھ بھی ہو۔ میں بہار کو حویلی نہیں بھیجوں گا۔'' جب منت سماجت کا بھی کوئی فائدہ نہیں تو ڈوگر بالآخر ڈٹ گیا۔

''ٹھیک ہے۔'' خلافِ توقع شیرا اپنے غنڈوں سمیت دکان سے واپس چلا گیا اور غریب کو سُولی پہ لٹکا گیا۔

کیا ارادے ہیں' کیا ہوگا۔ اس خاموشی کے پیچھے کیا راز پوشیدہ ہے۔ ڈوگر اندازے لگا کر تھک گیا تاوقتیکہ آنے والی گھڑیوں نے خود راز کھول دیا۔

شیرے نے رات کے کسی پہر اُس کے گھر میں کود کر بہار کو اُٹھالیا اور ڈیرے پر پہنچا دیا کرنے کی یہ واردات اتنے پُراسرار انداز میں رُونما ہوئی تھی کہ ڈوگر اور اس کی بیوی کو صبح فجر وقت بہار کا خالی بستر دیکھ کر اُس کی غیر موجودگی کی اطلاع ملی۔

وہ اور اس کی بیوی روتے پیٹتے حویلی پہنچے اور ملک ایاز کی عدالت میں فریاد سنائی۔

''کل شیرا ملک دراب کے کہنے پر میری بچی کو حویلی بلانے کے لئے آیا تھا۔ اس نے جا ہوئے دھمکی بھی دی تھی ملک جی۔''

''بھئی' حویلی کا کونا کونا تمہارے سامنے ہے۔ دیکھ لو اگر یہاں مل جائے۔'' ملک ایاز نیازی سے گویا ہوئے۔ وہ اُس کی بات سے زیادہ حقے کے کش لینے میں دلچسپی لے رہے تھے۔

''ملک جی' میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔ میری بیٹی کو ڈھونڈ دیں' اُسے ہم سے دیں۔'' ڈوگر کی بیوی واویلا کر رہی تھی۔

''او بی بی' مجھ سے کیا کہتی ہو' جاؤ کسی نوکرانی کے ساتھ جا کر زنان خانے میں دیکھ کر تسلی لو۔ اگر تمہاری بیٹی یہاں ہوتی تو میں اُسے اب تک تمہارے حوالے کر چکا ہوتا۔ فالتو میں میرا اور ٹیم ضائع نہ کرو۔''

''اگر یہاں نہیں ہے تو پھر کہاں جاسکتی ہے!'' غیرت پہ چوٹ کھائے نڈھال اور شکستہ حال آہ بھری۔

''جوان عمری میں لڑکیوں کو ایک ہی چسکا ہوتا ہے۔ عاشقی معشوقی کا۔'' ملک ایاز حقارت لے۔ ''جاؤ گلی کے کسی لونڈے لپاڑے کو پکڑ کر پوچھو۔ ہوسکتا ہے' کسی سے آنکھ مٹکا کر کے گئی ہو۔''

''میری بہار ایسی نہیں ہے ملک جی۔'' ماں نے تڑپ کر تصحیح کی۔ ''وہ تو بڑی سیدھی سادی اور کام سے کام رکھنے والی لڑکی ہے۔ سارا پنڈ اس کی شرافت کی مثال دیتا ہے۔''

''تو پھر اُنہی سے پوچھو' میرا سر کھانے کیوں صبح صبح بڈھا بڈھی چلے آئے ہو۔''

اُدھر سے دُھتکارے گئے تو ناچار وہ واپس آ گئے۔

وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ بہار ملک دراب کے ڈیرے پر بہت سارے وحشی درندوں بیچ میں رات بھر بار بار لٹتی رہی تھی۔ صبح نیم بے ہوشی کے عالم میں اسے ملک دراب کے کہنے کی اسلام آباد والی کوٹھی پر پہنچا دیا گیا تاکہ اُس کی ڈیرے پر موجودگی کا ثبوت نہ ملے۔ یوں اگلے دن اُس کے دوست رخصت ہو گئے تھے۔ لہٰذا ملک دراب بہار کے وجود کی رہی سہی الی و تازگی نچوڑنے کے لئے اسلام آباد پہنچ گیا۔

O☆O

''میرے کمرے میں آنا' ایک ضروری کام ہے۔''

طلعت کچن میں رات کے کھانے کے بعد برتن سمیٹ رہی تھی' جب پُشت پر جابر نے اپنے اس اکل کھرے انداز میں مخاطب کی۔

جب تک وہ پلٹتی' وہ جا چکا تھا۔

''کون سا کام ہوسکتا ہے۔'' وہ جلدی جلدی برتن سمیٹ کر دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتی ل جابر کے پُرتعیش کمرے میں آ گئی۔ وہ بیڈ پر لیٹا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

''جی' آپ نے بلایا تھا۔'' طلعت خادماؤں کی سی عاجزی سے گویا تھی۔

''بیٹھو۔'' آقا نے ازراہِ مروت اجازت دے کر جیسے احسانِ عظیم کیا۔

طلعت جھجکتی ہوئی پائنتی کی طرف سمٹ کر بیٹھ گئی۔

یہ "بلاوا" بڑی مدت بعد آیا تھا۔

اس لئے طلعت کو تجسس بھی تھا اور جھجک بھی۔

اس کے حمل کا چھٹا مہینہ چل رہا تھا۔ آرام کی سخت ضرورت محسوس کرنے کے باوجود باقاعدگی کے ساتھ روزمرہ کے کام نپٹا رہی تھی۔ ساس نندوں کو بھی کبھی توفیق نہ ہوئی تھی کہ منہ ہی سے آرام کرنے کو کہتیں۔ مشین جب تک چالو رہے اس کی خرابی کا پتا نہیں چلتا۔

"ایک کاغذ پر دستخط کرنا ہیں۔"

بڑی دیر کے بعد جابر گویا ہوا۔

"کس قسم کے کاغذ پر......!"

طلعت کی حیرت بجا تھی۔

جابر نے سائڈ ٹیبل سے ایک فارم اُٹھا کر اُس کی طرف بڑھایا۔

فارم پر نگاہ ڈالتے ہی طلعت کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

"یہ...... یہ تو دوسری شادی کا اجازت نامہ ہے۔"

وہ یوں بیڈ کی پائنتی سے اُٹھی جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔ جابر اطمینان سے ٹانگ پہ ٹا جمائے نیم دراز تھا۔

"ہاں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تمہیں بس دستخط کرنے ہیں۔ چُپ چاپ کر دو۔"

"کیسے کر دوں چُپ چاپ!" وہ احتجاجاً بولی۔ وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"اگر یہ مذاق ہے تو......"

"یہ مذاق نہیں ہے۔" جابر بات کاٹ کر تیز لہجے میں بولا۔

"مجھ سے آپ کو کیا شکایت ہے۔ کیا قصور ہے میرا۔ کون سی غلطی سرزد ہوئی ہے مجھ آپ......"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں ہر وار برداشت کر سکتی ہوں جابر۔ ہر قسم کی ذلت و خواری سہنے کے لئے تیار ہوں اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی کہ آپ میری جگہ کسی اور کو دے دیں۔"

"تم ہوتی کون ہو مجھے اجازت دینے والی۔" جابر بل کھا کر اُٹھا۔ اُسے جیسے پتنگے لگ

"یہ تو میری مہربانی ہے جو میں نے تم سے پوچھ لیا ورنہ بغیر بتائے اُسے بیاہ کر لے آتا تو تم میرا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ ناشکری اور بدسلیقہ عورت۔ تم نے دیا ہی کیا ہے مجھے ان تین سالوں کوئی ایک دن ایسا نہیں گزرا جب مجھے تمہاری ذات سے سکھ یا آرام ملا ہو۔ ہر وقت وہی ای روئی مظلوم اور اُداس صورت میں تمہاری نحوست ٹپکاتی شکل دیکھ دیکھ کر بیزار ہو گیا ہوں۔ گی میں تبدیلی چاہتا ہوں۔ اس لئے اپنی مرضی کی بیوی لانا چاہتا ہوں۔"

خدا جانے مرد کیا چاہتا ہے۔

عورت خدمت گار اور منکسر المزاج ہو تو بھی ناخوش۔

اور پھوہڑ نخریلی اور تنک مزاج ہو تو بھی شکوہ۔

عورت قدموں میں بچھے یا سر پر چڑھے کسی حیثیت میں بھی مرد کے لئے زیادہ دیر تک ل انگیز نہیں رہتی۔

"میں سائن نہیں کروں گی۔"

طلعت اُڑ گئی۔

"کیسے سائن نہیں کرو گی۔ تمہاری یہ جرأت!" جابر نے طیش کے عالم میں اسے بالوں سے جھٹکا دیا اور زمین پر گرانے کے بعد ٹھڈوں پر رکھ لیا۔

"میری نافرمانی کرتی ہے بدزبان عورت۔ میں تمہیں سکھاتا ہوں سائن کیسے کرتے ہیں۔" بیدردی سے پیٹتے ہوئے اس شقی القلب انسان کو یہ بھی خیال نہیں آیا کہ وہ دوسرے جی ہے۔

خدا جانے ایک لات پیٹ پر کس طرح لگی کہ ضبط و برداشت سے مار کھاتی طلعت کی چیخ گل وہ تڑپ کر دوہری ہوئی اور ذبح کئے ہوئے جانور کی طرح زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگی۔

اس کی چیخیں سن کر صفیہ اور چندا جابر کے کمرے میں آ گئیں۔ صفیہ کچھ دیر تک اطمینان سے بیٹا کے ہاتھوں پٹتے دیکھتی رہی پھر طلعت کی نیلی پڑتی رنگت اور نیم بے ہوش وجود دیکھ کر آہستہ آگے بڑھی۔

"چھوڑ دے جابر بہو کی حالت اچھی نہیں ہے۔ کچھ خرابی ہو گئی تو نئی مصیبت پڑ جائے گی۔"

ماں کے کہنے پر جابر تن فن کرتا پیچھے ہٹ گیا۔ صفیہ کچھ دیر تک انتظار کرتی رہی کہ طلعت
اُٹھ کر بیٹھے گی مگر جب اُس کے وجود میں جنبش کے آثار نادیدہ دکھائی نہ دیئے تو چندا کو اشارہ کیا
"اِس کو سیدھا کرو۔ ایک تو ہماری بہو کو بھی ڈرامے کرنے کی عادت ہے۔ بہت سی
خاوندوں سے پٹتی ہیں۔ اب اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ چیخ و پکار کر کے سارا محلّہ سر پر اُٹھا لیں"
"اماں، بھابی بے ہوش ہیں اور ہاں، اِن کی بلیڈنگ ہو رہی ہے۔"
چندا طلعت کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔
صفیہ مارے باندھے قریب آئیں۔
اپنے طور پر انہوں نے کچھ گھریلو ٹوٹکے کیے مگر جب صورتِ حال کسی طرح قابو میں نہ آئی
جابر سے ہسپتال چلنے کو کہا۔
"ارے اماں، ابھی ٹھیک ہو جائے گی لوٹ پوٹ کر۔" وہ بیزاری سے بولا۔
"نہیں بیٹے، اس کی حالت خطرناک ہے اور کہیں جان سے چلی گئی تو ہمارے سر خون
اس وقت یہی بہتر ہے کہ ہسپتال لے جایا جائے۔"
صفیہ ہوشیار تھیں۔ موقع محل سمجھتی تھیں۔ طلعت کسی بھی لمحے جان سے جا سکتی تھی۔
"اِس کے میکے میں اطلاع کر دو کہ طبیعت خراب ہے۔ ہسپتال لے جا رہے ہیں۔"
اسے ہولی فیملی ہسپتال لے جایا گیا۔ کیس اتنا سیریس تھا کہ اول تو ڈاکٹرز لینے پر تیار نہ
تھے۔
"اِن کا بچنا معجزہ ہی ہو گا۔ اِن کی جان لینے کے پورے پورے سامان کئے گئے ہیں
اس حالت میں کیسے رسک لیں۔"
گائناکالوجسٹ نے ناک بھوں چڑھائی تھی مگر پھر جابر نے کسی طرح اپنے اثر و رسوخ کا
حوالہ دے کر آپریشن کے لئے راضی کر لیا۔
"بچے کے بچنے کا تو خیر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مریضہ کی جان بچ جائے تو بڑی
ہے۔"
آپریشن تھیٹر کا دروازہ بند ہو گیا۔
راحت ابا اور اماں کے ساتھ اطلاع ملتے ہی ہسپتال آئی تھی۔ صفیہ اور جابر انتظار کر

تھے۔ راحت کو اتنا قہر چڑھا ہوا تھا کہ اُس نے صفیہ کی وضاحتوں پر کان دھرنے کی بھی
نہیں کی، وہ دل سے بہن کی صحت و سلامتی کے لئے دعا گو تھی۔

O☆O

دراب بڑے دنوں بعد اپنے آفس آیا تھا۔
ریسپشن کے پاس سے گزرتے ہوئے اچانک ہی اس کی نگاہ زرلالہ پر پڑی تھی۔ وہ
گ سے ٹیلی فون ریسیور کان سے لگائے پیغام نوٹ کر رہی تھی۔
"آہا۔ یہ حسین و شاداب پھول میرے دفتر میں کھلا ہوا ہے اور میں اِسے سارے جہان میں
ل کرتا پھرا۔"
"یہ کون ہیں ممتاز......؟"
"سر، یہ نئی ریسپشنسٹ ہیں۔ مس نسرین کی جگہ اپائنٹ کی گئی ہیں۔"
اُسی ساعت زرلالہ کام سے فارغ ہوئی تھی۔ نظر اُٹھا کر سامنے کھڑے ملک دراب کو دیکھا
ر جیسے اُسے سانپ سُونگھ گیا۔ یہ تو وہی تھا۔
وہی ہوس پرست جاگیردار جو اُس کے پیچھے پڑا ہوا تھا اور جس کے خوف نے اس کے
اب کو لحہ بہ لحہ شکنجے میں جکڑے رکھا تھا۔
"یہ ہمارے باس ہیں مس زرلالہ۔" ممتاز متعارف کروا رہا تھا۔
"باس۔" زرلالہ کے قدموں تلے سے زمین سرکنے لگی۔ اُسے ساحر کی تنبیہ اور مشورہ یاد آ
تا۔

❁❁❁

ملک دراب ایک بھرپور اور معنی خیز نظر اُس پر ڈال کر بڑے موڈ میں اپنے کمرے
تھا۔ اسے باپ کی نصیحت یاد تھی۔

شکار کو گھیرنے کا اپنا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ جلد بازی اور بے صبری نقصان دیتی ہے۔

یوں بھی اب تو پنچھی دام میں تھا۔ نکل کر کہاں فرار ہو سکتا تھا۔ اندر جاتے ہی اس سیکرٹری کو طلب کیا اور اُسے زرلالہ کے پرسنل بائیوڈیٹا والی فائل لانے کو کہا۔

O☆O

''دیکھو بھئی آمنہ اب یہ باتیں ہمارے تمہارے سمجھانے کی تو نہیں ہیں۔ خیر سے تین ہو چکے ہیں شادی کو۔ عمردار عورت ہے۔ کوئی ننھی کاکی تو ہے نہیں کہ اپنی حالت کی خیر خبر اور بھال نہ کر سکے۔ اس کو خود سوچنا چاہئے تھا کہ خیر سے دوسرے جی سے ہے۔ یہ احتیاطیں سکھا بتلانے کی تھوڑی ہوا کرتی ہیں؟''

ڈاکٹرز کے بشرے سے جھلکتی گمبھیرتا اور صورت حال کی سنگینی کا احساس دلاتی سنجیدگی پریشان تو صفیہ بھی تھیں مگر احساسِ جرم کو مٹانے کے لئے ایسے کڑے وقت میں بھی طلعت کی ما جتائے بغیر نہ رہ سکیں۔

آمنہ خاموشی سے لکڑی کے بینچ پر پاؤں اوپر سکیڑ کر چادر لپیٹے مسلسل تسبیح کے دانوں

رہی تھیں۔ وہ جب سے ہسپتال آئی تھیں مہر بہ لب تھیں۔ فقط بے خواب آنکھوں سے گرتے
ت آنسو ان کی دلی کیفیات کے ترجمان تھے۔ انہوں نے اپنی سمدھن کے سوال کے جواب
ید تیزی سے تسبیح کے دانے گرانے شروع کر دیئے۔

صفیہ کو یہ سکوت خاصا چبھا۔ پہلو بدل کر تیکھی ہو کر بولیں۔ ''عقل مند مائیں بیٹی کو ڈولی میں
لے سے پہلے ساری عقلیں سکھا کے بھیجتی ہیں کہ خاوند کو کیسے خوش رکھا جاتا ہے اور سسرالیوں
کس طرح بنا کے رکھنی چاہئے۔ جابر نے اس کو ایسا کیا کہہ دیا کہ وہ آگے سے زبان چلانے
آخر مرد ذات ہے۔ جو کما کے لاتا اور سب کو گھر بٹھا کے کھلاتا ہے' اس کو غصہ بھی آ جاتا ہے۔
ں کو اپنے مرد کا غصہ جھیلنے کی تربیت ماؤں سے ملتی ہے اور تم نے تو معاف کرنا خود غلام بھائی کو
وہر کی سی عزت نہیں دی۔ ہمیشہ اُن کی برابری کرتی رہیں۔ کچھ وہ بھی فطرتاً شریف اور
ے سادے ہیں۔ لڑائی جھگڑے سے بچتے ہیں اس لئے اب تک گزارا ہو گیا۔ مگر اب ہر مرد تو
بھائی کی طرح نہیں ہوتا ناں۔ اگر تم نے طلعت کو صبر و برداشت اور خدمت گاری کی تاکید کی
ا تو آج یہ سب نہ ہوتا۔'' راحت نے ایک قہر بھری چلچلاتی ہوئی نگاہ صفیہ پر ڈالی تھی۔

بی تو چاہ رہا تا اُن کے منہ پر ٹیپ چپکا کے ہمیشہ کے لئے اُن کے آگ اگلتے ہونٹوں کو بند
اے۔

اس کے ماں باپ دونوں دھیمی طبیعت کے مالک تھے اور ان میں شروع سے ہی بلا کی ہم
رہی تھی۔ اُن کی معاملہ فہمی' باہمی تعاون اور ایک دوسرے کی مزاج آشنائی نے غربت اور
ل کے انتہائی ایام میں بھی کسی بڑی تلخی اور جھگڑے کو جنم لینے کا موقع نہیں دیا تھا۔ دونوں میاں
شکر سے دن کاٹنے کا ہنر جانتے تھے اور یہی بچوں کو بھی سکھایا تھا۔ صفیہ کا الزام کھسیانی بلی
ا کھمبا نوچنے کے مترادف تھا۔

''کون سی ناقابل معافی گستاخی کر ڈالی تھی آپا نے بادشاہ سلامت کی شان میں' جس کی
میں ان کو جان سے مار ڈالنے کی سازش کی گئی۔''

راحت کے اندر غم و غصے کا ابال اٹھ رہا تھا۔ بس نہیں چلتا تھا کہ اس قاتل خاندان کے ایک
کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھجوا دے۔

''اے ہے کیا بک رہی ہو لڑکی۔'' صفیہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ اچھل کر بینچ سے

اٹھیں۔ وہ بگڑیں اور ایسا بگڑیں کہ الاماں۔

''ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے مرنے مارنے کی جو منہ میں آتا ہے بکے چلی جا رہی نے تمہاری بہن کو مار کے کون سے مربع نام لگوانے تھے۔ اماں باوا نے جو کچھ دیا دلا یادہ سا کے سامنے ہے۔'' آخری جملہ دانت پیس کے خاصے طنز سے کہا گیا۔

''دیکھ رہی ہو آمنہ اپنی بیٹی کی زبان۔ یہ تمہاری ہی دی ہوئی جرأت ہے جو یوں کے بول رہی ہے۔ ہوتی جو میری بیٹی تو ابھی زبان کاٹ کے ہتھیلی پر رکھ دیتی۔ ہم نے اپنی زبان درازی نہیں سکھائی ہوئی۔ تبھی تو راج کر رہی ہیں اپنے سسرال میں۔''

''راج بھی وہ اپنی زبان درازی کی وجہ سے ہی کر رہی ہیں۔ اُن کے سسرال والے ہیں جو اُن کی تیز مزاجی سے ڈر کر اپنی عزت کی خاطر چپ رہتے ہیں۔ اتنی لڑاکا' جھگڑالو عورتوں کے آگے بول کر جہان کو تماشا دکھانا کون پسند کرتا ہے۔'' راحت نے دوبدو جواب ادھار رکھنے کی وہ قائل بھی نہیں تھی۔

''راحت' بیٹی باؤلی ہوئی ہو کیا۔ موقع محل بھی دیکھ لیتے ہیں۔'' آمنہ نے بیٹی کو ک میں مخاطب کیا۔ ''تمہاری خالہ ہیں۔ بڑی ہیں تم سے۔ اس طرح بات کرتے ہیں کیا!''

وہ سمدھن کو مطمئن کرنے کے لئے گویا فرض پورا کر رہی تھیں وگرنہ سچ تو یہ تھا کہ انہیں طلعت کی زندگی کی دعا کرنے کے سوا کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔ ان کا سارا دھیان آ کے بند کمرے کی طرف لگا ہوا تھا۔

''شاباش ہے بھئی آمنہ تمہاری بیٹی پر۔ توبہ استغفار۔ سات سلام ہے۔ اب تو عرفان ناک رگڑے میرے آگے' میں نہ لانے کی ایسی بہو۔''

صفیہ کے منہ سے قبل از وقت یہ بات پھسل پڑی۔ آمنہ تو خیر کسی حد تک اس بات تھیں تاہم راحت کے لئے گویا ایک حیرت انگیز انکشاف ہی تھا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی ماں کو دیکھتی تو کبھی صفیہ کو۔

صدمہ' بے یقینی' غصہ اور حیرت ایک ساتھ اُس پر حملہ آور ہوئے تھے۔

''میں اور عرفان......؟'' اس نے صفیہ کی آنکھوں میں جھانک کر لال انگارہ بن ''اپنی شہ رگ نہ کاٹ لوں میں؟ کسی بھول میں نہ رہیے گا خالہ۔ بھلے سے والدین کی

یا او جاؤں مگر آپ کے سپوت کا رشتہ قبول نہیں کروں گی۔''

''اے میں تھوکتی بھی نہیں ایسی لڑکی پر۔ ہم تو ایک لے کر پچھتا رہے ہیں۔ صلہ رحمی اور قربت کا اچھا صلہ پایا ہے۔ نہ شوہر کی ہوئی نہ کام کاج کی۔ صدیوں کی بیمار' کمزور' ڈھلتی عمر' ردتی اور سلیقے طریقے سے کوری۔ وہ تو ہم ہی ہیں جو برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں وگرنہ کہیں ماہی ہوتی تو ایسے گنوں والی بیٹی تو کب کی گھر بٹھا دیتے۔ اور تمہیں بھی دیکھ لیں گے بی بتو کہ کس گل سرا سے رشتے آتے ہیں۔ ہونہہ۔''

صفیہ نے حقارت سے سر جھٹکا۔

''نہ آئے بھلے سے کوئی پوچھنے۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا' یہی ناں کہ میری شادی نہیں ہو طلعت آپا نے بیاہ کر کے کون سا سکھ پالیا۔ شادی نہ ہونا صرف ایک غم ہے مگر غلط جگہ شادی لے کے بعد جو مسائل اور تکلیفیں بھگتنی پڑتی ہیں اُن کا حساب کرنے کے لئے دیوان بھی کم پڑ تے ہیں۔''

راحت نے تلخی سے جواب دیا۔

''خدا کے واسطے راحت' میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' آمنہ نے زچ ہو کر بیٹی کی طرف دیکھا۔ اُن کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو تھے۔ ظاہر ہے بیاہتا بیٹی کی ساس کا دل بُرا کرنا کہاں گوارا کر سکتی تھیں۔ صفیہ کے مزاج کی سختی اور تکبر کو ان سے بہتر کون ان سکتا تھا۔

''اماں آپ بھی ہر وقت مجھے ہی چپ کراتی رہتی ہیں۔ ان کو بھی تو دیکھیں ناں۔''

وہ ہار کر ماں کے پاس بیٹھ گئی۔

''تم ان کی برابری کرو گی کیا۔''

''برابری کی بات نہیں ہے۔ ظالم کو اُس کے ظلم کا احساس دلانا بھی بھلائی کہلاتا ہے۔ اگر آپا بدلہ لینے اور بُرے کو مزید بُرا کہنے کی جرأت ہوتی تو آج وہ زندگی اور موت کی جنگ نہ لڑ رہی ہوتیں۔ بہت زیادہ سیدھا' فرمانبردار اور عاجز و مسکین ہونا بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ خاص طور پر آج زمانے میں یہ چیزیں خامیوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ ایسے لوگوں کو بے وقوف بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا کیا مشکل کام ہے۔''

''اچھے بُرے جیسے بھی حالات ہوں بندے کو سہنا چاہئے۔ برداشت کرنا چاہئے۔'' آمنہ

نے دھیرے سے سمجھایا۔

''مگر کب تک۔ کیا اس وقت تک جب تک کہ آخری سانس رہ جائے؟'' وہ تلخ ہوگئی

''بیکار بحث نہ کرو۔ بہن کی زندگی اور سلامتی کی دعا کرو۔''

آمنہ بے چینی سے آپریشن تھیٹر کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''آپ سے تو اتنا نہ ہوسکا کہ صفیہ خالہ کو جابر بھائی کی بے حسی اور سنگدلی کا ہی ا... ا
سکتیں۔ بیوی آپریشن تھیٹر میں نیم مردہ پڑی ہے اور وہ صاحب انہیں ہسپتال میں پھینک
فرمانے گھر جاچکے ہیں۔''

''ظاہر ہے اُسے صبح ڈیوٹی پر پہنچنا ہے۔ اب وہ ناز برداریاں اٹھانے کے لئے اپنی
تباہ نہیں کرسکتا۔''

صفیہ باتھ روم سے ہوکر آگئی تھیں۔ کان اتنے تیز تھے کہ راحت کی بات دور
تھی۔ قریب آئیں تو پٹاخ سے ٹکڑا توڑا جواب دینے سے باز نہ رہ سکیں۔ راحت نے شما
اُن پر ڈالنے کے بعد رخ پھیرلیا۔

O☆O

زرلالہ جیسے تیسے گھر واپس پہنچی تھی۔

اُس کا پورا جسم دل بن کر زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''اوہ میرے خدایا! کیسی عجیب دنیا ہے یہ۔''

وہ سر تھامے سوچ رہی تھی۔

یہاں شکاری کس کس روپ میں گھات لگائے بیٹھے ہیں۔

کوئی کس طرح انہیں پہچانے۔

اُن سے بچنے کی تدبیر کرے۔

اُسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ زمانے کی اس چلچلاتی دھوپ میں اسے ایک
سائبان کی ضرورت ہے جو اسے اور بچوں کو اپنے حصار میں محفوظ رکھ سکے۔

مگر یہ سائبان آتا کہاں سے۔

شادی واحد حل تھا۔

مگر شادی کا مطلب تھا پھر ایک نئے شکاری کو نشانے بازی کی دعوت دی جائے۔

اب تک جو بھی ہمدردی کے ٹوکرے اٹھا کر لایا تھا یہی نصیحت کر کے گیا تھا۔

''بہتر ہے بی بی عقد ثانی کرلو۔ اس معاشرے میں ایک جوان عورت کی چھوٹے چھوٹے
ں کے ساتھ تنہا گزر بسر بہت مشکل ہے۔ بڑے مسئلے مسائل بن جاتے ہیں۔''

مگر کوئی ان غمگساروں کے ٹولے سے پوچھتا۔

صاحب شادی کرنے کے لئے ایک ہوشمند، ذمے دار اور پُرخلوص دل رکھنے والے بندے
کی ضرورت ہوتی ہے اور ضرورت پوری کرنے کے لئے تلاش جاری رکھنا لازمی امر ہے۔ یہ
'تلاش' کون کرے گا؟

کہاں سے اُگے گا مناسب بر؟

کیا اُسے ڈھونڈنے کے لئے میں شہر کی کچھاروں پہ دستک دینا شروع کردوں؟

ظاہر ہے لڑکی خود سے اپنے لئے رشتہ تلاشے گی تو یہی ہوگا۔

دس غلط ہاتھوں میں پڑنے کے بعد کہیں کوئی ساتھ نبھانے والا سچا اور مخلص ہمراہی ہاتھ آتا

اور کم از کم میں تو یہ 'مشقت' افورڈ نہیں کرسکتی۔

یوں بھی نہیں اور یوں بھی نہیں۔

کہ میں تو ویسے بھی 'پابہ زنجیر' ہوں۔

''ماما' کیا ہوا۔ آپ ایسے کیوں بیٹھی ہیں؟''

علی بڑے غور سے اس کی صورت ملاحظہ کر رہا تھا۔

وہ فطرتاً ذہین اور ذی شعور تھا۔ اس کی ادراکی قوت عام بچوں کے مقابلے میں بہت تیز تھی۔

وہ زرلالہ کا چہرہ پڑھتے ہوئے جیسے کچھ بھانپ گیا تھا۔

''آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ کیا آفس میں کوئی بات ہوگئی ہے؟''

وہ پُرتشویش انداز میں مخاطب تھا۔

نظریں بدستور ماں کے چہرے پر دوڑ رہی تھیں۔

''نہیں میری جان' آؤ تم بیٹھو میرے پاس۔''

زرلالہ نے زبردستی مسکرا کر بیڈ کی سمت اشارہ کیا۔

وہ کچھ سوچ کر اس کے برابر بیٹھ گیا۔

''کیا آپ اپنی جاب سے خوش ہیں ماما۔''

اس نے جیسے کچھ ٹھان کر اصل بات اگلوانے کا تہیہ کیا۔

زرلالہ کو اس کی بردباری پر بے ساختہ پیار آ گیا۔

کھینچ کر اسے سینے سے لگایا اور ہولے سے اس کے بالوں کو چوما۔

''بیٹے' میں سوچ رہی ہوں یہ جاب چھوڑ کر کہیں اور ٹرائی کروں۔''

وہ نرمی سے اس کے چمکیلے ریشمی بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

''کیوں ماما۔'' علی نے سر اٹھا کر حیرت سے اس کی شکل دیکھی۔ ''ابھی تو آپ کو صرف ا ہفتہ ہوا ہے یہ جاب کرتے ہوئے۔''

''ہاں مگر مجھے سوٹ ایبل نہیں لگ رہی ہے۔ شاید کل سے میں نہ جاؤں''

مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ اب اس چنگل سے اس کا نکلنا اتنا آسان نہیں رہا۔ وہ اگلے دن نہ گئی۔

تقریباً دو گھنٹے بعد آفس سے کال آ گئی۔

''مس زرلالہ! آج آپ لیٹ ہو گئی ہیں۔ سر دراب کئی بار آپ کو پوچھ چکے ہیں۔ میں ان کے حکم سے آپ کے گھر کال کر رہا ہوں۔''

دوسری طرف ممتاز ریسپشنسٹ تھا۔

''مگر دراب صاحب کو مجھ سے کیا کام ہے۔''

اس نے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بدقت تمام دریافت کیا۔

''کمال کرتی ہیں مس آپ۔'' ممتاز جیسے اس کے بھولپن سے محظوظ ہوا۔ ''ظاہر ہے وہ ا ہیں۔ باس ہیں ہمارے آپ کے۔ ہم ان کو جواب دہ ہیں۔ آپ بغیر کسی اطلاع یا درخواست آفس سے غیر حاضر ہیں۔ قاعدے قانون کے مطابق آپ بتا کر چھٹی کرنے کی پابند ہیں۔''

اسی لمحے زرلالہ کو ایک حل سوجھ گیا۔

''ایسا ہے ممتاز صاحب کہ میرے چھوٹے بچے کی طبیعت بہت خراب ہے' کل سے ہاسپٹل

میں ایڈمٹ ہے اور ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ ریکوری میں ایک ہفتہ لگے گا۔ لہٰذا مجھے اس دوران بچے کی دیکھ بھال کے لئے ہسپتال رہنا ہوگا۔''

بہت ہی بروقت اور مناسب جواز تھا لہٰذا ممتاز نے بات ختم کر دی۔

''ٹھیک ہے میں سر کو انفارم کر دیتا ہوں لیکن آپ چھٹی کی درخواست لکھ کر دفتر بھجوا دیجئے گا تاکہ ریکارڈ میں رہے۔''

''ٹھیک ہے۔''

زرلالہ نے سکھ کا سانس لیا۔

اب اُس کے پاس سوچنے' فیصلہ کرنے اور عمل کر گزرنے کے لئے کم از کم ایک ہفتہ موجود تھا۔

لیکن بُرا ہو وقت کا...... کہ سکھ کا یہ دورانیہ ایک رات سے زیادہ طویل نہ ہو سکا۔ اگلے دن اسے بینک کی طرف سے نوٹس آ گیا۔ قرض کی معیاد پوری ہو چکی تھی اور اب اسے مطلوبہ رقم ہر صورت ایک ہفتے کے اندر اندر ادا کرنی تھی ورنہ یہ کیس احتساب کمیشن کی عدالت چلا جاتا۔

اب اُسے مکان فروخت کرنے کے لالے پڑ گئے۔

O☆O

سکندر کو کبھی کبھی ملک دراب اپنے آفس بھی طلب کر لیا کرتا تھا۔ اس دن بھی وہیں بلاوا آیا۔ اسے شہریال کو کمپلیکس ہاسپٹل چھوڑ کو بلیو ایریا میں آفس پہنچنے کا حکم ملا تھا۔

سو تعمیل کے لئے وہ حاضر ہو گیا۔

دراب اپنے کمرے میں پیپر ویٹ گھماتا ہوا کچھ سوچ رہا تھا۔

''ہاں بھئی سکندر' تم ملکوال کب جا رہے ہو شہریال کو لے کر۔ خیر سے اُدھر شادی بیاہ کے ڈھول ڈھمکے شروع ہو رہے ہیں۔ ملک ہاؤس سے پورا خاندان ملکوال جمع ہو رہا ہے بلکہ سنا ہے چند ایک کو چھوڑ کر سارے ہی پہنچ چکے ہیں۔ خوب رونقیں پھوٹی ہوئی ہیں حویلی میں۔ ملک بابا اور بڑی اماں مستقل وہیں ڈیرہ جمائے ہوئے ہیں کہ انہی کو سارے انتظامات دیکھنا ہیں۔ آپا جان نے بھی اپنے منہ بولے بیٹے کی شادی کے سارے ارمان پورے کرنے کا ٹھان رکھا ہے۔ گویا پورا ملکوال دلہن کی طرح سج گیا ہے۔ شہریال سے کہو وہ بھی رونق میلہ دیکھنے کے لئے ہسپتال سے چھٹی لے کر

روانہ ہو جائے۔ میں جب آ رہا تھا تو بڑی اماں نے خاص طور پر تاکید کی تھی اُسے بھیجنے کی۔"

دراب کا انداز بتاتا تھا کہ اس نے یقیناً یہ کہنے کے لئے سکندر کو اندر نہیں بلوایا تھا۔ ا
الضمیر کچھ اور تھا یہ محض سرسری تذکرہ تھا۔

"میں کیا اور میری رائے کی اہمیت کیا۔" سکندر پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا۔ "آپ کی ا
بڑی اماں کی تاکید ضرور پہنچا دوں گا" آگے جو اُن کی منشا۔"

"اچھا سنو۔" دراب یک لخت مطلب کی بات پر آ گیا۔ "اس لڑکی کو جانتے ہو؟" اس
ایک فائل کھول کر سامنے رکھ دی۔ فائل میں کچھ ڈاکومنٹس تھے اور ساتھ میں ایک پاسپورٹ ا
تصویر تھی جو آفس کے قواعد کے مطابق ورکرز کو دیگر کاغذات کے ساتھ لگانا لازمی تھی۔

تصویر پر نگاہ پڑتے ہی سکندر بُری طرح چونک پڑا۔

اُس نے دوبارہ دیکھا۔

یہ سو فیصد وہی تھی۔

وہ پہچاننے میں غلطی کر ہی نہیں سکتا تھا۔

اُس کا حُسن بلا خیز ایسا تھا کہ لاکھوں میں ممتاز دکھائی دیتا تھا۔

گلاب سا رنگ۔

سیاہ آنکھیں۔

سیاہ بال۔

اور چہرے کی کوملتا میں گھلتی نرم و لطیف اداسی کی گہری کیفیت۔

حزن نے حُسن کی بے مثالی کو گویا مزید آب دی تھی۔

"کیوں، یاد نہیں آیا؟" دراب بغور اس کے تاثرات پڑھ رہا تھا۔

سکندر جھرجھری لے کر حال میں لوٹ آیا۔

"جی یاد آ گیا۔" اس نے مرے مرے لہجے میں جواب دیا۔

"بہت خوب۔" دراب کے ہونٹوں پر ایک جاندار مسکراہٹ در آئی۔

"یہ وہی لڑکی ہے، جس کے پیچھے میں نے تمہیں لگایا تھا مگر اپنی نااہلی یا کوتاہی کی بنا پر تم ا
سراغ کھو بیٹھے تھے۔ دیکھو قدرت کی مہربانیاں۔ ہیرا خود چل کے آ گیا ہمارے تاج میں

لی آغوش میں چمکنے کے لئے۔ یہ دو دن سے دفتر نہیں آ رہی۔ پتا چلا ہے بچہ بیمار ہے۔ اس فائل
اس کے گھر کا پتا درج ہے۔ معلوم کر کے بتاؤ کہ کیا قصہ ہے۔ دوسرا اُس کے آنے جانے کا
ساب رکھنا ہوگا تمہیں۔ یوں سمجھ لو جیسے کوئی فلم ڈائریکٹر تم سے سراغ رساں کا رول کروا رہا ہے۔
املا لازمی شرط ہے۔ کیا سمجھے۔"

"جی۔ سمجھ گیا۔" سکندر نے گہری سانس لی۔ "ویسے اتنا تردد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔
یہ مرحلے سے اٹھوا بھی سکتے ہیں۔ کیا مشکل ہے آپ کے لئے۔" وہ اپنی تلخی چھپا نہ سکا۔

"ہاں، مگر میں اس معاملے میں اپنی شخصیت کی کشش اور ذہانت آزما کے دیکھنا چاہتا ہوں۔
امہ شکار کرنے کی حکمتِ عملی تبدیل کر دی ہے۔" دراب مونچھیں مروڑتے ہوئے مسکرایا۔

"ذرا دیکھیں تو سہی مہذب بن کر شہری لڑکیوں کو دام میں کیسے پھنسایا جاتا ہے۔ کنجریوں کو
اال کے نچانا مشکل نہیں ہوتا۔ شریف زادیوں کو قابو کرنے کے لئے البتہ پلاننگ کرنا پڑتی
خیر لطف رہے گا۔"

وہ تصور میں زرلالہ کا چہرہ سجا کر معنی خیز انداز میں سر ہلانے لگا۔

"آسانی سے ہاتھ آنے والی نہیں لگتی۔ ضد باندھ کر بچنے بچانے والی نک چڑھی لڑکیاں
اچھی لگتی ہیں۔ ان سے دو دو ہاتھ کرنے کا اپنا مزہ ہے۔" سکندر اپنے خون میں اٹھتے ابال کو
ل روک رہا تھا۔

"اس کے گھر کی نگرانی شروع کر دو۔ یہ رہا ایڈریس۔"

سکندر نے کاغذ پہ لکھا ایڈریس بغور دیکھا۔ اُس کے ذہن میں ایک سکیم پرورش پا رہی تھی۔

O☆O

"جی فرمایئے۔"

زرلالہ نے بڑی سوچ بچار کے بعد سُتے سُتے چہرے سمیت سائیڈ گیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔

"السلام علیکم۔" سکندر نے دھیرے سے سلام کیا۔

زرلالہ نے بے دھیانی میں اس کی طرف دیکھا پھر اسے جھٹکا سا لگا۔

"ارے آپ......!"

وہ خود سمجھ نہیں سکی کہ سکندر کو اچانک اور غیر متوقع طور پر سامنے دیکھ کر اُسے فطری سی خوشی

کیوں ہوئی ہے۔

شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ چہار اطراف سے طوفان میں گھرے انسان کو تنکا بھی شہتیر لگتا ہے۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے پھر کبھی دکھائی ہی نہیں دیئے۔''

''بی بی اگر آپ محسوس نہ کریں تو میں اندر آ کر بات کر لوں؟ میں سوچ کے بڑ حساب کتاب کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔ آپ کو خبر نہیں ہے آپ کس مصیبت کے جال پھنس گئی ہیں۔'' سکندر کا چہرہ فکرمندی کا اشتہار بنا ہوا تھا۔

''آپ اندر آ جائیں۔''

زرلالہ کے دل میں خوف کا شجر جڑیں پھیلانے لگا۔

وہ اُسے اپنے ہمراہ ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

''آپ نے جہاں نوکری شروع کی ہے وہ ملک دراب کا آفس ہے۔''

''میں جان گئی ہوں۔'' زرلالہ سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔ ''اسی لئے دوبارہ دفتر نہیں گئی۔ میں نے اپنے طور پر نوکری چھوڑ دی ہے۔''

''مگر ملک دراب اب اتنی آسان سے آپ کی جان نہیں چھوڑے گا۔''

سکندر نے ترحم بھری نگاہ اس سادہ و ناتجربے کار لڑکی پر ڈالی جو وقت سے پہلے معاشرے کڑے امتحانوں میں پڑ گئی تھی۔

''میں نے پہلے بھی آپ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ یہ شہر چھوڑ دیں اور کسی دوسری جگہ جائیں۔''

''دوسری کون سی جگہ۔'' وہ پریشانی میں بے ربط ہو گئی۔

''کسی عزیز رشتے دار کے پاس۔''

''شاید میں آپ کو پہلے بھی مطلع کر چکی ہوں کہ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔''

''اوہ!'' سکندر کا افسوس بڑھ گیا۔

''میرا ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ میری والدہ نے بینک سے قرض لے رکھا تھا۔ قرض ادا کرنے کی معیاد گزر چکی ہے۔ بینک سے نوٹس آ گیا ہے اور مجھے ہر صورت ایک ہفتے کے اندر ا

واپس کرنا ہے۔ وگرنہ یہ مکان ضبط ہو جائے گا۔ میں اسے بیچنا چاہتی ہوں تاکہ قرض ادا کرنے بعد جو رقم بچے اس سے کرائے کا کوئی گھر تلاش کر لوں۔ ایک پورشن بھی بہت کافی ہو گا۔''

''ان سارے کاموں کے لئے آپ کے سر پر کسی جہاندیدہ' تجربے کار اور پختہ عمر کے آدمی کا ضروری ہے جو ان معاملات کو سنبھال سکے۔ آپ کہاں ان چکروں میں الجھیں گی۔''

سکندر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

پھر اُسے ایک خیال آیا۔

ڈاکٹر اظہر اور اس کی فیملی۔

اُسے یاد آیا۔

وہ کس درجہ خوش اخلاقی' اخلاص اور زندہ دلی سے اُس سے مخاطب ہوا تھا۔ بصد اصرار گھر لے اور دوستانہ بڑھانے کو کہا تھا۔

ایسے بے ریا لوگ مصیبت زدوں کے لئے نیکیاں کمانے میں بخل نہیں کیا کرتے۔

''زرلالہ بی بی میں خود تو اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ عملی طور پر آپ کے لئے کچھ کر سکوں ایسے شخص سے آپ کو ملوا سکتا ہوں جو آپ کی مدد کر سکے۔''

''کون ہے وہ۔ کیا وہ آپ کے اعتبار کا بندہ ہے۔'' زرلالہ پریشان ہو گئی۔

''اعتبار کر کے تو نہیں دیکھا ابھی تک البتہ اس کی صورت گواہی دیتی ہے کہ اعتبار کیا جائے تو مایوس نہیں دے گا۔''

''صورتوں کی گواہی کی بات نہ کریں سکندر۔'' اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''صورتیں تو بذات خود ایک دھوکا ہیں۔''

''میں پھر حاضر ہوں گا۔ آپ اپنے اور بچوں کے بارے میں ہوشیار رہیے گا۔ بلا ضرورت سے باہر نہ نکلئے گا۔'' سکندر اٹھ کھڑا ہوا۔

''اگر آپ کا کوئی فون نمبر ہے تو لکھوا دیں۔ جیسے ہی مجھے مطلوبہ آدمی مل گیا میں آپ کو اطلاع دے دوں گا۔''

زرلالہ نے نمبر لکھوا دیا۔

سکندر سلام کرنے کے بعد چلا گیا۔

"کسی شریف والدین کا خون ہے۔لگتا تو یہی ہے۔"
گیٹ بند کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

O☆O

آئی ٹین فور میں اظہر کے بتائے ہوئے ایڈریس کو ڈھونڈنا زیادہ دشوار ثابت نہیں ہوا
مین روڈ کے اوپر تھا۔ یہ ڈبل روڈ تھی جو سیدھی پیرودھائی کی طرف نکل جاتی تھی۔ روڈ کے ا
طرف آئی ٹین فور تھا اور دوسری طرف آئی ٹین ون۔ کے مکانات تھے۔

بیل بجانے پر اظہر کی بجائے براؤن آنکھوں اور بیلے کی سی رنگت والی ایک پُرکشش
باہر نکلی۔

"جی عالی حضرت!" وہ استفہامیہ اسے دیکھ رہی تھی۔ "ڈاکٹر صاحب تو اس وقت گھر پ
ہیں۔ کوئی پیغام ہو تو......"

"کیا آج اُن کی نائٹ ڈیوٹی ہے؟"

"نہیں' ان کے ٹائمنگ صبح آٹھ بجے سے شام پانچ بجے تک ہیں۔ اگر آپ کو ر
ایمرجنسی ہے تو آپ خود بھی عائشہ نرسنگ ہوم جا سکتے ہیں۔ سید پور روڈ سے سیدھا جائیے۔ ٹن
پر ہی ہے کلینک۔"

"کیا وہ کلینک میں بھی کام کرتے ہیں۔" سکندر چونکا۔

"وہ کلینک میں ہی کام کرتے ہیں محترم!" نگین نے تصحیح کرتے ہوئے غور سے اُس کی
دیکھا۔

"لیکن میری اطلاع کے مطابق کچھ عرصہ پہلے وہ کمپلیکس ہاسپٹل میں جاب کر رہے

"ہاں مگر کچھ وجوہ کی بنا پر وہ یہ جاب چھوڑ چکے ہیں۔ اب وہ پرائیویٹ کلینک میں فل
ڈاکٹر ہیں۔ کیا آپ نے آفیشلی ان سے ملنا ہے؟" نگین کو تجسس ہو رہا تھا۔

"نہیں......؟" وہ جھجک گیا پھر کچھ سوچنے لگا۔ "مجھے ایک ذاتی کام کے سلسلے میں اُن
ملنا تھا۔"

"کیا آپ اُن کے دوست ہیں؟"

"نہیں دوست تو نہیں کہہ سکتے۔" سکندر نے تامل کیا۔ "ہم میں شناسائی البتہ کافی ہے

ا در ہا ہو تو۔"

سکندر نے بے چینی سے گھڑی دیکھی۔

پونے پانچ ہو رہے تھے۔

نگین گہری نظروں سے اُس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہی تھی جیسے کسی نتیجے پر پہنچنے کی
ش کر رہی ہو۔

"جہاں تک میرا اندازہ ہے آپ کسی قسم کے مشورے یا مدد کے لئے اظہر کے پاس آئے
اگر زیادہ ہی ایمرجنسی ہے تو آپ بلا جھجک مجھ سے یا محسن سے کہہ سکتے ہیں۔ ہمیں آپ کے
آ کر خوشی ہوگی۔ ویسے آپ چاہیں تو اندر آ کر اظہر کا انتظار کر لیں' اس کے آنے میں زیادہ دیر
ہے اب۔"

سکندر کو بہر حال مل کر ہی جانا تھا اس لئے وہ اندر آ گیا۔

"آپ بیٹھیے پلیز۔"

اُسے اشارہ کر کے نگین نے درمیان دروازہ کھول کر محسن کو بلایا۔

"مہمان آئے ہیں محسن!" کچھ دیر بعد محسن تولیے سے سر رگڑتا اندر آ گیا۔

"ارے سکندر...... آپ...... تم...... یہاں!"

محسن بُری طرح چونک پڑا۔ وہ ملک آباد میں سکندر سے مل چکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو
طرح جانتے تھے۔

"جی ہاں۔ محسن صاحب۔ آپ یہاں رہتے ہیں کیا۔"

سکندر کو بھی فطری مسرت ہوئی' اب وہ زیادہ بھروسے کے ساتھ بات کر سکتا تھا۔

"کیا آپ ڈاکٹر اظہر کے بھائی ہیں۔"

"ہاں' تم اظہر کو جانتے ہو؟"

جواب میں سکندر نے ہاسپٹل میں ہونے والی ملاقات کے بارے میں تفصیل سنائی۔ محسن
لوش ہوا۔

"تو وہ تم ہو سکندرِ اعظم۔ الگزینڈر دی گریٹ۔"

"سکندرِ اعظم نہیں سکندر عظیم۔" سکندر نے ہولے سے تصحیح کی۔

"دوسروں کے نام غلط سننے اور غلط پکارنے کی ان کی پرانی بیماری ہے۔"

نگین چائے کے لوازمات میز پر رکھ رہی تھی۔

"میں اس بے جا الزام تراشی کے خلاف رٹ دائر کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ سکندر' ملو یہ بدقسمتی سے ہماری خالہ زاد ہوتی ہیں۔ نگین نام ہے۔ کالج میں پڑھاتی ہیں اور نگین سکندر اعظم۔"

"آداب۔" سکندر تعظیماً تھوڑا جھکا۔

"یاد آگیا۔ اظہر نے ان کے متعلق بتایا تھا' ہسپتال کے احاطے میں ملاقات ہوئی

سکندر کو اس گھر کے مکینوں کی ذہنی ہم آہنگی اور باہمی قربت پر رشک آیا۔ گویا بات دوسرے سے چھپا کر نہیں کی جاتی تھی۔ ایسے لوگوں کے دل اور نیت ہمیشہ صاف رہتے ہیں۔

نگین چائے دینے کے بعد باہر چلی گئی۔

"ہاں۔ اب بتاؤ مسئلہ کیا ہے۔"

"میرا خیال ہے محسن صاحب اب میں یہ بات اظہر صاحب کی بجائے آپ سے راست کر سکتا ہوں کیونکہ آپ ملک دراب اور ان کی خصلت سے بخوبی واقف ہیں۔"

سکندر نے مختصراً اسے زرلالہ کے متعلق بتایا۔

محسن سوچ میں پڑ گیا۔

"ملک دراب کی شرانگیزیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ جو معاملہ تم نے بتایا ہے ایسے جاگیرداروں' وڈیروں اور سیاست دانوں کی اولادوں کے ہمیشہ کے دل پسند مشاغل ر[ہے ہیں۔] اس سے اندازہ لگا لو کہ اس حیوان فطرت انسان نے پروفیسر رشید جیسے قابل اور ماہر انسا[ن] کی بھینٹ چڑھا دیا۔ انسان ان کی نظر میں مچھر مکھی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ مجھ سے جو بن پڑا وہ کریں گے لیکن یہ بات کھلی حقیقت کی طرح عیاں ہے کہ ہم اس خا[ندان کو] دراب کے چنگل سے ہمیشہ کے لئے محفوظ و مامون رکھنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ وقتی ط[ور پر] فراہم کی جاسکتی ہے مگر تا کجے۔ قانونی اعتبار سے بھی کوئی ایسا مستقل بندوبست نہیں کیا [جا سکتا] پولیس چند روز تک گھر کے باہر پہرہ دے سکتی ہے مگر پھر اس کے بعد؟"

محسن جو کچھ کر سکتا تھا اس کے حساب سے اس نے جواب دیا۔

اس دوران اظہر بھی آگیا۔

وہ سکندر کو پہچان کر بڑی گرمجوشی سے اُس سے ملا۔

"جناب' کیسے بھول پڑے الگزینڈر دی گریٹ۔ بڑا انتظار کرایا بھئی۔"

وہ محسن کے ساتھ ٹک گیا اور اس کے ہاتھ سے کپ کھینچ کر پینے لگا۔

"یہ کیا دھاندلی ہے۔ یہ میری چائے ہے۔"

محسن نے احتجاج کیا۔

"چائے اس کی جس کے ہاتھ میں کپ۔" وہ اطمینان سے چسکیاں لیتے ہوئے سکندر کی متوجہ ہوا۔

ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد محسن نے سکندر کی آمد کا مقصد بتایا۔

"جاگیرداروں کی گرفت سے بچنے کا معاملہ اپنی جگہ مگر دوسرا مسئلہ بھی برابر کی اہمیت کا حامل خاتون کو بینک کا قرض لوٹانے کے لئے اپنا ذاتی گھر فروخت کرنا ہے اور پھر رہنے کا کوئی ڈھونڈنا ہے۔ کرائے کا پورشن تلاش کرنے میں ہم مدد کر سکتے ہیں۔ بلکہ سنو محسن امی ذکر جہاں ان کی بوتیک ہے اس کا نچلا پورشن آج کل کرائے کے لئے خالی ہے۔ یہاں سے گلیاں چھوڑ کر پنڈی کی طرف جانے والی روڈ پر ہے اور مکان کی فروخت کے لئے وہ اخبار [میں اش]تہار دے دیں۔"

"ٹھیک ہے مگر یکمشت اور وہ بھی تین چار دن کے اندر اتنی رقم کون دے گا۔"

سکندر نے نکتہ اعتراض بلند کیا۔

"دیکھتے ہیں۔ بہرحال۔" محسن کچھ سوچ رہا تھا۔

اس کے ذہن میں ساحر کا خیال تھا۔ وہ ایک با اثر اور متمول خاندان کا فرد تھا۔ خصوصاً ملک [جی]سے آدمی کے منہ سے نوالہ چھین کے لانے کی جرأت وہی کر سکتا تھا۔

O☆O

"بچے ہمارے بھی ہوئے اور قدرت کی کرنی کہ ایک ضائع بھی ہوا مگر ہم تو ہفتہ بعد پلنگ پر نہیں لیٹے نہ کسی نے اتنے عرصے تک ہمارے لاڈ اٹھائے۔" ساس نے تیسرے دن

ہاتھ پکڑ کر بستر سے کھڑا کر دیا تھا کہ بی بی تم آرام فرماتی رہو گی تو گھر گرہستی کا کیا ہوگا۔ ا
بچوں کو کون دیکھے گا۔

روحی آپا نے گولیاں اور پانی احسان کے سے انداز میں طلعت کی ہتھیلی پر رکھیں۔

طلعت پانی پانی ہو گئی۔

"آپ رہنے دیتیں آپا۔ میں خود اٹھ رہی تھی دوا لینے۔"

وہ بمشکل تمام کراہتی ہوئی اٹھی۔ آواز میں لجاجت تھی۔

اُسے تین دن بعد ہسپتال سے ڈسچارج کیا گیا تھا۔

"کم از کم ایک ماہ تک انہیں بستر سے نہ ہلنے دیں۔ طاقت کی چیزیں کھلائیں' غذا ا
خیال رکھیں اور دوا باقاعدگی سے استعمال کروائیں۔ معمولی سی بے احتیاطی سنگین پیچیدگی ہ
ہے۔ یہ پہلے ہی مرتے مرتے بچی ہیں۔"

ڈاکٹرز نے ڈسچارج کرتے ہوئے سختی سے تاکید کی تھی۔

اس تاکید کو سن کر صفیہ کی پیشانی پر خواہ مخواہ بل پڑ گئے تھے۔

"لو پہلے ہم نے کون سا انہیں فاقوں مارا ہوا ہے۔ تین ٹائم پیٹ بھر کے کھلاتے ؛
باپ کے ہاں تو ایک سے دوسرا ٹائم آنے تک گھر میں آٹا ختم ہو جاتا تھا۔ روکھی سوکھی جو ملی
یہاں تو مرغ گوشت' دال سبزی' چاول اور میٹھا پھر ہر موسم کے پھل موجود رہتے ہیں۔ ل
نہیں پکڑ لیتا اس کا۔" وہ آمنہ کو سنانے کو تادیر بڑبڑاتی رہی تھیں۔

ابھی ہسپتال سے آئے اُسے تیسرا دن ہی ہوا تھا کہ وہ اس کی تیمارداری سے تنگ
تھے۔

جابر کو تو پہلے بھی بیوی کی ضرورت و خواہش اور چاہ نہیں تھی۔ وہ اپنی روٹین میں
ایک دفعہ لحاظ ٹوٹ گیا تھا سو اب اپنا مطالبہ دہرانا اور منوانا اس کے لئے چنداں دشوار نہیں
ڈھٹائی سے اُٹھتے بیٹھتے طلعت کے پہلو میں چنگاریاں بھرتا رہتا۔

"دیکھ لیا ضد کا انجام۔ بچے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ اب اس سے پہلے کہ مہر
چھت سے بھی جاؤ' اجازت نامے پر دستخط کر دو۔"

طلعت پہلے ہی بچے کے زیاں کے شدید صدمے سے نڈھال تھی' اس دھمکی

پنے کچھ اعصابی نظام کو بھی تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دن بدن صحت یاب ہونے کی
جائے مزید بیمار ہوتی گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کدھر جائے۔

کس سے مشورہ مانگے۔

کون سی حکمتِ عملی ایسے حالات میں بہتر رہے گی۔

اس کی شادی شدہ نندیں اس کی عیادت کو میکے آئی ہوئی تھیں گویا ایک احسان عظیم کیا تھا
ں کی ذات پر۔

پہلے تو وہ جب بھی آتیں ان کی اور ان کی آل اولاد کی ناز برداریوں کے لئے طلعت صبح
شام تک ایک ٹانگ پہ کھڑی رہتی تھی۔ ہر ایک کی فرمائش پوری کرنے اور خوشنودی حاصل
کرنے کے لئے ادھر ادھر دوڑتی بھاگتی رہتی۔

مگر اب کے وہ چارپائی پر پڑی تھی خود دوسروں کی محتاج بنی لیٹی تھی۔ اس لئے لامحالہ دونوں
اں کو اپنا' اپنے خاوندوں اور بچوں کے کپڑے لتے' کھانے پینے اور آرام کا خیال خود رکھنا پڑ رہا
تھا ایسے میں ان کا پارہ چڑھنا' جھنجلانا اور ایک دوسرے پہ چیخنا چلانا جائز بنتا تھا۔

انہیں تو میکے آکر آرام کوشی کا چسکا تھا۔

"ارے روحی آپا' آپ کس حساب میں اس کی خدمتیں کر رہی ہیں۔ اس کے اپنے ہاتھ پیر
ٹ تو نہیں گئے۔ خود کر لے گی اپنی دوا دارو۔"

جابر ابھی ابھی گھر میں داخل ہوا تھا۔

منظر دیکھتے ہی اُس کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔

"میں صدقے جاؤں۔ جگ جگ جیے میرا بھائی۔ میری ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔ ادھر آ
ادا کے آگے بیٹھو۔ میں تمہارے لئے شربت بنا کے لاؤں۔"

روحی آپا کے منہ سے جیسے پھول جھڑ رہے تھے۔

جابر شاہانہ انداز میں صحن میں لگے پیڈسٹل فین کے آگے بیٹھ گیا۔ گو کہ ابھی اپریل کا وسط تھا
س دفعہ گرمیاں معمول سے پہلے شروع ہو گئی تھیں۔ اِکا دُکا کو چھوڑ کر تقریباً ہر گھر میں پنکھے چلنے
لگے تھے۔

طلعت شوہر کو دیکھ کر روایتی عورتوں کی طرح تعظیماً سکڑ سمٹ کر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ گو کہ دو لمحے

کو سیدھا بیٹھنا دشوار لگ رہا تھا۔ اسے بری طرح چکر آ رہے تھے۔ ہر ساعت یونہی لگتا جیسے ا
چکرا کر گر پڑے گی۔ آنکھوں کے آگے تارے ناچ رہے تھے۔ تاہم وہ اپنے بکھرتے حواس
پانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

"یہ تربیت کی ہے خیر سے میں نے اپنی بیٹیوں کی' ہوتی تمہاری گز بھر زبان رکھنے والی
تو دیکھتی۔ کیسی ہتھیلیاں بچھا رہی ہیں نندیں اس کے قدموں کے آگے۔ اعلیٰ ظرفی اسی کا نام
میری بچیوں کے دل ہیرا ہیں ہیرا۔"

صفیہ ٹیڑھی نظروں سے طلعت کی طرف دیکھتے ہوئے بیٹے کے پاس آ بیٹھیں۔

"اے بیٹے' مجھے روحی بتا رہی تھی تم نے شادی کا پروگرام بنایا ہے۔ یہ کیا چکر ہے۔ ماں کو
خبر ہی نہیں ہے۔"

کماؤ پوت تھا۔ روپے پیسے والا تھا۔ ظاہر ہے ایسے بچوں کے والدین مصلحتاً بچے کے ا
شکست مان کر اُن کی بات رائے' یا پسند کو اپنا لیتے ہیں۔

"اماں' میں آپ کو بتانے ہی والا تھا۔ بڑی اچھی لڑکی ہے۔ پڑھی لکھی' سلیقہ مند' رکھ
والی اور خوبصورت۔ آپ دیکھیں گی تو میری پسند کی داد دیں گی۔"

ماں بیٹا ایک دوسرے کے ساتھ راز و نیاز میں مکمل طور پر گم تھے۔

"خاندان کیا ہے۔ پیچھے سے کہاں کے ہیں۔" صفیہ کو اشتیاق ہوا۔

"چھوڑیں ناں یہ بیکار بحث۔" جابر بیزاری سے گویا ہوا۔ "اتنا جان لیں بس کہ پیسے وا
لوگ ہیں۔ لڑکی کے پاس اتنا ہے کہ وہ جہیز کے نام پر گھر بھر دے گی۔ ٹی وی' فریج' وی سی
صوفہ سیٹ' اے سی اور بیش قیمت کراکری' سب کچھ ہی لائے گی کہ ان کے بغیر وہ خود بھی نہ
سکتی۔"

"اچھا" صفیہ کی باچھیں کھل گئیں۔

"مگر یہاں محلے والوں اور طلعت کے ماں باپ کو کیا جواب دوں گی کہ کیوں کروا رہی
بیٹے کی دوسری شادی۔ لوگ پوچھیں گے تو سہی۔"

"ہم کیا لوگوں کے پابند ہیں۔" جابر بگڑا۔ "ہماری مرضی جو بھی کریں۔"

"مگر پھر بھی بیٹے۔" صفیہ نے فکر مندی سے اصرار کیا۔ "آخر کچھ تو بتانا ہوگا۔ اگر یہ ما

لی تو خود بخود بات اس کے بانجھ پنے پر آ جاتی۔"

"اتنی کم شکل' بدزبان' نافرمان اور کم عقل بیوی کے ساتھ جس طرح گزارا کر رہا ہوں یہ مجھے
ما ہا ہے۔ میں کب تک اپنا دل مار کے اپنی زندگی جہنم بناتا رہوں۔"

"بات تو صحیح ہے۔ یوں بھی ہم نے مفت میں کسی کو پالنے کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔ جہیز کے نام
" کپڑے اور دو معمولی برتن لا کے ہم پر بڑا احسان کیا تھا جیسے۔" انہوں نے حقارت سے سر
ا۔

یہ ملال اور شکوہ تو ان کا روز اول کا تھا۔

"اماں لڑکی کا آگے پیچھے کوئی نہیں۔ ماں باپ مر چکے ہیں۔ اکیلی اسلام آباد میں رہتی
۔ اب آپ کو خود ہی جا کر اُس سے شادی کی تاریخ اور تیاریاں وغیرہ کے سلسلے میں بات کرنا ہو
گی۔" جابر نے دبے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ لے چلنا مجھے کسی روز۔"

وہ صحن کے دوسرے کونے پر چارپائی پہ دراز طلعت کی موجودگی قطعی فراموش کر چکے تھے یا
ہا بوجھ کر اہمیت نہیں دی تھی۔

طلعت پتھرائی ہوئی نظروں سے شوہر کی شکل دیکھ رہی تھی۔ آنسو گالوں کے اطراف......
لی خاموشی اور رازداری کے ساتھ لڑیوں کی صورت میں بہتے جا رہے تھے۔

O☆O

"کمال ہے' کہاں تو شادی کے نام پر کرنٹ مار رہی تھی اور کہاں اتنے شوق و ذوق سے
یاں ہو رہی ہیں۔"

طلعت کے ڈسچارج ہونے اور طبیعت سنبھل جانے کے ایک عرصے بعد راحت مہرینہ کے
اے پر اس کے گھر آئی تھی۔

مہرینہ کی کایا پلٹ نے اسے خاصا متحیر کیا تھا۔

جو شادی کا نام سن کر بدکتی تھی اب اہتمام کے ساتھ شاپنگ کرتی پھر رہی تھی۔

"چھوڑ فضول باتوں کو۔ میں نے تجھے اس لئے بلایا ہے کہ شادی اور ولیمے کا جوڑا دکھاؤں۔
ل "اُدھر" سے آئے ہیں۔ تو وہ بنڈل کہاں ہیں جو میری سسرال سے آئے ہیں۔"

مہرینہ مصروف انداز میں بُوا سے مخاطب تھی۔

راحت کو اس کی حالتِ سکون اور نارمل رہنے کی ایکٹنگ پر حیرانی ہو رہی تھی۔ وہ اس کی فطرت اچھی طرح جانتی تھی۔ کہاں تو جب سے بات طے ہوئی تھی دن میں چوبیس گھنٹے آنسو چباتی رہتی تھی اور کہاں اتنی دلچسپی و شوق۔

"اے بٹیا میں نے تمہارے کمرے میں رکھوا دیئے تھے سارے بنڈل۔"

"آؤ اوپر چل کر دیکھتے ہیں۔"

مہرینہ اُسے اپنے کمرے میں لے آئی۔

کچھ پارچہ جات کے ڈبے تھے اور باقی زیورات کے۔

ملک ہاؤس سے یہ سامان کل رات کو آیا تھا۔

"یہ ہمارے ہاں کی روایت ہے کہ دُلہن کا شادی اور ولیمے کا ڈریس دولہا والوں کی طرف سے ہوتا ہے۔"

انہوں نے بتا دیا تھا اور یہ بھی کہ بارات ملک ہاؤس کی بجائے ملکوال سے آئے گی اور ڈولی لے کر جانا ہے۔ کچھ روز کے قیام کے بعد وہ لوگ اسلام آباد میں ملک ہاؤس میں آئیں گے۔

راحت نے کپڑوں کے دونوں ڈبے کھولے۔

شادی اور ولیمے دونوں کے ڈریس اتنے شاندار اور بہترین تھے کہ راحت کو تعریف کے الفاظ کم پڑ گئے۔ خصوصاً شادی کا سرخ کام سے بھرا ہوا لہنگا کسی طور ایک لاکھ سے کم نہیں تھا۔ زیورات کے سات آٹھ سیٹ ہمراہ تھے۔ ایک سے ایک بہتر اور مہنگا ڈیزائن۔ اور ڈیزائن ایسے کہ نظریں خیرہ ہو جاتیں۔

"کیسے لگے۔"

مہرینہ نے دکھا کر اُس کے چہرے سے تاثرات اخذ کرنا چاہے۔

"بہت عالیشان ڈریسز ہیں۔ خدا پہننا نصیب کرے مگر یہ تو کہو کہ یہ کایا پلٹ کیسے"

"میں نے کہا ناں کہ بس تم دیکھتی جاؤ۔ میں کیا کرتی ہوں۔"

مہرینہ پُر اسرار انداز میں مسکرائی۔

"ملک فیملی بھی کبھی یاد کرے گی کہ اس گھر سے لڑکی بیاہ کر لے گئے تھے۔"

"دیکھو مہرینہ شادی بیاہ کوئی کھیل تماشا نہیں ہوتا یا تو تمہیں شادی سے صاف صاف انکار کر دینا چاہئے یا پھر اب اگر ہاں کر ہی چکی ہو تو راضی برضا ہو جانا چاہئے۔ اللہ سے بہتری کی امید رکھی جائے تو وہ بھی ضرور سُنے گا۔"

"میں سب سمجھتی ہوں۔ میں نے کہا ناں میں ملک ہاؤس جانے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوں۔ کوئی ڈر نہیں رہا اب۔"

O☆O

ڈوگر کی بیٹی بہار کی اچھی طرح نوچ کھسوٹ کرنے کے بعد دل بھرتے ہی ملک دراب نے اسے اپنے گرگے شیرے کے حوالے کر دیا تھا۔ جیسا کہ اس کا وطیرہ رہا تھا۔

سو آج کل شیرے کے مزے تھے۔

عام دیہاتی لڑکیوں کے برعکس بہار نے اول روز سے بہت سخت مزاحمت کی تھی۔

لُٹ تو وہ گئی تھی اور اَب تک بے شمار مرتبہ پامال کی جا چکی تھی مگر اس کے اندر گونجتی "ناں" سمجھوتہ نہ کرنے کی ضد اس کے لئے بڑی نقصان دہ ثابت ہوئی تھی۔

اُس کے شور و غوغے اور واویلے کے نتیجے میں اسے رسیوں سے باندھ کر تہ خانے میں بند کر دیا گیا تھا جس کا دروازہ لاک رہتا تھا۔

اس سے پہلے گاؤں سے اٹھائی جانے والی لڑکیوں کا انجام یہ ہوتا تھا کہ اگر وہ تعاون پر آمادہ ہوتی تھیں تو ہمیشہ کے لئے کوٹھی کی نوکرانیوں کا عہدہ قبول کر لیتی تھیں۔

ایسی نوکرانیاں جو بوقت ضرورت ملک دراب کے گھر آئے عیاش مہمانوں کی دلبستگی کا ذریعہ بھی بن سکیں۔

خدمت گاری کے اس عرصے میں اگر کوئی لڑکی ایڈجسٹ نہ ہو پاتی یا شہر کے طور طریقوں سے مناسب واقفیت حاصل نہ کر پاتی تو اسے کچھ عرصے بعد پنڈی یا لاہور میں بازار حسن کے کسی دلال کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا۔

دونوں میں سے کسی بھی صورت میں گاؤں سے اٹھائی گئی دیہاتی دوشیزہ ملک دراب یا اس کے گرگوں کے لئے کبھی مصیبت کا سبب نہیں بنی تھی مگر بہار کا معاملہ مختلف تھا۔

وہ گاؤں کے سکول سے مڈل پاس تھی۔ ہوشمند اور ذہین تھی اور گاؤں کی عام لڑکیوں
مختلف دماغ رکھتی تھی۔

"مجھے چھوڑ دو۔ تم مجھے زیادہ عرصے تک یہاں قید نہیں رکھ سکتے۔ میں واپس گاؤں جا
اپنے ماں باپ کے پاس۔"

شیرا اُسے کھانا دینے کے بعد دل لگی کے لئے اس کے قریب ہوا تو وہ حسب معمول پھر
گئی۔

"اتنا چیخی ہے۔ دیکھو گلا بھی بیٹھ گیا ہے پھر بھی باز نہیں آ رہی۔ کیا ملے گا تجھے خود کو کھپا کر
شیرا ہوس ناک نظروں سے اس کے جسم کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس میں کچھ تھا کہ بار بار ا
کے وجود سے پیاس بجھانے کے باوجود اسے دیکھ کر دل پھر مچل جاتا تھا۔

"تجھے اب یہیں رہنا ہے۔ ساری عمر' یہ بات ذہن میں بٹھا لے۔"

"اور تم بھی میری بات لکھ کے رکھ لو کہ میں یہاں نہیں رہوں گی۔ تم کب تک مجھے زنجیر
میں باندھ کے رکھ سکتے ہو۔" وہ زور سے چیخی۔

"میں نکل جاؤں گی ایک روز یہاں سے۔"

"اچھا۔" شیرا استہزائیہ ہنسا اور پھر اس کے احتجاج کی پروانہ کرتے ہوئے ہوس کے
کھیل میں گم ہو گیا۔

بہار نے تین دن بعد اپنا کہا سچ کر دکھایا۔

اس دن اتفاق سے تہ خانے کا دروازہ کھلا رہ گیا۔

شیرے کو بہت ضروری کام سے ملک دراب کے حکم سے فیض آباد جانا تھا' وہ صبح ہی
گیا تھا۔

اس دن کوٹھی کے دو ملازم چھٹی پر تھے۔ جن میں سے ایک گیٹ کیپر تھا۔ بہار نے
سے فائدہ اٹھایا اور کسی طرح پاؤں کی رسیاں کاٹ کر تہ خانے سے باہر نکل آئی۔

وہ ایف ایٹ میں واقع اس عالیشان کوٹھی کے گیٹ سے باہر نکلی تو سامنے درختوں
ایک جنگل دکھائی دیا۔ کوٹھی کے آگے روڈ تھی اور روڈ کراس کرنے کے بعد دوسری طرف
سلسلہ تھا۔ بہار یہاں کے راستوں سے انجان تھی۔

تاہم اس نے فیصلہ کیا کہ وہ جنگل کے درمیان سفر کرتی ہوئی آگے بڑھے گی۔ کچھ دور تک
لف درختوں اور جنگلی بیلوں کے درمیان سفر کرنے کے بعد آگے خالی میدان آ گیا۔ میدان
کچھ فاصلے پر ایک عمارت نظر آ رہی تھی۔ میدان اصل میں فاطمہ جناح پارک کا ایک حصہ تھا
اس کے دوسری طرف پولیس تھانہ تھا۔

چلتے چلتے اچانک ہی اس کی نظر کچھ فاصلے پر سڑک پر آہستہ اور پھر اچانک رکتی ہوئی پجیرو پر
ی۔

فرنٹ سیٹ پر ملک دراب اور اس کے ساتھ بیٹھے شیرے کو دیکھتے ہی اس کے اوسان خطا ہو
گئے۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی اور بدحواسی میں پولیس تھانے میں گھس گئی۔

اُس کا خستہ حال لباس' بکھرے بال' ملگجا روپ اور ستا ہوا چہرہ دیکھ کر باہر کھڑے سپاہیوں
نے یہی اندازہ لگایا کہ وہ کوئی فقیرنی ہے۔

"اے لڑکی ادھر کہاں گھسی جا رہی ہو۔ یہ تھانہ ہے کوئی چوک نہیں ہے۔" ایک سب انسپکٹر
اکڑ کر دار لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ بہار کمرے میں داخل ہوتے ہی گرنے کے سے انداز میں
ی پر بیٹھے پولیس آفیسر کے قدموں میں گر گئی۔

"مجھے بچاؤ' پولیس بابو۔ درندے میرے پیچھے لگے ہیں۔ وہ ادھر کوٹھی میں۔" اس کی
سانسیں برابر نہیں ہو رہی تھیں۔

"کون سے درندے۔ کھل کر بتاؤ کیا ماجرا ہے۔"

بہار نے اٹک اٹک کر ساری داستان سنائی۔ اس غلط فہمی میں کہ شاید یہ معمولی پولیس افسر
اس کے بیان کے جواب میں ملک دراب کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دے گا۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ بڑے بڑے اونچے اور اثر و رسوخ والے متمول گھرانوں کے سپوتوں پر
ہاتھ ڈالنا پولیس کے "فرائض" میں شامل نہیں ہے۔

"اوئے کیا بکتی ہے لڑکی۔ ملک دراب ایک معزز آدمی ہیں۔ شہر میں اُن کا ایک نام ہے'
پہچان ہے۔ ان کی کوٹھی میں اونچے اونچے گھرانوں کے لوگوں کا آنا جانا ہے۔ ان کی اپنی زمینیں'
ملیں اور صنعتیں ہیں۔ ملک فوڈ انڈسٹریز کا پورے ملک میں نام ہے۔ کیا ثبوت ہے تمہارے
پاس ان کے خلاف۔ تم خواہ مخواہ ایک معزز شخص پر جھوٹا الزام لگا رہی ہو۔ جانتی ہو اس جرم کی

سزا؟'' پولیس افسر نے رعب سے پوچھا۔

اسی دوران ایک سپاہی اندر داخل ہوا۔ اس نے سیلوٹ مارنے کے بعد افسر کے پاس کان میں کچھ کہا۔

''ٹھیک ہے۔ بھیج دو۔'' افسر نے سن کر سر ہلایا۔

اور پھر کچھ لمحوں بعد شیرا اندر داخل ہوا۔

گرمجوشی سے پولیس آفیسر سے ہاتھ ملانے کے بعد شیرا براہِ راست مدعا پر آ گیا۔ پو آفیسر نے اُسے بہار کے بیان کے متعلق بتایا۔

''ایسی کوئی بات نہیں انسپکٹر صاحب۔ آپ تو ملک دراب صاحب کو اچھی طرح جا ہیں۔ وہ اور طرح کے بندے ہیں۔'

''جانتا ہوں بھئی۔ ہم اُن کے پرانے نمک خوار ہیں۔''

''یہ لڑکی پاگل ہے۔ گاؤں سے علاج کے لئے اسے یہاں لے آیا گیا ہے' مگر یہ الٹا' ہی پھنسا رہی ہے۔ آپ اجازت دیں تو میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں؟ اصل میں اس پاگل پن کے ڈر سے ہم اسے باندھ کے رکھتے ہیں' جانے آج کیسے نکل گئی۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ اسے اپنے ہمراہ لے جا سکتے ہیں۔''

بہار کے چیخنے چلانے اور فریاد کرنے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

شیرا اُسے اپنے ساتھ کوٹھی واپس لے گیا۔ اسے اس جرم کی پاداش میں ملک دراب پر ساری رات تشدد کا نشانہ بنایا گیا پھر صبح کے قریب تقریباً مردہ بنا کر گاڑی میں ڈالا اور شیرا م دراب کے حکم پر اسے لے کر ملکوال روانہ ہو گیا۔

وہاں رات کو پہنچتے ہی شیرے نے بہار کا گلا گھونٹا اور اُسے ویران کنوئیں میں پھینک کر م دراب کی ہدایت پر واپس اسلام آباد روانہ ہو گیا۔

O☆O

''سر آپ کے کسی جاننے والے کو ان دنوں مکان خریدنے میں دلچسپی ہے؟''

اپنے جملہ فرائض نبٹا کر آف ہونے سے کچھ دیر پہلے محسن نے ساحر کے کمرے میں قدم تھا۔ ساحر بہت انہماک کے ساتھ فل سکیپ پیپر پر کوئی سکیم بنا رہا تھا۔ اس کی آمد پر اس نے ما

ل یہ کام بند کر دیا اور پیپر سائیڈ پر کھسکا کر محسن کو سامنے پڑی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ایمان الد صاحب کے کسی کام کے سلسلے میں تین چار دن سے ملک سے باہر تھا۔ اس کی وجہ سے ں میں رونق رہتی تھی۔ محسن اس کی غیر موجودگی کو بہت محسوس کر رہا تھا۔

''مکان' کس قسم کا مکان بھئی۔'' ساحر نے اپنے مخصوص و مکلف انداز میں دریافت کیا۔

''سر کراچی کمپنی کے آگے جی نائن ون میں ایک ڈبل سٹوری گھر برائے فروخت ہے۔ ایک خاتون اپنے بچوں کے ساتھ رہتی ہے۔ وہ اپنی کسی مالی ضرورت کے تحت فوری طور پر روخت کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔''

''جی نائن ون' خاتون' بچے۔'' ساحر کے ذہین اور معاملہ فہم دماغ میں اچانک ایک تصویر اہونے لگی۔

نک چڑھی۔

تیکھی۔

بدمزاج۔

مغرور۔

اور۔

اور بے پناہ حسین۔

اتنی کہ ہوشمندوں کے سارے ہتھیار گروی رکھوا لے۔

''کیا ہاؤس نمبر ہے اور خاتون کا کیا نام ہے۔''

محسن نے سکندر کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق جواب دیا۔

''بہت خوب۔''

ساحر کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''انہیں مکان فروخت کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔''

''ان کے والد مرحوم نے کاروبار شروع کرنے کے لئے بینک سے قرضہ لیا تھا۔ قرضہ سود ت واپس کرنے کی معیاد پانچ سال تھی۔ اتفاق ایسا ہُوا کہ کاروبار ڈوب گیا اور فقط قرض لے کا کام باقی رہ گیا۔ والد صاحب کی رحلت کے بعد ان کے بیٹے نے کچھ رقم واپس کی۔ پھر

اس کی بھی ناگہانی فوتگی ہوگئی۔ لہٰذا اب یہ رقم خاتون کے ذمے واجب الادا ہے۔ بینک سے، ختم ہونے کا نوٹس آچکا ہے۔"

محسن نے مفصل جواب دیا۔

زرلالہ نے سکندر پر بھروسا کرتے ہوئے مختصراً "بے ضرر" قسم کی معلومات اُسے فراہم دی تھیں۔

وہی معلومات اب محسن کے کام آرہی تھیں۔

"اور سر ایک اور مسئلہ بھی ہے اُن کے ساتھ۔ شاید اس سلسلے میں آپ اُن کی کچھ ،، سکیں۔"

محسن نے ملک دراب والا واقعہ کہہ سنایا۔

ساحر کے جسم کا سارا خون جیسے کنپٹیوں میں جمع ہوگیا۔ اس کا چہرہ شدت جذب سے دہک تھا۔

محسن تو بات بتا کر چلا گیا تھا۔ البتہ ساحر بہت دیر تک ان دیکھی آگ میں پھنکتا رہا۔ ا سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ زرلالہ کے معاملے میں اتنا انوالو اور ٹچی کیوں ہورہا تھا۔

اسے اس پر بے طرح غصہ آرہا تھا۔ بے وقوف۔ کم عقل۔ ضدی۔ ہٹ دھرم۔

اگر ڈھنگ سے بات کرنے کی روادار ہوتی تو شاید یہاں تک نوبت نہ پہنچتی۔

یا کم از کم اس وقت ہی دھیان کر لیتی جب اس نے اسے ملک دراب کے آفس دیکھ کر کی تھی۔

کچھ سوچ کر اس نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔

پھر کوٹ کرسی کی پشت سے اٹھا کر پہنا۔

پھر گاڑی کی چابی اور موبائل میز سے اٹھا کر وہ باہر نکل گیا۔

اس کا رخ زرلالہ کے گھر کی طرف تھا۔

"جی فرمائیے۔"

بیل بجانے کے تقریباً سات آٹھ منٹ بعد دروازہ کھلا تھا۔

غالباً یہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا نتیجہ تھا۔

وہ اس وقت سفید اور سبز پرنٹ کے ہلکے پھلکے لباس میں تھی۔ پیشانی پر پڑے ناگواری کے سابقہ رنجش کی موجودگی کا احساس دلا رہے تھے۔

"میں آپ کا مکان خریدنے میں انٹرسٹڈ ہوں۔"

ساحر نے ایک بھرپور نگاہ اس کے گلابی چہرے پر ڈال کر بے پروائی سے کہا۔

زرلالہ پہلے چونکی پھر ناگواری سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا یہ مکان فروخت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔" وہ صاف مکر گئی۔

"تو قرضہ کہاں سے واپس کریں گی؟"

وہ بُری طرح اچھل پڑی۔ "ک۔ک۔کون سا قرضہ۔"

"آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ بات چھپانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ آپ قیمت بتائیے مہنگے میں سودا کریں گی۔ ویسے میں یہ مکان یونہی خرید رہا ہوں۔ سچ پوچھیں تو مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ملک ہاؤس کے علاوہ ایف ٹین میں میری اپنی ذاتی کوٹھی ہے۔ مقصد آپ کی مدد کرنا ۔ اگر آپ چاہیں تو میں یونہی بینک کا قرضہ ادا کرنے کو تیار ہوں۔ مکان آپ اپنے پاس ۔"

"آپ کس حساب میں میرا بینک کا قرضہ ادا کریں گے۔"

زرلالہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ کانوں تک لال ہوگئی۔ "میری قیمت لگانے آئے ہیں آپ گویا؟ آپ جیسے عیاش امیرزادوں کی عنایات کے متعلق اچھی طرح جانتی ہوں میں۔ میں لعنت بھیجتی ہوں آپ کی آفر پر۔"

"کیا سمجھتی ہیں آپ!" ساحر دانت پیس کر آگے بڑھا۔

✿✿✿

"میں جو کچھ بھی سمجھتی ہوں ٹھیک ہی سمجھتی ہوں۔"

زرلالہ ساحر کے غصے سے خائف نہیں ہوئی تھی۔

"خاک ٹھیک سمجھتی ہیں آپ۔" ساحر نے ہونٹ چبائے اور سر جھٹکتے ہوئے تلخی سے کہا "انسانوں کی قیمت لگانے کا مجھے نہ شوق ہے اور نہ ضرورت۔ ہزاروں کی تعداد میں یہاں ہے دا ہمارے آگے پیچھے پھرتے ہیں۔"

"اگر آپ انسانوں کے خریدار نہیں ہیں تو یہاں کس آس امید میں آئے ہیں۔ کیا آ معلوم نہیں ہے یہ ایک بیوہ عورت کا گھر ہے۔ آپ کے لئے تو تہمت بازی کے الفاظ اتنی معمولی ہوں مگر......"

"مجھے اخلاقیات یا سماجیات پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں ساری اونچ کو۔" پھر وہ لہجہ بدل کر تحمل سے گویا ہوا۔ "مجھے غلط نہ سمجھیں۔ میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"مگر مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ تیوریاں چڑھا کر دو ٹوک گویا ہوئی۔

ساحر نے ایک تند و تیز کڑکتی ہوئی نگاہ اُس پر ڈالی پھر سر جھٹک کر گیٹ سے ہٹ گ دوسرے لمحے اُس کی گرے ہنڈا سوک ہواؤں سے باتیں کر رہی تھی۔

"بہت اچھا کیا میں نے۔"

زرلالہ اندر آ گئی۔ وہ اپنی حکمتِ عملی سے بہت مطمئن تھی۔

ایسے امیر زادوں کو تو کھلونے چاہئے ہوتے ہیں کھیلنے کے لئے۔

ذرا سی اچھی صورت دیکھی تو لگے شکار پھانسنے۔ اپنی ہوس مٹانے کے لئے۔ حمیدی صاحب تجربے نے اسے ایک ہی ٹھوکر میں بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

O☆O

"پرے دفع ہو ناں۔ کہاں چڑھا آ رہا ہے میرے سر پہ۔"

اظہر نے محسن کو کہنی مارتے ہوئے اسے اپنے بستر سے دور لڑھکانے کی کوشش کی۔

"میرا اچھا بھائی نہیں ہے۔" محسن مزید اُس کے کمبل میں گھسنے لگا۔ "میرا لاڈلا' میرا پیارا اراج دلارا بھائی۔ ہیں۔ پھر کر دے ناں میرا کام۔" اس کا خوشامدانہ لہجہ عروج پہ تھا۔ "اللہ ب دے گا تجھے۔"

"بیکار ہے یہ مکھن بازی۔ امی کبھی نہیں مانیں گی۔" اظہر نے بیزاری سے کروٹ بدلی۔ "جا ہو۔ اپنے بستر پہ جا کے لیٹ۔ میں تھکا ہوا ہوں۔ سونا چاہتا ہوں۔"

"اوں ہوں۔" محسن بچوں کی طرح بسورنے لگا۔ "پہلے میرا کام کر۔" وہ ڈھٹائی سے اپنے پر قائم رہا۔

"تیرا کام ہی تمام نہ کر دوں؟" اظہر نے دانت کچکچا کر اس کی گردن کو جھٹکا دیا۔ "چل اٹھ ہے۔" محسن نے سنی ان سنی کر دی۔

"نہیں اٹھتا۔" وہ آرام سے پیر پسارے لیٹا رہا۔ "تو کہہ کے تو دیکھ ناں۔ ہو سکتا ہے وہ مان ۔ بلکہ مجھے یقین ہے مان جائیں گی۔"

"جب اتنا یقین ہے تو خود کیوں نہیں کہہ لیتے۔" اظہر چڑ کر بولا۔

"تیری بات اور ہے ناں ڈاکٹر صاحب۔" محسن نے اس کی ٹھوڑی چھو کر لجاجت سے کہا۔

"تم سے تو ایک ہی کمینہ ہے اپنی نوعیت کا۔" اظہر نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"ہاں تو ایسے ماسٹر پیس روز روز تھوڑی بنتے ہیں۔" محسن نے کالر اکڑائے۔ "ہیں پھر تو ے گا ناں امی سے۔" اس نے اظہر کا کندھا دبایا۔ "دیکھ دہی بڑے یہ تیری عزت کا سوال ہما کرناں۔"

''اس میں عزت بے عزتی کی کیا بات ہے۔شادی تیرے باس کی تھوڑی ہے کہ
قیامت آ جائے گی۔ ارے بھئی شادی اُن کے چچازاد بھائی کی ہے۔انہوں نے ازراہ
تمہیں فیملی سمیت انوائٹ کرلیا ہے تو جانا تم پر فرض تو نہیں ہو گیا۔ پھر شادی ان کے آبائی
ملکوال میں ہو رہی ہے۔لاہور سے بھی آگے کی جگہ ہے۔ہمیں کیا پڑی ہے اتنی دور اجنبی
میں جانے کی۔''

''مجھے پنجاب کے گاؤں دیکھنے کا بہت شوق ہے۔مزہ آئے گا ناں۔'' وہ بھولی سی
کے بولا۔

''ایسے ہی مرے جا رہے ہو تو خود چلے جاؤ۔ امی' نگین اور مجھے کیوں نتھی کر رہے ہو
ساتھ۔''

''نہیں ناں۔تم لوگوں کے بغیر میں وہاں جا کر کیا کروں گا۔''

''بہر حال آپ کا شوق اور خواہش پوری کرنا ممکن نہیں ہے۔امی آج کل ویسے بھی
کے کام کے سلسلے میں از حد مصروف ہیں۔نگین کے کالج میں سالانہ پیپرز ہو رہے ہیں۔ ا
دنوں پرچے چیک کرنے کے علاوہ کسی چیز کا ہوش نہیں ہے۔رہا میں تو مجھے اپنی نئی نویلی جا
نخرے اٹھانے سے فرصت نہیں ہے۔''

''کیا مصیبت ہے۔میرا اتنا موڈ ہو رہا تھا تم لوگوں کے ساتھ ملکوال جا کر ساحر صا
کزن کی شادی اٹینڈ کرنے کا۔''

محسن بدمزہ ہو کر اٹھ گیا اور اپنی چارپائی پر نیم دراز ہو گیا۔

''اچھا موڈ خراب نہ کر اب۔''

اظہر قدرے نرم پڑ گیا۔وہ اسے آف موڈ میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کا سایہ تھے اور کمزوری بھی۔

''تو چلا جاناں۔امی تجھے روکیں گی تھوڑا۔''

''اب جانے دو۔'' اس نے جیسی مکھی اڑائی۔

''ملکوں کی طاقت' اثر ورسوخ اور باہمی چپقلش کی ساری داستان سن چکی ہیں۔ پھر
رشید اور تیرے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اُن کی آنکھوں کے سامنے ہے۔اس واقعے کے بعد وہ ا

چکی ہیں کہ مجھے ایسے لوگوں کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہئے جو ایک دوسرے کے خون کے
ہیں۔ان کے معاملات انہی پہ چھوڑ کے اس چکر سے بچ نکلنا چاہئے۔ایسے میں شیر کی کچھار
منے کی اجازت کیونکر ملے گی۔''

''اس سلسلے میں تیری سفارش کر سکتا ہوں میں۔''

''مجھے اکیلے نہیں تم سب کے ساتھ جانا ہے۔''

''اور ایسا ہو نہیں سکتا لہٰذا صبر کا بھاری پتھر اپنے دل پہ رکھ لو۔ بلکہ بہتر ہو گا سر پر پھوڑ لو۔اس
تمہارے مرض میں افاقہ ہو گا۔''

اظہر ایک میڈیکل کیس کا مطالعہ کر رہا تھا۔

''محسن' ارے بھئی فون ہے تمہارا۔ساحر ملک صاحب بات کریں گے۔'' نگین پکارتی ہوئی
آ رہی تھی۔

''کیا بات کریں گے وہ......'' محسن انگڑائی لے کر بستر سے اٹھا۔

''جا کر سنو گے تو ہی پتا چلے گا۔تم کیا کر رہے ہو اظہر۔ چائے پیو گے۔ میں نے دو کپ
ہیں۔''

وہ ایک کپ اُس کے بستر کے ساتھ رکھی سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر بستر کی پائنتی کی طرف بیٹھ گئی۔
باہر نکل گیا تھا۔

''محسن کے لئے رکھ دو۔''

اظہر نظر جھکائے کاغذات کھنگالتا رہا۔

''وہ تو ہو گئے۔اب فون کو پیارے۔'' وہ ہنسی۔

''تم لو ناں۔'' اس کے اصرار میں اپنائیت تھی جسے محسوس کرتے ہوئے اظہر بے سبب بے
ہو گیا۔

یہی لہجہ و انداز تو دل پہ وار کرتا تھا۔

اسی ادائے یگانگت نے اسے لوٹا تھا۔

یہ مزاج کی سادگی۔

شعور کی پختگی۔

ادا کی معصومیت۔

لب و لہجے کی سچائی سے بھرپور کھنک۔

اور یہ شانِ بے نیازی و خود اعتمادی۔

کہاں ملے گا کوئی ایسا دوسرا۔ اظہر نے ٹھنڈی سانس لی۔

وہ ایک لوجیکل انسان تھا اور ہر معاملے میں دلیل سے قائل ہونے پر یقین رکھتا تھا مگر جانتا تھا کہ دیوانگی کو دلیل سے نہیں صرف دل سے قائل کیا جاسکتا ہے۔

''اور کیسا چل رہا ہے تمہارا اپنا کلینک۔ دل لگ گیا نئی جگہ پر۔'' وہ چائے کی چسکیا رہی تھی۔

''اب تو لگ کر بھی پرانا ہو چکا۔'' وہ آہستگی سے مسکرایا۔

''اگر تم مائنڈ نہ کرو تو ایک بات پوچھوں۔''

''دفعتاً وہ غور سے اس کا جائزہ لے کر بولی۔

''جتنی مرضی پوچھ لو۔''

''کیا تمہیں مجھ سے کوئی گلہ ہے۔''

''زندگی سے کسے گلہ ہو سکتا ہے۔'' وہ فائل پہ نگاہ جما کر بولا۔

''میں زندگی کی نہیں اپنی بات کر رہی ہوں۔''

''وہ بہت سنجیدہ تھی۔

''دیکھو اظہر ہمارا تمہارا تعلق ہمیشہ سچا اور کھرا رہا ہے۔ اس رشتے کی خوبصورتی کو یا تلخی نے دھندلا نہیں کیا۔ کم از کم میں کچھ ایسا ہی سمجھتی ہوں۔ اس گھر کا کچھ بھی ایک د چھپا ہوا نہیں ہے۔ ہم یہاں ون یونٹ بن کر رہتے ہیں۔ کسی سے چوری یا راز داری والا ہے۔ جو کچھ ہے' کھلا ہے۔ سب کے سامنے ہے۔ پھر ایسا کیا ہے جس نے تمہیں اور تمہار اس طرح ''بند'' کر دیا ہے۔ کس چیز کا پردہ ہے ہمارے تمہارے بیچ۔ کوئی شکایت ہے تو سے کہو' حکم سے' ضد سے زبردستی سے منوا دو اپنی بات۔''

''ہر بات ضد یا زبردستی سے منوانے والی نہیں ہوتی نگین۔ اور یوں بھی میں جس بندہ ہوں مجھ میں ایسے گٹس ہیں بھی نہیں۔ میں کسی کے ساتھ زبردستی یا جبر نہیں کرسکتا

نہیں دکھا سکتا۔ دوسروں کی تکلیف کو محسوس کیے بنا نہیں رہ سکتا۔ یہ میری فطرت ہے اور انسان اپنی فطرت سے فرار حاصل نہیں کرسکتا۔''

''کس نے کہا ہے فطرت سے فرار حاصل کرنے کو۔ ایسا کرنا بھی نہیں چاہئے۔ انسان جیسا ہے اسے ویسا ہی رہنا چاہئے۔ اپنی فطرت سے بھاگ کے وہ کہاں جاسکتا ہے۔ میں تو بس ایک بات جانتی ہوں کہ ہمیں انسان بنا کر بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں انسان ہی رہنا چاہئے۔ فرشتہ بننے کی کوشش میں بندہ انسانیت کے درجے سے بھی گر جاتا ہے۔ خدا نے انسان کو نفس کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اسے ذہنی و جسمانی اور جذباتی ضروریات و اغراض سمیت زمین پر اتارا ہے۔ مقصد اس کی آزمائش ہے۔ اسے عقل اور نفس ایک ساتھ اس لئے دیئے ہیں کہ وہ اچھائی بُرائی کی کشمکش میں پڑ کر اپنے لئے صحیح راستے کا خود انتخاب کرے۔ حالات سے لڑے' اپنے نفسانی تقاضوں کے خلاف لڑے اور اس کے ساتھ ساتھ ان تقاضوں کو پورا کرنے کے جائز ذرائع بھی تلاشتا رہے۔ یہ جو انسان بھٹکتا' بہکتا اور پھر سنبھلتا ہے تو یہ اس کی فطرت ہے۔ ہم غلطی اس لئے کرتے ہیں کہ ہم انسان ہیں اور پھر توبہ کر کے پاک و صاف ہو جاتے ہیں کہ ہم خدا کے بندے ہیں۔ فرشتگی اور حیوانیت دو انتہائیں ہیں۔ ان کے درمیان انسانیت کا درجہ آتا ہے۔ وہ شعر ہے ناں۔

فرشتہ مجھ کو کہنے سے میری توہین ہوتی ہے
میں مسجودِ ملائک ہوں مجھے انسان رہنے دو

''گویا تم میں یہ خوبی بھی ہے۔''

اظہر خوشگوار حیرت میں گھر کر اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پہلی بار وہ چھیڑ خانی اور ہنسی مذاق سے ہٹ کر کسی سنجیدہ فلسفے پر بحث کر رہے تھے۔

''جوہر تو اور بھی بہت سے ہیں پھر کبھی کھل کر بتائیں گے۔ فی الحال تو آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔ بات گول کرنے کی کوشش فضول ہے۔ کیونکہ آپ مجھے چکر نہیں دے سکتے۔''

''تمہیں چکر کیا دیں گے ہمیں تو خود تقدیر نے چکر میں ڈالا ہوا ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔

''کیا مطلب۔ میں خاک بھی نہیں سمجھی۔''

وہ پلکیں جھپکا کر بولی۔

جواب میں اظہر نے اُس پر ایک نگاہ ڈالی۔

یہ تو سچ ہے کہ انسان کسی سے متاثر اُس کی فطرت' ذہن و دل اس کی سوچ یا زندگی گزا
کی کسی ادا سے ہی ہوتا ہے مگر رفتہ رفتہ ہوتا یوں ہے کہ پھر وہ وجود بھی اچھا لگنے لگتا ہے جو اس ،
مزاج کا مالک ہوتا ہے حتی کہ اس کے ایک ایک عضو سے محبت ہو جاتی ہے۔ اس میں خوبصور
کاملیت دکھائی دینے لگتی ہے پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب نظر اعلان کرتی ہے کہ اس
محبوب سے بڑھ کر ساری دنیا میں کوئی حسین نہیں ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لیلیٰ مجنوں کے قصے
نسیاں ہو چکے ہوتے۔

اسی لئے تو کہتے ہیں کہ حُسن دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے۔
آنکھ فنکار ہوتی ہے کہ حُسن کے رنگ بھرتی اور نکھارتی ہے۔
آنکھ سنگ تراش ہوتی ہے کہ پتھروں کو رعنائی کے مجسموں میں ڈھال دیتی ہے۔
آنکھ سیاح ہوتی ہے کہ فطرت کے پیکر میں کشش اور خوبصورتی کو کھوجتی اور سراہتی ہے۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔" وہ لاابالی پن سے گویا تھی۔

"دیکھنا کیا ہے۔ اپنی آرزوؤں کے پیکر' اپنی حسرتوں کے مجسمے کو دیکھ رہا ہوں۔"

وہ یہ بات صرف سوچ سکتا تھا کہہ نہیں سکتا تھا۔

"تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟" نگین کی تیز نظریں اُس کی بولتی ہوئی اس چپ کو محسوس کیے
سکیں۔ وہ بہت غور سے اُس کا چہرہ پڑھ رہی تھی۔

"اس کا جواب ہاں میں بھی ہے اور نہیں میں بھی۔" وہ جھجکا۔

"جو پوچھنا ہے صاف صاف پوچھ ڈالو۔ صاف گوئی اور بے باکی سے کام لینے سے ا
بہت سے مسائل اور الجھنوں سے بچ جاتا ہے۔

"بے باکی؟ ارے نہیں بھئی۔" اظہر نے بے ساختہ کان چھوئے۔

"ہاں۔" نگین مطمئن تاثرات لئے بیٹھی رہی۔ اس کے لہجے میں یقین تھا۔

"بے باک ہونا بُری بات نہیں ہوتی۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے لفظوں کو مخصوص معانی
انہیں عجیب طرح سے معنی خیز بنا کے رکھ دیا ہے۔ میرے نزدیک بے باکی کا مطلب ہے
سچا' غیر جانبدار اور ٹھوس انداز۔ ایسا مضبوط و سادہ' کھرا اور حقیقت پسندانہ لہجہ جو ہر طرح
وشبہات کو مٹا کر انسان کو یقین اور اعتماد کی منزل پر کھڑا کر دے۔ اصل میں ہم لوگوں نے

بے شرمی کو ہم معانی اور ہم وزن قرار دے رکھا ہے اسی لئے الجھتے ہیں۔ دونوں میں نمایاں فرق
بے باکی اظہار حال و خیال' فکر اور نقطۂ نظر کی ہوتی ہے اور بے شرمی جذبات کے بے دھڑک
انہ اظہار کو کہتے ہیں' ایسا اظہار جو پاکیزہ احساسات کو آلودہ کر کے پیش کرے جو محبت جیسے
ـ روحانی تجربے کو محض لمس اور جنس کے تقاضوں تک محدود کر دے۔ بے باک ہونا چاہئے بے
لیں۔ بے باکی ایک صفت ہے۔ اگر سمجھا جائے تو......"

"تمہارا طرزِ کلام بہت صاف و سادہ اور متاثر کن ہے۔ میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے
ئل تھا۔ یقین مانو یوں لگا جیسے تم نے میری دلی احساسات کو زبان دے دی ہو۔ میرے
ات بھی اسی طرح کے ہیں۔ بس ذخیرۂ الفاظ کی کمی ہے' مجھے اظہار نہیں آتا۔" اظہر نے سادگی
اعتراف کیا۔

"اظہار بہت ضروری ہوتا ہے۔ خصوصاً آج کے دور میں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہر معاملے میں
رکی ضرورت نہیں ہوتی۔ خصوصاً دل کے معاملے میں یہی کہا جاتا ہے کہ اسے لفظوں کی احتیاج
ہوتی۔ اس عمل میں ہر عضو زبان بن کر حالِ دل سناتا ہے۔ آنکھ بات کرتی ہے' ہر ادا بولتی ہے'
اگواہی دیتا ہے' تاثرات فسانۂ محبت کی وضاحت کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ٹھیک ہے ان باتوں
اہمیت اپنی جگہ مگر اب آج کل ایسا دور آ گیا ہے کہ اس نئی صدی میں کمیونیکیشن اور اظہار کے
گزارا نہیں ہو سکتا۔ اتنی تیز رفتار اور پیچیدگیوں سے اٹی زندگی میں کس کے پاس اتنا فالتو ٹائم ہے
گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر دوسروں کے رویوں' لہجوں اور انداز و اطوار کا تجزیہ کرتا پھرے۔ ان
ہاں کے در پردہ چھپے جذبات کا اندازہ لگاتا رہے۔ وقت بہت تیز رفتار ہو گیا ہے۔ آج کل......
بروزگار یا بیکار بندہ بھی اپنی جگہ اپنی مصروفیات میں پھنسا ہوا ہے اور بالفرض محال اگر کسی کے
اتنا ٹائم نکل بھی آتا ہے کہ وہ دوسروں کی آنکھوں' لہجے اور چہرے کی زبان پڑھ کر اس کے دلی
ات کا تجزیہ کرے تو بھی اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ اُس نے جو اندازے لگائے ہیں وہ سو
درست ہیں؟ وہ غلط بھی تو ہو سکتے ہیں۔ بعض اوقات ہم دوسروں کو مس انڈرسٹینڈ کر لیتے
لہٰذا غلط زاویۂ فکر پر چلنے سے بہتر ہے لفظوں کا صاف و سادہ استعمال کر کے اپنے خیالات کا
رکیا جائے اس سے بدگمانی' غلط فہمی اور شکوک و شبہات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور تلخیاں جنم نہیں
"

"اچھا ایسی بات ہے تو میں اب صاف صاف پوچھتا ہوں تم سے۔" اظہر نے تکیہ ڈال کر کہنی ٹکائی۔

"یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے اور محسن کے درمیان کوئی......"

اظہر کی بات ادھوری رہ گئی۔

"ہم تشریف لا رہے ہیں۔ ہمارے ادب میں کنیزانِ حرم اور غلامانِ محل کھڑے ہو جا[ئیں] کنیزوں کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ اپنی ایک ایک انچ پلکیں بچھا دیں ہماری راہوں میں۔"

محسن شور مچاتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"کام ہو گیا ہے سکندر کی "سفارش یافتہ" بیوہ خاتون کا۔ اُن کا مکان ساحر صا[حب لے] رہے ہیں۔ مجھے کل بلایا ہے۔ کہہ رہے تھے کیش لے کر خاتون کے ہاں جاؤں اور مکان اُ[ن کے] کزن کے نام پہ خرید لوں۔"

"وہ اپنے نام پہ کیوں نہیں خرید رہے۔" اظہر نے استفسار کیا۔

"کوئی خاص وجہ نہیں بتائی بس یہی کہا ہے کہ خاتون کو یقین دلاؤں کہ مکان میں محسن آفتاب نے اپنے جاننے والے کے ہاتھ بکوا دیا ہے۔"

"چلو پھر کل تم چکر لگا آنا۔" اظہر بولا۔

نگین دونوں کپ سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

O☆O

بارش بے حد زور شور سے ہو رہی تھی۔

ملک آباد سے نکل کر اسلام آباد جانے والا راستہ اس وقت سنسان پڑا تھا۔

وجہ ایک تو موسلا دھار بارش کا ہونا تھا۔

دوسرے رات کا وقت تھا۔

اور تیسرے ہفتہ وار تعطیل کے باعث کاروبارِ زندگی پہ عارضی جمود طاری تھا۔

لہٰذا اِکا دُکا ٹریفک ہی دیکھنے میں آ رہی تھی۔

"شہریال بی بی آپ کہیں تو جیپ واپس موڑ لوں۔ ابھی تو ہم نے فقط آدھے کم پورا کیا ہے۔ ساڑھے تین گھنٹے لگیں گے ہمیں لاہور پہنچنے میں پھر وہاں سے ملکوال کا گا[ؤں]

گھنٹے کے فاصلے پر واقع ہے۔ گویا کُل ملا کر ابھی ساڑھے چار گھنٹے کا سفر مزید باقی ہے۔"

دفعتاً سکندر مڑ کر شہریال سے مخاطب ہوا۔

وہ اپنی سوچوں میں گم ٹھوڑی پہ ہاتھ جمائے نشست کی پشت سے سر ٹکائے خلا میں دیکھ رہی تھی۔ اُس کے مخاطب کرنے پر چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ "نہیں۔ اب نکل ہی پڑے ہیں تو پیچھے لوٹنے سے کیا حاصل۔ چلیے چلو۔" اس کے انداز میں بے دلی اور کوفت نمایاں تھی۔

وہ نائٹ ڈیوٹی دے کر ہسپتال سے آج صبح ہی واپس آئی تھی جب بڑی اماں کا خفگی بھرا فون آ گیا۔

"اے بیٹی کیا برات کے دن حاضری لگوانے پہنچو گی؟ شادی کو فقط ایک ہفتہ رہ گیا ہے اور تم ابھی تک ملکوال نہیں آئیں۔ حویلی میں جشن کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ آج مایوں کی تقریب ہے۔ فوراً کسی بندے کو ساتھ لے کر ملکوال چلی آؤ۔ اب میں مزید کوئی عذر نہیں سنوں گی۔" اور اسے مجبوراً اسپیشل چھٹی کی درخواست بھجوا کر روانگی کا پروگرام بنانا پڑا۔ سکندر کل شام ہی اسلام آباد سے لوٹا تھا۔ ملک ذُراب آج کل اپنی اسلام آباد والی کوٹھی میں پایا جاتا تھا لہٰذا کام کے سلسلے میں سکندر کو بھی اپنے پاس روک لیا تھا۔

شہریال نے شام کو چھ بجے روانہ ہونے کا تہیہ کیا تھا۔ شام کو مغرب کے قریب جب وہ نکلنے کو تھے تو آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور ہوا میں کافی تیزی تھی۔ ابھی ملک آباد سے نکلے ہوئے آدھا گھنٹا بھی نہیں ہوا تھا کہ بارش شروع ہو گئی۔

"موسم کے تیور اچھے نہیں لگ رہے۔ یہ بارش اتنی جلدی رکنے والی نہیں ہے۔"

سکندر نے اپنی تشویش چھپانا مناسب نہیں سمجھا۔

"کوئی مسئلہ نہیں۔" وہ سکون سے گویا ہوئی۔

"تمہیں ڈرائیونگ میں پرابلم تو نہیں ہو رہی۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ مبہم سا مسکرایا۔

وہ ہمراہ تھی۔

نظر کے سامنے تھی۔

احساس سے قریب تھی۔

اُسے کیا پرابلم ہوسکتی تھی۔

ایسے لمحوں کے حصول کے لئے تو وہ سات رنگ کے آتش فشاں پہاڑوں میں سے گزر
تھا۔

اور پھر ایسے رم جھم رحمت برساتے' دلوں میں ترنگ ابھارتے لطیف وخنک موسم میں اُر
ساتھ ایک دائمی نشے سے کم نہیں تھا۔

اُس کا دل موج و مستی میں تھا۔

یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یہ بارش کی بوچھاڑ نہیں اس کے دل کا ساون ہے جو جھوم کے
رہا ہے۔

اسلام آباد کا ایریا شروع ہو چکا تھا۔ آگے پنڈی سے گزر کر سیدھا جی ٹی روڈ پر سفر کرنا تھا
بوندوں کی تیز بوچھاڑ سے ونڈ سکرین بار بار دھندلی ہو رہی تھی۔

گاڑی کے وائپرز مسلسل مصروف عمل تھے۔

جی ٹی روڈ پہ پہنچنے کے محض دس منٹ بعد ژالہ باری شروع ہو گئی۔

ٹھک ٹھک اولے سکرین سے ٹکرا کر شور وفغاں کرنے لگے۔

"ارے یہ تو اولے پڑنا شروع ہو گئے۔"

اب کے شہریال کو بھی فکر ہوئی۔ وہ بند شیشے کے باہر پانی کی تیز دھار کے ساتھ ساتھ پتھر
ٹکڑوں کی طرح گرتے اولوں کو تشویشناک نظروں سے دیکھنے لگی۔

"جی ہاں۔ قدرت بھی کن کن رنگوں میں اپنے جلوے دکھاتی ہے۔"

وہ سکرین کے پار دیکھ رہا تھا۔

رات کی تاریکی نے اطراف کے مناظر کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ہر شے دھند،
اندھیرے کے غلاف میں ملفوف ہو گئی تھی۔ آگے سڑک نظر نہیں آ رہی تھی۔ طاقتور بیم لائٹ
روشنی بھی محض دو ڈھائی گز تک کارگر تھی۔ سڑک چھوٹے موٹے دریا کا نظارہ پیش کر رہی تھی ا
یوں لگتا تھا جیپ اس تیز دھار شفاف پانی کے دھارے کو چیرتی ہوئی سطح آب پر تیر رہی ہے۔

"اوہ مائی گاڈ....."

شہریال نے دفعتاً دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے۔

"یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی جیپ کو نشانے پر رکھ کر چاروں اطراف سے فائرنگ کر رہا
ہے۔"

اُس کے پریشان کن لہجے میں ہلکی سی لرزش در آئی تھی۔

"اگر طوفانِ باد و باراں کا یہی عالم رہا تو ہم زیادہ دیر تک سفر جاری رکھنے کے قابل نہیں
رہیں گے۔"

"جی۔ ایسی صورت میں یہ ایک رسک ہو گا۔" سکندر نے موسمی حالات کا جائزہ لینے کے
بعد دھیرے سے جواب دیا۔

"پھر۔" شہریال سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"اب کیا کیا جائے۔"

"گھر سے اتنی دور نکل آئے ہیں کہ اب واپسی کا تصور ہی احمقانہ ہو گا۔" سکندر نے خیال
آرائی کی۔

"پھر۔ کیا کریں۔"

وہ اپنے یخ ہوتے ہاتھ مل رہی تھی۔

اس وقت وہ اپنے مزاج کے مخصوص سرد و سپاٹ اور پُرسکوت حصار سے آزاد نظر آ رہی تھی۔

اُس کے انداز میں وہی قدرتی سی بے تابی و بے چینی' فکر و خدشات اور پناہ و عافیت کی
امڈی سی طلب در آئی تھی جو ایسے حالات میں خود بخود انسان کے رویے سے جھلکتی ہے۔

سکندر نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

وہ ڈرائیونگ سیٹ کی پشت پر ہاتھ جمائے آگے کو ہو کے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

گھور سیاہ موتیوں کی سی چمک رکھنے والی آنکھیں براہ راست اس سے ہمکلام تھیں۔

اس وقت وہ اتنا قریب تھیں کہ وہ ان پہ سایہ فگن خمدار لانبی پلکوں کی جھالر کی جنبش کو بھی
دیکھ سکتا تھا۔

وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا۔

ان جادوگر نشیلی آنکھوں کے خیرہ کن نظارے نے سب کچھ بھلا کے رکھ دیا۔ اُس کے دل
گویا ایک برقی لہر نکل کر شہریال کے قدموں میں جذب ہو گئی۔

وہ تاب نہ لا سکا۔

دل کی دنیا میں جیسے ایک حشر برپا ہو گیا تھا۔

اُس نے نہ چاہتے ہوئے منہ پھیر لیا اور دوبارہ ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آپ فکر کیوں کرتی ہیں شہریال بی بی۔ برس ہا برس سے رنگ برنگے موسموں میں ڈرائیونگ کرتا رہا ہوں۔ انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔ البتہ کچھ دیر کے لئے شاید سفر ملتوی کرنا پڑے اگر اسی طرح اولے برستے رہے تو یہ وائپرز اور ونڈ سکرین زیادہ دیر تک ان کی یلغار کے خلاف دفاع نہیں کر سکیں گے۔"

"تمہارے ہوتے ہوئے مجھے فکر کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ ہلکا سا مسکرائی۔

سکندر سناٹے میں آ گیا۔

حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہوئے مڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔

وہاں بے نیازی کا اپنا ہی ایک عالم تھا۔

لفظوں کو جب تک جذبوں کی پشت پناہی نہ ملے وہ بے تاثیر رہتے ہیں۔

اس نے ایک روٹین کے سے انداز میں اتنا بھرپور ذو معنی جملہ ادا کیا تھا۔

اسی لمحے جیپ کا طاقتور انجن گھر گھر کرتا ہوا بند ہو گیا۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔

"کیا ہوا" شہریال گھبرائی۔

"میں چیک کرتا ہوں۔" وہ پُرسکون انداز میں دروازہ کھول کر باہر آ گیا اور بونٹ اٹھا کر دیکھنے لگا۔

پانچ سات منٹ بعد وہ بُری طرح بھیگتا ہوا اندر آ بیٹھا۔

"انجن کی گراریاں پھنس گئی ہیں آپس میں۔ چین کام نہیں کر رہی۔ یہ خرابی کوئی مکینک ہی دور کر سکتا ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ" اس نے سچ مچ سر تھام لیا۔

"اس سے تو بہتر تھا پہلے ہی واپس ہو جاتے۔ خواہ مخواہ اتنی دور چلے آئے۔ اب کیا ہوگا

ویرانہ ہے۔ اتنی سنسان اور اجنبی جگہ پر رات کے عالم میں اس بے بسی کی کیفیت میں ہم
ں چل کر پناہ لیں گے۔"

"آپ تسلی رکھیں۔ بارش کا زور ٹوٹتا ہے تو میں سڑک کے اطراف میں کسی آبادی کا کھوج
لے کی کوشش کرتا ہوں۔ شاید وہاں سے کوئی امداد مل جائے۔"

سکندر شیشوں کے باہر جھانکتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

گرج چمک کے ساتھ ساتھ بجلیاں کڑکنے کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔

"انسان دنیا سے تنگ آ کر کتنی آسانی و کاہلی بلکہ بدتمیزی کے ساتھ کہتا ہے کہ اس سے تو
ہی بہتر ہے۔" اس نے ٹھنڈی سانس لی۔

"ورنہ سچ پوچھو تو وہ کب مرنا چاہتا ہے۔ مرنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ یہی تو اس میں
اری ہے۔ موت بھی تو زندگی کی طرح پہلے اپنا خراج وصول کرتی ہے۔ ہم اپنی ذات کو اہمیت
دیتے لیکن دیکھا جائے تو ہماری زندگی اور مقاصد کا بیشتر حصہ ہمارے ہی گرد گھومتا ہے۔"

"جان بچانے اور خود کو راحت پہنچانے کی سوچ ایک فطری حق ہے اور انسان کو اپنی جان کا
ل خود پر نہیں رکھنا چاہیئے۔"

سکندر نے لطیف سا مذاق کیا۔

پھر وہ کچھ دیر بعد دوبارہ دروازہ کھول کر باہر آیا۔

"میں آس پاس کسی آبادی کا کھوج لگاتا ہوں۔"

اولے برسنا ختم ہو چکے تھے۔ البتہ بارش کا سلسلہ ابھی موقوف نہیں ہوا تھا۔

شہریال سیٹ سے ٹیک لگائے اس کی واپسی کا انتظار کرتے کرتے تھک گئی۔

"شہریال بی بی آیئے میرے ساتھ۔ ادھر ساتھ میں ایک بستی ہے وہاں سے کسی سے مدد مل
گی۔ پہلے میں اکیلا جانے والا تھا کہ کسی کو ساتھ لے کر آؤں پھر سوچا آپ اتنی دیر تک اکیلی گھبرا
یں گی۔ آپ کو ساتھ لے چلتا ہوں۔"

وہ اُس کی طرف کا دروازہ کھول کے کھڑا تھا۔

"آپ وہاں تک چل سکیں گی؟"

سکندر کچھ متذبذب تھا۔

''راستہ بہت خراب ہے' جگہ جگہ پھسلن ہے اور بارش بھی پوری طرح نہیں رکی۔''

اُس کا نازک وگداز مخملیں وجود ان پتھروں روڑوں اور کیچڑ آلود ڈیڑھ میٹر ے راستہ کے لئے تھوڑی بنا تھا۔

''آپ میرے ساتھ چل سکیں گی؟''

سکندر کی فکر بجا تھی۔

''ہاں بھئی۔ کیوں نہیں۔''

شہریال لاپروائی سے کہتی ہوئی جیپ سے اتر آئی۔

''میں کوئی دنیا سے انوکھی تو نہیں ہوں۔ مشکلیں سب پر آتی ہیں۔ مصیبت قسمتیں یا عہ مرتبے دیکھ کر نہیں آتی۔ ہر شخص کو دنیا میں اپنے حصے کا بھگتان بھگتنا ہوتا ہے۔''

مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ جن راستوں کے لئے آپ کے قدم اجنبی ہوں ان پہ چلنے لئے اس ''مشق'' کا بار بار اعادہ بہت ضروری ہوتا ہے۔ پہلی پہلی مرتبہ گرے بغیر چلنا ممکن ہوتا۔ سکندر نے گاڑی کو اچھی طرح لاک کر دیا تھا۔

اتفاق سے جب خراب ہوئی تو جیپ سڑک کے انتہائی بائیں کنارے پر چل رہی تھی، گر بیچ سڑک پہ خراب ہوتی تو اسے سائڈ پہ کرنے کے لئے علیحدہ مشقت اٹھانا پڑتی۔

تاریکی' ہلکی بارش' ٹھنڈی سرد ہوا اور نازک سی ہیل کے ساتھ گیلی زمین پہ چلنے کا تجربہ زیا خوشگوار ثابت نہیں ہوا۔

وہ بمشکل دس قدم چلی ہوگی جب بُ ی طرح پھسل پڑی۔

گرتے گرتے اُس نے دونوں ہاتھوں سے سکندر کا بازو دبوچ لیا تھا۔ اس سے بچت ہ کہ وہ منہ کے بل گرنے اور اپنی ریڑھ کی ہڈی تڑوانے سے بال بال بچ گئی۔

''سنبھل کے۔'' سکندر نے پھرتی سے دوسرا بازو اُس کی کمر میں حمائل کرتے ہوئے ا سہارا دیا۔

چند لمحوں کے لئے شہریال کا پورا وجود سکندر کی تنومند جفاکش فولادی بانہوں میں سمٹ آیا شہریال کے اوسان تو پھسلن کے باعث خطا ہوئے تھے۔ سکندر کے ہوش اُس کے نازک سے زیادہ لچکیلے شاداب وپُر بہار سراپے کے لمس نے لوٹ لئے۔

آپ کے دل کی خواہش آپ کی آغوش میں آن پڑے اس سے بڑھ کر خوش نصیبی اور کیا ہو تی ہے۔

وہ بے اختیار اپنے اور اس کے بیچ حائل فاصلوں کو فراموش کر گیا۔

دل کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اس نے بانہوں میں پگھلتے خوشبو دار گداز وجود کر بھرپور اور جوش طریقے سے بھینچ کر اپنے مچلتے ہوئے سینے میں چھپا لیا۔

شہریال سنبھلنے کے بعد کسمسائی اور اس کے بازوؤں کے جنگلے سے نکلنا چاہا۔ وہ چند ثانئے لئے اس کی کسمساہٹ کے جواب میں سختی سے اسے بانہوں میں لئے رہا۔ اسے محسوس کرتا رہا مختصر سے اس قیامت خیز لمحے کے بعد شہریال کے کسمسانے پر بالآخر اس نے گرفت ڈھیلی کر کے چھوڑ دیا۔

''سوری۔ میرا پاؤں پھسل گیا تھا۔''

شہریال نے معذرت چاہی۔

سکندر اُسے دیکھتا رہ گیا۔

درختوں کے بیچ گھرے ایک اکیلے مکان کو دیکھ کر وہ وہیں ٹھٹک گیا۔

ابھی وہ ادھر قدم بڑھانے کے لئے سوچ ہی رہا تھا کہ مکان کے کھلے دروازے سے بھاری اقامت اور ڈیل ڈول کا آدمی نکلا۔ اس کے پیچھے غالباً اس کا کوئی ساتھی تھا۔

''جناب ہم مسافر ہیں۔ راستے میں ہماری گاڑی خراب ہوگئی اس لئے مجبوراً پناہ لینے کے ادھر آ نکلے۔ کیا آپ ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟''

''جی آیاں نوں۔ سر آنکھوں پہ سر۔ میں کافی دیر سے کھڑکی سے لگا آپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آیئے اندر تشریف لے آئیں۔''

سکندر شہریال کو اشارہ کر کے آگے بڑھا اور اس آدمی کے ساتھ اس کے گھر تک آ گیا۔

گھر کیا تھا بنیادی ضروریات فراہم کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔

شہریال سکندر کے اشارے پر چٹائی پر بیٹھ گئی۔

دونوں کے کپڑے نچڑ رہے تھے۔

''میرا نام سبحانی ہے۔ آپ آرام وسکون سے ادھر بیٹھیں۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھیں۔ بھابی

آپ فکر نہ کریں۔ میرے ڈیرے پر آ کر خوف اور ڈر دور بھاگ جاتے ہیں۔"

"بھابی!"

"دونوں کے چہرے بیک وقت رنگین ہو گئے۔

"ہم لوگ آپس میں رشتے دار ہیں۔" سکندر نے جھجک کر وضاحت کی۔ اس وقت مناسب تھا۔

"اوہ۔ معاف کرنا جی۔"

وہ خفیف سا ہو گیا۔

"بہر حال۔ آپ تسلی رکھیں۔ ابھی چائے اور کھانا آتا ہے۔ آپ آرام سے کھائیں، پھر گاڑی کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔"

لہجہ دیہاتیوں والی مخصوص مہمان داری کے احساس سے لبریز تھا۔

کچھ ثانیے بعد کھانا اور چائے آ گئی۔

چائے پینے کے بعد دونوں پر ایک غنودگی چھا گئی۔ وہ زبردستی خود کو چاق وچوبند اور ہوش رکھنے کی کوشش میں تھے مگر پھر اُن کے اعصاب ہار گئے۔

سجانی نے ایک قہقہہ لگایا۔

"آ جاؤ دلدار۔" اپنی تسلی کرنے کے بعد وہ بے فکری سے بولا۔

"دونوں لمبے لیٹ چکے ہیں۔"

اس کا دوسرا ساتھی دروازے پہ لگی چق اٹھا کر اندر آ گیا تھا۔

"ہم بھی کوئی گھسیارے نہیں ہیں۔ ماضی کے نامی گرامی ڈاکو رہے ہیں۔ آج کل ایسا دھندا چھوڑا ہوا ہے تاکہ پولیس کا دھیان بٹ جائے۔ ایسے میں ان لوگوں نے ادھر آ کر بدقسمتی کو خود دعوت دی ہے۔ آٹھ نو لاکھ کی پجارو اور پھر حسن کے خزانوں سے مالا مال یہ پری۔"

اس کا اشارہ شہریال کی طرف تھا۔

"اور اس لونڈے کا کیا ہو گا استاد۔"

"دیکھا جائے گا۔ زیادہ تنگ کیا تو 'پار' اتار دیں گے۔ ویسے میں نے سوچا ہے اسے

یں کسی بردہ فروش کے ہاتھ بیچ دیا جائے یا باہر جانے والی مزدور کھیپ میں ٹھونس دیا
"

"اور لڑکی کا کیا کرو گے؟"

دلدار نے للچائی نظروں سے شہریال کا جائزہ لیا۔

"اس نیلم پری کو ہم ہیرا منڈی لے جا کر دام کھرے کریں گے۔"

دونوں کافی دیر تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔

O☆O

غریبوں کے ہاں بیماریاں کتنی بھی سخت ہوں بندہ لوٹ پوٹ کر ٹھیک ہو ہی جاتا ہے۔

علامت بھی اب بظاہر ٹھیک ہو چکی تھی لہٰذا روزمرہ کے کام کاج معمول کے سے انداز میں م دے رہی تھی۔ مگر وہ اندر سے بالکل ختم ہو چکی تھی۔

جابر کی ماں اور بہنیں سرگرمی سے نئی بھابی لانے کا سوچ رہی تھیں۔

صفیہ انیتا سے مل آئی تھیں گو دل کی تسلی نہ ہوئی تھی مگر پھر بھی دو بدو بات کرنے کا اپنا ہی الگ

انہیں انیتا کے ہمراہ آنے والے کثیر سامان کے علاوہ کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی۔

"ارے ارے تم کہاں سے آگ بگولہ بن کر آ رہی ہو۔"

راحت سچ مچ بہت شدید غصے کے عالم میں گھر میں داخل ہوئی تھی۔

"آپا۔ یہ میں کیا سن رہی ہوں۔ جابر بھائی دوسری شادی کر رہے ہیں۔ یہ کھچڑی کب سے پک رہی تھی اور آپ اب تک کہاں تھیں۔ کون سی چڑیل آپ کا گھر اجاڑ رہی ہے اور رہیں صفیہ ان سے میں آج اچھی طرح نبٹتی ہوں۔"

"دھیرج سے۔ لو...... یہ پانی پیو۔"

"ہٹائیں آپ۔" وہ کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ "نہیں چاہیے مجھے کچھ بھی۔ صرف اس کا جواب دے دیں، آپ اپنی اور اپنی زندگی کی دشمن کیوں بنی ہوئی ہیں۔"

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں بھی انسان ہوں۔ مجھے بھی وہی بنیادی سہولتیں اور جذباتی چاہیے جو سب انسانوں کا حق ہے لیکن اگر نہ ملیں تو انسان کیا کرے۔"

صفیہ شادی کی شاپنگ کے سلسلے میں دونوں بیٹیوں کے ہمراہ بازار گئی تھی۔ وہ زور شور
نئے آنے والی بہو کے لئے شاپنگ کر رہی تھیں۔

انیتا سے مل کر انہیں خاص خوشی تو نہیں ہوئی تھی لیکن طلعت کے مقابلے میں بہر حال اُنہ
شے قبول تھی۔

''ہیں کہاں جابر بھائی۔ جی چاہ رہا ہے ابھی سامنے ہوں تو......''

اُس نے دانت کچکچائے۔

''تم ان سے کوئی بدتمیزی نہیں کرو گی۔'' اس نے گویا حکم صادر کیا۔

''تو کیا آپ انہیں دوسری شادی کی اجازت دے رہی ہیں؟''

''ایسا نہ کروں تو پھر کیا کروں بتاؤ؟''

✿✿✿

''کیا کروں؟ ارے بھئی احتجاج کریں۔ واویلا مچائیں۔ اُن کا گریبان پکڑ کر حساب
۔اپنے حقوق کا دفاع کریں۔''

راحت کو طلعت کی شکست خوردہ صورت دیکھ کر تپ چڑھ رہی تھی۔

''مجھے نہیں پتا یہ سب کیسے کرتے ہیں۔'' طلعت ٹھنڈی سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپا' آپ کیسی عورت ہیں۔''

طلعت کی منجمد اور ساکن کیفیت راحت کے اشتعال میں اضافہ کر رہی تھی۔

''آپ کا خاوند دوسری شادی کر رہا ہے۔ایک سوکن آپ کے سر پر مسلط کر رہا ہے اور آپ
بے پروائی اور بے حسی سے ہاتھ پہ ہاتھ رکھے خاموش بیٹھی تماشہ دیکھ رہی ہیں۔''

''اگر میری جگہ تم ہوتیں ناں تو تم بھی تماش بین بننے پر مجبور ہو جاتیں۔''

''غلط۔ میں اُن سب کا تماشا لگوا دیتی۔ ایسا مزہ چکھاتی کہ ساری عمر اپنے زخم چاٹتے
''

''ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔تم بھی وہی کرتی جو میں نے کیا ہے۔غریبوں کے ہاں سب سے
ان چاہی چیز لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ خدا دیتا بھی تو تھوک کے حساب سے ہے۔گھر اجاڑ کر
والیس تو بھی کیا حاصل ہوگا پگلی۔لوگ کہیں گے اتنی عمر دار ہو کے خدا خدا کر کے شادی ہوئی

تو کم ذات کو نباہنی نہ آئی۔ خاوند کے دوسری بیاہ لانے پر سسرال چھوڑ کر ماں باپ کے سینے دلنے کو آ بیٹھی، گھر کی دہلیز پر۔ پیچھے اتنا خیال نہ آیا کہ پہلے ہی تین تین جوان بہنیں شادی قطار میں لگی کھڑی ہیں۔ بوڑھے ماں باپ کی غربت اور ناتوانی کا بھی خیال نہ کیا۔"

طلعت چپکے چپکے رو رہی تھی۔

"اماں ابا سے تو میری روز ہی دانتا کل کل ہوتی رہتی ہے۔ میں تو حیران ہوں انہ اس اطلاع پر جابر بھائی اور صفیہ خالہ کی خبر کیوں نہ لی۔ بس رسمی سا احتجاج کر کے رہ گئے بیٹی کے دکھ کا احساس نہیں ہے؟"

"ہے کیوں نہیں، ہے احساس۔ مگر انہیں ان بیٹیوں کی بھی تو فکر ہے جو گھر بیٹھی ہیں، بندہ آخر کیا کرے۔ اس کے نصیب میں تو دھکے ہی ہیں۔"

طلعت نے آہ بھری۔

"اگر آپ نے شروع دن سے اپنی قدر کرائی ہوتی تو آج جابر بھائی آپ کو کسی تنکے طرح جھٹک کر اپنے لئے نیا آسمان نہ تلاش کرتے۔" راحت تلخی سے بولی۔ احساسِ ملال ا بہ لحبہ رُلا رہا تھا۔

"کیسے قدر کراتی۔ کس طرح منواتی اپنا آپ۔ کمزور بندوں کی اولاد بھی جڑ سے کمز سر کرتی ہے۔ غریب کی بیٹی کس شے کا مان کرے، کس برتے پہ نخرہ دکھائے۔ کس بنا پر چھوڑو یہ قصے کہانیوں کی باتیں۔ تم نے چار جماعتیں زیادہ پڑھ لی ہیں نا اس لئے کتابی با پر لانے میں دیر نہیں کرتیں۔ میری بہن آنکھیں کھول کر اپنے اردگرد کے حالات دیکھ کھڑے ہیں ہم۔ یہ وہ معاشرہ نہیں ہے جہاں حقوق و فرائض کے معاملات پر زوردار جنگ جیت لی جائے۔ یہ بے خبروں کا معاشرہ ہے۔ یہاں روز قیامتیں ٹوٹتی ہیں اور ا اجڑتے ہیں۔ بہت خاموشی سے عزتوں کے جنازے مصلحتوں کی قبروں میں اترتے ہے ان واقعات کی رپورٹ کرنے والا؟ کوئی نہیں ہے۔ سب نے انجان پنے کے کالے رکھے ہیں۔ تم ماں باپ کی خاموشی سے کڑھ رہی ہو۔ اور تمہیں کیا خبر کہ وہ بے چارے ا میں اس بات پر کتنا شکر منا رہے ہیں کہ داماد نے تین لفظ کاغذ پر لکھ کر بیٹی کو ہمیشہ کے لئے باہر نہیں کر دیا۔ خاوند سوت ہی لا رہا ہے۔ گھر سے بے دخل تو نہیں کر رہا۔"

"آپا، بس کریں۔ مجھ سے اور نہیں سنا جا رہا۔" راحت نے بے اختیار سنسناتے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔

طلعت نے دھیرے سے اُس کا کندھا تھام کر اپنے گلے سے لگا لیا۔

"یہی سچ ہے میری بہن۔ یہی ہے ہماری حقیقت۔ لاکھ پردے ٹانکتے رہو، نصیب کی مالک خود بولتی ہے۔ بدبختی اپنا روپ نہیں چھپا سکتی۔ تم میری فکر چھوڑو، اپنے بارے میں سوچو۔ تمہیں خبر ہے عرفان نے آج کل اپنی اماں کا پیچھا لے رکھا ہے۔ وہ انہیں تمہارے رشتے کے لئے منانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اُس کی یہی رٹ ہے کہ شادی ہو گی تو صرف راحت سے۔ جبکہ اماں اس کے لئے کوئی سونے کے انڈے دینے والی مرغی پھانسنے کے چکروں میں ہیں۔"

"کیا؟" راحت ایک دم سلگتی لکڑی سے بھڑکتا الاؤ بن گئی۔

"ہاں۔" طلعت کا سکون اس کے سچ کا ثبوت تھا۔ "یہ سچ ہے۔ عرفان تمہارے علاوہ کسی دوسری لڑکی کا نام بھی سننے کو تیار نہیں ہے۔ اماں لاکھ اُس سے نالاں سہی مگر پیار بھی بہت کرتی ہیں۔ ظاہر ہے جب مجبور ہو جائیں گی تو بیٹے کی بات مانتے ہی بن پڑے گی۔ رہی ہماری اماں تو اس بیٹی کی شادی تو کرنی ہے ناں۔ اور پھر رشتے بھی یہاں کون سے ہن کی طرح برستے رہے ہیں۔"

"میں مر کے بھی ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ آپ کی طرح کمزور اور نادان نہیں ہوں آپا۔ اپنا بھلا سمجھتی ہوں اچھی طرح۔"

راحت کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"تمہارے مرنے جینے کی باتیں کر لینے سے تقدیر کا لکھا ٹل نہیں جائے گا۔"

طلعت کو اپنی جوشیلی اور تنک مزاج بہن سے ہمدردی ہو رہی تھی۔

"ہو گا تو وہی جو نچلے طبقے کی سب لڑکیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ غریبی اور مجبوری دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ تو رہتی ہیں۔"

"میں ان سب کھوکھلے حقائق کو غلط ثابت کر دوں گی۔ آپ دیکھتی رہیے گا، کیا کرتی ہوں میں۔ آگ لگا دوں گی اس گھن زدہ معاشرے کے ہر غیر انسانی رسم و رواج کو۔"

وہ مٹھیاں بھینچ کر گویا تھی۔

طلعت پریشان کن انداز میں اُس کے تیور دیکھ رہی تھی۔

O☆O

''ماما' ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''ولی بندھے ہوئے سامان اور خالی گھر کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''بیٹے' ہم یہ گھر چھوڑ کر کہیں اور شفٹ ہو رہے ہیں۔''

وہ سارہ کو جوتے پہناتے ہوئے تحمل سے گویا ہوئی۔

''مگر کیوں ماما؟''

ولی کو قدرتی سی تشویش تھی۔

سکندر نے پرسوں فون کر کے بتا دیا تھا کہ ایڈووکیٹ محسن آفتاب گھر اور اس کا سامان بکوانے میں اس کی پوری پوری مدد کریں گے۔ وہ اپنا ضروری سامان تیار کر لے' رہنے کے کرائے کا گھر بھی دیکھ لیا گیا ہے۔ زرلالہ گزشتہ دو دنوں سے اس وکیل کی آمد کی منتظر تھی۔

''اس لئے کہ یہ گھر اب ہمارا نہیں رہے گا۔ اسے ہم بیچ رہے ہیں۔''

''مگر کیوں بیچ رہے ہیں؟'' بچہ اُلجھن کا شکار تھا۔

''بہت بے وقوف ہو ولی۔ چیزیں بھلا کیوں بیچی جاتی ہیں۔'' ہوم ورک میں مصروف نے پُر ملامت نگاہ سے اپنے سے ایک سال چھوٹے بھائی پر ڈالی۔

''ظاہر ہے روپیہ حاصل کرنے کے لئے۔''

''مگر ہمیں روپوں کی کیوں ضرورت پڑ گئی۔'' ولی کا تجسس دور نہیں ہوا۔

''یہ روپے ہمیں بینک والوں کو واپس کرنے ہیں۔''

زرلالہ نے مختصراً کہا۔

''اچھا۔ اب سمجھا۔'' ولی کو قدرے اطمینان ہوا۔

''اس کا مطلب ہے یہ روپے ہم نے کبھی بینک سے لئے تھے۔''

''بالکل یہی بات ہے۔''

''لیکن اب ہم رہیں گے کہاں۔''

''کسی دوسری جگہ۔''

''اس جگہ جیا کیسے پہنچیں گی۔ انہیں تو پتا ہی نہیں چلے گا۔''

ولی کو فکر لاحق ہوئی۔

زرلالہ کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔

اگر وہ ٹھیک ہو کر ہسپتال سے گھر آ جائیں تو بے سائبانی کا کالا دائرہ میرے اردگرد سے ہٹ جائے۔

گھر' بچے' معذور خاتون کی دیکھ بھال اور فکرِ روزگار کے چکر۔

کیسے لڑوں گی اتنے سارے محاذوں پر۔

اسی لمحے گیٹ پر بیل ہوئی۔

علی اٹھا تو زرلالہ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''آپ ٹھہرو بیٹا۔ مجھے خود دیکھنے دو۔'' وہ محتاط قدموں سے باہر آئی۔

''کون؟''

اس نے گیٹ کھولنے سے پہلے دریافت کیا۔

''جی میں ایڈووکیٹ محسن آفتاب ہوں۔ سکندر نے مجھے بتایا تھا آپ کے متعلق۔''

''اوہ اچھا۔'' زرلالہ نے گیٹ کھول دیا۔

سامنے ایک شریف صورت متناسب قدوقامت رکھنے والا مودب نوجوان کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔ ہر چند کہ وہ اجنبی خاتون سے پہلی ملاقات کے احساس سے بہت سنجیدہ اور متین نظر آ رہا تھا مگر گہری نظروں سے جائزہ لینے سے بھید کھلتا تھا کہ اس سنجیدگی کے اس لبادے کے پیچھے ایک چلبلا' شرارتی اور سادہ و ہنس مکھ لڑکا چھپا بیٹھا ہے۔

''السلام علیکم۔'' محسن نے سلام کیا۔

''سکندر نے بتایا تھا آپ اپنی پراپرٹی بیچنے کی خواہاں ہیں۔ براہِ کرم مجھے حقِ ملکیت کے کاغذات دکھا دیجئے۔ اس کے بعد آپ کی ڈیمانڈ اور جگہ کی کمرشل ویلیو کی بات زیرِ بحث آئے گی۔''

''جی' آپ اندر آ جائیے۔''

زرلالہ نے ڈرائنگ روم کھول دیا اور خود اندر چلی آئی۔

"علی اور ولی تم دونوں مہمان کے پاس جا کر بیٹھو۔" وہ بیڈروم کے خفیہ لاکر سے کاغذا
نکال رہی تھی۔

"السلام علیکم انکل۔"

محسن ٹانگ پہ ٹانگ رکھے صوفے پر بیٹھا پاؤں ہلاتے ہوئے اِدھر اُدھر کا طائرانہ نظر
سے جائزہ لے رہا تھا دو انتہائی خوش شکل اور مہذب بچے مشترکہ سلام کر کے اندر آئے۔

"وعلیکم السلام برخوردارو!" محسن نے چونک کر بڑے خوشگوار انداز میں اُن کا نوٹس ا
دونوں اُس کے مقابل صوفے پر بیٹھ گئے۔

"انکل آپ چائے لیں گے یا ٹھنڈا۔"

علی نے مما کی تربیت کے بموجب آداب میزبانی نبھائے۔

"آپ کون سی چیز زیادہ اچھی بناتے ہیں۔"

بچے کا انداز اتنا پیارا تھا کہ محسن کو بے ساختہ گدگدی ہونے لگی۔ وہ یونہی چھیڑ خانی کر بیٹھا

"زیادہ اچھی!" علی پریشان نظر آنے لگا۔ "بنانا تو مجھے دونوں ہی نہیں آتیں۔"

"تو پھر پوچھا کیوں!" محسن کو اس کی معصومانہ کشمکش مزہ دے گئی۔

"مما کہتی ہیں گھر آنے والے سے سلام دعا کے فوراً بعد چائے پانی کا پوچھا کرتے ہیں
علی نے سادگی سے اعتراف کیا۔

محسن بے اختیار ہنس دیا۔

"مجھے کچھ نہیں چاہئے بھئی۔ تم لوگ اپنے بارے میں بتاؤ کیا نام ہے۔ کس کلاس
پڑھتے ہو۔ کیا کرتے ہو وغیرہ وغیرہ۔"

دونوں نے اپنا تعارف کروایا۔

"آپ ہمارا گھر خریدنے آئے ہیں؟" علی بولا۔

تعارف مکمل ہوا تو انہوں نے اس کا انٹرویو شروع کر دیا۔

"آں ہاں۔ یونہی سمجھ لو۔"

"کیا آپ یہاں شفٹ ہو جائیں گے؟" ولی نے پوچھا۔

"ارے نہیں بھئی۔ ہمارا اپنا گھر ہے۔ آئی ٹین میں۔"

"تو پھر ہمارا گھر کیوں خریدنا چاہتے ہیں۔" ولی نے قدرے ناراضگی سے کہا۔ یوں جیسے
وہ اسے اس سے گہرا شکوہ ہو۔

محسن مسکراہٹ نہ چھپا سکا۔

"ہماری کیا مجال برخوردار جو آپ کا گھر خریدیں۔ ہمارے پاس اتنے پیسے ہی نہیں ہیں۔ ہم
بکوا رہے ہیں کسی جاننے والے کے ہاتھ۔"

"تو پھر جو صاحب اسے خرید رہے ہیں' وہ خود کیوں نہیں آئے۔" ولی نے پوچھا۔

محسن بچوں کی ذہانت کا دل سے قائل ہو گیا۔

"وہ یہاں نہیں ہوتے۔ کیا ہمارا آنا آپ کو بُرا لگا ہے۔"

"اوہ نو انکل۔ سوری' میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔" ولی شرمندہ ہو گیا۔

"ہم تو یونہی پوچھ رہے تھے۔ انفارمیشن کے لئے۔" علی نے بھی معذرت چاہی۔

محسن کو دل سے اُن پر پیار آیا۔

اسے دونوں بہت اچھے لگے تھے۔ معصوم مہذب اور مودّب۔

اتنی سی عمر میں اس غضب کا دماغ اور مشاہداتی قوت پائی تھی کہ بے اختیار ان کے والدین پر
آنے لگتا تھا۔

"یہ رہے کاغذات۔ مکان مرحوم شہاب انکل کے نام تھا۔"

زرلالہ چند بوسیدہ کاغذات ہاتھ میں لئے اندر آ گئی۔

محسن کاغذات کے مطالعے میں غرق ہو گیا۔

وہ اپنے ساتھ بھی کچھ کاغذات لایا تھا۔

ضروری کارروائی اور دیگر تفصیلات کا دور شروع ہوا اور لمبا ہی ہوتا چلا گیا۔

علی اور ولی بور ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

بالآخر معاملہ نبٹ گیا۔

محسن نے اسے کرائے کے گھر کے سلسلے میں رِدا بوتیک کے نچلے خالی پورشن کے بارے میں
ما دی۔

کرایہ بھی مناسب تھا اور جگہ بھی قدرے گمنام تھی۔ اس چھوٹے سے گھر کے ایک پورشن میں

وہ یہاں کی نسبت خود کو زیادہ محفوظ تصور کرتی۔

''ٹھیک ہے۔'' اس کے سوا اور وہ کیا کہہ سکتی تھی۔

''مجھے اجازت دیجئے گا۔'' رقم اس کے حوالے کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''ویسے تو آپ کی مرضی ہے میڈم لیکن ایک بات ضرور کہوں گا کہ وہاں آپ کسی قدر سکو
اور اطمینان سے رہ سکیں گی۔ علاوہ ازیں ہمارا گھر بھی اسی جگہ پر کچھ گلیاں چھوڑ کر ہے۔ بوا
ضرورت آپ بلا تکلف ہم سے مدد لے سکتی ہیں۔ میرے گھر میں میرے ہم عمر بھائی کے علاوہ ا
اور ایک خالہ زاد بہن رہتی ہیں۔ آپ ان سے مل کر خوش ہوں گی۔''

''جی شکریہ۔'' زرلالہ مروتاً بولی۔ سچ تو یہ تھا کہ اب اس کا انسانی رشتوں سے اعتبار اٹھ
تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ کسی سے اتنا ہی تعلق رکھے گی کہ جتنا بحالتِ مجبوری دوسروں سے
پڑتا ہے۔ کہ ایک ہی معاشرے میں رہتے ہوئے دیگر افراد سے کٹ کر جینا ممکن نہیں ہوتا۔

محسن کے جانے کے بعد اس نے گیٹ لاک کیا اور اندر آ گئی۔

وہ آئندہ کی حکمتِ عملی سوچ رہی تھی۔

پہلا کام تو یہ تھا کہ کل بینک جا کر قرضے کی رقم واپس کرنی تھی' اس کے بعد اس کے پا
تقریباً سوا لاکھ کے قریب رقم بچتی۔ اسی رقم سے گزارا کرنا تھا۔

کرائے کا پورشن پانچ ہزار ماہانہ پر مل رہا تھا۔

ایک سال کا کرایہ ایڈوانس دینا تھا۔

گویا ساٹھ ہزار کی رقم کرائے کی مد میں نکل جانی تھی۔

باقی کے پچپن ہزار میں سے کل ملا کر سات آٹھ ہزار روپیہ مختلف بلوں کی ادائیگی ا
چاہئے تھا۔ اس نے پچھلے ماہ سے پانی' سوئی گیس' بجلی' فون' سمیت کسی چیز کا بل ادا نہیں کیا تھا
کل جیا کے سپیشلسٹ ڈاکٹر سے مل کر آئی تھی۔ اس نے کوئی جدید تھراپیوٹک ٹیکنیک اپلائی ا
کے سلسلے میں آٹھ نو ہزار کا خرچہ بتایا تھا۔

گویا پچپن میں سے کم و بیش بیس ہزار انہی میں نکل جاتے۔

صرف تیس پینتیس ہزار باقی بچتے تھے۔

اتنی سی رقم سے کب تک گھر کا خرچ چلے گا۔

بہ مشکل دو تین ماہ۔

بچے بیکن ہاؤس میں پڑھ رہے تھے۔ ان کی ماہانہ فیس مشترکہ طور پر پانچ ہزار سے اوپر تھی۔
اُس کا دل یہ بھی گوارا نہیں کرتا تھا کہ بچوں کو یہاں سے اٹھا کر کسی نسبتاً سستے سکول میں ڈال
دے۔ اُس نے پہلے پہل ایسا کیا بھی تھا۔ دونوں کو کچھ عرصے کے لئے سپر مارکیٹ کے ایک ماڈل
سکول میں داخل کروایا تھا مگر وہ چند دن بھی نہ چل سکے۔ مجبوراً دوبارہ ایچ ایٹ کے بیکن ہاؤس میں
ایڈمٹ کروانا پڑا۔

ملک دراب کا خطرہ بھی بدستور سر پر منڈلا رہا تھا۔

وہ استعفیٰ بھیج چکی تھی مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کے خطرناک نتائج بھگتنا پڑیں گے۔

O☆O

سارے ملکوال میں گویا قیامت مچی ہوئی تھی۔

صبح ہی صبح ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔

بیلوں کو لے کر کھیتوں کی طرف جاتے کسان' بیل گاڑیاں ہانکتے چھوکرے بالے' تازہ
سبزیوں کا گٹھڑ سائیکل کے کیریئر پر مضبوطی سے باندھے شہر روانہ ہوتے ہوئے دو تین آدمی' پھر
مویشیوں کے باڑے کا رخ کرنے والی عورتیں۔ سب ہی اس سے باہر نکلے ہوئے تھے لہٰذا شور
اٹھنا لازمی امر تھا۔

عام طور پر کوثر بھوری بھینس کے بھاں بھاں کرنے پر اٹھا کرتی تھی مگر آج اسے بھوری کی
بجائے گلی میں دوڑتے بھاگتے قدموں اور آوازوں نے اٹھایا۔

''اماں کیا ہوا ہے۔ اتنا رولا کیوں ہو رہا ہے باہر۔''

وہ آنکھیں ملتے ہوئے صحن میں بچھی چارپائی سے اٹھی۔

برکتے گھڑونچی پہ رکھے گھڑے میں تازہ پانی ڈال رہی تھی اس کے ہاتھ میں سلور سٹیل کی
الٹی تھی۔ اُس کے چہرے پر عجیب سی پریشانی اور تشویش دوڑ رہی تھی۔

''میں دیکھوں باہر جا کر۔'' ماں سے جواب نہ پا کر کوثر تجسس کے مارے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''رک جا کوثرے۔ کچھ نہیں ہے باہر۔'' برکتے کی تھکی تھکی سی آواز اُسے پیچھے سے سنائی دی
تو وہ تذبذب کے عالم میں رک گئی۔

"پھر بھی۔ آخر اتنا ردلا ہو رہا ہے کچھ تو ہو گا ناں اماں۔ تُو نے جا کر دیکھا ہے کیا
بالٹی زمین پر رکھ کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔
کوثر کچھ نہ سمجھتے ہوئے تحیر کے عالم میں اس کے پاس آ کھڑی ہوئی اور اس کی
کچھ سوچنے لگی۔
آخر ایسی کون سی بات ہوئی ہے جو اماں کو خموشی لگ گئی ہے۔
"نہ پُچھ دھیئے۔ آسمان بھی نہیں پھٹا اتنے قہر پر۔ اللہ معافی اللہ شافی۔ توبہ توبہ"
آہ بھری۔
"کچھ بتاؤ بھی تو اماں۔" برکتے کا تاسف سے لبریز انداز کوثر کے تجسس کو ہوا د
"وہ ڈوگر دکان والا نہیں ہے۔" برکتے نے اِدھر اُدھر دیکھ کر نیچی آواز میں بتانا شر
"ہاں ہاں۔ وہی بہار کا ابا۔" کوثر نے بے تابی سے جوابی وضاحت کی۔
"اس کی بیٹی بہار دس بارہ دن پہلے گاؤں سے غائب ہو گئی تھی۔"
"ہاں۔ تو کیا وہ اب واپس آ گئی ہے۔" کوثر نے جلدی سے تکا لگایا۔
"پوری گل تو سن لے۔" برکتے نے جھڑکا۔
"ہاں ہاں۔ سن رہی ہوں۔ اب بول بھی دو۔" اس کو صبر کا یارا نہ تھا۔
"اس کی لاش پرانے کنوئیں کے کنارے پڑی ملی ہے۔"
"کیا۔" کوثر کا ننھا کملا سا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔
"ہائے میں مرگئی۔"
وہ بے اختیار کلیجہ پکڑ کر زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ خبر اتنی اذیت ناک تھی کہ اُ
چیزیں گھومتی ہوئی دکھائی دینے لگیں۔ یوں لگا جیسے اچانک بینائی چھن گئی ہو۔
"کس نے دیکھا پہلے۔ کیسے پتا چلا۔"
وہ پیلے پڑتے چہرے سمیت بھیگے ہوئے لہجے میں پوچھنے لگی۔
اُس کی آنکھوں کا تھال آنسوؤں کے موتیوں سے بھرتا جا رہا تھا۔
"نتھو جولاہا اپنے کھوتے کو پانی پلانے کے لئے اُدھر رکا تھا۔ وہ کھوتا ریڑھی پہ کا
دوسرے پنڈ لے جا رہا تھا۔ راستے میں ریڑھی روک کر جونہی کنوئیں کی طرف آیا ایک

لاش دیکھ کر سہم کے رہ گیا۔ ہمت کر کے اوندھی ترچھی پڑی اس عورت کو سیدھا کیا تو پتا چلا کہ وہ ڈوگر
کی بیٹی بہار تھی۔
"کس نے کمایا اتنا ظلم۔"
کوثر کے لب کانپ رہے تھے۔ دل قابو سے باہر ہوا جا رہا تھا۔
"کیا خبر کس پتھر کے کلیجے والے نے وار کیا۔ رب دیاں رب جانے۔"
برکتے اٹھ کر چولہے میں آگ سلگانے لگی۔
"گاؤں والے کیا کہتے ہیں۔"
"ہر ایک کی اپنی اپنی بولی ہے۔ کوئی کہتا ہے یہ جنوں بھوتوں کا کارنامہ ہے۔ کوئی باہر کے
بندوں کو ذمے دار بنا رہا ہے اور کسی کو عاشق معشوقی والا چکر لگ رہا ہے۔ ہر ایک کی اپنی زبان
ہے۔"
کوثر سے رہا نہیں گیا۔ وہ نظر بچا کر ڈوگر کے گھر کی طرف آ گئی وہاں لوگوں کے ٹھٹ جمع
تھے اور اپنے اپنے حساب سے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔
وہ بچتی بچاتی کسی نہ کسی طرح چارپائی پر چادر میں لپٹی بہار کی لاش تک پہنچ گئی۔ بہار کی ماں
اور رشتے دار عورتیں چارپائی کے گرد جمع تھیں اور دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔
"میں نے دیکھا تھا جب اسے اٹھا کر گھر لائے تھے۔" کوثر کی گہری سہیلی نجو نے اُس کے
قریب کھسکتے ہوئے سرگوشی میں اطلاع فراہم کی۔
"بہت بُرا حال تھا۔ کپڑے پھٹے ہوئے، جسم نیل و نیل، چہرہ سوجھا ہوا، اس کے گلے کے گرد
رسّی کے نشان ہیں جیسے گلا گھونٹ کر مارا ہو۔ ایک بڈھی اماں کہہ رہی تھی لڑکی کا کچھ نہیں چھوڑا۔
مارنے والوں نے پہلے جی بھر کر اسے لوٹا ہے۔"
"بس کرو۔ بس کرو نجو۔"
اُس نے نجو کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
لوگوں کی قیاس آرائیاں جاری تھیں۔
"یہ جنوں بھوتوں کا کام نہیں ہے۔ ملکوں کے بندوں کی کارستانی ہے۔ بہار کو چھوٹے ملک
کے اشارے پر اُن کے مہمانوں کی دلبستگی کے لئے گھر سے اٹھایا گیا۔"

"ابے خاموش رہ۔" کسی بزرگ نے جوشیلے نوجوان کو جھڑک کر چپ کرا دیا تھا۔

"اتنا سچ نہ بول کہ اس کے بعد مزید بولنے کے لئے تو زمین کے اوپر ہی نہ رہے۔"

"مگر یہ ظلم ہے اور اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنی چاہئے۔"

"ہماری آواز مل کر بھی اتنی اونچی ہرگز نہ ہو سکے گی کہ انصاف کے دروازوں تک پہنچ
چپ رہو۔"

"چپ رہ کر کب تک تماشا دیکھتے رہیں گے۔"

"تو پھر خود تم تماشا بن جاؤ گے۔"

کچھ جوشیلے افراد روتے پیٹتے ڈوگر کے ہمراہ چل پڑے' اُن کا رخ حویلی کی طرف تھا
ان دنوں سعود کی شادی کے سلسلے میں جشن منایا جا رہا تھا۔

"کیا بات ہے کیوں چوکھٹ پہ شور مچا کر حویلی کا سکون برباد کیا جا رہا ہے۔"

حویلی کے باہر ہی انہیں روک لیا گیا پھر شور شرابا سن کر کچھ دیر بعد ملک ایاز نے انہیں بلا

"میری بیٹی ملک صاحب...... میری بیٹی......"

ڈوگر روتا ہوا ملک ایاز کے قدموں میں لوٹنے لگا۔

"کیا ہوا تمہاری بیٹی کو۔ سنا ہے واپس آ گئی ہے۔ کس سکول میں کام کر رہی ہے ا
ملک ایاز نے لاپروائی سے سوال کیا۔

"جناب وہ یہیں کے ایک سکول میں پڑھاتی تھی۔ ایک دن چھوٹے ملک کے
شیرے نے اُسے روٹی پانی کے لئے اڈے پر بلایا تھا۔"

"شیرے نے کیا کیا آگے بتاؤ۔"

"جی اس نے ملک صاحب کے حکم پر میری بیٹی کو اٹھوا لیا۔ وہ لڑکی کو شہر لے گئے ا
جانے پر قتل کر کے یہاں ڈال گئے۔"

"کیا بکواس ہے یہ۔" ملک ایاز حسب عادت بھڑک اٹھا۔

"ابھی اتنا خراب نہیں ہوا میرے بندوں کا دماغ کہ اپنے گاؤں کی لڑکی اٹھا لیں۔"

"میں نہیں مانتا۔" انہیں ٹکا سا جواب مل گیا۔

غرضیکہ ان کی حویلی میں کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ ڈوگر رات تک حویلی کے باہر پھرتا رہا

"جناب۔ میں کچھ کہتا ہوں تو گستاخی ہوتی ہے لیکن میری بچی کو راہ سے بے راہ کرنے اور
ں تک لانے کی ساری ذمے داری ملک صاحب نے ادا کی ہے۔"

"تم غریبوں کے ساتھ کوئی بھلائی کر دو تو اگلے دن نیا مسئلہ اس کے ساتھ جوڑ کر چلے آتے
۔ جاؤ جا کر ارد گرد کے لوگوں سے پوچھو۔ پتا کرو کہ اسے کون وہاں ڈال کر گیا۔ کیا ارادے تھے
اس کے۔"

"میری بیٹی کی موت کی ذمے داری چھوٹے ملک کے بندوں پر لاگو ہوتی ہے جناب۔"

"جاؤ جاؤ۔ جو منہ میں آ رہا ہے' بکے چلے جا رہے ہو۔"

غرضیکہ ڈوگر کی شنوائی نہ ہو سکی۔ بہار کا نچا ہوا وجود سپرد خاک کر دیا گیا۔

ملک دراب اگلے دن پہنچا۔

ساری صورت حال کا علم ہوا تو حسب سابق بھڑک اٹھا۔

"اوئے شیرے۔"

"جی چھوٹے ملک جی۔"

"گاؤں والوں سے کہہ دے جو پھنے خان میرے بندوں کے ساتھ تُو تُو میں میں کرے گا
میں اس کی کھال میں بھس بھروا دوں گا۔"

"جی سر۔"

"ملک آباد فون کرو اور سکندر کو بلواؤ۔ اسے کہو ہر صورت آج شہر یار بی بی کو یہاں چھوڑ
جائے بڑی اماں خفا ہو رہی ہیں۔"

ملک آباد فون کیا گیا۔

"وہ لوگ تو کل رات ہی نکل گئے تھے۔"

"کل رات۔ پھر ابھی تک کیوں نہیں پہنچے۔ راستہ تو بمشکل پانچ گھنٹے کا تھا۔ ملک دراب کی
انی پر تفکر کی لکیریں کھنچ گئیں۔

یہ اطلاع حویلی کے زنانے مردانے دونوں میں پہنچ گئی۔

"اطلاع کے مطابق انہیں گھر سے نکلے بیس گھنٹے گزر چکے ہیں۔ کہاں ہیں وہ اس وقت۔"

جونہی اپنی لڑکی کی خبر ملی تھی حویلی کے ہر چھوٹے بڑے کے ذہن میں خدشات سر ابھارنے

لگے تھے۔

بالآخر ملک وراب نے خود اپنے بندوں کو ہمراہ لیا اور اس کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہوا اپنی عزت تھی ناں اسی لئے فوراً بھاگ دوڑ شروع ہوگئی۔

O☆O

پتا نہیں کتنی دیر گزری تھی جب سکندر کی آنکھ کھلی۔

آنکھ کھلتے ہی نامانوس سا احساس ہوا۔

اُس نے محسوس کیا جیسے وہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے سے قاصر ہے۔

اس احساس کے ساتھ ہی اس نے جھٹکے سے چکراتے سر سمیت حواس بحال کر اچھی طرح آنکھیں کھولیں۔ مٹی کی دیواروں اور لکڑی کے دروازے والا کمرا تھا۔ ہا سلاخوں والی ایک کھڑکی تھی جہاں سے ہلکی ہلکی ملگجی سی اجالے کی لکیر دکھائی دے رہی ت بات کی علامت تھی کہ اب صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں رہی تھی۔ کونے میں مٹی کا ایک تھا۔

دروازہ بند تھا۔

فرش پر چٹائی بچھی تھی۔

اس سے کچھ فاصلے پر ایک رنگین سی گٹھڑی اسی حالت میں اوندھی پڑی تھی۔

''شہریال بی بی!''

سکندر کا دماغ بہ سرعت جاگ اٹھا۔

''گویا رات کے کھانے میں بے ہوشی کی دوا ملا کر ہمیں قابو کیا۔'' وہ سوچنے لگا سجانی اور دلدار کے مکروہ کریکٹر نے اسے صورتِ حال کی سنگینی کے پیشِ نظر دیا تھا۔

''شہریال بی بی۔ شہریال بی بی۔''

اُس نے آوازیں دیں مگر حسبِ توقع نتیجہ صفر رہا۔

وہ بہت نیچی آواز میں مخاطب کر رہا تھا پھر کوئی جواب نہ پا کر اس نے وقتی ط طرف سے توجہ ہٹائی اور خود کو آزاد کرانے کی ترکیب سوچنے لگا۔

پاؤں اور ہاتھ دونوں بندھے ہوئے تھے۔

وہ کسی طرح رینگتے ہوئے خود کو گھسیٹ کر کھڑکی کے قریب گیا پھر بندھے ہوئے ہاتھوں کی رسی آہستہ آہستہ کھڑکی کی سلاخوں اور دہلیز پر رگڑنے لگا۔

نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ آدھے گھنٹے کی مشقت کے بعد وہ اپنے ہاتھ آزاد کرانے میں کامیاب ہوگیا۔ پھر اس نے اپنے پاؤں کی رسیاں کاٹیں۔

جونہی وہ آزاد ہوا جلدی سے چٹائی پر بکھری شہریال کی طرف آیا۔

دھیرے دھیرے نرمی سے اُس کا جسم سیدھا کیا۔

اُس کے سیاہ ریشمی بال چٹائی کے کھردرے تنکوں کے ساتھ الجھ گئے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ اُس کے ہاتھوں پیروں کی رسیاں کھولنے لگا۔ اپنے مضبوط ہاتھوں میں دبا دبا کر حرارت پہنچائی تاکہ ٹھہرا ہوا دورانِ خون دوبارہ رواں ہوجائے۔

نرم ملائم ریشم کے سپید ہاتھ کس بے دردی سے بلکہ بے قدری کے ساتھ چٹائی کے فرش پر پڑے تھے۔

سکندر کا حساس و لطیف دل بُری طرح مجروح ہوا۔

پاؤں کی رسیاں کھولنے کے بعد وہ اٹھا۔ کھڑکی سے لگ کر باہر دیکھا' تاحدِ نظر کھیت ہی کھیت تھے انہی کے درمیان کہیں سڑک نکلتی تھی۔

صبح کاذب کا مدھم اجالا پھیلنے کو تھا مگر بہرحال تاریکی اتنی تھی کہ فرار ہونے میں مددگار ثابت ہوسکتی تھی۔ کچھ دیر تک وہ ذہن میں حکمتِ عملی ترتیب دیتا رہا۔ پھر کھڑکی کی سلاخوں پر طبع آزمائی کرنے لگا۔

دس پندرہ منٹ کی مشقت کے بعد ایک سلاخ اکھڑ کر الگ ہوگئی۔ آدھے گھنٹے میں تین سلاخیں اکھڑ چکی تھیں۔ اب اتنا راستہ بن گیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سکڑ سمٹ کر یہاں سے نکلا جا سکے

اس کے پاس زیادہ ٹائم نہیں تھا۔ صبح کا اجالا اگر پھیل جاتا تو پکڑے جانے کے امکانات بڑھ جاتے۔

اس نے کھڑکی سے گردن نکال کر باہر دیکھا۔ دوڈھائی فٹ نیچے سبزیوں کی کیاری تھی۔

اس نے شہریال کو دونوں بانہوں میں سمیٹ کر اٹھایا اور بڑی آہستگی کے ساتھ کھڑ
نیچے پھسلنے کے سے انداز میں دھیرے دھیرے باہر گرادیا۔

وہ کیاری کی باڑ کے اوپر گری تھی۔ چوٹ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ایک تو
بہت نیچی تھی دوسرے نیچے کیاری کی نرم مٹی تھی۔

سکندر کو اپنے وجود کو کھڑکی سے باہر نکالنے کے لئے ایک سلاخ اور نکالنی پڑی
چھلانگ مار کر باہر آ گیا۔

جھک کر شہریال کا بے ہوش وجود اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور اِدھر اُدھر دیکھتا تیز تیز د
سے انداز ے ہے ایک سمت کو چل دیا۔ وہ کھیتوں اور درختوں کی آڑ میں سفر کر رہا تھا تا ک
آ ئے۔

آدھے گھنٹے کے پیدل مارچ کے بعد جب اس کی سانسیں جواب دینے لگیں تو تائید
سے ایک بیل گاڑی کے پہیوں کی چرخ چوں نے اسے راستے کی نشاندہی کی۔ وہ تیز قد
آواز کی سمت لپکا۔

کچھ فاصلے پر سڑک تھی۔ سڑک کے کنارے بیل گاڑی کھڑی تھی۔ اوپر چار گٹھڑ ر
تھے۔ ''ڈرائیور'' فی الوقت منظر پر نہیں تھا۔

سکندر نے اِدھر اُدھر دیکھ کر محتاط انداز میں شہریال کو گٹھڑوں کے بیچ لٹایا پھر اللہ کا نام
بیل کو شُشکار کر ''رواں'' کر دیا۔

''بھائی معاف کر دینا۔ تمہاری یہ بیل گاڑی کچھ دیر کے لئے ہمیں درکار ہے۔'' ا
زیرِ لب کھیتوں میں رفع حاجت کے لئے گئے گاڑی کے ''ڈرائیور'' کو مخاطب کیا۔

اگر شہریال ہوش میں آ جاتی تو بہتر طریقے سے اپنا دفاع کر سکتی تھی۔ کسی طرح شہ
والی پختہ سڑک کا سرا مل جائے پھر مسئلہ آسان ہو جائے گا۔ کہیں وہ ڈاکو تعاقب میں نہ نکل
ہوں۔

اسی لمحے بھاگتے دوڑتے قدموں کی تیز چاپ سنائی دینے لگی۔

٭٭٭
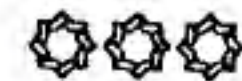
کیا ہے زندگی۔

کیا تماشے ہیں' یہ جینے مرنے کے۔

کسی کو آپ کی ضرورت نہیں۔

کوئی دل ایسا نہیں جس کو آپ سے شکوہ شکایت نہ ہو۔

ہر کوئی اپنی غلطیوں کا انبار دوسرے کے سر پر ڈال کر سُرخرو ہونے کے چکروں میں رہتا
ہے۔

ہر کسی کی یہی کوشش ہے کہ وہ دوسروں میں کیڑے نکال کر اپنے اندر کی غلیظ بدبودار حیوانیت
نقابیں اوڑھا دے۔

اپنے لئے اصولِ زندگی اور ہیں اور دوسروں کے لئے کچھ اور۔ اسی دوغلے پن نے ہماری
یب کو وحشت کے بدصورت پیوند لگائے ہیں۔

''راحت۔ اے لڑکی' سنے گی بھی یا یونہی کانوں میں تیل ڈالے بیٹھی رہے گی۔ کیا سوچ رہی
ہے؟ گھنٹہ بھر سے آوازیں لگا رہی ہوں کہ یہ سالن صفیہ بہن کے ہاں دے آ۔ ساتھ میں کہہ
ہے۔ گیارھویں شریف کی نیاز دلائی ہے۔''

اماں کے ہاتھ میں چھوٹی سی ٹرے تھی۔

راحت نے ان کے غربت سے اَٹے' وقت سے پہلے بوڑھے ہو جانے والے چہر جھریوں میں شامل تھکن کی آمیزش کو محسوس کیا اور ایک گہری سانس لے کر چوکی سے اُٹھ ہوئی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے' اس چنگیز خانم کے ہاں کچھ بھجوانے کی۔ اتنا ہی ضروری ہے؟ کھیر کے پیالے میں چٹکی بھر زہر بھی شامل کر دیں۔'' وہ خود پر قابو پانے کے باوجود تڑخنے نہ رہ سکی۔

''بکواس نہ کیا کر۔ کتنی بار کہا ہے' سوچ سمجھ کر مُنہ کھولا کر۔'' اماں خفا ہوئیں۔

''آج اکیڈمی میں پڑھانے نہیں جانا؟'' وہ کچھ دیر بعد پوچھنے لگیں۔

''آپ کو بتایا تو تھا۔ مجھے شام کو اسلام آباد اپنی دوست مہرینہ کی مہندی پر جانا ہے۔''

''کیسے جائے گی تُو۔'' اماں کو نئے سرے سے فکر لاحق ہو گئی۔

''اور واپس کیسے آئے گی۔''

''جانے کا کیا ہے اماں۔ پنڈورے سے بیس ویگنیں مل جاتی ہیں بلکہ پیرودھائی کراچی کمپنی شاپ کو جانے والی ڈائریکٹ رُوٹ کی ویگنیں چلتی ہیں' اس پر بیٹھ جاؤں گی ، بھی اسی سے ہو گی۔''

''کب تک آ جائے گی واپس؟'' وہ متذبذب نظر آئیں۔

''مہندی کا فنکشن ہے اماں۔ ظاہر ہے' ساڑھے سات آٹھ بجے تک تو شروع ہو گا۔''

''سات آٹھ بجے؟'' اماں کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

''لو بھئی' آدھی رات کو شروع کریں گے تو مکائیں گے کب۔''

''آپ خود ہی حساب لگا لیں۔ دو تین گھنٹے تو کہیں نہیں گئے۔''

''چھوڑ' رہنے دے راحت۔ اتنی رات گئے واپسی۔ وہ بھی اکیلی جوان جہان لڑ دور کا سفر۔ لوگ بہت باتیں بنائیں گے۔ بھلا یہ بھی طریقہ ہے۔ عشا کے وقت باجے گا بن گے۔ شریفوں کے ہاں تو عصر اور مغرب کے بیچ رسم ہو جاتی ہے' بعد میں لڑکیاں تھو ب بجا کے شوق پورا کرتی ہیں اور پھر اپنے اپنے گھر۔''

اماں کو چار طرف کی فکریں تھیں۔

معاشرہ تھا۔ اپنے رسم ورواج اور طور طریقے تھے۔ آس پاس کے لوگوں کی باتوں کا خیال ان کے ساتھ ساتھ بیٹی کو چند گھڑیوں کی خوشی سے نوازنے کی خواہش تھی۔

''اماں' بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں۔ اپنے طور طریقے ہوتے ہیں۔ جب انہیں رسم ورواج سے کوئی غرض واسطہ یا شکایت نہیں تو ہم کیوں ان کے طور طریقوں پر انگلی ۔ مہرینہ کی شادی بہت اونچے' بہت اعلیٰ حسب نسب والے دولت مند گھرانے میں ہو رہی ،ان کے لئے مہندی کے فنکشن پر بیس تیس لاکھ روپے خرچ کرنا اتنی ہی معمولی حیثیت رکھتا ہمارے لئے بیمار پڑنے پر پیراسٹامول یا طاقت کا سیرپ خرید کر استعمال کرنا۔''

''تو اتنے بڑے لوگوں سے یاری دوستی رکھی ہی کیوں جائے۔ مُنہ اُٹھا کر آسمان دیکھنے کے ں گردن میں بل آ جاتا ہے۔ کیا ضرورت ہے' حیثیت سے اونچے لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے

''ان حیثیتوں کا تعین کون کرتا ہے اماں؟'' راحت استہزائیہ مسکرائی۔ ''آج تک سمجھ میں نہیں کون سا پیمانہ ہے جو عہدوں' مرتبوں اور حیثیتوں کو ناپنے کے کام آتا ہے؟ ہم خود ہی بناتے حیثیت۔ طلعت آپا کی مثال ہی لے لیں۔ ایک مظلوم' بے زبان اور لونڈی ٹائپ کی انہوں نے خود متعارف کروائی کیونکہ انہیں یہ سبق بچپن سے پڑھا سکھا دیا تھا کہ خدمت اور خاموشی ہی سے عورت مرد کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ انہیں مظلوم اور مہر بہ لب پا کر جابر بھائی گئے۔ مرد کو تو جتنی گنجائش یا چھوٹ دو' وہ اتنا ہی موقع سے فائدہ اُٹھا جاتا ہے۔ ان کو اس انے میں کس چیز نے اہم کردار ادا کیا۔ کبھی آپ نے سوچا؟'' راحت سخت دلبرداشتہ

''اسی مظلومیت اور آگے بچھ بچھ جانے کی ادا نے طلعت آپا کو زمین پر بچھی ہوئی بکھرتی کی طرح بے کار اور بے حیثیت بنا ڈالا حتیٰ کہ جابر بھائی اُن کی جگہ دوسری لے آنے کے ارادہ گئے۔ دیکھا ہے میں نے اس لڑکی کو۔ کچھ بھی نہیں ہے اُس کے اندر' سوائے عشوہ وغمزہ لڑکی کے۔ وہ بے دھڑک جابر بھائی کو نکو بنا رہی ہے۔ انگلیوں پر نچا رہی ہے۔ وہ کوئی لی نہیں ہے۔ فقط اتنا ہے کہ اپنی قیمت بڑھانا اور مقام حاصل کرنا جانتی ہے۔ اُسے پتا ہے بھائی کی بظاہر اتنی سخت اور کھردری شخصیت کا کون سا ایسا کمزور پہلو ہے جس کو سامنے رکھ

کر انہیں اپنی مٹھی میں کیا جا سکتا ہے۔''

''بس کر دے، اب چھوڑ دے، اِن دل جلانے والی باتوں کا پیچھا۔ کل دو دن رہ
دوسری بیاہ کے لانے میں۔'' اماں کا کلیجہ صدمے سے چور تھا۔

''کیوں چھوڑ دوں پیچھا اور کیسے۔ آپا اتنی سی بات نہ سمجھ سکیں کہ جس مرد کو شروع
ماں بہنوں نے حاکمیت اور ملکیت اور مختاری کا تاج پہنا کر اس کی انا اور خود پرستی کو بانس
ہو وہ اپنی سلطنت میں ایک نئے بے زبان غلام کی آمد کا کوئی نوٹس نہیں لیتا بلکہ اس کا نشہ اَ
اور رنگ پکڑ لیتا ہے۔ ایسے مرد کو چونکانے، اپنے وجود کا بھرپور احساس دلانے اور اس کو
لے اس کے مزاج سے مطابقت رکھنے والے ہتھیاروں سے لیس ہونا پڑتا ہے۔ اس کو اسی
انداز اور وار سے پچھاڑا جا سکتا ہے۔ مٹی میں مل جانے والے بے ضرر ردِعمل پر کون نگاہ رکھ
ردِعمل تو وہ ہے جو اُبھر کر اس قوت سے سامنے آئے کہ دیکھنے والا یکلخت ہڑبڑا کر چونک
اس کے اعصاب اُلٹ پلٹ کر رہ جائیں اور حسیات پوری طرح اس تبدیلی کو محسوس کریں

''اے بٹی، کیوں اپنا اور میرا دماغ خراب کر رہی ہے۔ واہی تباہی بک کر۔'' غر۔
سادی ماں کو اس کی اُلجھا دینے والی باتوں نے چکرا کر رکھ دیا۔

''جانا ہے تو اُٹھ تیار ہو لے۔ پانچ بجنے کو ہیں۔ کب جائے گی اور کب واپس آ
جانے سے پہلے یہ چیزیں صفیہ بہن کے ہاں دے آ۔''

''میں نے بتایا ناں، میں نہیں جاؤں گی۔'' وہ اَڑیل پن سے بولی۔

''کیا ضد ہے تجھے اُن سے۔'' وہ زچ ہو گئیں۔

اسی لمحے صحن کا دروازہ کھلا۔ عفت نے کھولا تو عرفان اندر آ گیا۔

''السلام علیکم خالہ۔ کدھر کی تیاری ہے؟''

وہ بات اماں سے کر رہا تھا اور پُرشوق نظریں راحت کا احاطہ کر رہی تھیں۔

راحت کی تیوریوں پر غیر محسوس بل پڑتے چلے گئے۔

''جانا کہاں ہے بیٹے۔'' اماں نے شعوری طور پر چھپانے کی کوشش کی۔

''مجھے جانا ہے، اپنی دوست کی مہندی میں...... کوئی اعتراض؟''

راحت تڑخ کر بولی۔ وہ سیدھی اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''دوست کی مہندی میں۔'' وہ محض بات سے بات نکالنے کو بولا۔ راحت نے توجہ نہیں دی۔

''کہاں رہتی ہے تمہاری دوست؟''

''اس سوال کو پوچھنے والے ابھی زندہ ہیں؟'' وہ زہرخند سے کہہ کر اندر چلی گئی۔

عرفان مُنہ دیکھتا رہ گیا۔

''بیٹے، تم خیال نہ کرنا۔ کچھ پریشان ہے کل سے۔'' اماں خائف سی ہو کر بات سنبھالنے

''کوئی بات نہیں خالہ میرے ساتھ تو وہ شروع سے ہی ایسی ہے۔'' وہ بے پروائی سے مسکرا

''تم بیٹھو، میں عفت سے کہہ کر تمہارے لئے چائے بنواتی ہوں۔'' اماں اس کے ساتھ صحن
بیٹھ گئیں۔

اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت کٹ گیا۔

''اُفوہ...... یہ بدروح تو چمٹ کے ہی رہ گئی ہے۔ میں چاہ رہی تھی، اس کے دفعان ہونے
بعد ہی اس حلئے میں باہر نکلوں۔'' راحت کمرے کی کھڑکی سے دیکھ کر بڑبڑائی۔

ہلکے اورنج جارجٹ کے اورنج ہی ستاروں والے فراک اور مہندی رنگ کے پاجامے کے
دونوں رنگوں میں ڈائی کروائے گئے دوپٹے نے ہمیشہ کی سادہ وسنجیدہ راحت کو ایک نیا جگمگاتا
بھرپور روپ دے دیا تھا۔

جانا تو تھا، لامحالہ صحن میں نکلنا پڑا۔

عرفان کی نظر پڑی تو ہٹنا بھول گئی۔

''اماں، میں جا رہی ہوں۔'' وہ اس بے ساختہ اُٹھتی پُرشوق نگاہ کو محسوس کر کے چڑ سی گئی تھی۔
کل سے لہجہ سنبھال کر دھیمے لہجے میں بات کی تھی۔

''کیا اسی طرح جاؤ گی؟'' عرفان نے نظریں ہٹائے بغیر بے یقینی سے پوچھا۔

''کیوں۔ کیا کسی کو غلطی سے اچھا کھاتے یا اچھا پہنتے دیکھ کر آپ لوگوں کو بخار ہو جاتا ہے؟
ثت نہیں ہوتا کیا؟'' اس سے رہا نہ گیا۔

''راحت!'' اماں اسے غصے سے دیکھنے لگیں۔

"خالہ آپ کہیں تو میں چھوڑ آؤں اسے' جابر بھائی سے موٹر سائیکل مانگ لاتا۔"
عرفان دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر بولا۔

"عنایت۔ شکریہ۔ میں مانگے تانگے کی چیزوں کا احسان نہیں لیتی۔"

"ایک دن اپنا بھی ہوگا۔ اللہ نے چاہا تو دیکھ لینا۔" وہ بُرا مانے بغیر ہنس کر بولا۔

"ہاں نکھٹو لوگوں کے پاس خواب ہی تو ہوتے ہیں' دیکھنے کے لئے۔" وہ طنزاً

"صرف خواب ہی نہیں' خوابوں کی شہزادی بھی ہوتی ہے۔" اماں عفت کے بلا
گئیں تو عرفان کو موقع مل گیا۔

"خوابوں کی شہزادی کا ساتھ بھی بس خوابوں تک ہی ہوتا ہے۔" لہجہ کاٹ دار اور

"نہیں۔ ہماری خوابوں کی شہزادی کا ساتھ تو حقیقت میں ہمیں نصیب ہوگا۔ یہ
ہم۔"

"ہاں اس صورت میں ممکن ہے اگر شہزادی کی شکل بدل جائے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔" وہ توجہ سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔ "دل کے فریم میں کم
جانے والے فوٹو کو کون بدل سکتا ہے۔ وہ تو بس ایک ہی رہتا ہے۔ جینے سے مرنے تک

"جابر بھائی کے ٹی وی خریدنے کا خاصا فائدہ ہوا ہے تمہیں۔ ڈرامے دیکھ دیکھ
بنانے سنوارنے کا ڈھنگ خوب آگیا ہے۔" راحت اس کی دل شکنی سے باز نہ آئی۔

"تم کچھ بھی کہہ لو۔ اجازت ہے' تم حق رکھتی ہو اس کا۔"

"عرفان' میری جان چھوڑ دو۔" اچانک راحت سنجیدہ ہوگئی۔

"مگر کیسے۔" وہ خاموشی سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب ہے' کیسے۔" وہ کلس گئی۔ "تم میری بات اچھی طرح سمجھ رہے ہو"

"میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"مگر میں تو تم سے ہی شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ برجستہ مسکرایا۔

"زبردستی کرنا' جبر سے کام لینا اور اپنی منوانے کے لئے غیر انسانی ہتھکنڈ
تمہارے خاندان والوں کی روایت ہے۔ نئی بات تو کچھ بھی نہیں ہے مگر میری بات کان
لو۔ میں طلعت آپا یا اماں نہیں ہوں جنہیں تم لوگ مکاری اور احساسِ برتری سے دبا لو

"دبانے یا نیچا دکھانے کی بات نہیں ہے راحت۔" وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔

"میں تمہیں عزت کے ساتھ' چاہت کے ساتھ اپنے گھر کی رانی بنانا چاہتا ہوں۔"

"کون سا گھر؟" وہ طنزاً ہنسی "جس کی ایک اینٹ بھی تمہاری نہیں۔ اپنے بھائی کا دیا
کماتے ہو اور چاہتے ہو' میں بھی اُن کے موجودہ غلاموں کی فہرست میں شامل ہو جاؤں! یہ ناممکن
ہے۔ کیا تمہیں اندازہ نہیں کہ تمہارے بڑے بھائی مجھے کس درجہ ناپسند کرتے ہیں۔"

"مگر تمہارے لئے مان گئے ہیں وہ۔" وہ جلدی سے بولا۔ "وہ تو اُلٹا اماں کے سامنے اس
رشتے کی حمایت کر رہے ہیں۔ اماں تو پہلے تمہارا نام سننے کو بھی تیار نہیں تھیں مگر پھر جابر بھائی نے
صاف کہہ دیا کہ عرفان کی شادی وہیں ہوگی جہاں وہ چاہتا ہے۔ جابر بھائی بظاہر کتنے ہی سخت دل
ہوں مگر دل کے بہت اچھے ہیں۔"

شادی کے معاملے میں بھائی کی حمایت نے عرفان کے بھائی کی ذات سے وابستہ تمام تر
گلے شکوے مٹا دیئے تھے۔ اُس کے دل میں جابر کے لئے عزت اور احسان مندی بڑھ گئی تھی۔ اب
اسے یہ گلہ نہیں رہا تھا کہ بھائی کو اپنے علاوہ کسی کی پروا نہیں۔

"بہت خوب!" کافی سوچ بچار کے بعد راحت مسکرائی۔

"اب سمجھ میں آیا' صفیہ خالہ کو کون سی مجبوری ہمارے دروازے تک لے آئی تھی۔ مجھے اس
قدر ناپسند کرنے والی میرے لئے سوالی بن کر کیسے آسکتی ہے اور تمہارے بھائی صاحب اُن کی
بد عملی بھی سمجھ میں آتی ہے۔ وہ اپنی طرف سے ایک بے لگام مُنہ زور اور سرکش گھوڑی کو لگام
ڈال کر مطیع بنانے کے چکروں میں ہیں۔ اُن کی حاکمانہ فطرت کی تسکین اسی طرح ہوسکتی ہے۔"

"تم پتا نہیں کیا سوچتی رہتی ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ایسی ہی بات ہے۔" وہ بگڑ کر بولی۔ "اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کو رشتے کے بے جوڑ ہونے کا
احساس نہ ہوتا؟ اپنی تعلیم دیکھو' اپنا رہن سہن اور حلقۂ احباب دیکھو۔ ایک بے روزگار' نکھٹو' آرام
طلب اور دوسروں کا دیا کھانے والا ہڈ حرام لڑکا میرا اہل کیسے ہوسکتا ہے۔ میں گریجویشن کر رہی
ہوں' اپنا کما رہی ہوں اور محنت اور خودداری کے ذریعے دنیا سے اپنا حق وصولنے کی قائل ہوں۔
تمہارا کیا جوڑ۔" وہ بے رحمی سے بولی۔

عرفان کا سانولا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ کوئی اور اسے اس طرح آئینہ دکھاتا تو شاید اُس کا خون کر

چکا ہوتا مگر یہ وہ مقام تھا جہاں دل نے زنجیریں ڈال رکھی تھیں۔ احساس توہین سے وہ کٹتا جا

"اس طرح تو نہ کہو راحت۔" وہ آہستگی سے شکوہ کناں ہوا۔

"کیوں نہ کہوں۔ جو سچ ہے' وہ ہے۔"

"میں خود کو تمہارے قابل کرلوں گا۔ جس طرح تم کہو۔"

"مگر میں خود کو تمہارے گھر والوں کے قابل کبھی نہیں کرسکوں گی۔ اس کے لئے اعصاب لوہے کے اور جسم پتھر کا بنانا پڑے گا تاکہ اُن کی زبانی اور عملی زیادتیوں کو محسوس کئے شکر سے زندگی گزار سکوں۔" وہ زہر خند ہوئی۔

"میرے اندر طلعت آپا جتنی برداشت اور تسلیم و رضا کی خو نہیں ہے۔ نہ میں اُن کی اندھی بہری گونگی بن سکتی ہوں۔"

"تمہارے ساتھ وہ سب نہیں ہوگا جو طلعت بھابی کے ساتھ ہوا۔" اُس نے یقین دلا

"ہاں بلکہ اس سے زیادہ ہوگا۔" اس نے ٹکڑا لگایا۔

"شوہر کا رول تو جو ہوگا سو ہوگا' ایذا رسانی کی اس مہم میں جیٹھ اور ساس صاحبہ بھی ز سے شریکِ کار ہوں گی۔ اتنا بے خبر اور معصوم نہ سمجھو عرفان۔ زندگی کی ٹھوکروں نے مجھے ب سکھایا ہے اور میں اس سیکھے گئے سبق کو ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے جینے دو' اپنی خود آگاہی ا کے ساتھ۔ میں ایک حاکم پرست شخص کے عطا کردہ شعور زندگی اور اکرام زندگی کے ساتھ نہ چاہتی۔ تمہارا بھائی انا کی آخری سیڑھی بھی عبور کرچکا ہے۔ اب وہ اپنے تئیں اپنے قدم آ جمانے کے چکروں میں ہے۔ وہ آسمان پر پہنچ کر زمینی رشتوں کی کشش سے آزاد ہوچکا کے لئے اب اِن خوابوں کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ میں اس کے زیرِ سایہ رہ کر اپنی پہچا شناخت کھونا نہیں چاہتی۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔" وہ قدرے بے بسی سے گویا ہوا۔ "تمہیں اتنا یقین دلانا چاہوں گا کہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ میں تمہاری ڈھال۔"

"اتنی کمزور اور معمولی ڈھال سے کب تک بچاؤ ممکن ہے! تمہاری اپنی کیا حیثیت گھر میں۔"

"حیثیت نہیں ہے تو میں بنالوں گا۔ تم ساتھ دینے کا وعدہ تو کرو۔" وہ شکستہ خاطر ہوگیا۔

"کس حساب میں وعدہ کروں؟" وہ اکل کھرے انداز میں گویا ہوئی۔

"نہ میں تم سے عشق کرتی ہوں' نہ تمہارے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھا رہی ہوں۔ تمہاری میری زندگی کی کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔ دونوں کے اپنے اپنے ٹریک ہیں۔"

"ٹریک ایک بھی ہوسکتا ہے۔"

"بے کار باتیں مت کرو۔" وہ اکتاہٹ آمیز انداز میں بولی۔

"اور اب میں مزید اس بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتی۔" اس نے قدم آگے بڑھادیئے۔

"عفت' دروازہ کھولو۔"

عرفان اسے جاتے دیکھتا رہا۔

O☆O

"رک جاؤ سکندر' رک جاؤ۔"

دوڑتے بھاگتے قدموں کے ساتھ جب مانوس آوازیں بھی شامل ہوگئیں تو لامحالہ وہ چونک اس نے بیل گاڑی کو سڑک کے ایک طرف لے جاکر روکا اور احتیاط سے گردن موڑ کر دیکھا۔

یہ تو ملکوں کے آدمی تھے' جنہیں ملک دراب نے اس کی تلاش کے لئے بھیجا تھا۔

"شکر ہے' تم مل گئے۔" فتح محمد نے پھولی سانسیں قابو کرتے ہوئے پاس آکر کہا۔

"ہمیں ملک دراب نے تمہاری کھوج لگانے کو بھیجا تھا۔ کیا تم کسی مصیبت میں پھنس گئے؟ اور یہ چھوٹی بی بی' انہیں کیا ہوا؟ گھاس کے گٹھڑے سے ٹیک لگائے بے سدھ شہریال ملک کو مہری کے عالم میں بیل گاڑی میں دراز دیکھ کر فتح محمد کا متحیر ہونا لازمی امر تھا۔

"ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بے ہوش پڑی ہیں۔ تم نے گاڑی کدھر کھڑی کی ہے۔"

"وہ اُدھر کچھ فاصلے پر۔" فتح محمد نے پیچھے اشارہ کیا۔ "تم کو دیکھ کر ہم جیپ بند کرکے دوڑ پڑے تھے۔"

"یہاں لے آؤ اور انہیں جیپ میں ڈال کر فوراً نکل پڑو۔ کچھ لوگ ہمارے پیچھے ہیں۔"

"کون لوگ؟"

"اس سے پہلے کہ سکندر جواب دیتا فتح محمد کی جیب میں پڑا ملک دراب کا دیا ہوا موبائل فون

بج اُٹھا۔

''کیا اطلاع ہے فتح محمد۔ میں نے تمہیں موبائل دے کر تاکید کی تھی کہ پہنچتے ہی مجھے صور حال کی رپورٹ دینا۔''

ملک دراب کی جھلائی ہوئی پریشان کن آواز نے فتح محمد کو گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا۔

''میں ابھی آپ کو خبر کرنے والا تھا چھوٹے ملک۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''وہ جی' چھوٹی بی بی مل گئی ہیں۔ سکندر بھی ساتھ ہے۔''

''اسے موبائل دو۔'' دراب نے بے اختیار سکون کی گہری سانس لی۔ سکندر نے موبا ریسیور کان سے لگایا۔

''السلام علیکم ملک صاحب۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

''کہاں رہ گئے تھے' تم پرچون فروش کی اولاد۔'' وہ دانت پیس کر لاوا اُگلنے لگا۔ ''کل جان سُولی پہ لٹکا رکھی ہے۔ کہاں لے کر گئے تھے تم شہریال کو؟''

دراب کے لہجے میں شک کے ناگ پھنکار رہے تھے۔

''کہاں لے جا سکتا ہوں۔'' اسے ملک دراب کے اندازِ فکر پر رنج ہوا۔ ''آپ لوگ ما ہو' ہم نوکر ہیں' رعایا ہیں آپ کی۔ ہماری ڈور آپ کے ہاتھ میں ہے' جہاں کہیں گے' جس طر کہیں گے' حرکت کرنے لگیں گے۔ ہم پر ایسے خوبصورت الزامات نہیں جچتے۔''

پھر اس نے مختصر سا قصہ سنایا۔

''اِن حرام کے جنوں کو تو میں چھوڑوں گا نہیں۔'' دراب جھاگ اُگلنے لگا۔

''تم فتح محمد اور اس کے ساتھیوں کو ان ڈاکوؤں کا ٹھکانا بتا کر ملکوال واپس آ جاؤ اور وہ خود ہی اُن سے نمٹ لیں گے۔ فتح محمد سے کہنا' میں دونوں ڈاکوؤں کی لاشیں اپنی آنکھوں سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔ کوئی بچ کر نہ جانے پائے۔ فتح محمد کو فون دو اور تم انہیں ٹھکانا بتا کر شہر لے کر فوراً حویلی پہنچو۔''

پھر دراب فتح محمد کو ہدایات دینے لگا۔

اس سے پہلے کہ فتح محمد اور اُس کے ساتھی ٹھکانے تک پہنچتے' دونوں ڈاکو خود ہی تما کرتے ہوئے آن پہنچے۔

''سکندر' تم جیپ میں چھوٹی بی بی کے پاس بیٹھو۔ ہم اِن حرامیوں کو ٹھکانے لگا کر آتے ''

فتح محمد کے اشارے پر اُس کے ساتھیوں نے پوزیشنیں سنبھال لی تھیں۔

''بلاوجہ کشت و خون نہ کرو فتح محمد۔ یہ تو قانون کو ہاتھ میں لینے والی بات ہو گی۔ اس کے ہمیں اس واقعے کی پولیس کو رپورٹ کرنی چاہئے۔''

''ہم وہی کریں گے جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ تم جیپ میں بیٹھو اور یہاں سے روانہ ہو اگلے موڑ پر ہمارا انتظار کرو۔ ہم ''نمٹ'' کر ابھی آتے ہیں۔''

بحث لاحاصل سمجھ کر سکندر جیپ کی طرف روانہ ہو گیا۔

دس منٹ کی تیز ڈرائیونگ کے بعد اگلا موڑ آ گیا تھا۔ سکندر نے گاڑی روک لی پھر جیپ کی یٹ کی طرف آ گیا۔ جہاں شہریال کو لٹایا گیا تھا۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھی۔

سکندر نے تشویش سے اس کی مُرجھائی ہوئی زرد رنگت دیکھی۔ کپڑوں پر جگہ جگہ لال مٹی ات تھے۔ سیاہ شولڈر کٹ بال گرد آلود تھے۔ سرخی مائل گہرے عنابی لبوں پر پپڑیاں جمی ۔ جب وہ اسے کھڑکی کے ذریعے باہر نکال کر کھیتوں سے گزرا تھا تو اس افراتفری میں ، ہیں کہیں گر گیا تھا لہٰذا وہ اس وقت یونہی بے ترتیب سے سلوٹ زدہ لباس میں پڑی تھی' اس م کی حسین رعنائیاں بھرپور انداز میں نمایاں ہو رہی تھیں۔

کندر کی نگاہ اُس پر اُٹھی اور پھر اپنے ہی جذبوں کی تند و تیز لپک سے گھبرا کر فوراً جھک بھی

اس نے شہریال کی ملائم ریشمی کلائی تھام کر نبض کی رفتار چیک کی پھر ماتھے پر احتیاط سے کر ٹمپریچر نوٹ کیا۔

کندر نے مُڑ کر خالی سڑک پر بے چینی سے نگاہ دوڑائی۔

شہریال کو فوری طور پر ہسپتال لے جانا ضروری تھا۔ اگر یہ اثر محض نشہ آور کھانا کھانے کا ہوتا ۔ ختم ہو چکا ہوتا کیونکہ سکندر نے بھی تو اُس کے ساتھ ہی کھانا کھایا تھا۔ یقیناً یہ صدماتی اس انکشاف کے بعد نازل ہوئی ہو گی' جب بے ہوش ہونے سے ذرا پہلے نیم غنودہ کیفیت اں کی اصلیت کے بارے میں علم ہوا ہو گا۔ سکندر نے اندازہ لگایا۔

اُسی لمحے سڑک پر چند آدمیوں کے ہیولے نمودار ہونے لگے۔ وہ فتح محمد اور اُس کے ساتھی تھے جو یقیناً دونوں ڈاکوؤں کو اُن کے انجام تک پہنچا آئے تھے۔

O☆O

آمنہ بے قراری کے عالم میں بیسیوں چکر صحن سے برآمدے اور برآمدے سے کمرے تک لگا چکی تھیں۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا' ان کی پریشانی اور ذہن میں پرورش پانے والے خدشات میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا تھا۔

"عفت' اب کیا ٹائم ہو گیا۔ ذرا دیکھ تو گھڑی پر۔"

"ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں اماں۔"

"یا اللہ' میں کیا کروں۔ کس سے پوچھوں۔" وہ خوف و ہراس اور بے قراری کے گرداب میں پھنسی ہوئی تھیں۔

"آ جائے گی وہ۔ کیوں خود کو ہلکان کیے دے رہی ہیں۔ بتا کر تو گئی تھی کہ فنکشن لیٹ شروع ہوگا۔" عفت نے مقدور بھر اُن کی تسلی کرائی۔ اندر سے پریشان تو وہ بھی تھی کہ اُن کے گلی محلّے میں رات آٹھ نو بجے کے بعد لڑکی تو کجا اکیلی عورت بھی گھر سے نہیں نکلتی تھی۔ ایسے میں کسی کی بہو بیٹی تنہا بجی سنوری حالت میں رات گئے گلی میں داخل ہوتی ہوئی نظر آ جائے تو کیسی کیسی انگلیاں اُٹھیں گی اُس پر۔ بہتان بازی' الزام تراشی اور کردار کشی جیسے تہذیب و اخلاق کے منافی اعمال ان کے لئے معمول کا حصہ ہیں۔

"خبر بھی تھی کہ یہاں ہماری جان سُولی پر لٹک جائے گی پھر بھی میلوں ٹھیلوں کے چکر میں آدھی رات گزار دی۔ ٹک ٹک کرتی ایڑیاں بجاتی آئے گی تو دس گھروں کے دروازے تجسس کے مارے کھُل جائیں گے۔"

وہ بے کلی کے عالم میں کمرے میں عفت کی چارپائی کے سرہانے بیٹھ گئیں۔ نظریں خاموش چوکھٹ پر جمی تھیں۔

"ایسی باتیں کر کے خواہ مخواہ اپنا جی نہ جلائیں۔ اچھا ایسا کریں' آپ بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر میں نیند آ جائے گی۔ میں کھول دوں گی دروازہ۔"

"نیند کیا جادو سے آ جائے گی۔ اے اللہ' ہمارے حال پر رحم فرما۔" پندرہ بیس منٹ مزید گزر

گئے۔

پھر دروازہ بجا۔

"آ گئی۔" اماں نے دوڑ کر دروازہ کھولا پر غیر متوقع طور پر جابر بھائی کو کھڑے دیکھ کر اُن کے پسینے چھوٹ گئے۔

عفت بھی چکرا کر رہ گئی۔

"بیٹے' تم اس وقت خیریت ہے؟"

"خالو جان سے کوئی بندہ ملنے آیا ہے۔ غلطی سے ہمارے دروازے پر آ گیا۔ میں نے اپنی بیٹھک میں بٹھا دیا ہے۔"

"تمہارے خالو تو گھر پر نہیں ہیں' وہ ملتان گئے ہیں۔ اپنے چاچے کے بیٹے سے افسوس کرنے۔ اُس کا پوتا فوت ہو گیا ہے۔ کل صبح اطلاع آئی تھی اور رات کو وہ ملتان کے لئے نکل گئے۔ اب تو صبح ہی پہنچیں گے۔"

اماں جلد از جلد اُسے رخصت کرنا چاہتی تھیں تاکہ اُس کا راحت سے اس وقت ٹاکرا نہ ہو مگر وائے حسرت' عین اُسی لمحے راحت نے دہلیز پر قدم رکھا تھا۔

"تم۔" جابر بھائی کا مُنہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "اس وقت کہاں سے آ رہی ہو؟" وہ سخت بے یقینی کے عالم میں اُسے سرتاپا گھور رہے تھے۔

راحت بھی غیر متوقع طور پر رات کے بارہ بجے جابر بھائی کو اپنے گھر کی چوکھٹ پہ کھڑے دیکھ کر لمحاتی طور پر سٹپٹا سی گئی۔ اُس کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس وقت اُن سے ملاقات ہوگی۔

"وہ میں اپنی دوست کے ہاں......"

"دوست کے ہاں۔ اچھا تو گویا تم اس وقت اپنی "دوست" کے ہاں سے آ رہی ہو۔" اُس کی جائزہ لیتی نگاہ میں خود بخود ناقدانہ پن اور شکوک کے بادل لہرانے لگے۔

"بہت خوب!" کہاں لٹا کے آ رہی ہو' ماں باپ کی عزت کی چاندی اور کون سے دوست ہیں۔" وہ قہر کا طوفان بن گئے۔

"اور خالہ جان' آپ نے بھی خالو جان کی غیر موجودگی کا خوب فائدہ اُٹھایا۔ بیٹی کی سرکشی و ہٹ دھرمی کو شہ دینے کے لئے رات کو باہر جانے کی چھوٹ دے ڈالی۔ یہ بھی نہ سوچا کہ اس محلّے میں

آپ کے ساتھ تو ہمارا بھی گھر ہے۔ مجبوری کی ہی سہی رشتے داری تو ہے۔ بات نکلے گی تو ہماری عزت کی جڑوں میں بھی دیمک لگے گی۔

"بات سنو بیٹے' وہ ایسے ویسے کام سے نہیں گئی تھی وہ......"

"گناہ کے گھر باندھنے گئی تھی یا ثواب کمانے' اس بات کی صفائی رہنے دیں۔ صرف اتنا بتا دیں' ہم جس ماحول اور جس مزاج کے لوگوں کے درمیان رہتے ہیں' کیا وہاں جوان جہان لڑکی آدھی آدھی رات تک گھر سے باہر رہ سکتی ہے؟ محلے کی کسی اور لڑکی کو آپ اس پہر گھر لوٹتے دیکھتیں تو کیا آپ کے دل میں شک اور نفرت کے جذبات پرورش نہ پاتے۔"

"مگر میرے بیٹے' بات یہ نہیں ہے۔" اماں روہانسی ہوگئیں۔ احساسِ ذلت سے مرجانے کو جی چاہ رہا تھا۔

"وہ اپنی سہیلی کی شادی میں گئی تھی۔ مہندی وغیرہ میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔"

"جو بات روایت سے ہٹ کر ہو' وہ جرم کہلاتی ہے۔ بھلے دوسرے طبقے میں اسے روٹین کی چیز سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں کے اپنے طور طریقے اور مزاج ہیں۔ ہم اپنی بہو بیٹیوں کو جنس بازاری بنا کر اشتہار کی طرح شہر کے چوراہوں اور گلی کوچوں میں عزتیں نیلام کرنے نہیں بھیج سکتے۔ یہ ہماری غیرت کے منافی ہے۔"

"اگر روایت سے انحراف جرم ہے تو پھر آپ ایک شریف اور نیک طینت بیوی کو چھوڑ کر بازار کی چیز کیوں گھر میں سجا رہے ہیں۔ کیا آپ کے اس اقدام سے عزت کے میناروں کے کنگرے نہیں گریں گے۔" بڑی دیر سے مہر بہ لب اُن کے الزامات سنتی راحت بالآخر پھٹ پڑی۔

جابر بھائی نے دانت کچکچا کر اس کی سمت دیکھا۔

اُن کی آنکھیں بیر بہوٹی کی طرح لال ہو رہی تھیں۔

"تمہاری جگہ میری اپنی بہن چندا ہوتی تو اُس کا لہو پی لیتا میں۔ ایک تو بے حیائی اوپر ڈھٹائی۔"

"لہو پینا ایک حیوانی فعل ہے۔ اسے بہادری نہیں کہا جاسکتا۔"

"چپ کرو تم۔"

راحت کے دیر سے آنے پر لاحق ہونے والی پریشانی' واہمے' دھڑکے اور پھر اس پر مستزا

ابر کی کھری کھری باتیں اماں کے اندر ایسے الاؤ بھڑکے کہ اُن کا ہاتھ راحت کے دائیں گال پر نچوں انگلیوں کے نشان بناتا چلا گیا۔

راحت گال پہ ہاتھ رکھے ششدر انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"آگے سے چڑ چڑ کرتی جارہی ہے۔ چل جا' اندر دفع ہو جا کے' یہ جوڑا بدل۔ تن کے کھڑی کیسی۔" وہ آپے سے باہر ہونے کو تھیں۔

راحت پیر پٹختی اندر چلی گئی۔

وہ جانتی تھی' سارا اسٹیج جابر بھائی کو ٹھنڈا کرنے اور اُن کا موڈ بحال کر کے معاملہ رفع دفع نے کے لئے لگایا گیا تھا۔ گو وہ بھی اسی بات پر رہی تھی' اگر اماں ویسے ذاتی ناراضگی کے سبب سے تھپڑ رسید کرتیں تو وہ اُف بھی نہ کرتی مگر موجودہ صورتِ حال میں یہ طمانچہ اس کی عزتِ نفس لادی گرز کی طرح آ کے لگا تھا۔ وہ اندر سے بھسم ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اماں اندر آئیں اور خاموشی سے اپنی چارپائی پر گر گئیں۔ عفت نے جابر جانے کے بعد کنڈا لگایا اور اپنے ٹھکانے پر آگئی۔ خاموشی جانے کیا کیا بولے جارہی تھی۔

راحت نے چپکے سے ماں کے چہرے پر نگاہ دوڑائی۔

بوڑھے' زرد' بے رونق گال آنسوؤں سے گیلے ہو رہے تھے۔

ریب کی خوشی تو بس اتنی سی ہوتی ہے۔ وہ بے خواب آنکھوں سے بستر پر لیٹی چھت کی اں گننے لگی۔ مہرینہ کے ہاں سب یاروں دوستوں کے ساتھ مل کر تھوڑا ہلا گلا کر کے اپنی ذات کی تھی کہ میں بھی خوش ہو سکتی ہوں۔ مجھے بھی ہنسنا اور پھول کی طرح کھلنا آتا ہے مگر باخبری کی ی کتنی مختصر اور بے حقیقت ٹھہری تھی۔ جس لمحے ہم خوش ہونے لگتے ہیں' وقت کا ظالم پہیہ چکر کر دوسرا رخ سامنے کر دیتا ہے۔ کیا ہمارے لئے زندگی میں خوشیاں بس "جھلکیوں" کی سی رکھتی ہیں کہ چند لمحے کو نگاہ کے آگے سے گزر کر ختم ہو جائیں۔ ہماری زندگی کی فلم میں ں کے "سین" اتنی جلدی "فارورڈ" کیوں کر دیئے جاتے ہیں؟

بے شمار نکیلے اور تلخ و ترش سوالات تھے اور جواب دینے والی خالی اس کی تنہا ذات۔

O☆O

یسے راستہ بھول پڑے گاؤں کا ابھی بھی نہ آتے۔ ہم نے تمہارے بغیر مر تو نہیں جانا

تھا۔"

کوثر کا بھولا ہوا منہ نارمل ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

"تُو نے کہاں مرنا ہے۔ پتا ہے اچھی طرح' کیوں ماسی۔"

سکندر نے کپڑوں کا شاپر چارپائی پر رکھتے ہوئے چھیڑا۔

"جب تک ہمارا خون نہیں چُوسے گی' جان تھوڑی چھوڑے گی۔" وہ چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"تیری جان ہم نے تو نہیں پکڑی ہوئی۔" کوثر عجیب سے یاسیت آمیز انداز میں گویا ہوا پھر سنبھل کر جیسے خود ہی اپنے آپ میں لوٹ آئی۔

"ظفر کے بچے۔ اُٹھ جا' جا کے ڈوگر دکان والے سے چائے کی پتی لے کر آ۔" سکندر لئے چائے بنانی ہے۔ لسی تو اسے اچھی نہیں لگتی۔" اب وہ سکندر کے گوڈے سے لگے لاڈ پیار کر ظفر سے مخاطب تھی۔

"چل بڑی آئی حکمت بوا۔" سکندر اسے چڑانے سے باز نہ آیا۔

"دونوں کی کبھی نہیں بنتی تھی اور سچ تو یہ تھا کہ سکندر اسے تپا کر لطف لیتا تھا۔ وہ دوبدو ٹھوک کر جوابوں کے گولے داغتی کہ مزہ آ جاتا۔

"اوئے آپا' یاد آیا' ڈوگر چاچا کی دکان تو بند پڑی ہے۔"

"ہاں۔ نصیبوں مارے کو اب دکان مکان کا کیا ہوش۔"

کونڈے میں بھینس کے لئے کھل کوٹتی برکتے نے آہ بھری۔

"کیوں کیا ہوا۔" سکندر بے خبری کے عالم میں گویا ہوا۔

"آپ کو نہیں پتا' سکندر پاء! اُس کی بیٹی بہار کو جن اُٹھا کر لے گئے تھے پھر دس بارہ دن گلا دبا کر پُرانے کنوئیں پر پھینک کر چلے گئے۔"

ظفر نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"کیا مطلب!"

سکندر بُری طرح چونک کر برکتے کی صورت دیکھنے لگا۔

"کچھ نہیں پتر۔" اس ڈنگر کی باتوں میں نہ آ۔ کچھ نہیں ہوا۔" برکتے ٹال رہی تھی۔

"لے اماں' کچھ کیوں نہیں ہوا۔" ظفر جوش سے بولا۔ اسے ماں کا جھٹلانا خاصا

گزرا۔

"وہ بالا کہہ رہا تھا ڈوگر چاچا نے چھوٹے ملک کے بندوں پر شک شبہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اُس کی بیٹی کو اُٹھا کے لے گئے تھے۔"

"ارے چُپ رہ' چھوکرے۔ کیا بکواس کرتا ہے۔" برکتے نے دانت پیس کر ظفر کو گھورا۔

سکندر کے اعصاب کو زوردار جھٹکا لگا۔

"چھوٹا ملک۔" بہت سی شبیہیں آنکھوں کے آگے ناچنے لگیں۔

"اماں جو سچ ہے' سو ہے۔ تم کیوں یہ چاہتی ہو کہ ہم انجان بنے رہیں۔"

"انجان بننے میں ہی بھلائی ہے۔ تجھے کیا خبر۔ خواہ مخواہ دونوں بہن بھائی لترلتر زبان چلا رہے ہیں۔ چل دے ظفر تُو چوک میں شیدے کی دکان سے پتی لے آ اور کوثر' تُو چولہا جلا کے چائے کا پانی رکھ۔ سکندر پتر! ادھر ہی ہے کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔ غریب نے آ کر سکھ کا سانس بھی نہیں لیا اور اس کو گھیر کے بیٹھ گئے۔"

دونوں کھسک گئے تو سکندر نے برکتے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ برکتے ہچکچا رہی

"اب بتاؤ ماسی' اصل قصہ کیا ہے۔"

"اصل قصہ تو جو ہے سو ہے مگر تُو میری بات اچھی طرح دھیان میں ڈال لے کہ تُو نے اس معاملے میں نہیں پڑنا۔"

"کوئی وجہ تو پتا چلے جان کر انجان بننے کی۔"

برکتے نے سارا افسانہ کہہ سنایا۔

"اب دیکھ اگر ہمارے مُنہ سے بھی وہی بات پھسل جائے جو سارا جگ جانتا ہے اور بدقسمتی ملک دراب کے کان میں پڑ جائے تو وہ ہمارا دشمن ہو جائے گا اور دشمنی کے رشتے میں دونوں ل سے زیادہ زور ایک دوسرے کو بے عزت اور ذلیل کرنے پر لگایا جاتا ہے۔ ملک دراب جیسا ا بھیڑیا سب سے پہلے ہماری عزت پر وار کرے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ کسی طرح کوثر اُس کی ال میں آئے۔"

"اگر ایسا ہوا تو...... تو......" غیرت سے سکندر کا پورا وجود سُرخ الاؤ میں نہا گیا۔ اس کی

مٹھیاں شدت سے بھنچی ہوئی تھیں۔

''نہ پُتر' مجھے تیری اور کوثر دونوں کی سلامتی پیاری ہے۔ اسی لئے کہتی ہوں' ایسے پھیر نہ آ۔ کیا ضرورت ہے' سوئے ہوئے ناگ کو جگانے کی۔''

''کاش' میں یہاں ہوتا اور کسی طرح معاملے کا سراغ مل جاتا تو وقت سے پہلے چاچا ہوشیار کر دیتا۔ اسے کہتا کہ بیوی بچوں کو لے کر یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ کہیں دور جائیں۔'' وہ ہاتھ مل رہا تھا۔

''دور جانے سے لکھا ہوا مٹ تو نہیں جاتا' پتر۔ ہونی ہو کر رہتی ہے۔ اُس بدنصیب کی قسمت تھی۔ جانے کہاں کہاں اور کن کن ہاتھوں میں رُلی ہوگی۔ ماں باپ کی لاڈوں پلی لاڈلی بیٹی۔''

برکتے کی آنکھ سے دو موتی ٹوٹ کر بوسیدہ اوڑھنی میں نادیدہ ستاروں کی طرح پگھل کر ہو گئے۔

سکندر نے کوثر کی لائی ہوئی چائے بڑی مشکل سے ختم کی۔ اُس کے دماغ کے ریشے ر میں تنور بھڑک رہا تھا۔

جیتی جاگتی' چمکدار اور تاباں زندگی کا اس بے دردی سے چراغ گُل کر دینے کا عمل بے حساب حیوانیت مانگتا ہے۔

جانے کیسے وحشی اور درندے ہو تم ملک دراب۔

اس نے نفرت سے ہونٹ بھینچے۔

وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن تھا۔ اسے اندازہ بھی نہ ہوا' کب برکتے اپنا کام ختم کر کے پاس سے اُٹھ کر باہر چلی گئی اور کب کوثر فریم اور دھاگے اُٹھا کر چوکی گھسیٹ کر سامنے آ بیٹھی

''سکندر۔'' اس کے لہجے میں عجیب سی افسردہ گمبھیرتا در آئی تھی۔

سکندر نے سر اُٹھا کر خاموشی سے اُس کی طرف دیکھا۔

''بہار کی جگہ میں بھی ہو سکتی تھی سکندر۔''

''خدا نہ کرے۔'' اس نے جس بے ساختگی اور عجلت میں جواب دیا' اس نے کوثر بڑی دور تک چراغ جلا دیئے۔ کسی کے مُنہ سے اپنی زندگی اور موجودگی کی اہمیت کے بار

سننا اور جاننا کتنا خوبصورت لگتا ہے!!!

''کیوں۔'' کوثر نے خواہ مخواہ جرح کی۔

''تیرے ساتھ ایسا کبھی نہ ہوتا۔''

''وہی تو پوچھ رہی ہوں۔''

''اس لئے کہ ابھی میں زندہ ہوں۔ تمہاری عزت کی سلامتی اور خوشی کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔''

''دوسری چیز کو نکال دو سکندر' مجھے خوشی دینا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔'' وہ سر جھکا کر غور سے فریم میں کسے کپڑے پر بنے بیل بُوٹے دیکھنے لگی۔

''کیوں؟'' سکندر سمجھ میں نہ آنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''مذاق سے ہٹ کر میں نے ہمیشہ تمہاری خوشی اور پسند کا دھیان رکھا ہے۔''

''بعض اوقات کسی کو خوشی دینا ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا۔''

''اوہو' بڑی اونچی اونچی باتیں کر رہے ہیں لوگ۔'' وہ خلافِ مزاج شوخ ہوا۔ جانے کتنی مدت بعد وہ ایسی بے ساختہ اور بھرپور فضا میں سانس لے رہا تھا جہاں دوسرا لفظ مُنہ سے نکالنے سے پہلے بات کو سوچنا اور تولنا نہیں پڑتا تھا جہاں بے اختیاری میں بولنے کا بھگتان نہیں بھگتنا پڑتا تھا اور جہاں حفظِ مراتب کا خیال نہیں رکھنا پڑتا تھا۔

''بچی ہوں ناں اس لئے تمہیں الزام نہیں دے رہی۔'' وہ مبہم سا مسکرائی۔ ''تمہاری مجبوری سمجھتی ہوں۔''

''کس طرح کی مجبوری۔'' اب کے وہ چونکا۔

''اس سے بڑھ کر مجبوری کیا ہوگی' جب بندہ خود سے مجبور ہو جائے۔ اپنے آگے بے بس ہو جائے۔'' وہ تنکے سے مٹی سے لپے فرش پر لکیریں بنا رہی تھی۔

سکندر نے ٹھٹک کر اس کی صورت دیکھی۔

کیا یہ میرے اندر پرورش پاتے مُنہ زور جذبوں سے آگاہ ہے؟!!!

اس نے تو اپنے تئیں خود سے بھی راز داری برتی تھی۔

مگر نہیں' یہ ان قیمتی زریں مُنہ بند احساسات سے کیونکر واقف ہو سکتی ہے جنہیں کبھی نطق کا

سہارا نہیں ملا ہے اور نہ ہی کبھی وہ زبان تک پہنچ کر ساعتوں کا حصہ بن سکیں گے۔

وہ احساسات و جذبات تو بس اپنے تک محدود رکھنے کے لئے ہیں۔ دل میں سنبھالے لئے۔

"میں حویلی جا رہا ہوں۔" وہ اپنے اندر چھڑ جانے والی جذبوں کی جنگ سے گھبرا کر کہہ گیا۔

"کون سی قیامت آ گئی جو دو منٹ کو تم نے سکھ کا سانس لے لیا۔" کوثر جھلائی۔

"ابھی آ کر بیٹھے نہیں ہو کہ پھر غلامی کے پھیرے یاد آ گئے۔"

"جب ہیں ہی غلام تو پھر حقیقت سے نظر چُرانے سے کیا حاصل۔" وہ جوتے پہن رہا تھا۔ یوں بھی شادی کا گھر ہے، سو طرح کے کام ہوں گے۔"

"جانے کون بدنصیب آ رہی ہے۔ اس ظالم نگری میں شامل ہونے۔" کوثر جی بھر کر ہوئی تھی۔

"ماسی ٹھیک کہتی ہے، تمہاری زبان بہت لمبی ہو گئی ہے۔" سکندر نے ایک چپت با جاتے اُس کے سر پر رسید کی تھی۔

وہ حویلی آیا تو شادی کے انتظام و انصرام دیکھ کر ایک لمحے کو بُت بن گیا۔ گو کہ ہر شادی یہاں دل کھول کے پیسہ لُٹایا جاتا تھا مگر مسعود ملک کی دفعہ میں گویا شاہ خرچی کے تمام سابقہ ریکا ٹوٹ گئے تھے۔ حویلی کا ایک ایک کونا منقش و منور ہو گیا تھا۔ مسعود کا عروسی کمرہ گویا سونے چاند رنگوں اور روشنیوں کے حصار میں تھا۔ دولہا دلہن کے لئے خاص طور پر چاندی کی ٹیک والی بنوائی گئی تھی۔ اس کے اوپر بچھے حریری بیڈ کور پر نفیس ترین ریشم و مخمل کے پھول بنے ہوئے مسہری کے پائے کسی چمکتی ہوئی سنہری دھات کے تھے۔ خالص ایرانی سبز و سرخ قالین اتنا کہ پاؤں دھنسے تو نظر نہ آئے۔ وسیع و عریض کمرے کا ایک ایک چپہ اس سے مزین تھا۔ چھ لٹکتا فانوس بیش قیمت کرسٹل کا تھا اور اُس کے ڈیزائن میں کہیں کہیں سچے موتی اور قیمتی پتھ شعاعیں بکھیر رہے تھے۔

دلہن کے لئے شادی اور ولیمے کے لئے جو جوڑے بنائے گئے تھے، ان کی قیمت کا اند لاکھوں میں لگایا جا سکتا تھا۔

"سکندر۔" وہ زنانہ حصے میں داخل ہوا ہی تھا کہ شہریار کے امریکہ میں مقیم بھائی فہد کی دلہن صائمہ سے ٹکراؤ ہو گیا۔

"السلام علیکم صائمہ بی بی۔"

"بڑے مصروف ہو گئے ہیں لوگ۔ مدتوں شکل نہیں دکھاتے۔ ترس گئے ہم تو۔" صائمہ کے عجیب سے حوصلہ دلاتے طنزیہ اور قدرے شکوہ کناں باغیانہ انداز سکندر کو کنی کترانے پر مجبور کر دیتے تھے۔

"بس صائمہ بی بی، کام ہی کچھ ایسا ہوتا ہے۔ کوئی خدمت؟"

"ہم تو کرانا چاہتے ہیں خدمت۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ "تم ہی حکم کی بجا آوری نہ کرو تو کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ مالک ہیں، حکم کیجئے۔" وہ مروتاً بولا۔

"تو پھر ہمارے کمرے میں آؤ۔" وہ حکم دے کر شان بے نیازی سے پلٹ گئی۔ لامحالہ سکندر کو قدم آگے بڑھانے پڑے۔

وہ آتے ہی مسہری پر دراز ہو گئی اور بے پروائی سے ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر دراز ہو گئی۔ دوپٹہ ایک طرف سرہانے رکھ لیا تھا۔

"ذرا ہماری ٹانگیں دبا دو۔" اس نے آرام سے کہا۔

"جی۔" سکندر کے پسینے چھوٹ گئے۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا مگر پھر اسے نظریں چُرانی پڑیں۔ وہ اس بے پروائی سے بکھر کر مسہری پر دراز تھی کہ اس کی جوانی کی اُمنگوں سے بھرپور وجود کی ہر قدرتی دلکشی ظاہر ہو گئی تھی۔

اُسے دل ہی دل میں صائمہ کے اس گھٹیا اور بے ہودہ انداز و اظہار پر تاؤ آ رہا تھا۔

"میں اس خدمت کے لئے کسی نوکرانی کو آپ کے کمرے میں بھیجتا ہوں۔" وہ ہونٹ بھینچ کر تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

ولیمہ اور چوتھی وغیرہ کی رسموں تک ملک ہاؤس کے مکینوں کا حویلی میں ہی قیام تھا۔

"السلام علیکم صاحب۔" سکندر ساحر ملک سے مل کر خوشگوار کیفیت کا شکار ہوا۔

"آپ کو یہاں دیکھ کر خوشی ہوئی۔"

"وعلیکم السلام۔ کیسے مزاج ہیں نوجوان۔" ساحر نے یہاں آ کر بھی کاغذوں فائلوں
نہیں چھوڑا تھا۔

بڑی اماں اور ملک بابا کے غصیلے ردِعمل کیطور پر اسے شادی سے ایک دن پہلے ملک
سے آنا پڑا تھا وگرنہ شاید وہ کل بارات کے اسلام آباد روانہ ہونے کے بعد آتا پھر اسے
ناراضگی کا بھی احساس تھا۔

"حویلی کے کسی ایسے کمرے میں میرا سامان سیٹ کرو جہاں ڈھول باجے اور لوگو
آوازیں مجھ تک نہ پہنچ سکیں۔"

ساحر کی جھلائی ہوئی فرمائش نے سکندر کو مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"یہ ڈھول باجے تو پچھلے دو ہفتوں سے بج رہے ہیں جناب' بہرحال آیئے۔ میں آ
اوپر کی منزل پہ لے چلتا ہوں۔"

اگلے دن بارات روایتی دھوم دھڑکے کے ساتھ اسلام آباد روانہ ہوگئی۔

شام گئے تک واپسی ہوئی۔

ملک بابا فتح یابی کے نشے میں چُور تھے کہ بالآخر کسی کے دل پہ پاؤں رکھ کر اپنا قد او
اور سعود منزلِ مراد کے مل جانے پر۔

مہرینہ کو رات گئے اس کے لئے خصوصی طور پر آراستہ و پیراستہ عروسی کمرے میں پہنچا
تھا۔

✿✿✿
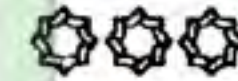
"مما' کیا ہم اتنے گندے ایریا میں رہیں گے؟ یہاں تو بہت ڈرٹ اور پولیوشن ہے۔ اور
گھر کتنا اولڈ فیشن ہے۔ یہ تو وِد اِن مومنٹس نیچے گر سکتا ہے۔ لُک ایٹ دا پینٹ مما۔ کتنا خراب کلر
اور اوپر سے اُکھڑ بھی چکا ہے۔ سٹریٹ کتنی تنگ اور ٹوٹی پھوٹی ہے۔ یہاں سے سوزوکی کیری
کل سامان چھوڑ کر گزری ہے۔ افوہ کتنا اندھیرا ہے یہاں۔"

ایک طرف ساتھ لائے سامان کے انبار سنبھالنے کی فکر تھی تو دوسری طرف بچوں کا سخت
اظہار ناپسندیدگی بلکہ بیزاری۔

چار ساڑھے چار مرلے کے اس ہلکے نیلے پینٹ کے بوسیدہ گھر کی واحد خوبی نچلی منزل پر لگا
ابوتیک کا بورڈ تھا جس کی وجہ سے لوگ یہاں تک آنا گوارا کر لیتے تھے وگرنہ یہ آئی ٹین فور کے
ال کونے پر تھا۔ سامنے چھوٹے سے اونچے نیچے بے آباد میدان میں اونچی اونچی گھاس اور جڑی
اں اُگی ہوئی تھیں۔ اسی ٹوٹے پھوٹے میدان کے ایک سرے پر افغانیوں نے روٹی والا تندور
ا کر گویا ذریعہ آمدن ڈھونڈ لیا تھا۔

اوپر جانے کا راستہ گھر کی دوسری طرف سے تھا اور پیچھے والی گلی میں کھلتا تھا۔

اس لئے ردا بوتیک آنے جانے والوں کی آمد اوپر کی منزل کے مکینوں کی پرائیویسی میں
الت کا باعث نہیں بنی تھی۔ زرلالہ نے عقل مندی یہ کی تھی کہ شفٹ ہونے سے پہلے گھر کا بھاری

آرائشی سامان فروخت کر دیا تھا۔ صرف ضرورت کی اشیا رکھی تھیں وگرنہ اتنے چھوٹے سے گھٹے حصے میں وہ انبار رکھنا ناممکن ہو جاتا۔

ڈرائنگ اور بیڈروم کے علاوہ ایک چھوٹا سا سٹور نما کمرہ سٹڈی یا گیسٹ روم بنایا جا سکتا

"مما! ہم اتنے پُور پیپل بن کر کب تک رہیں گے۔" علی اور ولی کو خدشات گھیرے ہوئے تھے بلکہ وہ تو جگہ دیکھ کر ہی اُکھڑ گئے تھے۔

"ہم نہیں رہیں گے یہاں۔ مما یہاں سے سمیل آ رہی ہے۔" کیونکہ گھر پرانی طرز کا تھا اس لئے فرش چپس کی بجائے سیمنٹ کا تھا جو کئی جگہوں سے اکھڑا ہوا تھا۔ دیواروں کا پینٹ بھی اُترا ہوا تھا۔ جی نائن ون کے کھلے ڈلے روشن و نفیس اور آراستہ و پُرتعیش گھر کے بعد ایک سڑے سے گھر کے پورشن تک محدود ہو کر رہنا ظاہر ہے، بچوں کے لئے سخت آزمائش کا مقام تھا۔ بڑے تو پھر جیسے تیسے حالات سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں مگر بچے تو بچے ہوتے ہیں۔ زرلالہ اُنہیں بہلا رہی تھی، خود بھی اس اُفتاد پر پریشان تھی۔

ایک رات میں مچھروں نے وہ حال کیا کہ سارہ اگلے دن بخار میں مبتلا ہو گئی۔

"مما! ہم کب تک رہیں گے یہاں! کیا ہم واپس نہیں جا سکتے۔" ولی نے بے چارگی آنسو بھری نظروں سے ماں کو دیکھا۔

زرلالہ نے گہری سانس لے کر اُس کا شانہ دبایا۔

"میری جان! دل بڑا کر لو۔ حوصلے سے کام لو۔ اب تو ہمیں یہیں رہنا ہے، یہی ہمارا ہے۔ اپنا گھر اب بک گیا ہے۔"

شام کو محسن نگین کے ہمراہ آیا۔ ہاتھ میں کھانے پینے کی چیزوں کی ٹرے تھی۔

"یہ میری خالہ زاد ہیں، نگین۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو پلیز تکلف نہ کریں۔"

"صبر اور برداشت کے ٹوکرے درکار ہیں صاحب۔" زرلالہ کے ذہن میں بے ساختہ فقرہ مچل کر رہ گیا، تاہم بظاہر خاموشی سے سر ہلا دیا۔

"آپ اندر آئیے ناں۔" اس نے اخلاقاً نگین کو دعوت دی حالانکہ اندر سامان کی ترتیبی اور بکھراؤ تھا، اس کے پیش نظر آنے والوں کے لئے بٹھانے کی مناسب جگہ تلاش کرنا ایک مرحلہ ثابت ہوتا۔

"ارے نہیں پھر سہی۔ ابھی تو بس ہم "انٹری" دینے آئے ہیں۔" نگین خوش دلی سے رلالہ کی گود میں لیٹی بے خبر سوئی سارہ کے گال چھو کر بولی۔

"لگتا ہے، آپ کے بچے یہاں آ کر خوش نہیں ہیں۔" ماں کے دائیں بائیں کھڑے تقریباً ایک جیسے قد و قامت اور ملتے جلتے نقوش والے بچے مشترکہ طور پر بیزاری و ناپسندیدگی چہروں پر سجائے ہوئے تھے۔

"جی۔ کچھ ایسی ہی بات ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ آہستہ آہستہ دل لگ جائے گا۔" نگین نے دلچسپی سے علی اور ولی کے تاثرات ملاحظہ کئے "سیٹ ہو جانے کے بعد ہماری طرف چکر لگانا پارٹنرز! ہمارے گھر میں تمہارے ہم مزاج کے دو پیس موجود ہیں۔ صرف قد اور سائز میں تم سے بڑے ہیں، باقی ہر اعتبار سے تم لوگ انہیں اپنی ٹکر کا پاؤ گے۔"

"اے استانی جی، ہماری ہوا خراب نہ کرو۔" محسن نے احتجاج کیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ واپس لوٹ آئے۔

O☆O

ہونی ہو کر رہتی ہے۔ اگلے دن محلے کے کونوں کھدروں سے نکلتی ہوئی سرگوشیاں ایک ایک کر کے سب کے کانوں تک پہنچ گئیں اور پھر ایک اونچی آواز بن کر اِدھر اُدھر چکرانے لگیں۔ اس رات کے علاوہ بھی چار پانچ گھروں کے مردوں اور عورتوں نے راحت کو آدھی رات کو تن تنہا گھر کی چوکھٹ تک آتے دیکھا تھا۔ منہ سے نکلی تو کوٹھوں چڑھی۔

راحت کو اندازہ نہیں تھا، دو دنوں میں بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جائے گی۔ محلے کی بڑی امیاں اور اُس کی عمر کی لڑکیاں بالیاں اُسے عجیب عجیب معنی خیز نظروں سے ٹٹولنے لگیں۔ اُن کے انداز، اُن کی نظریں اور نظروں میں دوڑتے حروفِ ملامت۔ راحت لاکھ بہادر سہی مگر اس عجیب و غریب صورتِ حال میں نہ چاہتے ہوئے بھی چور بن کر رہ گئی۔

لوگوں کی سرگوشیاں کرتی آوازیں اور پیچھا لیتی نظریں اُس کے وجود کے آر پار ہو جاتیں۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے صفیہ خالہ اماں کو وہ کچھ سنا کے گئی تھیں کہ الاماں۔

طلعت بھی ساس کے ساتھ آئی تھی۔ وہ خاموش بیٹھی بہن کی صورت دیکھ رہی تھی۔ مہرینہ کی

شادی کی تقریب میں شریک ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ راحت نے موقع محل مطابق خود ہی نہ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''قدموں کی غلطی عمر بھر کی سزا بن جاتی ہے۔ تو تو مجھ سے زیادہ سمجھدار تھی راحت۔'' ساس کے جانے کے بعد طاعت نے کہا۔

''آپا۔ مجھے سمجھ نہیں آتا' بات کا بتنگڑ بنا کر دوسروں کی ٹانگ کھینچنا' اُس کی پگڑی اُ رکس اندھے قانون کی شق ہے۔ مجھے شرم آ رہی ہے' اپنی صفائیاں دیتے ہوئے'' وہ روہانسی ہ

''بات صفائیاں دینے کی نہیں ہے راحت۔ ہر دیکھنے والی آنکھ اور سوچنے والا ذہن صو حال کے مطابق ایک ہی مخصوص نقشہ بنائے گا۔ دوست کی شادی میں شرکت اپنے عزت سے کر تو نہیں تھی ناں۔''

''آپ بھی مجھے ہی سمجھا رہی ہیں۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''میرا کیا قصور ہے آپا۔ کون سا گناہ کیا ہے میں نے۔ خدانخواستہ کون سی کالک ملی پر۔ میرا دامن' میرا دل' میرا کردار صاف ہے۔ بھٹکنے بھکنے والیوں کے ایسے انداز ہوتے ہیں!! آ رہی ہے' مجھے اپنی صفائی دیتے ہوئے۔ انہی لوگوں کے درمیان پلی بڑھی ہوں۔ کمال مدتوں سے بنے کردار کا اونچا بُت ایک رات میں مسمار ہو گیا۔''

اماں ابا کو گویا ایک کالی لمبی گہری چُپ لگ گئی تھی۔

O☆O

السلام علیکم'' بالآخر طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد سعود کو دلہن بنی مہرینہ کے روبرو جا موقع نصیب ہوا تھا۔ گوہرِ مقصود مل جانے کی خوشی نے بن پیئے اس کے رگ و پے میں سُر دیا تھا۔

''توبہ۔ یہ لوگ دوسروں کی بے قراری و پاگل پن سے کھیلتے ہیں گویا۔ ایک ہم تھے ا کے رُخِ روشن کی زیارت کے لئے مچلتے دل کو بمشکل سینے میں قابو کئے ہوئے تھے اور ایک ما عزیز و اقارب کہ جو مدتوں کے ارمان پورے کرنے کے چکروں میں ہمارا کباڑہ کئے د تھے۔''

وہ مخمور و سرشار انداز میں منقش و مزین مسہری کے کونے پر ٹک گیا۔

پرپل اور پنک مرصع عروسی جوڑے میں چھپی وہ لالہ رخ رہزنِ دین و ایمان اب اُس کے نے آیا ہی چاہتی تھی۔ سعود نے شوقِ وارفتگی کے عالم میں گھونگھٹ اُلٹ دیا۔

ایسا غضب کا روپ سروپ اور عروسی آرائش تھی کہ سعود کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ وہ اُس ا شربا جلوے میں کھو سا گیا۔

''من چاہا پا لینے کا الوہی نشہ بھی کیا شے ہے۔'' سعود نے سرشار ہو کر اُس کا ملائم چہرہ ہاتھوں پیالے میں سجایا۔

''میں کتنا خوش قسمت ہوں جو چاہا پا لیا۔'' وہ بے ساختہ جھک کر اظہارِ وارفتگی کر گیا۔

''اچھا۔'' بہت دیر بعد مہرینہ کی سپاٹ اور سرد آواز ابھری تھی۔

''بغیر خرچ کے تو یہاں صرف گالی ملتی ہے یا پھر تھپڑ۔ باقی کام محنت یا معاوضہ مانگتا ہے۔ تم یہ ارشاد کر دو پانے کے لئے کیا کیا۔''

اُس نے اطمینان سے مسہری کی منقش پشت سے ٹیک لگائی اور نیم دراز ہو گی۔ اس کے انداز دایتی جھجک یا گھبراہٹ کا شائبہ تک نہ تھا۔

سعود نے چونک کر اُس کا انداز نوٹ کیا تاہم کہا کچھ نہیں۔

''مجھے احساس ہے کہ تمہیں شادی کے لئے ناپسندیدہ صورتحال کا سامنا کرنا پڑا لیکن......''

''ایک منٹ!'' مہرینہ نے ہاتھ اٹھا کر بات کاٹی۔ ''پہلے مجھے یہ تو معلوم ہو کہ یہ شادی ہے یا ے بازی۔''

''کیسی سودے بازی؟'' سعود اس کے انداز سے الجھ رہا تھا۔

''اتنے بھولے تو نہ بنیں صاحب۔'' وہ زہر خند ہوئی۔

''مہرینہ۔'' سعود سنجیدہ ہو گیا'' مجھ سے صاف صاف بات کرو۔ پلیز۔''

اُسے اندازہ تو تھا کہ ابتدا میں کچھ ناراضگی اور غصے کا مظاہرہ ضرور ہو گا پھر یہ بچگانہ اشتعال خود سرد پڑتا جائے گا اس لئے وہ کسی حد تک ذہنی طور پر تیار ہو کر آیا تھا مگر مہرینہ کے تیور اور سرار حد تک زہریلا و برفیلا لب و لہجہ کوئی اور ہی داستان سنا رہا تھا۔ وہ اسے وقتی خفگی یا نادانی پر ال کرتے ہوئے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

''میں تو صاف بات ہی کہہ رہی ہوں' اب اگر آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو میں کیا کر سکتی

ہوں۔''

وہ بے نیازی سے اپنے سونے کے تاروں سے بنا بیش قیمت لہنگا پاؤں میں رولتی ا
ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھ گئی اور زیور اتارنے لگی۔

''میری ماں کو تو آپ نے دھمکیاں اور ڈراوے دے دے کر بے بس کر دیا تھا' کہ
کس منتر سے رام کریں گے؟''

اس نے بھاری گلوبند گلے سے نکال کر لاپروائی سے ٹیبل پر اُچھالا۔

''میں نے تمہیں پسند کیا اور مروجہ طریقے سے اپنے بزرگوں کو تمہارے ہاں بھیج کر ع
آبرو سے تمہیں اپنے گھر اور دل کی زینت بنایا۔ اس سلسلے میں تم لوگوں کو کسی قدر ذہنی دبا
پریشانی کا شکار ہونا پڑا' اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔ اس کے علاوہ تو اور کوئی خاص
نہیں تھی جس کے لئے تم محاذ کھولو۔''

وہ روانی سے کہتا ہوا اُٹھ کر اس کے قریب آ گیا اور شانوں سے تھام کر نرمی سے اُٹھا
کوشش کی۔

''چلو۔ آؤ اپنی سیج پر۔ ابھی تو میں نے ٹھیک سے تمہیں دیکھا بھی نہیں۔ دل بھر کے سرا
نہیں۔ آؤ۔'' وہ خوبصورتی سے مسکرایا۔

''اچھا۔ اور کوئی خاص بات نہیں تھی۔'' اس نے سعود کی آنکھوں میں دیکھا۔

''بہت خوب۔'' اس نے اس کے ہاتھ ہٹائے اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی

''ابھی تو محاذ کھلا ہے۔ فقط محاذ۔ گولہ باری اور دوبدو مقابلے کی نوبت تو آئی ہی نہیں
جیسے خود سے مخاطب تھی پھر سر جھٹک کر آئینے میں دیکھتے ہوئے گلے کے زیورات اتارنے لگی

سعود نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''میں کہہ رہا ہوں ناں۔' وہ نرمی سے بولا' 'ابھی نہیں۔''

''بس بہت ہو گئی یہ ڈرامے بازی۔'' اس نے کھردرے پن سے اپنا ہاتھ چھڑایا'
تیوریوں سے اُسے گھورنے لگی۔ اس کے کسی انداز سے نئی نویلی دُلہن کی جھلک نہیں آ رہی تھی
بے جھجک انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

''موڈ کیوں خراب کر رہی ہو۔'' سعود غصہ ضبط کرتے ہوئے صلح جوئی سے گویا ہوا

''یہ موڈ ایسا ہی ہے مسٹر ٹین ملین!'' اس کا لہجہ طنز اور تنفر سے بھرپور تھا۔

''بلکہ ایسا ہی تھا۔ تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی تھی جو مجھے مس جج کیا یا پھر اپنی خاندانی دولت و
حشمت اور وجاہت و رسوخ پر حد سے زیادہ ناز تھا جو فریق ثانی کی رضامندی معلوم کرنا باعث
توہین سمجھا گیا۔''

وہ سب زیورات پھینک چکی تھی بغیر ان کی قیمت و نزاکت کا احساس کئے۔ گویا اس کے لئے
یہ بھی روڑے پتھر ہوں۔ اب وہ دوپٹے کو نوچ کر سر سے اتارنے کی فکر میں تھی۔

''میں تمہیں ناپسند کرتی تھی۔ تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اس کے لئے مجھے مجبور کیا
گیا۔ میری والدہ کو دباؤ کا شکار بنا کر اور مجھے اغوا کے ذریعے ہراساں کر کے۔ مجھے اپنی ماں کی
خاطر مجبوراً اس ڈرامے کا خاموش کردار بننا پڑا لیکن یہ خاموش کردار سٹیج کی حد تک تھا۔ اب یہ ڈرامہ
معاشرے کی سٹیج سے اتر چکا ہے لہٰذا میری خاموشی گویائی چاہتی ہے۔ میں نہیں مانتی خود کو تمہاری
بیوی۔ اب تم مذہب کا سہارا لے کر مجھے میرے حقوق و فرائض یاد دلاؤ گے لیکن میرے پاس اس کا
جواز اور جواب بھی موجود ہے۔ جس شادی میں لڑکی کی رضامندی شامل نہ ہو اس کی ''ہاں'' دل
نہ نکلی ہو کیا وہ اصولاً کسی کی بیوی کہلائی جا سکتی ہے؟''

لہجہ بے حد دھیما مگر دوٹوک اور اٹل تھا۔

''جس رشتے کو میں نے دل سے قبول ہی نہیں کیا اس کے فرائض کا پاس کیا کروں گی۔ اب
تم میرے انداز کو جو مرضی چاہے نام دے لو' بدتمیزی کہو' اپنی شان میں گستاخی کا نام دے لو یا
بغاوت کا نیا روپ کہہ دو۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ نہ پروا ہے کسی نیک و بدنام یا شان کی۔''

وہ واش روم میں بند ہو گئی۔

سعود ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر کچھ سوچتے ہوئے آہستہ آہستہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

بہت دیر تک وہ سوچتا رہا پھر کسی نتیجے پر پہنچ گیا۔

الماری سے اپنا نائٹ ڈریس نکالا اور بازو پر ڈالنے کے بعد سائیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر
چلا گیا۔

مہرینہ چینج کر کے باہر آئی تو کمرا خالی تھا۔

اُس نے گہری سانس لی اور تار تار بجی مسہری پر بیٹھ گئی۔

یونہی کافی دیر تک ساکت بیٹھی رہی پھر اٹھی۔

لائٹس بند کرنے کے بعد وہ گھپ اندھیرے میں ٹٹولتی ہوئی دوبارہ مسہری پر آ گئی اور با
سیدھی لیٹ گئی۔

اُس کی بے خواب آنکھیں چھت پر چپک گئیں جہاں سٹیل اور کرسٹل کے امتزاج سے
ہوئی ڈیکوریشن تاریکی میں بھی چمک کے اپنے وجود کا احساس دلا رہی تھی۔

محبوب کو مان سمجھ کر اپنائیت کا اظہار کرنا اور بات ہے لیکن اگر مان کی بجائے ملکیت
کرتے ہوئے اپنا تسلط جمایا جائے تو پھر آپ کے ہاتھ میں نہ محبت رہتی ہے اور نہ محبوب۔ انسا
جائیداد نہیں ہوتا کہ ملکیت بنا کر بے دریغ استعمال کرنے کا پرمٹ حاصل ہو جائے۔

یہ تو صاف بے قدری ہے۔ انتہائی ہلکا پن۔

اگر محبت میں زبردستی جائز ہے تو پھر اس زبردستی کا نام محبت نہیں ملکیت یا مختاری
چاہئے۔ خواہ مخواہ محبت جیسے لطیف جذبے کو بدنام کیوں کیا جائے۔

وہ سیدھی لیٹی خالی ذہن اور دماغ کے ساتھ روٹھی ہوئی نیند کی واپسی کا انتظار کرتی رہی
بستر سے اٹھ گئی۔ نیندیں تو اسی روز سے اڑ گئی تھیں جب یاسمین بیگم نے وہ اعصاب
''انکشاف'' کیا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک رات بھی چین کی نہ کاٹ سکی تھی۔ انتظام اور ذلت،
مائیگی کے تند و تیز شعلے بھڑک بھڑک کر اس کا وجود چاٹتے رہتے۔ وہ ان دیکھی آگ میں جلتی،
پور سلگ رہی تھی۔ وہ دوبارہ لائٹ جلا کر وقت گزاری کے لئے اپنے بیگ سے میگزین نکال
پڑھنے لگی۔

اس کی نظریں رسالے پر تھیں اور دماغ کہیں دور اُڑانیں بھر رہا تھا۔

O☆O

''سکندر، سکندر۔ ارے کیا دارو پی کر سوئے ہو۔''

کوثر مسلسل پکار کا کوئی اثر نہ دیکھ کر اسے جھنجھوڑنے لگی۔

''کیا مصیبت نازل ہو گئی۔'' سکندر آنکھیں ملتے ہوئے سستی اور جھلاہٹ سے لبریز
میں کہتا ہوا بستر سے اٹھا تھا۔

''کیوں صبح صبح سر کھا رہی ہے۔'' سرخ و سیاہ پھولوں والے سوٹ میں ہاتھ میں جھاڑو

لال دوپٹہ باندھے وہ خاصی مصروف نظر آ رہی تھی۔

''چارپائی سے اٹھے گا تو میں اسے کھسکا کر جھاڑو لگاؤں گی ناں۔'' وہ ناک چڑھا کر بولی۔

''یہ صبح سویرے جھاڑو بہارو کی ورزش کیا حکیم جی نے نسخے میں لکھ کے دے رکھی ہے؟'' وہ
بان کے اوپر قمیص چڑھاتا ہوا تنک کر پوچھ رہا تھا۔ مقصد سراسر اُسے چھیڑنا اور تنگ کرنا تھا۔

''اور کیا دن چڑھے دھوپ میں سڑتے ہوئے صحن کی صفائی کیا کروں؟'' اماں سے بھی روز
'سیوا' کراؤں اور مفت میں دھوپ میں بھی جلا کروں۔ اب تو ویسے بھی گرمیاں آ گئی ہیں۔''

؟؟ سکندر، پتر حویلی سے پیغام آیا ہے تیرے لئے۔''

چاچا بختو کھانستا ہوا حقہ بغل میں دبائے صحن میں داخل ہوا۔

''لو پہنچ گئی ادھر بھی تیرے جاگنے کی خبر۔'' کوثر نے بُرا سا منہ بنا لیا۔

''بھئی وہ اسلام آباد سے آئے مہمان واپس جا رہے ہیں۔ انہیں چھوڑنے کے لئے تین
ڈرائیور جا رہے ہیں۔ ایک سٹیشن ویگن سکندر کو چلانی ہے۔ دولہا دلہن بھی روانہ ہو رہے ہیں۔ ولیمہ
میں ہونا ہے۔ وہاں کے شہری عزیزوں اور دوستوں کے لئے یہ بندوبست کیا گیا ہے۔'' بختو
سکندر کی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''لوجی'' کوثر نے ماتھے پہ ہاتھ مارا ''پہلے ایک خدا خدا کر کے اٹھا تھا اب ابا تو آ کر بیٹھ گیا۔''

''تجھے میرا بیٹھنا کیوں تکلیف دے رہا ہے کڑیے۔'' بختو نے حقے کی نے منہ میں لے کر
گڑگڑائی۔

''اس لئے ابا کہ مجھے صحن کی صفائی کرنی ہے۔ چارپائی ہٹے گی تو نیچے کا کوڑا سمیٹوں گی
نا۔''

''لے بھئی۔ اٹھ جاتا ہوں تو خوش رہ۔'' سیدھا سادا نرم طبع بختو ہنستا ہوا اٹھ گیا۔

''تو فیر اسلام آباد جا رہا ہے سکندر۔'' کوثر اداس ہو گئی۔

''واپس جھٹتی آئے گا یا پہلے کی طرح مہینوں بعد شکل دکھائے گا؟''

وہ جھاڑو چھوڑ کر جھک کر جوتیاں ٹٹولتے سکندر سے کچھ فاصلے پر زمین پر بیٹھ گئی۔

''کیا کہہ سکتا ہوں جواب میں۔ کام تو کام ہوتا ہے لڑکی۔'' سکندر نے پیار سے اُس کے سر
کا لال دوپٹہ کھینچا۔

"مگر فیر بھی تو جلدی آنے کا سوچنا۔" وہ بڑی دیر بعد جھجک کر بولی۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ یہ رونی شکل نہ بنا ماسی کو دیکھ کر دکھ ہوگا۔"

"اپنے پرچے دھیان سے دینا۔" یاد آ جانے پر وہ نصیحت کرنا نہ بھولی۔

"ہاں اس کے لئے تو دعا کرتی رہنا۔ یہ ہفتہ چھوڑ کر اگلے ہفتے ایف اے کے پرچے شروع ہو رہے ہیں۔ شاید کچھ عرصہ وہیں رہنا پڑے۔ ماسی سے کہنا کبھی پیسوں وغیرہ کی ضرورت ہو تو آتے جاتے بندے کے ہاتھ مجھے پیغام پہنچا دے۔"

"ہمیں پیسوں کی نہیں تیری ضرورت ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔ ماسی سے وہیں حویلی میں مل لوں گا۔"

O☆O

زرلالہ آئی ٹین کے اس علاقے میں شفٹ ہو جانے کے بعد بچوں کی وجہ سے بہت پریشان ہو گئی تھی۔ انہیں یہ جگہ بالکل پسند نہیں آ رہی تھی۔ وہ بار ہا اس کا ذکر کر چکے تھے۔ اپنے تئیں وہ اس ذمے دار اسی وکیل کو ٹھہراتے تھے۔

"نہ وہ وکیل انکل آتے اور نہ ہمیں یہاں آنا پڑتا۔" علی بسورتا۔

"او ہو۔ بھئی اس میں اس بھلے مانس وکیل کا کیا دوش۔ انہوں نے تو الٹا ہماری مدد کی ورنہ فوری گھر چھوڑ کر جانے کی صورت میں سر چھپانے کا ٹھکانا کہاں ملتا۔" زرلالہ محسن کی شکر گزار تھی کہ اس کی بدولت اسے زیادہ خوار نہیں ہونا پڑا۔ اسے احساس تھا کہ بچوں کے لئے یہ طرز زندگی قبول کرنے میں دشواری ہو رہی ہے۔ وہ نازوں کے پلے نعمت و اکرام سے بھرپور لائف کے عادی تھے۔ ان کے لئے چار مرلے کا یہ تنگ و تاریک اور ٹوٹا پھوٹا بدوضع قسم کا مکان ایک خانے سے کم نہیں تھا جس کے صرف نچلے پورشن پر ان کا حق تھا۔ اوپر کا پورشن بوتیک تھا۔

محسن اپنی کزن نگین کے ساتھ خیر سگالی کے طور پر کھڑے کھڑے آیا تھا۔ اس نے ایڈریس بھی سمجھا دیا تھا جو چند گلیاں چھوڑ کر مین روڈ پر تھا لیکن زرلالہ کا ان لوگوں سے تعلقات بڑھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اسے اب لوگوں پر بھروسا کرنے سے ڈر لگنے لگا تھا۔ بھروسا کیا کس پر جائے ہر چہرہ ایک دوسرے چہرے کے پیچھے چھپا ہوتا ہے۔

اُس نے بچوں کی سکول وین کو نیا ایڈریس بتا دیا تھا۔

"افوہ مما دیکھیں تو۔ اتنی تنگ گلی ہے کہ وین اندر نہیں آ سکتی کیونکہ پھر اس کے بعد وہ واپس نہیں مڑ سکے گی۔ ہمارا گھر ڈیڈ اینڈ پر ہے۔ سب سے لاسٹ۔" ولی سخت جھلایا ہوا تھا۔ جب ہی روہانسا ہو رہا تھا۔

"یہ کوئی گھر ہے۔ اونہہ۔" بچے بہت تلملائے ہوئے تھے۔ وہ بھی بیچارے کیا کرتے۔

"ناشکری نہیں کرتے بیٹا۔" وہ تنبیہہ کرتی "فرض کرو یہ بھی نہ ملتا تو کہاں جاتے۔ کہاں تھے۔" وہ تادیبی و فہمائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے سمجھاتی۔

"اب تو اوپر والے بھی کہیں اور شفٹ ہو رہے ہیں۔ وہ بھی چھوڑ کر جا رہے ہیں۔"

"وہ تو اس لئے شفٹ ہو رہے ہیں کہ انہیں اپنے بوتیک کے لئے مارکیٹ میں ایک پلازہ میں شاپ مل گئی ہے۔"

یہ بات اُسے دو دن پہلے معلوم ہوئی تھی کہ "ردا بوتیک" مرکز کے کسی پلازہ میں منتقل ہو رہی ہے۔ اُن کا کام چل نکلا تھا اور ان کی مقبولیت اس سطح تک پہنچ گئی تھی کہ اب وہ بازار میں اپنی شاپ کھول سکتے تھے۔ یہ بات اُسے پرسوں بیگم ریاض سے معلوم ہوئی تھی۔ جو ردا بیگم کے ساتھ مل کر چلا رہی تھیں۔

بچوں کو سکول بھیجنے کے بعد وہ سارہ کو ناشتا کروا کے فارغ ہوئی تھی کہ گیٹ کی بیل بج اٹھی۔ اُس نے دروازہ کھولا۔ سامنے بیگم ریاض کھڑی تھیں۔

"السلام علیکم۔ تشریف لائیے۔" زرلالہ نے اپنا اخلاقی فریضہ نبھایا۔

"وعلیکم السلام۔ ہم لوگوں کا آج یہاں آخری دن ہے۔ تقریباً تمام سامان پلازے کی شاپ میں منتقل ہو چکا ہے۔ کل سے وہیں ہوا کریں گے۔ میں نے سوچا چلتے چلتے آپ کو خدا حافظ کہہ جاؤں۔ محسن بتا رہا تھا آپ یہاں نئی آئی ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ اکیلی رہتی ہیں۔ ہمارا گھر تین چار سٹریٹس چھوڑ کر آتا ہے۔ کبھی بچوں کو لے کر آئیں اور کوئی مسئلہ ہو تو بھی بتائیں۔ میں محسن کی والدہ ہوں۔"

"آپ پلیز اندر آئیے۔" زرلالہ انہیں اپنے ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ بیگم ریاض نے ہوئے ناقدانہ نظروں سے اِدھر اُدھر کا جائزہ لیا۔ بہت زیادہ اشیاء نہیں تھیں مگر جو تھیں وہ قیمتی اور نفیس دکھائی دے رہی تھیں۔ زرلالہ آتے ہوئے کافی سامان فروخت کر آئی تھی۔

ایک تو جگہ نہیں بن رہی تھی دوسرے اسے پیسوں کی بھی ضرورت تھی۔ بس اتنا ہی رہنے دیا ضروری تھا۔ باقی بہت سی چیزیں نیلام کرنے والوں کے ہاں اونے پونے دے دی تھیں۔

"آپ چائے لیں گی یا ٹھنڈا؟"

"دونوں کے لئے شکریہ۔ آپ آرام سے بیٹھیں۔" انہوں نے نرمی سے منع کر دیا۔

"آپ کے شوہر کی وفات اور ساس کی بیماری کے متعلق تو میں جانتی ہوں۔ کیا آ سسرال یا میکے کا کوئی عزیز رشتے دار یہاں نہیں ہے؟ انہوں نے روایتی سوال داغا۔

"نہیں آنٹی۔" وہ مختصراً گویا ہوئی۔

"غالباً آپ کہیں جاب نہیں کر رہیں پھر آپ کا گزارا کیسے ہوتا ہے۔ مالی طور پر کون مدد کر رہا ہے۔"

"ابھی تک تو پچھلا بچایا ہوا کام آ رہا ہے۔" زرلالہ نے گہری سانس لی۔ "آگے کا دیکھیں کیا بنتا ہے۔ میں کسی جاب کی تلاش میں ہوں۔"

"آپ کی تعلیم کتنی ہے؟"

"تعلیم تو کچھ زیادہ نہیں ہے آنٹی' ایف۔ اے کیا تھا اس کے بعد حالات نے اجازت نہ دی۔" زرلالہ اندازہ کر چکی تھی کہ اُن کے انداز میں سراسر خلوص اور انسانی ہمدردی شامل تھی

"اگر آپ کو سینے سلانے کے کام سے دلچسپی ہو تو ہماری بوتیک میں آپ کی جگہ نکل سکتی ہے۔"

"نہیں آنٹی' اس کام کے سلسلے میں بالکل کوری ہوں۔ آپ کی آفر کا بے حد شکریہ۔"

"اچھا بیٹی۔ میں چلتی ہوں اب۔" وہ کچھ دیر بعد اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"رکیں ناں آنٹی۔ آپ نے کچھ لیا بھی نہیں۔" زرلالہ ان کے ساتھ اٹھی۔

"پھر سہی۔ تم ہماری طرف چکر لگانا کبھی۔ میری بہن کی بیٹی نگین تمہاری عمر کی ہی ہے، اس سے مل کر تمہیں خوشی ہوگی۔"

"میں اُن سے مل چکی ہوں۔" وہ مسکرائی "وہ محسن صاحب کے ہمراہ آئی تھیں۔"

انہیں باہر چھوڑنے کے بعد زرلالہ نے اندر سے دروازہ بند کیا اور پھر سارہ کو نہلانے کے لئے کپڑے نکالنے لگی۔

O☆O

"اس قدر آفت مچانے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہیں کتنی بار بتانا پڑے گا کہ اب تم بچے نہیں رہے۔" بیگم ریاض نے سلاد کے لئے پیاز کاٹتے ہوئے کھڑکی سے باہر جھانکا تھا۔

"جب تک میرے اپنے بچے نہیں ہو جاتے۔" روانی میں محسن کے منہ سے پھسلا۔

وہ محلے کے بچوں کو پیچھے لگائے بڑے جوش و خروش کے ساتھ چھپن چھپائی کھیل رہا تھا۔ چھوٹا سا تو صحن تھا۔ جگہ ناکافی ہونے کی وجہ سے بچے کبھی اندرونی دروازے سے ٹکریں مارتے تو کبھی کچن کی صحن میں کھلنے والی کھڑکی سے ٹکراتے اِدھر اُدھر بھاگتے۔ گیٹ کھلا ہوا تھا چنانچہ اندر آنے اور جانے کا سلسلہ مع چیخ و پکار جاری تا۔ کچھ بچے گیٹ سے باہر نکل کر مین سٹریٹ میں کسی درخت کے پیچھے چھپ گئے تھے۔ انہیں ڈھونڈنے والوں نے مار ہبڑ دھبڑ مچا رکھی تھی۔

بیگم ریاض نگین کے ساتھ کچن میں رات کا کھانا تیار کر رہی تھیں۔ اظہر کلینک سے گھر واپس آیا تھا اور اپنے اور محسن کے مشترکہ کمرے میں کسی مریض کی کیس ہسٹری میں الجھا ہوا تھا۔

"کتنا ارمان ہے "اپنے" بچوں کا۔" انہوں نے گھور کر دیکھا "اندر تشریف لاؤ ذرا میں بھی تو سنوں تمہاری داستانِ غم۔"

"بہت طویل کہانی ہے پھر کبھی اے دوست۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرایا پھر چیخا تھا "ارے ٹونی بھاگو' رانی اس طرف سے آ رہی ہے۔" ساتھ ہی وہ خود بھی کچن کی کھڑکی سے دور کسی محفوظ جگہ پر روپوش ہو گیا۔

"بہت ڈھیت ہے بھئی۔" بیگم ریاض نے سر جھٹکا۔

نگین ہنس پڑی۔

"چھوڑیں خالہ۔ جانتی تو ہیں پورے مسخرے ہیں۔ ابھی تو اس کا جوڑی دار شامل نہیں ہے۔ ورنہ کون ان سے جیت سکتا ہے۔"

"ارے ہاں' اظہر کا ہے کو کمرا بند کئے بیٹھا ہے۔ شام گئے آیا ہے اور چائے کا کپ بنا کر اندر گھسا ہے۔ خدانخواستہ طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں۔ کسی سیریس کیس کی سٹڈی کر رہا ہے۔"

"یہ کچھ زیادہ ہی مصروف نہیں ہو گیا آج کل؟" اس کا لہجہ سنجیدہ اور فکرمندانہ تھا۔

"میرا خیال ہے اتنا مصروف نہیں ہے جتنا نظر آتا ہے۔ میرا مطلب ہے وہ مصروف دکھائی

دینے کی کوشش کر رہا ہے۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"اس نے پروفیسر رشید والے واقعے کو دل پہ لے لیا ہے۔ لاشعوری طور پر ابھی وہ تھانے میں گزارے ہوئے وقت کی اذیت کو نہیں بھلا سکا۔ بھولنے کی کوشش کے باوجود اس تکلیف دہ احساس سے چھٹکارا نہیں پا سکا۔ یہ احساسِ شرمندگی و شکست اسے دوسروں کے ساتھ گھلنے ملنے اور سامنا کرنے سے روکتا ہے۔"

"مگر اس طرح دنیا سے کٹ کر اپنے آپ کو سزا دینے کا کچھ فائدہ بھی تو نہیں ہے۔ پرانے زخم کریدتے رہنے سے بھر نہیں جاتے مزید ہرے ہوتے جاتے ہیں۔ یہ محسن کہاں کند کر رکھا ہے۔ اسے کہو بھائی کے پاس جائے اُسے اپنے ساتھ بلا کر لائے۔ جتنی قربت دونوں کی آپس میں ہے اتنی تو ماں کے ساتھ بھی نہیں ہے۔"

"اب آپ خواہ مخواہ تو ملکہ جذبات نہ بنیں ناں امی جان۔" محسن پسینہ پونچھتا کچن میں داخل ہوا تھا۔ بچوں کو فارغ کرنے کے بعد وہ اندر آ گیا تھا اور دونوں کی گفتگو سن چکا تھا۔

"میں شکوہ نہیں کر رہی حقیقت بتا رہی ہوں۔ ایک ماں ہونے کے ناتے ظاہر ہے خوشی ہی ہو گی۔" انہوں نے چمچہ اُس کے ہاتھ پر مار کر کباب اٹھانے سے روکا۔

"صحیح کہا۔" وہ ہنسنے لگا "ویسے بھی اس طرح کی جیلسی کا خانہ بیوی کے لئے مخصوص ہے۔"

"یہ آج تمہیں صبح سے بیوی بچوں کی یاد کیوں ستا رہی ہے؟" نگین کوکنگ رینج سے کچھ فاصلے پر رکھی چار کرسیوں والی گول میز کے کنارے کھڑی گلاس اور پلیٹیں لگا رہی تھی۔

"یاد نہیں، حسرت کہو حسرت۔" اس "حسرت" کا باقاعدہ عملی اظہار ایک سرد آہ کے ذریعے کیا گیا۔

"اپنی حسرتوں کو روتے پیٹتے رہنا۔ بھائی کی خبر نہ لینا۔ کہاں تو ایک دوسرے کے بنا چین نہیں ملتا تھا اور کہاں یہ عالم ہے کہ اُسے اُس کے حال پہ چھوڑ کے تفریح کرتے پھر رہے ہو۔" انہیں سچ مچ غصہ آ گیا۔

"ہائے۔ کیسی ممتا جاگی ہے۔ وہی بڑے بھئی قسمت ہے تمہاری بھی۔" سرد آہوں کا سلسلہ جاری تھا۔

"بکو نہیں۔ جاؤ اسے کھانے کے لئے بلا کر لاؤ۔"

محسن اُن کی ہدایت پر اُٹھ کھڑا ہوا پھر جاتے ہوئے ایک دم مڑا تو بے حد سنجیدہ تھا۔

"اس کے اعصاب اتنے کمزور نہیں ہیں کہ ذرا سی آزمائش پر چیخ جائیں۔ ہسپتال اور تھانے والوں کے سلوک سے اسے جتنی ذہنی اذیت و ذلت برداشت کرنا پڑی اس احساس سے وہ نجات پا چکا ہے۔"

"تو پھر یہ سب کیا ہے؟" نگین حیرت سے اُس کی شکل دیکھنے لگی۔

"کوئی اور بات ہے۔ کوئی ایسی بات جو وہ مجھ سے بھی شیئر کرنے کی ہمت نہیں پاتا اسی چیز نے اسے گم صم کر رکھا ہے۔ میں نے ان دنوں جان بوجھ کر اسے اس کے حال پر چھوڑ رکھا ہے۔ اسی طرح اس کا مجھ پر اعتماد بحال ہو گا۔ پھر وہ دل کی بات زبان پر لانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ تھوڑا انتظار کرنا ہو گا۔"

"تم دونوں ایک دوسرے کو کتنا سمجھتے ہو؟" نگین کی نظروں میں تحسین تھی۔

"وہی بڑے۔ ارے بھئی، کیا نحوست پھیلائے بیٹھے ہو۔ سنا ہے، مرن برت رکھ لیا ہے تم نے؟" وہ شور مچاتا اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

"کیا ہوا۔" اظہر جو نیم دراز کتاب پڑھ رہا تھا، چونک کر بیٹھتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے اس مداخلتِ بے جا کا جواز طلب کر رہا ہو۔

"بہت دن انجان بن کے دیکھ لیا مگر اب نہیں۔ سیدھی طرح بتاؤ کیوں خفا ہو۔"

وہ اس کے ہاتھ سے کتاب چھین کر عین سامنے بیٹھتے ہوئے برہمی سے گویا تھا۔

"خفا! کس سے؟"

"ہم سے، خود سے، اپنے آس پاس کے ماحول سے، لوگوں سے۔"

"محسن، آئی ایم سوری، میں تمہیں وقت نہیں دے سکتا۔" اظہر نے کتاب چہرے کے آگے کر لی۔

"میں مصروف ہوں۔ جاؤ امی اور نگین کے ساتھ گپ شپ کرو۔"

"اس وقت تو صرف کھانے پینے کی چیزوں سے گپ شپ ہو سکتی ہے۔ تم بھی اُٹھو۔ آ کر کھانا کھا لو۔"

''کیاپکا ہے؟'' اسے ٹالنے کو مجبوراً کتاب بند کرنا پڑی۔

''پتا نہیں' استانی جی کوئی تجربہ تو فرما رہی تھیں' قیمے کی گولیوں کے ساتھ۔''

''گویا کوفتے بنے ہیں۔'' اظہر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ جھلکی۔

''بنے تھوڑی ہیں' بنانے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔'' محسن نے تصحیح کی۔

''یہ بات نگین کے سامنے کہہ کر دکھاؤ تو جانیں۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' وہ جوش سے سینہ تان کر بولا۔ ''میں یہ بات اُس کے سا
نہیں اُس کے پیچھے بھی کہہ سکتا ہوں۔''

اظہر کو لامحالہ ہنسی آ گئی۔

''بہت چاہتے ہو اسے؟'' کچھ دیر دیکھنے رہنے کے بعد وہ دھیرے سے گویا ہوا۔ لہ
عجیب سی یاسیت تھی۔

''ہاں! مجبوری ہے بھئی۔'' محسن نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''رشتے دار جو ٹھہری۔ مگر
صرف اس کے سامنے کیا جا سکتا ہے کہ بحیثیت ایک کزن ہونے کے ہم اس سے اپنا
چاہت جتانے کے پابند ہیں۔ پیٹھ پیچھے اتنا جھوٹ نہیں بولا جا سکتا۔''

اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''کیا مطلب؟'' اظہر بے طرح چونکا اور زاویہ بدل کر اُس کی صورت دیکھنے لگا۔

''تم نے غور نہیں کیا۔ بنی بنائی ساس لگتی ہے بالکل۔ شکر ہے' میں لڑکی نہیں ہوں۔ اپ
ہونے والی بیوی کی شامتِ اعمال کا سوچ سوچ کر اکثر آٹھ آٹھ آنسو بہاتا ہوں۔''

''ہونے والی بیوی!'' اظہر تحیّر کے سمندر میں تھپیڑے کھا رہا تھا۔

''ارے بھئی' کبھی تو ہو گی ناں اللہ کے فضل و کرم سے۔'' محسن نے شرمانے کی ایکٹنگ

''آج نہیں تو کل اس گھر میں چاند سی بھابی آئے گی تمہاری۔ اللہ سے یہ دعا ہے اس وقت
نیم ساس' نیم نند نما کزن کی بھی رخصتی ہو جائے تا کہ میں اپنی نئی زندگی کا آغاز مسرت و شادمانی
ساتھ کر سکوں۔''

اظہر تعجب' تحیّر اور لطف و انبساط کی انتہا پر پہنچ کر منجمد ہو گیا تھا۔ وہ ہونقوں کی طرح
شکل دیکھ رہا تھا۔

''ارے بھائی! تجھے کیوں سانپ سُونگھ گیا۔'' محسن نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''کہیں استانی جی سے میری چغلیاں کھانے کے لئے تو مواد اکٹھا نہیں کر رہا تُو۔''

''محسن۔'' دھیرے سے اس کے لب ہلے پھر وہ بے ساختہ ہی اس کے کندھے سے لگ گیا۔ پیشانی اس کے شانے سے ٹکا کر اس نے جیسے قرنوں بعد سکون و مسرت کی گہری سانس بھری۔ سینے میں چبھتی ہوئی وہ تکلیف دہ پھانس ہمیشہ کے لئے نکل گئی تھی۔

''اے خدا تُو کتنا مہربان ہے۔ کتنا کریم ہے۔'' وہ دل ہی دل میں خدا کے حضور شکرانہ ادا کر رہا تھا۔

''عید تو نہیں ہے غالباً پھر کس خوشی میں گلے ملا جا رہا ہے۔ ابے دہی بڑے اس بہانے کہیں میری جیب سے امی کے دیئے ہوئے چار سو روپے نکالنے کا منصوبہ تو نہیں بنایا؟'' محسن گھبرا کر بولا۔

''چل بے۔ ہم فقیروں کو ٹھگی کے قابل نہیں سمجھتے۔''

اظہر کھل کر ہنسا اور ایک گھونسا اس کے کندھے پر مار کر الگ ہو گیا۔ اس کے چہرے' انداز' لب و لہجے اور آواز ایک ایک چیز سے زندگی کی تازگی پھوٹ رہی تھی جیسے مردہ روح میں جان پڑ گئی ہو۔

محسن سے اس کے وجود میں دوڑنے والی تغیر کی یہ لہر کیسے چھپی رہ سکتی تھی۔

وہ غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''آپ بڑے خوش ہو رہے ہیں ہونے والی بھابی کا ذکر سن کر۔''

''ظاہر ہے۔ خوشی والی خبر پر انسان خوش ہی ہوتا ہے۔ اب کیا رونا شروع کر دوں۔'' وہ کھلکھلایا۔

''مگر لگتا ہے اس ''انسان'' کی خوشی کی وجہ کچھ اور ہے۔'' محسن اس کی صورت تاڑ رہا تھا۔

اظہر نے نظر بچانے کی اپنی سی پوری کوشش کی مگر محسن بھی آخر اس کا سایہ تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

''وہ کون سی گتھی ہے دہی بڑے۔ جو اتنے عرصے بعد اچانک سُلجھ گئی ہے۔'' محسن براہِ راست اُس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اچھا چلو کھانا کھانے کے لئے چلتے ہیں۔ خواتین انتظار ساتھ ساتھ غصے سے بھی شغل فرما رہی ہوں گی۔"

"مجھے بناؤ نہیں' صاحب زادے۔ سیدھی طرح بات بتاؤ۔ کیوں اتنے دنوں سے [illegible] رکھا تھا اور اب اچانک استانی جی کا تذکرہ چھیڑتے ہوئے کیسے مزاج کا موسم تبدیل ہو گیا؟"

"مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی کچھ۔ اب چھوڑو ناں یار۔"

"غلط فہمی؟" محسن نے آنکھیں سکیڑ کر اس کی طرف دیکھا پھر اچانک اس کے دماغ [illegible] کلک کیا۔

"کس قسم کی غلط فہمی میں مبتلا تھے تم؟"

"کچھ نہیں۔ بس میرے ذہن نے مِس جج کیا۔ میں سمجھا' تم میں اور نگین میں دوسری طر[illegible] کی اپنائیت اور قربت ہے۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ کیا فضول بات کی ہے تم نے؟" محسن نے بُرا سا منہ بنایا۔

"مجھے ابھی اپنے سر کے بال اور زندگی عزیز ہے اور خودکشی کا بھی فی الحال کوئی ارادہ [illegible] رکھتا۔ مگر اس بات نے آپ کو کیوں سرتاپا نہال کر دیا ہے۔"

محسن سوچتے ہوئے بولا اور پھر چند لمحوں میں غور کرنے سے خود ہی صورت حال سے آگاہ ہو گیا۔

"تو گویا تم بھائی کی خاطر اپنی پسند قربان کرنے کا فلمی ارادہ باندھے بیٹھے تھے؟"

محسن چلتے ہوئے عین اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"تم تو بالکل ہی گدھے ہو' وہی بڑے۔" محسن ایک دم زور سے ہنس پڑا اور ہنستے ہنستے [illegible] پر بیٹھ گیا۔

"ایسی کوئی بات ہوتی تو کیا میں سب سے پہلے تیرے گوش گزار نہ کرتا؟ تجھ سے ہی شیئر [illegible] تھی تُو تو جانتا ہے۔ میں تجھ سے کوئی بات نہیں چھپا پاتا۔ البتہ تم ایسا کر سکتے ہو۔ یہ میرے لئے اطلاع ہے۔ اتنے عرصے تک جانے کیا کیا سوچ کے پاگل ہوتے رہے۔ گویا یہ وجہ تھی' تمہاری اذیت اور تنہائی پسندی کی۔" اظہر خجل سا ہو کر سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"اچھا سنو محسن' یہ باتیں نگین سے ڈسکس نہ کرنا۔ پلیز۔"

"اسی سے تو ڈسکس کرنا ہیں۔" محسن نے اپنے عزائم سے آگاہ کیا۔ "کہ بی بی دیکھو' ایک شرمیلا اور بھولا بھالا احمق سا عاشق تم پہ کس کس طرح مرتا ہے اور تمہیں خبر ہی نہیں ہے۔"

"بکومت۔ اور سن رکھو۔ تم نے اسے میرے جذبات کے بارے میں آگاہ نہیں کرنا۔ کیا خبر وہ کس طرح ری ایکٹ کرے۔"

"جیسے بھی کرے بھگت لینا۔ اتنا ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کرے گی ناں کہ میری بھابی بننے سے انکار کر دے گی۔" وہ بھولپن سے گویا ہوا۔

"محسن۔" اظہر نے آنکھیں نکالیں۔ "اچھی طرح دماغ میں بٹھا لے' تُو نے اس سے ایسی ایسی کوئی بات نہیں کرنی۔ میں جب مناسب سمجھوں گا' بتا دوں گا۔"

"کیا بتا دو گے اور کس کو۔" محسن شرارتی انداز میں آنکھیں چمکا رہا تھا۔

"اس کو۔" ساتھ ہی اظہر نے ایک زوردار گھونسا اسے رسید کیا۔

"اُف۔ مر گیا ظالم۔" محسن بلبلاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"تم دونوں کون سی داستانِ امیر حمزہ ایک دوسرے کو سنا رہے تھے۔"

نگین دونوں کو آگے پیچھے کچن کم ڈائننگ میں آتے دیکھ کر برس پڑی۔

"یہاں انتظار کر کر کے بھوک ختم ہو گئی۔"

"وکیل صاحب کی خبر لو۔ یہی اناپ شناپ چھیڑ کے بیٹھا ہوا تھا۔"

اظہر نگین کے سامنے والی کرسی پر ڈٹ کر جاندار لب و لہجے میں گویا ہوا۔

وہ غیر معمولی طور پر بشاش اور پُرسکون نظر آ رہا تھا۔ یہ خوشگوار تبدیلی نگین کے ساتھ ساتھ بیگم [illegible] نے بھی محسوس کی تھی۔ اُنہوں نے یہ کریڈٹ محسن کو دیا تھا' اپنے خیال سے۔

"کون سا کرتب دکھا کے ڈاکٹر صاحب کے مزاج درست کیے ہیں۔" نگین محسن کو چھیڑ رہی تھی۔

"بس ہے ایک کرتب۔ کیا خیال ہے بتا دوں؟" محسن نے اظہر کی طرف دیکھا۔

"ابے کیوں اُلٹا سیدھا بک رہا ہے۔" اظہر نے گھبرا کر کہا۔

"اس بدتمیزی والے انداز میں منع کیا گیا تو میں ضرور بک دوں گا۔" وہ اکڑ کر بیٹھ گیا۔

"میں تو تجھ سے درخواست کر رہا ہوں' میرے لاڈلے پیارے بھائی۔" وہ ملتجی ہوا۔

''ہاں۔ یہ قدرے معززانہ انداز ہے۔'' غور و خوض کے بعد محسن نے سر ہلایا۔
''یہ بٹر پالش کس سلسلے میں ہو رہی ہے۔'' نگین مشکوک ہو گئی۔
''ہماری آپس کی بات ہے۔'' محسن نے لاپروائی کا عظیم الشان مظاہرہ کیا۔ ''تم اپنے کا
سے کام رکھو بی بی۔''
''اچھا۔ بس کرو اب یہ چخ چخ۔ خاموشی سے کھانا کھاؤ۔'' امی کی ڈانٹ نے سب کو شرا
سے کھانا کھانے کی طرف لگا دیا۔

O☆O

''جابر کو سر بلا رہے ہیں۔ کدھر ہے وہ......؟''
محسن تیزی سے چلتا ہوا ایمان کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔
''بیٹا جی! جابر صاحب تو اُڑ گئے۔'' ایمان نے فائل پہ پیپر ویٹ رکھ کر سر اُٹھایا۔
''ہائیں۔''
''یس۔ اپنی مس انیتا ٹیلی فون آپریٹر موصوف کو لے اُڑی۔ دونوں شادی کی چھٹی پر ہیں
مزید ایک ہفتہ باقی ہے اُن کی واپسی میں۔''
''مگر ایمان بھائی' وہ تو پہلے سے شادی شدہ ہیں۔ تین چار سال ہو چکے ہیں پھر یہ دو
شادی۔ گڈ گاڈ۔''
محسن کو جابر اور انیتا کے افیئر کا تو علم تھا مگر یہ رومانس اس نہج تک پہنچ جائے گا' اس کا اندا
نہیں تھا۔ وہ سخت متحیر تھا۔
''دوسری شادی کون سی منع ہے ڈیئر۔'' ایمان سگریٹ سلگاتے ہوئے ہنسا۔
''یہ تو ہمارے تمہارے جیسے ہیں جنہیں پہلی بھی نصیب نہیں ہو رہی۔''
''میری تو اس لئے نہیں ہو رہی کہ امی ہم دونوں بھائیوں کو عقلی اور عملی طور پر اس قابل نہ
سمجھتیں کہ ہم کسی شریف نیک پروین بی بی کے شوہر کہلا سکیں مگر آپ کا کیا چکر ہے۔ کیوں نہیں
رہے شادی۔''
محسن ایمان کے اشارے پر اس کے سامنے والی سیٹ سنبھال چکا تھا۔
''کیونکہ ہو نہیں رہی۔'' ایمان نے مذاق میں ٹالنا چاہا۔

''کیوں نہیں ہو رہی۔'' محسن نے پیچھا نہیں چھوڑا۔
''شادی نہ ہونے کی تمہارے نزدیک کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''
''میرے نزدیک ممکنہ طور پر اس کی تین وجوہات ہو سکتی ہیں یا تو آپ نہیں کرنا چاہتے یا کوئی
ہیں کروانا چاہتا یا پھر جس سے کرنا چاہتے ہیں' اس سے نہیں ہو سکتی۔''
''تمہارا کیا اندازہ ہے' میں خود نہیں کرنا چاہتا یا گھر والے نہیں کروا رہے یا پھر جس سے کر
چاہتا ہوں' وہ نہیں مل پا رہی۔''
''میرے اندازے کے مطابق تیسری وجہ ہے غالباً۔''
محسن نے ایمان کا چہرہ پڑھتے ہوئے قیاس آرائی کی۔
ایمان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔
''کیا میں صحیح کہہ رہا ہوں؟'' محسن اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔
''ہوں۔'' ایمان نے کچھ دیر بعد سر ہلایا اور پھر ہلکا سا مسکرایا۔ ''شاید۔''
''کیا رکاوٹ ہے بیچ میں۔''
''رکاوٹ یہ ہے پیارے کہ......

وہ نہیں ملتا ایک بار ہمیں
اور یہ زندگی دوبارہ نہیں

ایمان نے کرسی کی پشت سے سر ٹکایا۔
''کیا کوئی ناراضگی ہے یا کسی اور وجہ سے نہیں ملتے؟''
''سارے پردے آج ہی چاک کرنے ہیں کیا۔'' وہ مسکرایا۔
''پھر بھی۔ بتایئے تو۔'' محسن نے اصرار کیا۔ ''جب ذکر چل ہی نکلا ہے تو کیا حرج ہے'
یالات میں جانے میں۔''
''بڑی عجیب سی داستان ہے یار۔ نہایت مختصر اور ادھوری۔ آج سے تقریباً تین سال پہلے وہ
ٹرین کے ایک سفر میں نظر آئی تھی اور بس۔ وہ کون تھی' کیا تھی' کہاں سے آئی تھی' کہاں جا رہی
تھی اور کہاں چلی گئی' میں نہیں جان پایا اور نہ آج تک جان سکا ہوں۔ بس زندگی ایک تلاش بن گئی
۔ ایسی تلاش جس کا کوئی سرا ہاتھ نہیں لگا مگر پھر بھی تلاش کا یہ سفر جاری ہے اور انشاء اللہ آخری

سانس تک اسی طرح جاری رہے گا۔"

ایمان نے عزم سے کہا۔

محسن نہایت حیرت سے اُس کی صورت دیکھ رہا تھا جیسے اُس کی اس دیوانگی پر اس کی عقل

شُبہ ہو رہا ہو۔

"یقین نہیں آتا کہ اتنا سُلجھا ہوا' پڑھا لکھا اور ذہین آدمی اس طرح کی افسانوی کیفیات

سے رہو سکتا ہے۔"

"ہر سچائی پہلے افسانہ ہی لگتی ہے۔ ہمارے ہاں لوگ اپنے ذہن بدلنے میں اور کسی تبدیلی

تنوع کو قبول کرنے میں کچھ وقت لیتے ہیں جب تک واقعی اس بات کا کوئی ثبوت نہیں مل جاتا

تسلیم کرنے سے انکاری رہتے ہیں۔ اسی لئے حقیقت کو افسانہ کہہ کر تبدیلی کے اس عمل سے اتفاق

کا اظہار کرتے ہیں۔"

"بہر حال۔" محسن نے نشست بدلی۔ "میرے لئے یہ بہت انوکھا انکشاف ہے۔"

"تم نے تو پھر اتنی عزت دی ہے' ساحر کو بتا کر تو تین سال سے بلا ناغہ اپنا مذاق اُڑوا رہا

ہوں۔" وہ ہنسا۔ "اس کا تو تمہیں پتا ہی ہے۔ بڑا سڑیل اور روڈ سا بندہ ہے۔ اِن معاملات میں

قطعی کورا ہے۔ اس کے ذہن سے کبھی اینٹوں اور عمارتوں کا چکر نکلا ہی نہیں کہ زندگی ایسی باتوں

کے لئے کوئی گنجائش بن پاتی۔"

محسن ایمان کی صورت دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

O☆O

"امی' میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا' اس قید خانے میں واپس جانے کو۔ وہاں کی ایک ایک

اینٹ سے وہاں کے در و دیوار سے اور اُن لوگوں کی صورتوں سے مجھے سخت نفرت محسوس ہوتی

ہے۔" مہرینہ آئینے کے سامنے بیٹھی گلے میں پڑا ہیرے جڑا قیمتی پتھروں سے مزین سونے کا

بھاری بھرکم چوکر اُتار رہی تھی۔ وہ کل سے ماں کی طرف آئی ہوئی تھی۔ آج ملک ہاؤس سے کومل

بھابی' ساس عذرا بیگم اور سعود آئے تھے۔ رسمی سلام دعا کے بعد کومل اور عذرا' ڈرائیور کے ساتھ

بیجارو میں روانہ ہو گئی تھیں۔ سعود اپنی گاڑی میں اُس کا منتظر تھا۔

"اس نفرت کو تمہیں کچھ عرصے تک دبا کر رکھنا ہو گا تاکہ ہمارا مقصد پورا ہو سکے۔ میں نے

اُس وقت ٹھان لی تھی کہ تمہیں وہاں پہنچا کر دم لوں گی جب پہلی بار سعود میں تمہارے لئے پسندیدگی

کے آثار دیکھے تھے۔ میرا وقتی طور پر اِس پروپوزل کے لئے انکار کرنا اور پھر مان جانا محض ڈرامہ

تھا۔ مقصد اُن کو بے عزتی کے احساس سے روشناس کرانا تھا۔ انہیں یہ بتانا تھا۔ کہ ہر جگہ زور و

دستی کی حامی بھروانا ممکن نہیں ہوتا۔ شادی تو میں نے تمہاری اسی فیملی میں کرنی تھی۔"

"امی' اس انکشاف کے بعد میرے لئے اپنی کیفیات کو نارمل کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے' میرا

دل چاہتا ہے میں کبھی پلٹ کر ان لوگوں کی شکل نہ دیکھوں۔"

"لیکن بیٹا تمہیں کسی نہ کسی طور وہاں رہنا ہو گا جب تک کہ ملکوں کی عزت سڑکوں پر نہیں آ

جاتی۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ اُنہیں خون تھوکنے پر مجبور نہ کیا تو میرا نام بھی مہرینہ نہیں۔" وہ مسلسل

آئینے میں دیکھ رہی تھی۔

"اے بی بی۔ اُدھر دولھا میاں اکیلے ڈرائنگ روم میں انتظار میں سڑ رہے ہیں۔ کوئی نے

"بوا بھی جانے کب آئی تھیں۔

"میں آ رہی ہوں بُوا۔" مہرینہ تھوڑی دیر بعد باہر چلی گئی۔

"ایک بات کہوں۔" بُوا یاسمین بیگم کے سامنے آ گئیں۔ "بیٹی کا گھر خراب نہ کرو۔ اسے

محبت' صبر اور دوسروں کے لئے حسنِ اخلاق سکھاؤ۔ انتقامی لائن پر مت لگاؤ۔ اپنا بدلہ اس معصوم

سے نہ لو۔"

"آپ دیکھتی جایئے بُوا۔ پورے خاندان کو ایڑیاں رگڑنے پر مجبور نہ کر دیا تو میرا نام بھی

یاسمین نہیں۔"

O☆O

شادی بھی ہو گئی اور ولیمہ بھی اور طلعت کو حیرانی تھی کہ وہ اب تک اپنے حواسوں میں تھی۔

سجے سجائے کمرے میں انیتا کا مستقل قیام تھا۔ طلعت تو پہلے بھی ساس اور نند کے کمرے

میں ہی تھی اسے لئے اسے بوریا بستر نہیں سمیٹنا پڑا' بس اتنا تھا کہ وہ جو دنوں بعد جابر کو ضرورت

اپنے پاس بلانے پر مجبور کر دیتی تھی' اب وہ آسرا بھی ختم ہو گیا۔ اب اس طرح رہنا ہمیشہ کے

لئے مقدر ہو گیا تھا۔

آس پڑوس کے لوگوں نے کچھ چہ میگوئیاں تو کی تھیں مگر پھر اسے معمول کا واقعہ خاموش ہو گئے۔ یوں بھی ایک مرد کے ہاتھوں عورت پر ہونے والا ظلم یہاں عام سی بات سمجھا تھا۔ ہاں عورت کی ایک خفیف سی لغزش اس کے کردار کے چیتھڑے اُدھیڑنے کے لئے کافی ہے جابر کے ذریعے صفیہ کو اطلاع ہو گئی تھی کہ راحت آدھی رات کو بجی سنوری تن تنہا کہیں سے گھر لو تھی۔ کچھ چشم دید گواہ بھی مل گئے سو چھوٹے سے محلّے میں یہ بات ایک بڑا اشتہار بن کر پھیل گئی۔ ابا ملتان سے آئے تو ان کا سواگت اس خبر نے کیا۔ طلعت کے لئے خاوند کے سوت لا جو اِکا دُکا لوگوں کے دل میں ہمدردی تھی' وہ بھی ہوا ہو گئی کہ جیسی بہن ویسی خود۔ کچھ دیکھا، تبھی تو خاوند سوت بیاہ کے لایا ہے۔ صفیہ نے شادی سے فارغ ہو کر اس تندہی سے جابر آنکھوں دیکھے واقعے کو نمک مرچ لگا کر گلی گلی مشتہر کیا جو اُس کے نام سے بھی آشنا نہیں تھے اُن بھی داستان پتہ چل گئی۔

دیکھا جاتا تو بات تو کچھ بھی نہیں تھی لیکن ایک تو چھوٹے طبقے اور چھوٹے دل و دماغ والوں کا محلّہ تھا' دوسرا تعلیمی پسماندگی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا تھا۔ لوئر کلاس کے لوگوں لئے لڑکیوں کی آزادی و خود مختاری کا تصور نہایت محدود سا ہوتا ہے بلکہ نہ ہونے کے مترادف ہے۔ بہت احسان کیا جائے تو یہ ہے کہ اُنہیں آٹھویں دسویں تک پڑھنے کی اجازت دے جاتی ہے۔ اس 'عیاشی' کے علاوہ اُنہیں مزید کسی شے کا مستحق خیال نہیں کیا جاتا۔ جھوٹا موٹا پہ بھائیوں اور باپ کا بچا کھانا' سب سے آخر میں آرام کرنے کا موقع ملنا اور پیار محبت جیسی چیز سے نا آشنا رہنا اُن کے لئے روٹین کی بات ہوتی ہے۔ کھیل' تفریح' آسائش اور خوشیوں کے لمحا یہ چیزیں اُن کا نصیب نہیں ہوتیں۔

ایسے میں راحت کا یہ اقدام کہ کوسوں کے فاصلے پر رہنے والی سہیلی کی مہندی جیسی فضولیا میں آدھی رات تک شریک رہی' اس کے کردار پر بہت بڑا دھبا بن گیا۔ شاید محلّے کے لوگ سن لعنت ملامت کر کے واقعے کا پیچھا چھوڑ دیتے مگر جس طرح صفیہ نے پچویشن کو ڈرامائی انداز رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا تھا۔ وہ قابلِ عفو و درگزر نہیں ٹھہرتا تھا۔

''ادھر کونے میں موٹر رکی تھی بھئی۔ لشکارے مارتی۔ وہاں سے ''یہ'' اُتری۔'' وہ سرگوشیوں میں نہایت دلجمعی اور تندہی کے ساتھ نقشہ کھینچ کر بتاتیں۔ اُن کے چہرے کے تاثرات الفاظ

پر عکاسی کرتے اور مفہوم کو مخاطب تک پہنچانے میں مزید معاونت کرتے۔

''اونچی ایڑی والا جوتا۔ ننگا سر' کھلے بال' گلے میں دوپٹہ' کافی مہنگا کام والا نارنجی سوٹ' منہ لی تھوپی ہوئی تھی۔ سارا میک اپ کر رکھا تھا۔ کانوں میں جھمکے۔ توبہ توبہ۔ یہ لچھن ہیں شریف یوں کے۔ باپ تو ایک رات کے لئے شہر سے باہر تھا سو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا خوب۔ خدا لے یہ سجاوٹ کی چیزیں اپنی تھیں یا اس ''سہیلے'' کا تحفہ تھیں۔ اپنی کہاں سے ہونے لگیں۔ گھر کو ے بولتے ہیں' دو وقت کی روٹی ڈھنگ سے نصیب نہیں ہوتی ان فیشنی چیزوں کے لئے کہاں سے نکلتی۔ توبہ۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی' اس محلے میں کوئی فتنہ جاگنے کو ہے۔ ہماری بیٹیاں کے سکول سے میٹرک کر کے گھر بیٹھ گئیں اور یہ نواب زادی میلوں دور اسلام آباد کے اتنے لی کالج میں جا داخل ہوئی۔ چودھویں تک پہنچتے پہنچتے شہر والوں کے سکھائے ہوئے بے حیائی سارے قاعدے پڑھ گئی' اوپر سے بے غیرتی دیکھو' شام کو گھر سے باہر رہنے کے لئے نوکری کا ڈھونڈ لیا۔ چاند نہ چڑھتے تو اور کیا ہوتا۔ استغفار۔''

جانے کتنی زہریلی زبان تھی اُن کی جس نے ایک اُمنگوں سے بھرپور' ہشاش' پُر امید اور لڑکی کو توڑ کے رکھ دیا۔ اس کے کردار کے سارے پختہ ٹانکے ایک ایک کر کے اُدھڑتے چلے تھے۔

وہ خود ہی اگلے دن کالج اور اکیڈمی نہیں گئی تھی۔ اگلے دن کیا مزید ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس خود کو جیسے چار دیواری میں بند کر لیا تھا۔ چُپ چاپ چارپائی پہ پڑی کُڑھتی جلتی رہتی۔ ماں باپ ایسی چپ لگی تھی کہ ٹوٹنے میں نہ آئی۔ اماں کی چپ اس وقت ٹوٹی' جب ٹھیک دس دن بعد ایک اچانک ابا کے سانس کی ڈوری ٹوٹ گئی۔

''چچ چچ۔ غریب باپ بیٹی کی بے غیرتی کی داستان سن کر شرم سے ختم ہو گیا۔ بیٹی نے جو گل ائے تھے اس کا عذاب باپ کو بھگتنا پڑ گیا۔''

سب سے پہلے صفیہ کی زبان کھلی اور اس کے پیچھے بے شمار زبانیں دراز ہوتی چلی گئیں۔

''اُس رات جس کے ساتھ منہ کالا کر کے آئی تھی' اچھا ہوتا اسی کے ساتھ دفع ہو جاتی۔ کیا زمانہ آ گیا ہے۔ سہیلی کی شادی کی آڑ میں گلچھرے اُڑائے جا رہے ہیں۔ گھر والوں کو بے لے بنا کے شہری بابوؤں کے ساتھ راتوں کو گھوما پھرا جا رہا ہے۔ اے نوج کیا ہم اتنے ہی اندھے

ہیں۔مہندیاں باراتیں ہمارے ہاں بھی آتی ہیں۔ ہماری لڑکیاں بھی محلے داروں کی شادیوں
شریک ہوتی ہیں۔ بڑی حد ہوئی تو عشاء کے وقت ماؤں کے ساتھ واپس آ گئیں۔اتنی بے ا
اور بے حیا نہیں ہیں کہ اکیلی فیشن کر کے گھر سے نکل کھڑی ہوں۔''

''ارے بھئی' کچھ قصور ماں کا بھی تو ہے۔اس نے کیوں نہ ٹانگیں توڑیں۔ چٹیا ت
روک لیتی۔ دیکھ لیا آزادیاں دینے کا انجام۔اولاد اور جانور ایک مانند ہوتے ہیں۔ کھو
کس کرنہ باندھے جائیں تو بگڑ کے گھر کی راہ بھول جاتے ہیں۔آوارہ ہو جاتے ہیں۔''

''اے بہن! میں کیا کروں۔میرے ساتھ اُس کا رشتہ بنتا ہے۔ مجھے خون کی لاج آتی
اسی لئے میں نے سب کچھ دیکھتے بھالتے ہوئے بھی اپنے عرفان کے لئے اُس کا رشتہ مانگا ما
نواب زادی کے نخرے کیا کم تھے۔صفا انکار کہلوا دیا۔ماں کے مُنہ پر میرے ساتھ گستاخی کی۔
سچ بات کہوں گی' ابھی بھی تیار ہوں بہو بنانے کے آگے ماں بیٹی کی مرضی۔''

''اے ہے، بہن! تم کیوں آنکھوں دیکھی مکھی نگلتی ہو۔اپنے عرفان کے لئے لڑکیوں
ہے کیا' ابھی دنیا سے شریف' دیندار اور کام کاج والی لڑکیاں اُٹھ نہیں گئیں جو تم اس کے لئے
پھیلاؤ۔''

کیا ہو گیا۔بھئی اپنے ہی اپنوں کا بھرم رکھتے ہیں ناں۔باپ سر پر نہیں ہے کون دے گا
اور اس کے کرتوت سن کر کوئی آنے والا بھی نہیں ہے۔اب کیا میں بھی پیچھے ہٹ جاؤں۔''

''آفرین ہے' تمہاری سوچ پر۔ابھی بھی ایسے نیک شتے دار موجود ہیں دنیا میں۔ ار
لگتی کہوں تو آج کل کوئی کسی کے عیب نہیں ڈھانپتا۔''

''نہ بھئی ناں۔ہم تو مشکل میں دوسروں کے کام آنے والے ہیں۔ پہلے بھی اس کی
بیٹی کا بوجھ بانٹا تھا کہ عمر زیادہ ہو جانے کی وجہ سے کوئی اُمید باقی نہیں رہ گئی تھی اور اب بھی ا
کے لئے بھی رشتہ دینے کو تیار ہیں۔''

''آمنہ کو تو تمہارے پیر دھو دھو کر پینے چاہئیں۔اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود تمہیں ا
لحاظ ہے۔''

یوں صفیہ نہایت چالاکی اور مکاری سے راحت کی کردار کشی کر کے پُرانا بدلہ چکانے
مزید کے ارمان گھر میں بیاہ کرلانے کے بعد پورا کرنے کا منصوبہ کامیاب ہو گیا۔

ابا کے چالیسویں کے بعد جب وہ عرفان کا رشتہ لے کر آئیں تو آمنہ کے پاس اظہارِ تشکر
، علاوہ کوئی دوسرا جواب نہیں تھا۔نہایت فخر و غرور اور اکڑ کے ساتھ رشتہ مانگا گیا اور نہایت
بڑی وانکساری کے ساتھ رشتہ دیا گیا۔

جب وہ چلی گئیں تو آمنہ نے عفت کے ہاتھ راحت کو بات پکی ہونے اور تاریخ ٹھہرنے
اطلاع دی۔ماں بیٹی میں براہِ راست گفتگو اس بھیانک رات اور پھر اس کے بعد باپ کی
ت کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی۔گھر میں جیسے قبرستان کا سکوت طاری رہتا تھا۔

''اس ماہ کی بیس تاریخ کو تمہاری شادی ہے' عفت نے بتایا تو راحت گُم صُم اس کی صورت
لنے لگی۔

عفت دوسری چارپائی پر بیٹھ کر فریم اور سوئی دھاگے سے شغل کرنے لگی۔

فرحت ایک کونے میں بیٹھی دال صاف کر رہی تھی اس اطلاع پر سر اُٹھا کر راحت کی طرف
لگی۔

''کیا تم راضی ہو عرفان جیسے نکمے' نکھٹو اور فضول سے بندے سے شادی کرنے پر؟''

''بات اب اس کی رضامندی یا ناراضگی کی نہیں رہی۔'' عفت سنجیدگی سے گویا تھی۔

''ہاں۔اب میں اس سٹیج پر ہوں جہاں ستر سالہ بوڑھے سے لے کر لولے لنگڑے' رنڈوے'
ا یا کسی ڈاکو فقیر کے رشتہ مانگنے پر بھی جواب ہاں میں ہی ملتا۔عرفان تو پھر ایک اچھے خاصے
تے پیتے خاندان کا نوجوان ہے۔'' راحت آہستگی سے گویا ہوئی۔اس نے خود پر خود اذیتی کی
ا بیز تہہ چڑھالی تھی۔اندر ہی اندر وہ بھی اس بات سے باخبر تھی کہ یہ ساری سکیم صفیہ اور جابر کی
لراہ تھی۔ دونوں اُسے اُس کی ''آزادی'' کا سبق سکھانے اور اس کی زبان درازیوں کو لگام
لہ کے لئے اپنے گھر کے نکمے ونکارہ لڑکے سے رشتہ کر کے گھر لانا چاہتے تھے تاکہ اس کے
اس کی بے بسی کا نظارہ کر سکیں اور اُسے خاندانی روایات سے بغاوت کرنے کی سزا دے سکیں۔
ں اس کا انکار' اس کا شعور اور ذہنی برتری دونوں کے لئے چیلنج بن گئے تھے۔وہ ہر صورت
پا دکھانا چاہتے تھے۔اسے بتانا چاہتے تھے کہ بحیثیت ایک عورت کے تم دوسری لڑکیوں کی
'قیر چیونٹی کی سی اہمیت رکھتی ہو۔اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ ویسے شاید راحت مزاحمت کر کے
ان کے عزائم میں کامیاب نہ ہونے دیتی مگر اب جس قسم کی ڈرامائی سچویشن بن گئی تھی ایسے

میں سر جھکانے اور دل مارنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

O☆O

''ملک صاحب' آپ۔ اور ہمارے غریب خانے پر۔ زہے نصیب۔'' انیتا شادی
ڈیڑھ ماہ بعد اسلام آباد میں اپنے فلیٹ پر آئی تھی جو ملک دراب نے اسے اپنی داشتہ کے طو
میں دان کیا تھا۔ ہنی مون کی چھٹیوں کے بعد وہ جابر کے ساتھ ہی ساحر کی کنسٹرکشن کمپنی
پر جانے لگی تھی۔

''دیکھ لو۔ ہمارا کیسا دل کا رابطہ ہے۔ ادھر تم نے سسرال سے میکے میں قدم رنجہ فرما
پہنچ گئے۔''

ملک دراب قہقہہ لگاتے ہوئے ڈرائنگ روم کے صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا۔

''اور سناؤ جانِ من۔ کیسی گزر رہی ہے شادی کے بعد۔''

''آپ کے حکم کے مطابق پرندے کو اپنے حسن کے جال میں پھانس لیا اور گرہ مر
کرنے کے لئے شادی بھی کر لی۔ اب آگے فرمایئے کیا کرنا ہے بندی کو'' انیتا اُس کے
ڈرنک لے آئی۔

''پروجیکٹ کی ساری اہم فائلوں کی ترتیب اور دیکھ بھال اسی تمہارے سپر دائز
ذمے ہے۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اُس سے ہر فائل کی کاپی بنوا کر میرے بندوں
کرتی رہو۔ کام میں جس قدر بھی پیش رفت ہو' ہمیں اس کی مکمل رپورٹ چاہئے۔ اور
لو۔ کام آئیں گے۔ دوسرا اس سے تم اپنے میاں کو خوش کر کے کام نکلواتی رہو گی۔ ویسے
تمہیں بھی خوب آتا ہے۔ ہم آگاہ ہیں۔''

پچاس ہزار کی گڈی اس کی جھولی میں پھینکتے ہوئے ملک دراب نے معنی خیز نظروں
کا سراپا جانچا تھا۔

وہ جواباً مسکرا دی۔

''آپ مائی باپ ہیں' آقا ہیں' مالک ہیں۔ ہم ٹھہرے حکم کے غلام۔ اپنا آ
ہے' نہ ماں کا پتا ہے نہ باپ کا۔ کس شاخ کا ٹوٹا ہوا پتا ہیں' اس کی کچھ خبر نہیں ہے۔ اب ت
آپ کی وجہ سے ہی ہیں۔''

''نہ نہ۔ ارے بھئی' ہم تو تمہارے عاشق ہیں۔ تمہاری صلاحیتوں کے مداح ہیں اور کچھ نہیں
ں۔''

ملک دراب اُٹھ کر اُس کے قریب آیا اور اُسے اپنی بانہوں میں لے کر بے تکلفی کا ایک اظہار
کرنے کے بعد چھوڑ دیا۔

''اُسے اپنے حسن اور اپنی اداؤں کے جال میں اس طرح باندھ لو کہ صحیح اور غلط کی پہچان
بھول کر وہ ہمارے اشاروں پر ناچنے لگے۔ ہم اس کے ذریعے ساحر کے پراجیکٹ کو ناقابلِ تلافی
نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پیسے اور چاہئے ہوں تو کوٹھی کے فون نمبر پر کسی بھی بندے کو کہہ کر منگوا لینا۔

''ٹھیک ہے جناب۔''

انیتا ملک دراب کو رُخصت کرنے کے بعد اپنے بیڈروم میں آ گئی۔ شام کو جابر آفس سے
واپس پر اُس کی طرف آیا تو وہ سولہ سنگھار کئے حسن کے تمام تر اسلحے سے لیس ہو کر ادا و ناز کے
ساتھ اُس کے ہوش اُڑانے کے لئے موجود تھی۔ اُس نے بڑی پلاننگ کے ساتھ ڈھیرے
دھیرے اپنے وجود کے مدہوش کن لمس اور جلوؤں کے ہمراہ جابر کو اس کام کے لئے آمادہ کیا۔

نئے کرارے نوٹوں اور انیتا کے جسم کی خوشبو نے جابر کو پگھلا کے پانی بنا دیا۔

''ہمیں صرف اتنا کرنا ہوگا کہ کمپنی کی اہم فائلوں کی کاپی اُن تک پہنچانا ہے۔ ذرا سوچو جو
وہ پچاس ہزار کوڑیوں کے مول پھینک کے جا سکتا ہے۔ اُس سے مستقل سودے بازی کتنی فائدہ
مند ہوگی پھر تم اس گلے سڑے گندے سے محلّے سے نکل کر اس قابل ہو جاؤ گے کہ اسلام آباد جیسے
خوبصورت اور صاف ستھرے شہر میں اپنا بنگلا بنا سکو۔ تمہارے پاس زندگی کی ہر سہولت ہوگی۔ ترس
ترس کے جینا نہیں پڑے گا۔ جس چیز کی خواہش کرو گے' پلک جھپکتے میں تمہارے قدموں میں ہو
گی۔''

''اور جو ساحر ملک اور ایمان صاحب کو اس غداری کا پتا چل گیا۔''

جابر اتنی پُر آسائش زندگی کا سوچ کر خوابوں کی حسین راہ گزر پر چلنے لگا مگر دل میں انجانے
دھڑکے بھی تھے۔

''کیسے پتا چلے گا۔ ہم آفس کی تو کوئی چیز نہیں چُرائیں گے' صرف ان کی فوٹو کاپی کرائیں
گے۔ اور بالفرض محال خبر ہو بھی جائے تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا ناں کہ وہ ہمیں نوکری سے نکال

دیں گے۔ سو واٹ۔ اس وقت تک ہم اتنا کما چکے ہوں گے کہ ہمیں اس معمولی نوکری کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ دھڑکتے دل سے راضی ہو گیا۔ پھر اس پر نچھاور ہونے لگا۔

"تم حسین ہی نہیں' ذہین بھی ہو۔ مجھے فخر ہے کہ تم جیسی عورت میری بیوی ہے۔ تمہارے آنے سے میری زندگی میں ایک مکمل اور بھرپور خوشی آ گئی ہے۔ نہ صرف تمہیں دل و روح کو کرتا آتا ہے بلکہ تمہارے وجود کی برکت سے خوشحالی بھی دروازے پر دستک دینے لگی ہے۔"

O☆O

سکندر نے ایف اے کے امتحانات کے لئے بڑی محنت سے تیاری کی تھی۔ یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ ان دنوں ملک دراب ملکوال میں مصروف تھا اس لئے وہ سکون سے سارے پرچے دینے میں کامیاب ہو گیا۔ ورنہ وہ ضد میں ضرور کوئی نہ کوئی رُکاوٹ ڈالتا۔ وہ پرچے دینے کے لئے ملک دراب کی ایف ایٹ والی کوٹھی میں مقیم تھا جس دن آخری پرچہ دے کر آیا' ٹھیک اسی دن ملک دراب کا شہر آنا ہوا۔

"ہاں بھئی سکندر۔ کیا حالات ہیں۔ دے دیئے پرچے۔ اب ڈپٹی کمشنر کب بن رہے ہو" وہ حسبِ معمول طنزیہ انداز میں مخاطب تھا۔

سکندر سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ ایسے سوال کا جواب خاموشی ہی ہو سکتا تھا۔

"وہ ایک کام کہا تھا۔ وہ بھی نہ ہو سکا تم سے۔ کدھر گئی وہ چھوکری۔" دراب کا لہجہ سخت ہوتا گیا۔

"جی میری کوشش جاری ہے۔" وہ بمشکل خود کو جواب دینے پر آمادہ کر پایا۔ "جہاں تک اندازہ ہے وہ یہ شہر چھوڑ چکی ہے۔ غالباً کسی رشتے دار کے ہاں قیام پذیر ہے۔"

"وہ جہاں بھی ہے' اس کا کھوج لگاؤ۔ سالی بچ کر کہاں جائے گی۔ میں ذرا کام سے جا رہا ہوں۔ شیرے سے کہو گاڑی نکالے۔" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میرے لئے کیا حکم ہے۔ ملک آباد جاؤں یا ملکوال؟"

"فی الحال ملکوال جاؤ۔ گنے کے ٹرک یہاں بھجوانے ہیں۔ تم جا کر دو تین دن بندوبست کر لو۔"

سکندر اس کے حکم پر ملکوال روانہ ہو گیا۔ حویلی میں اس کی مڈبھیڑ صائمہ سے ہوئی تو اُس کے خطرناک تیور دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا۔

"تم اُس دن میرے اجازت کے بغیر کمرے سے باہر کیوں بھاگے تھے۔" وہ سخت طیش میں تھی۔

"صائمہ بی بی۔ میرا ایک مشورہ آپ کے لئے۔" سکندر آنکھیں جھکا کر دبے لہجے میں گویا ہوا۔ "آپ بڑی اماں سے کہلوا کر فہد ملک کو واپس بلوالیں یا اُن کے پاس چلی جائیں۔ آپ کے تمام مسائل اور پریشانیوں کا واحد حل یہی ہے۔ اور یہ مشورہ میں نہایت خلوص سے دے رہا ہوں۔ یوں بھی میاں بیوی میں اس طرح کی طویل دوریاں بہت سے مسائل کھڑے کر دیتی ہیں۔ آپ دونوں کے لئے اسی میں بھلائی ہے۔"

"ہونہہ کہہ تو یوں رہے ہو' جیسے یہ سب کچھ بہت آسان ہے" وہ چیخ کر رہ گئی۔

سکندر ایک ترحم بھری نگاہ اس پر ڈال کر رہ گیا۔ وہ اس کی ہسٹریائی کیفیات کے وجوہات سے کافی حد تک آگاہ تھا۔ تین سال ہو گئے تھے اس شادی کو۔ شہریار کا بھائی فہد شادی کے ابتدائی تین ماہ گزار کر امریکہ پڑھنے کے لئے چلا گیا تھا۔ دوبارہ چکر نہیں لگایا تھا۔ بیوی یہاں سلگ رہی تھی۔ انتظار کی سولی پر لٹکتے ہوئے ایک طویل عرصہ گزار دیا تھا' اب صبر وضبط کے پتھر پگھلنے لگے تھے۔ سکندر ڈرتا تھا کہ کہیں یہ صورت حال ایک خوفناک تباہی کو جنم دینے کا سبب نہ بن جائے۔ وہ اپنے طور پر مقدور بھر اُس کا سامنا کرنے سے بچتا تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ یہ بات کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ کہتے' ہمارا معاملہ ہے' تمہیں کیا جب ہمارا جی چاہے گا' ہم اپنے بیٹے کو وطن واپس بلوالیں گے' تمہارا اِن معاملات میں کیا لین دین ہے۔

"تمہیں آج رات کو میرے کمرے میں آنا ہے۔ سنا تم نے۔"

سکندر تھرا کر رہ گیا۔

"آپ ہوش میں تو ہیں صائمہ بی بی۔" وہ بھنچے بھنچے لہجے میں غرایا۔

"ہاں۔ ہوش میں ہوں۔ بے ہوشی کی چادر تو اس حویلی کے بڑے بزرگوں نے اوڑھ رکھی ہے۔" وہ آتش بنی ہوئی تھی۔

"آپ کے لئے بہتر یہی ہوگا کہ اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں۔"

''اگر تم آج رات نہ آئے تو میں کل ساری حویلی میں مشہور کردوں گی کہ یہ آفر تم نے مجھ
تھی۔تم نے مجھے اپنے کمرے میں بلانے کی دعوت دی تھی۔''

''کیا؟'' سکندر کے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا۔ صائمہ نہایت خونخوار انداز میں اُس کی طر
دیکھ رہی تھی۔

❁❁❁

صائمہ اندر چلی گئی تھی۔

مگر سکندر پتھر کا مجسمہ بنا گویا زمین میں نصب ہوگیا تھا۔

کانوں کے اطراف تیز سیٹیاں گونج رہی تھیں۔

یہ ایک ایسا مسئلہ تھا کہ وہ حویلی کے کسی بندے سے بھی ڈسکس نہیں کرسکتا تھا۔

پھر سوچ نے ایک لائحہ عمل سمجھایا۔

شہریال ملک۔

یقیناً وہی واحد ہستی تھی جو حالات کا غیر جانبداری سے جائزہ لے کر کوئی معقول حل نکال سکتی
تھی۔

اُس نے سوچ لیا' وہ ملک آباد جائے گا اور شہریال سے مشورہ کرے گا۔

مگر آج ابھی کی صورت حال کو کس طرح سنبھالا جائے۔

وہ دماغ پر زور ڈالتے ہوئے کوئی ترکیب ڈھونڈ رہا تھا کہ خدا نے اُس کی مشکل دور کرنے
لئے فتح محمد ڈرائیور کو بھیج دیا۔

''دو راتوں کا جاگا ہوا ہوں۔ تیسرے دن بھی وہی کھجل خواری۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا کوریڈور
گزر رہا تھا۔

"کیا زندگی ہے نوکر و چارے کی بھی۔ حکم کا غلام۔ جدھر مالک کا حکم ہو' چل پڑتا ہے
کے بیل کی طرح۔"

"کیا ہوا بھائی فتح محمد؟" سکندر کے بلادے پر کندھے پر رکھا بوسیدہ سا پٹکا اس نے .
کر دوسرے کندھے پر ڈال دیا۔

"کیا بتاؤں سکندر باؤ۔ ملک آباد جانا ہے' فروٹ کی پیٹیاں لے کر۔ ملک صا
ابھی روانہ ہونے کو کہا ہے۔ جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔ جانے کی ہمت نہیں ہو رہی۔"

"تم آرام کر لو۔ میں تمہاری جگہ چلا جاتا ہوں۔" اس کے لئے تو جیسے بلّی کے بھاگوں
ٹوٹا تھا۔

"تم......" فتح محمد کی آنکھوں میں چمک دوڑنے لگی "یہ تو بڑا احسان ہو گا تمہارا۔"

"احسان کیسا۔ مجھے ویسے بھی ملک آباد جانا تھا۔ لاؤ چابی دو۔ اور ہاں' اندر بتا
والوں کو کہ تمہاری جگہ میں جا رہا ہوں۔ شاید صائمہ بی بی مجھے کسی کام سے بلائیں۔ انہیں بتا
مجھے ملک صاحب نے کام سے بھیجا ہے۔"

وہ چابی لے کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

جان بچنے پر شکر مناتا ہوا وہ ملک آباد روانہ ہو گیا۔

صبح کے چھ بجے تقریباً منہ اندھیرے وہ ملک آباد کی حدود میں داخل ہوا تھا۔ فاطمہ ک
کھٹر پٹر کر رہی تھی۔ اُس نے خوش دلی سے سکندر کا استقبال کیا۔ سکندر کی کم گوئی اور دھیمی
طبیعت کے باعث ملک خاندان کے نوکر اُس کو پسند کرتے تھے اور لحاظ سے پیش آتے تھے
اس کا درجہ بھی نوکروں کا ہی تھا مگر خون کا کچھ اثر تھا۔ وہ نوکروں کے جمگھٹے میں الگ تھلگ
نظر آتا تھا۔

"شہریال بی بی اٹھ گئی ہیں فاطمہ؟"

"ہاں جی' نماز پڑھ کے باہر باغ میں گھوم رہی ہیں۔ اُن کے لئے چائے بنائی
دینے جا رہی ہوں۔ تم بھی پیو گے؟"

"ہاں مگر ابھی نہیں۔ ابھی مجھے ایک ضروری کام ہے۔ میں خود ہی بنا لوں گا فارغ ہو کر
وہ اندر مردانے حصے میں گیا اور منہ ہاتھ دھونے کے بعد باغ میں آ گیا۔ شہریال کو

سیاہ پرنٹ کے کپڑوں میں ہاتھ میں کپ لئے ننگے پاؤں سبز ہموار گھاس پر ٹہل رہی تھی۔ وہ
آپ میں مگن کچھ سوچ رہی تھی۔

سبز آنچل کا ایک کونا چلتے ہوئے مخملیں گھاس کو چھو جاتا تھا۔

سکندر کی تشنہ نظروں نے بڑی بے قراری اور شوق و دلچسپی سے اُس کے سراپے کا احاطہ کیا

کچھ لوگوں کو دیکھ کر زندگی اور روشنی کا احساس ملتا ہے۔

اس بات کا یقین حاصل ہوتا ہے کہ رنگ اور خوشبوئیں سچ مچ کائنات میں ایک ٹھوس وجود
ی ہیں۔

اس سے ملنا زندگی سے ملنا تھا۔

اسے دیکھنا صبح طلوع ہونے کی نوید تھی۔

اس کو سننا زندگی کے ساز و آہنگ کی گویائی کا یقین حاصل کرنا تھا۔ وہ اس کا تصور کرتا تو اسے
آپ قیمتی اور اہم لگنے لگتا۔ اپنے تخیل کی قوت پر پیار آتا جس کی مدد سے وہ اس کی تصویر کو دل
تار سکتا تھا۔

پھول' خوشبو کو ہوا میں ذرا گہرا لکھنا
سات رنگوں میں کبھی اس کا سراپا لکھنا
تتلیاں رنگ لئے پھرتی ہیں چاروں جانب
کتنا مشکل ہے بہاروں کا قصیدہ لکھنا
چاندنی رات میں یوں سوچتے رہنا اس کو
چاند اشکوں میں بھگو کر اسے پیارا لکھنا

"السلام علیکم۔" وہ اس کے قریب جا کر دھڑکتے دل سے گویا ہوا۔

"وعلیکم السلام۔" وہ اپنی دھن میں واپس مڑی تو اسے سامنے پا کر قدرے حیران ہو گئی "تم
آئے؟"

"جی ابھی تھوڑی دیر پہلے۔ دراصل مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔" وہ سنجیدہ

''ایک نہیں دو کرو مگر یہاں نہیں۔'' وہ خوشدلی سے مسکرائی۔

''میں ابھی باہر ٹہلنے کے لئے نکل رہی تھی۔ بڑی اچھی ہوا چل رہی ہے۔ آ جاؤ تم بھی'' دوپٹہ سنبھال کر کیاری کے پاس پڑے جوتے پہننے لگی۔

سکندر کچھ ہچکچا کر بالآخر اس کے پیچھے چل پڑا۔

چلتے چلتے وہ آبادی سے کافی دور نکل آئے۔

''اچھا لگ رہا ہے ناں؟'' شہریال نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا۔

سکندر سحر زدہ سا اُس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔

جن لمحوں کے وہ خواب دیکھ دیکھ کے نہ تھکتا تھا' ان کی تعبیر پا کے کیونکر نہ حواس کھوتا' خوش ہوتا۔ اس کا ساتھ تھا' فطرت کی تازگی اور نرم روی تھی اور تنہائی۔ قدرت کی اس فیاضی سرتاپا نہال ہو گیا تھا۔ اتنا کہ اپنا حقیقی مقصد بھی بھولنے لگا۔

''کہاں گم ہو سکندر؟''

وہ چونک کر سوچوں کے گرداب سے باہر آیا تھا۔

''جی۔ جی ہاں' بہت اچھا لگ رہا ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ......'' وہ ایک دم کہتے چپ ہو گیا ورنہ کہنے لگا تھا کہ اس کی وجہ آپ کی یہاں موجودگی ہے جس نے نظاروں کو رنگ بخشے ہیں۔

''ہاں کہو۔'' شہریال اس کی ہچکچاہٹ محسوس کر کے بغور اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''کچھ نہیں۔'' وہ بات ٹال گیا پھر سنجیدہ ہو گیا۔

''شہریال بی بی! مجھے آپ سے آپ کی بھابی صائمہ بی بی کے متعلق بات کرنا ہے۔''

وہ نظریں پھیرتے آسمان سے ابھرنے والی لالی کو دیکھ رہا تھا۔ لہجہ بہت دھیما تھا۔

شہریال یک لخت ساری حسیات سمیت اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''یہ بہتر ہو گا کہ آپ اپنے بھائی ملک فہد کو امریکہ سے واپس بلوا لیں یا پھر صائمہ بی بی کے پاس بھجوا دیں۔''

''دونوں میں سے فی الحال ایک بات بھی ممکن نہیں ہے۔ فہد کا ابھی ایک سال مزید پڑھائی کا۔ نہ وہ آ سکتا ہے اور نہ اس دوران صائمہ کو وہاں بھیجا جا سکتا ہے کہ اس طرح وہ

ہو گا۔ دوسرے ملک بابا بھی صائمہ کو اتنی دور بھجوانے پر رضامند نہیں ہوں گے۔ اُن کی روایات تو تم بھی طرح جانتے ہو گے۔''

''مگر یہ روایات کسی کی جان' عزت و آبرو اور بقا سے زیادہ اہم نہیں ہیں۔'' وہ زور دے کر بولا۔

''صاف صاف کہو' کیا کہنا چاہتے ہو۔'' وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''مجھے مناسب الفاظ نہیں مل رہے۔'' وہ اس یک طرف سے پشت کئے کھڑا تھا۔

''تو اشارتاً ہی کہہ ڈالو۔'' اب تو شہریال کو بھی تجسس ہو رہا تھا۔

''صائمہ بی بی جوان ہیں' شادی شدہ ہیں اور پھر تین سال کی مدت کم نہیں ہوتی۔ دیکھئے' شادی کا مطلب دو لوگوں کا مل کر ایک نئی زندگی کی بنیاد ڈالنا ہے۔ اکیلا شخص تو تماشا بن کے رہ جاتا ہے۔ صائمہ بی بی کے ساتھ شادی کے نام پہ جو مذاق کیا گیا تھا وہ اب سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ آپ لوگ کیوں چاہتے ہیں کہ وہ غلط راستہ اختیار کریں۔ کیوں ان کو جائز و حلال طریقے چھوڑ کر ناجائز اور گناہ آلود زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رہے ہیں؟ جو کچھ وہ چاہتی ہیں' وہ بحیثیت انسان اُن کا فطری حق ہے اور جسے ذمے دار ٹھہرایا گیا ہے اس پر حق دار کے حقوق کی ادائیگی واجب ہے۔ یوں خلا میں لٹکا کر ان کے جذبات سے کھیلنا سراسر ناانصافی ہے۔''

سکندر دونوں ہاتھ سینے پر باندھے رخ موڑے آسمان کی وسعتوں پہ نگاہ جمائے ہوئے تھا۔

شہریال گم صم ہو گئی۔

''میں تمہاری بات سمجھ گئی ہوں۔'' کافی دیر بعد وہ گہری سانس لے کر گویا ہوئی۔

''مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس معاملے میں میرا کوئی اختیار نہیں۔ فہد میرے کہنے میں نہیں ہے کہ ایک بلاوے پر دوڑا چلا آئے گا۔ دوسرے صائمہ سے شادی اس کی مرضی کے بغیر ہوئی تھی۔ محض بڑوں کا مان رکھنے کو اس نے ملک بابا کے حکم پر سر جھکایا تھا۔ اندر سے وہ راضی نہیں تھا اسی لئے سٹڈیز کے لئے اکیلا باہر چلا گیا۔ ملک بابا کو اس کے واپس نہ آنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور نہ ہو گا۔ جو فرض تھا' سو پورا ہو گیا۔ کوئی اس تماشے کے پیچھے ساری عمر سلگتا رہے اُن کی بلا سے۔ ویسے میں ملک بابا سے بات کروں گی کہ وہ فہد کو واپس آنے کو کہیں۔''

''مجھے آپ کے ساتھ اس طرح کے معاملات میں بات کرنا اچھا تو نہیں لگ رہا مگر مجبوری

ہے۔'' سکندر ہچکچاتی ہوئی نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کل کو کوئی بڑا فتنہ بھی جاگ سکتا ہے اس لئے ابھی سے محتاط ہونا لازمی ہے' وہ صا،
بی بی......'' سکندر کی نظریں جھک گئیں۔

''ہاں کہو' چپ کیوں ہو گئے۔''

''اصل میں صائمہ بی بی جذباتی اشتعال کی حالت میں مجھ سے خفا ہو رہی تھیں۔''

''تم سے کیوں خفا ہو رہی تھیں؟''

''بس یونہی اول فول کہے چلی جا رہی تھیں۔ حویلی کا کوئی بندہ سن لیتا تو غضب ہو جاتا
آپ انہیں سمجھایئے کہ وہ اپنے آپ پر قابو رکھیں اور الٹے سیدھے خیالات دل سے نکال دیں
اس کے لئے بہتر ہے کہ نماز و تلاوت کی پابندی کریں اور نفلی روزے رکھیں۔ یہ باطنی پاکیزگ
حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔'' شہریار کچھ دیر تک ناسمجھی کی کیفیت میں اس کا جھکا ہوا چ
پڑھتی رہی مگر سمجھ میں آ جانے پر آہستگی سے رخ بدل لیا۔

''مائی گڈنیس۔''

''تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔''

اُسے سوچ کر ہی شرم آ رہی تھی۔ گویا سکندر کے روپ میں صائمہ بھابی نے اپنی جذبا
ناآسودگی کی تکمیل کا مرکز ڈھونڈ لیا تھا۔

چھی چھی!

''انہوں نے ڈھکے چھپے انداز میں مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے اُن کے تقاضے پو
نہ کئے تو وہ مجھ پر حویلی کی عزت پر حملہ کرنے کا الزام دھر کر سب کے سامنے ذلیل و خوار کریں گی
اب آپ خود ہی حساب کر لیجئے کہ خاوند کی طویل عدم موجودگی بیوی کے جذبات کو کس نہج پہ
آتی ہے۔ ٹھیک ہے' صبر کرنے والیاں صبر بھی کرتی ہیں مگر ان کی تعداد کتنی ہوگی اور صبر بھی کس
حد تک کیا جا سکتا ہے۔ آپ ڈاکٹر ہیں' مسیحا ہیں' آپ صائمہ بی بی کی اس صورت حال سے باہر
میں مدد کریں۔ ان کی دلجوئی کریں اور حوصلہ دلائیں۔ ان کے احساسات کو سمجھتے ہوئے انہیں
کنارے پہنچائیں اور جلد از جلد میاں بیوی کے درمیان کھنچی اس جدائی کی لکیر کو ختم کرنے کی کو
کریں۔ یقین کریں' یہ ثواب کا کام ہے۔ وہ اپنی جگہ بے بس اور لاچار ہیں' ان کی مدد اور ہمدر

کرنا ہمارا فرض ہے۔''

''تم کتنا اچھا بولتے اور سوچتے ہو۔''

شہریار کی نظروں میں تحسین امڈ آئی۔

سکندر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمایاں ہو گئی تھی۔

محبوب ہستی کے ستائشی الفاظ گویا سونے چاندی کے حروف سے قیمتی لگتے ہیں۔

O☆O

''مہرینہ' تمہیں بڑی اماں بلا رہی ہیں۔ وہ ابھی ابھی ملکوال سے آئی ہیں۔'' کومل بھابی نے
ازے پر دستک دے کر اطلاع دی تھی۔

''میں اس وقت نیل پالش لگا رہی ہوں۔ بہت مصروف ہوں' فارغ ہو گئی تو مل لوں گی۔''

مہرینہ مسہری پہ بیٹھی انہماک سے پاؤں پہ نیل پالش لگا رہی تھی۔ اس نے کومل کے اندر آنے
سر اٹھا کر دیکھنے کی زحمت بھی نہ کی تھی۔

کومل اُس کے ٹکا توڑ جواب پر آنکھیں پھاڑے اُس کی صورت دیکھتی رہ گئی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟''

کومل بحرِ تحیر میں غوطہ زن تھی۔

''ہاں۔ غالباً میں نے یہی کہا ہے کہ میں ملکہ عالیہ کی خدمت میں پیش ہونے سے لاچار
ں۔''

اُس کی لاپروائی قابلِ دید تھی۔

''بُرا مت ماننا۔ تم اس طرح کے لب و لہجے اور انداز و حرکات سے بہت نقصان اٹھاؤ گی۔
تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ تمہاری ہی طرح اور تمہارے جیسے ''عہدے'' کی حامل عورت ہوں۔
خاندان میں اپنے آپ کو ضم کرنے اور جگہ بنانے کے لئے کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے' یہ
اچھی طرح جانتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں' دوستانہ انداز میں وہ طریقے تمہارے گوش گزار کر
ں۔ میری طرح تم بھی غیر خاندان سے ہو۔ تمہیں سعود کی پسند کی وجہ سے ملک ہاؤس میں مقام
، اور تم......''

''ایک منٹ۔'' مہرینہ نے ہاتھ اٹھا کر دلآویزی سے اسے روک دیا۔

"آپ آداب غلامی کے یہ نکات اپنے پاس سنبھال کر رکھیں۔ شاید اگلی آنے والی بہو کے کام آ جائیں' میرے لئے ان میں کوئی کشش نہیں ہے۔"

"تم سمجھتی نہیں ہو مہرینہ۔ ابھی نئی نئی ہو اور......"

کومل نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر مہرینہ نے ایک بار پھر اس کے الفاظ کاٹ دیئے۔

"میری فکر نہ کریں' مائی ڈیر کومل بھابی۔ میں اب اتنی بھی نئی نہیں رہی' دو ماہ ہونے والے ہیں اور میں نے سب کے طور طریقے جاننے کے بعد ہی یہ انداز اپنایا ہے کیونکہ میرے خیال میں اس گھر کی بہو ہونے کے ناتے مجھ پہ یہی انداز سوٹ کرتا ہے۔ آپ خواہ مخواہ اپنا ذہن نہ کھپائیں میں اپنے معاملات خود ہینڈل کر سکتی ہوں۔"

وہ پھونک مار کر نیل پالش سکھانے لگی۔ انداز حد درجہ خودسر اور سرکش تھا۔ کومل پریشان نظروں سے اُس کی صورت دیکھ رہی تھی۔

"میں بڑی اماں سے کیا کہوں۔ اُن کے یا ملک بابا کے بلاوے پر کسی کی جرأت نہیں ہوتی کہ انکار کہلا بھیجے' بہتر ہوتا اگر تم جا کر اُن سے مل لیتیں۔"

کومل اس کی بھلائی چاہتی تھی اس لئے ابھی بھی دبے انداز میں سمجھا بجھا کر ہمراہ لے جانے کی سعی کر رہی تھی۔ وہ بے چاری صلح جو' امن پسند اور ہمدرد فطرت لڑکی تھی۔ اسے یہ اچھا نہیں لگتا تھا کہ کسی وجہ سے گھر میں سرکشی و اختلاف پھیلے اور گھر کا سکون تباہ و برباد ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو سب اچھا کرنے اور دکھانے کے لئے خود پر زیادتی بھی چپ چاپ برداشت کر جاتے ہیں ان کے زیر نظر صرف باہمی امن وسلامتی ہوتی ہے۔ ذاتی تکالیف کو وہ فراخدلی سے بھلا دیتے ہیں

"میں نے کہا نا' میں نہیں جاؤں گی۔" وہ بدتمیزی سے بولی۔

کومل ہونٹ بھینچ کر باہر آ گئی۔

گھر کی خواتین ہال کمرے میں جمع تھیں۔ بڑی اماں' آپا بیگم اور عذرا اسے اکیلا آتے دیکھ کر پریشان سی ہو گئیں۔

"بہو رانی نہیں آئیں؟" آپا بیگم کے ماتھے پر تیوریاں پڑ گئیں۔ لہجہ تلخ تھا' وہ یوں بھی مہرینہ کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر اُس سے متنفر ہو چکی تھیں۔

"وہ اصل میں......" کومل کو بڑی اماں کے سامنے مہرینہ کے الفاظ دُہرانے میں دقت پیش آ رہی تھی۔

"وہ کچھ مصروف ہے اس لئے۔"

"مصروف؟" آپا بیگم کو پتنگے لگ گئے "کون سی ایسی 'شاہانہ مصروفیت' ہے جس نے بنو رانی کو بزرگوں سے سلام دعا کی روایت بھی بھلا دی۔"

"میں دیکھتی ہوں۔" عذرا گھبرا کر اٹھیں۔ آخر اُن کی "سگی" بہو تھی۔ بڑی اماں کا عتاب اُن کی طرف بھی نازل ہو سکتا تھا۔

"رہنے دو چھوٹی بہو۔" بڑی اماں کی پُر جلال آواز نے اُن کے قدم جکڑ لئے تھے۔

"کوئی اُسے بلانے نہیں جائے گا۔ وہ خود آئے گی' اپنے قدموں پر چل کے۔ نسرین۔"

بڑی اماں کی آواز سنتے ہی کونے میں دبکی مینٹل پیس کی صفائی کرتی نسرین دوڑ کر پاس آئی تھی۔

"جی مالکن۔"

"جا اور مہرینہ بی بی سے کہہ کہ ہم نے تمہیں اُس کو یہاں تک لانے کے لئے بھیجا ہے۔ وہ جس حال میں بھی ہو ہم تک پہنچ جائے۔"

اُن کی پاٹ دار آواز ابھری۔ نسرین فوراً اُڑن چھو ہو گئی۔

ہال میں گمبھیر سناٹا طاری ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد مہرینہ پیر پٹختی اندر آئی اور بغیر سلام دُعا کے ان کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔

"یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے چھوکری تم نے۔ میں نے سنا ہے' آتے ہی من مانی شروع کر دی ہے۔ کیا تمہاری ماں نے تمہیں چھوٹے بڑے کا لحاظ نہیں سکھایا؟ کوئی ادب تمیز نہیں بتائی۔"

بڑی اماں اُس کے خودسر انداز پر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھیں۔

"میں نے چھوٹے بڑے کا لحاظ اور ادب تمیز اپنی ماں سے نہیں' اپنے باپ دادا سے سیکھا ہے۔"

وہ دیدہ دلیری سے اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی تھی۔

بڑی اماں کا اشتعال عروج پر پہنچ گیا۔

"تمہارے باپ دادا نے تمہیں یہی تربیت دی ہے کیا؟" وہ طنزیہ بولیں۔

"ہاں۔" اس کا اطمینان قابلِ دید تھا" اور میں یہی تربیت انہیں عملی مظاہرے کی شکل میں واپس لوٹا رہی ہوں۔"

مہرینہ کا لب و لہجہ معنی خیز تھا۔

"تمہارا میاں یونیورسٹی کے امتحان کے لئے مہینے بھر کے لئے لندن گیا ہوا ہے اور اُس کے پیچھے تم نے یہ چاند چڑھائے ہیں۔ اس درجہ نافرمان اور بدزبان لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ جب تمہیں تمہاری بڑی ساس (آپا بیگم) نے وقت بے وقت باہر نکلنے سے منع کیا تو تم نے اس بات پر عمل کیوں نہیں کیا۔"

"کیونکہ میں کسی کی پابند نہیں ہوں۔" وہ دوپٹے کا پلو انگلیوں پر لپیٹتے ہوئے اپنے اس بے ضرر شغل سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔

بڑی اماں آگ بگولہ ہو گئیں۔

"میں آج کل ڈرائیونگ سیکھ رہی ہوں' اپنے میاں کی گفٹ کی گئی مارگلہ پر۔ میں نے "ان" سے بات کر لی ہے۔"

"کیا ضرورت ہے' ڈرائیونگ سیکھنے کی۔ ڈرائیوروں کی فوج کس لئے ہے۔" آپا بیگم بھی چیں بہ چیں ہو کر بولیں۔

"میں خود گاڑی ڈرائیو کر کے کالج جایا کروں گی۔ میں نے سعود سے پوچھ لیا تھا۔"

سعود کا حوالہ اتنا مضبوط تھا کہ آپا بیگم سوائے تلملانے کے اور کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں اس لئے انہوں نے مہرینہ کو سدھارنے کے لئے بڑی اماں کو ملکوال سے آنے کی زحمت دی تھی۔

مہرینہ نے اب پوری طرح پر پُرزے نکال لئے تھے۔

سعود کا ساتھ شادی کے پندرہ بیس دن بعد تک ہی رہا تھا پھر اُسے آکسفورڈ یونیورسٹی میں اپنے فائنل پیپرز کے لئے لندن روانہ ہونا پڑا تھا۔ جو دن ساتھ گزرے' وہ دوری' تلخی اور اجنبیت سے لبریز تھے۔ مہرینہ نے اس بُری طرح اس کی پیش قدمی پر مزاحمت کی تھی کہ سعود کے لئے مز اپنی انا کو ٹھیس پہنچانا ممکن نہ رہا سو اس نے اس سے توقع ختم کر لی اور اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیا مہرینہ نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ساتھ گزارے گئے لمحوں میں کسی وقت کچھ مہرا

اور نرم پڑ کر اپنے مطالبات منظور کروا لئے تھے۔

سعود کو اس کی خوشی عزیز تھی۔ اسے روپے پیسے سے کیا غرض تھی' سو مہرینہ کی فرمائش پر اُس نے وہ دو پلاٹ جو اُس کے والد نے بیٹے کے نام سے خرید کر گفٹ کئے تھے' مہرینہ کے نام کر دیئے تھے۔

سعود لندن روانہ ہوا تو مہرینہ کو کھل کھیلنے کا بھرپور موقع مل گیا۔ سعود کی موجودگی اور چوبیس گھنٹے سر پر سوار رہنے کی مجبوری سے چھٹکارا مل گیا۔ سعود کا سامنا اُسے کوفت میں مبتلا کر دیتا تھا۔

یوں لگتا تھا' جیسے پرانے زخم پھر سے ہرے ہو گئے ہوں۔

وہ گیا تو اسے بیڈ روم میں احساسِ تنہائی کو آزادی سے انجوائے کرنے کا ذریعہ مل گیا۔ اب وہ بے فکر ہو کر اپنی مرضی سے اٹھ بیٹھ اور سو سکتی تھی۔ منصوبے بنا سکتی تھی' ان پر عملدرآمد کے لئے تراکیب لڑا سکتی تھی۔

اُس نے یاسمین بیگم کی ہدایت کے عین مطابق کچن اور دیگر گھریلو امور میں الجھنے کی چنداں زحمت نہیں کی تھی جب ڈیڑھ ماہ گزر گیا اور شادی کے بعد دعوتوں کا سلسلہ مکمل طور پر ختم ہو گیا تو آپا بیگم نے دبے لہجے میں اُسے ان کاموں میں دلچسپی لینے کا اشارہ دیا تھا۔

"چھوٹی بہو' تم رات کے کھانے کے لئے خانساماں اور نسرین کو اپنی مرضی اور سب کی پسند کو مدِنظر رکھ کر مینو بنا دیا کرو۔ نوکروں سے کام لینا بھی ایک دردسری ہے۔ یہ بھی اپنی جگہ ایک کام ہے۔"

"آپ کیوں چاہتی ہیں کہ یہ دردسری میں اپنے ذمے لے لوں۔" وہ دوٹوک بولی تھی۔

"یوں بھی مجھے گھر کے کاموں سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے۔ میں یہ ذمے داری نہیں اٹھا سکتی۔" اس کے صاف انکار پر آپا بیگم اس کی صورت دیکھتی رہ گئی تھیں۔

یہی نہیں مہرینہ نے بعد میں ثابت کر کے بھی دکھا دیا کہ اسے گھریلو معاملات سے قطعی سروکار نہیں ہے۔

وہ اپنا زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزارنے لگی۔ کالج سے واپس آتی تو ڈرائیور کو ساتھ لے کر ڈرائیونگ سیکھنے چل دیتی۔ رات کو کھانے کے ٹائم گھر پہنچتی تو بے نیازی سے کھانا اپنے کمرے میں منگوا کر کھانے کے بعد وہ بیڈ روم میں رکھے کمپیوٹر' ٹی وی' وی سی آر یا ٹیلی فون سے دل بہلانے

لگتی۔ گھر والوں سے نہ اس کی بنی تھی اور نہ بنا کے رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یوں لگتا تھا' جیسے اس ملک ہاؤس کا حصہ ہی نہ ہو۔ الگ تھلگ اپنی تفریح اور تسکین میں لگی رہتی اور رات کو فرصت سے اپنے سارے دن کی کارگزاری یاسمین بیگم کے گوش گزار کرتی۔ وہ انہیں ہر رات باقاعدگی سے فون کرتی تھی۔ وہ اس کو شاباشی دینے کے ساتھ ساتھ نت نئے گُر بتاتیں۔ وہ اُن کی ہدایات کے مطابق عمل پیرا تھی۔

"میں یہاں آئی نہیں' لائی گئی ہوں لہٰذا وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔ جس کو اعتراض ہے' وہ سعود سے بات کرے۔"

"تمہیں یہ زبان درازی مہنگی پڑے گی چھوکری۔" بڑی اماں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ کندھے اچکا کر بولی' "آپ مجھے واپس گھر بھجوا دیں۔ میں تو پہلے بھی اپنی مرضی سے نہیں آئی۔ دھمکی اور ڈراوے دے کر اٹھوائی گئی ہوں اپنی ماں کے گھر سے۔"

اُس کے ہونٹوں پر محظوظ مسکراہٹ جھلکنے لگی۔

وہ اُن کی بے بسی سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

گیند جس کے کورٹ میں ہو' اسی کو لائحہ عمل ترتیب دینا چاہئے۔ وہی فیصلہ کرے کہ کیا کرنا ہے اور کس طرح کھیل کو آگے بڑھانا ہے۔

آج یہ میرے آگے مجبور ہیں' میں کیوں فائدہ نہ اٹھاؤں ان کی مجبوری کا۔ انہوں نے بھی یہی کیا تھا۔

"تم جیسی لڑکی کو ہم خادمہ کے طور پر بھی منتخب نہیں کرتے مگر مجبوری یہ ہے کہ تم ہمارے سعود کی پسند ہو۔ تمہیں ملک فیملی کی بہو کا اعزاز دینا ہماری مجبوری ٹھہری۔"

بڑی اماں کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

"سن لو پروین۔ آج کے بعد ملک فیملی میں کوئی بہو باہر سے نہیں لائی جائے گی اور نا ہی اس کے لئے انتخاب کا حق صرف بزرگوں کے پاس ہو گا۔ سعود کے لئے پہلی اور آخری دفعہ خاندانی روایت توڑی گئی تھی' سو اس کا انجام دیکھ چکے۔ اب خواہ کوئی ملک خاندان سے ہمیشہ کے لئے الگ ہو جائے' ہم اس کی خاطر اپنی روایات کو نہیں بدلیں گے۔ بچوں کی شادی ہم طے کریں گے' اپنی مرضی اور پسند سے۔ یہ بات ملک ہاؤس کے ایک ایک فرد کو اچھی طرح سے بتا دی جائے

بعد میں کوئی یہ نہ کہے کہ ہم بے خبر تھے۔"

بڑی اماں کے دوٹوک اور حتمی انداز کے آگے باقی سب کے ساتھ ساتھ مہرینہ بھی لب بستہ رہ گئی تھی۔ وہ چاہنے کے باوجود مزید کچھ نہ بول سکی۔

"تم جا سکتی ہو۔" اُن کے رکھائی سے کہنے پر وہ بُرے بُرے منہ بناتی باہر چلی گئی۔

O☆O

"او بی بی صیب' گاڑی روکو۔ بریک مارو۔ ایک دم بریک مارو۔"

مہرینہ نے گاڑی گیٹ سے اندر کرتے ہوئے راستے میں آئے تین چار گملے توڑ دیئے تھے۔

"بریک ہی تو مار رہی ہوں۔ اب نہیں لگ رہی تو میں کیا کروں۔" اس نے جھنجلاہٹ اور گھبراہٹ کے عالم میں بریک کے بجائے ایکسی لیٹر پر پاؤں رکھ دیا۔ گاڑی پوری قوت سے سفید ماربل کے ستون سے ٹکرائی۔ گاڑی سائیڈ سے بری طرح پچک گئی تھی۔ بمپر ٹوٹ کر زمین پر آ رہا۔ وہ بمشکل گاڑی بند کر کے باہر نکلی تھی۔

شور شرابا سن کر اندر سے دو تین ملازمین دوڑ پڑے تھے۔ ان کے پیچھے براؤن پینٹ کوٹ میں ملبوس سعود کو آتے دیکھ کر مہرینہ کو خاصا اچنبھا ہوا۔ گویا وہ لندن سے واپس آ گیا تھا۔

"کیا ہوا' تم ٹھیک تو ہو رینو۔" وہ تیزی سے اُس کے قریب آیا اور ملازمین کی پروا نہ کرتے ہوئے اُسے بازوؤں سے تھام کر سہارا دیا۔

"میں تو ٹھیک ہوں البتہ گاڑی تباہ ہو گئی۔"

وہ اس کا بازو ہٹا کر اپنے کپڑے جھاڑنے لگی۔

"گاڑی جائے جہنم میں' وہ تو دوسری بھی آ جائے گی۔ تمہیں کچھ نہیں ہونا چاہئے۔ چلو آؤ اندر۔ نسرین بیگم صاحبہ کے لئے کوئی جوس لاؤ' فافٹ۔"

"ابھی تمہیں ٹھیک طرح سے گاڑی چلانی نہیں آئی ہے۔ اس طرح مت لے کے نکلا کرو۔ پہلے اچھی طرح سیکھ لو۔" آپا بیگم بولیں۔

وہ شور و غوغا سن کر باہر آ گئی تھیں اور اب ستون کے پاس کھڑی جلتے کڑھتے سعود کی نازبرداریوں کا نظارہ کر رہی تھیں۔

مصیبت تو یہ تھی کہ بہو بیگم سعود کی لاڈلی تھیں۔ اور سعود ٹھہرا آپا بیگم کا لاڈلا لہٰذا براہ راست
کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ نہ صاف صاف منع کر سکتی تھیں۔

نئے ماڈل کی مرگلہ گاڑی تباہ شدہ حالت میں پورچ میں کھڑی تھی۔ نقصان اچھا خاصا ہوا تھا
مہرینہ کو یہ بات کون جتلاتا۔

جونہی کوئی اس کے خلاف بات کرتا تھا' سعود ناراض ہو جاتا تھا۔ وہ اس کے خلاف ایک
سننا گوارا نہیں کرتا تھا۔ اس لئے مارے باندھے سب کو زبانیں بند رکھنا پڑتیں۔

''آپ کب آئے؟''

وہ دونوں بیڈروم میں پہنچ چکے تھے۔

''ایک گھنٹہ پہلے۔ میں نے تمہیں پرسوں فون کر کے واپسی کا دن بتایا تو تھا۔''

سعود اطمینان کے ساتھ اُس کے سراپے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُس کی نظروں میں شوق
بے قراری تھی۔ اس کی تمام تر کج ادائیاں بھی اسے اس سے متنفر نہ کر سکی تھیں۔ لندن میں قیام
دوران اُس نے اسے بے حد مس کیا تھا۔

شاید محب اور محبوب کے درمیان کشش کا سلسلہ الٹا چلتا ہے۔ محبوب جتنا سنگدل اور ستم گر
بنتا جاتا ہے محب اتنا ہی زیادہ اس کی طرف کھنچتا چلا آتا ہے۔ ظالم محبوب محبت کو اور زیادہ بے
بے تاب کر دیتا ہے۔

''میں بھول گئی۔'' وہ لاپرواہی سے سر جھٹک کر بولی۔

''یہ تو حسن والوں کا شیوہ ہے۔'' سعود والہانہ اس کی طرف بڑھا۔ ''ستانا' ترسانا'
رلانا اور شیوہ عشق یہ ہے کہ حُسن کے تمام تر مظالم کو فراخدلی سے برداشت کرے' اُ
کرے۔ جو بھی مزاج یار میں آئے۔''

سعود نے قریب آ کر اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا اور اس کی سیاہ گھنی زلفوں
سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔

''کیسے گزارے اتنے سارے دن' میرے بغیر؟''

''بہت چین اور سکون سے۔'' اس نے اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش میں جل کر
دیا۔

''مجھے یقین تھا۔'' سعود کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

''ویسے اتنی ظالم کیوں ہو تم۔ ہاں.....'' سعود نے اپنی گرفت مضبوط رکھتے ہوئے ایک ایسی
شرارت کی جس کا وہ حق رکھتا تھا۔ مہرینہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

''بدتمیزی مت کریں۔ چھوڑیں مجھے۔'' وہ دانت پیستے ہوئے اُسے گھور رہی تھی۔

''ہوناں ظالم۔ اتنی مدتوں بعد دیدار نصیب ہوا ہے' اس پیارے سے چہرے کا جو ہمیں
رات دن بے قرار رکھتا ہے۔ اتنی صدیوں کی بے قراری کے بعد لمس نصیب ہوا ہے' اس وجود کا
اُس کے روئیں روئیں کو پیار کرنے کو جی چاہتا ہے اور.....''

وہ اسے بانہوں میں قید کئے اس کے لمس اور خوشبو کو محسوس کرتا ہوا اور مدہوش ہوا جا رہا تھا۔

''ہاتھ ہٹائیں۔'' وہ اس درجہ سخت لہجے میں بولی کہ سعود کو اپنی گستاخیوں کا سلسلہ منقطع کرنا
پڑا۔ لامحالہ اُس نے اسے چھوڑ دیا۔

مہرینہ یوں بدک کر پرے ہوئی' جیسے کسی ناپسندیدہ اور مکروہ عمل سے نجات پائی ہو۔

''امی بتا رہی تھیں' تم نے بڑی اماں کے ساتھ بہت بدتمیزی کی۔'' وہ آئینے کے آگے
کھڑے ہو کر اپنے بال سنوارنے لگا' ''یہ تو اچھی بات نہیں ہے جان۔ وہ اس گھر کی بڑی ہیں اور ان
کا ادب لحاظ کرنا ہم سب پہ واجب ہے۔''

''وہ مجھے گھر سے نکالنے کی دھمکی دے رہی تھیں۔''

مہرینہ نے اطمینان سے جواب دیا۔

اور ردِعمل اس کی مرضی کے مطابق ہوا۔ سعود ایک دم برش چھوڑ کر سیدھا ہوا تھا۔

''کیا!''

''جی ہاں' ان کا فرمان ہے کہ میں ان کے لئے ایک ناپسندیدہ ہستی ہوں جسے اپنے سپوت
کی ضد سے مجبوراً بیاہ کر لانا پڑا۔ اگر ان کے احکامات پر نہ چلی تو وہ مجھے میکے بھجوا دیں گی۔ شاید
آپ سے طلاق وغیرہ کے کاغذات بھی سائن کروا لیں اور میرے ہاتھ تھما دیں۔''

وہ ایک انداز سے چلتی ہوئی مسہری پر بیٹھ گئی۔

تیلی دکھا کر تماشا دیکھنے کے لئے۔

سعود کا چہرہ تپ کر تانبا بن گیا۔

"واٹ آ نان سینس اٹ از۔ میں خود بات کروں گا ان سے۔ یہ کون سا طریقہ ہے"

وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"تم محسوس نہ کرو۔ کسی کی بات پر دھیان نہ دو اور جو کرنا چاہتی ہو کرو۔ تمہیں کون روکے گا۔"

مہرینہ مسہری سے اٹھ کر وارڈ روب کھول کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے پر فتح مسکراہٹ تھی۔ سعود بھی اٹھ گیا۔

"بس تم خفا نہ ہوا کرو۔ اور......" وہ جاتے جاتے شرارت سے اس کے پاس رکا۔

"اور کبھی کبھی اپنے حسن کی خیرات دیتی رہا کرو۔"

"اونہہ ......!" اس نے سر جھٹکا اور پیچھے ہٹ گئی۔

وہ ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔

مہرینہ نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر آہستگی سے ماں کا نمبر ملا لیا۔

"السلام علیکم امی۔ میں بول رہی ہوں۔"

"ہاں۔ کیسی ہو میری جان۔ سب ٹھیک ہے ناں۔" یاسمین بیگم نے مامتا بھرے انداز سے پوچھا۔

"جی امی۔ میں نے ٹھیک کر دیا ہے، سب کو۔" وہ ہنسی۔

"بڑی بی اور اس کی چہیتی بیٹی "آپا بیگم" کو دن میں تارے دکھا دیئے ہیں۔ سعود کو مٹھی میں لے رکھا ہے کہ وہ ہر بات میں میری ڈھال بن جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے کوئی خلاف کچھ نہیں بول سکتا۔"

"بس اسی طرح اسے لاڈ پیار کی ایکٹنگ کر کے رام کرتی رہو پھر وہ تمہارے اشاروں پر دن کو رات اور رات کو دن کہنے لگے گا۔ اپنے باپ کا حال دیکھا ہے ناں، میری مرضی کے بنا سانس بھی نہیں لیتا۔"

"آپ کے حکم پر مارے باندھے اس کے ناز نخرے برداشت کرنے پڑتے ہیں، نہیں چلتا اس کو دھکا دے کر جھٹک کر کہیں دور چلی جاؤں۔ مجھے نفرت ہے، اس کی صورت اس کے وجود سے اور اس کے ساتھ سے۔" مہرینہ کے لب و لہجے میں سعود کے لئے نفرت

تھی۔

"مصلحت کے تقاضے بھی تو پورے کرنے ہوتے ہیں۔ پلاٹ اپنے نام کروا لئے کیا؟"

"جی ہاں۔"

"اچھا کیا۔ اور تمہاری ڈرائیونگ کیسی جا رہی ہے؟"

"ڈرائیونگ تک ٹھیک ہی ہے البتہ گاڑی کی حالت تباہ ہو گئی ہے۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسی پھر ساری بات بتا دی۔

"ان کے لئے کیا فرق پڑتا ہے۔ ایسی دس گاڑیاں مزید اپنے زر خریدوں کو بانٹ سکتے ہیں۔ تم ایسا کرنا، اب ہونڈا سوک کی فرمائش کرنا۔ سوک کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

"نو پرابلم۔ میں اب نئی سوک میں ہی آپ کی طرف آؤں گی۔"

"باپ کے ساتھ ساتھ تایا کی کثیر دولت کا بھی اکلوتا وارث ہے۔ نچوڑ لو جتنا نچوڑ سکتی ہو۔" ماں نے شہہ دی۔

"میں اپنے مشن سے غافل نہیں ہوں۔ ابھی تو مجھے اپنا حق بھی لینا ہے۔ اپنے باپ کا حصہ......"

O☆O

"میں مارکیٹ جا رہی ہوں، بریڈ اور دودھ لینے۔ شوگر بھی ختم ہو گئی ہے۔ تم دونوں بہن کا خیال رکھنا اور دیکھو، باہر نہیں نکلنا۔ دروازہ اندر سے لاک کر لو۔ ویسے میں احتیاطاً باہر سے بھی لاک لگا کر جا رہی ہوں۔ آپ سن رہے ہیں ناں۔"

زرلالہ جلدی جلدی چادر اوڑھتے ہوئے انہیں سمجھا رہی تھی۔ اس کا دل کل سے سخت پریشان تھا۔ سارہ کو مچھر کے کاٹنے سے ملیریا ہو گیا تھا۔ کل سے وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔ وہ شام کو ٹیکسی کر کے اسے علی میڈیکل سینٹر لے کر گئی تھی۔ واپسی پر میڈیسن بھی لی مگر کچھ خاص فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

"ماما، ہماری کلاس فیلڈ ٹرپ پر جا رہی ہے، اس کے لئے ہر سٹوڈنٹ کو ایٹ ہنڈرڈ روپیز لانے ہیں۔ یہ دیکھیں، ہماری ڈائری پر ٹیچر نے سرکولر سٹیپل کر دیا ہے۔" علی نے ماں کو بتانا ضروری سمجھا۔

"ٹھیک ہے چندا۔ آ کر دیکھ لوں گی اطمینان سے۔" وہ تھکے تھکے لہجے میں گویا تھی۔ سوا
خرچہ بیٹھے بٹھائے نکل آیا تھا مگر اچھے پرائیویٹ سکولز میں یہ سب چوچلے تو بہرحال والدین
کرنے ہی پڑتے ہیں۔

بچوں کو گھر پر اکیلے چھوڑ کر نکلتے ہوئے اس کا دل ڈرتا تھا۔ جب تک واپس نہ آ جاتی طر
طرح کے واہمے ستاتے رہتے۔ نئی جگہ تھی اور بچے کم عمر اور ناسمجھ تھے۔ پیچھے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

زرلالہ ہر ہر لمحہ جیتی مرتی تھی۔ ایک طرف ملک دراب کا آسیب پیچھا کرتا تھا تو د
طرف بچوں کے ہمراہ یوں بے روزگاری کے عالم میں تنہا زندگی گزارنے کا سوچ سوچ کر ہو
اٹھتے تھے۔

وہ ان دنوں شدت سے کسی جاب کی تلاش میں تھی۔ کل اخبار میں ایف سکس کی ایک ک
میں دو بچوں کو ٹیوشن پڑھانے کا اشتہار اُس کی نظر سے گزرا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی، جا کر
آزمائی کرے۔ تنخواہ ساڑھے چار ہزار روپے تھی اور سہولت یہ تھی کہ پک اینڈ ڈراپ موجود تھا

کچھ نہ کچھ تو بہرحال کرنا تھا جو ہاتھ میں تھا، وہ تیزی سے ختم ہوتا جا رہا تھا۔ سارہ کی ی
اور نئے گھر میں بچوں کی ایڈجسٹمنٹ کے مسئلوں نے اتنا الجھائے رکھا تھا کہ ہاسپٹل میں
دیکھ آنے کا بھی وقت نہیں مل سکا تھا۔ جانے وہ کن حالوں میں تھیں۔

گھر سے پچھلی گلی میں دو تین دکانیں تھیں جہاں سے ضروری چیزیں مل سکتی تھیں۔ وہ انڈ
ڈبل روٹی، چینی اور جام مکھن خرید کر گھر کی طرف روانہ ہوئی تو ایک پاگل سا بڈھا اس کے پیچھے
گیا۔ وہ اپنے مجہول سے حلیے میں اونچی آواز میں کچھ بولتا ہوا اُس کی طرف آ رہا تھا۔

"الٰہی خیر۔ یہ کون سی مصیبت پیچھے لگ گئی۔" اس کی سانسیں حلق میں اٹکنے لگیں۔

"کہیں یہ ملک دراب کا جاسوس ہی نہ ہو۔ کیا خبر بھیس بدل کر سن گن لے رہا ہو۔" اس
جان شکنجے میں آ گئی تھی۔

کچھ دور تک اُسے اُس کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی رہی پھر وہ بتدریج معدوم ہوتی گ
زرلالہ نے ڈرتے ڈرتے پلٹ کر دیکھا۔

"وہ بڑبڑاتا ہوا گلی میں کھیلنے والے کسی بچے کے ساتھ الجھ پڑا تھا۔

اس نے شکر کی سانس لی اور گھر کی سمت ہو لی جہاں بچے اس کے منتظر تھے۔

"ماما۔" ولی کام کرتے کرتے اچانک بسورتے ہوئے اس کے کندھے سے لگ گیا۔

"ماما۔ یہ گھر گندہ ہے۔ میرا یہاں دل نہیں لگتا۔ اتنی چھوٹی اور کیچڑ بھری اونچی نیچی گلیاں ہیں، میں سائیکل کہاں چلاؤں اور یہاں تو سن لائٹ بھی اتنی کم پہنچتی ہے۔"

"بیٹے ہوم ورک کرتے ہوئے اِدھر اُدھر کی باتیں نہیں سوچا کرتے، بس چپ چاپ اپنے کام پر دھیان دیتے ہیں۔"

وہ ہولے ہولے اُس کے بال سلجھا رہی تھی۔

"ماما، اوپر کا پورشن خالی ہو گیا ہے۔ اب تو یہاں اور بھی ڈر لگتا ہے۔ ہم کب تک یہاں رہیں گے۔" علی بھی گم صم سے انداز میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"بیٹے حالات کو سمجھو۔ اب ہمیں اسی جگہ پہ رہنا ہے۔"

"ہمیشہ کے لئے۔" ولی نے خوفزدہ ہو کر آنکھیں پھیلائیں۔

"ہوں۔" زرلالہ کو سر ہلانا پڑا "شاید ہمیشہ کے لئے یا کم از کم کافی لمبے عرصے کے لئے۔"

"مگر ماما۔ ہم اس طرح کیسے رہیں گے؟" علی کا باشعور ذہن بہت دور تک سوچ رہا تھا۔

"لوگوں کے ہاں تو یہ ہوتا ہے کہ اُن کے پاپا کماتے ہیں اور ماما ان کے پیسوں سے گھر چلاتی ہیں۔ ہمارے تو کوئی پاپا نہیں ہیں جو ہمارے لئے پیسے کمائیں پھر ہمارا گزارا کیسے ہو گا ماما۔"

بچے کی معصومیت، اس کی زیرک نگاہی اور گہری سوچ، اس کا بھولپن زرلالہ کا جی چاہا، اپنا دل نکال کر اُس کے قدموں میں نچھاور کر دے۔

"میری جان، میری زندگی۔ میں جو ہوں، اپنے جگر کے ٹکڑوں کے لئے کمانے کو۔" اس نے علی کو اپنے بازوؤں میں بھینچ کر سینے سے لگا لیا۔

"مگر ماما، آپ اکیلی اتنے سارے کام کیسے کر سکتی ہیں۔ اس کے لئے ایک پاپا بھی ہونا چاہئے۔" علی اپنے موقف پر سنجیدگی سے قائم تھا۔

"مما اگر اپنے ریئل پاپا نہ ہوں، تو سٹیپ پاپا تو گھر میں لائے جا سکتے ہیں ناں۔"

ولی نے سوچ کر دبے دبے جوش سے ماں کا کندھا ہلایا۔

"سٹیپ پاپا کیا ہوتا ہے بیوقوف۔" علی نے اس کا مذاق اُڑایا۔

"اسے سٹیپ فادر کہتے ہیں، جیسے عمر کے پاپا ہیں۔" ساتھ میں دوست کا حوالہ بھی دیا گیا۔

زرلالہ نے سر تھام لیا۔

''کس فضول بحث میں الجھ گئے ہو۔ چلو خاموشی سے اپنا کام مکمل کرو۔''

وہ انہیں ٹال گئی۔

سارہ کو دوا کھلا کر سُلانے کے بعد اس نے دونوں کا ہوم ورک چیک کیا پھر انہیں سو کہہ کر کچن میں برتن دھونے لگی۔

فارغ ہو کر آئی تو دونوں سو چکے تھے۔

اب گھر میں خاموشی تھی۔

زرلالہ بے چینی کے عالم میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔

اسے یوں محسوس ہو رہا تھا' جیسے وہ تھک گئی ہو۔

حالات سے خود سے اور زمانے سے لڑتے ہوئے۔

لیکن شادی کا یہ مشورہ جو اُسے ہر ایرے غیرے سے ملتا رہتا تھا اس کے لئے قابلِ عمل نہ تھا۔ وہ کتنا بھی جھٹلاتی' اندر ہی اندر اس بات کو تسلیم کرتی تھی کہ اتنے بے تحاشا مسائل سے کے لئے مرد کا ساتھ ضروری ہے لیکن وہ کسی مرد کے ساتھ فریب نہیں کر سکتی تھی۔

کیا بتاتی کہ وہ اپنے پہلے شوہر کو قتل کر کے بھاگی ہوئی ہے۔

وہ ایک قاتلہ ہے۔

اُس نے ایک جیتے جاگتے انسان کی زندگی کا چراغ گُل کیا ہے۔

وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

اکیلے پن کی وحشت اُس کے رگ و پے میں برقی رو بن کر دوڑ رہی تھی۔

دلِ شوریدہ سر کو ان دنوں کچھ بھی نہ سمجھاتا
بس اس کی بات سنتا اور سن کے چپ سا ہو جاتا
کسی بھی رات کو آ کاش پر جب چاند نکلا ہو
اور اس کی روشنی لہروں کی بانہوں سے
کوئی عہدِ وفا باندھے
تو ایسے میں بجز رنگِ حنا ہاتھوں پہ کچھ اچھا نہیں لگتا

کسی کا کوئی بھی وعدہ کبھی سچا نہیں لگتا
سمندر کو کسی ساحل کا کوئی مشورہ اچھا نہیں لگتا

O☆O

''مجھے صرف اتنا یقین چاہئے کہ اُس رات تمہارے ساتھ کوئی نہیں تھا۔''

عرفان بہت دنوں کے بعد اس کے رو برو تھا۔ غالباً شادی کے دس دن بعد ان کا براہِ راست سامنا ہوا تھا۔ اُسے بیاہ کر گھر لانے کے بعد رات کو ہی وہ کہیں چلا گیا تھا۔

''یقین لمحوں کی نہیں برسوں کی پیداوار ہوتا ہے۔ ایک مدت سے میرا اٹھنا بیٹھنا' چال چلن اور کردار سب کے سامنے رہا ہے اگر اتنے برسوں کی گواہی یقین دلانے کے لئے ناکافی ہے تو پھر دن میں کوئی یقین کی سیڑھی کیسے طے کر سکتا ہے۔ بیکار ہے' یہ سوال و جواب۔ تم فردِ جرم عائد کر کے صفائی طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں کون سی انصاف کی عدالت لگی ہوئی ہے۔''

اس کا دھیما لہجہ عجیب سی کاٹ اور پژمردگی لئے ہوئے تھا۔

وہ بستر کی چادر بدل رہی تھی۔ عرفان کی طرف اس کی پشت تھی۔

''میں جانتا ہوں' تم ایسی نہیں ہو لیکن......'' وہ اس کے سامنے آ گیا۔

''جب سب لوگ کہہ رہے ہیں تو......''

''تو ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں گے۔'' راحت نے زہریلے انداز میں اُس کا جملہ مکمل کیا۔

''نہیں۔ میں وہ وجوہات جاننا چاہتا ہوں جس نے لوگوں کو شک میں ڈالا۔''

وہ بے انتہا سنجیدہ تھا۔ راحت نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

عرفان کی آنکھوں میں رت جگوں کی سرخیاں تھیں۔ شیو بڑھی ہوئی تھی اور سفید شلوار قمیص میلی ہو رہی تھی۔

''تم یہ پوچھنا چاہتے ہو ناں کہ کیا واقعی اس رات میں ''کسی'' کی گاڑی میں آئی تھی۔ وہ گاڑی کس وقت اور کس جگہ آ کر رکی تھی اور آخر میں یہ کہ اس گاڑی کا مالک کون تھا؟''

وہ بہت سکون سے الفاظ ادا کر رہی تھی۔

عرفان نے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ بڑی مشکل سے خود پہ ضبط کر رہا تھا۔

''کوئی نہیں تھا' یہاں وہاں' دور دور اگر ہوتا تو پھر میں آج یہاں نہ ہوتی۔ بڑی خاموشی سے

اپنی جیتی جاگتی ذات کو قبرستان میں تبدیل نہ کرتی۔"

راحت نے آخری مرتبہ بات واضح کی تھی۔ اُس کا حتمی انداز اس کی سچائی کی گواہی دے رہا تھا۔ عرفان کو قرار مل گیا۔

وہ اُس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا پھر اس کے کندھوں پر ہاتھ پھیلا کر قریب کرتے ہوئے اپنے ساتھ اُسے بستر پر لے آیا۔

"میں تم پر کوئی الزام نہیں لگا رہا لیکن اتنے سارے لوگوں کی زبان سے ایک ہی بات سن کر انسان کچھ غور کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بہر حال تم کوئی خیال دل میں نہ لاؤ۔ آرام سے رہو یہاں۔ تم کو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔"

"ان وعدوں اور دعوؤں میں کوئی سچائی ہوتی تو رونا کس بات کا تھا۔ جو شخص خود دوسروں کے ٹکڑوں پر پل رہا ہو وہ کسی کو کیا تحفظ دے سکے گا۔ جو بات کہنا چاہتے ہو اپنے برتے پر کہو۔"

"بھائی کی چیزیں کون سی پرائی ہیں۔ انہوں نے خود اجازت دی ہے کہ جو ضرورت ہو بتاؤ اور اب تو ویسے بھی نئی بھابی سے شادی کر کے وہ نوٹوں میں کھیل رہے ہیں۔ کیا فرق پڑتا ہے جو میرے کمرے میں بھی قالین ڈلوا دیا۔ اور اپنی پرانی موٹر سائیکل مجھے دے دی۔ بھئی ان کی بیوی جہیز میں لشکارے مارتی گاڑی لے کر آئی ہے۔"

عرفان بے فکری سے ہنسا۔

یہی چیزیں، یہی باتیں، یہی سوچ اُسے بُری لگتی تھی۔ اسی وجہ سے وہ عرفان اور اس جیسی سوچ رکھنے والے لڑکوں سے خار کھاتی تھی۔

کتنا چاہا تھا اس نے۔

اس ماحول سے نکلنا، ان روایات کی قید سے آزاد ہونا اور ایسی زندگی گزارنا جہاں عورت عزت کی چوکی پر بٹھائی جاتی ہو مگر۔

"عرفان..... او عرفان......"

اماں کی تیز آواز پر وہ جلدی سے اُسے چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

صفیہ بغیر کسی پرائیویسی کا خیال رکھے دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر آ گئی تھی۔

"یہ تو کیا بے شرموں کی طرح دوپہر دن کو کواڑ بھیڑ کے اندر بند ہو گیا۔ کچھ حیا بھی نہیں۔ گھر میں جوان بہن ہے۔ تیری بیوی کو تو شرم نہیں آئے گی، تھوڑی تو ہی کر لے۔"

وہ کمر پر ہاتھ رکھے دونوں کو یوں دیکھ رہی تھیں جیسے کوئی مشکوک ملزم پکڑا ہو۔ عرفان چور سا ہو گیا۔

"وہ اماں، میں بس آ رہا تھا۔ بھائی جان آ گئے کیا؟"

"نہیں وہ اور تیری بھابی آج شہر والے گھر میں رہیں گے۔"

"شہر والا کون سا گھر؟"

"ارے جہاں بہو شادی سے پہلے رہتی تھی۔ جابر بتا رہا تھا، بڑا مہنگا فلیٹ ہے، تمہاری بھابی کے نام ہے۔ ایسے بھی خوش نصیب ہیں جو امیر اور اونچے گھرانوں سے بہو بیاہ کر لاتے ہیں۔ قیمتی جہیز اور اونچی جان پہچان۔ ان کی طرح ٹٹ پونجیے نہیں ہوتے جو بیٹی کو کوڑے کنکر کی طرح جھاڑ دے کر بے دردی سے چوکھٹ سے باہر پھینک دیں۔"

صفیہ کی طنزیہ اور زہریلی نظریں راحت کے اندر اترتی جا رہی تھیں۔

"بڑی بہو تو جہیز میں ڈھیروں ڈھیر قیمتی سامان، گھر اور کار لائی ہے اور چھوٹی بہو دامن میں رسوائیاں اور ذلت کے تحفے ساتھ لائی ہے۔ اونہہ۔ اے مہارانی، اب اٹھ جاؤ۔ ہاتھوں کی مہندی سوکھ گئی ہو تو اٹھ کے صحن میں جھاڑو دے لو۔"

راحت کے پاس صبر کی چادر اوڑھنے اور چپ کی مہر منہ پر لگانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اماں، میں جھاڑو لگا دیتا ہوں۔ اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ لجاجت سے بولا۔

اماں آگ بگولہ ہو گئیں۔

"بہت خوب، اب اس گھر کے مرد ایسے کام کریں گے۔ اے، عورتیں مر گئی ہیں کیا۔ سارے جہان سے ہماری تھو تھو کرائے گا کیا؟ ہمارے ہاں بھلا مرد نے عورتوں والے کام کیے ہیں کبھی؟ ہاتھ ٹوٹیں ایسی بیویوں کے جو ڈرامے کر کر کے اپنے مردوں سے گھر کے کام کراتی ہیں۔ بیڑا غرق ہو ان کا۔"

"میں آ رہی ہوں۔" راحت نے ایک استہزائیہ نظر خاموش سر جھکائے کھڑے عرفان پر

ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی نظریں جتا رہی تھیں۔
کہو کتنے پانی میں ہو۔
تم تو کہہ رہے تھے، میری ڈھال بن جاؤ گے۔ کوئی مجھے کچھ نہیں کہہ سکے گا۔
میں نہ کہتی تھی کمزور ڈھال قطعی بے فائدہ اور بیکار ہوتی ہے۔ اس کا آسرا لینے سے بے آسرا رہنا زیادہ بہتر ہے۔
وہ صحن میں بکھرے سوکھے پتے جھاڑو کی نوک سے جمع کر رہی تھی۔
اب اسے برداشت اور تحمل کے عظیم مراحل سے گزرنا تھا۔

سمندر پار کرنا ہو تو سامانِ سفر کیسا؟
اجازت کی طلب کیسی، ہواؤں سے خطر کیسا
کسی طوفان سے ٹکرا کے مر جانے کا ڈر کیسا؟
چلو ساحل کے احساں سے نجات جاوداں پائیں
ہم اپنی عمر کے صحرا کی ساری ریت کو سیراب کر جائیں
کسی موجِ بلا کے سرمئی آنچل کو اپنا بادباں کر لیں
کسی خاکستری گرداب میں کھو کر اسے اپنا مکاں کر لیں
روائے آب پر گر کر فنا ہوتے ستاروں میں
پرانے آنسوؤں کے ذائقے ڈھونڈیں
ہم عکسِ ماہ سے کھیلیں، ہم عکسِ مہر کو چھو لیں
سمندر اوڑھ کر سوئیں کسی انجان ساحل تک
ہماری جاگتی آنکھوں کو خوابوں کی اذیت سے فراغت کی ضرورت ہے

O☆O

''تیری وجہ سے ہر جگہ مجھے شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ الغرض یہ کہ تو اس دنیا میں باعثِ شرمندگی ہے، تیرے ساتھ اچھا خاصا انسان احمق لگنے لگتا ہے۔ تیرے ہمراہ چلتے ہوئے خود کو چغد محسوس ہوں لہٰذا میں تیرے ساتھ آٹا لینے نہیں جاؤں گا۔''
اظہر نے حتمی بیان جاری کر دیا۔

''کیسے نہیں جاؤ گے۔'' محسن بگڑنے لگا ''میں دو بورے موٹر سائیکل پر رکھ کے لاتا اچھا لگوں گا کیا؟''
''تجھے تیری نامعلوم و ناموجود محبوبہ چلمن سے لگی دیکھ نہیں رہی ہوگی کہ اچھا یا برا لگنے کی نوبت آئے۔''
''ہاں اور تیری محبوبہ تو تیرے پل پل کے فوٹو کھینچ کے رکھتی ہے ناں کہ وہ تصویر اتار لے گی میری۔'' محسن تپ گیا۔ ''چل سیدھی طرح میرے ساتھ۔''
''چل اوئے۔ اس طرح نہ کہہ اپنی ہونے والی بھابی کو۔''
اظہر نے مسکراہٹ دبا کر اسے گھورا۔
''اب میں اُسے ہونے والی نہیں نہ ہونے والی بھابی کہوں گا۔'' محسن دھمکی پر اتر آیا۔
''بددعائیں تو نہ دے، تیرے منہ میں خاک۔'' اظہر نے ایک دھپ اسے رسید کی۔
''یار میں اتنا معزز ڈاکٹر ہو کر آٹے کی بوریاں ڈھوتا اچھا لگوں گا کیا۔''
''اور میں ایک مشہور و معروف اعلیٰ کارکردگی کی حامل کمپنی کا لیگل ایڈوائزر ہو کر مزدوری کرتے ہوئے بہت جچوں گا۔ ہے ناں۔''
''نہ ڈاکٹر بن جانے سے سرخاب کے پر لگ جاتے ہیں اور نہ وکیل بن کر بندہ دو ٹانگوں پہ چلنا چھوڑ کر ہواؤں میں تیرنا شروع کر دیتا ہے۔'' نگین نے اندر داخل ہوتے ہوئے انہیں لتاڑا۔
وہ اُن کے آخری مکالمے سن چکی تھی۔
''وہ ابھی خالہ آئیں گی ناں تو دونوں کے دماغ کا فتور ناک کے راستے نکال دیں گی۔ سیدھی طرح مارکیٹ جا کر آٹا اور چینی لے آؤ۔ کتنے دنوں سے آٹا ختم ہو جانے کی وجہ سے چاولوں پر گزارا ہو رہا ہے۔ نکمے پن کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔'' وہ ڈانٹنے لگی۔
''کیا ساری زندگی آٹے دال کا بھاؤ کرتے ہی گزاریں گے دا ہی بڑے۔'' محسن نے دردناک آہ بھری۔
''نہیں بلکہ جوتیوں میں دال بانٹا کریں گے اور آٹے میں نمک کے برابر کبھی کبھار تھوڑی بہت تفریح لے لیا کریں گے۔''
''یہاں محاوروں کا مقابلہ نہیں ہو رہا۔ یہ شکوہ جواب شکوہ بند کرو۔'' وہ ڈپٹ کر بولی۔

''میں شہر کے معززین کے ساتھ ہونے والے اس ناروا سلوک کے خلاف احتجاج کرتا ہوں۔''محسن نے اعلان فرمایا۔

''وہ واپس آ کے کر لینا پہلے آٹا لے آؤ۔ جاؤ شاباش۔''

اُس نے اطمینان سے کہا۔

''میں کہتا ہوں دہی بڑے ابھی بھی وقت ہے' سوچ لے۔ میری مان تو اپنے انتخاب نظرثانی فرمالے وگرنہ ساری زندگی یہی کچھ کرنا اور سننا پڑے گا۔''

''اے پرواہ نہیں۔ ہم جان کی بازی لگانے کو تیار ہیں۔''

اظہر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں محسن کو تنبیہہ کی تھی کہ نگین کی موجودگی کو ملحوظ خاطر رکھ! کوئی خطرناک قسم کی بکواس شروع کرنے سے پرہیز کرے۔

''یہ لو۔ کچن کی کچھ اور ضروری چیزیں بھی ختم ہیں۔ میں نے لسٹ میں لکھ دیا ہے۔''

نگین نے چھوٹی سی پرچی اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

''رحم کرو مجھ پر۔ ارے بھئی' مجھے واپس آ کر کمپنی کے ایک ضروری کام سے باہر جانا ساحر صاحب نے تاکید سے ٹائم پہ پہنچنے کو کہا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے' ان کے پاس ٹائم ہوا تو وہ راستے سے پک کرتے جائیں گے۔ ہم نے مل کر کسی صاحب کے پاس جانا ہے۔ ایسا نہ ہو جاؤں اور پیچھے سے وہ آ جائیں۔''

''کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں انہیں عزت و احترام سے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر خاطر تواضع بندوبست کروں گی' جب تک تم سودا سلف لے آؤ۔''

''مجھے بھی ایک پرائیویٹ مریض کو دیکھنے اس کی کوٹھی پر جانا۔''اظہر نے بھی جا ڈھونڈی۔

''کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ جاتے ہو یا پھر خالہ کی ہدایت کے مطابق مولا بخش کا کراؤں؟''

نگین نے ڈنڈے کی دھمکی دی۔

''جاتے ہیں بابا' جاتے ہیں۔''اظہر نے ہاتھ اٹھا دیئے۔

''میں پھر کہتا ہوں' دہی بڑے سوچ لے۔''محسن نے پھر تنبیہہ کی''ابھی سے مولا بخش

''جلوے'' سہارنے کی عادت ڈال لے۔ بعد میں تیرا استانی جی سے کم اور مولا بخش کے ساتھ زیادہ ساتھ رہا کرے گا۔ توبہ توبہ' ایسی ظالم ہونے والی بیوی سے تو اچھا ہے نہ ہونے والی......''

''ابے چپ ہو جا کھوتے۔''اظہر نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کے سرگوشی میں گھڑکا تھا ''مروائے گا کیا۔''

''مِس نگینہ سے شادی کرنے سے بہتر ہے' بندہ مر جائے۔ شادی کے بعد بھی تو مُردوں والی زندگی ہی گزارنا ہے۔''وہ بدبدانے سے باز نہ رہ سکا۔

''یہ کیا کھسر پھسر لگائی ہوئی ہے۔ اب جا بھی چکو۔''نگین کے جھڑکنے پر دونوں بُرے بُرے منہ بناتے باہر نکل گئے۔

اظہر موٹر سائیکل چلا رہا تھا اور محسن پیچھے بیٹھا تھا۔

''ابے' سرکس کے جوکروں کی طرح لہرا کیوں رہا ہے۔ ڈھنگ سے بائیک چلا۔ اپنی نہ ہونے والی بیوی کا غصہ مجھ پر کیوں اتار رہا ہے۔''

محسن پیچھے سے چلایا تھا۔

اس سے پہلے کہ اظہر جواب دیتا' اچانک سڑک کے بیچوں بیچ دو تین موٹر سائیکلیں رکیں۔ وہ اس طرح کہ گزرنے کا راستہ بلاک ہو گیا۔

اظہر کو لامحالہ بائیک روکنا پڑی۔ اس سے پہلے کہ دونوں بھائی کچھ سمجھتے' پلک جھپکتے میں بائیک سے اترنے والے پانچ چھ غنڈے منہ پر مفلر لپیٹے دونوں پر پل پڑے۔

وہ دونوں بھی جسمانی طاقت میں کسی سے کم نہیں تھے مگر چھ پلے پلائے چوڑے چکلے پیشہ ور غنڈوں کا تادیر مقابلہ کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ لوگ جوڈو کراٹے اور مارشل آرٹ بھی جانتے تھے۔ لمحوں میں دونوں کو بے بس کر کے بے ہوش کر دیا اور اسی عالم میں سڑک پر ڈال کر فرار ہو گئے۔ اردگرد کے اِکا دُکا راہگیر ان کے سیاہ چست پینٹ شرٹ اور منہ پہ باندھے مفلروں سے سمجھ گئے تھے کہ وہ چور ڈاکو یا پیشہ ور غنڈے ہیں۔ کون جرأت کرتا سامنے آنے کی۔

O☆O

''کیا محسن اشفاق صاحب کے گھر پہنچ گیا ہے؟''ساحر گاڑی چلاتے ہوئے موبائل سے بات کر رہا تھا۔

''نہیں جناب۔''

''اوکے۔ میں ادھر سے گزرتے ہوئے اس کے گھر سے لے لیتا ہوں۔'' اس نے
آئی ٹین سیکٹر کی طرف موڑ دی۔

اس ایریا میں اُس کا زیادہ آنا جانا نہیں تھا۔ وہ بار بار گلیوں میں بھٹک جاتا' اسی طرح
ہوئے ایک ڈیڈ اینڈ پر پہنچ گیا۔

''شٹ۔'' گاڑی اس تنگ سی گلی سے واپس موڑتے ہوئے اچانک اس کی نظر ایک
گھر سے نکلنے والی خاتون پر پڑی۔ اس کی گود میں تین سال کی بچی تھی۔

''ارے۔'' ساحر اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا۔ وہ زرلالہ تھی جسے وہ لاشعوری طور پر ایک
سے تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

☼☼☼

''ایکسکیوز می۔'' ساحر نے قدرے حیرت سے زرلالہ کو دیکھتے ہوئے اس کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ زرلالہ اپنی دُھن میں تھی' یک لخت چونکتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''فرمایئے۔'' ساحر کو دیکھ کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''آپ اِدھر کیا کر رہی ہیں؟''

''جھک مار رہی ہوں۔ مزید کچھ۔''

ساحر کو اُس کا لہجہ ناگوار خاطر گزرا۔

''شوق سے جھک ماریں محترمہ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر اس بچی کو کیوں خوار کر رہی ہیں۔''

''میری بچی ہے۔ ظاہر ہے ماں کے ساتھ ہی ہوگی۔''

''مما' ایک منٹ بات سنیئے گا۔'' اس سے پہلے کہ زرلالہ آگے بڑھتی اندر سے ولی نے نکل کر
رک لیا۔

''علی بھائی کہہ رہے ہیں کہ ''وہ ساحر کو سامنے پا کر ایک دم ٹھٹک کر رک گیا۔

''انکل آپ ''لہجہ بے ساختہ اشتیاق سے لبریز ہو گیا۔

''السلام علیکم۔'' آگے بڑھ کر گرمجوشی سے ہاتھ ملانے کے بعد ولی نے جب پلٹ کر ماں کی

طرف دیکھا تو ایک لمحے کو گھبرا گیا۔

زرلالہ کے تیور سخت اور تنبیہی تھے۔

''کیسے ہیں بیٹے آپ!'' ساحر نے پروانہ کرتے ہوئے سہولت سے ولی کو گود میں اُٹھالیا
گالوں پر پیار کرنے کے بعد نیچے اُتار دیا۔

''بھائی کدھر ہے؟''

''وہ اندر ہے۔ بلاؤں۔ مگر......'' پھر ماں کو دیکھ کر زبان دانتوں تلے داب لی۔

''ہاں ہاں بلاؤ۔ کچھ نہیں کہتیں' آپ کی ماما۔''

ساحر کے شہہ دلانے پر ولی نے ہچکچا کر ماں کو دیکھا تھا۔

''تم اندر چلو اور جا کر ہوم ورک کرو۔'' زرلالہ کا لہجہ قہر سامان اور غضب ناک تھا
خوفزدہ ہو کر اندر کی جانب لوٹ گیا۔

''میں آپ سے تو کچھ نہیں کہہ رہا۔ بچوں سے بات کر رہا ہوں۔ آپ کو کیا تکلیف
ہے۔'' ساحر برہمی سے گویا ہوا۔

''بچے میرے ہیں۔ آپ کے کچھ نہیں لگتے۔ آپ خواہ مخواہ اپنائیت جتا کر ان کی ما
خراب نہ کریں۔ یوں بھی ہمارا آپ کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے اور اجنبی لوگوں پر اعتبار کر
کی میں قائل نہیں ہوں۔''

''پہلے پہل سب اجنبی ہوتے ہیں۔ ملنے ملانے سے ہی اجنبیت شناسائی اور ر
داری میں بدلتی ہے۔''

ساحر نے سینے پر بازو لپیٹتے ہوئے ایک طائرانہ نظر اس پر ڈالی۔

''مجھے رشتے داریاں باندھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔'' زرلالہ اس بے فائدہ بحث
گئی تھی۔ اسے یوں بھی جلدی تھی۔

''مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔ دیر ہو رہی ہے۔ راستہ چھوڑیں۔''

''او کے۔ میں پھر آؤں گا۔'' ساحر مکان نمبر ذہن نشین کرنے کے بعد گاڑی میں

''پھر......'' زرلالہ نے ریورس ہوتی گاڑی کو دیکھتے ہوئے سر پکڑ لیا تھا۔

O☆O

''آپا۔ یہ کیا کر رہی ہیں۔ صبح سے چولہے کے پاس ہیں۔ اب تو جان چھوڑ دیں' چل کر
آرام کریں۔ اتنی غضب کی ٹھنڈ میں آپ صحن میں پھر رہی ہیں۔''

راحت چادر لپیٹے صحن میں بنے کچن میں داخل ہوئی تھی۔

''چائے دم کر رہی ہوں۔ بس اس کے بعد کام ختم۔'' طلعت نے احتیاط سے کیتلی چولہے
سے اُتاری۔

''ابھی تو کھانے کے بعد آپ نے سب کو چائے بنا کر دی تھی' اب کس کے لئے دوبارہ
اہتمام کر رہی ہیں۔''

''انیتا نے کہا ہے۔'' طلعت آہستگی سے گویا تھی۔

راحت کو تپ چڑھنے لگی۔

''یہ آپ کیوں خادماؤں کی طرح اُس کے آگے پیچھے پھر رہی ہیں۔ اس کے اپنے ہاتھ نہیں
ہیں۔ خود بنائے' کھائے۔ آپ اس کی نوکرانی تو نہیں ہیں۔''

''اُس کے خاوند کی ہوئی تو پھر اس کی نوکرانی بھی ہو گئی۔ کیا فرق پڑتا ہے۔'' احساسِ شکستگی
لہجہ چُور تھا۔

''اس طرح عورتیں اپنے آپ کو لونڈیاں بناتی ہیں۔ کیوں سوچتی ہیں اس طرح۔ خود کو اپنی
نظروں میں گرائیں گی تو دوسرے تو خود ہی گھاس پھونس کی طرح روند کر گزر جائیں گے۔ آپ
کے اوپر اتنا بڑا ظلم ہوا ہے۔ آپ کو تو جابر بھائی سے سیدھے منہ بات نہیں کرنی چاہئے۔ کُجا یہ کہ ان
کو چھوڑ ان کی دوسری بیگم کی بھی ناز برداریاں کر رہی ہیں۔ کیسی عورت ہیں آپ؟''

''بند کرو یہ' تقریریں۔ اِن میں کچھ نہیں رکھا۔'' طلعت نے آہستہ سے کہا۔ ''خود اپنا حال
دیکھ لو۔ تم کیا کر رہی ہو۔ کیا تم مجبور نہیں ہو گئیں؟ حالات اور تقدیر کے آگے کس کا بس چلتا ہے؟''

طلعت ٹرے میں کپ نکال رہی تھی۔

راحت ایک دم ڈھیلی پڑ گئی۔

''یہ سب کہنے کی باتیں ہوتی ہیں' میری جان۔ عورت آج بھی مال مویشی' اناج اور زمین
جائیداد کی طرح تقسیم اور تفویض ہوتی ہے۔ جس کے نام قرعہ فال نکل آئے' وہی اس کا مالک بن
بیٹھتا ہے اور اگر یہ گھاٹے کا سودا ہو تو اس کو فارغ کر کے دوسری لے آتا ہے یا پھر سٹور میں فالتو

سامان کی طرح ڈال کر نئی نویلی کو بیاہ لاتا ہے۔ میں اب سٹور میں پڑا ہوا بیکار سامان ہوں۔ ان کے نزدیک میرا کوئی مصرف نہیں ہے۔ ناقابلِ استعمال ہو گئی ہوں پھر بھی یہ کیا کم ہے کہ خد کے بہانے ہی سہی وہ مجھے یاد کر لیتے ہیں۔"

اس کے لہجے میں یاسیت اور محرومی کے تاثرات عیاں تھے۔

"راحت۔" باہر سے عرفان کے پکارنے کی آواز آرہی تھی۔

"جاؤ۔ تمہیں عرفان بلا رہا ہے۔"

راحت عجیب بکھرے بکھرے ادھورے خیالوں میں گم عرفان کے پاس آئی تھی۔

"کدھر ہو بھئی۔ اتنی دیر سے بلا رہا تھا۔" عرفان نے اس پر بھرپور نظر ڈالتے ہوئے لحاف مزید اپنے اوپر کھینچا تھا اور وہ بستر پر دراز اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"کیا کام تھا؟" راحت کو بے طرح کوفت ہونے لگی۔

"کام۔" عرفان کی نظروں میں معنی خیز چمک جاگی۔ "اس وقت تو ایک ہی کام ہے ہے۔" اس کی آنکھوں میں شوخ اشارہ تھا۔

"آؤ۔ ادھر......"

"آتی ہوں ابھی۔" راحت اس کی نظروں سے بچتی ہوئی الماری میں سر گھسا کر کل لئے اس کے کپڑے تیار کرنے لگی۔

"چھوڑو ان فضول کاموں کو پھر ہوتے رہیں گے۔" وہ اس وقت بڑے موڈ میں تھا۔

راحت کو نہ جانے کیا ہوا' وہ یوں مڑی جیسے غیظ و غضب سے پھٹ پڑنے والی ہو۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں۔" وہ دانت پیستے ہوئے آگے بڑھی اور یک لخت اس کا گر تھام لیا۔ "کیا چاہتے ہو تم۔ بھیڑیے...... درندے......!"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ کیا کر رہی ہو یہ......" وہ جھٹکے سے اپنا گریبان اس سے کھینچ کر غصے سے بولا۔

"ہاں دماغ خراب ہو گیا ہے میرا۔" وہ دوبارہ اس کی طرف لپکی۔ "دماغ کیا' میرا مستقبل سب کچھ تمہارے گھر والوں کی مہربانی سے خراب ہو گیا ہے۔ برباد کر دیا ہے' مجھ نے مل کر۔ تماشا بنا دیا ہے میرا۔" وہ اس کا کالر جھنجوڑ رہی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ۔" عرفان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس نے ہاتھ سے دھکا دے کر اسے ایک طرف ہٹا دیا۔

"کیوں دوں' میں تمہیں اپنا آپ۔ کیوں مٹاؤں' تمہارے جسم کی بھوک۔ کیا لگتے ہو تم میرے۔ زبردستی کے شوہر۔ کیا تعلق ہے' میرا اس گھر سے اور گھر والوں سے جو ان کی جوتیاں سیدھی کروں؟" وہ زمین پر گری چیخ رہی تھی۔

عرفان پریشانی اور برہمی کے ملے جلے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا' جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں۔ اتنا شور شرابا کیوں ڈال رکھا ہے؟"

جابر انہیں کے ڈسٹرب ہونے کی شکایت پر کمرے سے باہر نکلا تھا۔

"کچھ نہیں بھائی جی۔ بس ذرا اس کا دماغ ٹھکانے نہیں ہے۔" عرفان جابر سے ویسے بھی ڈرتا تھا۔ اُس کے خراب تیور دیکھ کر مزید پریشان ہو گیا۔

"تم آدھی رات کو کون سے ڈرامے کر رہی ہو۔" جابر نے کڑی نظروں سے راحت کو گھورا۔ اس کی نظروں میں نفرت اور حقارت کی چمک تھی۔ جس نے راحت کو مزید مشتعل کر دیا۔

"ڈرامہ تو آپ نے کیا ہے' میری بہن کے ساتھ اور میرے ساتھ۔ بتائیں کس بات کا بدلہ لیا ہے مجھ سے۔" وہ بے قابو ہو گئی تھی۔ جانے کس دُھن میں زمین سے اُٹھی اور جابر کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔ شاید وہ اس کا بھی گریبان تھامنا چاہتی تھی مگر اس کے ہاتھ کے زوردار تھپڑ نے اسے زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

"تم نے کیا سب کو اُلو کا پٹھا سمجھ رکھا ہے؟" جابر غرایا۔ "آدھی رات کو چلا چلا کر کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو؟"

"آپ ایک نچلے درجے کے کمینے اور گھٹیا انسان ہیں۔ خود پرستی اور احساسِ برتری کے مارے ہوئے۔" چوٹ کھانے کے باوجود وہ جابر کے رعب و دبدبے میں نہیں آئی۔

"ہوش کی دوا کرو راحت۔ یہ کیا کہہ رہی ہو بھائی جی کو۔" عرفان بھائی کے سامنے شرمندہ ہو رہا تھا۔

"تباہ کر دیا مجھے۔ برباد کر ڈالے میرے سارے پلان۔ کتنے اونچے عزائم تھے' میرے۔

آخر کیا ضد تھی' آپ کو مجھ سے جو جان بُوجھ کر پھنسوا دیا۔"

وہ بستر کا کنارہ پکڑ کر اُٹھی۔ اسی اثنا میں صفیہ بھی آ گئیں اور کمر پر ہاتھ رکھ کے چوکھٹ پر آ کھڑی ہوئیں۔

"تمہارا دماغ ٹھکانے لگانا چاہتا تھا۔" جابر نے بے رحمی سے اسے دوسرا تھپڑ رسید کیا راحت کے ہونٹوں کے اوپری حصے سے خون بہنے لگا۔

"اسے سمجھا دیتا ہوں میں۔" عرفان نے لجاجت سے بھائی کی طرف دیکھا۔ وہ راحت کی کیفیت کے پیشِ نظر بھائی سے سفارش کر رہا تھا۔

"بہو' یہ وقت ڈرامے کرنے کا نہیں' آرام کرنے کا ہے۔" صفیہ نے ناگواری سے اس ا طرف دیکھا۔

"کیوں بین ڈال رہی ہو بلاوجہ۔"

"میں اپنے ساتھ بدتمیزی کرنے والوں کو سبق سکھانا جانتا ہوں۔" جابر پھر آگے بڑھا ا اس کے بال پکڑ لئے۔

عرفان کھڑا بے چینی کے عالم میں ہاتھ مل رہا تھا مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنی بیوی کو بھائی کے چنگل سے آزاد کرا سکتا۔

"کھڑے رہو۔" راحت کی طنزیہ نظروں نے عرفان کا احاطہ کیا۔ "کھڑے رہو' اسی طر بے حسی کا لبادہ اوڑھ کر۔ بھائی کے ٹکڑوں پر پلنے والے نکمّے اور آرام طلب انسان سے اور تو بھی کیا کی جا سکتی ہے۔ یہی ہڈ حرامی تمہیں مجبور کر رہی ہے کہ خاموشی سے بیوی کے پٹنے (کارروائی ملاحظہ کرتے رہو۔"

"چل ری۔" صفیہ نے حقارت سے دیکھا اور جابر کے ساتھ وہ بھی اسے پیٹنے کی کار ا میں شامل ہو گئی۔ "میرے بیٹے کے ساتھ بدکلامی کرتی ہے۔ جھوٹ طوفان بکے چلی جا رہی اماں نے جہیز میں گز بھر کی زبان ہی تو دی تھی۔ بے حیا' بے غیرت۔"

بات کچھ بھی نہیں تھی' انہیں تو محض بہانہ چاہئے تھا' غبار نکالنے کا اور جابر تو ویسے بھی ا موقع کی تلاش میں تھا۔

"کرتا ہوں' تمہیں سیدھا۔ پٹیاں پڑھا پڑھا کر پہلے تم نے اپنی بہن کو میرے خلاف،

اور اب چھوٹے بھائی کو مُٹھی میں لے کر من مانی کرنے کے چکروں میں ہو۔ اس گھر میں رہنا ہے تو یہاں کے طور طریقے سیکھنے ہوں گے۔ میرے سامنے کوئی اونچی سانس نہیں لیتا اور تم......"

جابر کے ہاتھ مسلسل چل رہے تھے۔ عرفان نے دو ایک بار مُنہ کھولا مگر پھر ماں اور بھائی کے تیور دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ جابر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد بکتا جھکتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ صفیہ بھی اس کے پیچھے تھیں۔

"تمہیں بھائی جی سے بدتمیزی نہیں کرنی چاہئے تھی۔" عرفان متاسفانہ نظروں سے اسے دیکھتا ہوا فرش سے اُٹھانے لگا۔

"اُٹھو۔ بستر پر آؤ۔"

"چھوڑ دو مجھے۔" وہ بھّرائے ہوئے لہجے میں غرّائی۔

"کیوں خواہ مخواہ اپنی حالت خراب کر رہی ہو۔ اُٹھو شاباش۔"

"یہ اتنے سارے "کیوں" کیوں ہیں' میری زندگی میں۔ نفرت ہو گئی ہے' مجھے اس لفظ سے۔"

عرفان نے زبردستی اسے بستر پر لٹا دیا اور بال اس کی پیشانی سے ہٹاتے ہوئے اس کے آنسو پونچھنے لگا۔

"ایک خوددار اور محنتی مرد' عورت کے لئے خدائی تحفہ ہوتا ہے۔ جو خود کما کر اپنی فیملی کو نہ کھلائے' اسے مرد نہیں نامرد کہنا چاہئے۔ تم میں غیرت' انا اور آن نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ جو اپنی گھر والی کی پناہ گاہ نہ بن سکے' اس مٹی کے مادھو کے ساتھ عمر تباہ کرنے سے کیا حاصل۔"

"کیا بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔"

"ابھی بھی پوچھتے ہو' کیوں کہتی ہوں ایسا؟" راحت نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر طنزاً کہا۔

"کوئی یہ نہیں سوچتا عورت کن حالات میں کسی غیر کے لارے پہ گھر چھوڑ کے بھاگتی ہے۔ کس ردِ عمل کی بنا پر شوہر سے بے وفائی کر کے آشنا کے ساتھ فرار ہوتی ہے۔ کیسے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو چھوڑ کر کسی غیر کے ساتھ ہو لیتی ہے۔ مرد کو عورتیں گھر میں ڈالنے کا خبط ہے' انہیں عزت اور مان کے ساتھ رکھنے بسانے کا گُر نہیں سیکھتا۔ وہ اپنے نام سے زنجیریں ڈال کر' روایات کے

کنوئیں میں لٹکا کو گویا تمام فرائض سے عہدہ برا ہوا تا ہے۔لعنت ہو ایسی زندگی پر' ایسے جینے سے نہ جینا اچھا۔"

اُس کے جسم کا بند بند درد کر رہا تھا۔ ہو پہلو ٹیسیں جاگتی تھیں۔ درد کا احساس جسم سے زیادہ دل میں محسوس ہو رہا تھا۔

O☆O

سکندر کی خوش قسمتی تھی کہ اس بار امتحانات دینے میں اسے کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ ملک دراب کسی کام کے سلسلے میں ملکوال میں مصروف تھا۔ایف اے کا آخری پرچہ دے کر وہ ملک آیا تو پتا چلا اسے ملک ایاز نے کسی کام سے فوری طور پر ملکوال بلایا ہے۔

لامحالہ اسے ملکوال جانا پڑا حالانکہ وہ دل سے یہ چاہتا تھا کہ اسے کبھی وہاں نہ جانا پڑے۔ صائمہ کا سامنا ایک عذاب سے کم نہیں تھا۔

ملک ایاز نے اسے دیکھتے ہی حکم دیا کہ گنے کا ٹرک اپنی نگرانی میں بھروا کر لاہور میں شوگر ملز روانہ کردے۔

وہ اس کام سے فارغ ہو کر گھر جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ خالہ برکتے کوثر کے ساتھ خود آئی۔

"کیسا ہے میرا پتر۔ٹھیک تو رہا شہر میں۔" برکتے نے والہانہ اس کا ماتھا چوما تھا۔

"ہاں خالہ۔تُو سنا' تیری صحت کیسی ہے۔"

"سکندر' تمہارے پرچے کیسے ہوئے۔ سارے ٹھیک کئے تھے۔" کوثر نے جلدی پوچھے۔

"میرے پرچے تو ٹھیک ہی ہوئے ہوں گے مگر تُو بتا تو یہاں کیوں آئی۔ تجھے میں حویلی میں آنے سے منع کر رکھا ہے۔"

سکندر اس پر نگاہ پڑتے ہی چونکا۔ وہ پسند نہیں کرتا تھا کہ کوثر یہاں آئے اور ملکوں ملازموں یا خود اُن کے بیٹوں کی میلی نظروں کا سامنا کرے۔ یوں بھی ملک دراب کی فطرت پیشِ نظر وہ ویسے بھی کوثر کے معاملے میں بہت محتاط رہتا تھا۔

"فتح محمد نے بتایا تھا' تم شہر سے آگئے ہو۔ مجھ سے سُن کے رہا نہیں گیا۔تم کو آئے

شام ہوگئی اور ہم سے ملنے نہیں آئے۔" وہ ناراضگی سے اسے دیکھ کر بسوری تھی۔

"میں فارغ ہو کر اب گھر ہی آرہا تھا مگر تُو یہاں نہ آیا کر۔ایک دفعہ کی بات کیا پلّے نہیں پڑتی۔" وہ باقاعدہ ڈانٹ رہا تھا۔

"میں نے بھی روکا تھا پتر مگر اس نے نہیں سنا۔ اتاولی ہوگئی تھی بس۔ضد سے میرے ساتھ آگئی۔کتنی بار سمجھایا ہے' اب بچی نہیں رہی' ویلا کویلا بھی دیکھا کر مگر اس کی تو مت ماری ہوئی ہے۔"

برکتے نے شکایت لگائی۔

اس سے پہلے کہ سکندر کچھ کہتا' کسی کمرے سے صائمہ برآمد ہوگئی۔ وہ کسے ہوئے نیلے ریشمی زرتار جوڑے میں گجرے بالوں اور ہاتھوں میں باندھے نیام سے نکلی ہوئی تلوار کی طرح سرتاپا سجی بنی مرد کی نظروں اور دھڑکنوں کو پاگل کرنے کے لئے تیار کھڑی تھی۔

"سلام بی بی جی۔" کوثر نے شوق و دلچسپی سے صائمہ کا سراپا دیکھتے ہوئے جھٹ سے سلام داغا۔ برکتے نے بھی حسبِ روایت سلام کیا البتہ سکندر پشت پھیرے دھڑکتے دل سے جوں کا توں غیر متوجہ کھڑا رہا۔

"کیا حویلی والوں نے یہاں کتنے بچھو چھوڑ رکھے ہیں جو کوثر کو کاٹ کھائیں گے؟"

وہ عین اُس کے سامنے آکر تیکھی آواز میں گویا ہوئی۔

"السلام علیکم۔" اب گریز واجتناب کو بالائے طاق رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

"رشتہ تو کوئی بھی نہیں بنتا اس کے ساتھ۔" صائمہ کی گہری نظروں نے کوثر کے سیدھے سادھے بھولے بھالے سراپے میں چھپی رعنائیوں کے خزینے تلاش کئے۔

"پھر کیوں اتنا خیال ہے اس کا؟"

"میں گھر جاتی ہوں اماں۔" کوثر بُری طرح گھبرا رہی تھی۔ وہ یوں بھی حویلی کے ماحول سے خائف ہو رہی تھی۔ لڑکپن میں ادھر آئی ہو تو آئی ہو' سمجھدار ہونے کے بعد برکتے نے اسے حویلی کے دروازے سے دور ہی رکھا تھا۔

"ہاں۔تم فوراً جاؤ۔" سکندر نے تحکم سے کہا۔

وہ سر ہلاتی غائب ہوگئی اور برکتے کام کے لئے سر جھکائے اندر چلی گئی۔

''کوئی خاص چیز تو نہیں ہے۔'' صائمہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میرے سامنے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کیا خیال ہے۔'' اس کا لہجہ بہت عجیب سی چبھن ا
ہوئے تھا۔

''صائمہ بی بی! اپنے اور میرے راستے مشکل نہ بنائیں۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں گو
ہوا۔

''اُلٹا سیدھا سوچنے سے آپ کے اپنے اعصاب ہی متاثر ہوں گے، کسی کا کچھ نہیں بگڑ
گا۔''

''کیوں نہیں بگڑے گا؟'' وہ بات کاٹ کر غرائی۔ ''میں بگاڑوں گی اس حویلی کے درودیوار کی صورت اور تمہارے ساتھ تو وہ کروں گی کہ میرے جوتے چاٹو گے رحم کے لئے۔ تم نے اُس ر
مجھے ٹھکرایا، میری بے عزتی کی۔ اب دیکھنا، میں تمہیں کیسا سبق سکھاتی ہوں۔ میرے قریب آنے کی وجہ یہی تھی ناں۔ تمہاری نام نہاد رشتے داری۔ دیکھنا......''

اس کے عزائم خطرناک تھے۔

''آپ اس وقت غصے میں ہیں، میں آپ کے فائدے کی بھی کہوں گا تو آپ کو دشمن ہی نظر آ
آؤں گا۔ آپ اپنے اعصاب پر قابو پائیں اور ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں تو......''

''جب جسم و جان جل رہے ہوں تو دل ٹھنڈا کہاں رہتا ہے۔ میں بھسم ہو رہی ہوں تو کو
اور بھی کیوں محفوظ رہے۔ کچھ انگارے تو اس کے دامن تک بھی پہنچنے چاہئیں۔''

سکندر کا چہرہ تانبے کی طرح دہک اُٹھا۔

''اگر کوثر کو کچھ ہوا تو میں۔'' اس کی آنکھوں کی سُرخیاں گواہ تھیں کہ وہ کسی قیمت پر زیادتی کرنے والے کو معاف نہیں کرے گا۔

''ہوں۔ بہت خوب!'' کچھ دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد صائمہ زہریلے انداز میں مسکرائی۔

''یہی اُگلوانا چاہ رہی تھی، میں تم سے۔ جان تو میں گئی تھی، تمہاری زبان سے سننے کا اشتیا
ہو رہا تھا۔ آخر اعتراف کر ہی لیا۔''

''آپ حد سے بڑھ رہی ہیں۔'' سکندر کا لہجہ بھنچا ہوا تھا۔

''میں آپ کی حیثیت کے پیشِ نظر احترام کرنے پر مجبور ہوں۔ آپ اس مجبوری کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھائیں۔''

''جائز و ناجائز تو بہت جلد تمہارے سامنے آ جائے گا۔'' صائمہ اپنے ارادوں پر قائم تھی۔

''کیا مطلب ہے آخر آپ کا۔'' سکندر اس کی ہٹ دھرمی سے خائف ہو گیا۔

''تم......'' وہ تفاخرانہ مسکرائی۔ ''یہ قیمت ہے، تمہاری معشوقہ کی عزت و آبرو کی۔''

سکندر کا ہاتھ اُٹھتے اُٹھتے رہ گیا۔

''زبان بند کریں اپنی۔'' وہ دھیمے لہجے میں غرایا۔ اس کی آنکھیں خون اُگل رہی تھیں۔

''اپنی حد میں رہ کر بات کرو۔'' صائمہ نے حقارت سے جھڑکا۔ کوثر کی طرف سکندر کا التفات اور توجہ دیکھ کر اس کی رگوں میں خون کی جگہ چنگاریاں دوڑنے لگی تھیں۔

''اگر دراب بھائی یا ایاز چاچا کو تمہاری اس بدتمیزی کی خبر کر دوں تو وہ تمہاری کھال میں بھس بھروا دیں گے۔

''میں آپ کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کر رہا۔'' سکندر ضبط سے بولا۔

''مگر آپ کا لب و لہجہ اور انداز میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ میں خاموش نہیں رہ
گا۔''

سکندر سے اس سے زیادہ ضبط کرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مڑ کر مردانے کی سمت چلا گیا۔

صائمہ مُٹھیاں بھینچے کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر سر ہلاتی اندر چلی گئی۔

O☆O

''یہ کیا ہو رہا ہے، میرے بچوں کے ساتھ۔'' بیگم ریاض دل پکڑے چکراتے سر کے ساتھ
لی فیملی ہاسپٹل کے ویٹنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ نگین اُن کے ساتھ بیٹھی اُن کو تسلی دے رہی

''اللہ کا شکر ہے، زخم گہرے نہیں ہیں۔ معمولی خراشیں ہیں۔ تھوڑی دیر میں ڈاکٹرز انہیں
ما کر دیں گے آپ پریشان نہ ہوں خالہ۔''

''خطرناک لوگوں کے ساتھ پالا پڑا ہے، کچھ تو بندے کو اپنی حفاظت کا خیال رکھنا چاہئے۔
یہ زمانے بھر کے لاابالی۔ منہ اُٹھا کر جہاں جی کیا نکل کھڑے ہوئے۔''

ان کا آنسوؤں سے بھیگا لہجہ ناراضگی لئے ہوئے تھا۔

''مصیبت وقت اور جگہ پوچھ کر نہیں آتی خالہ۔'' نگین نے اُن کے کندھوں کے گرد بازو پھیلایا۔

''اللہ خوش رکھے ان راہگیروں کو جنہوں نے انہیں اُٹھا کر ہاسپٹل پہنچا دیا اور ہمارے گھر فون کروا دیا ورنہ جانے کب تک پڑے رہتے۔''

نگین نے گردن گھما کر ایمرجنسی وارڈ کی طرف سے نکلنے والی نرس کی طرف دیکھا۔ لوگ ہاسپٹل سے فون سنتے ہی نکل آئے تھے۔

''دونوں کو ہوش آ گیا ہے۔ زخموں پر پٹی کر دی گئی ہے۔ وہ اپنے پاؤں پر چل پھر رہے ہیں۔ آپ انہیں گھر لے جا سکتے ہیں۔ جا کر مل لیجئے۔''

''تھینک یو۔'' نگین اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ''آئیں خالہ۔''

وہ لوگ وارڈ میں داخل ہوئے تو اظہر اور محسن کو ہاسپٹل کے بستر سے اُٹھنے کی تیاری میں مشغول پایا۔

''کیسے ہو بیٹا۔'' بیگم ریاض نے بے تابی سے باری باری ان کی پیشانیاں چومیں۔ وہ بڑی مشکل سے خود پر ضبط کر رہی تھیں۔

''ٹھیک ہیں امی۔'' محسن کے ہونٹوں پر تھکی تھکی سی مسکراہٹ تھی۔

''نکلے تھے' آٹا لینے اور یہاں خود روٹی کی طرح بیل دیئے گئے۔'' اظہر نے کندھے کا ٹیسیں چھپاتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہا۔

''کون لوگ تھے وہ؟'' نگین اضطراری لہجے میں بولی۔

''ظاہر ہے' پرانے ''مہربانوں'' کے پالتو غنڈے ہیں۔ انہیں کسی طرح خبر ہو گئی ہو گی ہمارے پچھلے زخم بھر چکے ہیں۔'' اظہر اپنی چپل پہن رہا تھا۔

''ہسپتال کا عملہ پوچھ رہا تھا کہ پولیس کیس بنانا ہے تو تھانے سے پولیس طلب کر لی جا مگر میں نے منع کر دیا۔'' محسن سب سے پہلے وارڈ سے باہر نکلا تھا۔ باقی اس کے پیچھے تھے۔ کے باہر ٹیکسی روک کر پتا بتانے کے بعد محسن سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اظہر آگے ڈرائیور کے سا تھا اور پیچھے نگین' بیگم ریاض اور محسن فٹ ہو گئے تھے۔

''تم نے کیوں منع کیا بے وقوف آدمی۔'' نگین حیرت سے بولی۔ ''مجرموں کو ان کے کیے کی سزا ملنی چاہئے تھی۔''

''کچھ بھی نہ ہوتا مس نگینہ۔'' محسن تلخی سے ہنسا۔

''پولیس نامعلوم حملہ آوروں کے خلاف مقدمہ درج کر لیتی اور پھر کچھ عرصے بعد فائل داخل دفتر کر کے اس سے گلو خلاصی فرما لیتی۔ تمہارا کیا خیال ہے' پولیس اصل مجرموں پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت کر سکتی ہے؟ کس مائی کے لال میں اتنی ہمت ہے کہ ملک دراب اور چودھری افضل کے پالے ہوئے بدمعاشوں کو گرفتار کرے۔''

''مگر ملک دراب نے یہ سب کیوں کروایا؟'' نگین اُلجھن کے عالم میں بولی۔

''چھوٹی سی جھلک دکھلانے کے لئے یا یوں سمجھ لو ٹریلر دکھایا ہے' اپنی طاقت و جبروت کا۔ ڈرا رہا ہے' ہمیں اپنے اثر و رسوخ اور رسائی سے۔ جیسے ہم اس کے رعب میں ہی تو آ جائیں گے۔'' محسن نے سر جھٹکا۔

''بھئی' گیہوں تو پسا سو پسا' گھُن مفت میں پس گیا۔ مجھے کس کھاتے میں پلیتھی کر دیا۔'' اظہر گردن موڑ کر فریاد کرنے لگا۔

''مسٹر گھُن صاحب۔ آپ ایک مرتبہ پہلے بھی پس چکے ہیں' رشید صاحب کے قتل کے کیس میں۔ اب تو آپ کو عادی ہو جانا چاہئے۔'' محسن نے کہا اور اس کی گردن واپس موڑ دی۔

''ابے کیوں انجر پنجر ہلا رہا ہے۔'' اظہر نے کراہ کی صورت میں احتجاج کیا۔

''ڈاکٹر صاحب آج خود دوسروں کی مرہم پٹی کے محتاج ہو گئے۔ کیا زمانہ آ گیا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے اپنی استانی صاحبہ کسی سے ٹیوشن پڑھنے لگیں۔'' محسن لطف اندوز ہو رہا تھا' غالباً ہلکے پھلکے انداز میں باتیں کر کے دونوں بھائی ماں اور نگین کو مطمئن کرنا چاہ رہے تھے۔

''آپ کے دانتوں کے بیچ کی جو چیز ہے' اسے آرام فرمانے دیں محسن صاحب' عین نوازش ہو گی۔'' نگین نے اسے زبان بندی کا حکم دیا۔

''جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر' لہو پکارے گا آستیں کا۔'' محسن نے آستین کے پاس بندھی پٹی کو بطور خاص لہرایا جہاں ہلکا سا سرخ دھبا پٹی کی تہوں کے بیچ نظر آ رہا تھا۔

''گھر آ گیا ہے۔ پٹر پٹر بند کرو اور نیچے اُترو۔'' نگین نے جھڑکا۔

''کیوں؟'' اظہر نے بھولی سی صورت بناتے ہوئے دروازہ کھولا۔ ''کیا آپ تلاشی لیں گی۔ جامہ تلاشی یا خانہ تلاشی' یہ بھی وضاحت فرما دیں۔''

''تیری تلاشی سے کیا برآمد ہوگا دہی بڑے۔'' محسن ڈرائیور کو پے منٹ کرنے کے بعد ریاض سے گیٹ کی چابی لے کر گیٹ کھولنے لگا۔

''فقط ایک ٹوٹا پھوٹا دل جسے جراحت کے لئے آپ نے ایک خاتون کو بھجوا دیا ہے۔'' نے کن انکھیوں سے نگین کی طرف دیکھا۔

''ابے آگے چل۔'' اظہر نے اسے دھکا دیا۔ ''مروائے گا کیا۔''

''یہ کارنامہ تو ہمارے عزیز از جان ملک دراب نے سرانجام دیا ہے۔'' محسن باز نہ آیا۔

''ساحر صاحب ہمارے جانے کے بعد گھر آئے تھے؟'' اندر پہنچ کر محسن کو یاد آیا۔

''ہاں' میں نے بتا دیا کہ تم گھر کے کام سے باہر نکلے ہو۔ واپس آتے ہی اُن کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ جاؤ گے۔'' نگین نے بتایا۔

''پھر؟''

''پھر کیا۔ پھر وہ واپس چلے گئے۔'' نگین نے کندھے اُچکائے۔

بیگم ریاض دونوں کے لئے گرم دودھ کے گلاس تیار کر کے لائی تھیں۔ وہ بُرے بُرے منہ بناتے رہے اور ڈانٹ کھاتے ہوئے دودھ پیتے گئے۔

''تم لوگوں کا علاج ہی یہی ہے۔'' بیگم ریاض نے ان کے واویلے پر کان نہیں دھرے۔ محسن دودھ پینے کے بعد فون پر جُت گیا۔ ساحر کا موبائل نمبر ملا کر صورت حال بتائی۔

ساحر اُن پر قاتلانہ حملے کی اطلاع پا کر سخت مشتعل ہوا۔

''میں خود ڈیل کرتا ہوں اس معاملے کو۔ ان کی لاقانونیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ ایک کوا ڈاکٹر اور وکیل پر ہاتھ ڈالنے سے باز نہ آئے۔ میں ابھی ڈیڈی سے بات کر کے ملک دراب کی کارروائی کے لئے جوابی حکمت عملی طے کرتا ہوں۔''

''ابھی ٹھہر جایئے سر۔'' محسن نے درخواست کی۔ ''ہو سکتا ہے' دشمن نے یہ ٹریلر ہی جوابی ردِعمل کے لئے پیش کیا ہو۔ ہم کیوں ویسا ہی کریں' جیسا کہ وہ ہم سے توقع کر رہے مزہ تو جب ہے' جب ہم اس پہلو سے ان کے کاز کو زک پہنچائیں جہاں سے وہ سوچ بھی

ہوں۔ کبھی کبھی جنگ میں للکار کر دعوت دینے کے بجائے بے خبری میں وار کرنا زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ آگے جو آپ کا حکم۔''

''او کے۔ تم کل دفتر پہنچو پھر میٹنگ بلا کر اس موضوع کو زیرِ بحث لائیں گے۔ اپنے گھر والوں کی سکیورٹی کے لئے فکرمند نہ ہو۔ میں کل ہی دو تربیت یافتہ چاق و چوبند افراد کو سادہ لباس میں خفیہ طریقے سے تمہارے گھر کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے روانہ کئے دیتا ہوں۔''

''تھینک یو سر۔''

''او کے۔'' ساحر کے موبائل آف کرنے کے بعد اس نے بھی ریسور کریڈل پر ڈال دیا اور سنجیدگی سے کچھ سوچنے لگا۔

O☆O

اخبار کا وہ ٹکڑا جس میں صفیہ کی فرمائش پر عرفان سموسے لایا تھا' اس وقت راحت کے ہاتھ میں تھا۔ وہ چولہے کے آگے بیٹھی ہانڈی میں چمچہ ہلاتی بے خیالی کے عالم میں تیل سے چکنے ہو جانے والے اخبار کے اس صفحے کو پڑھنے لگی۔

اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا دُرِ مکنوں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

ایک طرف تو عورت کو خوبصورت ترین خطابات اور القابات سے نوازا گیا ہے' دوسری طرف وہ مردوں کے ہاتھوں پسنے والی ایک ''مظلوم ہستی'' کی صورت بن کر رہ گئی ہے۔ عورت کی مظلومیت کی داستانوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ موجودہ معاشرے کے دانشور اسے پُرانے اور پسماندہ دور کے واقعات سے موسوم کرتے ہیں لیکن کیا اکیسویں صدی کو ایک جدید' مہذب اور ترقی پسند صدی کہنا مناسب ہوگا جس میں روزانہ عورت پر ذہنی و جسمانی اور نفسیاتی تشدد کیا جاتا ہے۔ اس کے بنیادی حقوق کو مذاق کا نشانہ بنایا جاتا ہے' اس کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ کیا ان سال قبل کے معاشرے اور موجودہ ترقی یافتہ دور کی یہ قدر مشترک نہیں ہے۔ ہر دور میں

عورت مظلوم رہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جدید تقاضوں نے تشدد کے انداز بدل دیئے ہیں
یوں تو دنیا بھر میں خواتین کا استحصال کیا جا رہا ہے مگر ہمارے ملک میں یہ شرح بہت زیادہ ،
شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری خواتین اپنے حقوق سے ناآشنا ہیں۔ انہوں نے مردوں
جارحانہ رویے کو برداشت کرنا اپنا فرض سمجھ لیا ہے اور خواتین کے اس طرز عمل نے مردوں
حوصلے بڑھا دیئے ہیں۔"

وہ اخبار کا چکنائی میں لتھڑا ٹکڑا پڑھتی جا رہی تھی اور اس دوران اس کے وجود میں ہیجان
لہریں اُٹھ رہی تھیں۔

"اقوام متحدہ کے ترقیاتی فنڈز برائے خواتین نے پچھلے برس سے 25 نومبر کو "خواتی
تشدد کے خاتمے کا عالمی دن" قرار دیتے ہوئے ہر سال منانے کا اعلان کیا ہے۔"

راحت کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"دن منانے سے مسائل ختم ہونے لگیں تو ہم پورا سال ہی یوم انسانیت کے طور پر منا
رہیں۔"

عورتوں کے مسائل ایک سے ہیں' بھلے سے ان کا تعلق پسماندہ طبقے سے ہو یا سوسا
اعلیٰ و معزز گھرانے سے۔ پس منظر "متضاد" سہی مسائل "مترادف" ہیں۔ کہیں عورت گھریلو
شکار ہے تو کہیں سماجی و معاشرتی تشدد کے ہاتھوں بے بس ہے۔"

راحت بڑی دیر تک کاغذ کے اس ٹکڑے کو گھورتی رہی پھر چولہے میں جھونک دیا
محافظ جلائے جا سکتے ہیں' احساس کو نہیں جلایا یا مٹایا جا سکتا۔ وہ اپنی جگہ موجود و محسوس ک

اس کے اندر رہ رہ کر یہ الفاظ احساس بن کر دھڑک رہے تھے۔

"ہماری خواتین نے مردوں کے جارحانہ رویے کو برداشت کرنا اپنا فرض سمجھ لیا
طرزِ عمل نے مردوں کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں۔"

اس کے سوئے ہوئے احساسات جاگ رہے تھے۔

عورت کو پابندیوں کا شکار کیوں بنایا جاتا ہے؟

صرف اس لئے کہ وہ آگاہی حاصل کر کے اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کر سکے۔ قوا

ہیں۔ مسئلہ فقط اِن کے نفاذ کا ہے' عملدرآمد اور پیروی کا ہے۔

یہاں یہ سسٹم ہے کہ خواتین سے متعلق مسائل و معاملات کو بدنامی کے ڈر سے دبا دیا جاتا
ہے کیونکہ ایسے معاملات بھائیوں اور باپوں کی غیرت مندی کے صحیفے پر دھبا ہوتے ہیں۔

عورت ماں' بہن یا بیٹی نہیں ہے۔

عورت ملکیت ہے' صرف ملکیت!

راحت نے گھٹ کر سوچا۔

ایک ایسی ملکیت جس پر ذہنی' جسمانی اور نفسیاتی تشدد کرنا مرد اپنا حق سمجھتا ہے۔

باپ' بھائی اور خاوند ہوا بن کے عورتوں کے اعصاب پر ہمہ وقت سوار رہتے ہیں۔ ان کے
طرف سے وہ بتدریج اپنے حق سے دستبردار ہوتی جاتی ہے۔

اسے زندگی اور زندہ رہنے کے تقاضوں سے زیادہ باپ اور خاوند کے ہاتھوں پر پڑنے والے
بل یاد رہتے ہیں۔ گھریلو سطح پر بدسلوکی' ظلم اور جبر کو وہ روٹین کا ایک حصہ سمجھتی ہے۔

اور میں نے بھی تو یہی کیا ہے۔

راحت نے کرب سے سوچا۔

پہلے بہن کو بزدلی اور کم ہمتی کے طعنے دیا کرتی تھی۔ اسے شوہرانہ جاگیرداری سسٹم سے
بغاوت کرنے پر اُکسایا کرتی تھی' اب حالات کے ہاتھوں پس کر خود بھی اس سسٹم کا ایک پرزہ بنتی
جا رہی ہوں۔

میرے ناکردہ گناہوں کی پاداش میں پھیلنے والی بدنامی نے پہلے میرے باپ کی جان لی پھر
ماں کو اس درجہ مجبور کر دیا کہ وہ جانتے بوجھتے ہوئے دوسری بیٹی کو بھی اسی جہنم میں جھونکنے پر مجبور ہو
گئی جس میں پہلی بیٹی تین برسوں سے جل جل کے راکھ ہو رہی تھی۔

مجھے ایک نکما نکھٹو اور بڑے بھائی کی کمائی پر عیش کرنے والا ناکارہ خاوند ملا جس کا پسندیدہ
کام گھر بیٹھ کر روٹیاں توڑنا ہے۔ وہ بیوی کے لئے کیا کماتا جو اپنے جوگا نہیں ہے۔ وہ خود بھی
نکھٹو بن کے بھائی کے ٹکڑوں پر پل رہا ہے اور بیوی کو بھی یہی درس دیتا ہے۔

نتیجہ یہ کہ آج پیٹ بھرنے کو تین ٹائم کی روٹی یوں ملتی ہے' جیسے ترس کھا کے کتے کو ہڈی ڈالی
جاتی ہے۔ اپنے مرد کی کمائی نصیب نہ ہو تو عورت کس برتے پر سسرال میں اکڑے۔ میں ساس

نندوں اور جیٹھ کی بُری بھلی سننے پر مجبور ہوں اور یوں بھی معاملہ صرف میرا نہیں ہے' دوسری بہن
تو یہیں آباد ہے۔ انتہائی قدم اُٹھاتی ہوں تو بہن اُجڑ کے میکے پہنچ جائے گی۔ وہاں پہلے ہی ماں
کنواری جوان لڑکیوں اور کمسن بیٹے کا پیٹ پالنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ جا
طرح سلائی کڑھائی اور تیرے میرے گھر کے کپڑے دھو کر دو وقت کی روٹی کے جتن پورے
رہے ہیں۔

آخر زندگی ہار تھک کے جائے تو جائے کہاں۔

چار ماہ ہو گئے ہیں' میرے بیاہ کو۔

''میں نے شروع شروع میں جی بھر کے احتجاج کر کے' آواز اُٹھا کر شور شرابا ڈال
تقریریں کر کے دیکھ لیا۔ نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ حالات یا یہ لوگ تو کیا سدھرتے' ال
ان کے تشدد کا نشانہ بنتی چلی گئی اور مسلسل طعن و تشنیع' ذہنی و جسمانی زدوکوب اور بے آسرا وا
مستقبل کے خوف نے بالآخر میرے حوصلے توڑ دیئے۔

یہاں سے نکال دی گئی تو پھر کہاں جاؤں گی؟ ماں نے تو پہلے ہی بڑے جتنوں سے
تلاشا تھا میرے لئے۔ اس کے پاس اُجڑ کے گئی تو وہ وہیں دم دے دے گی اور پھر دو جوان
کا بوجھ۔

وہ ہر ہر پہلو سوچ کر تھک چکی تھی مگر نجات' سلامتی اور اطمینان کا کوئی راستہ سجھائی نہیں
رہا تھا۔

کاش' کسی طرح میں میڈم نگین سے مل سکتی۔

اس نے حسرت سے ہاتھ ملے۔

ان کی رہنمائی یقیناً بند دروازے کھول دیتی۔ وہ کوئی ایسی قابلِ عمل ترکیب بتاتیں ا
سے دشواریاں سہل ہو جاتیں۔

''کاش کسی طرح میں کالج میں پڑھائی کا سلسلہ جاری رکھ سکوں۔''

اس کے اندر تعلیم مکمل کرنے کی خواہش بری طرح ٹھاٹھیں مارنے لگی۔

''ٹھیک ہے' نوکری کے لئے عرفان اور جابر بھائی نے سختی سے منع کر رکھا ہے مگر تعلیم
کرنے کی اجازت تو دے ہی دیں گے۔ بات کرنے میں کیا حرج ہے۔ بی اے مکمل ہو

ایک طرح کا اطمینان حاصل ہو جائے گا۔ بندہ آڑے وقت میں کسی جگہ اپلائی کر کے اپنے لئے
آمدن کا ذریعہ تو ڈھونڈ سکتا ہے۔ کیا میں ساری زندگی جیٹھ کے ٹکڑوں پہ ہی پلتی رہوں گی۔ خاوند کی
وداری تو بدحرامی کی تہوں میں غارت ہو چکی' وہ نہ سہی تو میں ہی روزی رزق کا کوئی بندوبست
کروں۔''

وہ ایک عزم کے ساتھ اُٹھی اور جابر بھائی کے کمرے میں آ گئی۔ وہ کل سے یہیں تھے اور
اتفاق سے اکیلے ہی آئے تھے۔ انیتا ساتھ نہیں آئی تھی۔ وہ دروازہ بجا کر ان کے سجے سنورے
ئیش کمرے میں داخل ہوئی۔

وی سی آر پر کوئی فلم دیکھ رہے تھے۔ بیڈ پر نیم دراز تھے۔ دستک پر بڑے تپے ہوئے موڈ
ں اُٹھے تھے۔

ان کا خیال تھا کہ یہ جرأت طلعت نے کی ہے اسی لئے چہرہ...... برہمی کی تصویر بنا ہوا تھا مگر
اس کی صورت دیکھ کر پیشانی کے بل قدرے کم ہوتے چلے گئے۔

راحت محسوس کر رہی تھی کہ کچھ عرصے سے جابر بھائی کے جارحانہ اور شدید متنفر و متقم رویوں
کچھ تبدیلی آ گئی تھی۔ اب وہ ہاتھ اُٹھانے سے گریز کرتے تھے' تاہم عجیب و غریب سی چبھتی
لی نظریں اکثر اس نے اپنے وجود کا احاطہ کرتی ہوئی محسوس کی تھیں۔ اس وقت بھی وہ اسے انہی
ب سی کھوجتی ہوئی نظروں سے گھور رہے تھے۔

''آؤ۔ رُک کیوں گئیں۔'' ان کے لہجے میں تحکم بہر حال موجود تھا۔

''وہ جابر بھائی۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنا تھی۔'' وہ اپنے اندر کی غصیلی کیفیات کو دبا کر
بمشکل سے لہجے میں نرمی و تہذیب بھر کر گویا ہوئی تھی۔

''کہو۔'' وہ رعب سے بولے۔

''کیا میں اپنی پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع کر سکتی ہوں؟'' وہ عاجزی سے بولی۔

''نہیں۔'' انہوں نے دوٹوک کہا۔

''ہمارے ہاں کی لڑکیوں کو اس طرح کی آزادیاں نہیں دی جاتیں جس سے بدنامی ہو۔''

''اس میں بدنامی کی کیا بات ہے۔'' وہ دبے لہجے میں احتجاجاً بولی۔

''کیا بھولپن ہے۔'' وہ طنزیہ بولے۔

''سب کچھ کر کرا کے تم نیک مریم بنی بیٹھی ہو جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔''
وہ اس طعنے پر تڑپ کر رہ گئی تھی۔
''لڑکیاں گھروں سے نکلیں گی تو لونڈے لپاڑے اور دوسرے مرد انہیں تاڑیں گے'
آئیں گے' جال میں پھنسائیں گے اور پھر انہیں ماں باپ کی عزت سے کھیلنا سکھائیں گے
لئے بہتر یہی ہے کہ لڑکیوں کو پڑھنے لکھنے اور نوکری کرنے کے بہانے بنا کر گھر سے قدم باہ
کی اجازت ہی نہ دی جائے۔ نہ ہوں گی پڑھائیاں' لکھائیاں اور نہ ہو گی ذلت و رسوائی۔ ب
گیا تو اسکول تک پڑھا دیا۔ آگے کالج یونیورسٹیاں تو بے حیائی سکھانے کے اڈے ہیں اڑ
انہوں نے فتویٰ جاری کیا۔
''ہاں خود جو اسی طرح اس چھمک چھلو کو پھنسایا تھا' پیچھے پھر کے' پہلی بیوی سے بے
کر کے۔ آپ کو ان چکروں کا خوب پتا ہو گا کہ آپ بھی تو انہی مردوں میں سے ایک ہیں
استہزائیہ سوچ رہی تھی۔
''اتنی تفاصیل وہی جان سکتا ہے جو اس میدان کا کھلاڑی رہا ہو۔''
''تم بیٹھ جاؤ ادھر آ کر۔ کھڑی کیوں ہو؟'' جابر بھائی کی نظریں اس کے سیاہ کر
میں مقید گندمی کھلتے ہوئے رنگ کے پرکشش وجود کو ٹٹول رہی تھیں۔ طلعت اور اس کے
کے قیامت خیز وجود کی رعنائیاں برتنے کے بعد انہیں احساس ہوا تھا کہ عورت اصل میں کس
نشہ آور چیز ہے۔ ہر پڑیا بظاہر ''پیکنگ'' میں ایک جیسی نظر آتی ہے مگر ذائقہ ہر ایک کا الگ
ہوتا ہے۔ اب ان کو نئے نئے ذائقوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے دوسری پڑیوں کی
کھولنے کا تجسس ہو گیا تھا۔
راحت' طلعت اور رانیتا دونوں سے ہر لحاظ سے مختلف تھی۔ بیس برس کی کم سن وشا
بھرپور جوان لڑکی کے سامنے بہرحال طلعت اور رانیتا کہیں پچھلی قطاروں میں چلی جاتی تھیں
''جابر بھائی پلیز۔ میں آپ سے درخواست کرتی ہوں۔ چلیں' میں کالج نہیں جا
کم بی اے فائنل کے پیپرز کے لئے ایڈمشن فارم تو جمع کرا آؤں۔ آپ فیس کی فکر نہ کر
اماں کی دی ہوئی بالیاں بیچ دوں گی۔'' اس نے منت کی۔
جابر بھائی اپنے بیڈ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ٹہلتے ہوئے اس کے قریب آئے

لوں ہاتھ پشت پر بندھے تھے' اس کے قریب بہت قریب آ کر ایک دم جھکے اور گردن کے پاس
لگا کر زور سے سونگھنے کے بعد یوں پیچھے ہٹ گئے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔
راحت ہکا بکا ناسمجھی کے عالم میں ان کی جسم کی خوشبو چرانے والی اس حرکت کی وجہ سوچتی رہ
گئی۔
''پرچے کب ہو رہے ہیں؟'' وہ بڑے احسان سے گویا ہوئے۔
''جون میں۔''
''ٹھیک ہے۔ فارم جمع کرا کے تم گھر بیٹھو گی۔ اگر بہانے بہانے سے دوبارہ کالج جانے کی
ات کی تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔''
اسے اُن کا کھردرا اور غیر مہذب انداز بُرا تو بہت لگا' تاہم خون کے گھونٹ پی کر ضبط کئے
لی۔
وہ واپسی کے لئے دروازے کی طرف مڑی تو جابر بھائی بھی تیزی سے اس کے قریب سے
رے۔ ان کا رخ بھی دروازے کی طرف تھا' جاتے ہوئے دانستہ وہ اس طرح گزرے کہ اُن
ھائی طرح راحت کے شانے سے رگڑ کھاتا گیا۔ راحت اس انداز پر دانت پیس کر رہ

O☆O

''دراب پتر۔ ذرا ادھر آ کے میری گل سن جا۔''
دراب شکار سے واپس آنے کے بعد اندر چل کر آرام کرنے کا سوچ رہا تھا' جب ملک ایاز
اسے بیٹھک سے آواز دی۔
وہ اس وقت اکیلے تھے اور غالباً کسی سوچ میں گم تھے۔
''ملک ہاؤس سے فون آیا ہے ملک توقیر کا۔ وہ بتا رہا تھا' تم نے ساحر کی کمپنی کے وکیل اور
کے ڈاکٹر بھائی کو پھڑکا دیا ہے۔''
''پھڑکایا نہیں ذرا سی چھینٹی لگائی ہے' سیدھا کرنے کے لئے۔'' ملک دراب آرام سے
پہ ٹانگ جما کر بیٹھ گیا۔
''مگر فیر وی۔ پتر۔ شہر اور گاؤں کے ماحول میں فرق ہوتا ہے۔ یہاں دس بندے بھی مٹی

تلے دبا دو تو کوئی اونچی آواز میں ساہ (سانس) نہ بھرے گا مگر شہر میں ایک ریڑھی چھابڑی وا
گڈی تھلے آجائے تو فائلیں کھل جاتی ہیں۔"

"کچھ نہیں ہوتا ابا جی۔" دراب نے بے پروائی سے ہاتھ ہلایا۔ "وہاں بھی یہی حال
سب پیسے کے یار ہیں' نوٹ دکھاؤ اور کام نکلواؤ۔"

وہ کھڑا ہو گیا۔

"میں تھوڑا آرام کرلوں' چلتا ہوں۔"

ملک ایاز کے سر ہلانے پر وہ زنانے کی طرف آ گیا۔

"کیا حال چال ہیں بھائی جی؟" صائمہ ویسے تو ملک دراب کے آگے کم ہی پڑتی تھی
کا غصہ اور جلال سب کے قدم روک لیتا تھا مگر آج کل وہ ایک خاص مقصد کے تحت اس
کے چکروں میں تھی۔

"ٹھیک ہوں' کیا بات ہے۔" وہ بے پروایانہ سی نظر ڈال کر پوچھنے لگا۔

"وہ حویلی کا کوئی ملازم بتا رہا تھا' ڈیرے میں کام کاج کے لئے آپ کو ایک لڑکی چا
وہ خود سے بات بنا کر بولی۔ وہ جانتی تھی' ایسا نہ بھی ہوا تو بھی لڑکی کے نام پر وہ خود ہی دلچسپ
لگے گا اور یہی ہوا۔

"ہاں' نوکرانی تو چاہئے۔ ہے کوئی تمہاری نظر میں؟"

"وہ برکتے دھوبن نہیں ہے' اس کی بیٹی ہے کوثر۔ دو تین دن پہلے ماں کے ساتھ آئی تھی
اکیس برس کی ہے۔ خوب تگڑی' پھرتیلی اور کام کاج کرنے والی ہے۔ آپ اسے بلوا لیں
اس نے جان بوجھ کر کوثر کی خصوصیات گنوائی تھیں۔

ملک دراب کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

"یہ برکتے وہی ہے ناں جو سکندر کی نام نہاد ماں بنی ہوئی ہے۔"

"جی وہی ہے۔" صائمہ نے سوچ سمجھ کر آج کا موقع اس لئے چنا تھا کیونکہ سکندر
ٹرک لے کر شوگر مل گیا ہوا تھا اور وہیں سے اسے ملک آباد روانہ ہو جانا تھا۔ ملک ایاز نے کل
کی تھی' صائمہ نے خود سنا تھا اس لئے مطمئن تھی۔ ملک آباد سے وہ ایک ڈیڑھ ہفتے بعد ہی او

"پھر تو اس کی بیٹی اپنی رشتے دارنی ہی ہوئی۔" وہ مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا انداز نا

ہی اسے سرتاپا نہال کر دیتا تھا۔

"میں کسی کو بھیج کے بلواتا ہوں اسے۔"

وہ آگے بڑھ گیا۔

اور صائمہ جانتی تھی' اب دنیا کی کوئی طاقت کوثر کو ملک دراب کے پنجۂ ہوس سے نہیں بچا
ق۔ ملک دراب ہر ممکن طریقے سے اسے گھیرے گا۔ اپنے دام میں لائے گا۔ پہلے سیدھی انگلیوں
گھی نکالنے کی کوشش کرے گا پھر کام نہ ہونے کی صورت میں طاقت کا گر آزمائے گا اور
امیاب رہے گا۔

اب سکندر کچھ بھی کر لے' کوثر کو ملک دراب سے نہیں بچا پائے گا۔

ملک دراب جب کسی کے پیچھے لگ جائے تو پھر قبر تک اس کا تعاقب نہیں چھوڑتا۔

وہ دل ہی دل میں اپنی ذہانت کو داد دیتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

O☆O

"اوہ خدایا' راحت۔ یہ تم ہو' کس غار سے نکلی ہو تم۔ کہاں کھو گئی تھیں؟"

مہرینہ اسے اتنے عرصے بعد کالج میں موجود پا کر چیخ مار کر اس سے لپٹی تھی۔

"میں نے آفس سے تمہارا پتہ بھی معلوم کیا تھا بلکہ ایک دن گاڑی لے کر پہنچنا بھی چاہا مگر
ارے سے آگے میرے کچھ پلے نہیں پڑا' کہاں جاؤں' سو واپس لوٹ آئی۔ اب سوچ رہی تھی'
ممی دن ڈرائیور کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔ سنا ہے' تمہاری شادی ہو گئی ہے مگر یہ حلیہ کیسا بنایا ہوا
'پھیکا پھیکا بجھا بجھا سا۔"

مہرینہ الگ ہٹ کر غور سے اس کا سادہ سراپا کھنگالنے لگی۔ مارے جوش کے وہ مسلسل بول
تی۔ بڑی مدت بعد وہ سچے دل سے مسرت کے احساس کو دل میں اُترتا محسوس کر رہی تھی۔

"ناک' کان' گلا اور ہاتھ سب زیور سے خالی ہیں اور انداز بھی سادہ ہے۔"

"مگر تم ان ساری چیزوں سے لدی پھندی ہو' اس کا مطلب ہے' تم بھی میری والی فہرست
شامل ہو گئی ہو۔"

وہ دونوں گراؤنڈ کے ایک پرسکون کونے میں بنچ پر بیٹھ گئی تھیں۔

"ہاں' یہ منحوس گھڑی بھی میری زندگی میں آئی تھی۔" مہرینہ نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم سناؤ۔ تمہاری شادی اتنی ایمرجنسی میں کیسے ہوگئی اور ابھی تو تم سے بڑی عفت آپا موجود تھیں۔"

"بس میری بدبختی پہلے آ گئی تھی۔"

راحت نے مختصراً ساری تفصیلات کہہ سنائیں۔

"تمہاری ہمت ہے جو ایسے جبر وستم کے جاہلانہ ماحول میں زندگی کے دن کاٹ رہی ہو۔"

"تم اپنی کہو۔ کیسی گزر رہی ہے' اس مجنوں قسم کے جانباز دلاور کے ساتھ۔" راحت نے زبردستی اپنا موڈ فریش کیا۔

"زیادتی ہم دونوں کے ساتھ ہوئی' بس پس منظر اور نوعیت مختلف ہے۔ ردِعمل بھی تقریباً ایک سا ہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ تم تھک ہار کر ہتھیار ڈالنے کا آغاز کر چکی ہو اور میں تیر و تلوار اُٹھائے برابر کا مقابلہ کر رہی ہوں۔" مہرینہ نے اپنے حالات بتانے کے بعد کہا۔

"تم نے دانستہ اپنی راہیں دشوار نہیں کر لیں مہرینہ؟"

راحت نے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارے یہ انداز کسی عمل کے شدید ردِعمل کی غمازی کرتے ہیں۔ کیا میں صحیح کہہ رہی ہوں؟"

"سو فیصد صحیح کہہ رہی ہو۔" گہری سانس لینے کے بعد بالآخر مہرینہ نے تسلیم کر لیا۔

"اور اس بات کا اقبال آج صرف تمہارے سامنے کر رہی ہوں۔ میری شادی میری ماں کے طے کردہ پلان کے مطابق سرانجام پائی ہے اور اس پلاننگ کے پیچھے کیا مقصد تھا' یہ بات مجھے امی نے شادی سے کچھ عرصہ پہلے بتائی تھی۔ اس کے بعد ہی میں اُن کے شادی کے اس فیصلے پر متفق ہوئی تھی پھر میں اپنی مرضی سے اس پلاننگ میں شامل ہوگئی۔"

"جہاں تک میرا اندازہ ہے' اس پلاننگ کے پسِ پردہ انتقام کا جذبہ کارفرما ہے۔" راحت نے یقین سے اندازہ لگایا۔

"اتنا صحیح اندازہ تم نے کیسے لگا لیا؟" مہرینہ نے رشک سے اس کی طرف دیکھا۔

"بڑی ذہین و فطین ہے بھئی۔ آخر میری دوست ہے۔"

راحت مسکرا دی۔

"آگے کہو' تمہاری امی ملک ہاؤس کے مکینوں سے کس قسم کا بدلہ لینا چاہتی ہیں۔ یہ یقیناً
ں کی کوئی گرہ ہوگی۔"

"میری ماں کا ملک ہاؤس سے گہرا تعلق ہے۔ ایک حق کا تعلق۔ یہ الگ بات کہ "سرکاری"
ل پر اس حق کو تسلیم نہیں کیا گیا اس لئے اناؤنس بھی نہ ہو سکا۔ ملک بابا نے اُن کو ملک ہاؤس کے
ازے پر قدم رکھتے ہی گندا خون کا طعنہ دے کر رخصت کر دیا تھا۔ انہوں نے اس رشتے کو تسلیم
نے سے انکار کر دیا تھا اور جس نے یہ بندھن باندھا تھا' وہ گواہی دینے کے لئے دنیا میں باقی نہ
ا۔ یہ شادی خفیہ رکھی گئی تھی۔ میری پیدائش کے بعد میرے والد صاحب وفات پا گئے تھے۔ اُن
ل وفات کے بعد عدت گزارنے کے بعد امی مجھے گود میں لے کر ملک ہاؤس آئی تھیں مگر وہ دہلیز
ہی لوٹا دی گئیں۔ ملک بابا نے باہر سے ہی اُن کو بے عزت کر کے مجھے ناجائز اور گناہ کا ثمر قرار
ہے ہوئے نفرت سے دور کر دیا تھا مگر امی نے اسی وقت ٹھان لیا تھا کہ مجھے ملک ہاؤس کے مکینوں
ں شامل کر کے رہیں گی' سو انہوں نے پلاننگ کے تحت یہ سٹیج سجایا تھا۔ میری شادی بہرحال ملک
ں میں ہی ہونا تھی۔ یہ بات طے تھی۔"

"اوہ!" راحت کے لئے یہ ایک سنسنی خیز انکشاف تھا۔

"یہ راز میں نے صرف تمہیں بتایا ہے۔ تم اسے اپنے تک محدود رکھنا' اس وقت تک جب
کہ یہ حقیقت میں ملک ہاؤس والوں سے تسلیم نہیں کروا لیتی۔"

"لیکن مہرینہ' یہ بات آرام سے بھی تو بتائی جا سکتی ہے' اس کے لئے گستاخ اور سرکش
یے دکھا کے زچ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تم کیا سمجھتی ہو' اس قسم کے رویوں کی ایکٹنگ کرتی ہوں؟" مہرینہ کے انداز میں تلخی تھی۔
نفرت اور شدید انتقامی رَو میرے اندر سے اُبھرتی ہے' وہ الفاظ رہ رہ کر میرے اندر شور مچاتے
جو ملک بابا نے مجھے امی کی گود میں دیکھ کر اُن سے کہے تھے۔

"جانے کس کا گندہ خون ہمارے صاف ستھرے اور اونچے حسب نسب میں ملانے چلی ہو۔
ں بے دین' کالی کلوٹی نرس سے میرا نفیس مزاج کا شاندار بیٹا بھلا کیسے شادی کر سکتا ہے۔"

"میں عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کر چکی ہوں اور یہ بچی بھی مسلمان ہے۔"

میری ماں نے التجا کی تھی مگر ملک بابا نے ایک جھٹکے سے مجھے پیچھے کر دیا تھا۔ دھکا لگا تو میری

ماں ملک ہاؤس کے اونچے ستون سے ٹکرا کر فرش پر گری تھی اور اُن کے ساتھ ہی میں بھی کیونکہ میں اُن کی گود میں تھی۔ اس وقت میں صرف چار ماہ کی تھی۔''

راحت خاموشی سے اس کے ہیجانی ردِ عمل کو ملاحظہ کرتی رہی۔

ہر کوئی درد کی گٹھریاں باندھے بیٹھا ہے۔

دُکھوں کی شکلیں مختلف ہیں' چبھن اور گہرائی ایک سی ہے۔

''مجھے ملک ہاؤس کے ایک ایک فرد سے نفرت ہے۔ اور میں اپنی اور اپنی ماں کی بے عزتی کا چُن چُن کر سب سے بدلہ لوں گی۔''

''باقی سب لوگوں کا کیا قصور۔ وہ تو تم سے یا تمہاری ماں سے ملے بھی نہیں ہوں گے۔ بلکہ سرے سے اس حقیقت سے بے خبر ہوں گے۔''

''ان کا اپنے حسب نسب' خاندان اور جاگیر و جائیداد پر زعم تو وہی ہے ناں۔ وہ عام انسان کو انسان نہیں سمجھتے۔ وہ ''نوبل بلڈ'' والے اپنے سامنے دوسروں کو جھکتا' رلتا اور ذلیل و خوار ہوتا دیکھ کر تسکین حاصل کرتے ہیں۔ یوں بھی سانپ اور سنپولیے کی فطرتوں میں کیا تضاد ہوتا ہے بھلا دونوں ایک جیسے زہریلے ہوتے ہیں۔ میں کیوں بخشوں نہیں۔ وہ بھی وہی ہیں جو میں ہوں مگر وہ سونے چاندی کے محلوں میں پلے بڑھے اور میری ماں غریبی کے عالم میں تن تنہا ایک شیر خوار بچی کے ساتھ معاشرے کے تھپیڑے کھاتی رہی۔ وہ عالی نسب اور معزز قرار پائے اور میں معمولی دُکا پس منظر کے ساتھ ہمیشہ نظر انداز کی جاتی رہی۔ وہ پھولوں کے بستر پر سوتے رہے اور میں اور میری ماں کانٹوں پر گھسیٹ کے زندگی کے دن پورے کرتے رہے۔ میں کیوں محروم کر دی گئی' اس انعام و اکرام' نام و نمود اور آسائش و آرام سے جو میرا حق بنتا تھا۔ میری حق تلفی کیوں کی گئی۔'' وہ ہانپ رہی تھی۔

''جب ملک بابا تمہارے ہاں رشتہ مانگنے آئے تھے تو کیا وہ تمہاری امی کو نہیں پہچانے تھے؟''

راحت کے ذہن میں تجسس جاگا۔

''نہیں۔ میری امی جب بہت سال پہلے مجھے لے کر ملک ہاؤس گئی تھیں تو انہوں نے پورا نقاب میں چھپا رکھا تھا۔ جب ملک بابا نے ایک آدھ جھلک دیکھی بھی ہو گی تو بھی دو دہائیوں

بعد کی بدلی ہوئی صورت دیکھ کر ہرگز ہرگز نہ پہچان سکتے۔''

''ہوں۔'' راحت نے گہری سانس لی۔

''بڑی عجیب سی فلمی سچویشن لگتی ہے مگر اب میں ذاتی تجربے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ جو کچھ ڈراموں' کہانیوں اور افسانوں میں دکھایا جاتا ہے' وہ حقیقت سے اتنا دور بھی نہیں ہوتا۔ کسی نہ کسی پہلو سے افسانے کا سرا حقیقت سے جا ملتا ہے۔ یہ سچ ہے۔''

''صحیح کہتی ہو۔'' مہرینہ نے تسلیم کیا۔

''تم کسی طرح اپنے خاوند کو مجبور کر کے کالج باقاعدگی سے اٹینڈ کرنے کی اجازت لے لو۔''

''ایسا ممکن نہیں ہے۔'' راحت مایوسی سے گویا ہوئی۔

''یہی بہت ہے کہ مجھے فائنل ایگزام دینے کی اجازت مل گئی ہے۔ تم آؤ ناں' میری طرف۔ اب تو ڈرائیونگ بھی سیکھ لی ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے' میں تمہیں تمہارے گھر آ کر مل لیا کروں گی۔ بلکہ ایسا کرو' آج میرے ساتھ ہی چلو۔ میں اچھی طرح راستہ سمجھ لوں گی۔ ایک دفعہ رُوٹ معلوم ہو گیا تو پھر آنے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔''

راحت نے سر ہلا دیا۔

وہ لوگ ساڑھے بارہ بجے کالج سے نکل آئے تھے۔

''میں نے تمہیں بہت مس کیا۔'' مہرینہ نے سچائی سے اعتراف کیا۔

''اصل میں جن لوگوں کا پتہ ہو کہ وہ آپ کا ہر دکھ اور درد دل لگا کر محسوس کریں گے' اُن کے دامن میں آنسو بہانے کے لئے ہمہ وقت ہماری روح ہمکتی رہتی ہے۔ میں تم سے اپنی ہر فیلنگ شیئر کرنا چاہتی تھی۔ تمہیں اس آگ کے بارے میں بتانا چاہتی تھی جو میرے اندر بھری ہوئی ہے؟''

''یہ آگ تو میرا کلیجہ بھی جلاتی ہے مہرینہ۔'' وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''نوعیتیں مختلف ہیں مگر دُکھ ایک سے ہیں۔ جبر و طاقت کے بل پر مجبور ہو جانے کو بے بسی مجھے بھی لحہ لحہ سلگاتی ہے۔ جابر شخص کو تو شاید کوئی تسکین مل جاتی ہو' مجبور آدمی ایک ایک پل الاؤ میں جھلستا ہے' چوبیس گھنٹے محکوم و پابند اور شکست خوردہ ہو جانے کا احساس ستاتا ہے۔'' راحت کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"اسی لئے تو میں نے مظلوم و مجبور اور محکوم بن کر رہنے کی روایت توڑی ہے۔"

"مگر سبق سکھانے کے لئے انہیں للکارنا مناسب نہیں ہوگا۔" راحت نے اس کی روش پر اسے ٹوکا۔

"جو شخص جس زبان میں سمجھتا ہو' اسے اسی میں سمجھانا چاہئے۔" مہرینہ لاپروائی سے ڈرائیو کر رہی تھی۔

O☆O

"السلام علیکم۔ کیسی ہیں آپ' ہم نے سوچا آپ کی خیر خیریت معلوم کرلیں۔ آپ نے بُرا تو نہیں مانا؟"

نگین' محسن اور اظہر تینوں زرلالہ کے گھر کے گیٹ پر موجود تھے۔ سچی بات تھی' زرلالہ اُن کی اس بن بلائی آمد پر کسی حد تک جز بز ہوئی تھی کیونکہ اسے لوگوں سے گھلنا ملنا اور ربط بڑھانا پسند نہیں۔

"جی اندر آیئے۔" اس نے راستہ چھوڑ دیا۔

"آپ اُوپرے دل سے بھی کہیں گی تو ہم ضرور اندر آئیں گے۔ دراصل ہم نہایت ڈھیٹ واقع ہوئے ہیں۔" محسن نے خوش دلی سے نگین اور اظہر کے ساتھ قدم آگے بڑھائے تھے۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" زرلالہ شرمندہ ہوگئی۔ "آپ کی مہربانی جو دوبارہ خیریت دریافت کرنے چلے آئے ہیں۔ آیئے پلیز۔"

"ہماری مثال خیمے میں آنے والے اونٹ کی سی ہے جو پہلے سر گھساتا ہے پھر گردن اور پھر ٹانگوں کے ساتھ سارا دھڑ خیمے میں لے آتا ہے۔" اظہر ڈرائنگ روم کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے مسکرایا۔

"آپ کی بچی کی طبیعت خراب ہے۔ یہ مجھے نگین نے بتایا تھا۔ اتفاق سے میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ لایئے' میں چیک اَپ کئے لیتا ہوں۔"

"اوہ اچھا۔" زرلالہ کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ "ایک منٹ میں بچوں کو بلاتی ہوں۔"

وہ واپس آئی تو اس کے ساتھ تینوں بچے بھی تھے۔

"یار' اتنی سی لڑکی اور تین بڑے بڑے بچوں کی اماں جان۔ بڑی عجیب سی بات ہے۔"

اظہر نے نگین کے کان میں سرگوشی کی۔

"پرے ہو کر انسانوں کی طرح بیٹھو۔" نگین نے جھڑک دیا۔

اظہر نے سارہ کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد کچھ میڈیسن لکھیں اس دوران زرلالہ اُن کے لئے چائے لے آئی۔ بچے ماں کے تیور پہچان کر خود بھی مہمانوں کے ساتھ بے تکلف ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد ڈرائنگ روم میں ایک خوشگوار ماحول طاری ہو چکا تھا۔

"یہ موزہ سا کیا چڑھا رکھا ہے سر پر۔ کیا تم موزہ سر پر پہنتی ہو؟" محسن نے سارہ کے سر پر ٹکی ہوئی لمبی سی سرخ ٹوپی کا پھندنا ہلایا۔

"یہ موجا نہیں ہے ٹوپی ہے۔" سارا نے سخت بُرا مانتے ہوئے پھندنا اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا اور ذرا الگ ہو کر بیٹھ گئی۔

"اچھا۔ تو یہ بات ہے۔" محسن نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا پھر اظہر کی طرف دیکھا۔ "سن ادھی' تم بھی یہ موزہ نہیں موزے کی ٹوپی ہے جو سارہ بی بی نے پہن رکھی ہے۔"

"یہ موجے کی ٹوپی نہیں ہے۔" سارہ نے سخت احتجاج کیا۔

"ماما انکل تو دیکھیں۔" پھر مدد طلب نظروں سے ماں سے مچلی۔

"ماما دن میں بہت سے انکل دیکھتی رہتی ہیں۔ یہ کون سی نئی بات ہے۔" محسن نے ڈھٹائی سے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔

"ماما۔ موشن انکل گندے ہیں۔" بچی پاؤں پٹخنے لگی۔

"موشن انکل۔ ہاہا۔ دل خوش کر دیا' سارہ بی بی۔" اظہر نے قہقہہ مارا۔

"مارِ آستین۔ چُپ رہ۔" محسن نے اظہر کو گھورا تھا۔

زرلالہ ان کی باتیں سنتی اور مسکرا رہی تھی۔ وہ نگین کے ساتھ باتوں میں مگن تھی۔

"شرم کرو' کیا ہاتھ دھو کے بچی کے پیچھے پڑ گئے ہو۔" آخر نگین نے ہی لتاڑا۔

"اول تو یہ کہ یہ بچی نہیں' شیطان کی خالہ ہیں' دوم یہ کہ ہم ہاتھ دھوئے بغیر اس کے پیچھے ہیں۔" اظہر نے اطمینان سے سارہ کو ہاتھوں پر اُچھالا۔ وہ چیخیں مارنے لگی۔

"اظہر۔" نگین نے دانت پیس کر اس کی حرکت ملاحظہ کی۔

"دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔ چھوڑو بچی ڈر رہی ہے۔"

اس نے سارہ کو اس کے ہاتھ سے لے کر نیچے اُتار دیا۔

''اس کی شکل ہے ہی ایسی۔'' محسن نے اظہر کو چھیڑا۔

''میں بھی سوتے میں اچانک اُٹھ کر دیکھوں تو ڈر جاتا ہوں۔''

''آپ دونوں انکل خراب ہیں۔'' سارہ نے بسورتے ہوئے فتویٰ دیا۔

''شیم شیم۔ بڑوں کو اس طرح نہیں کہتے۔ گناہ ہوتا ہے۔''

علی نے ملامت آمیز نظروں سے بہن کو دیکھا تھا۔ اس کے انداز میں بلا کا تدبر' ٹھہراؤ اور بزرگانہ پن تھا۔

''بچے سے ہی کچھ تمیز سیکھ لو۔'' نگین نے اظہر کو ٹہوکا دیا۔

''یہ بات موشن میاں کو سمجھائیں۔'' اظہر ڈھٹائی سے بولا۔

''مجھے موشن کہا ناں تو میں تجھے اطہر خچر بنادوں گا۔'' محسن نے اپنے عزائم کا اظہار کیا۔

''یہ دونوں انکل اتنا لڑتے کیوں ہیں۔'' ولی نے حیرت سے نگین سے سوال کیا۔

''لڑنا تو اچھی بات نہیں ہے۔''

''شرم کرو۔'' نگین نے جی بھر کر انہیں شرمندہ کیا۔ ''تم تو بچوں سے بھی گئے گزرے ہو۔''

''یہ لگائی بجھائی بھی غالباً لڑائی کے زمرے میں ہی آتی ہے۔'' اظہر نے اس کی خبر لی۔

''میں کوئی لگائی بُجھائی نہیں کر رہی۔ جو حقیقت ہے' وہ خود بخود کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ چُپ رہو تو شاید کچھ بھرم قائم رہے۔ منہ کھول کر خود ہی بتا دیتے ہو اپنی اوقات۔'' نگین نے کھری کھری سنائیں۔

''بتاؤں گا' امی کو سرِ بازار ہمیں ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے۔'' اظہر نے دھمکانے کی ناکام کوشش کی۔

''تم ہو ہی اس قابل۔'' نگین نے اُدھار چکایا۔ ''تمہاری شکلوں پر لکھا ہوا ہے' ہمارے سرِ عام جوتے لگائے جائیں۔''

''کیا؟'' اظہر اور محسن کی دموں پر پاؤں پڑا تھا۔

''اس قدر توہین! میں تھاں مرجاواں۔ غیرت کے مارے۔ میں آپ کو قتل کرنے کا عزم کرتا ہوں۔'' محسن نے اعلان کیا۔

''اور میں آپ کو زہریلا انجکشن دے کر ملک عدم آباد پہنچانے کا ذمہ لیتا ہوں۔'' اظہر نے واشگاف الفاظ میں کہا۔

''اُفوہ۔ آپ لوگ کتنے مزے سے لڑتے ہیں۔'' زرلالہ کسی صورت اپنی ہنسی کنٹرول نہ کر سکی تھی۔

ان لوگوں کی فطرت ہی ایسی تھی کہ کوئی زیادہ دیر تک متکلف اور ریزرو رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ ان کی معیت میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

اسی لمحے دروازے پر ہارن بجا تھا۔

''غالباً آپ کے مہمان آئے ہیں۔'' محسن نے اندازہ لگایا۔

''نہیں' اعوان صاحب کا ڈرائیور ہوگا۔ میں اُن کے تین بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی ہوں۔ ایف سکس میں ان کی کوٹھی ہے۔ کچھ دن پہلے ہی یہ جاب شروع کی ہے۔ پک اینڈ ڈراپ کی ذمے داری انہوں نے خود اٹھائی ہے۔''

''چلتے ہیں ہم لوگ۔'' نگین کے اشارے پر وہ دونوں بھی بچوں کا پیچھا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ارے بیٹھیں ابھی۔''

''اب آپ کی باری ہے آنے کی۔'' اظہر نے کہا۔

''ضرور۔ ضرور۔'' اس بار زرلالہ کے لہجے میں یقین تھا۔ اُسے یہ مخلص و سادہ خوش باش افراد اچھے لگے تھے۔

O☆O

''کدھر جا رہے ہیں ساحر بھائی۔'' سعود نے ایک نظر ساحر کی تیاریوں پر ڈال کر سوال کیا تھا۔

وہ بلو ٹریک سوٹ اور جاگرز پہنے ہوئے تھا۔ ہاتھ میں آبنوس کی اسٹک تھی۔

''ہائیکنگ کا موڈ ہو رہا ہے۔ یہ ہمارے گھر کے سامنے روڈ کراس کر کے جو پہاڑ ہیں' اُدھر جا رہا ہوں۔ تھوڑی فراغت ہے کام سے۔ سوچا کچھ موومنٹ ہو جائے۔''

''آپ تو یوں بھی بزنس کی وجہ سے بہت کم گھر پر نظر آتے ہیں۔ اب فری ہیں تو بھی باہر ہی

کا رخ کررہے ہیں کبھی ہمیں بھی کچھ ٹائم دے دیا کریں۔''

''خاصی زنانہ سی شکایت ہے۔'' ساحر سنجیدگی سے مسکرایا۔

''ایسی باتیں تمہاری وائف یا تم پرسوٹ کرتی ہیں۔بائے۔'' وہ ملک ہاؤس کے گیٹ سے باہر آیا اور طائرانہ نظروں سے سامنے پھیلے پہاڑوں کے سلسلے کو دیکھنے لگا۔

ابھی چند قدم آگے بڑھائے تھے کہ مخالف سمت سے آنے والی بلیک ہنڈا اسوک پر نگاہ پڑی۔

غیر معمولی بات یہ تھی کہ پچھلی سیٹ پر زرلالہ براجمان تھی۔

''یہ یہاں کہاں اور اس گاڑی میں؟''

ساحر بُری طرح ٹھٹکا۔

گاڑی ملک ہاؤس کے دائیں سائیڈ پر ایک گھر چھوڑ کر 'اعوان ولا'' کے گیٹ پر رکی تھی۔

''اس کا اعوان صاحب کی فیملی سے کیا تعلق ہے؟''

ساحر متجسس ہو رہا تھا۔

گیٹ پر موجود چوکیدار نے گاڑی پہچان کر دروازہ کھول دیا تھا۔

گاڑی اندر پورچ میں داخل ہو گئی تھی۔ چوکیدار نے دوبارہ گیٹ لاک کر دیا اور خود گیٹ کے باہر اپنی مخصوص جگہ پر کھڑا ہو گا۔

''سلام صاحب۔'' چوکیدار اُسے جانتا تھا۔ ملک ہاؤس والوں کی اعوان صاحب کی فیملی سے بڑی اچھی سلام دعا تھی۔

''وعلیکم السلام۔''

ساحر گیٹ پر رُکا۔

''کیا مہمان آئے ہیں غلام علی؟''

''نہیں صاحب' وہ بابا لوگوں کو پڑھانے کے لئے اُستانی رکھی ہے۔''

''اوہ اچھا......!''

ساحر نے سر ہلایا۔ پھر وہ روڈ کراس کر کے پہاڑوں کی طرف چلا گیا۔

⚙⚙⚙
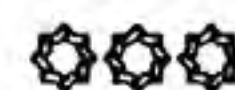
''مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے شہریال بی بی۔ بہت ضروری بات۔'' سکندر سٹیرنگ چلاتے ہوئے سنجیدگی سے پچھلی سیٹ پر کسی میڈیکل کیس کا مطالعہ کرتی شہریال سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ اُسے ملک آباد سے ملکوال لے جا رہا تھا۔ ویک اینڈ تھا اور شہریال کا موڈ ملکوال چکر لگانے کا ہو رہا تھا۔

''ہاں ہاں کہو۔'' شہریال فائل بند کر کے اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''مگر درخواست یہ ہے کہ آپ ضرور بالضرور اس معاملے میں میری مدد کریں۔ یقین کریں مجھے اس وقت آپ کی حمایت وضمانت کی جتنی ضرورت ہے اتنی کبھی بھی نہیں تھی۔ ملکوال کے اتنے وسیع اور لمبے چوڑے خاندان میں سے ایک آپ ہی وہ فرد واحد ہیں جو میرے لئے مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔ مجھے آپ پر خود سے بڑھ کر بھروسا ہے۔ آپ کا دل اتنا اچھا ہے کہ آپ سچ اور جائز بات کے لئے کسی کی پروا کئے بغیر ڈٹ سکتی ہیں۔''

شہریال نے غور سے اس کا چہرہ پڑھا۔ وہ اسے بہت زیادہ پریشان اور متفکر دکھائی دیا۔

''کیا بات ہے سکندر۔'' وہ ملائمت سے مخاطب ہوتے ہوئے تھوڑا آگے ہو گئی۔ ''اگر کوئی مسئلہ ہے تو مجھ سے کہو۔ تم نے اس روز مجھے ڈاکوؤں سے بچا کر جس طرح حفاظت سے منزل تک پہنچایا تھا اس احسان کا بدلہ میں کبھی نہیں چکا سکتی۔''

''شرمندہ نہ کریں شہریال بی بی۔'' وہ جلدی سے بات کاٹ کر بولا۔ ''مسئلہ صائمہ بی بی کا
ہے۔ وہ میرے گریز کو اپنی توہین سمجھتے ہوئے میرے خلاف ہو گئی ہیں۔ اُن کے ذہن میں جانے
کیا خناس سا گیا ہے کہ وہ کوثر کی دشمن ہو گئی ہیں۔ وہ ملک دراب کے ذریعے اسے نقصان پہنچانے
کے چکروں میں ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کیسے اس معاملے سے نبٹوں۔ میری پوزیشن ایسی
نہیں ہے کہ صائمہ بی بی سے ٹکر لے سکوں۔ وہ عورت ہیں اور بااختیار گھرانے کی بہو بھی۔ ان کا
لگایا ہوا ایک جھوٹا الزام حویلی کے مردوں کی غیرتیں جگا سکتا ہے اور نتیجہ جیل کی سلاخیں ہوں گی یا
پھر اندھیرے میں بے رحمی سے کیا گیا قتل' یہ ہوگا میرا انجام۔ مجھے اپنی فکر نہیں ہے مگر خالہ برکتے
کے گھر میں میری وجہ سے کوئی عذاب نازل ہوا تو.....''

سکندر نے شدتِ جذبات سے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا معاملہ اس حد تک بگڑ جائے گا۔'' شہریال پریشانی کے عالم میں گویا تھی

''آپ کسی بھی طرح اپنے بھائی فہد ملک کو امریکہ سے واپس بلوالیں۔'' وہ اضطراری لہجے
میں بولا' اُن کے آنے سے صائمہ بی بی کے دماغ کا فتور خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔''

''میں کوشش کرتی ہوں اور صائمہ بھابی کو بھی سمجھاؤں گی۔ ٹھیک ہے ان کی حق تلفی ہوئی ہے۔
ان کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ بدلے کے طور پر سیدھی
راہ سے بھٹک جائیں۔ آزمائش کسی پہ بھی آ سکتی ہے اور ان گھڑیوں میں ثابت قدم رہنا ہی بہادری
اور بلند کرداری کی نشانی ہوتا ہے۔''

''براہِ کرم آپ براہِ راست ان سے اس موضوع پر بات نہ کیجئے گا۔ جس سے انہیں یہ شک
گزرے کہ آپ مجھ سے بات کرنے کے بعد یہ سب کہہ رہی ہیں۔ اس طرح کوئی فائدہ نہیں ہو
گا۔ ان کے اندر انتقام کا شعلہ اسی طرح جلتا رہے گا۔''

''مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔'' وہ پیشانی مسل رہی تھی۔

''کیوں کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے لیکن کس لئے ہو رہا ہے یہ چیز قابلِ فکر ہے۔ اس طرح کی
کارروائی انہیں مطلوبہ ردِعمل پھر بھی فراہم نہیں کر سکے گی۔'' وہ مٹھیاں بھینچنے لگا۔

شہریال نے گردن موڑ کر سرسری سا اُس کا جائزہ لیا۔

گندمی رنگت' بھرپور کسرتی جسامت اور نقوش کی دیدہ زیبی۔ بہرحال وہ ایسا تھا کہ گاؤں کی

اور وہ تشنہ آرزوؤں سے لبریز دل رکھنے والی کسی بھی الھڑ مٹیار کا خواب ہو سکتا تھا مگر ایک شادی
شدہ ذمے دار خاندانی عورت کا اس کے لئے پاگل پن دکھانا بڑی عجیب سی چیز لگتا تھا۔

شاید جب عقل ساتھ چھوڑ جائے تو یونہی ہوتا ہے۔

''کوثر تمہیں کیسی لگتی ہے۔'' وہ کچھ سوچ کے مسکرائی تھی۔

''وہ خالہ کی بیٹی ہے۔ رشتے داری ہے اس سے۔''

''اور شاید بہت دوستی بھی ہے۔'' سکندر نے دیکھا شہریال کی آنکھوں میں شرارت چمک
رہی تھی۔

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔'' وہ سپاٹ انداز میں بولا۔

''تو کیا حرج ہے اگر یہ غلط صحیح ہو جائے۔''

شہریال شریر انداز سے گویا تھی۔

سکندر نے بہت کرب کے ساتھ اس کی طرف دیکھا تھا۔

اُس کا دل چاہا اس بے خبر کو جھنجوڑ کر رکھ دے اور کچھ اس طرح اپنے جذبات کا اظہار کرے
کہ وہ اس کے دل میں اٹھنے والے ایک ایک طوفان سے آشنا ہو جائے۔

O☆O

''شیرے' ذرا برکتے دھوبن کے گھر جا اور اس کی چھوکری کو کام کاج کے لئے ڈیرے آنے
کا بول۔''

''برکتے کی چھوکری کوثر'' شیرا کچھ سوچ کے مکاری سے مسکرایا ''ہے تو وہ بھی ایک شے
سرکار۔ قد کاٹھ اور ناک نقشہ اچھا ہے' جوانی بھی ٹوٹ کے برسی ہے مگر نخرہ بہت ہے۔ سکندر سے
لکھ کے چار حرف پڑھنے آ گئے ہیں۔ اس کی ساتویں تک کی کتابیں ساری پڑھ ڈالی ہیں اس لئے
مجھے پہ ہاتھ نہیں دھرنے دیتی۔ ڈاڈھی بہت ہے۔''

''شکار نخریلا اور مغرور ہو تو اسے قابو کرنے کا سواد ہی اور ہوتا ہے شیرے۔'' ملک دراب کی
آنکھوں میں بدنیتی کی چمک تھی۔

''میں ابھی جا کے بلاتا ہوں مگر ملک جی ایک مسئلہ ہے۔ وہ اپنے سکندر کی رشتے داری ہے
اگر اس نے کوئی کھڑاک کھڑا کیا تو۔''

"سکندر یہاں نہیں ہے اور ہو بھی تو ہمیں کس کا ڈر پڑا ہے۔" وہ حقارت سے بولا۔

"سرکار وہ بہار کی دفعہ میں ایس پی درانی دو تین بار بڑے ملک جی کے پاس آیا تھا۔" شیرے نے جھجک کر کہا۔

"اوئے کچھ نہیں ہوتا۔" ملک دراب نے ہاتھ ہلا کر بے پروائی سے کہا "یوں بھی اس بار ہم طریقہ کار مختلف رکھیں گے۔ تو طریقے سے اس کی ماں سے کہنا بیٹی کو کام کے لئے بھیج دے۔ ہم شروع میں ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔ ذرا سنبھل کے قدم اٹھائیں گے۔ پہلے چہرہ تو کر لیں۔"

وہ ٹھوڑی پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے ذومعنی انداز میں شیرے کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابھی بس پیغام دینا۔ اگلا مہرہ بعد میں چلائیں گے۔ بس اتنا کہہ دینا حویلی کے کام کاج کے لئے آ جایا کرے۔"

"ٹھیک ہے سرکار۔" شیرا سر ہلا کر چلا گیا۔

کوثر صحن میں بیٹھی بان کی چارپائی کی پائنتی کس رہی تھی۔ برکتے نیم کے درخت کے نیچے بندھی بکری کا دودھ نکال رہی تھی۔ دروازہ کھلا تھا۔ شیرا کنڈا کھڑکا کر اندر آ گیا۔

"سلام ماسی! کیا حال ہے تیرا۔"

"ٹھیک ہوں۔ تم خیر سے آئے ہوناں۔" اسے دیکھتے ہی ماسی برکتے کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"کمال ہے ماسی! کیا میری شکل پہ لکھا ہے کہ میں ساتھ میں مصیبت لے کر آیا ہوں۔" وہ ہنسنے لگا۔

"اس میں کیا شک ہے۔" برکتے نے دل میں کہا تھا۔

"ماسی اب تو بوڑھی ہو گئی ہے۔ تیری ہڈیوں کو آرام کی ضرورت ہے۔ حویلی میں کام کے لئے اس کو کیوں نہیں بھیج دیتی۔" شیرے کی نظریں کوثر کے وجود پر جمی ہوئی تھیں۔ برکتے خالہ کا دل زور سے دھڑکا۔

"اللہ کا شکر ہے ابھی بھی میری بوڑھی ہڈیوں میں اتنی طاقت ہے کہ اپنی روزی رزق کما سکوں اور اگر ایسا نہ بھی کر سکی تو اللہ میرے سر کے سائیں اور میرے دونوں پتروں کو سلامت رکھے۔ سکندر اور ظفر جو ہیں کمائی کے لئے پھر میں اپنی بیٹی کو کیوں بھیجوں۔"

وہ اندر ہی اندر انجانے خوف سے لرزنے لگی تھی۔ بظاہر وہ آرام سے گویا تھی۔

"ہم تو جی مالکوں کی مرضی سے آ گئے ہیں۔ آپ جو کہو گے آگے ان تک پہنچا دیں گے اس کے بعد آپ جانیں اور آپ کا کام۔"

وہ پٹکا ایک کندھے سے دوسرے پر منتقل کرنے کے بعد بے فکری سے چل دیا۔

وہ تو چلا گیا برکتے سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔

"اماں اب کیا ہوگا۔ سکندر بھی یہاں نہیں ہے۔" کوثر پریشانی کے عالم میں اس کے پاس آئی۔

"وہ ہونا بھی تو ہونی کو کون روک سکتا ہے۔ ہائے ربا۔ کیسی مصیبت ٹوٹی ہے۔ ملک دراب کا تو پانی بھی نہیں مانگتا۔ ایک دفعہ جس کے پیچھے پڑ جائے اسے قبر تک نہیں چھوڑتا۔"

"اب کیا ہوگا اماں۔" کوثر کا دل گھبرا رہا تھا۔

"تیرا باپ آتا ہے تو اس سے مشورہ کرتی ہوں۔"

وہ کمر پہ ہاتھ رکھ کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

O☆O

مہرینہ نے اچانک کروٹ بدلی تھی اور اس کے ساتھ ہی اُسے عجیب سا احساس ہوا تھا۔ لگا جیسے کسی نے اسے اپنی بانہوں کی گرفت میں لے رکھا ہو۔

کسی گرم پُر جوش لمس کا احساس ہوتے ہی وہ تڑپ کر اٹھی تھی۔

"سو جاؤ میری جان۔" مسعود نے مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

"تم...... تم...... تمہاری جرأت کیسے ہوئی مجھے چھونے کی۔" وہ غصے سے لرزتی ہوئی بکھرے بکھرے ریشمی بال درست کر رہی تھی۔

"ایسا کیا ہو گیا۔" وہ نیند بھرے لہجے میں گویا ہوا اور آگے کو کھسک کر اسے دوبارہ بازوؤں میں بھرنے کی کوشش کی۔

"میری زندگی ہو تم۔ میری جان ہو۔ تمہیں چھو کر اپنے زندہ ہونے کا یقین حاصل کرتا ہوں۔" وہ پیار سے جھکا اور ایک گستاخی کی۔

"یہ بدتمیزی ہے۔" وہ جھٹکے سے پھسل کر بستر سے اتری۔ شدتِ غیظ سے اُس کا چہرہ تپ رہا

"تم نے زندگی کی ہر خوشی کے دروازے تو مجھ پر بند کئے ہی ہیں اب چین کی نیند بھی حرام کرنا شروع کر دی ہے۔ کیا چاہتے ہو تم۔ کیا دشمنی ہے میرے تمہارے بیچ۔" وہ آپے سے باہر ہو رہی تھی۔

"ریلیکس۔ اب یہ اتنی خفگی والی بات بھی نہیں کہ تم رات کے دوسرے پہر ہنگامہ کھڑا کر دو۔" سعود اپنی طبیعت کے خلاف اس کی بدتمیزی پر اپنا غصہ دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تاہم اس کی برہمی الفاظ سے چھلک رہی تھی۔

"میں کل سے الگ کمرے میں سوؤں گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔" اس سے اپنا آپ کنٹرول کرنا دشوار ہو رہا تھا۔

"بے وقوفی کی بات مت کرو۔ کیا تماشا بناؤ گی اپنا اور میرا۔" وہ جھلا کر اٹھا اور اس کے قریب آ کر اس کے بازو تھام کر بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔ "چلو آؤ۔ سکون سے سوؤ اور سونے دو۔"

"میں تمہارے ساتھ نہیں سوؤں گی۔" وہ ہٹ دھرمی سے بازو چھڑانے لگی۔

"دیکھو مہرو۔ میں تمہارے ساتھ کوئی زبردستی یا زیادتی نہیں کرنا چاہتا۔" وہ ملائمت سے اس کے شانوں پر بازو پھیلا کر سمجھانے لگا "یہ تو محض محبت کے بے ضرر انداز ہیں' پیار کا اظہار ہیں۔ میں اس سے آگے کوئی حد عبور نہیں کر رہا مگر اس حد سے پہلے اپنے قدم بھی نہیں روک سکتا۔" اس نے اسے اپنے ساتھ لگا کر سینے میں سمیٹ لیا تھا۔

"تم جو اتنی اچھی' اتنی پیاری سی چیز ہو' کیسا فخر دوڑتا ہے میرے لہو میں یہ سوچ کر کہ تم میری ہو۔ تمہارا رُواں رُواں میرا ہے۔ میرے پیار کا محور ہے۔" اس کے لہجے میں خمار اتر آیا تھا۔

"اس طرح کی ڈرامے بازیاں مجھے اپیل نہیں کرتیں۔" اس نے بے رخی سے اس کے بازو جھٹکے تھے۔

"یہ ڈرامے بازی نہیں ہے۔ میں حقیقت میں ایسا کہہ رہا ہوں۔" اس کا لہجہ نرم تھا۔

مہرینہ نظروں میں قہر سمیٹے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ اچانک ہنس پڑی۔

"کس کو بے وقوف بناتے ہو تم مرد لوگ۔ یہ ہوس نہیں پیار ہے۔ بہت خوب۔ پیار کیا ہے۔ ہوس کی ابتدا!" وہ استہزائیہ بولی "اپنا مطلب نکالنے کے لئے دنیا جہان کی شاعری کرو عورت کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاؤ گے اور برتنے کے بعد ٹشو پیپر کی طرح ڈ

ن میں ڈال دو گے۔ یہ ہے عورت کی اوقات۔"

"تم خواہ مخواہ اپنے آپ کو ڈی گریڈ کر رہی ہو۔"

"میں ڈی گریڈ نہیں کر رہی۔ حقیقت بتا رہی ہوں۔ ہر چند کہ یہ حقیقت تمہارے ڈھکوسلوں سے مختلف ہے۔ میں نفرت کرتی ہوں تمہارے وجود سے' تمہارے لمس سے' تمہاری موجودگی میرے لئے تکلیف کا باعث بنتی ہے۔ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے نفرت کے سوا کچھ نہیں ہے۔" اس کے اندر زہر بھرا ہوا تھا۔

"مگر میرے پاس تمہیں دینے کو پیار کی بے بہا دولت ہے۔" سعود نے سہولت سے اسے کھینچ کر مسہری پر بٹھا لیا۔

"مہرینہ اس طرح نہ کرو۔ یہ انتقام تم مجھ سے نہیں اپنے آپ سے لے رہی ہو۔ اس کا دائرہ نہ بڑھاؤ۔ اپنے اندر نرمی پیدا کرو' بدگمانیوں کو راستہ نہ دو۔ تم ساری دنیا سے اتنی بدگمان کیوں رہتی ہو۔ کیوں ہے اتنی تلخی تمہارے اندر۔"

"یہ چیزیں مجھے ورثے میں دی گئی ہیں۔ انہی احساسات کے ساتھ پلی بڑھی ہوں اور شاید انہی کے ساتھ ہی مروں گی۔"

"اللہ نہ کرے۔" سعود نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھا "ایسا نہیں کہتے۔ تم اپنی تلخیاں میرے حوالے کر دو۔ مجھے سونپ دو سارے دکھ' ساری حسرتیں۔ میں دور کروں گا تمہاری محرومیاں۔"

"ہونہہ......" وہ طنزیہ مسکرائی "محرومیاں دینے والے کیا دور کریں گے محرومیاں۔ یہ وغاتیں مجھے اسی گھر کے بڑوں سے ملی ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ الجھن کے عالم میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"مطلب سمجھانے پر اتر آئی تو بہت ساری خاندانی فائلیں کھل جائیں گی۔ رہنے ہی دو۔" وہ زہریلے انداز میں کہہ کر مسہری سے تکیہ اور کمبل اٹھانے لگی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟"

"کیونکہ فی الحال اور کچھ نہیں کر سکتی۔" وہ الفاظ چبا چبا کر بولی اور کارپٹ پر لیٹ کر کمبل اوپر تک تان لیا۔

"ہرگز نہیں۔ تم نیچے نہیں سوؤ گی۔ یار اب اتنا بھی نہ ستاؤ۔" وہ نیچے اس کے پاس گھٹنوں بل بیٹھا اور کمبل کھینچ لیا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ۔" وہ چلائی تھی۔

"کچھ نہیں کہوں گا بابا۔ اٹھو اوپر آ کر لیٹو۔ اٹھو شاباش۔"

سعود نے زبردستی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھالیا۔ اس کے ناں ناں کرنے کے باو نے اسے بستر پر ڈال دیا تھا پھر اس کو کمبل اوڑھانے کے بعد اپنا کمبل بغل میں دبا کر صو پھینکا۔

"لو میری جان چین سے سوؤ۔" وہ ایک پل کو مسکرا کر اس پر جھکا پھر فوراً پرے ہٹا اور دراز ہو گیا۔ مہرینہ دانت پیس کر رہ گئی تھی۔

O☆O

راحت فارم جمع کرانے کے بعد کافی حد تک ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ بی اے مکمل کر لینے کا مو میسر آنا ان حالات میں کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے اندھیرے میں روشنی ایک درز زندگی کے دریچے میں کھل گئی ہو۔

کام سے جو وقت بچتا تھا۔ اس میں وہ پڑھائی میں مصروف ہو جاتی تھی۔ کتابوں کا بہرحال نہیں تھا سب اسی طرح اماں کے ہاں پڑی تھیں۔ ایڈمشن فیس طلعت نے اصرار کر کے ا طرف سے دی تھی۔ اسے جابر کی طرف سے معقول خرچ مل جاتا تھا اس لئے ان دنوں پیسے کی کو خاص تنگی نہیں تھی۔ یوں بھی وہ راحت کے حالات جانتی تھی۔ میاں کچھ کما کے نہیں لاتا تھا اور کو آمدنی کا ذریعہ نہیں تھا۔ فیس وہ کہاں سے دیتی۔ اس کے لئے اس نے اپنی بالیاں بیچنے کا فیصلہ تھا۔ طلعت نے سنا تو منع کر دیا۔

"ٹھیک ہے احسان نہیں لینا تو قرض سمجھ کے رکھ لو۔" طلعت نے زبردستی اسے پیسے تھما تھے "جب ہوں گے پاس تو دے دینا۔"

"آپ آپ کو بھی تو ضرورت ہو گی۔" وہ ہچکچا رہی تھی۔

"ضرورت سے زائد ہیں جبھی تو دے رہی ہوں۔ انہوں نے خرچ دیا تھا۔ میری کون ضرورتیں ہوتی ہیں۔ جو دیتے ہیں جمع کر لیتی ہوں۔"

سو وہی پیسے اس نے ایڈمشن کے لئے جمع کرا دیئے تھے۔

اس دن وہ مہرینہ سے تو مل لی تھی مگر بدقسمتی سے میڈم نگین سے بات نہیں ہو سکی تھی۔ وہ اُس دن کالج سے چھٹی پر تھیں۔

راحت کو سخت مایوسی ہوئی تھی مگر بہرحال مہرینہ سے ملنا بھی ایک خوشگوار واقعہ تھا۔ مہرینہ نے گھر دیکھ لیا تھا اب وہ آسانی سے اس کے ہاں آ سکتی تھی۔

صفیہ آج کل عرفان سے چھوٹی چندا کے رشتے کے لئے سرگرداں تھیں۔ ابھی کل بھی جابر کے جاننے والوں میں سے ایک فیملی اس سلسلے میں چندا کو دیکھنے آئی تھی۔

"چھوٹی بھابی۔ چائے کے ساتھ کوئی چیز بنا دیں فٹافٹ۔"

وہ شام کو بیٹھی جیوگرافی کے نوٹس تیار کر رہی تھی جب گلابی پرنٹڈ جارجٹ کی قمیص اور گلابی پلین شلوار دوپٹے میں ملبوس چندا اپنے ہمراہ خوشبو کے جھونکے لئے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"کون آیا ہے؟" راحت نے قلم رکھتے ہوئے پلٹ کر گہری نظروں سے اُس کا جائزہ لیا۔

"وہ......نسرین ہے ناں جو پچھلی گلی میں رہتی ہے۔" چندا کے صحت مند رخساروں سے سرخی سی جھلکی۔ "اس کی بھابی اور امی آئی ہیں۔"

"اوہ۔ وہ تو اپنے محلے کی ہیں۔ چائے کے ساتھ بسکٹ منگوا لو پپو سے۔ بہت کافی ہوں گے۔ اہتمام کی کیا ضرورت ہے۔" اسے حیرانی ہوئی۔

"نہیں ناں۔" آج چندا کے انداز ہی کچھ اور تھے۔ وہ بہت محتاط اور الرٹ نظر آ رہی تھی۔

"آپ نے کل شامی کبابوں کا مسالہ فریج میں رکھا تھا اس کے کباب بنا لیں اور پھر پپو سے کچھ پیسٹریاں اور کریم رول وغیرہ منگوا لیں۔"

"دماغ خراب ہوا ہے کیا۔" راحت آنکھیں پھاڑتے ہوئے حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"ارے بھئی محلے کی جاننے والی عورتیں ہیں اور ان سے ہمارا کوئی تعلق واسطہ بھی نہیں ہے کہ مہمانوں جیسا سلوک کریں۔"

"تعلق نہیں بنا تو بن جائے گا۔" وہ چڑ کر بولی۔ "آپ اب اٹھیں گی بھی یا یونہی بولے چلے جائیں گی۔"

اس کی بات سن کر راحت کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

''گویا تمہیں پتا تھا کہ یہ لوگ آئیں گے۔'' راحت اس کی تیاریوں کو از سرنو دیکھنے لگی۔

وہ اتنا تیار اور خوش تو کسی بھی مہمان کے لئے نہیں ہوئی تھی بلکہ چند دن پہلے جو خواتین دیکھنے آئی تھیں ان کے سامنے آنے سے بچنے کی کوشش کی تھی۔ اب یہ عالم تھا کہ انگ انگ سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

''ہم نے جو روایتی مہمان داری نبھانا ہے سو چائے اور بسکٹ پیش کر کے پوری کر دیں گے۔ تمہیں اپنا شوق پورا کرنا ہے تو خود بنالو۔''

راحت نے آرام سے کہا۔ ہزار مصلحتوں اور مجبوریوں کے باوجود وہ اپنی فطرت کو مکمل طور پر ختم نہیں کر سکتی تھی۔ جائز کو جائز اور ناجائز کو ناجائز کہنا اس کی طبیعت کا ایک لازمی جزو تھا۔

''ہونہہ۔ زیادہ اترائیں مت۔'' وہ جل بھن گئی اور پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

یہ گتھی تو شام کو نسرین کی بھابی اور امی کے جانے کے بعد سلجھی جب صفیہ نے قہر میں ڈوبے انداز میں چندا پر لعنت پھٹکار کی۔

''اے ناس پیٹی۔ اس لئے دوستیاں لگائی ہوئی تھیں دوسری گلی میں۔ جابر نے تجھے منع بھی کیا تھا کہ گلی محلے میں اِدھر اُدھر نہ پھرا کر۔ اِدھر آ ناں ذرا میرے پاس۔ کیا لگتا ہے نسرین کا بھائی تیرا۔ اس کی ماں اور بھابی رشتہ لے کے آئی تھیں۔ ان کے انداز بتاتے تھے کہ وہ بیٹے کی خواہش سے آئی ہیں۔ کہاں دیکھا تھا اس نے تجھے' اسے جرأت کیسے ہوئی رشتہ بھیجنے کی۔ دو ٹکے کے لوگ اور آئے ہیں ہم سے برابری کرنے۔''

صفیہ اپنے مخصوص انداز میں شروع ہو چکی تھیں۔

''اماں وہ' مجھے تو کچھ نہیں پتا۔ میں کیا جانوں۔'' چندا گھبرا گئی تھی۔

''تو نہ جانے تو رشتہ کیونکر بھیجا۔'' ان کا غصہ قدرے کم ہوا۔

''مجھے کیا خبر۔'' وہ انجان بن گئی پھر اس نے عافیت اسی میں جانی کہ وہاں سے کھسک لے۔

جابر رات کو آیا تو صفیہ نے پروپوزل کا سرسری ساذکر کیا۔ وہ سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گیا۔

''ان کی کمینوں کو جرأت کیسے ہوئی ہماری بہنوں بیٹیوں کے رشتے کی بات کرنے کی۔ زبان کھینچ لوں گا میں۔''

''میرے بیٹے غصہ نہ کر۔ ہم نے کون ساہاں کر دی ہے۔'' صفیہ بڑے شہد بھرے میٹھے انداز

میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

''وہ جواب کے لئے آئیں تو اُن کو کھری کھری سنا کر دروازے سے ہی رخصت کر دیں۔ کوئی ضرورت نہیں اندر بٹھانے کی۔''

وہ تو حکم صادر کر کے انیتا کی طرف چلا گیا مگر چندا صفیہ کے سر ہوگئی۔

''اماں آپ اس رشتے کے لئے انکار نہیں کریں گی۔'' اس نے لجاجت سے ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''کیا بکتی ہے تو۔'' وہ غیظ سے بھر گئیں۔

''یہ تیرے مطلب کی باتیں نہیں ہیں بے شرم۔ کیا فیصلہ کرنا ہے' یہ سوچنا ہمارا کام ہے۔'' وہ دانت پیس کر بولیں۔

''اماں آپ نے کہیں تو میری شادی کرنی ہی ہے ناں۔ کیا برائی ہے اس رشتے میں۔''

انہوں نے اٹھ کر دو ہتھڑ لگائے۔

''بے غیرت' بے حیا' میں تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی دال میں کچھ کالا ہے۔ تیری شہ پہ آئے تھے ناں وہ لوگ۔ بتا کب سے یہ سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔''

ان کا بس نہیں چل رہا تھا اسے کچا چبا جائیں۔ وہ طلعت اور راحت کی وجہ سے آواز دبا کر بات کر رہی تھیں وگرنہ ایک حشر برپا کر دیتیں۔ بہوؤں کے سامنے تو وہ اپنی خاندانی عظمت و شرافت کی مثالیں دیا کرتی تھیں اور گاہے بگاہے راحت کو ذلیل کر کے دلی مسرت حاصل کرتی تھیں۔ یہ کیا خبر تھی کہ کسی کو کہا اپنے سامنے آجائے گا۔

باپ کے مرنے کے بعد جابر کچھ اپنی فطری درشت مزاجی اور کچھ گھر کے بڑے ہونے کے ناطے ذمے داریاں سنبھالنے کی وجہ سے گھریلو پالیسیوں میں بہت سخت ہو گیا تھا۔ بہن بھائی اس کا سامنا کرنے سے کتراتے تھے۔ وہ مخاطب کرتا تو ان کے اوسان خطا ہو جاتے۔ وہ سب اس کے سامنے بھیگی بلی بن جایا کرتے تھے۔ آج تک گھر میں وہی ہوتا تھا جس کا جابر نے آرڈر دیا تھا۔ وہ لڑکیوں کی آزادی اور سیر و تفریح کے شوق کو پسند نہیں کرتا تھا۔ سو صفیہ نے ساری بیٹیوں کو بس گزارے لائق پڑھایا تھا۔ مڈل میٹرک اور بس۔ چندا کو ایک تو ویسے بھی پڑھائی کا شوق نہیں تھا دوسرے میٹرک میں فیل ہو جانے کے بعد اس نے اپنی مرضی سے پڑھائی چھوڑ دی تھی۔ اس کا

فارغ وقت اپنے مزاج کی سہیلیوں کے ساتھ زنانہ قسم کے رومینٹک گانے سننے، رسالے، فلموں، ڈراموں کی کہانیاں ڈسکس کرتے گزرتا تھا۔ نسرین کا بھائی وسیم بارہ جماعتیں پڑھا ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک فیکٹری میں ملازم ہو گیا تھا۔ چندا سے اس کا تعلق ڈیڑھ سال پرانا تھا۔ وہ مزاجاً بہت شاعرانہ اور رومانی تھا اور چندا بذاتِ خود بھی ایسی ہی تھی سو بہت جلد اُن میں روایتی محبت کا بوٹا پنپنے لگا۔ نسرین سے دوستی باہمی ملاقاتوں کا بہانہ بن گئی تھی۔ چندا اس سفر میں اتنا آگے جا چکی تھی کہ اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔

اس کا اندازہ راحت کو اس وقت ہوا جب تین چار دن بعد وہ اس کے پاس بیٹھی روتی ہوئی اس سے مدد کی طالب ہوئی۔

''بھابی! میں مر جاؤں گی۔ آپ اماں سے بات کریں۔ انہوں نے نسرین کے گھر والوں کو انکار کر دیا ہے اور بڑا بے عزت کر کے گھر سے نکالا ہے۔''

''تو اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں مائی ڈیر۔'' وہ اس کی کیفیت کے پیشِ نظر نرمی سے گویا ہوئی۔ ''تم اپنے گھر کی روایات سے مجھ سے زیادہ واقف ہو۔ جابر بھائی ایک بار جو فیصلہ کر لیں اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔ سارے حالات تمہارے سامنے ہیں۔''

''میں وسیم کے سوا کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔''

''اس سفر پر نکلنے سے پہلے تمہیں اپنے گھر کے حالات دیکھ لینے چاہئے تھے۔ تم جانتی تھیں تمہارے بھائی صاحب بہت سخت ہیں اور جس ماحول میں تم رہتی ہو وہاں محبت جیسی حماقتوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''

''کیا دیکھتی گھر کے حالات۔ بھائی صاحب نے بھی تو عشق فرما کے بیوی گھر میں ہوتے ہوئے ایک بازاری عورت کو سر پر لا کے بٹھایا ہے۔'' وہ جل کر بولی۔ اس کے انداز میں جھلکتی سرکشی کو محسوس کر کے راحت کو اس پر ترس آ گیا۔ دھیرے سے اس کا کندھا دبایا۔

''بے وقوف تم کس کا مقابلہ کرتی ہو اپنے ساتھ۔ وہ بہت اونچی چیز ہیں۔ مرد ہیں معاشرے کے حاکم ہیں زور آور حاکم ہمیشہ حق پر ہوتا ہے۔ وہ کبھی کوئی کام غلط نہیں کر سکتا۔ دوسرے لفظوں میں اس کوئی کام غلط نہیں ہوتا ہے۔''

''یہ آپ کہہ رہی ہیں۔'' وہ بے یقینی سے بولی ''آپ تو مردوں کی حاکمانہ فطرت کے خلاف

باتیں کیا کرتی تھیں۔ آپ تو طلعت بھابی کو بزدلی کے طعنے دیا کرتی تھیں۔ میں نے خود کئی بار سنی ہیں آپ کی باتیں۔ جب آپ ہمارے گھر آئی تھیں تو اماں مجھے کہتی تھیں کہ چھپ کر ان دونوں بہنوں کی باتیں سنو۔''

راحت کے ہونٹوں پر ایک شکست خوردہ مسکراہٹ در آئی۔

''ہاں میں کہا کرتی تھی مگر وہ میرا ماضی تھا۔ وہ میری ذہنی سادگی کا زمانہ تھا۔ اُس وقت میں پریکٹیکل لائف میں نہیں آئی تھی۔ کتابی باتیں کرتی تھی۔''

وہ خود ہی اپنے نظریات کو جھٹلا رہی تھی اور یہ ایک تکلیف دہ عمل تھا۔

''مجھے کچھ نہیں پتا۔ میں بس اتنا جانتی ہوں کہ میں صرف وسیم سے شادی کر سکتی ہوں۔ اس کے علاوہ کسی سے بھی نہیں۔'' اس کے انداز سے خودسری جھلک رہی تھی۔

''تو کیا کرو گی تم۔ تمہیں شاید علم نہیں صفیہ خالہ نے جابر بھائی سے رائے لے کر اُن لوگوں کو ہاں کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے جو کچھ دن پہلے آئے تھے۔'' راحت پریشانی کے عالم میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیا۔'' چندا کو شدید صدمہ ہوا۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولی۔

''میں وہاں شادی نہیں کروں گی۔''

''بھئی وہ جابر بھائی کے جاننے والے ہیں اور اس رشتے میں جابر بھائی کی گہری دلچسپی ہے۔''

''ہوتی رہے۔ مجھے تو نہیں ہے ناں اور زندگی میں نے گزارنی ہے۔ انہوں نے نہیں۔'' وہ سرکشی سے بولی ''شادی میری ہو رہی ہے۔ لہٰذا مرضی بھی میری ہی چلے گی۔''

''یہ فلمی ڈائیلاگ عملی زندگی میں کام نہیں آتے بہن۔'' راحت اس کی کم عمری کے جوش اور ضد کو محسوس کر سکتی تھی۔

''میں مجبور ہوں بھابی۔'' چندا کا لہجہ بھرا گیا۔

''کون مجبور نہیں ہے اس دنیا میں۔''

''آپ دیکھ لیجئے گا اگر کچھ ایسا ویسا ہوا تو میں زہر پھانک لوں گی۔ میں اپنی جان ختم کر لوں

گی۔ میں وسیم کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' وہ عزم سے گویا تھی۔

''میں نے کہا ناں تمہارے ذہن میں فلمی کہانیوں کے ڈائیلاگ جمع ہیں۔ ٹھیک ہے فلمی کہانیاں بڑی حد تک حقیقی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں مگر پھر بھی ہیں تو وہ کہانیاں ہی ناں۔ اور ضروری نہیں ہوتا کہ ہر فلم کی کہانی حقیقی زندگی سے قریب تر ہو۔ بعض اوقات مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی اس حد تک غالب ہو جاتی ہے کہ سچائی کا عنصر غائب ہو جاتا ہے۔ تم جانتی ہو جابر بھائی کا کہا حرف آخر ہوتا ہے۔ فیصلے اُن کے ہوتے ہیں' توثیق صفیہ خالہ کرتی ہیں اور عملدرآمد اس گھر کے دیگر افراد کرتے ہیں۔ کیوں خواہ مخواہ مصیبت مول لیتی ہو۔ اپنے لئے اور گھر والوں کے لئے مشکل کھڑی نہ کرو۔''

مگر چندا شاید اب سوچنے سمجھنے کی حدود سے آگے نکل چکی تھی۔

''آپ دیکھ لیجئے گا میں ادھر شادی نہیں کروں گی۔'' جس دن جابر کے لائے ہوئے رشتے کے لئے ہاں ہوئی چندا نے واشگاف لفظوں میں صفیہ سے کہہ دیا۔

''اری چپ رہ کم بخت۔ جابر نے سن لیا تو تیرا گلا دبا دے گا۔'' صفیہ دانت پیستے ہوئے آواز دبا کر غرائی تھیں۔

''دبا دیں گلا۔ ایک ہی بار جان لے لیں۔'' وہ تو جیسے ہر سود و زیاں سے بے نیاز ہو چکی تھی۔

''بس میں نے سوچ لیا ہے' اگلے مہینے کی تاریخ دے رہی ہوں میں انہیں شادی کے لئے اس سے پہلے کہ تُو نیا چاند چڑھائے تیرا قصہ ہی پاک کر دیا جائے۔''

صفیہ نے آناً فاناً ٹھان لی۔

چندا سر پٹکتی رہ گئی اور اس کی کسی نے نہیں سنی۔ اس کی بات طے کر دی گئی تھی۔ اس کے بعد زور و شور سے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دونوں شادی شدہ بہنیں ان دنوں تیاریوں کے سلسلے میں میکے میں تھیں۔ اُن کی اور اُن کے بچوں کی خاطر داریوں نے طلعت اور راحت کو سر اُٹھانے کی فرصت بھی نہیں دی تھی۔ چندا نے خود کو ایک کمرے تک محدود کر لیا تھا۔ کھانا پینا چھوڑ رکھا تھا۔ ہر حربہ اپنا کے دیکھ لیا تھا مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا تھا۔

شادی سے ایک ہفتہ قبل وہ جابر کے روبرو کھڑی تھی۔

''بھائی جان' میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

جابر نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر ٹی وی بند کیا اور گھور کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیوں' کیا کہنا ہے۔'' اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔

''میں نے بہت کوشش کی کہ اماں کے ذریعے اپنی بات آپ تک پہنچا سکوں مگر......''

وہ سر جھکا کر انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

''میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ آپ ان لوگوں کو منع کر دیں۔''

''کیا' تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔'' وہ ایک دم دھاڑا تھا۔

چندا کا جسم کانپنے لگا اور آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

''میں شروع دن سے اماں سے کہتی رہی ہوں۔ انہوں نے میری نہیں سنی۔'' اس نے رو کر کہا۔

''بہت خوب' تم پہ بھی رنگ چڑھ گیا راحت بیگم کا۔ خود کچھ نہ کر سکی تو تمہیں بھڑکا دیا۔ تم وہاں شادی نہیں کرو گی۔ یہی کہا ہے ناں تم نے۔'' وہ ایک قدم آگے بڑھاتا اس کے قریب آیا اور ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا۔

''بھابی نے مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ میں...... میری بھی کوئی مرضی ہے بھائی جان۔''

جابر کے ہاتھ چلتے رہے مگر چندا مار کے باوجود اپنی بات اس تک پہنچانے سے نہ رکی تھی۔

''بے غیرت' بدچلن۔ جانتا ہوں میں۔ کیا نیت ہے تیری۔ مجھے تو ٹائم نہیں مل سکا ورنہ اسی دن نبٹ لیتا تجھ سے' جب اس لچے لفنگے کا رشتہ آیا تھا۔ عشق کی پینگیں لڑاتی ہے۔ بے حیا۔ بتاتا ہوں میں تجھے۔''

وہ بے دردی سے گالیاں بکتے ہوئے اسے پیٹتا رہا۔ پورے گھر کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

''بند کر دیں اسے کوٹھڑی میں' اس دن نکالیں جس دن شادی ہو گی۔ جھنڈے گاڑنے لگی ہے ہماری عزت کے مینارے پر۔ ہونہہ۔''

صفیہ اندر آئیں تو وہ قہر بھری نظروں سے چندا کو گھورتا باہر نکل گیا تا۔ راحت کو اس سارے واقعے پر دلی افسوس ہو رہا تھا۔

چندا صحیح تھی یا غلط مگر معاملے کو ڈیل کرنے کا یہ طریقہ بہر حال صحیح نہیں تھا۔ مسئلے کو آرام سے

بھی نبٹایا جاسکتا تھا مگر حاکم بھی تو اپنی حاکمانہ فطرت سے مجبور ہوتا ہے۔

کل کسی کی بیٹی کا تماشا بنایا تھا آج مکافاتِ عمل کے ہاتھوں اپنی بیٹی نے تماشا بنادیا۔

جابر اور صفیہ کی پریشانی دیکھتے ہوئے راحت نے دل میں سوچا تھا۔ اسے اپنا وقت یاد آرہا تھا۔ اس وقت یہی ماں بیٹا شیر بنے ہوئے تھے۔ اونٹ پہاڑ کے نیچے آتا ہے تب اسے حقیقت سمجھ آتی ہے۔

O☆O

شادی کو تین دن رہ گئے تھے۔ چندا کمرے میں نظر بندی کے دن پورے کر رہی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ ڈھولک وغیرہ کے ہنگامے ختم ہو چکے تھے۔

''بس بہت ہوگئیں وفا پرستیاں۔'' وہ گھٹنوں پر چہرہ رکھے کچھ سوچ رہی تھی۔ ایک لاوا سا اُس کے اندر پک رہا تھا۔ ہر کھیل میں، ہر مرحلے پر، تعلق کے ہر موڑ پر نقصان، قربانیاں اور شکست عورت کا ہی مقدر ٹھہرتی ہے۔

ہونہہ، میں جھٹلا رہی ہوں عورت کی اس روایتی تاریخ کو۔

معاشرہ تھوپ تھوپ کر اس کے ذہن کے تنور میں خدمت و عاجزی کی چپاتیاں لگاتا ہے۔ قطرہ قطرہ اُسے اطاعت گزاری کا زہر پلایا جاتا ہے۔ بچپن سے ہی آدابِ غلامی سکھانے کا آغاز ہو جاتا ہے۔

کبھی باپ کے لئے، کبھی بھائی کے لئے۔

کبھی شوہر کے لئے اور کبھی بیٹے کے لئے۔ ہر بار عورت سے ہی قربانی طلب کی جاتی ہے۔

بچپن سے بڑھاپے تک مرد کا یہ معاشرہ یہی سبق اس کے کان میں تواتر سے انڈیلتا رہتا ہے۔

تمہارا منصب ہی یہی ہے کہ غلام بن کر مرد کے اندر احساسِ برتری اور جذبہ حکومت کو پروان چڑھاؤ۔

مائیں بیٹیوں کو لہجوں سے، باتوں سے، آنکھوں سے، اشاروں سے یہی سکھلاتی ہیں کہ خبردار حرفِ شکایت زبان پر نہ لانا۔ جو گھر کا سردار و آقا کہے مانتی چلی جاؤ۔ آنکھیں بند کر کے۔ کولہو بیل کی طرح۔ چھکا چھک، ڈگر ڈگر اپنے مقررہ راستے پر دوڑتی چلی جاؤ۔

جو باپ یا شوہر کہے اسے آسمانی صحیفے کا سا درجہ دو اور بلا چوں و چرا اس پر عمل کرو۔

بدلے میں ذہنی و جسمانی اذیت ملے تو صبر شکر کر کے برداشت کرو، اپنے مرد کے ظلم و ستم اور زیادتی کا واویلا نہ مچاؤ۔ درد کو سہنا سیکھو۔ کہ یہی عورت کے منصب کا تقاضا ہے۔ یہی وفا ہے۔

''چولہے میں جھونک دو ایسی غلامانہ ذہنیت کے اسباق کو۔''

وہ چیخ چیخ گئی تھی۔ بغاوت لہر لہر اس کے بدن کے سمندر میں شور مچا رہی تھی۔

مجھے ستی ساوتری بننا قبول نہیں ہے۔

میں صبر کے سمندر میں کشتیاں نہیں چلا سکتی۔

مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے نہ اتنی برداشت ہے کہ ساری عمر ہمتوں کے بادبان تھامے ثابت قدمی سے جمی رہوں۔ میرے بازو شل ہو جائیں گے۔ میرے اندر تو ابھی سے یخ بستگی اتر آئی ہے، کیسے زندگی کی لہر دوڑاؤں گی خود میں۔ میری تو ابھی سے دھڑکنیں برف بننے لگی ہیں۔

جبر کا یہ پتھر کبھی نہیں پگھلے گا پھر میں صبر کا تیشہ کب تک چلاتی رہوں۔ اس سے تو بہتر ہے ابھی سے کنارے لگ جاؤں۔ اس نے آنا فانا فیصلہ کر لیا۔

اگلی صبح کا سورج ایک دلدوز خبر کے ہمراہ طلوع ہوا تھا۔

چندا نے چوڑیاں پھانک لی تھیں۔

ہسپتال پہنچے تو پتا چلا بہت دیر ہو چکی تھی۔

واپسی چندا کے مردہ وجود کے ساتھ ہوئی۔ کچھ ہی دیر میں چندا کی خودکشی کی خبر جنگل کی آگ کی طرح محلے میں پھیل گئی تھی۔

بالکل اسی طرح جیسے چھ ماہ پہلے راحت کی بدنامی ہوئی تھی۔ ہائے۔ یہ وقت کا ظالم پہیہ۔ خلق خدا بھلے سے بھول جائے خدا نے تو ایک ایک سیکنڈ کا ریکارڈ رکھا ہوا ہے۔ مخلوق کو دھوکا دیا جا سکتا ہے خالق سے فریب کا کھیل کیونکر کھیلا جا سکتا ہے۔ کسی کی بہن بیٹی پر کیچڑ اچھالنے والے اپنے آنگن میں کھلنے والی کلیوں کو کیوں بھول جاتے ہیں۔

وقت ایک ایک چیز کا حساب رکھتا ہے۔

راحت چندا کی میت کے پاس بیٹھی تلاوت کرتی ہوئی سوچ رہی تھی۔

اتنی کم حوصلہ نکلیں تم۔

اتنی جلدی ہار مان لی۔

پسند کا جیون ساتھی نہ ملا تو جیون ہی ٹھکرا دیا۔

یہ غلط کیا تم نے۔

اپنے ساتھ بھی۔

ہمارے ساتھ بھی۔

اور شاید اس کے ساتھ بھی جس کے سنگ جینے کے لئے تم نے موت کو گلے سے لگالیا۔

''ساری عزت خاک میں ملا دی۔ جن لوگوں کے سامنے گردن اٹھا کے چلتے تھے اُن کے آگے سر جھکا دیئے۔'' جابر کو سب سے زیادہ اسی بات کا قلق تھا۔

''کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا ہمیں۔'' وہ بڑبڑا رہا تھا۔

صفیہ پر غشی طاری تھی۔ آخر کو ماں تھی۔ پورے گھر میں سوگ کی کیفیت تھی۔ میت اٹھ جانے کے بعد بھی لوگوں کی گہما گہمی جاری رہی۔

O☆O

زرلالہ ابھی ابھی بچوں کو پڑھا کر ''اعوان ہاؤس'' سے باہر نکلی تھی۔ اعوان صاحب کا ڈرائیور گاڑی گیٹ سے باہر لے جا رہا تھا۔ زرلالہ پچھلی سیٹ پر تھی۔

وہ اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی جب اچانک اس کی نظر اعوان ہاؤس کے برابر میں واقع ملک ہاؤس کے گیٹ پر رکتی سوزوکی کیری پر پڑی۔

سوزوکی کی اگلی سیٹ سے جو آدمی نیچے اترا اسے دیکھ کر اُس کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

بے یقینی کے عالم میں اُس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

''اکبر علی!'' اس کے ہونٹ بے آواز ہلے تھے۔

''یہ...... یہ تو وہی ہے...... مگر اسے تو میں اپنے ہاتھوں سے قتل کر چکی ہوں تین چار سال پہلے......'' اکبر علی اس کا شوہر تھا۔

❀❀❀

اکبر علی کی نظر اُس پر نہیں پڑی تھی۔

''یا خدا! کیا یہ سچ مچ کا اکبر علی تھا یا میری آنکھوں نے دھوکا کھایا ہے۔'' اس کے حواس سلب ہو رہے تھے۔

''کس طرح تسلی کی جائے۔'' وہ ہاتھ ملتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

دل بے طرح پریشان ہو رہا تھا۔ دھیان کے دریچوں سے اکبر علی کے بہت سارے عکس جھانک رہے تھے۔

اس کے دُلہناپے کے رنگ و روپ کو سراہتی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہوا۔

اس کو چوڑیاں پہناتا ہوا۔

اس کی خدمت میں گلاب پیش کرتا ہوا۔

اپنے عشق کا اعتراف کرتا ہوا۔

اور پھر وہ آخری نظارہ جب زرلالہ نے چوڑے پھل والی تیز دھار چھری اس کے سینے میں گھونپ دی تھی

وہ اکبر علی کا بے دم ہو کر گرنا اور سینے سے خون کا فوارہ ابل پڑنا۔

وہ یہ سب مناظر کیسے بھول سکتی تھی۔

اکبر علی کو اس کے انجام تک پہنچانے کے بعد وہ افراتفری کے عالم میں تینوں بچوں کو لے کر اس چھوٹے گھر سے نکل گئی تھی۔ ریلوے سٹیشن پہ جانے کو تیار ٹرین میں جہاں تک کا ٹکٹ ملا لے کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ تو قسمت تھی کہ ٹرین میں جیا اور ان کے شوہر شہاب حسین مل گئے۔ شہاب حسین کی زیرک نگاہ نے یقیناً کچھ بھانپ لیا تھا اُن کے اشارے پر اُس کے پاس آئی تھیں۔ اس کی اُڑی اُڑی رنگت' آنکھوں سے ٹپکتی ہراساں کیفیت اور بوکھلائی صورت بذات خود اپنی داستان سنا رہی تھی۔ کچھ جیا کا نرم و ملائم اور مشفقانہ اندازِ کلام اثر کر گیا تھا کہ ان سے الف تا یے سب کچھ کہہ گئی۔

ایسے مشکل وقت میں ان دونوں میاں بیوی نے انسانیت و ہمدردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُسے اور اُس کے بچوں کو اپنے گھر میں پناہ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

خدا کا کرنا کچھ ایسا ہوا کہ اس ٹرین کو حادثہ پیش آ گیا۔ حادثے میں ہلاک ہونے والوں کی فہرست میں شہاب صاحب بھی شامل تھے۔

جیا شوہر کی ناگہانی ہلاکت پر فرطِ غم سے پاگل ہو گئی تھیں' ایسے میں زرلالہ نے ہی ہمت دکھائی تھی۔ جیا سے فون نمبر لے کر ان کے بیٹے مہراب سے رابطہ کیا تھا۔ مہراب شام کو پہنچا تھا' صدمے سے منجمد ماں کے ساتھ ساتھ باپ کا لاشہ ہمراہ لے جانے کو۔ وہ بھی چپ چاپ ساتھ ہو لی۔

وقت کے ساتھ ساتھ جب جیا کی حالت سنبھلی تو انہوں نے خود ہی زرلالہ کو اپنی خالہ زاد بہن کی بیٹی کے طور پر متعارف کرایا تھا جس کا خاوند ٹرین کے اس حادثے میں ہلاک ہو گیا تھا۔ انہیں زرلالہ کی عزت نفس اور حفاظت کا اتنا خیال تھا کہ اپنے بیٹے کو بھی اصل واقعات سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس واقعے کو تین سال گزر چکے تھے۔ زرلالہ کے اندر رہنے والا احساس جرم کا زخم کسی حد تک مندمل ہو چکا تھا کہ اچانک اکبر علی نظر آ گیا۔

''مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' گھر پہنچ کر بھی اس کو پریشان کن خیالات سے چھٹکارا نہیں مل سکا۔

دل بار بار کہتا تھا کہ وہ اکبر علی نہیں ہو سکتا۔

اسے تو وہ اپنے ہاتھوں سے ختم کر چکی تھی۔

لیکن اگر وہ اکبر علی نہیں تھا تو پھر کون تھا؟

مگر نہیں اس حد تک مماثلت کیسے ہو سکتی ہے؟

اکبر علی کے دائیں گال پر ایک سیاہ مسا تھا جو اس کی شناخت کا ایک واضح نشان بھی تھا اور اس نے اس آدمی کے دائیں گال پر وہ نشان دیکھ لیا تھا۔ میرے خدا میں کیا کروں؟

وہ سر تھام کے بیٹھی تھی۔

اگر یہ اکبر علی ہی ہے تو اس کا مطلب ہے چھری گھونپنے سے وہ صرف زخمی ہوا تھا اور بروقت کسی کی امداد ملنے سے بچ گیا تھا۔

پھر یہاں اسلام آباد میں اتنی دور کیا کر رہا ہے؟

کہیں یہ میرے پیچھے تو نہیں آیا؟

اُس نے جھرجھری لے کر سوچا۔

ہو سکتا ہے مجھ سے اقدام قتل کا بدلہ لینے اور اپنے بچے چھیننے کے لئے یہاں تک آیا ہو۔

یہ احساس اتنا ہولناک تھا کہ اس کا پورا بدن پسینے میں ڈوب گیا۔ مجھے اس سلسلے میں کسی سے مدد لینی چاہئے۔ ایسے حالات میں میری اکیلی ذات کچھ نہیں کر سکتی۔

وہ ہاتھوں کو آپس میں مسل رہی تھی۔

''مما آپ نے کھانا نہیں بنایا۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' ولی کافی دیر تک انتظار کرنے کے بعد بالآخر اس سے پوچھ بیٹھا تھا۔

''ارے ہاں بیٹے۔ کھانا بنانا تو میں بھول ہی گئی۔'' وہ چونک کر بستر سے اٹھی اور کچن کی طرف روانہ ہو گئی۔

''مما آپ کچھ پریشان ہیں۔ کیا مسئلہ ہے؟'' وہ توے پر روٹی ڈال رہی تھی۔ علی کے سنجیدہ و بردبار سوال نے اُس کا دل مٹھی میں لے لیا۔

میرا بچہ کتنا سمجھدار اور ذی فہم ہے۔ اس نے بڑھ کر اس کی پیشانی چوم لی۔

''میرے بہادر بیٹے کے ہوتے ہوئے مجھے کیا مسئلہ ہو سکتا ہے بھلا۔'' اس نے پیار سے کہا۔

''مما کوئی پرابلم ہے تو مجھ سے شیئر کریں۔ میں اس کو سولو تو نہیں کر سکوں گا کیونکہ ابھی میں چھوٹا ہوں مگر سمجھ ضرور سکتا ہوں' پر اس......''

''مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے میری جان۔ بس یونہی تھکن سی ہو رہی ہے۔'' وہ رشک آمیز نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

تینوں اکبر علی کے بچے تھے مگر شاید تربیت کا نقش اتنا گہرا جما تھا کہ وہ اپنے اس سفاک' خودغرض اور بے حس باپ کی خوبو سے کوسوں دور تھے۔ یوں بھی باپ کے پاس رہے بھی کہاں تھے۔ جب وہ انہیں لے کر گھر سے نکلی تھی اور جیا سے ملی تھی تب علی ڈھائی برس کا تھا۔ ولی ڈیڑھ سال کا اور سارہ بمشکل تین چار ماہ کی تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی انہوں نے جیا کی فیملی دیکھی تھی۔ مہراب جاب کے سلسلے میں کراچی ہوتا تھا۔ لے دے کے جیا اور شہاب حسین ہی ہوتے تھے گھر میں۔ شہاب حسین کی وفات کے بعد دوسرا ہٹ کا آسرا بھی چھن گیا تھا لہٰذا جیا نے اپنا غم غلط کرنے اور احساسِ تنہائی مٹانے کے لئے اپنی تمام تر محبت اور توجہ ان بچوں کے لئے وقف کر دی تھی جو بچوں کی سوچ اور رویے کا نکھار بن کر ان کی شخصیت میں رچ بس گئی تھی۔

بچوں کو سُلانے کے بعد وہ بستر پہ ٹانگیں سکیڑ کر اُن پر بازو لپیٹ کر بیٹھ گئی۔

وہ ملک ہاؤس کیا کرنے آیا تھا۔ کیا وہ یہاں ملازم ہے؟

یا کسی ملازم کا رشتے دار ہے؟

اس بات کا جواب ملک ہاؤس کا کوئی فرد ہی دے سکتا تھا۔

اس کے ساتھ ہی اُسے ساحر ملک کا خیال آیا۔

ان سے دریافت کروں؟ مگر نہیں اس درجہ مغرور اور ترش مزاج آدمی کے منہ کیا لگنا۔

وہ بہت دیر تک سوچوں سے اُلجھتی رہی۔

O☆O

ساحر ضروری مشینری کے لئے ایک ہفتے کے لئے جاپان گیا ہوا تھا۔ واپس لوٹتے ہی اس نے ماڈل کالونی پروجیکٹ کے ممبرز کی فوری میٹنگ طلب کی۔ جن میں ایمان' محسن' جابر' انیتا اور دیگر ورکرز شامل تھے۔

میٹنگ مکمل پروٹوکول کے ساتھ شروع کی گئی۔

''سپروائزر صاحب آپ پروجیکٹ کی تکمیل کے لئے اب تک کئے جانے والے تعمیراتی کاموں اور اقدامات کی رپورٹ پیش کریں۔'' ساحر نے سنجیدگی سے جابر علی کو مخاطب کیا۔

''جی سر۔'' وہ جلدی سے فائل میں لگے کاغذات الٹ پلٹ کرنے لگا۔

''مسٹر جابر' بی کوئیک۔'' ساحر کی قدرے ناگوار آواز نے ہال کی خاموشی کو چیرا ''آپ کو غالباً پہلے بھی متنبہ کیا جا چکا ہے کہ پوری تیاری کے ساتھ میٹنگ میں شریک ہوا کریں۔ کچھ عرصے سے آپ کی طرف سے مسلسل غیر ذمے دارانہ رویے کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔''

ساحر کا لہجہ خشک تھا۔

''سوری سر۔'' جابر نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور پھر شروع ہو گیا۔

''سر پچھلے دو ماہ سے ہماری فرم کی کارکردگی اس پروجیکٹ کے سلسلے میں بہت خوش آئند رہی ہے۔ پرائیویٹ سکیورٹی فورسز کے ٹرینڈ آدمیوں کی پوری یونٹ ملک آباد میں پروجیکٹ کے لئے مختص زمین کی نگرانی کر رہی ہے جس وجہ سے مزدوروں اور دیگر ورکرز کے دل میں پیدا ہونے والے عدم تحفظ کے احساس کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ پانی کی فراہمی کے لئے ٹیوب ویل لگنے کے بعد پروجیکٹ کا باقاعدہ آغاز ہو چکا ہے۔ اس علاقے میں پکی سڑک کی تعمیر کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ نیز بجلی اور سوئی گیس کی فراہمی کے سلسلے میں محسن صاحب قانونی کاغذی کارروائی مکمل کر کے رپورٹ متعلقہ محکمے کو بھیج چکے ہیں۔ اگلے ماہ تک یہ سہولتیں بھی مل جائیں گی۔ اس کے بعد عمارتی تعمیرات کا کام شروع کیا جائے گا۔''

''ہوں۔'' ساحر ٹھوڑی پہ ہاتھ جما کے کچھ سوچ رہا تھا۔

''ایمان۔ آپ اب تک ہونے والے اخراجات اور آئندہ کی مالی ضروریات کا تخمینہ لگا کر بتائیں۔''

''جی کیا۔'' تخمینے کا لفظ ایمان صاحب کے سر پر سے گزر گیا تھا۔

''ایسٹی میٹ ESTIMATE۔'' ساحر نے نچلا ہونٹ دبا کر اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''اوہ۔ اچھا۔'' ایمان خفیف سا ہو کر کان کھجاتے ہوئے کاغذات سامنے رکھ کر بتانے لگا۔

''مسٹر محسن آپ اس اراضی کی قانونی ملکیت کے کاغذات تیار کر چکے ہیں؟ اور اس پروجیکٹ کی سمری مع نقشہ جات کے ''اوپر'' سے اپروو کروائے جا چکے ہیں یا؟''

''جی سر۔ یہ رہے دونوں کاغذات۔'' محسن نے مستعدی سے پیپرز سامنے رکھے۔

''گڈ!'' ساحر نے سرسری جائزہ لینے کے بعد تعریفی انداز میں سر ہلایا۔

"آپ نے تو خاصی کوئیک سروس دکھائی۔"

"شکریہ سر۔" محسن کو عجیب سی خوشی ہوئی۔

"آپ لوگوں کو یہ خبر سن کر خوشی ہوگی کہ میرے ساتھ فنِ تعمیرات کے ماہر انجینئرز کی ایک ٹیم جاپان سے آئی ہے۔ یہ چاروں صاحبان میرے بہت اچھے دوست ہیں اور میری ریکویسٹ پر اس پروجیکٹ میں فنی امور کا جائزہ لینے پاکستان آئے ہیں۔ ان کی رہائش کا انتظام میریٹ ہوٹل میں کیا گیا ہے۔ کل کا دن وہ آرام کریں گے اور پرسوں ہمارے ساتھ سائٹ پر چلیں گے جہاں کام کا آغاز کیا جائے گا۔"

"یہ تو واقعی گڈ نیوز ہے۔ اس طرح ہمارا پروجیکٹ مقررہ وقت سے پہلے مکمل ہو سکتا ہے۔" محسن بولا۔

"ہاں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔" ساحر نے ریلیکس ہو کر کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ یہ پوز میٹنگ ختم ہونے کی علامت تھا۔

"مس انیتا کینٹین کا نمبر ملا کر انہیں سرو کرنے کا آرڈر دے دیں۔"

"اوکے سر۔" ساحر کی ہدایت پر انیتا نے سائیڈ ٹیبل سے دوسرے فلور پر واقع کمپنی کی ذاتی کینٹین کے نمبر پش کرنے شروع کر دیئے۔

لنچ کے بعد دیگر افراد میٹنگ ہال سے نکل گئے۔ ایمان ساحر کے اشارے پر وہیں رکا رہا۔

"آج میرزا رفیع سودا صاحب بہت یاد آ رہے ہیں پارٹنر۔" ایمان نے ٹھنڈی سانس لی "حضرت ارشاد فرماتے ہیں......

حباب لب جو ہیں اے باغباں ہم
چمن کو تیرے کوئی دم دیکھتے ہیں

"میں نے کام کی بات کے لئے روکا ہے۔ شاعری کی پٹاری کھولنے کو نہیں کہا۔" ساحر نے خفگی سے دیکھا۔

تک دیکھ لیں چمن کو چلیں لالہ زار تک
شاید کہ پھر جئیں نہ جئیں ہم بہار تک

وہ باز نہ آیا۔

"مسٹر ایمان، خیریت چاہتے ہیں تو یہ شاعر نامہ فی الفور بند کر دیں۔" ساحر نے پیپر ویٹ دکھایا۔

انصاف اپنا سونپئے کس کو بجز خدا
منصف جو بولتے ہیں تو تجھ سے ڈرے ہوئے

ایمان سامنے والی کرسی چھوڑ کر سائیڈ والی پر براجمان ہو گیا مگر شعروں کا پیچھا نہیں چھوڑا۔

"تم چل بسو گے میرے ہاتھوں۔" ساحر نے ہونٹ دبا کر مسکراہٹ روکی تھی۔

"آہ...... ہا۔ پیارے وہ کیا کہا ہے اپنے سودا جی نے کہ......

کیفیتِ چشم اس کی یاد ہے سودا مجھے
ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ میں چلا

ایمان جھوم کر بولا۔

"یوں لگ رہا ہے جیسے تم سودا جی کی شاعری کو اُگل رہے ہو۔"

"بالکل بھی نہیں۔ اجی ہم تو اپنے اُستادوں کا کلام سینے سے لگا کر رکھتے ہیں۔" ایمان نے دل پہ ہاتھ رکھا "کیا کریں "اُس" کو تو سینے سے لگا نہیں سکتے۔" آہ بھر کر کہا گیا۔

"اُس" کا کوئی وجود ہو گا تب ہی تو تمہارے عاشقانہ عزائم کی تکمیل ہو سکے گی۔ جب وہ ہے ہی نہیں تو رونا کس بات کا۔" ساحر ہلکے پھلکے انداز میں اپنی طبیعت کے برخلاف اس موضوع تک آ ہی گیا تھا۔

"یہ بات نہیں ہے میرے کورذوق بھائی۔ سودا جی کہتے ہیں۔

صورت میں تو کہتا نہیں، ایسا کوئی کب ہے
اک دھج ہے کہ وہ قہر ہے، آفت ہے، غضب ہے

اور یہ کہ......

سودا جو تیرا حال ہے ایسا تو نہیں وہ
کیا جانئے تو نے اسے کس حال میں دیکھا

"سودا سودا کرتے کہیں سچ مچ سودائی نہ ہو جانا۔" ساحر نے تشویش ظاہر کی۔

"دل کی کلی نہ تجھ سے کبھی اے صبا کھلی

چمپا کھلی، گلاب کھلا، موتیا کھلی''

''جب تھک جاؤ کلام سودا کا ورد کر کے تو مجھے اطلاع دے دینا۔'' ساحر نے ٹیبل پر پڑا ڈان اٹھالیا اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتا نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

ایمان نے لاچاری کا اظہار کیا۔

''پاگل خانے سے رجوع کریں۔'' اخبار کے صفحات کے پیچھے سے برجستہ جواب آیا۔

چھیڑ مت بادِ بہاری کہ میں جوں نکہتِ گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

ایمان نے جوابی شعر داغ دیا۔

ساحر نے اخبار کی آڑ لے کر اپنا دایاں جوتا اتار لیا تھا۔

ایمان کو اس واقعے کی خبر اس وقت ہوئی جب جوتے نے اُس کی کمر کا مزاج پوچھا۔

وہ ہائے ہائے کرتا دوسری طرف لوٹ لگا گیا تھا۔

ظالم میں کہہ رہا تھا کہ تُو اس خو سے درگزر
سودا کا قتل ہے یہ' چھپایا نہ جائے گا

وہ دہائی دیتا ہال کمرے میں ناچتا پھر رہا تھا۔

''آہستہ' یہ آفس ہے۔ آپ کا ذاتی بیڈروم نہیں ہے۔'' ساحر پر اُس کے واویلے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

جس روز کسی اور پہ بیداد کرو گے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کرو گے

وہ احتجاجاً باہر کا رخ کرتا ہوا شعر پڑھ گیا تھا۔

ساحر زیرِ لب مسکراتے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنے

وہ شعر پڑھ کر گولی کی طرح غائب ہو گیا تھا۔

ساحر اُس کی برجستہ شعر گوئی پر بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

آفس سے اٹھ کر وہ ملک ہاؤس آیا۔ رستم کافی سرو کر رہا تھا۔

''بہت ٹائم پر آئے بیٹے۔'' ساحر کو کافی پسند تھی۔ عذرا بیگم نے دیکھتے ہی نرمی سے مخاطب کیا تھا''آپ کی پسندیدہ کافی بنی ہے۔'' ساحر انہی کے پاس صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''تھینکس۔'' وہ اُن کے ہاتھ سے مگ لے کر بولا۔ سٹنگ روم میں عذرا کے ساتھ کومل اور سمیر بھی موجود تھے۔ سمیر ایک عرصے کے بعد..... لندن سے لوٹے تھے۔ وہ وہاں کی برانچ سنبھالتے تھے۔

''سعود اور اس کی مسز نظر نہیں آرہیں۔'' ساحر نے سرسری ساذکر کیا''ایک کپل کمپلیٹ ہے تو دوسرا بھی مقابل موجود ہونا چاہئے۔'' اس نے اپنے بڑے بھائی جان سمیر اور کومل پر ایک نظر ڈال کر خوشگوار انداز سے مخاطب کیا۔

''وہ دونوں تو شاذ و نادر ہی ایک دوسرے کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔'' عذرا بیگم کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی شکایتی سا ہو گیا تھا''بہو بیگم کی اپنی دلچسپیاں اور اوٹ پٹانگ سرپھری مصروفیات ہیں۔ جو دُھن سما جائے بس اسی طرف ہو لیتی ہیں اور سعود اس کے موڈ کا خیال رکھنا اپنی ڈیوٹی خیال کرتا ہے۔ سعود کی گاڑی تباہ کر دی' اس اللہ کے بندے نے اسے ذاتی ہنڈا سوک لے دی۔ نئے ماڈل کی۔ ابھی محترمہ نے ڈھنگ سے ڈرائیونگ بھی نہیں سیکھی مگر لئے اڑتی ہیں جہاں مرضی۔ خدانخواستہ کوئی...... ایکسیڈنٹ ہو گیا یا بندہ مار دیا تو تھانے کچہری کون بھگتے گا۔ انوار بہو کے طور طریقوں پر بہت نالاں رہتے ہیں مگر سعود کی پشت پناہی کے لئے آپا بیگم اور شبیر بھائی موجود ہیں بس ان کا لحاظ کر جاتے ہیں۔ زچ تو آپا بیگم بھی بہت ہیں مگر کیا کریں سعود کی محبت میں وہ ہر غیر روایتی طریقہ برداشت کر جاتی ہیں۔ سعود جانتا ہے کہ وہ آپا بیگم کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اس کا وہ فائدہ بھی اٹھاتا ہے۔''

''ہو سکتا ہے موصوف زن مریدی کی نئی تاریخ رقم کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔'' سمیر محظوظ ہو کر بولے۔

''میں تو عاجز آ گئی ہوں۔ ادھر بڑی اماں اور آپا بیگم کے موڈ مستقل خراب رہتے ہیں۔ من

موجی اور موڈی تو ہے ہی بدتمیز بھی بلا کی ہے۔ جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتی ہے۔ نہ خاندان کی عزت کا خیال ہے نہ اپنے مرتبے کا۔ بھلا اس طرح لور لور پھرنا اور بنا بتائے گھر سے غائب رہنا شرفا کی بہو بیٹیوں کو زیب دیتا ہے؟''

''تربیت کی کمی کا نتیجہ ہے۔ اس کی ذمے داری ان سے زیادہ ان کی ماں پر عائد ہوتی ہے۔''

ساحر نے ایک ٹانگ پر دوسری جمائی۔

''آپا بیگم تو پچھتا رہی ہیں سعود کی مان کر۔ بڑی اماں نے واشگاف لفظوں میں اعلان کر دیا ہے کہ اب خاندان کے ہر فرد کی شادی خالصتاً ان کی اور ملک بابا کی مرضی سے طے کی جائے گی۔''

''سن لیں کنوارے صاحبان۔'' سمیر نے ساحر کو شریر نظروں سے دیکھا۔

''سن لیا۔'' ساحر مبہم سا مسکرایا۔ ''ہم نے اس جھنجٹ میں پڑنا ہی نہیں ہے لہٰذا خطرے کی کوئی بات نہیں۔''

''اونہوں۔ ایسے نہیں کہتے بیٹے۔ آپ کی شادی کے تو سب کو بہت ارمان ہیں۔'' عذرا بیگم نے پیار سے کہا۔

''یہ ارمان دل میں ہی رکھیں تو بہتر ہو گا۔'' ساحر نے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔

''کہیں تمہارا بھی ساحر کی طرح دھماکا کرنے کا ارادہ تو نہیں؟ وہ بھی شروع شروع میں ایسے ہی زور شور سے تاحیات کنوارے رہنے کا اعلان کیا کرتا تھا۔'' کومل نے شرارت کی۔

''اب دیکھ لو۔ مجنوں کو بھی مات کر دیا ہے۔''

ساحر کے ہونٹوں پر سمجھ میں نہ آنے والی ہلکی سی مسکراہٹ کی لکیر ابھر کر غائب ہو گئی۔

''ہمارا بیٹا ایسا نہیں ہے۔'' عذرا بیگم نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''اس کی اور سعود کی طبیعت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ ٹھہرا جذباتی لڑکا۔ عاقبت نااندیش، مستقبل کی فکروں سے بے بہرہ اور غیر ذمے دار۔ ساحر سے اس کا کیا مقابلہ۔''

''سگے بیٹے سے زیادہ ''اعزازی'' بیٹے کی سائیڈ لی جا رہی ہے۔ واہ کیا بات ہے بھئی۔'' سمیر نے چھیڑا۔

''جو اچھا لگتا ہے اسی کو اچھا کہتے ہیں۔ اب کیا جھوٹ بولوں۔''

''سر آپ کا فون ہے۔'' رستم نے آ کر ادب سے ساحر کو مخاطب کیا۔ ''ایمان صاحب ہیں۔''

''ایکسکیوزمی۔'' ساحر اٹھ گیا اور اپنے کمرے میں آ کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھا فون کا ریسور اٹھا لیا۔

''جی فرمایئے۔ میرزا سودا کی بیاض مکمل ہو گئی یا کوئی شعر رہ گیا تھا سنانے کو۔''

''ابھی کہاں مکمل ہوئی۔'' لمبا سانس بھر کر کہا گیا۔

''وہ کیا کہتے ہیں جی کہ......

پروانہ اور شمع کی الفت نہ مجھ سے پوچھ
اپنی نہ کہہ سکا تو کہوں کیا پرائی بات

اور یہ کہ

وہ جو کہتے ہیں کہ سودا کا قصیدہ ہے خوب
ان کی خدمت میں لئے میں یہ غزل جاؤں گا

''یار، تمہیں شاعری کیوں اچھی نہیں لگتی۔ اور بھلا کیسے اچھی نہیں لگتی۔ شاعری تو زندگی ہے، زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتی ہے یہ۔ حوصلہ بڑھاتی ہے۔ دکھے دلوں کی غم خواری کرتی ہے۔ میں تو ادب نہ پڑھوں تو فوت ہو جاؤں۔ زندگی کا حُسن اسی کے دم سے محسوس ہوتا ہے۔''

''اپنی اپنی فطرت ہوتی ہے۔ مجھے شروع سے ہی اس میں انٹرسٹ نہیں ہے۔'' ساحر دوسرے ہاتھ سے اپنی ٹائی ڈھیلی کر رہا تھا۔

''شاید کبھی دل لگا کر ادب کا مطالعہ کیا ہوتا تو رجحان بن جاتا۔''

''ارے بندہ پرور! کسی حسین و ماہ جبیں سے ''دل لگا'' کے دیکھو تو خود بخود ادب سے بھی لگاؤ ہو جائے گا۔ وہ کیا کہتے ہیں بلکہ کہہ کر گزر گئے ہیں سودا جی کہ......

نہ جیا تیری چشم کا مارا
نہ تیری زلف کا بندھا چھوٹا

''کام کی بات کرو اور اختصار کے ساتھ۔'' ساحر خفگی سے بولا۔

''اب دیکھو ناں اگر تمہیں سودا جی کی شاعری سے دور پار کا بھی لگاؤ ہو تو تم یہ کہنے کی بجائے

سیدھا سیدھا شعر پڑھ دیتے کہ......

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اُڑ گئی تیرے فسانے میں

"آج کیا ہوگیا ہے تمہیں۔ کہیں دورہ تو نہیں پڑ گیا؟" ساحر زچ ہوگیا۔

"ہائے کیا کہوں دل کی بات کہ

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجھ کو نیند
جس کا پکارتا ہوں وہ کہتا ہے مر کہیں

"آج مجھے "وہ" بہت یاد آ رہی ہے۔ میرا دل عجیب طرح سے بے کل ہو رہا ہے۔ جی چاہتا ہے جادو کے زور سے اُسے سامنے لے آؤں اور پاس بٹھا کر مدتوں تکتا رہوں۔ ہائے

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

"میں کیا کروں ساحر۔ آج دل بے اختیار ہوا جاتا ہے۔"

"اس خناس کو نکالنے کا ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے تمہاری فوری شادی۔ شادی کے بعد خود بخود دماغ ٹھکانے پر آ جائے گا۔" ساحر نے لاپروائی سے تجویز دی۔

"کیسے بے درد اور سنگدل دوست ہو۔ بلکہ دوست کے نام پر دھبا ہو۔" وہ فریادی انداز میں بولا۔ ساتھ ہی شعر بھی پڑھ دیا۔

جب رات گئے تیری یاد آئی سو طرح سے جی کو بہلایا
کبھی اپنے ہی دل سے باتیں کیں، کبھی تیری یاد کو سمجھایا

"میں فون رکھنے لگا ہوں، میرے دماغ میں شاعری کے جراثیم گردش کرنے لگے ہیں۔" ساحر کا صبر جواب دے گیا تھا۔

"اچھا اچھا۔ میں خود ہی یہ زحمت کئے لیتا ہوں بس والد بزرگوار جناب ڈاکٹر سلمان کا پیغام پہنچانا تھا آپ کو۔ وہ آپ کو شدت سے یاد کر رہے ہیں اور تلقین کی ہے کہ اولین فرصت میں "آرام منزل" کا چکر لگائیں۔"

"ٹھیک ہے۔ انہیں میرا سلام کہنا۔"

ساحر نے فون رکھ دیا تھا۔

O☆O

"ایک بات ہمیشہ یاد رکھو۔ کسی چیز یا مقام کو حاصل کرنے کے لئے ہمارے جلدی مچانے یا وج سوچ کر پریشان ہوتے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وقت کا پہیہ تو اپنی مخصوص رفتار سے چلتا ہے۔ نہ وقت سے پہلے کچھ ہو سکتا ہے اور نہ بعد میں۔ جو ٹائم قدرت نے مقرر کر رکھا ہے وہ کام اس مقررہ وقت پر سرانجام پائے گا۔ تم کوشش جاری رکھو کہ کوشش کرنا شرط ہے مگر اس کوشش کا نتیجہ سدا پہ چھوڑ دو۔ قدرت نے یقیناً کچھ اچھا تمہارے لئے محفوظ رکھ چھوڑا ہوگا۔ اس پر خلوصِ دل سے بھروسا کر کے دیکھو۔ وہ ذات باری تمہیں مایوس نہیں کرے گی۔"

نگین نے راحت کی تمام داستان سننے کے بعد حوصلہ دلانے والے انداز میں اس کے اندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

راحت بی اے فائنل کے ایگزام دینے کے لئے آج کل کالج آ رہی تھی۔ انگلش کا پرچہ دینے کے بعد اس نے جغرافی ڈیپارٹمنٹ سے میڈم نگین کی تلاش شروع کی تھی۔ نگین اس پر نظر تے ہی خود ہی سٹاف روم سے نکل کر اس کے ساتھ گراؤنڈ میں آ گئی تھی۔

"مجھے لگتا ہے میں ٹوٹ گئی ہوں میڈم۔ میری سوچ کا پختہ فریم تڑخ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ میں اپنے آپ کو حالات کے آگے بہت بے بس اور لاچار پاتی ہوں۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔" نگین نے تردید کی مگر راحت اپنی بات پر قائم رہی۔

"میں خود کو بہت پریکٹیکل سمجھتی تھی۔ ایک ایسی لڑکی جو ایموشنل پریشر کا کبھی شکار نہیں ہو سکتی تھی۔ جو سوچ کے اعتبار سے اتنی مضبوط اور مثبت تھی کہ جذباتی ہیجانات اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکتے مگر اب میں خود ہی بدل گئی ہوں۔ پریکٹیکل ہونے کی بجائے ایموشنل ہو گئی ہوں۔ بات بے ت شوہر سے الجھنا، چیخ و پکار کرنا، ساس اور جیٹھ سے منہ ماری حتیٰ کہ ان کی مار پیٹ برداشت کرنا، ل پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے آہ و واویلا کرنا پھر بالآخر خود ہی ہار تھک کے آداب غلامی سیکھنا یہ سب علامات شاہد ہیں کہ میں بھی عام عورتوں کی طرح......"

"ایک منٹ۔ ایک بات کی تصحیح کر لو۔ سوچ اور رویہ دو الگ فریم ورک ہیں اور دونوں اپنے اپنے طریقے سے کام کرتے ہیں۔ سوچ ہماری شخصیت کا جامع تعارف ہوتی ہے جبکہ رویہ شخصیت کے

محض کسی ایک پہلو کی عکاسی کر رہا ہوتا ہے۔ رویے حالات کے مطابق ادلتے بدلتے رہتے ہیں مگر سوچ نہیں بدلتی کہ وہ ہماری فطرت کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ آئیڈیل صورتِ حال یہ ہے کہ سوچ اور رویہ دونوں پریکٹیکل ہوں لیکن اگر حالات کے دباؤ کی وجہ سے عارضی طور پر رویہ ایموشنل ہو جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس شخص کی سوچ کا زاویہ بھی ایموشنل ہو گیا ہے۔ سوچ تو وہی رہتی ہے بس یہ ہے کہ اسے عملدرآمد کے لئے مناسب حالات نہیں ملتے۔ تمہارے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے ان دنوں۔ تمہاری پہچان تمہاری مضبوط' پختہ اور ٹھوس سوچ ہے۔ ٹھیک ہے جبر کے ماحول نے تمہارے رویوں کو بے توازن اور جذباتی کر دیا ہے مگر یہ تغیر عارضی ہے۔ ایک بار اپنی ہمتوں کو آواز دے کر دیکھو رویوں کی ثابت قدمی خود بخود سامنے آ جائے گی۔''

''فائدہ بھی کیا ہے میڈم' اتنا پریکٹیکل اور ایکٹیو ہونے کا۔'' وہ جیسے شدید خود ترسی کا شکار تھی۔

''وہ لوگ اچھے رہتے ہیں جو دونوں اعتبار سے جذباتی ہوتے ہیں۔ ان کا رویہ اور سوچ ان کے جذبات کے تابع ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ضرورت پڑنے پر ایموشنل بلیک میلنگ کر کے اپنا آپ منوا لیتے ہیں۔ میرے سسرالی رشتے داروں کی طرح اور ایک سب سے مثبت مثال تو میری دوست مہرینہ بذاتِ خود ہے۔ وہ انتہا درجے کی جذباتی سوچ رکھتی ہے مگر اسی جذباتیت کی وجہ سے وہ دوسروں سے اپنی مرضی کا منوا بھی لیتی ہے۔'' اس کا لہجہ شاکی تھا۔

''مگر کب تک۔'' نگین نے پُرسکون انداز میں جواب دیا'' جذبات کے سہارے کی گئی من مانیاں اور زبردستیاں زیادہ عرصے تک نہیں چلا کرتیں۔ لوگ ایک حد تک اس ایموشنل بلیک میلنگ کا پریشر برداشت کر سکتے ہیں مگر اس حد سے آگے ان کی برداشت بھی جواب دے جاتی ہے۔ ایسے میں جذباتی افراد کو ندامت اور پچھتاوے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ دنیا ہوش مندوں کی ہے جوش کے اندھوں کی نہیں۔''

''مگر راج تو جوش کے اندھے ہی کرتے ہیں۔ جابر بھائی ہیں۔ مہرینہ ہے پھر.....'' وہ دل شکستہ تھی۔

''غلط!'' نگین نے بات کاٹی۔

''تمہارا یہ احساس عارضی ہے۔ گہرائی میں جا کر دیکھو۔ خود ہی اس حقیقت کو پا لو گی کہ بے چین و بے سکون بھی سب سے زیادہ یہی لوگ رہا کرتے ہیں۔ جوشیلا و جذباتی انداز کسی مسئلے کا حل

ہوتا۔ یہ تو اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنے والی بات ہے۔''

''شاید آپ ٹھیک کہتی ہیں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔ ''مگر میڈم مجھے کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ ہر موڑ پہ اونچی دیوار سامنے آ جاتی ہے۔ کوئی دروازہ دکھائی نہیں دیتا۔''

''زندگی بھلے کسی بھی بند گلی میں داخل ہو جائے ایک دروازہ ہمیشہ کھلا ہوتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ صبر و تحمل سے امید کے اس دروازے کا کھوج لگایا جائے۔'' نگین نے سمجھایا۔

''آپ ہی بتائیے میں کس دل سے اور کس لگن کے ساتھ آئندہ کی خوشگوار گھڑیوں کے خواب دیکھوں۔ ماں نے جذبات میں آ کر مجھے بھی اسی الاؤ میں دھکیل دیا جس میں مجھ سے بڑی بہن برسوں سے جل رہی تھی۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ کوئی ذریعۂ نجات نہیں ملتا۔ میرے سسرالی تنگ نظر' بدزبان اور جاہل ہیں۔ وہ ہر طرح کا ذہنی و جسمانی تشدد روا رکھنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ شوہر کسی قابل نہیں کہ اپنا اور میرا بوجھ اٹھا سکے اور میں اتنے ذرائع نہیں رکھتی کہ اپنی تعلیم کو کسی کام میں لا کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکوں۔''

وہ محرومی و مایوسی کی انتہا پر تھی۔

''اگر شوہر کسی قابل نہیں ہے تو اپنی تعلیم و ذہانت کے ذریعے اُسے اپنے قابل بناؤ۔ طریقے سے ڈیل کرو گی تو تمہارا مافی الضمیر سمجھ جائے گا۔ ہے تو انسان ہی کا بچہ۔''

''بچپن سے پختہ ہو جانے والی عادات کسی کے سمجھانے بجھانے سے نہیں چھٹتیں۔ وہ شروع سے ہی ایسا ہے میڈم۔''

''کوشش کر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔ بعض اوقات لوگ وہ نہیں ہوتے جو وہ نظر آتے ہیں یا جو ہم انہیں خیال کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے باقی گھر والوں کی نسبت زیادہ آسانی اور سہولت سے تمہاری بات سن اور سمجھ لے۔''

''سن تو وہ لے گا بڑی فرمانبرداری سے۔'' وہ جل کر بولی'' ساری بات عمل کی ہے۔''

''اگر کسی طرح تم اپنے شوہر کو اس کی ذمے داری اور موجودہ حالات کا احساس دلا دو تو زندگی اتنی دشوار نہیں رہے گی۔ کم از کم تمہاری بیک پہ تو ہو گا وہ پھر تم پوری توجہ اور سکون سے اپنے کوئی فیصلہ کر سکو گی۔ ٹھنڈے دل سے' حوصلے اور ہمت کے ساتھ اس کا سویا ہوا احساس جگاؤ۔ تمہاری تعلیم کا پہلا اور اہم استعمال یہی ہے۔''

''آپ کہتی ہیں تو کوشش کر کے دیکھتی ہوں'' وہ نیم آمادگی کے ساتھ گویا ہوئی۔

''ایسے نہیں۔ پورے عزم اور ارادے کے ساتھ عہد کرو۔''

''جی۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی ''میں کوشش کروں گی کہ انہیں اُن کے فرائض اور ذمے داریوں کا احساس دلا کر میدانِ عمل میں قدم رکھنے کی ترغیب دوں' آگے جو خدا کو منظور ہوا۔''

''ٹھیک ہے۔ مجھے نتیجے سے ضرور آگاہ کرنا کہ ناکامی کی صورت میں کوئی اور امکان دیکھیں گے۔''

تگین اٹھ کھڑی ہوئی۔ راحت نے بھی خدا حافظ کہہ کر قدم آگے بڑھا دیئے۔

O☆O

''امی' آپ نے تو کبھی میری خبر ہی نہیں لی۔ میں آپ کے پاس آؤں تو آؤں آپ نے ملک ہاؤس قدم نہیں رکھا اب تک۔''

مہرینہ یاسمین بیگم سے ملنے میکے آئی ہوئی تھی۔ یاسمین بیگم لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ بیٹی کو دیکھ کر گرمجوشی سے اٹھی تھیں۔

''آؤں گی میری جان' ایک ہی بار آؤں گی۔ پوری سج دھج سے۔ تمہیں ہمیشہ کے لئے ملک ہاؤس سے دور لے جانے کے لئے۔ اپنے پورے حق کے ساتھ۔'' وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی تھیں۔

''بوا کہاں ہیں' نظر نہیں آ رہیں۔'' مہرینہ اُن کے ساتھ صوفے پر نشست سنبھال چکی تھی۔

''مارکیٹ سبزی لینے گئی ہیں۔''

''میرے پودے کیسے ہیں۔ کسی نے ان کی خبر بھی لی یا نہیں۔''

''آتے ہی اپنے پھولوں پودوں کی پڑ گئی۔ ارے بابا کوئی کمی نہیں چھوڑی ان کی دیکھ بھال میں۔ تلقین میاں کو یہ ڈیوٹی سونپ رکھی ہے۔'' انہوں نے تسلی کرائی۔

''یہ بتاؤ تمہارے اور سعود کے آپس کے تعلقات کیسے جا رہے ہیں۔''

''بالکل ویسے ہی جیسا آپ نے کہا تھا۔ مطلب کے وقت مصلحتاً خوشگوار اور عام حالات میں روکھے پھیکے خشک اور سرد و سپاٹ۔'' مہرینہ نے سر جھٹک کر کہا۔

''اور گھر والوں سے......''

''ان کو تو میں کسی گنتی میں نہیں لاتی۔ سعود انہیں سنبھالنے کے لئے بہت کافی ہے وہ خود ہی نمٹ لیتا ہے۔'' وہ زعم سے بولی۔

''اس کا مطلب ہے خوب کس کے رکھا ہوا ہے سب کو۔'' یاسمین بیگم کو عجیب سی مسرت ہوئی۔

''ارے میں تو کھڑے کھڑے انسلٹ کر دیتی ہوں گھر کے کسی بھی بندے کی۔'' وہ اکڑ کر بولی ''اور تو اور میں تو بڑی اماں کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔''

''صحیح جا رہی ہو تم۔ بالکل صحیح جا رہی ہو۔'' انہوں نے اس کی پیٹھ ٹھونکی۔

اسی دوران بوا آ گئیں۔ لپک کر اس سے ملیں اور حال احوال پوچھنے لگیں۔

''تمہاری کارکردگی سے میں بہت خوش ہوں۔ تم ٹھیک اسی لائن پہ جا رہی ہو جس پہ میں تمہیں چلانا چاہتی تھی۔ ملکوں کی عزت کو جس قدر اچھال سکتی ہو اچھالو۔ انہیں ستاؤ' جلاؤ' ان کو مالی نقصان پہنچاؤ۔ نافرمانی اور من مانی کر کے انہیں بے بسی و مجبوری کے احساس سے آشنا کرو۔ انہیں بھی تو پتا چلے تذلیل و تحقیر کیا ہوتی ہے۔''

یاسمین بیگم کا چہرہ کسی اندرونی انتقامی الاؤ کے سبب تپ رہا تھا۔

''خدا کا نام لو بی بی' کیوں بٹیا کو غلط راہ دکھلاتی ہو۔ اس کو اپنا گھر بسانے دو۔ دیکھو اس کی زندگی برباد نہ کریو۔''

بوا اپنی فطرت سے مجبور تھیں سو یاسمین بیگم کی ناراضگی کے باوجود ٹوکنے سے باز نہ آئیں۔

''بھلا مائیں اس طرح اپنی بیٹیوں کے گھر اجاڑا کرتی ہیں۔ بہت ہو گیا یہ کھیل تماشا۔ چھ ماہ گزر گئے ہیں۔ بھلے مانس ہیں سعود میاں جنہوں نے بٹیا کو اس کے حال پہ چھوڑا ہوا ہے۔ ہر الٹی سیدھی شرط مان لیتے ہیں۔''

''آپ تو یوں کہہ رہی ہیں جیسے ماضی کی کڑیوں سے واقفیت ہی نہ ہو۔'' یاسمین بیگم تپ کر بولیں۔

''سب کچھ تو جانتی ہیں۔ کس طرح انہوں نے میری تذلیل کی۔ میری گود کی بچی کو حقارت و کراہت سے پرے کیا۔ اسے گندہ اور ناجائز خون قرار دیا۔ مجھے بے آسرا کیا۔ کتنے مشکل دن کاٹے ہیں میں نے ان ملکوں کی دشمنی میں۔''

''لیکن بیٹی اب اسی اونچے اور آن بان والے خاندان میں تمہاری بیٹی کا رشتہ ہو گیا ہے۔ انہوں نے بڑی چاہت اور محبت کے ساتھ رکھا ہے۔ عزت سے ڈولی پہ لے کے گئے ہیں۔ جو حق تمہیں نہیں مل سکا وہ تمہاری بٹیا کو نصیب ہو گیا۔ حساب برابر۔''

''ابھی کہاں برابر ہوا۔ ابھی تو میں اُن سے اپنا اور اپنی ماں کا حق منواؤں گی اور ڈنکے کی چوٹ پر تسلیم کراؤں گی۔ یہ باب اب اتنی آسانی سے کیسے کلوز ہو سکتا ہے بُوا پیاری۔'' مہرینہ کی آنکھوں میں انتقام کے جذبوں کی چمک تھی۔

بُوا منہ کھولے اس کی صورت دیکھ رہی تھیں۔

''دیکھنا' ایک دن وہ خود آئیں گے۔ امی کو بہو تسلیم کر کے ملک ہاؤس لے جانے کے لئے پورے پروٹوکول کے ساتھ۔'' مہرینہ نے دعویٰ کیا۔

''میری تو سمجھ میں نہیں آتا بٹیا۔ کس طرح تمہیں سمجھاؤں کہ اپنی ماں کی راہ پہ نہ چلو۔'' بُوا نے ہمت نہیں ہاری۔

''افوہ ہم اپنی باتیں کر رہے تھے تم خواہ مخواہ بیچ میں ٹپک پڑیں۔'' یاسمین بیگم نے جھلا کر کہا ''جاؤ اچھی سی چائے لاؤ مہرینہ کے لئے۔ ساتھ میں سنیکس بھی لے آنا۔''

''امی آپ کی اور ابو کی پہلی ملاقات کب ہوئی تھی۔'' مہرینہ بُوا کے جانے کے بعد صوفے پر پاؤں پسار کر نیم دراز ہو گئی۔

''میں لاہور کے ایک گورنمنٹ ہاسپٹل میں نرس تھی۔ اُس وقت میں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ مذہباً عیسائی تھی۔ بظاہر میرے سانولے سلونے روپ میں کوئی خاص کشش نہیں تھی۔ عام سا نارمل سا سراپا تھا مگر تنویر ملک کو شاید میری کوئی ادا بھا گئی تھی۔ وہ سچ مچ سیریس ہو گیا۔ اتنا زیادہ کہ کورٹ میرج کی پیشکش کر دی جو میں نے کچھ دن سوچنے کے بعد قبول کر لی۔ یوں ہمارا نکاح ہو گیا۔ تنویر نے لاہور شہر میں ایک کوٹھی' کار اور پلاٹ خرید کر میرے نام کر دیا تھا۔ یہ شادی فی الوقت خفیہ رکھی گئی تھی۔ تنویر ملک کو کسی مناسب وقت کا انتظار تھا۔ وہ ایم اے انگلش کے فائنل ایئر میں تھا اور چاہتا تھا کہ پیپرز کے بعد ملک بابا سے براہ راست بات کرے۔ وہ لاہور میں ہاسٹل میں رہتا تھا۔ شادی کے بعد وہ میرے ساتھ کوٹھی میں رہنے لگا۔ ابھی شادی کو چار ماہ گزرے تھے کہ اس کے ایکسیڈنٹ کی خبر ملی......ایکسیڈنٹ اتنا شدید تھا کہ وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ اس کی لاش اسلام

آباد ملک ہاؤس اس کے لواحقین کو پہنچا دی گئی اور میں بدنصیب آخری نظارہ بھی نہ کر سکی۔ کچھ اسلام آباد تک کا سفر کرنے کے قابل بھی نہ تھی۔ میں پریگننٹ تھی اور ساتواں مہینہ ختم ہونے کو تھا۔ تمہاری پیدائش کے بعد میں تمہیں لے کر ملک ہاؤس گئی تھی مگر ملک بابا نے دہلیز سے ہی لوٹا دیا۔ آگے کی کہانی تو تمہیں معلوم ہی ہے۔ مجھے بُوا کرا گئی پھر دنیا دکھاوے کے لئے میں نے تلقین میاں سے شادی کر لی اور نرسنگ چھوڑ کر سوشل ورک کے ایک ادارے میں جاب کر لی۔ مگر میرے دل میں ہمیشہ اپنے ٹھکرائے جانے اور دھتکار کر دہلیز سے لوٹا دینے کا تکلیف دہ زخم پھانس بن کر چبھن دیتا رہا پھر جب سعود کی تم میں دلچسپی دیکھنے میں آئی تو میں نے آناً فاناً ایک پلان بنا لیا۔ دیکھ لو کس کامیابی سے اس پلان پر عملدرآمد ہوا ہے۔''

اُن کا لہجہ فخریہ ہو گیا۔

''میں اپنا حق لوں گی اُن سے۔'' مہرینہ نے ڈٹ کر کہا۔ ''میں انہیں بتاؤں گی کہ انہوں نے ہمارا کتنا نقصان کیا۔ کس طرح جڑوں تک عدم تحفظ اور بے شناختی کے عذاب ہمیں ڈستے رہے۔ آپ بھلے سے کبھی معاف کر دیں' میں اُن کو معاف نہیں کر سکتی۔ بڑا مان ہے ناں انہیں اپنے صاف ستھرے اعلیٰ وارفع خون پر۔ خود کو بہت اونچی چیز خیال کرتے ہیں ناں۔ میں انہیں بتاؤں گی کہ ان کا خون کیا ہے۔ کس لیول کا ہے۔ آپ کو دھتکارا تھا' مجھے اور میرے زندہ وجود کو اب نہیں ٹھکرا سکتے کہ اتفاق سے اس رشتے کے انکشاف سے پہلے ہی وہ مجھے اپنے گھر کی عزت بنا چکے ہیں۔ ابھی تو جانے کس کس طرح میں اپنے اندر اٹھنے والے ابال کو دبا لیتی ہوں ورنہ جی تو چاہتا ہے بیچ چوبارے میں ان کی عزتوں کی ہنڈیاں پھوڑ دوں۔ انہیں بتاؤں کہ جس طرح احساسات کی پامالی پر تمہیں تکلیف ہوتی ہے اتنا ہی دکھ دوسرا آدمی بھی محسوس کرتا ہے۔ تمہارا دل نازک ہے تو پھر میرا دل بھی بہت نازک ہے۔''

وہ بار بار شدتِ جذب سے مٹھیاں بھینچ رہی تھی۔

''جو جی چاہے کرو' جس طرح تمہیں سکون ملتا ہے اسی طرح کرو۔ انہیں اچھی طرح سبق سکھا دو مگر ساتھ ساتھ ہوشیاری سے اپنی جڑیں بھی پھیلاتی جاؤ۔ جو کچھ بھی سعود کے پاس ہے اسے لے اُڑو۔ زیور' جائیداد' پلاٹ' بینک بیلنس۔ جتنا نچوڑ سکتی ہو نچوڑ لو۔ انہیں جھٹکا تب لگے گا جب تم سعود کو کنگال کر کے ملک ہاؤس چھوڑ دو گی۔ ناک رگڑیں گے وہ تمہارے سامنے۔ انہیں میں

تمہارے قدموں کے آگے بچھتے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"یاسمین بی بی تم بھلے سے میری بات کا بُرا مانو مگر ایک بات بتادوں یہ تم اچھا نہیں کر رہیں۔ بیٹی برباد ہو گئی تو......" چائے بناتی بُوا سے نہ رہا گیا تھا۔

"اصل شادی تو وہ ہوگی جو سعود سے طلاق لینے کے بعد کسی دوسرے شخص سے دھوم دھام سے ارینج کی جائے گی۔"

یاسمین بیگم کے اس طرح کہنے پر بُوا نے سر تھام کر ایسی نظروں سے انہیں دیکھا تھا جیسے یاسمین بیگم پر پاگل پن کا شبہ ہو۔

O☆O

"بڑی اماں آپ سے ایک درخواست کرنا تھی۔" سکندر ملکوال کی حویلی میں زنان خانے کے خصوصی کمرے میں بڑی اماں کے روبرو کھڑا سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ آگے آپس میں ایک دوسرے پھنسے ہوئے تھے اور چہرے پر بے پناہ گمبھیرتا تھی۔ بڑی اماں نے بغور جائزہ لیا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو بھئی۔"

"ملک دراب چاہتے ہیں کہ کوثر یہاں کام کرے۔" وہ ہونٹ کاٹ کر بولا۔

"کوثر کون!" بڑی اماں گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کے اپنے مخصوص درشت لب و لہجے میں گویا ہوئیں۔

"ماسی برکتے کی بیٹی۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"اچھا اس دھوبن برکتے کی بات کر رہے ہو۔" خدا جانے اونچے خاندانی لوگوں کو کم مرتبہ لوگوں کو پیشے کے حوالے سے مخاطب کر کے کیا تسکین ملتی ہے۔ سکندر نے سوچا۔

"جی ہاں۔ وہی جن کا میں بھتیجا کہلاتا ہوں اور جن کی سرپرستی میں دیا گیا تھا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کا لہجہ کسیلا ہو گیا۔

بڑی اماں نے رعب دار نگاہوں سے ایک لمحے کو اسے گھور کر دیکھا پھر سختی سے گویا ہوئیں۔

"تمہیں اس کی بیٹی کے حویلی میں کام کرنے پر کیا اعتراض ہے؟"

"شاید آپ کو یہ سننا اچھا نہ لگے مگر بڑی اماں...... ملک دراب گاؤں کی جوان بہنوں بیٹیوں

جس نظر سے دیکھتے ہیں اس سے سب واقف ہیں۔ کوثر ایک اعتبار سے میری رشتے کی بہن لگتی ہے۔ اس کے ماں باپ نے مجھے اولاد کی طرح پالا ہے۔ اُن کی عزت کی حفاظت کرنا میرا فرض بنتا ہے۔ ملک دراب کوثر کو ڈیرے پر کام کے لئے بلا رہے ہیں۔ ماسی برکتے اور چاچا بختو نہ انکار کر سکتے ہیں اور نہ اسے بھیجنے کی ہمت ہے ان میں۔ ڈوگر کی بیٹی بہار کے ساتھ جو ہوا وہ سب جانتے ہیں۔ کوئی خوف سے آپ لوگوں کے سامنے زبان نہ کھولے تو اور بات ہے وگرنہ اندرونِ خانہ سب کو علم ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

بڑی اماں کے ماتھے پر تیوریاں پڑی ہوئی تھیں۔ تاہم وہ اس کی بات دھیان سے سن رہی تھیں۔ ملک دراب کی اس قسم کی 'زنانہ' سرگرمیوں کو وہ بھی ناپسند کرتی تھیں مگر ملک بابا یہ کہہ کر لاپروائی سے ان کی فکرمندی کو باتوں میں اڑا دیتے کہ......

"ارے بھئی نر بچہ ہے۔ ایسی سرگرمیاں جوانی کا سنگھار ہوتی ہیں۔ وہ ملک زادہ ہے شیر جوان ہے۔ خون کی گرمی کہیں تو نکلے گی ناں۔"

"ٹھیک ہے میں اس سے بات کر کے دیکھوں گی۔" انہوں نے بظاہر بڑے احسان سے ہامی بھری تھی۔

"مہربانی بڑی اماں۔" سکندر کے ذہن کا بوجھ کسی قدر ہلکا ہو گیا تھا۔ سلام کرنے کے بعد وہ باہر نکل گیا۔

"کہاں جاتے ہو غلام ابن غلام۔" معاً راہداری میں جارجٹ کے باریک گلابی کپڑوں میں ملبوس صائمہ چھم سے آ ٹکرائی۔

لہجہ انتہا درجے کی رعونت اور تلخی لئے ہوئے تھا۔

"ہمارے ساتھ چلو۔"

"کہاں؟" سکندر بمشکل اپنے کھولتے ہوئے خون کو کنٹرول کر رہا تھا۔

"جنت میں!" وہ معنی خیز نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

سکندر اپنے بھڑکتے ہوئے جذبات پر قابو پاتے ہوئے خاموش رہا۔

"سیر کر کے دیکھو اس 'جنت' کی۔ خود کو بھی بھول جاؤ گے۔"

"اس طرح کی بازاری گفتگو کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے آپ کو۔" سکندر خون کے گھونٹ

بھر کر بولا۔

''کبھی گئے ہو بازار میں۔'' وہ طنزیہ بولی ''تم جیسے تو وہاں کی تتلیوں کے نام سن کر ہی کانپ جائیں۔''

وہ جان بوجھ کر اس کی مردانگی اور غیرت پر تازیانے لگا رہی تھی تاکہ اس کے اندر کا وحشی حیوان جاگ اٹھے مگر سکندر بلا کا حوصلہ مند تھا۔ وہ اپنے جذبات کو لگام دینا جانتا تھا۔ اس کا چہرہ شدتِ ضبط سے سرخ پڑ گیا تھا مگر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا تھا۔

''اگر نام نہاد غیرت مندی کے نام پر بھڑک کر حیوانیت کی منزلیں عبور کر لینا مردانگی ہے تو مجھے اس مردانگی سے بے بہرہ ہی تصور کیجئے۔'' وہ ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

''دیکھ لیں گے تمہاری جرأتیں بھی۔'' وہ پھنکاری۔ اس کے اندر جیسے کوئی گیلی لکڑی جل رہی تھی۔

سکندر ایک تحقیر آمیز نگاہ اُس پر ڈال کر سر جھٹک کر اپنی راہ پر ہولیا تھا۔

صائمہ بھڑ بھڑ آگ میں جل رہی تھی۔ یہ بڑی اماں کے پاس کیا کرنے گیا تھا؟

تجسس اتنا بڑھا کہ وہ بڑی اماں کے پاس جا پہنچی اور بہانے سے پوچھ لیا۔

''بہت خوب! موصوف ''اوپر'' تک پہنچ لڑا کے اپنا کیس حل کرانے کے چکروں میں ہیں۔''

وہ اپنے کمرے میں آ کر سوچنے لگی۔

''تمہاری چال تمہی پہ الٹ دیں گے مسٹر سکندر۔ ذرا دیکھو تو ہم کیا چکر چلاتے ہیں۔''

وہ پہلی فرصت میں کوثر کو کسی طریقے سے ملک دراب کی نظر سے گزارنا چاہتی تھی۔ ایک بار دراب نے اُس ہری بھری جوان وپُر بہار ڈال کو دیکھ لیا تو پھر کوثر کا محفوظ رہنا ممکن نہیں تھا۔

پھر اس نے خود ہی ایک پلان سوچ لیا۔

O☆O

شام کا وقت تھا۔ سارا آنگن خالی تھا۔

یوں بھی چندا کی خودکشی کے بعد گھر پر ایک عجیب طرح کا سناٹا چھایا رہتا تھا۔ اس کا چالیسواں ہو چکا تھا۔ اب تو اس واقعے کو بھی دو ماہ گزر چکے تھے مگر اس کے باوجود ابھی تک لوگ پوچھ تاچھ کے لئے آتے تھے۔ تعزیت کے بہانے کہانی کے جزئیات معلوم کرتے تھے اور ا

پورے سیاق و سباق کے ساتھ دوسروں تک پہنچاتے تھے۔ ان دو ماہ میں جانے کس کس زاویے سے محلے میں چہ میگوئیاں ہوتی رہی تھیں۔ صفیہ نے تو مارے شرمندگی کے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ جن کے سامنے وہ فخر و غرور سے گردن تانے اکڑی پھرتی تھیں' آج انہی کے سامنے مارے ذلت کے گردن نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ جابر علی کو البتہ کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ اس نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا۔

''اچھا ہوا خود ہی جان چھوڑ دی' وہ ایسا نہ کرتی تو میں خود اس کو اوپر پہنچا دیتا۔ مجھ سے ایسی بے غیرتیاں برداشت نہیں ہوتیں۔''

روحی آپا کی ڈلیوری کا کیس تھا۔ صفیہ طلعت اور عرفان کو لے کر اس کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ راحت گھر میں اکیلی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں بے ترتیبی و بے تکلفی سے بستر پر آڑھی ترچھی لیٹی سوچوں میں گم تھی کہ اچانک ایک احساس نے اسے الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ اس کی شلوار کا دایاں پانچا کافی اوپر تک سرک گیا تھا جس کی وجہ سے دائیں گدرائی ہوئی ملائم پنڈلی نمایاں ہو گئی تھی۔ اسے لگا جیسے کسی کے کھردرے ہاتھ نے اس کی پنڈلی کو چھوا ہے۔

خیال یہی تھا کہ عرفان ہو گا کہ اس کے کمرے میں اس درجہ قربت اور بے تکلفی کا مظاہرہ وہی کر سکتا ہے۔ جونہی وہ چونک کر اٹھی عرفان کی جگہ جابر بھائی کو موجود پا کر ہکا بکا رہ گئی۔

''آ...... آپ......!'' ان کی اس جرأت و گستاخی پر راحت پہلے تو حیران و پریشان رہ گئی پھر اُن کے چہرے اور آنکھوں سے جھلکتی ہوس ناک کیفیت نے اسے غم و غصے سے پاگل کر دیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' وہ جلدی سے اپنا حلیہ درست کر کے دوپٹہ اوڑھتی ہوئی دانت پیس کر بولی۔

''بدتمیزی تو نہیں ہے سالی عرف آدھی گھر والی صاحبہ۔''

جابر نے آگے بڑھ کر اس کا دوپٹہ کھینچا اور جھٹکے سے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔

''جابر بھائی۔'' وہ پھڑ پھڑائی اور پوری قوت سے انہیں پیچھے دھکیلنے لگی۔

''شرم کریں۔ آپ کو تو بھائی کہتے ہوئے بھی لاج آ رہی ہے۔ چھوڑیں مجھے ورنہ میں......'' اس کی سانس ہول رہی تھی مگر جابر بھائی اس وقت اپنے آپ میں نہیں تھے۔ اُن کے عزائم خطرناک نظر آتے تھے۔

جب تک کوئی حس سوئی رہتی ہے‘ اس سے منسلک تباہ کاریاں بھی راکھ میں دبی چنگاری کی
طرح پوشیدہ رہتی ہیں مگر جب وہ جاگ پڑتی ہے تو اس کے نتیجے میں برپا ہونے والی قیامتیں بھی
انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتی ہیں۔

جابر کو عورت ذات سے وابستہ اسرار و رموز اور بھول بھلیوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی مگر
انیتا جس روپ میں اس سے ٹکرائی تھی‘ اس کے بعد لذت و سرور اور سنسنی سے بھرپور لحات کی کشش
نے اس کی خوابیدہ حیوانی جبلت کو بھڑکا کر آتش فشاں بنا دیا تھا۔

راحت اس وقت اسی آتش فشاں کی لپیٹ میں آئی ہوئی تھی۔

جابر کے ہاتھ اُس کے جسم کے لطیف و دلکش اسرار و رموز سے آشنا ہو رہے تھے۔ اس کے
گداز اور ملائم لمس کی حلاوتیں چکھ رہے تھے۔ وہ اپنی تمام تر مزاحمتی قوتوں کو بروئے کار لا کر ان کے
شکنجے سے نکلنے کے لئے جدوجہد کر رہی تھی۔

''اسی لمحے گڈو کی پکارنے جیسے غیبی امداد کا سا کام کیا۔

'بھابی او بھابی۔ کدھر ہو آپ!'' اس کی کھلنڈری و بے پروا پکار نے جابر کو پیچھے ہٹنے پر مجبور
کر دیا تھا۔ وہ باہر صحن میں کھڑا پکار رہا تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔

راحت کسی بے جان شے کی مانند دھڑ سے اپنے بستر پر گر گئی۔ اس کی سانسیں اُتھل پُتھل ہو

رہی تھیں۔ دل پوری قوت سے سینے سے باہر نکلا چاہتا تا۔ جسم کا ایک ایک عنصر کانپ رہا تھا۔
آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔

''ابھی اگر کچھ ہو جاتا تو......'' اس کو اپنا آپ غیر محفوظ لگ رہا تھا۔

بندہ انتقامی رَو میں انسانیت کے درجے سے گر بھی جاتا ہے مگر کیا اس حد تک۔

ان کی شخصیت شروع سے میری نظروں میں مشکوک رہی تھی مگر ان کی ذہنیت اس درجہ گھٹیا
اور ہوس پرست ہوگی‘ یہ تو سان و گمان بھی نہ تھا۔

اب اس صورتِ حال میں اس گھر میں رہنا کس درجہ دشوار تھا۔ گھر جابر کا تھا‘ انہی کے پیسوں
سے بنا تھا۔ ذریعہ آمدن انہی کی ذات تھی۔ باقی گھر والوں سمیت عرفان اور راحت بھی انہی کا دیا
کھاتے تھے۔ انہی کی کمائی سے گھر چل رہا تھا۔ وہ حاکم تھے‘ مطلق العنان تھے اور گھر کے سربراہ
تھے۔ یہاں اُن کی اجازت و خواہش کے بغیر کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ کسی میں اتنا دم نہیں تھا
کہ اُن کی کسی خواہش یا حکم کو پسِ پشت ڈال کر اپنی من مانی کر سکتا۔

عرفان اُن کا دست بستہ غلام تھا۔ وہ تو ویسے بھی جابر بھائی سے بہت ڈرتا تھا اور گھریلو
معاملات میں ان کی رائے کو حتمی تصور کرتا تھا۔ اس کی کیا مجال تھی کہ ان کے کسی حکم سے سرتابی کرتا
مگر راحت کو یقین تھا ''اتنا'' کچھ جاننے کے بعد وہ یقیناً غیرت و حمیت کے جذبات سے مغلوب
ہو کر اپنے بھائی کا گریبان پکڑے گا یا پھر بوریا بستر سمیت کر گھر چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائے
گا۔

مگر کچھ بھی نہ ہوا۔

رات کو جب اس نے بتایا تو عرفان کا ردِ عمل اس کی توقع کے برعکس ثابت ہوا۔ وہ اُلٹا اُسے
جھوٹا اور غلط ٹھہرانے لگا۔

''تمہارا دماغ تو ٹھکانے ہے ناں۔'' وہ بُری طرح بگڑا تھا'' جابر بھائی پر الزام لگاتے
ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تم کو ان سے دلی نفرت ہے‘ ان کی عزت کرنا یا بات
ماننا اپنی توہین خیال کرتی ہو۔ اپنی تعلیم اور سمجھ داری کا بڑا غرور ہے تم کو۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں
ہے کہ تم گھر والوں پر بہتان بازی اور الزام تراشی کرنے لگو۔'' وہ تلخ ہو گیا تھا۔

''میری بات کا یقین کرو عرفان‘ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ جابر بھائی کی نیت خراب ہو گئی

ہے۔ اُن کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں اگر تم ہی غلط اور جھوٹا ٹھہراؤ گے تو اور کس کو سچائی کا یقین دلاؤں گی۔ انیتا نے انہیں جن لذّتوں کا آشنا بنادیا ہے' اس احساس نے اُن کی ہوش مندی چھین لی ہے۔"

راحت کو اس کے ردِّعمل پر شدید ذہنی صدمہ ہوا' شاید تن آسانی' آرام طلبی اور ہڈ حرامی انسان سے اس کی غیرت وحمیّت بھی چھین لیتی ہے۔

"وہ بے چارے سارے گھر والوں کو کھلاتے ہیں۔ کما کر دیتے ہیں۔ ہمارے لئے محنت کرتے ہیں اور ہم انہیں ہی قصوروار ٹھہرادیں؟ یہ کیونکر ممکن ہے۔"

"کما کے کھلانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ زندگیوں کے ساتھ ساتھ ہماری عزتوں کے بھی مالک بن بیٹھیں۔" وہ تلخ ہوئی۔

"اور یوں بھی ہم کب تک اُن کی اس کمائی کا خراج دیتے رہیں گے' تم بھی انہی کی طرح ایک مرد ہو۔ صحت اور توانائی رکھتے ہو' دماغ استعمال کر سکتے ہو۔ ہم کب تک اُن کے ٹکڑوں پر پلتے رہیں گے۔ میں تمہاری ذمے داری ہوں' میری دیکھ بھال اور ضرورتوں کا خیال رکھنا تم پر فرض ہے۔ یہ تمہارے کرنے کے کام ہیں۔"

"میں کیا ڈاکہ مارنے جاؤں کہیں۔" وہ بیزاری سے گویا تھا۔ "بی اے فیل کے لئے اب منسٹری تو ملنے سے رہی۔ ڈھنگ کی جاب ملے گی تو نوکری کروں گا ناں۔"

"جب تک تمہیں اپنے مطلب کی نہیں ملتی' اس وقت تک کوئی دوسرا چھوٹا موٹا کاروبار کر لو۔" راحت آہستہ آہستہ اسے راہِ راست پر لارہی تھی۔

"کاروبار...... ہا!" اس نے اس کا مذاق اُڑایا۔ "ارے بیگم کاروبار کے لئے پیسہ چاہئے۔ خرچہ کرو گے تو منافع کھاؤ گے ناں۔"

"کاروبار سے میری مراد ہے' کسی دوست کے ساتھ مل کر پکوڑے سموسے یا چاٹ بیچنے کا کام کرلو۔ کسی سے مال لے کر منافع کے ساتھ فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی گھرداری کی ضروری اشیاء مثلاً چائے' چینی' گھی' نمک' مرچ' مصالحے اور ٹافیاں وغیرہ گھر کے ایک کونے میں دکان ڈال کر فروخت کی جاسکتی ہیں' یوں بھی یہاں سے دکانیں دور ہیں۔ یہ کام چلے گا بھی خوب۔" وہ بڑے جوش سے بولی۔

"ہُوں۔" عرفان کچھ سوچنے لگا۔ راحت کے دل میں اُمید کا ایک چراغ جل اُٹھا۔ شاید اسی طرح اس کی آرام طلبی اور لاپروائی کا خاتمہ ہو جائے۔

"مگر مال ڈالنے کے لئے رقم چاہئے۔"

"اندازاً کتنی رقم چاہئے ہوگی۔" راحت نے پُرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"کم از کم چھ سات ہزار۔"

"ٹھیک ہے' تم کام شروع کرو۔ رقم میں تمہیں دے دوں گی۔" بڑی دیر تک سوچنے کے بعد بالآخر راحت نے یہ قربانی دینے کا سوچ لیا۔

"تم کہاں سے دو گی؟"

"میرے پاس تھوڑا بہت زیور پڑا ہے۔ سوچا تھا' اشد ضرورت میں کام آئے گا لیکن بہرحال۔" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"چلو زیور تو پھر بھی بن جاتا ہے۔ اصل چیز محنت اور عزت کے ساتھ جینا ہے۔"

"ٹھیک ہے' تم زیور دے دینا۔ میں کل سنار کے پاس لے جاؤں گا۔"

"اور جابر بھائی۔ اُن کی گستاخیوں کی روک تھام کے لئے کیا کرو گے۔" اس نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔

"تم زیور دیتی ہو تو اُن سے بات کروں گا مگر دیکھو' خواہ مخواہ گھر میں لڑائی جھگڑے کی فضا پیدا نہ کرنا۔ میں کروں گا بات۔" عرفان نے نیند بھرے انداز میں کہتے ہوئے کروٹ بدل لی تھی۔

O☆O

اتنی تلخ اور تکلیف دہ صورت حال میں اچانک ہی ایک اُمید کی کرن جگمگا اُٹھی تھی۔ اس دن وہ معمول کے مطابق جیا کی خبرگیری کے لئے کمپلیکس ہسپتال آئی تھی۔

"آپ کے لئے ایک خوشخبری ہے مس۔" آن ڈیوٹی ڈاکٹر نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"آپ کی پیشنٹ نے ریکور کرلیا ہے۔ وہ اپنے ہوش میں ہیں۔"

"کیا۔" زرلالہ کو یوں لگا' جیسے کڑی دھوپ میں اچانک سائبان مل گیا ہو۔

"شکر ہے۔ اس وقت مجھے ان کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔" وہ دل ہی دل میں خدا کی مشکور ہوتی ہوئی تیزی سے اُن کے کمرے میں آئی تھی۔

سفید بیڈ پر سبز کمبل کمر تک ڈالے سپید بے جان چہرہ لئے وہ آنکھیں کھولے چھت کو تک رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں زندگی کی حرارت کے جو رنگ دوڑے تھے' اس نے زرلالہ کی ڈھیروں تھکاوٹ اُتار دی۔

''جیا۔'' وہ ان کے پاس آ گئی۔

''ہاں بیٹی۔ میری چندا۔ میں زندہ ہوں۔'' وہ آہستگی سے اُٹھنے لگیں۔

زرلالہ نے انہیں سہارا دے کر اُٹھایا اور پھر ان کے کندھے پر سر رکھ کر رو پڑی۔

''مجھے کل رات ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹرز نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ مہراب سمندری طوفان کی نذر ہو گیا تھا مگر تم تو موجود تھیں پھر کیوں میں نے حوصلے توڑ ڈالے؟ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی؟ تمہیں کس کے سہارے چھوڑا تھا میں نے؟ بیٹا دنیا سے گیا تھا۔ بیٹی اور اس کے بچے تو پاس تھے۔'' جیا کے یوں رُکے ہوئے آنسو راستہ تلاش کر رہے تھے۔

''تم نے کتنی تکلیف اُٹھائی ہو گی۔ ڈاکٹر بتا رہے تھے' کس طرح تم بچوں کے ساتھ ہسپتال میں خوار ہوتی تھیں۔'' انہوں نے اسے اپنا ساتھ لگا لیا۔

''میرے زندہ رہنے اور صحت یاب ہونے کے لئے تم نے اپنا سکھ چین اور جمع پونجی سب کچھ لگا دیا۔ بھلا میں کون تھی' تمہاری جس کی زندگی کے لئے تم نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ نہ خون کا رشتہ تھا' نہ دور و نزدیک کی رشتے داری۔''

''یہ احساس کا رشتہ تھا' جیا جو سب سے زیادہ مضبوط اور قریبی ہوتا ہے۔ رشتوں میں احساس نہ ہو تو کیا سگا کیا سوتیلا اور پھر آپ کی تو میں رہتی دنیا تک احسان مند رہوں گی۔ مجھے بھٹکنے سے بچایا' میرے بچوں کو عزت و نام اور تحفظ فراہم کیا۔ میرے بکھرے ہوئے وجود کو جوڑا۔''

زرلالہ نے اُن کے ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا لئے۔

''چھوڑیں جیا۔ سب کچھ بھول جائیں۔ سارے دکھ تکلیفیں۔ ماضی کے زخم۔ سب کچھ۔ آج سے ہم دوبارہ اپنی زندگی شروع کرتے ہیں۔ کب تک گزرے ہوئے کل کا سوگ مناتے رہیں گے۔ آنے والے خدشات کی جو چاپ سن رہے ہیں' ہمیں اب اُن سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے تدابیر کرنی ہوں گی۔

مجھے آپ کی بہت ضرورت ہے۔ جیا۔ میں اور میرے بچے آپ کے بغیر ادھورے ہیں۔''

''میرا کون ہے' تم لوگوں کے سوا۔ ڈاکٹر سے پوچھو' کب تک ڈسچارج کریں گے۔ میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ ٹانگوں کا فالج بھی کافی حد تک ریکور ہو گیا ہے۔ زیادہ نہ سہی' چند قدم تو سہارے کے بغیر چل لیتی ہوں' دو تین ماہ میں اپنے پاؤں پر چلنے لگوں گی۔ اس وقت تک وہیل چیئر بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔''

''انشاء اللہ' پریکٹس اور ایکسرسائز سے بہت جلد آپ علی اور ولی کے ساتھ ریس لگا سکیں گی۔'' وہ خوش دلی سے بولی'' بلکہ ایکسرسائز بھی وہ خود کروایا کریں گے آپ کو۔ آپ گھر چلیں۔ دیکھئے گا کس قدر پاگل ہو جائیں گے' وہ آپ کو دیکھ کر۔ آپ کے بغیر وہ بالکل مرجھا گئے ہیں۔''

پھر وہ انہیں بتانے لگی کہ اس نے کس طرح مکان اور سامان بیچ کر نئی جگہ کرائے پر پورشن لیا۔ کیسے ماہانہ آمدنی کے ذرائع اور ضروریات کا بجٹ بیلنس کیا۔ بچوں کی پڑھائی کا سلسلہ کس طرح جاری رکھا۔

''میری بہادر بیٹی۔'' انہوں نے اس کے ماتھے پر پیار کیا۔

''چلو بیٹی۔ مجھے یہاں سے لے چلو میں اپنے بچوں سے ملنا چاہتی ہوں' ان کو گلے سے لگا کے جی بھر کے پیار کرنا چاہتی ہوں۔ ان کے وجود سے زندگی کا نور بھرنا چاہتی ہوں اپنے اندر۔ مجھے تو یقین نہیں آتا' چھ ماہ غافل رہی ہوں میں۔ اتنی طویل بے خبری۔''

ضروری کارروائی نمٹا کے ہفتے وار چیک اپ کی ڈیٹس اور ٹائمنگ وغیرہ کا شیڈول لے کر وہ انہیں ٹیکسی میں بٹھا کے گھر لے آئی۔

اتنے پسماندہ سے گھٹن زدہ ایریے میں ڈربہ نما پورشن دیکھ کر جیا کے دل کو کچھ ہوا۔

''کیوں دل چھوٹا کرتی ہیں جیا۔'' زرلالہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دبایا۔ وہ اُن کی سوچ پڑھ چکی تھی۔ ''جیسا بھی سہی ایک ٹھکانا تو ہے سر چھپانے کا۔ حالات امتحان لینے پر تل جائیں تو پرچے کی تیاری کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ پہلے یہ ایک ٹوٹا پھوٹا مکان تھا' اب آپ آ گئی ہیں ناں تو یہ گھر بن جائے گا۔''

وہ انہیں سہارا دے کر ٹیکسی سے نیچے اُتار رہی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور لڑکا سا تھا۔ از راہِ ہمدردی وہ بھی آ گیا اور دوسری طرف سے تھام کر اس نحیف اور چلنے سے معذور خاتون کو اندر پہنچانے میں مدد کرنے لگا۔

بچوں کا ردِ عمل فطری تھا۔

"جیا۔" علی اور ولی کتنی دیر تک بے یقینی کی کیفیت میں کھڑے رہے تھے پھر بھاگ کر اُن سے لپٹ گئے۔ سارہ البتہ گوگو کی سی کیفیت میں کھلونا جیپ سے کھیلتی کن انکھیوں سے اپنے بھائیوں کو اس بوڑھی خاتون سے لاڈ پیار کرتے دیکھتی رہی۔ وہ اتنی چھوٹی تھی کہ چھ ماہ پُرانی چیزوں کو یاد نہیں رکھ سکتی تھی۔

جیا نے خود ہی اسے گود میں اُٹھا لیا۔

"میری ننھی سی گڑیا' کتنی پیاری ہوگئی ہے۔ تین سال کی ہوگئی ہے ناں' زری بیٹا۔"

"جی ہاں۔ اچھا آپ اِدھر لیٹ جائیں بیڈ پر۔ میں آپ کے لئے کھانا لاتی ہوں۔"

اس کی چال میں عجیب سا اعتماد در آیا تھا۔

O☆O

ملک آباد میں ماڈل سٹی تعمیر کرنے کا کام تیزی سے جاری تھا۔ جاپان سے آئے ہوئے انجینئرز نے اپنا کام سنبھال لیا تھا۔ محسن ضروری کارروائی نپٹا چکا تھا اور باقی کام ضرورت کے مطابق ساتھ ساتھ جاری تھا۔ پراجیکٹ کے سلسلے میں ان دنوں ملک کنسٹرکشن کمپنی کا تقریباً سارا سٹاف ملک آباد میں مصروف تھا۔ محسن اور ایمان گذشتہ دو ہفتوں سے جاپانی انجینئرز کے ہمراہ ملک آباد میں مستقل طور پر مقیم تھے۔ یہاں ساحر کا اپنا ریسٹ ہاؤس تھا جہاں جاپانی انجینئرز کی رہائش کا بندوبست کیا گیا تھا۔ کچھ لوگ حویلی کے مردانہ حصے میں رہائش پذیر تھے۔ ان میں محسن اور ایمان بھی شامل تھے۔ ساحر بھی کئی بار چکر لگا چکا تھا۔

محسن اپنی عادت کے مطابق اکثر حویلی میں اِدھر اُدھر چکراتا رہتا تھا۔ اُس دن وہ سائٹ کا راؤنڈ لینے کے بعد دوپہر کے قریب حویلی گیا تھا۔ وہ کچھ کاغذات کا مطالعہ کرنا چاہتا تھا۔

"کھانا لاؤں جناب؟" مستعد ملازم فوراً حاضرِ خدمت ہوا تھا۔

"نہیں جی شکریہ۔ بس ایک کپ چائے دے دو۔" وہ کاغذات لے کر باہر باغ میں نرم گھاس پر چوکڑی مار کر بیٹھ گیا۔ اس کی پشت آم کے درخت کے تنے کے ساتھ ٹکی ہوئی تھی تھوڑی دیر بعد ملازم چائے دے گیا۔

وہ اپنے کام میں غرق تھا' جب شہریال اسے بیٹھا دیکھ کر ادھر آئی۔

"ہیلو۔" شہریال کے متوجہ کرنے پر محسن نے سر اُٹھایا اور پھر اسے دیکھ کر احتراماً اُٹھ کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم۔ کیسی ہیں آپ۔" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

یہ لڑکی اپنے پُروقار انداز و اطوار' نفیس عادت اور نرم لب و لہجے کے باعث ملکوں کی فیملی سے قطعی مختلف نظر آتی تھی۔ محسن نے اس کے لئے اپنے دل میں اچھے جذبات محسوس کئے تھے۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کیا کر رہے ہیں؟" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں سوال کیا۔

"اجی وکیل نے کیا کرنا ہے۔ کسی مصیبت کے مارے کو پھنسا کے پیسے بنانے کی تدبیریں سوچنے کے علاوہ۔"

"اچھا۔" وہ بے ساختہ مسکرا دی۔ "آپ بھی یہی کرتے ہیں گویا۔"

"کرتے تو نہیں ہیں۔ کرنے کی تمنا ضرور رکھتے ہیں۔" وہ بن کر بولا۔

"قطعی نہیں۔ میں یقین ہی نہیں کر سکتی۔"

"کاش' یہ کمنٹ میری کزن مس نگینہ اور دہی بڑے کے گوش گزار کئے جا سکتے۔" محسن مسرت سے بولا۔ "وہ مجھے معصوم سمجھنا معصومیت کے نام پر ایک دھبہ تصور کرتے ہیں۔"

"ارے نہیں آپ تو بہت اچھے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔" شہریال نے اسے تسلی کرائی۔

"کس قدر سچی باتیں کرتی ہیں آپ۔" وہ خوش ہو گیا۔

شہریال ہنس پڑی۔

"آپ کہاں جاب کرتی ہیں؟" اب کی بار وہ اس سے قدرے سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"کمپلیکس ہاسپٹل میں۔" وہ وہیں گھاس پر اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔

"روزانہ یہاں سے جاتی ہیں؟"

"ہاں۔"

"کافی لمبا پڑتا ہوگا۔"

"اب تو عادت ہوگئی ہے۔"

"سر ماڈل سٹی کے پروجیکٹ کے تحت یہاں ایک چھوٹا سا ہسپتال تعمیر کر رہے ہیں۔ میرے سائی کو بھی آفر دی ہے' کیا آپ بھی اس میں کام کریں گی؟"

''یہ تو ڈیپنڈ کرتا ہے حالات پر۔'' اس نے گول مول سا جواب دیا۔

''سر کہہ رہے تھے' شہر سے اعلیٰ قابلیت کے حامل ڈاکٹرز اور سرجن بلوائیں گے۔ اُن کی تنخواہیں خود دیں گے' جبکہ یہاں لوگوں کا علاج مفت کیا جائے گا۔ اسی طرح سکول کا قیام بھی عمل میں لایا جائے گا۔ اساتذہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور جدید علوم وفنون سے لیس ہوں گے' اُن کے پے سکیل پُرکشش ہوں گے تا کہ وہ پوری دلچسپی اور جذبے کے ساتھ جدید خطوط پر تعلیم دے سکیں۔ اُن کا نظریہ ہے کہ معیاری' مکمل اور بہترین کام کروانے کے لئے آپ کو ورکرز کی ترجیحات اور انٹرسٹ کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئے۔ ہر شخص پیسہ کمانے' روزی رزق حاصل کرنے اور ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لئے جاب کرتا ہے۔ وہ صوفی یا اللہ والا نہیں ہوتا کہ جسے دو وقت کی روٹی کے علاوہ اور کوئی احتیاج نہ ہو۔ ظاہر ہے' سوسائٹی میں رہ کر اس کو سٹینڈرڈ اور ڈیمانڈز کے مطابق اپنا لائف سٹائل بنانا ہوتا ہے اور اس کے لئے پیسہ لازم وملزوم ہے۔ ہم بھلے سے کہتے رہیں کہ ہم خدمتِ خلق کے لئے کام کر رہے ہیں مگر حقیقت تو یہی ہے کہ دوسروں کی خدمت کرنے یا حق ادا کرنے سے پہلے اپنے جسم وجان کی خدمت اور اپنے لواحقین کے حقوق ادا کرنے ہوتے ہیں۔ پہلے اپنا اور اپنے گھر والوں کا خیال کریں گے' تب ہی کسی دوسرے کا خیال رکھنے کے قابل ہو سکیں گے۔ ٹھیک ہے' صرف پیسہ کمانا ہی مقصد نہیں ہونا چاہئے مگر اپنی محنت کا جائز معاوضہ تو بہر حال آپ کا حق ہوتا ہے۔ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو خوشحال اور آسودہ ہیں اور محض شوق کے لئے یا ٹائم پاس کرنے کے لئے جاب کرتے ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہیں تنخواہ نہ دی جائے یا نسبتاً کم دی جائے' یہ سوچ کر کہ انہیں کون سی اِن پیسوں کی ضرورت ہے۔ بھئی' اس شخص نے محنت کی ہے۔ اس معاوضے کا حق ادا کیا ہے' اپنا وقت دیا ہے۔ اسے اس کام کا وہی معاوضہ ملنا چاہئے جو اصول کے مطابق طے کیا گیا ہے۔ بغیر اچھے معاوضے اور حوصلہ افزائی کے اوور ورک کروانے سے کبھی سپرٹ یا ڈیوشن پیدا نہیں ہوتی۔''

''آپ اچھا بول لیتے ہیں' وکیل جو ٹھہرے۔'' شہریال نے داد دی۔ ''اور بتایئے' گھر میں آپ کی کیا مصروفیات ہوتی ہیں۔''

''گھر میں تو گھر کے کاموں سے ہی فرصت نہیں ملتی۔'' وہ سادگی سے بولا۔ ''جو ٹائم بچتا ہے وہ اظہر اور نگین سے لڑنے اور امی سے ڈانٹ کھانے میں گزار دیتا ہوں۔''

''کیا مطلب' آپ گھر کے کام بھی کرتے ہیں؟'' شہریال کو ازحد حیرت ہوئی۔

''ہاں۔ ضرورت کے مطابق کر لیتا ہوں۔'' وہ بے پروایانہ کہہ رہا تھا۔ ''جیسے اپنا کھانا خود نکالتا ہوں' کھا کر برتن خود اٹھانا' انہیں دھو کر رکھنا' اپنے لئے چائے بنانا' اپنے کمرے کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا' کھانے کے وقت مل جل کر ٹیبل لگانا اور کھانے کے بعد برتن اٹھانا' مہمان کی آمد پر اسے انٹرٹین کرنا۔ اصل میں امی نے ہمیں اچھے بُرے وقت کے لئے ہر طرح کے کام کرنا سکھا دیئے ہیں۔ موقع کی مناسبت سے کر لیتے ہیں اور ہاں میں تو اپنی قمیص کے بٹن بھی خود لگا لیتا ہوں۔ اُدھڑی ہوئی شرٹ کی سلائی کر سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ اگر ماسی چھٹی کر لے تو فرش پر پوچا بھی لگا سکتا ہوں۔ ویسے پرسنلی بتاؤں' آخر والا کام مجھے بہت زہر لگتا ہے۔ اب تک صرف دو دفعہ کیا ہے۔ ایک دفعہ جب ماسی کا بچہ بیمار ہو گیا تھا' دوسرے جب خود اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔''

محسن بڑے مگن انداز میں کہہ رہا تھا۔ شہریال کو ہنسی آ گئی۔

''ہاں ہاں' اُڑا لیں مذاق۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ بدستور مگن تھا۔

''یہی کہیں گی ناں کہ مرد ہو کے ایسے کام کرتے ہو۔ ارے بھئی' کام تو کام ہوتا ہے اور پھر میں کون سا روٹین میں کرتا ہوں۔ ضرورتاً موقع محل کے مطابق کرنے میں کیا حرج ہے۔ آخر ہمارے نبی کریمؐ بھی تو ازواج مطہرات کی موجودگی کے باوجود اکثر اپنے کام خود کر لیتے تھے۔ اپنے جوتے گانٹھ لیتے تھے' بستر اُٹھا لیتے تھے' بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے' صفائی ستھرائی کر لیتے تھے۔ ایک اتنی عالی مرتبت اور عظیم ترین ہستی گھر کے کام کاج کر سکتی ہے تو ہم عام مرد کہاں کے شہزادے اُترے ہیں۔ عورتیں بھی تو مردوں کی فیلڈ میں کام کرتی ہیں اور اسلام میں بھی اس کی روشن مثالیں ہیں۔ خواتین جنگوں میں حصہ لیتی تھیں' حضرت خدیجہؓ تجارت کرتی تھیں۔ یہ تو بس ہمارے خود ساختہ نظریات ہیں جو ہم نے ازخود عورتوں اور مردوں کے کاموں میں تفریق کر رکھی ہے۔ ہاں یہ بات ٹھیک ہے کہ عورت اپنی جسامت ونزاکت کے باعث گھریلو اور ہلکے پھلکے کام زیادہ آسانی سے کر لیتی ہے اس لئے اسے ان کاموں کو ترجیح دینی چاہئے اور مرد کو اپنی جسمانی مضبوطی وطاقت کے مطابق باہر کے کام سنبھالنے چاہئیں مگر یہ بھی تو حقیقت ہے کہ اگر عورت اپنی ضرورت کے باعث مردوں کی فیلڈ میں نکلی تو اس نے خود کو اس میدان میں بھی ایڈجسٹ کر لیا۔ مثلاً مٹی گارے کا کام' اینٹیں اٹھانا' بھٹے پر کام کرنا' کھیتوں میں کام کرنا' میڈیکل' انجینئرنگ اور کمپیوٹر کے شعبے میں

طبع آزمائی کرنا اور دیگر ایڈمنسٹریٹو فیلڈ میں ایڈجسٹ ہونا یہ سب خواتین ہی کر رہی ہیں پھر کام کے سلسلے میں مرد عورت کی کیا تخصیص۔ بس یہ ہے کہ گھر چلانے کے لئے پیسہ فراہم کرنا مرد کا کام ہونا چاہئے اور گھر کا سکون فراہم کرنا عورت کی ذمے داری ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ پروفیشن کے حساب سے دونوں اپنی مرضی کی فیلڈ چُن سکتے ہیں۔ مرد بھی تو شیف بنتے ہیں' انٹیریئر ڈیکوریٹر' ڈریس ڈیزائنر اور فیشن ڈیزائنر بنتے ہیں۔''

''بہت خوب!'' شہریال کو اس کی شخصیت خاصی دلچسپ لگی تھی۔

''اس جوش وخروش کا مظاہرہ گھر میں بھی کرتے ہوں گے۔ میرا مطلب ہے' اتنی ہی سپیڈ سے بولتے ہوں گے۔''

''اجی کہاں۔'' اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''وہاں باری کب آتی ہے۔ بولنے کون دیتا ہے جی اور پھر مس نگینہ کی موجودگی میں کون زبان کھولے۔''

''تم یہاں بیٹھے گپیں لڑا رہے ہو' اُدھر ساحر سائٹ پر تمہیں ڈھونڈ رہا ہے۔'' ایمان پیشانی سے پسینہ پونچھتا اس طرف آ رہا تھا۔ شہریال کو دیکھ کر اس نے سر کے اشارے سے سلام کیا تھا۔ اب تو کسی حد تک اس سے شناسائی ہو چکی تھی۔

''خیریت تو ہے ناں؟'' محسن فوراً الرٹ ہو گیا۔

''ہاں۔ وہ ''جاپانی مال'' اسلام آباد واپس ''ایکسپورٹ'' کرنا ہے۔'' ایمان نے شہریال سے نظریں بچا کے اسے آنکھ ماری۔ اس کی مراد ان جاپانی انجینئرز سے تھی جنہیں آرام کے لئے واپس میریٹ ہوٹل بھیجنا تھا۔

''کیا مجھے بھی اُن کے ساتھ جانا ہوگا؟'' محسن اس کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔

''نہیں' مسٹر جابر اور مس انیتا اُن کے ہمراہ ہوں گے۔ تمہیں سائٹ پر کسی کام کے سلسلے میں بلوایا گیا ہے۔''

''او کے مس شہریال' اجازت دیجئے گا۔ آپ کو پھر بھی اپنے زریں خیالات سے فیض یاب کروں گا۔ اتنی مشکلوں سے تو کوئی قدردان ملا ہے مجھے۔'' محسن اٹھ کھڑا ہوا۔

شہریال ہلکا سا متبسم ہوئی تھی۔

دونوں ہاتھ ہلا کر باہر روانہ ہو گئے تھے۔

O☆O

تو کیا کوئی معجزہ نہ ہوگا؟

ہمارے سب خواب وقت کی بے لحاظ آندھی میں جل بجھیں گے۔

دو نیم دریا چاہِ تاریک و آتشِ سرد و جاں نوازی کے سلسلے ختم ہو گئے کیا؟

تو کیا کوئی معجزہ نہ ہوگا؟

خدائے لم یزل! یہ تیری سجدہ گزار بستی کے

سب مکینوں کی التجا ہے۔

کوئی تو ایسی سبیل نکلے کہ تجھ سے منسوب گل زمینوں کی عظمتیں پھر سے لوٹ آئیں۔

وہ عفو و درگزر کی' مہر و وفا کی بھولی روایتیں پھر سے لوٹ آئیں۔ وہ چاہتیں' وہ رفاقتیں وہ محبتیں پھر سے لوٹ آئیں۔

''میں تیرے لئے کیا کر سکتی ہوں میری بہن۔ تُو خود بتا' میں کیا کروں۔ میں تجھے کیسے بتاؤں کتنا تڑپ رہی ہوں' یہ خبر نہ کر۔ سمجھ میں نہیں آتا' کس کس بات کو روؤں۔ ان چوٹوں پر جو خاوند لگاتا رہا' سوکن بیاہ لانے کے دکھ پر' تمہارے ساتھ ہونے والی زیادتی پر اور اب اپنے ہی خاوند کے ہاتھوں تیری آبرو پہ حرف آنے پر یا پھر تیرے زیور کے لُٹ جانے پر۔''

طلعت باورچی خانے میں سر پکڑے ہنڈیا بھونتی راحت کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ راحت کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ ذہن جیسے اپنے ٹھکانے پر نہیں تھا۔ اس نے عرفان کو جو زیور دکان شروع کرنے کے لئے دیا تھا وہ بیچ کر دوستوں میں اُڑا آیا تھا۔

عرفان کے ہاتھ اکٹھی رقم کیا آئی اس کے سوئے ہوئے ارمان جاگ اُٹھے وہ دوستوں کو ہمراہ لے کر بازار اور سینما کے چکر لگانے لگا۔ چھ سات اُس جیسی طبیعت رکھنے والے ہڈ حرام دوست تھے۔ ان کو کھلا پلا کے' سیر وتفریح اور عیاشی کر کے چار دنوں میں سات ہزار کی رقم برابر کر دی۔ کچھ اپنے لئے شاپنگ کر لی۔ فیشن ایبل شرٹس' جینز' قیمتی جوتے' رومال' ٹائیاں تین عدد پینٹس اور شیونگ کا سامان۔ اسی طرح کے الللے تللوں میں ہزاروں روپے اُڑا کے خالی ہاتھ جیبیں جھاڑتا گھر آ گیا تھا۔

راحت اس کے صبح سے رات گئے تک باہر رہنے کی روٹین پر یہ سوچ کر خوش ہوتی رہی کہ وہ

دکان کے لئے خریداری والے کام کے سلسلے میں دیر سے گھر آتا ہے۔ یہ تو ہفتے بعد اس وقت کھلا' جب راحت نے اس سے تفصیل طلب کی۔

"کیا دکان کا سارا سودا پورا ہو گیا۔ کتنے تک کا سامان ڈلوار ہے ہو۔"

"کون سا سامان۔ پیسے ہوں گے تو اس کی نوبت آئے گی نا۔ ابھی تو کچھ بھی نہیں کیا۔"

"کیا مطلب؟" وہ پریشان ہو گئی۔

"وہ جو میں نے زیور کے پیسے دیئے تھے؟"

"وہ......" عرفان سر کھجانے لگا۔ "وہ بس لگ گئے۔ خرچ ہو گئے مجھ سے۔ دیکھو ناں' اب کاروبار شروع کرنے سے پہلے بندے کو اپنی ساکھ بھی تو بنانی ہوتی ہے ناں۔ اس سے عزت اور دکانداری بڑھتی ہے۔"

راحت کا جی چاہا' دیوار سے جا ٹکر مارے۔ اس کا آخری بچا کھچا اثاثہ بھی لٹ گیا تھا۔

"میں کیوں بھول گئی تھی کہ ازل کے ست مزاج اور کام چور آدمی کوئی ذمے داری کب اُٹھا سکتے ہیں۔ وہ تو بس اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ دوسروں کے بل پر کھائیں پیئیں اور زندہ رہیں۔ اپنے ہاتھ پیر ہلانا اُن کے لئے کارِ دشوار ہے۔" راحت کو رہ رہ کر عرفان پر طیش آ رہا تھا۔ اپنی عقل پر افسوس ہو رہا تھا۔ کس ذھن میں اس پر اعتبار کر بیٹھی۔

اتنا بے حس' اتنا بھس' اس قدر بودا شخص تھا۔ وہ۔

ایسے شوہر کے وجود پر مان نہیں شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔

"حالات میرے بس سے باہر ہو گئے ہیں آپا۔ نہ میں واپس اماں کے ہاں جا سکتی ہوں جو پہلے دو جوان کنواری بیٹیوں کے رشتے لگانے میں ہلکان ہوئی جا رہی ہیں۔ نہ یہاں رہ سکتی ہوں جہاں جیٹھ کے ہاتھوں عزت کو خطرہ لاحق ہے اور نہ کوئی دوسری جگہ نظر آتی ہے سر چھپانے کی۔ نہ جی سکتی ہوں' نہ مر سکتی ہوں۔ میری اتنی تعلیم' عقل مندی اور سمجھ داری سب ان حالات کے آگے بے اختیار ہیں۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ گھر سے بھاگ نہیں سکتی کہ شوہر اور جیٹھ صاحب راہ روکنے کے لئے تلوار لے کر کھڑے ہو جائیں گے اور طلاق لے نہیں سکتی کہ یہ ہمارے جیسے پسماندہ طبقے میں گناہ سمجھا جاتا ہے۔ والدین بمشکل بوجھ کو کھسکاتے ہیں' دوبارہ اپنے اوپر پڑتا دیکھ کر کیسے راضی ہوں گے۔ ہر تدبیر یہاں بیکار ہے۔" وہ بے پناہ اُداس اور مایوس تھی۔

"تو اماں سے بات کر کے دیکھ۔ شاید وہی جابر کو کچھ سمجھائیں۔ میرا کہنا نہ کہنا تو ایک برابر ہے۔ مجھے چُپ کرانے کے لئے ان کے تھپڑ اور گھونسے ہی کافی ہیں۔" طلعت دل مسوس کر رہ گئی تھی۔

"صفیہ خالہ کیا کریں گی' اُلٹا انہی کی سائیڈ لیں گی۔" راحت کو ساس کی طبیعت کا اندازہ تھا۔

"لیکن آپا' اب میں ایک بات بتائے دے رہی ہوں آپ کو کہ خدانخواستہ اگر جابر بھائی کو دوبارہ اپنی بدتمیزی کا مظاہرہ کرنے کا موقع مل گیا تو میں چُپ نہیں رہوں گی' اپنی عزت بچانے کے لئے کوئی بھی انتہائی قدم اُٹھا لوں گی' چاہے اس قدم کی کوئی بھی قیمت چکانی پڑے۔ کوئی شے عزت سے اہم نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ زندگی بھی نہیں۔"

"خدا نہ کرے جو دوبارہ ایسا موقع آئے' میں اب سائے کی طرح تیرے ساتھ رہا کروں گی۔ کچھ بھی ہو' تُو گھر پر اکیلی نہیں رہا کرے گی' نہ تو تنہا ہو گی اور نہ انہیں موقع ملے گا' اپنی خباثت کا مظاہرہ کرنے کا۔"

طلعت دیر تک بہن کو تسلیاں دیتی رہی۔

راحت دُکھے ہوئے دل سمیت ہنڈیا بھوننے کے بعد باہر صحن میں آ گئی۔

شام کا سماں تھا۔ دھوپ بڑی نرمی سے آنگن میں لگے پیڑ کی شاخوں سے چھن چھن کر زمین پر پڑ رہی تھی۔ کونے میں نلکے کے نیچے برتنوں کا ڈھیر پڑا تھا۔

وہ مشینی انداز میں برتن دھونے لگی۔

ذہن جانے کہاں اُڑاری مار رہا تھا۔

وہ طاہر جو کبھی اپنے بال و پر آزمانا چاہتے تھے۔

ہواؤں کے خدوخال آزمانا چاہتے تھے۔

آشیانوں کی طرف جاتے ہوئے ڈرنے لگے ہیں۔

کون جانے کون سا صیاد کس قسم کے جال آزمانا چاہتا ہو۔

کون سی شاخوں پہ کیسے گُل کھلانا چاہتا ہو۔

شکاری۔ اپنے باطن کی طرح اندھے شکاری!

حرمتوں کے موسموں سے نابلد ہیں
پرنشانے مستند ہیں۔
جگمگاتی جاگتی شاخوں کو بے آواز رکھنا چاہتے ہیں
ستم گاری کے سبب درواز رکھنا چاہتے ہیں
خداوند! تجھے سہمے ہوئے باغوں کی سوگند۔
صداؤں کے ثمر کی منتظر شاخوں کی سوگند
اُڑانوں کے لئے پر تولنے والوں پر ایک سایہ تحفظ کی
ضمانت دینے والا
کوئی موسم
بشارت دینے والا۔

خدا جانے بشارتوں کے موسم کب آنے تھے۔ کب خوشیوں کو آنگن میں اٹھکیلیاں کرنا تھیں۔

راحت سوگوار انداز میں سوچ رہی تھی۔

O☆O

''امی! بات سنیں ناں۔''

اظہر ٹی وی لاؤنج میں قالین پر کشن کے سہارے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تخت پر سلائی مشین پر کام کرتی بیگم ریاض کو مسلسل پکار رہا تھا۔

''ہاں بھئی کہو' میں سن رہی ہوں۔'' وہ مصروف انداز میں گویا تھیں۔

''اِدھر آئیں ناں۔ یہاں بیٹھیں۔'' وہ مچلا۔

''خدا کے فضل وکرم سے بہری نہیں ہوں میں۔ یہاں سے بھی صاف سنائی دے رہا ہے۔ تم کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔'' اُدھر سے کورا جواب ملا۔

''ایسے نہیں ناں' مادرِ محترم۔'' وہ خوشامدی لہجے میں بولا۔

''اِدھر آ کر تسلی سے توجہ سے بات سنیے۔''

''میں کام کر رہی ہوں' اس وقت نہیں اُٹھ سکتی۔'' وہ مشین میں دھاگا ڈال رہی تھیں۔

''لو جی۔ ایک تو کوئی سنتا ہی نہیں ہے' اس گھر میں۔''

اظہر کو سخت صدمہ ہوا۔

''سنانے کے لئے لاؤڈ سپیکر پر اعلان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کہنا ہے تو یہیں سے کہو' نہیں تو زبان بند رکھو۔ خواہ مخواہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یا رب غمِ ہجراں میں اتنا تو کیا ہوتا
یا دل نہ دیا ہوتا یا غم نہ دیا ہوتا''

اظہر نے آسمان کی طرف دیکھ کر سرد آہ بھری۔

''اچھا جی۔ کہہ دیتا ہوں' اسی طرح داستانِ غم۔ مدعا و منتہا۔''

پھر وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔

''اب کیوں بریک لگ گئے۔'' بیگم ریاض نے سر اُٹھایا۔

''بات تو کوئی خاص نہیں ہے۔'' وہ سر کھجا کر ہمتیں مجتمع کر رہا تھا۔

''بات تو سچ ہے مگر بات ہے رُسوائی کی بلکہ جوتا چھپائی کی۔''

وہ کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

''امی' فرض کریں' مجھے کسی سے کچھ ہو گیا ہو تو......'' وہ بے تکے پن سے بولا۔

بیگم ریاض نے گھور کر دیکھا۔

''کیا ہو گیا ہو' کسی سے؟''

''وہی حادثہ جو اس عمر میں اکثر ہو جاتا ہے۔'' وہ صاف کہنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

''کیا۔ کون سا حادثہ۔ میں کہے دیتی ہوں' اُوٹ پٹانگ باتوں سے میرا دماغ خراب کرنے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے اور بھی بہت سارے کام ہیں۔ آج نگین اور محسن گھر پر نہیں ہیں تو تم نے دل پشوری کے لئے مجھے زچ کرنا شروع کر دیا ہے۔''

''ناں ناں۔ ایسی بات نہیں ہے ڈیئرسٹ مام۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''اُفوہ! میں کیسے بتاؤں کہ کیا ہو گیا ہے۔ ہاں تو ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اُمِ اظہر۔'' وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔

''اچھا ٹھہریں۔ میں آپ کو ایک اور طرح سے وضاحت دینے کی کوشش کرتا ہوں۔'' اس

نے اندازِ نشست بدلا۔

''ہاں کہو جلدی ہے۔'' انہوں نے ایک لمحے کو ہاتھ روکا۔

''جیسے ایک لڑکی ہوتی ہے ناں۔'' وہ رُک کر تصدیق چاہنے لگا۔

''ہاں۔'' بیگم ریاض نے مجبوراً سر ہلایا۔

''اور ایک لڑکا ہوتا ہے۔'' وہ پھر تصدیق کے لئے رُکا۔

''ہاں ہوتا ہے۔''

''اور پھر وہ دونوں جو ہوتے ہیں ناں یعنی لڑکا اور لڑکی۔ تو اُن کے درمیان ایک رشتہ ہوتا ہے اور پھر وہ جو رشتہ ہوتا ہے ناں۔'' بیگم ریاض نے بیچ میں ہی بات کاٹ دی تھی۔

''بے وقوف آدمی' بتاؤ کس لڑکی کو پسند کیا ہے' شادی کے لئے۔''

''ہائیں۔ آپ کو پتا چل گیا۔'' وہ اُچھل پڑا۔

''ہاں' یہ پتا چل گیا ہے کہ بے وقوف کے سر پر سینگ نہیں ہوا کرتے۔ سچ کہا ہے کسی نے۔'' لہجہ ہنوز سرسری تھا۔

''امی۔'' وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اُن کے پاس گیا اور اُن کے شانے سے جھول گیا۔

''اُفوہ۔ انسانوں کی طرح بات کرو۔'' وہ مصنوعی طور پر جھلائیں۔

''امی وہ جو ہے ناں' استانی جی۔'' بڑی محنت اور کوشش سے اس نے نام اُگلا تھا پھر ڈرتے ڈرتے ماں کی صورت دیکھنے لگا۔

''نگین؟'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے دریافت کیا۔

''جی۔'' اظہر نے قدرے جھینپ کر اثبات میں سر ہلایا۔

''ہوں۔'' بیگم ریاض کچھ خاموش سی ہو گئیں۔

اظہر بے چین ہو گیا۔

''کیا بات ہے' کیا آپ کو نگین پسند نہیں ہے۔''

''کیوں نہیں ہے۔ وہ تو ہے ہی پسند کئے جانے کے قابل۔ ہیرا لڑکی ہے۔''

''پھر آپ نام سن کر چُپ کیوں ہو گئیں۔ سوچ میں کیوں پڑ گئیں؟''

اظہر کو تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

''کیا تمہاری نگین سے اس سلسلے میں کوئی بات ہوئی ہے؟'' وہ ٹٹولنے والی نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔

''ارے توبہ۔'' اظہر نے بے اختیار کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''اُن سے بات کرنے کی ہمت کس میں ہے بھئی۔ اسی لئے تو پہلے آپ سے کہا ہے تاکہ آپ میری سفارش کر دیں۔ میری درخواست اُس کے گوش گزار کر دیں۔ اصل میں مجھے تو ایسے کاموں میں بہت شرم محسوس ہوتی ہے۔''

''ہاں ہاں زمانے بھر کے شرمیلے آپ ہی تو ہیں ناں۔''

''سچ کہہ رہا ہوں امی۔ مجھے ہمت نہیں پڑتی۔ سمجھ میں نہیں آتا' کس طرح سے بات شروع کروں۔ محسن کے بچے کی بہتیری منتیں کی تھیں کہ کسی طرح میری بات سنجیدگی سے ''اُن'' کے کانوں میں ڈال دو مگر وہ جواب میں مسخریاں کرنے لگا۔ اندر سے وہ بھی ڈرتا ہے۔''

''جانتی ہوں' تم دونوں کی سادگی و معصومیت کو۔''

بیگم ریاض نے ایک دھپ رسید کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا بتائیں ناں امی۔ کیا رائے ہے آپ کی؟'' اظہر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

''میری رائے جاننے سے پہلے بہتر ہوتا' تم نگین سے اُس کی رائے پوچھ لیتے۔'' اُن کا لہجہ کسی قسم کی دلچسپی سے خالی تھا۔

اظہر کو بیگم ریاض کے تاثرات زیادہ حوصلہ افزا محسوس نہیں ہو رہے تھے۔

''کیا آپ کو نگین پسند نہیں ہے امی۔'' اس کا لہجہ دھیما پڑنے لگا۔

''بیٹے' بات میری پسند کی نہیں ہے۔'' وہ سلائی چھوڑ کر اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

''نگین اچھی لڑکی ہے اور کوئی بھی فیملی اسے بہو بنانے میں فخر محسوس کرے گی۔ میرے دل میں بھی یہ خیال آیا تھا۔ میں نے اس کی امی سے فون پر ذکر کیا تھا مگر اس نے کہا نگین نہیں مانے گی۔ وہ تو پچھلے چار سال سے اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں مگر نگین کسی قیمت پر راضی نہیں ہوتی بلکہ اپنی شادی کا ذکر سننا بھی گوارا نہیں کرتی۔ اب تو خود ثریا بھی کہہ کہہ کر تھک گئی ہے۔''

''مگر کیوں۔ نگین کیوں نہیں مانتی۔ کیا وجہ ہے؟'' وہ اُلجھا۔

''وجہ اس کا ماضی ہے۔''

"کیسا ماضی۔" وہ بے تابانہ گویا تھا۔

"نگین کی ایک شادی ہو چکی ہے۔"

"کیا!" اظہر سرتاپا ہل کر رہ گیا۔ اندر بہت زور سے کچھ ٹوٹا تھا۔

"ہاں۔" بیگم ریاض نے گہری سانس لی۔

"چار پانچ سال پہلے جب وہ بیس برس کی تھی' ثریا نے اُس کی شادی کر دی تھی۔ بظاہر رشتہ اچھا تھا۔ لڑکے کا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ برسرِ روزگار تھا۔ معاشی لحاظ سے بھی مستحکم تھا۔ پڑھا لکھا بھی تھا لہٰذا ثریا مطمئن تھی مگر پھر چھ ماہ میں ہی طلاق ہو گئی۔"

"طلاق؟" اظہر کے اندر کچھ اٹک گیا۔

"مگر کیوں دی' اس نے طلاق۔"

"اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لئے۔" بیگم ریاض اپنے ناخن دیکھنے لگیں۔

"کیا مطلب؟" اظہر خاک بھی نہ سمجھا۔

"ارے بیٹے' وہ شادی کے قابل ہی نہ تھا۔" وہ کترا گئیں۔

"نگین بھلی لڑکی تھی' کتنا عرصہ اس نے سب سے چھپائے رکھا مگر نہ جانے اس بندے کو کیا وہم لاحق تھا یا اس کے دل میں کون سا چور چھپا تھا کہ کسی طور خوش نہیں ہوتا تھا پھر نگین کے چچا کے بیٹے کے بارے میں مشکوک ہو گیا۔ اس کے آنے جانے اور نگین سے بات چیت کرنے کو جانے کون کون سا رنگ دے دیا کہ طلاق تک نوبت پہنچ گئی۔ یہی کچھ بدنصیب ماں کے ساتھ ہوا تھا۔"

"کیا ثریا خالہ کو بھی طلاق ہوئی تھی مگر آپ نے بتایا تھا' خالو کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔"

"طلاق دینے کے ایک ڈیڑھ سال بعد اُس کا شوہر حادثے میں مر گیا تھا۔ بہت پرانا قصہ تھا۔ میں نے سوچا' کیا زیادہ کرید کرنی۔ اس لئے تم لوگوں کو یہی بتایا تھا۔ اس کی طلاق کی وجہ بھی ہمارا دودھ شریک بھائی سلمان تھا۔ وہ ہماری ایک دور کی پھوپھی کا بیٹا تھا۔ بچپن میں ہماری اماں نے انہیں ایک دفعہ اپنا دودھ پلایا تھا۔ اس طرح سے وہ ہمارا رضاعی بھائی تھا۔ جب وہ چودہ سال کا تھا' تب اُس کے ماں باپ مر گئے۔ اماں اسے اپنے گھر لے آئیں۔ بہت پیار کرنے والا لڑکا تھا وہ۔ خصوصاً ثریا سے اس کی بہت دوستی تھی۔ دونوں ہم عمر بھی تھے اور ہم مزاج بھی۔ ثریا کی شادی ہوئی تو وہ اتنا جوان مرد ہونے کے باوجود بہت رویا تھا۔ ثریا بھی دیوانی ہوئی جاتی تھی۔ شادی کے

بعد وہ ہر دوسرے روز ثریا کے سسرال جا دھمکتا۔ اماں کے منع کرنے پر اگر رُکتا تو خود ثریا چلی آتی۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"وہی ہوا جس کی شکی فطرت رکھنے والے مرد سے توقع کی جا سکتی تھی۔ میری اور ثریا کی اکٹھی شادی ہوئی تھی۔ میں تو بیاہ کے یہاں اسلام آباد چلی آئی اور پھر اماں کے انتقال کے بعد یہیں کی ہو کے رہ گئی۔ مجھے نہیں خبر بیچ میں کیا کچھ ہوا۔ ڈھائی برس بعد وہ طلاق اور دو بچیاں لے کر میکے آ گئی۔ میکہ بھی کیا' ہم دو ہی تو بہنیں تھیں۔ میں یہاں تھی۔ اماں مر گئیں۔ ابا پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے' سو خالی مکان تھا جسے ٹھکانا سمجھ کے ثریا وہیں پڑ رہی۔"

"نگین کی دوسری بہن بھی ہے۔"

"ہاں' اس سے دو سال بڑی ہے مگر......" انہوں نے لمبی اور سرد آہ بھری۔

"مگر۔" اظہر انکشافات کی برقی رو کی زد میں تھا۔

"یہ جینا بھی کیا جینا ہے بیٹے۔ وہ دونوں ٹانگوں سے معذور ہے اور چیچک کی مریضہ ہے۔ ثریا اس کی دیکھ بھال کے لئے جہلم میں رہتی ہے۔ نگین کا سسرال لاہور میں تھا' طلاق کے بعد وہ بھی دوبارہ جہلم آ گئی اور اپنی پڑھائی کا سلسلہ مکمل کر کے لیکچرر شپ حاصل کر لی۔ اب ماں اور بہن کو باقاعدگی سے خرچہ بھیجتی ہے۔"

"کمال ہے۔ بعض اوقات انسان اپنوں کے دکھ اور مسائل سے کتنا بے خبر رہتا ہے۔"

اظہر کے اندر ایک بھونچال لہریں لے رہا تھا۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی پُر اعتماد' بشاش و تازہ دم اور بے نیاز و بے پروا نظر آنے والی شوخ بیان لڑکی اپنے ساتھ تلخ اور بدصورت ماضی کی یادیں سمیٹے ہوئے ہو گی۔ اس کے کسی بھی انداز یا رویے سے زندگی سے متعلق منفی طرزِ فکر کا سراغ نہیں ملا تھا۔ شاید کچھ لوگ اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو ایک نیا سبق اور تجربہ سمجھ کر اس سے کچھ سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ان لمحوں کو قسمت کی خرابی کا نام دے کر ماتمی انداز میں یاد کرنے کے بجائے ان سے حاصل کئے گئے سبق کی روشنی میں آنے والے دنوں کو خوشگوار بنانے میں مگن ہو جاتے ہیں۔

"اب کیا خیال ہے تمہارا۔ کیا تم اسے اُس کے ماضی سمیت قبول کرنے کو تیار ہو؟" بیگم

ریاض کی نظریں اسے کھوج رہی تھیں۔

''وہ مجھے یہ اعزاز تو بخشے امی' میں دل و جان سے تیار ہوں۔ بھلا اس میں سوچنے والی کون سی بات ہے۔ انسان اہم ہوتا ہے' اس سے وابستہ ماضی یا حال اہم نہیں ہوتا۔ اہمیت اس کے وجود کے اندر چھپے نفیس ذہن اور خوبصورت دل کی ہوتی ہے۔ ظاہر کے حلیے سے کیا لینا دینا۔ میں نے اس سے شادی کرنی ہے' اس کے ماضی یا حال سے نہیں کرنی۔ پلیز امی آپ اس تک یہ بات پہنچا دیں۔'' اس نے ان کے گھٹنے تھام لئے۔ ''آپ خود اس سے بات کریں۔''

''کمال ہو گیا۔ کیا میں اسے بتاؤں کہ میرا بیٹا تمہارے لئے دیوانہ ہو گیا ہے۔'' بیگم ریاض کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔ ''میں تمہاری سہیلی ہوں کیا جو تمہارے دل کی بات اس تک پہنچاؤں گی۔''

''نہیں بھی ہیں تو بن جائیں ناں سہیلی۔'' وہ ان کا گھٹنا ہلا کر ملتجی ہوا۔

''دیکھیں ناں' مجھے ان باتوں کا سلیقہ نہیں ہے اور نہ ہی نکے پانڈے سے ایسی امید کی جا سکتی ہے۔ ہم اس فن سے نابلد ہیں' آپ ہی ہماری امداد کر دیں۔''

''اپنے مطلب کے لئے کیسے شکر پارے بنے جا رہے ہو۔ بہت خوب!''

اب بیگم ریاض کو بھی اسے چھیڑنے میں لطف آنے لگا تھا۔

''اچھا بات سنیں امی۔ میں آپ کو بتاتا ہوں ایسا کیجئے گا۔ آپ اپنی طرف سے بات شروع کیجئے گا۔'' وہ پوری توجہ اور دھیان کے ساتھ انہیں گُر بتانے لگا۔

''آپ کہئے گا کہ آپ کی خواہش ہے کہ وہ آپ کی بہو بنے۔ میرا مطلب ہے' میرے حوالے سے اور یہ کہ میں اس سلسلے میں بہت سیریس ہوں۔ اور......''

''بس کرو یہ چلتر بازیاں۔'' وہ ایک چپت اس کے سر پر رسید کرنے کے بعد اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''جو بات کرنی ہو گی' میں خود کر لوں گی۔ زیادہ باؤلا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ذرا دھیان سے امی۔'' اس نے پیچھے سے تاکید کی۔ ''کہیں وہ یہ سب سن کر مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔''

''کمال ہے' اتنے عرصے سے کہاں چھپا رکھا تھا یہ پاگل پن۔ میں ماں ہوں مگر مجھے بھی

شک نہیں ہونے دیا کہ ایسی کوئی بات ہے۔'' اُن کے انداز میں توصیف تھی۔

''میں تو ابھی بھی نہ ہونے دیتا مگر......'' وہ کھسیا کر سر کھجانے لگا۔ ''اب اس سے زیادہ ضبط نہیں کر سکتا تھا۔''

بیگم ریاض شاید کچن میں جا چکی تھیں۔ اظہر کسی خوش کن خیال میں کھو گیا تھا۔

دھڑکے بھی تھے اور دل کی بات اوپر تک پہنچا دینے کا ہلکا پن بھی۔ اس سے کہہ کر دل پھول کی طرح سبک ہو گیا تھا۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ نگین کے لئے اپنے جذبات میں اس نے مزید شدت واقع ہوتی محسوس کی تھی۔

O☆O

جیا کے گھر آ جانے کی وجہ سے زرلالہ کو بہت بے فکری ہو گئی تھی۔ خصوصاً بچوں کی طرف سے پریشانی جاتی رہی تھی۔ پہلے ضرورتاً گھر سے نکلتی بھی تھی تو دل اور دھیان پیچھے بچوں میں اٹکا رہتا تھا۔ اب وہ سکون سے باہر کے کام نپٹاتی تھی۔ گھر میں کسی بڑے کی موجودگی کا احساس خود بخود انسان کی طاقت بن جاتا ہے۔ اسے محسوس ہوتا' جیسے اب وہ اکیلی نہیں رہی۔ وہ پاگل کر دینے والا شدید احساسِ تنہائی کسی کونے کھدرے میں دبک کے بیٹھ گیا تھا البتہ آنے والے لمحوں کا سیاہ اور بدہیت ہیولا اب بھی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اکبر علی (یا اس کے ہم شکل) کو دیکھے ہوئے دو ہفتے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ اسے دوبارہ وہ ملک ہاؤس کے اندر آتا جاتا دکھائی نہیں دیا تھا لیکن یہ احساس اسے لحہ بہ لحہ دہلانے کو بہت کافی تھا کہ وہ اسی شہر میں تھا اور کسی بھی لمحے اس تک پہنچ سکتا تھا۔ اسے اقدامِ قتل کے مقدمے میں اندر کروا سکتا تھا' اس کے بچے چھین سکتا تھا یا بزور زبردستی اسے اپنے ہمراہ لے جا سکتا تھا۔ بعد میں وہ قتل کرنے کی کوشش کی پاداش میں اسے ساری زندگی اذیت کی سولی پہ لٹکا کے اپنا بدلہ لیتا رہتا۔

وہ خواب جو اسے اکثر و بیشتر آتا رہتا تھا' اس کا تعلق اکبر علی اور اس سے وابستہ تلخ یادوں سے تھا۔

اس دن اس نے فرصت پا کر جیا کو اکبر علی کے متعلق بتا دیا۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ تم نے اسی کو دیکھا تھا؟''

''ہاں جیا' بالکل وہی شکل' وہی قد بُت اور ناک نقشہ۔ میں کیسے بھول سکتی ہوں اسے۔کوئی اجنبی تو نہیں تھا وہ...... مجھ سے پہلے چار سال اور چار ماہ میری بہن سکینہ کے شوہر کی حیثیت سے میرے سامنے رہا تھا۔سکینہ باجی نے خود اسے پسند کیا تھا' اس کے اصرار پر اماں نے رشتہ قبول کیا تھا۔شادی کے بعد باجی میکے آتی تو وہ بھی ساتھ آتا تھا۔تمیز اخلاق اور جھکی نظروں سے بات کرتا تھا۔شادی کے پہلے سال علی ہوا اور دوسرے سال ولی۔ میں ان دنوں میں اماں کے ساتھ باجی کے گھر رہی تھی۔اس کے بعد جانے کیا ہوا کہ باجی بیمار رہنے لگی۔شادی کے چوتھے سال جب وہ اُمید سے ہوئی تو اس وقت تک بالکل نچڑ چکی تھی۔سارہ کو جنم دے کے بالآخر وہ دنیا سے رخصت ہوگئی۔اس وقت مجھے کیا خبر تھی کہ میری بہن کو سلو پوائزن اور میرے عشق میں گرفتار ہونے کے کھلم کھلا اعترافات نے اسے آہستہ آہستہ مارڈالا ہے۔اکبر علی نے ایک سکیم کے تحت سکینہ باجی کو ذہنی و جسمانی اذیتیں دے دے کر مارا۔آخری دنوں میں زہریلی دوا کا استعمال بڑھا دیا تھا۔وہ ڈلیوری کے دوران ہی فوت ہوگئی۔اس کے چند ہفتوں بعد میری ماں کا آخری وقت آگیا اور میں اکیلی رہ گئی۔علی' ولی اور سارہ ماں کے انتقال کے بعد بے یارومددگار رہ گئے۔سب نے یہی مشورہ دیا کہ سالی کا بہنوئی سے نکاح ہو جائے تو بے آسرا بچوں کا اور خود میرا ٹھکانا ہو جائے گا۔ میں نے بھی بچوں کی محبت میں یہ قدم اُٹھالیا مگر شادی کی رات......''

زرلالہ وہ لمحات یاد کر کے جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔

''اُس رات اس نے اعتراف کیا کہ جب سکینہ سے شادی کے بعد اس نے مجھے دیکھا تو سخت افسوس میں گھر گیا تھا کہ کاش چھوٹی کا رشتہ مانگ لیتا پھر وہ دل ہی دل میں مجھے چاہنے لگا تھا۔سکینہ سے پہلے بھی کوئی لیلیٰ مجنوں والی دلچسپی نہیں تھی سو جو نارمل سے تعلقات تھے' ان میں بھی دراڑیں پڑنے لگیں۔آہستہ آہستہ جب اس کی شدتیں بڑھیں تو مجھ تک پہنچنے کے لئے اس نے سکینہ باجی کو قتل کرنے کا تہیہ کرلیا۔ویسے تو وہ انہیں طلاق دے کر بھی راستے سے الگ کر سکتا تھا مگر ایسی صورت میں اسے کسی صورت اس گھر سے میرا رشتہ نہ ملتا۔اس نے ایسا طریقہ اپنایا کہ صورت حال خود بخود اس کے حق میں ہوگئی۔وہ سکینہ باجی پر اپنے دلی جذبات عیاں کر چکا تھا۔بارہا جتاتا تھا کہ وہ میرا عاشق ہے اور مجھے کسی اور کی نہیں ہونے دے گا۔آپ سوچ سکتی ہیں' یہ سب کچھ سن کر میری ذہنی وجذباتی کیفیت کیا رہی ہوگی۔سائیڈ پر پھل اور چھری پلیٹ میں موجود

تھے۔صدمے اور انتقام سے پاگل ہوتے ہوئے میں نے وہ چھری اس کے پیٹ میں گھونپی اور اپنی دانست میں اپنی بہن کے قاتل کو انجام تک پہنچا کر بچوں کو لے کر افراتفری میں گھر سے نکل کر ریلوے سٹیشن جا پہنچی' اس سے آگے خوش قسمتی سے آپ سے ٹاکرا ہوگیا۔''

زرلالہ گزرے وقت کو دہراتے ہوئے نئے سرے سے اتنی ہی اذیت خود پر گزرتی محسوس کر رہی تھی۔

''جب تم اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کر چکی ہو تو دوبارہ زندہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' جیا تانے بانے ملا رہی تھی۔

''یا تو پھر یہ ہے کہ تمہاری چھری کے وار سے وہ مرا نہیں ہوگا' مناسب طبی امداد مل جانے کے سبب زندہ بچ گیا ہوگا۔''

جیا نے بھی وہی بات دہرائی جو زرلالہ نے سوچ رکھی تھی۔

''لیکن کہاں فیصل آباد کا ایک پسماندہ وغربت زدہ علاقہ اور کہاں اسلام آباد' وہ اتنی دور کیسے پہنچ سکتا ہے اور اسے کیا خبر کہ تمہارا قیام اسلام آباد میں ہے۔''

''خبر نہیں۔'' وہ پریشانی کے عالم میں گویا ہوئی۔''مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھے کھوجتا ہوا یہاں تک آیا ہے یا پھر یہ اتفاق ہے لیکن جیا۔ میں اپنے بچے ہرگز نہیں دوں گی اسے۔میرا ہے ہی کون اُن کے سوا۔یہی تو میرے جینے کا سہارا ہیں۔ان کے بغیر مجھے دوسری سانس نہیں آتی۔ میں ان معصوم پھولوں کو اس وحشی اور قاتل شخص کے حوالے نہیں کروں گی۔کیا حق ہے' اسے ان کی شخصیت تباہ کرنے کا۔ بچے تین سال سے میرے ساتھ ہیں اور وہ عادی ہو چکے ہیں' میرے اور اس ماحول کے۔''

''اُونہوں۔گھبرانا یا پریشان ہونا بہادر لوگوں کا شیوہ نہیں ہوتا۔'' جیا نے ٹوکا۔''تم سے تمہارے بچے کوئی نہیں چھین سکتا۔اولاد صرف وہی تو نہیں ہوتی جسے جنم دیا جائے۔ جو تربیت کرتی ہے۔ذہن' روح اور دل کو لائن پہ لاتی ہے' پرورش کرتی ہے' وہی تو ماں کہلاتی ہے۔جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔تم فکرمند نہ ہو۔ میں ہوں ناں' تمہارے ساتھ۔''انہوں نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

''جیا۔'' زرلالہ احساسِ تشکر سے ان کے شانے سے لگ گئی۔''شکر ہے کہ آپ ٹھیک ہو گئیں۔آپ نہ ہوتیں تو میں کیا کرتی اس مشکل وقت میں۔ میں تو بالکل ڈھے جاتی۔''

''غلط۔' جیا اس کے بال سہلا رہی تھیں۔'' تم نے تو اس سے زیادہ مشکل وقت گزارا ہے اور وہ بھی بغیر کسی سہارے کے۔ مجھے سنبھالا' بچوں کو سنبھالا' گھر کو سنبھالا اور سب سے بڑی بات اپنے آپ کو اپنے حوصلوں کو سنبھالے رکھا۔ یہ کیا کم مشقت ہے۔''

''جیا' میں ایک بات تو بتانا بھول ہی گئی۔'' اس سیکٹر میں بچوں کے رشتے دار نکل آئے ہیں' مجھے بھی بہت اچھا لگا ہے ان کا گھرانا۔ بیگم ریاض اُن کے دو جڑواں لڑکے اور اُن کی خالہ زاد بڑے دلچسپ لوگ ہیں۔ اُن میں خلوص بھی ہے اور سادگی بھی۔ کبھی کبھار آ جاتے ہیں تو بڑی رونق لگاتے ہیں۔ میں کسی دن آپ کو اُن کے گھر لے کر چلوں گی۔''

''ٹھیک ہے بیٹے' جب تمہیں اور بچوں کو اچھے لگے ہیں تو پھر واقعی بہت اچھے ہوں گے۔ میں ضرور ملوں گی۔ اُن سے۔ انسانوں کے اس جنگل میں کوئی تو ہو۔ جس کے ساتھ مل کر چند لمحے خوش دلی سے گزار سکیں۔''

زرلالہ کے دل پر جیسے کوئی زخموں کے نشتر چلانے لگا۔

وشتِ بے نخل میں
یادِ بے لحاظ نے
ایسی خاک اُڑائی ہے
کچھ بھی سُوجھتا نہیں
حوصلوں کا سائباں
راستوں کے درمیاں
کس طرح اُجڑ گیا
کون کب بچھڑ گیا
کوئی پوچھتا نہیں
فصلِ اعتبار میں
آتشِ غبار سے
خیمۂ دعا جلا
دامنِ وفا جلا

کس بُری طرح جلا
پھر بھی زندگی کا ساتھ ہے کہ چھوٹتا نہیں
کچھ بھی سُوجھتا نہیں
کوئی پوچھتا نہیں
اور زندگی کا ساتھ ہے کہ چھوٹتا نہیں

O☆O

کوثر اس وقت گھر میں اکیلی تھی۔ برکتے حسبِ معمول حویلی کام کرنے گئی ہوئی تھی ابا اور ظفر کھیتوں پہ روانہ ہو چکے تھے۔ سکندر ملک دراب کی اسلام آباد والی کوٹھی میں کسی بلا دے پر گیا ہوا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا۔

دھوپ میں قدرے شدت آتی جا رہی تھی۔

کوثر نیم کے پیڑ تلے چادر پر گندم پھیلائے چھاج میں کچھ مٹھیاں گندم ڈال کر رہی تھی۔ برکتے نے کہا تھا' میرے آنے تک یہ سارا ڈھیر صاف کر لینا۔

کوثر کا دوپہر میں سونے کو جی چاہ رہا تھا مگر اماں کے حکم پر مارے باندھے اسے یہ کام رہا تھا۔

وہ اپنے دھیان میں چھاج میں گندم ڈالے اسے پھٹک رہی تھی' جب دروازے کا کنڈا بجا۔ اس نے اماں کی ہدایت پر اندر سے تالا لگا دیا تا۔ وہ اُٹھ کر دروازے تک آئی مگر کھولا نہیں۔

''کون ہے؟'' خیال تھا کہ ظفر آیا ہوگا کھیتوں سے۔

''حویلی کے بندے ہیں۔ پیاس لگی ہے' پینے کو ٹھنڈا پانی یا لسی ہو تو ایک جگ دے دو۔ ہمارے ساتھ ملک جی بھی ہیں۔''

وہ ہچکچا کر سوچ میں پڑ گئی۔

کھولوں کہ نہ کھولوں۔

ویسے حرج تو کچھ بھی نہیں ہے۔

راہ چلتے بندے کو پیاس لگ ہی جاتی ہے۔ پانی پلانا تو ثواب کا کام ہوتا ہے۔

اور پھر ان ملکوں کا کیا پتا۔ اسی بات پر ناراض ہو کر خواہ مخواہ اماں اور ابا کے خلاف ہو جائیں۔

اس نے بالآخر دروازہ کھول دیا پھر اندر مڑی۔

"ایک منٹ رُکیں جی۔ میں پانی لے کے آتی ہوں۔" سلور سٹیل کے جگ میں پانی ڈال کے دو گلاس ٹرے میں رکھ کے وہ دروازے تک آ گئی۔

ملک دراب سفید گھوڑے پر تھا' اس کے پیچھے شیرا اور منشی دوسرے گھوڑے پر سوار تھے۔

ملک دراب نے اس کے سہمے ہوئے خوشۂ گندم کی سی رنگت والے پُرکشش روپ اور جوانی کا نظارہ کیا اور پھر پسندیدگی سے سر ہلا دیا۔

کوثر سر پر دوپٹے کو مزید کھینچتی خالی جگ اور گلاس لے کر دروازے سے اندر ہو گئی اور پھر کنڈا چڑھا لیا۔

مگر اب کیا فائدہ تھا۔

حسن کا جلوہ تو چوری ہو چکا تھا۔

اُدھر ملک دراب مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے شیرے سے مخاطب تھا۔

"شیرے! ہمیں چھوکری پسند آئی ہے۔ اب اسے بہت جلد ڈیرے پر پہنچ جانا چاہئے۔"

"جو حکم سرکار!"

✿✿✿
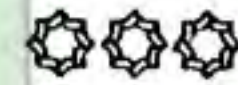
کوثر کو دیکھنے کے بعد ملک دراب اس نوشگفتہ' نودمیدہ پھول کو مسلنے سے کیسے باز رہ سکتا تھا۔

اُس نے شیدے کو اسے اٹھوانے کا حکم دے دیا تھا۔ سکندر ملک آباد میں مصروف تھا۔ لہٰذا کسی دشواری کے بغیر ملک کے کارندوں نے رات کو..... کوثر کو گھر سے اٹھا کر ڈیرے پر پہنچا دیا۔

ملک دراب کو وہ اتنی پسند آئی تھی کہ اس نے سوچ لیا تھا اس پیس کو اسلام آباد والی کوٹھی میں لے جائے گا تا کہ بعد میں دوستوں کی "خاطر سیوا" بھی کی جا سکے۔

برکتے اور بختو جیسے معمولی نوکر کے گھر کی کچی دیواریں ٹاپ کے اس کی بیٹی کو اٹھوانا کون سا مشکل کام تھا۔ صبح ہوئی تو انہیں اس نقصان عظیم کی خبر ہوئی۔

کوثر کی چارپائی خالی تھی۔

"کوثر کے ابا۔" برکتے کا لہجہ کانپ رہا تھا۔

"ہم لُٹ گئے کوثر کے ابا۔ ہم لُٹ گئے!"

"آہستہ بولو۔ پہلے اِدھر اُدھر دیکھ لو خدا کی بندی۔"

بختو خود کو کسی امید کے سہارے بہلا رہا تھا۔

"کہاں دیکھوں۔ گھر کیا کوئی حویلی ہے جس کی سو بارہ دریاں ہیں؟" برکتے پریشانی کے عالم میں اُس پر چڑھ دوڑی۔ بختو سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

برکتے کوثر کی خالی چارپائی دیکھ کر رونے لگی۔

''اب کیا کریں۔ سکندر بھی یہاں نہیں ہے؟''

''سکندر ہوتا بھی تو کیا کر لیتا؟'' بختو تھکے ہوئے انداز میں بولا۔

''ہاتھی کے آگے چیونٹی کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے۔''

''لوگوں کو کیا جواب دیں گے۔ کیا کریں گے۔ کہاں جائیں گے ہم۔''

برکتے سے رہا نہیں گیا تو وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

''آہستہ بولو۔'' بختو کے اندر طوفانی جھکڑ چل رہے تھے۔

''میں ملکوں کی حویلی جاتا ہوں۔''

''اب وہاں جانے کا کیا فائدہ۔'' ''چٹی چنری پہ داغ تو لگ چکا۔ ہائے ربا۔ یہ کیا قہر توڑا ہے تم نے ہم غریبوں پہ۔'' برکتے زارو قطار رو رہی تھی۔

O☆O

مہرینہ بہت دیر سے ''ملک ہاؤس'' کے پُرآسائش بیڈروم میں ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی اپنی شکل کو دیکھ رہی تھی۔ بعض اوقات انسان کو اپنے آپ کی سمجھ نہیں آتی۔ اسے اندر سے کوئی اشارہ یا ہدایت نہیں ملتی کہ اسے کس جانب چلنا ہے۔ کہاں کے لئے نکلنا ہے اور سفر کو کس حساب سے تقسیم کرنا ہے۔

جب وہ ملک ہاؤس بیاہ کر لائی گئی تھی تو اس کے اندر آتشِ انتقام بھڑک رہی تھی۔ یاسمین بیگم نے اُس کی نس نس میں زہر گھول دیا تھا' اُس کے اندر یہ احساس جاگزیں کرنے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ تھا کہ اسے ناجائز قرار دے کر تنفر و تحقیر کے جذبات سمیت ملک ہاؤس سے نکالا گیا تھا۔ یاسمین بیگم نے بیس برس تک لحہ بہ لحہ اُس کے ذہن میں انتقام کا یہ پودا پروان چڑھایا تھا۔ اب یہ پودا تناور درخت بن کر پھل دینے لگا تھا۔ وہ نیچے آئی تو ایک خادمہ سے پتہ چلا کہ آج تنویر ملک کی برسی ہے۔

''بہت خوب' میرے باپ کی برسی ہے اور میں بے خبر ہوں۔''

اُس کے ذہن میں جیسے کسی تلخ لمحے نے سرگوشی کی تھی۔ ملک بابا اور بڑی اماں خصوصی طور پر برسی میں شریک ہونے کے لئے ملک ہاؤس آئے تھے۔

ہال کمرے میں خاندان کے معزز افراد جمع تھے اور ڈرائنگ روم سے ملحق ہال میں قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ قرآن خوانی کے لئے شہر کے چند چنیدہ قاری بھی بطور خاص بلوائے گئے تھے۔

آپا بیگم' عذرا اور کومل گھر کی میزبان خواتین ہونے کے ناطے ایک مصروفیت کے عالم میں اِدھر اُدھر پھر رہی تھیں۔ عذرا بیگم کی اُس پر نظر پڑی تو چونک کر رک گئیں۔

''مہرینہ تم بھی چینج کر کے وضو کر کے ادھر ہال کمرے میں آ جاؤ۔''

''کیوں؟'' اس نے تیوری چڑھا کر کہا ''ادھر کیا ہے؟''

عذرا بیگم کو اس سے اس درجہ اکل کھرے انداز کی توقع نہیں تھی۔

''تمہیں نظر آ ہی رہا ہے کہ قرآن خوانی ہو رہی ہے۔'' وہ خون کے گھونٹ بھر کر بولیں۔

اُس کا انداز اس قدر بدتمیز تھا کہ عذرا بیگم کا جی چاہا کھینچ کر ایک تھپڑ لگا دیں۔

''ساحر کے چچا کی برسی ہے۔ تنویر ملک کی۔''

''ساحر بھائی کے چچا۔'' ایک عجیب سی ناقابلِ فہم کیفیت اُس کے چہرے پر درج تھی

''اوہ...... بہت خوب!!''

''میں نے کچھ کہا ہے تم سے۔''

''جی ہاں۔ میں نے سن لیا ہے اور اطلاعاً عرض ہے کہ میں بہ عذر شرعی اس قرآن خوانی میں شریک نہیں ہو سکتی۔''

''ٹھیک ہے۔'' عذرا بیگم نے مزید اصرار نہیں کیا۔

''سعود کدھر ہے۔''

''تم بیوی ہو اُس کی۔ تمہیں خبر ہوگی۔'' عذرا بیگم نے تلخی سے کہا۔ ''تم جو کچھ کر رہی ہو اچھا نہیں کر رہی ہو مہرینہ۔ پچھتاؤ گی کسی روز۔''

''کیا کیا ہے میں نے؟'' وہ ڈھٹائی سے بولی۔

''تم نے سعود کی دیوانگی اور محبت کا فائدہ اٹھا کر اسے اس طرح اپنے جال میں پھنسا کر ہمارے خلاف کر دیا ہے کہ اب وہ آنکھیں بند کر کے تمہارے کہے پہ چل رہا ہے۔ تم نے ہمارے بیٹے کو ہم سے متنفر کر دیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے ملک ہاؤس کے لوگ اور اس کے ماں باپ اس کے دشمن ہیں۔ وہ اسے تم سے الگ کر رہے ہیں۔ تم نے جو پٹیاں پڑھا رکھی ہیں اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ باپ

کے آگے سینہ تان کے کھڑا ہو جاتا ہے۔ جی الیون سیکٹر کی دو کوٹھیاں اور ایف الیون کا دس مرلے کا پلاٹ تم نے اپنے نام لگوا لئے ہیں۔ انوار نے یہ پراپرٹی سعود کے نام کی تھی۔ اب میں نے سنا ہے وہ ملکوال میں شبیر بھائی اور آپا بیگم کے حصے کے باغات کے کاغذات بھی ان سے طلب کر رہا ہے۔ شبیر بھائی کی کوئی اولاد نہیں ہے' ان کا سب کچھ سعود کا ہی ہے۔ یہ بات آپا بیگم اور شبیر بھائی نے بارہا سعود کے سامنے دہرائی ہے۔ سعود نے اس سے پہلے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ مجھے کچھ نہیں چاہئے اور نہ ایسی کوشش کی جائے مگر اب وہ آپا بیگم سے کاغذات اس کے نام ٹرانسفر کرانے کی باتیں کر رہا ہے۔''

''تو اس سارے قصے میں میں کہاں آتی ہوں' شبیر تایا اور آپا بیگم نے سعود کو گود لیا تھا' اپنا بیٹا بنایا تھا۔ اپنی جائیداد اس کو ہی دیں گے ناں۔ کیا حرج ہے کہ ابھی کاغذات تیار ہو جائیں۔''

''میں خوب جانتی ہوں۔'' عذرا بیگم دانت پیس کر رہ گئیں ''تم نے اُسے اُکسایا ہے ایسا کرنے پر۔ مجھے معلوم ہے' بعد میں تم وہ باغات بھی اپنے نام لگوا لو گی مگر سن لو میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ تم نے کیا ہمیں بالکل ہی عقل سے پیدل سمجھ رکھا ہے۔ میں تمہاری سازش کا پول کھول دوں گی۔ تم اپنی ماں کی پڑھائی گئی پٹی کے مطابق اپنا اور ہمارا گھر برباد کر رہی ہو۔''

''ابھی تو ڈریں اُس وقت سے جب میں یہ پورا ''ملک ہاؤس'' اپنے نام کروا لوں گی۔'' مہرینہ جیسے اُن کی جلی بھنی کیفیت سے مزہ لے رہی تھی۔

''ذرا یہ تقریب نبٹ جانے دو اس کے بعد دیکھتے ہیں تمہیں۔'' وہ پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئیں۔

''جب تک میرا ''میں'' میرے ساتھ ہے اس وقت تک آپ لوگوں کی ایک نہیں چل سکتی۔'' مہرینہ اُن کی بے بسی سے بھرپور لطف لیتی ہوئی اوپر واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

سعود کچھ اس طرح اُس کی مٹھی میں تھا کہ جیسے سانس بھی اس کی مرضی سے لیتا تھا۔ مہرینہ نے اپنی ماں سے سیکھی ہوئی چالاکیوں کے عین مطابق عمل کر کے اس کو مکمل طور پر اپنے ٹرانس میں لے لیا تھا اور اس مقصد کے لئے اس نے ہزار جبر و اکراہ کے باوجود سعود کو تعلق زن و شو قائم کرنے کی اجازت بھی دے دی تھی۔

''بس کبھی کبھار نواز دیا کرو۔ دیکھنا کیسے ترستا تڑپتا بے قرار ہو کر تمہاری طرف لپکا کرے

گا۔ کیونکہ بالکل تشنہ رکھو گی تو وہ بالآخر ہتھے سے اکھڑ جائے گا۔''

یاسمین بیگم نے بہلا پچکار کر اُسے اس امر کے لئے راضی کیا تھا۔ سعود کے ساتھ اُس کی شادی کو نو ماہ گزر گئے تھے مگر اتنی طویل رفاقت کے باوجود وہ مہرینہ کے دل میں رتی برابر جگہ نہیں بنا سکا تھا۔ اس کا دل سرد پتھر کی سل کی طرح سخت جامد رہتا تھا۔ انتقام کی لہریں ایسا جوش مارتیں کہ اس کی ذات کی اکائی ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھی۔ کبھی کبھی تو اسے لگتا جیسے وہ سائیکو کیس بنتی جا رہی ہے۔ ہر وقت ایک شدید ٹینشن اور ذہنی دباؤ اس کے دماغ کو گھیرے رکھتا۔

جانے کتنی مدتوں کا غبار تھا۔

یاسمین بیگم نے بتایا تھا کہ اس کے باپ تنویر ملک کے...... ایکسیڈنٹ میں انتقال کے بعد وہ ننھی سی جان کو لے کر ملک ہاؤس کی دہلیز پر گئی تھیں۔ وہاں سے ملک بابا نے بے عزت کر کے ٹھوکر مار کر ماں بیٹی کو باہر نکالا تھا۔ ان کے مطابق یہ محض دولت ہتھیانے اور ان کے خاندان کی نجابت و عزت کو داغ دار کرنے کی ایک مذموم سازش تھی۔ اُن کا معزز و محترم اور حسین و خوبرو بیٹا ایک معمولی خاندان کی بے ننگ و نشان کالی چڑیل سے شادی کیسے کر سکتا ہے۔

''میں نے اس وقت سوچ لیا تھا کہ پہلے تو دولت ہتھیانے کا کوئی خیال نہیں تھا ذہن میں مگر اب میں ایسا کر کے دکھاؤں گی۔ ابھی نہ سہی تو کچھ عرصے بعد سہی۔ کسی بھی طرح سہی' ان کو ان کے الفاظ لوٹاؤں گی۔'' یاسمین بیگم نے مہرینہ کو کہا تھا۔

''بس پھر جب سعود نے تم میں دلچسپی لینا شروع کی تو گویا مجھے ایک عمدہ وسیلہ ہاتھ آ گیا حساب برابر کرنے کا۔ ملک فیروز کے بے ننگ و نام' کالی بدشکل عیسائی نرس اور اس کی ناجائز اولاد جیسے الفاظ کا بدلہ تو میں نے انہی دنوں میں لے لیا تھا۔ دولت ہتھیانے کے الزام کو سچ ثابت کرنے کے لئے مجھے تمہارا سہارا مل گیا۔''

''پہلا بدلہ کس طرح لیا تھا؟'' مہرینہ کو یاد تھا۔

اس نے یہ بات کئی دفعہ اپنی ماں سے پوچھی تھی مگر وہ ٹال گئی تھیں۔

''پھر بتاؤں گی کبھی۔ بہرحال یوں سمجھ لو کہ میں نے ان کے خون کے ساتھ وہ کچھ کیا ہے کہ ساری عمر تڑپتے رہیں اور کبھی کھوج نہ پائیں اور اس بات کا انکشاف میں کسی موقع پر ہی کروں گی۔ موقع بھی کچھ اس طرح کا کہ ہم پاکستان سے سب کچھ سمیٹ کر باہر سیٹل ہو جائیں گے' جانے

سے پہلے ائرپورٹ سے فون کر کے اُن کو اصل بات بتاؤں گی۔ اس سے پہلے کہ وہ جوابی ردِعمل کے لئے مجھ پر چڑھائی کریں، میں تم سمیت یہاں سے بہت دور جا چکی ہوں گی۔" یاسمین بیگم نے سارا پلان اس سے ڈسکس کیا تھا۔ یاسمین کا ارادہ یہ تھا کہ سعود سے ڈھیروں پراپرٹی، زیور اور روپیہ پیسہ بٹور کے اُس سے طلاق لے لی جائے تا کہ صحیح معنوں میں ملک ہاؤس کے مکینوں کے منہ پر جوتا پڑے۔"

دونوں ماں بیٹی بڑی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھیں۔ مہرینہ نے آہستہ آہستہ سعود اور انوار صاحب کی بیشتر پراپرٹی اپنے نام کروالی تھی۔

O☆O

"بھائی صاحب، میں سعود کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔" انوار صاحب تھکے تھکے انداز میں شبیر صاحب کے سامنے بیٹھ گئے۔

"اس کے مطالبات بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور اب تو وہ اس درجہ بدتمیزی اور گستاخی کے ساتھ مجھ سے اور اپنی ماں سے بات کرتا ہے جیسے ہم والدین نہ ہوں اُس کے ماتحت ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کس طرح اسے سمجھاؤں۔ اس کی ماں سمجھا سمجھا کر تھک گئی مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جانے اس لڑکی نے کیا پڑھ کے پھونک دیا ہے اس پر۔ آپا بیگم بتا رہی تھیں، وہ ملکوال کے باغات کے کاغذات مانگ رہا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہنگامہ مچا کے نکلا ہے۔" انوار صاحب ازحد پریشان نظر آ رہے تھے۔

"لڑکی کا معاملہ ہوتا اسے راہِ راست پر لانے میں لمحے بھی نہیں لگتے لیکن معاملہ لڑکے کا ہے۔ اس کی رگوں میں بھی وہی خون دوڑ رہا ہے جو ہماری رگوں میں دوڑتا ہے۔ ضد، زور، زبردستی اور رعب داب سے اسے قابو میں نہیں لایا جا سکتا۔ جوان خون ہے جوش مار گیا تو اور نیا تماشا شروع ہو جائے گا۔ آپا بیگم بھی اسی وجہ سے خاموش ہیں۔ وہ سعود کی کوئی بات نہیں ٹال سکتیں اور نہ اس کی ضد کے جواب میں خود ضدی بن سکتی ہیں۔ وہ تھوڑی دیر پہلے میرے پاس آئی تھیں، پوچھ رہی تھیں کہ سعود کو کس طرح سمجھایا جائے۔ جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے مگر ایک دم سب چیزوں پر قابض ہو جانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔"

"ہم اُس پر سختی نہیں کر سکتے۔ اس کی شروع سے جس طرح لاڈ پیار اور ناز و نعم کے ساتھ

پرورش کی گئی ہے اس نے اسے بہت نازک مزاج بنا دیا ہے۔ خود ملک بابا بھی اس کی محبت سے مجبور ہو کر بعض اوقات اس کی بڑی سے بڑی غلطی پس انداز کر دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں اس کی بیوی کو عقل سکھانی چاہئے۔" شبیر صاحب کی پیشانی پر لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔

"بیوی کی طرف تو وہ انگلی بھی نہیں اٹھانے دیتا۔ اُس کے ہر معاملے میں خود ڈھال بن کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اُس کے بارے میں کسی کو کچھ بولنے ہی نہیں دیتا۔"

انوار صاحب بے بسی سے گویا ہوئے۔

"مگر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ اُس کی بیوی نے اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ اسے ہوش میں لانے کے لئے ہمیں اس کو ایک جھٹکا دینا ہی ہوگا۔ ایسا کرتے ہیں سعود کے مزید مطالبات منظور کرنا بند کر دیتے ہیں۔" شبیر صاحب نے رائے دی۔

"اس سے کیا ہوگا۔ وہ ضد پر اتر آئے گا۔ نہ مانی گئی تو اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دے گا اور آپا بیگم کب یہ سب کچھ برداشت کر سکتی ہیں؟ خود اس کی ماں ممتا کے ہاتھوں مجبور ہے۔ شروع سے ہی اسے پھولوں کی طرح رکھا گیا ہے۔" انوار صاحب نے ہونٹ چبائے۔

"میرا خیال ہے بڑی اماں سے بات کی جائے۔" سوچ بچار کے بعد شبیر صاحب نے حل نکالا۔ "ان پر اور ملک بابا پر ساری صورتِ حال واضح کی جائے کیونکہ اب مزید تماشا نہیں دیکھا جاتا۔"

اتفاق سے اگلے روز ملک بابا بڑی اماں کے ہمراہ خود ملک ہاؤس چلے آئے۔ عذرا بیگم اور انوار نے ساری صورتِ حال بتا دی۔

"کدھر ہے پردین اور کہاں ہے اُس کا لاڈلا۔ کوئی نیا قانون نکل آیا ہے کیا گھر کا؟ میں اور یہ (بڑی اماں) ابھی مرے نہیں اور بلاؤ اُس چھوکری کو بھی۔"

اُن کا غیظ و غضب دیکھنے کے لائق تھا۔

اتفاق سے سعود گھر پر نہیں تھا۔ آپا بیگم کشاں کشاں ڈرائنگ روم میں چلی آئیں اور والہانہ ماں سے لپٹ گئیں۔

"بڑے دنوں بعد چکر لگایا اماں۔" ماں سے ملنے کے بعد وہ قدرے سراسیمہ انداز میں باپ کی طرف مڑی تھیں۔

"السلامُ علیکم بابا جان۔"

"بس بس' اس وقت ہم سے کلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے' یہ بتاؤ تم نے اپنے حصے کے باغات کے کاغذات سعود کے حوالے کئے ہیں؟"

"ہاں جی وہ آج صبح......"

"بیوقوف عورت' اس نے وہ کاغذات ضرور اپنی بیوی کے سپرد کر دیئے ہوں گے۔ یہ ہے کدھر۔ بلاؤ دونوں کو۔"

"سعود تو اپنے کسی دوست کے ہمراہ مری گیا ہے۔ کہہ رہا تھا شام تک لوٹے گا اور مہرینہ اپنی امی کے ہاں گئی ہے۔"

"وہ ضرور کاغذات دینے گئی ہوگی۔" ملک بابا کا خون کھول رہا تھا۔

"ہم سے بھول ہوئی۔ سعود کے کہنے پہ رشتہ مانگ لیا۔ یہ دونوں ماں بیٹی تو باقاعدہ سازشی لگتی ہیں۔ مجھے تو خطرہ ہے یہ سعود کو بلکہ ہم سب کو کنگال کر کے چھوڑیں گی۔ ان ماں بیٹی کو بلا کے دوٹوک بات کریں کہ وہ چاہتی کیا ہیں۔" بڑی اماں غصے سے بولیں۔

"لڑکی ساری مت ماں سے سیکھ کے لاتی ہے۔ جیسا ماں کہتی ہے ویسا ہی کرتی ہے۔"

"کیسی بھی سہی ہمارے گھر کی بہو ہے۔ اب اپنے ہی اپنوں کا عیب چھپاتے ہیں۔ سعود ٹھیک کر لے گا اسے۔" آپا بیگم نے دبے لہجے میں حمایت کی۔

"ہو گیا سعود بھی ٹھیک اور وہ چھوکری بھی۔" ملک بابا غرائے۔

"بہو' تم اس کی ماں کے گھر ٹیلی فون کرو۔ کہو فوراً سے پہلے گھر آئے۔ مجھے بات کرنی ہے اُس سے۔" انہوں نے عذرا بیگم کو حکم دیا۔

وہ اٹھی ہی تھیں کہ باہر کی بیل بجی۔ تھوڑی دیر بعد مہرینہ اور اُس کی ماں یاسمین بیگم اندر داخل ہوئیں۔

یاسمین بیگم مہرینہ کے ساتھ اسے چھوڑنے گھر تک آئی تھیں۔ فارغ تھیں موڈ بنا تو یونہی مہرینہ کے کہنے پر آ گئی تھیں۔ ارادہ یہ تھا کہ پندرہ بیس منٹ بیٹھ کر رسماً گھر کی خواتین سے مل واپس آ جائیں گی۔ خود مہرینہ بھی اپنے موڈ میں اندر داخل ہوئی تھی مگر ڈرائنگ روم میں لگی عدالت دیکھ کر ایک لمحے کو گھبرا سی گئی۔

"السلامُ علیکم۔" کچھ دیر بعد یاسمین بیگم نے دونوں کو مشترکہ سلام کر کے ماحول پہ چھایا گمبھیر اور معنی خیز سناٹا توڑا۔

"کیسے مزاج ہیں آپ کے۔ بڑے عرصے بعد دوبارہ ملاقات ہو رہی ہے۔"

"مزاج تو آپ کی بیٹی کے درست ہونے والے ہیں خاتون۔" ملک بابا چبھتے ہوئے انداز میں گویا ہوئے۔

"میں سمجھی نہیں؟" وہ ابرو اچکا کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"کیا پٹیاں پڑھاتی رہتی ہیں آپ اپنی بیٹی کو۔ کیوں اس کا گھر اُجاڑنے کی سازشیں کر رہی ہیں؟"

"کیا بات کرتے ہیں آپ ملک صاحب' اُجاڑنا ہوتا تو بساتی کیوں۔ وہ تو آپ کی مجبوری تھی۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ رشتہ ہم نے تم پہ دباؤ ڈال کے کیا تھا مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اس بات کا بدلہ لینے کے لئے بیٹی کو غلط راستے پہ چلانے لگو۔"

"معاف کیجئے گا ملک بابا' آپ میری ماں پہ الزام لگا رہے ہیں۔" مہرینہ حسبِ عادت بھڑک اٹھی۔

ملک بابا نے اس کے طرزِ گفتگو پر بھڑک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"الزام نہیں لگا رہے' یہ حقیقت ہے۔" بڑی اماں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"اور میری ایک بات سن لو یاسمین۔" بڑی اماں دوٹوک یاسمین بیگم سے مخاطب ہو گئیں۔

"تم ایک بات کا فیصلہ کر لو۔ بیٹی کا گھر بسانا ہے یا اجاڑنا ہے؟ جس طریقے سے تم اسے پٹیاں پڑھا رہی ہو' اس کا نتیجہ بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اس کے طور طریقے دیکھو۔ اس کا لباس' اس کا اٹھنا بیٹھنا' وقت بے وقت گھر سے نکلنا' گھریلو معاملات سے قطعی لاتعلقی اور گھر والوں سے انتہا درجے کی بدتمیزی۔ پھر آئے دن دولت جائیداد کا مطالبہ' زیورات کا لالچ' جانے کتنی جائیداد بنا چکی ہے یہ......" بڑی اماں شروع ہو گئی تھیں۔

"یہ میرا اور سعود کا معاملہ ہے۔" مہرینہ نے سرد مہری سے جواب دیا۔

"تم اور سعود الگ نہیں ہو اس گھر سے۔" ملک بابا نے گرج کر کہا۔ "اور اب میری بات

کان کھول کر سن لو اس نے جتنی کوٹھیوں' پلاٹوں اور باغات پر قبضہ کیا ہے' ان کے کاغذات میرے حوالے کر دو۔ بینک کے لمبے لمبے چیک اور بے حساب زیورات تو خیر تم نے شروع میں ہی بٹور لئے تھے' وہ بھلے سے پاس رکھو۔ شاید اس سے تمہارا کچھ بن جائے۔''

وہ زہر خند ہوئے۔

یاسمین بیگم کو جیسے پتنگے لگ گئے۔

''ملک صاحب' ہم بھوکے نہیں ہیں مال و جائیداد کے۔ میری بیٹی اپنی قسمت کا وصول رہی ہے۔ ہم بھی کوئی گرے پڑے نہیں ہیں۔''

''لگتا تو یہی ہے کہ تمہارا تعلق کسی گھٹیا نسل سے ہے۔ خاندانی لوگوں کے ہاں اس طرح کے طور طریقے نہیں پائے جاتے۔''

''خاندانی لوگوں کے ہاں کس طرح کے طور طریقے پائے جاتے ہیں یہ میں آپ کو بتاتی ہوں۔'' مہرینہ کے چہرے کا سارا خون اس کے دماغ میں چھلک آیا تھا۔ اس کا وجود جیسے تیز آندھیوں کی زد میں تھا۔ آن کی آن میں وہ اوپر گئی اور چند منٹ بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں کچھ بوسیدہ کاغذات تھے۔

''یہ لیں اور دیکھیں کہ کیا ہے میرا اور میری ماں کا خاندان۔ اس دفعہ میری ماں ثبوت کے ساتھ آئی ہے۔''

مہرینہ نے کاغذات ملک بابا کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ اُس کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔ ملک بابا نے غور سے تینوں کاغذات پڑھے۔ ایک نکاح نامہ تھا دوسرا مسز تنویر ملک کی پریگنینسی کنفرمیشن رپورٹ اور تیسرا مہرینہ کا برتھ سرٹیفکیٹ۔''

وہ چکرا کر رہ گئے۔ شبیر صاحب اور توقیر صاحب بھی اسی اثنا میں خاموشی سے اندر داخل ہو چکے تھے۔

''یہ کیا ہے ملک بابا۔'' بالآخر توقیر صاحب نے سکوت توڑا۔

ملک بابا نے کاغذات اُس کی طرف بڑھا دیئے۔

''تم خود دیکھ لو۔'' وہ عجیب سے احساسات سے دوچار تھے۔

''کیا یہ سچ ہے؟'' ملک بابا کا لہجہ خلافِ معمول دھیما اور تھکا تھکا سا تھا۔

''جی ہاں' یہ وہی سچ ہے جو میں نے آج سے بیس اکیس برس قبل آپ کی دہلیز پر آ کے بولا تھا مگر اُس وقت مجھے ثبوت ہمراہ لانے کی عقل نہیں آئی تھی۔ نئی نسل اپنا حق لینا خود جانتی ہے۔ اسی کو یہ دھیان آیا تھا۔ آپ تاریخیں چیک کر لیں۔ تنویر ملک کے سائن ملا لیں اور چاہیں تو نکاح نامے پر درج گواہان اور مولوی صاحب کو ڈھونڈ کے اُن سے مل کے بھی کنفرم کر سکتے ہیں۔'' یاسمین بیگم کے لہجے میں عجب تمتماہٹ در آئی تھی۔

''کیا تم وہی ہو؟'' ملک بابا کا لہجہ کھویا کھویا تھا۔ آج سے برسوں پہلے نقاب والی چادر میں ملبوس ایک گہرے سانولے رنگ کی عیسائی نرس چند ماہ کی بچی گود میں لے کے ان کی دہلیز پر آئی تھی اور انہوں نے بنا کچھ سُنے اسے حقارت سے باہر نکال دیا تھا۔ انہیں کیا خبر تھی کہ وہ اپنے پوتے کے لئے بھتیجے کی بیٹی بیاہ کر لائے ہیں۔ انہوں نے تو محض سعود کی ضد پوری کی تھی۔''

تنویر ملک شبیر صاحب اور توقیر صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان سے ملک بابا کا چچا بھتیجے کا رشتہ بھی تھا اور سوتیلے بیٹے کا بھی۔ ابھی تک ملک ہاؤس کے مکینوں کو تنویر ملک کی جواں عمری کی حادثاتی موت کا زخم نہیں بھولا تھا۔ یہ تو معلوم ہی نہ تھا کہ وہ جاتے جاتے اپنی نشانی دے گیا تھا۔ اس ڈر سے ملک بابا سے یہ شادی چھپائی گئی تھی کہ ابھی فی الحال وہ قبول نہیں کریں گے' بعد میں کسی مناسب وقت پر طریقے سے انہیں بتا دیا جائے گا مگر وقت نے تنویر ملک کو اتنی مہلت نہیں دی تھی۔

توقیر صاحب کاغذات کا اچھی طرح مطالعہ کرنے کے بعد غور سے مہرینہ کے نقش کھوجنے لگے۔ اُس کے سرخی مائل دمکتے چہرے کے نقوش میں عجیب سی ضد اور جذباتیت چھپی تھی۔ بالکل ویسی ہی جیسی کہ تنویر کے چہرے سے جھلکتی تھی۔ آنکھوں میں ایک بے چینی تھی اور انہیں یاد آ رہا تھا کہ تنویر ملک بھی اپنی پرسنالٹی کے حساب سے پارے کی طرح بے چین و بے قرار دکھائی دیتا تھا۔ ہر وقت کسی نہ کسی سرگرمی میں مبتلا رہتا تھا۔

آج وہ غور سے دیکھ رہے تھے تو بہت سی شباہتیں دکھائی دے رہی تھیں۔

''تو تم تنویر ملک کی بیوی اور بیٹی کی ماں ہونے کی دعویدار ہو۔'' ملک بابا نہایت غور سے یاسمین بیگم کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''ہاں۔'' بہت دیر بعد یاسمین بیگم کی پُرسکون آواز ابھری۔

ملک بابا پشت پر ہاتھ باندھے بے آواز قدموں سے قالین پر چند قدم چلے پھر بالآخر

صوفے پر بیٹھ گئے اور سر صوفے کی پشت سے ٹکا لیا۔

''ہم تمہیں نہیں پہچان سکے تھے مگر تم تو ہمیں جان گئی تھیں۔ تم نے پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا۔ اتنا عرصہ کیوں چھپایا؟''

وہ لہجہ گواہ تھا کہ ثبوت کے بعد شکست تسلیم کر چکے ہیں۔

''پھر یہاں تک نوبت کیسے آتی ملک صاحب؟'' یاسمین بیگم نے تلخی سے کہا۔

''یاد کریں اپنے الفاظ۔ آپ نے کہا تھا جانے کس کا گندا خون ہمارے پاک صاف خون میں ملا رہی ہو۔ آپ کے پوتے نے اسی گند کو اپنا کر اس گھر کی بہو بنا کر آپ کے مقابل لا کھڑا کیا۔ آپ نے الزام لگایا تھا کہ میں دولت ہتھیانے کے لئے ڈراما رچا رہی ہوں۔ حالانکہ اس وقت میرے وہم و گمان میں بھی ایسی بات نہیں تھی البتہ آپ کے الفاظ نے نفرت اور انتقام کا بیج ضرور بو دیا تھا تب میں نے عہد کیا تھا کہ اپنی بیٹی کو پال پوس کر اس کے ذریعے دولت ہتھیا کے دکھاؤں گی۔ وہ تو قدرت کی طرف سے سعود کے ذریعے مجھے اپنا انتقام پورا کرنے کا آسان ذریعہ حاصل ہو گیا۔ آپ کے خاندان کو نہ سہی آپ کے ایک بیٹے کو تو کنگال کر ہی دیا ہے ناں۔ اتنا کچھ ضرور حاصل کر لیا ہے کہ تاعمر بیٹھ کے کھا سکیں۔''

''بات سنو یاسمین۔'' بڑی اماں اٹھ کر اُن کے پاس آئیں اور انہیں صوفے پر بٹھا لیا۔

''جو گزری سو گزری۔ پرانی باتوں کو ایک طرف رکھ کے ہم نئے سرے سے رشتے داری کی بنیاد رکھتے ہیں۔ تم بھی اس گھر کی بہو ہو اور تمہاری بیٹی بھی اور ہم چاہتے ہیں کہ ہماری دونوں بہوئیں عزت کے ساتھ ہمارے گھر رہیں۔ تم اپنا سامان لے آؤ اور یہاں شفٹ ہو جاؤ۔'' بڑی اماں کی بات پر ملک بابا خاموش رہے تھے گویا یہ اُن کی رضامندی کا سگنل تھا۔

''ہاہ......'' یاسمین بیگم استہزائیہ ہنس دیں'' کبھی یہ خواہش تھی۔ بہت شدید خواہش تھی کہ میں اور میری بے سہارا بچی عزت و آبرو کے ساتھ رہیں۔ وہ وقت بھی آیا کہ سر چھپانے کو چھت نہ رہی پھر حاصل ہوئی تو معاشرے نے جوان بیوہ کے راستے میں کانٹے بچھانے شروع کر دیئے۔ نام کا سہارا حاصل کرنے کے لئے تلقین میاں سے نکاح کر لیا اور بیٹی کے ساتھ ساتھ اپنے نکمے نکھٹو بے وقوف شوہر کو بھی پالنے لگی۔ بڑا لمبا راستہ طے کیا ہے۔ کبھی اس محل کی دہلیز پہ پاؤں دھرنے کے خواب دیکھا کرتی تھی مگر اب۔ اب میں اسے قدموں تلے روندتی ہوں۔ ملک صاحب کے الفاظ

نے ایک الاؤ سا دہکا رکھا تھا میرے سینے میں۔ دن میں بار ہا اس تنور میں جلتی مرتی تھی۔ اب جا کے کچھ ٹھنڈی ہوئی ہے یہ آگ۔''

''تمہاری بیٹی نے اپنی چالاکی اور تمہاری سکھائی ہوئی مکاری سے کام لے کر ہم سے جتنا وصولا ہے ہم اسے اسی کے نام کرتے ہیں۔ ہم یہی سمجھیں گے کہ تنویر کی بیٹی کو اس کا حصہ مل گیا لیکن خدارا تم اپنی بیٹی کی زندگی خراب نہ کرو۔'' آپا بیگم نے بڑی دیر بعد لب کھولے تھے۔

''زندگی خراب کرنا؟'' یاسمین بیگم نے ٹھٹھا لگایا۔

''ابھی میری بچی کی زندگی شروع ہی کہاں ہوئی ہے۔'' ان کی آنکھوں میں ایک تیز چمک تھی'' زندگی تو وہ اب گزارے گی یہاں سے چھٹکارا پا کر۔ مختصر یہ کہ میرا اور میری بیٹی کا اب کوئی اور مطالبہ نہیں ہے ماسوائے طلاق کے۔''

''طلاق!'' ملک ہاؤس کے درو دیوار لرز اٹھے۔

بڑی اماں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ملک بابا بھی ایک لمحے کو بے یقینی و تحیر کے سمندر میں ڈوبے اُن کی صورت دیکھتے رہے تھے۔

''تمہیں کچھ ہوش ہے یاسمین بیگم تم کیا کہہ رہی ہو؟''

بالآخر ملک بابا گرج کر قہر ساماں انداز میں گویا ہوئے اُن کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ ناک کے نتھنے پھول گئے تھے اور سانسوں میں تیزی آ گئی تھی۔

''امی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' مہرینہ نے بے لچک انداز میں مداخلت کی۔

''میں اس شادی پہ راضی ہی اسی شرط پہ ہوئی تھی کہ امی کا مقصد پورا ہو جانے کے بعد میں طلاق لے لوں گی۔ یہ ڈراما آپ لوگوں نے دھونس دھمکی اور اپنے اثر و رسوخ کے بل پر رچایا تھا۔ ورنہ میں مر کے بھی یہاں شادی نہ کرتی۔ میں نفرت کرتی ہوں یہاں کے درو دیوار سے اور یہاں کے مکینوں سے' میرا کسی کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے اور جو نام نہاد بندھن مصلحت کی خاطر باندھا گیا تھا اسے بھی اب میں ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتی ہوں۔ نہیں چاہئے مجھے کوئی زنجیر' کوئی مجبوری' کوئی رکاوٹ۔ میں امی کے ساتھ گھر جا رہی ہوں۔ سعود سے کہیے گا میں طلاق کا انتظار کروں گی۔'' وہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تو گویا تم میرے بیٹے کو بے وقوف بنا کر اس کے سچے جذبات سے کھیل کر اپنا الو سیدھا

کر رہی تھیں۔'' عذرا بیگم کے دل پر چھریاں چل رہی تھیں۔ یہ سب باتیں جب سعود کو پتا چلیں گی تو اس کے حساس دل پر کیا بیتے گی۔

''رکو لڑکی، تم اس طرح نہیں جا سکتی ہو۔'' ملک بابا دھاڑے۔

''مجھے اپنی ماں کے ساتھ جانے سے کوئی نہیں روک سکتا اور سن لیجئے' طلاق ایسے نہ ملی تو پھر کورٹ کی راہیں سب کے لئے کھلی ہیں۔''

وہ ملک ہاؤس کے مکینوں کو سکتے کے عالم میں چھوڑ کر اپنی ماں کے ساتھ گھر کی دہلیز پار کر گئی تھی۔

O☆O

سکندر ملک آباد میں تھا جب فتح محمد ڈرائیور نے اُسے ملکوال واپس جانے کا پیغام سنایا۔ شہریال کو ملکوال چھوڑنا تھا۔ شہریال کے ساتھ ایاز ملک اور اس کی بیوی بھی تھی۔ شام گئے وہ لوگ ملکوال کی حویلی پہنچے تھے۔ وہ جیپ سے سامان اتار کر زنان خانے میں ماسی برکتے کو تلاشنے لگا۔

''وہ تو کل سے نہیں آ رہی صاحب۔'' ایک معمر نوکرانی نے پوچھنے پر بتایا۔

''کیوں کیا ہوا اُس کے ساتھ؟''

''او جی! اس کی کڑی کوثر کو کوئی چک کے لے گیا ہے۔ کل سویرے سے غائب ہے جی۔'' اس نے سرگوشی کے سے لہجے میں بتایا۔

''کیا؟'' سکندر کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

''کوثر کل صبح سے گھر سے لاپتہ ہے؟ اوہ میرے خدایا۔'' اس کے اندر بھونچال برپا ہو گیا تھا۔

نوکرانی بتا کر اپنی راہ ہو لی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ پلٹتا سامنے راہداری سے گولڈن کامدار سرخ ریشمی سوٹ میں شعلہ جوالہ بنی صائمہ اس طرف آتی دکھائی دی۔

''اوہ۔ سکندر جی آئے ہیں۔'' وہ جتانے والے انداز میں گویا ہوئی تھی جیسے اُس کے اندر کی ایک ایک کیفیت محسوس کر رہی ہو۔

''صائمہ بی بی۔'' دفعتاً سکندر نے اس کے قریب جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیئے۔

اس کا لہجہ عجب بھنچا ہوا سا تھا۔

''کوثر کو کہاں رکھا گیا ہے؟''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر دھیمے مگر نہایت فیصلہ کن انداز میں گویا ہوا۔ اس کے لہجے میں کوئی حتمی پن تھا کہ صائمہ اپنا سابقہ لہجہ برقرار نہ رکھ پائی۔ لامحالہ اسے بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

''بس اتنا جانتی ہوں کہ ملک دراب کے بندوں نے اُٹھایا ہے' اس کو کہاں رکھا گیا ہے اس کا علم نہیں ہے۔''

''مگر مجھے اس کا پتا چاہئے۔ ہر صورت۔''

سکندر کے خون میں ابال اٹھ رہا تھا۔

''ظاہر ہے اس بارے میں دراب بھائی کو کریدنا پڑے گا۔ کیا دو گے اس کا مجھے؟''

''کیا لیں گی آپ؟'' سکندر نے لب بھینچ کر پوچھا۔

''میرا مطالبہ تمہیں معلوم ہے۔'' صائمہ سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

سکندر کا جی چاہا دونوں ہاتھوں سے اس کی سفید گردن پکڑ کر دبا دے۔ عورت بے حیائی کا لبادہ اوڑھ لے تو پھر وہ ایک خونی بلا بن جاتی ہے۔

''ٹھیک ہے۔'' بہت دیر بعد سکندر نے گہری سانس خارج کرنے کے بعد جواب دیا تھا۔

صائمہ کے چہرے پر عجیب سی کیفیت در آئی۔

''مگر شرط یہ بھی ہے کہ پہلے مطالبہ پورا کرو پھر تمہارا کام ہو گا۔''

سکندر جلتے تنور میں جا گرا۔ اُس کی رگوں میں خون کی جگہ شرارے دوڑ رہے تھے۔

''تب تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔''

''نہیں' یہ میں تمہیں یقین دلا دوں کہ اب تک کوثر محفوظ ہے۔ ابھی اس تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکا اور یہ بھی بتا دوں کہ اگر تم خود سے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرو گے تو ساری عمر بھی اس کا نشان نہ پا سکو گے۔ دراب بھائی کی پہنچ کہاں تک ہے اور ان کے ٹھکانے کس قدر محفوظ ہیں' یہ بات تم سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے۔ ان کا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں صبح تک تمہیں کوثر کا ٹھکانا بتا دوں گی۔ بس تم نے یہ کرنا ہے کہ آج رات سب کے سو جانے کے بعد میرے کمرے میں آ جاؤ۔ ٹھیک ہے' میں انتظار کروں گی۔ تب تک میں دراب بھائی کو ڈھونڈ کر اُن سے کچھ اگلواتی ہوں۔''

وہ بت بنے سکندر کو یونہی چھوڑ کر ٹھک ٹھک کرتی چلی گئی۔

O☆O

رات کے بارہ بجے کا ٹائم تھا۔حویلی میں ہر طرف ہُو کا عالم طاری ہو چکا تھا۔سکندر پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا صائمہ کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔راہداری کے دوسرے سرے پر ایک اور سایہ کھڑا اُسے صائمہ کے کمرے کی طرف بڑھتا دیکھ رہا تھا۔

سکندر نے آہستہ سے دروازہ بجایا۔

"آجاؤ دروازہ کھلا ہے۔" صائمہ کی مخمور سرگوشی نے اُس کا استقبال کیا۔سکندر دھڑکتے دل سے اندر داخل ہو گیا۔اندر داخل ہونے سے پہلے اُس نے دل ہی دل میں اعوذ باللہ پڑھی تھی۔وہ اپنا کھونٹا مضبوط کر کے آیا تھا۔اس نے شام کو صائمہ سے بات کرنے کے بعد موقع پا کر ساری صورتِ حال شہریال کو بتا دی تھی۔سن کر وہ جیسے بحرِ ندامت میں جا گری تھی۔

"مجھے معلوم ہے آپ کی پوزیشن ایسی ہے کہ آپ سردست اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتیں لیکن ایک التجا ہے کہ اگر میں کسی طور پھنس گیا تو میری وہ رہے گا۔آپ جانتی ہیں کہ میرے دل میں نفس کی کوئی لہر نہیں جاگی۔"

وہ کمرے میں داخل ہوا تو گلابی نائٹ بلب کی روشنی میں صائمہ کا بھرپور جوان تندرست و توانا گورا بدن...... پیازی کلر کی ایک بے حد باریک اور مختصری نائٹی میں اپنی حشر سامانیاں بکھیر رہا تھا۔

سکندر کو بُری طرح جھٹکا لگا۔

"یا خدا مجھے میرے مقصد میں کامیاب کرنا۔" وہ جو کچھ سوچ کے آیا تھا' اس کے عملدرآمد کا وقت اب نزدیک آ چکا تھا۔

O☆O

زرلالہ آئی ٹین مرکز کے میڈیکل سٹور سے جیا کی دوائیں لے کر نکلی تھی۔جب اچانک اس کی نظر سرخ پجارو کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے آدمی پر پڑی۔جیپ حسن کبابنہ کے سامنے کھڑی تھی۔شاید جیپ کا ڈرائیور اندر کھانا لینے گیا تھا۔

"اکبر علی۔" اس کے ہونٹوں نے بے آواز حرکت کی اور ٹھیک اسی پل اکبر علی کی نظر بھی اس

کی طرف اٹھی۔اس کی آنکھوں میں پہلے بے یقینی' پھر حیرت اور پھر ایک عجیب سی کیفیت اتر آئی تھی پھر اس کا ہاتھ گاڑی کا دروازہ کھولنے کے لئے بڑھا۔

زرلالہ کے پورے وجود میں کرنٹ دوڑ گیا۔اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔وہ پارکنگ ایریا کے سامنے بنی شاپس کے پچھلے حصے کی سمت ایک پتلی سی گلی میں مڑ گئی۔اس سمت بھی دکانیں تھیں۔اسے اور تو کچھ سمجھ میں نہ آیا' ایک منیاری کی شاپ میں گھس گئی وہاں کچھ لڑکیاں اپنے دوپٹوں اور کپڑوں سے میچ کرتی لیس پسند کر رہی تھیں۔کچھ ایک سائیڈ پہ رنگ برنگی چوڑیوں میں مگن تھیں۔وہ بھی جلدی سے اسی بھیڑ میں اندر دبک گئی۔دس پندرہ منٹ تک وہ اسی شاپ پر رہی پھر ڈرتے ڈرتے باہر نکلی۔کسی "خطرے" کو نہ پا کر وہ آہستہ قدموں سے ویگن کے سٹاپ کی طرف چل پڑی۔

یاالٰہی یہ کیا چکر ہے؟ میں کب تک اُس سے چھپتی رہوں گی۔

وہ وہم نہیں ہے حقیقت ہے۔

اور حقیقت تو یہ بھی ہے کہ وہ میرا شوہر ہے۔

کاغذوں میں یہ بات درج ہے۔

اور یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ یہ بچے اسی کے ہیں۔اُس کے اور مرحومہ باجی زرینہ کے۔

میرا تو کچھ بھی نہیں ہے۔میں کاغذوں میں بیاہی گئی اور دنیاوی دستور کے مطابق لفظوں میں ماں بنی۔

میری اصل حقیقت کیا ہے' اصولاً نہ میں کسی کی اولاد ہوں نہ کسی کی بیوی ہوں نہ ماں ہوں۔ہر رشتہ لفظی ہی دیکھا ہے۔

O☆O

"ہیلو ساحر' بھائی کہاں ہو تم؟ تمہارے موبائل پہ ٹرائی کر کر کے گھل گیا۔کچھ خبر بھی ہے کیا ہوا؟" ایمان موبائل پر بات کر رہا تھا۔

"میں آؤٹ آف رینج تھا' کیوں کیا ہوا۔خیریت ہے؟"

"خیریت ہی تو نہیں ہے۔جاپانی انجینئرز کو گاڑی سے اغوا کر لیا گیا ہے۔وہ سائٹ سے واپس اسلام آباد جا رہے تھے۔ان کے ساتھ سپر وائزر جابر اور دو ممبرز اور تھے۔دونوں ممبرز گاڑی

میں بے ہوش پائے گئے۔ جابر اپنے ہوش میں تھا اسی نے بتایا ہے کہ کشمیر ہائی وے پہ ایک گن بردار گروہ نے گاڑی روک کر ان انجینئرز کو بے ہوش کر کے اپنی جیپ میں ڈال لیا تھا۔ دونوں ممبرز اور جابر کو گن کے دستے سے بے ہوش کر دیا گیا تھا۔"

"مائی گاڈ!" ساحر کو بُری طرح جھٹکا لگا۔ یہ ایک بہت بڑا حادثہ تھا اور اس سے کمپنی کی ساکھ پر بہت بُرا اثر پڑتا۔ اس کے علاوہ جاپانی سفارت خانے کو اطلاع ہوتے ہی شہر بھر میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔ اخبارات کو الگ ایک ایکسکلوسیو سٹوری مل جاتی۔

"کیا کیا جائے۔" معاملہ اتنا گمبھیر تھا کہ اُسے لامحالہ ملک ہاؤس کے سرکردہ افراد سے مدد لینا پڑی۔

توقیر صاحب اور انوار صاحب گھر پہ ہی تھے۔ ساحر نے بلا تمہید انہیں ساری صورت حال سمجھائی۔ ایمان بھی گھر پہنچ گیا تھا۔

"ایک بات کہوں ساحر' اس سپروائزر جابر کو پکڑو۔ مجھے یہ بندہ ابتدا سے ہی مشکوک لگ رہا ہے۔ اتنے سخت حفاظتی انتظامات ہونے کے باوجود ایسا واقعہ کیسے پیش آ گیا' وہ اتنی آسانی سے انجینئرز کو گن کے زور پر اٹھا کے لے گئے؟ بات کچھ جچتی نہیں ہے۔ آخر ان کو کس نے اطلاع کی تھی کہ جاپانی انجینئرز کو اس نمبر کی ٹیوٹا ہائی ایس میں لایا جا رہا ہے۔ پھر اتنی ایگزیکٹ ٹائمنگ کہ جیسے انہیں گاڑی کی روانگی سے لے کر یہاں تک پہنچنے کی لمحہ بہ لمحہ رپورٹ مل رہی ہو۔ ہو نہ ہو ٹیلی فون آپریٹر وہ مس چھمک چھلو انیتا اور سپروائزر جابر نے ہمارے ساتھ کوئی گیم کھیلی ہے۔"

"انجینئرز کو ملک دراب کے بندوں کے علاوہ اور کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ یہ انہی کا کام ہے اور اس کے ساتھ اس کے کرتا دھرتا چودھری کا ہاتھ بھی ہوگا۔ اسے ملک آباد کی زمین چاہئے اور وہ اس کا سودا بھی زبانی کلامی کر ہی چکا تھا۔ روڑے اٹکانے کے لئے وہ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گا۔" توقیر صاحب کا دماغ بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"میں ڈی ایس پی صاحب کو انجینئرز کی بازیابی کے لئے کال کر رہا ہوں۔ پولیس کے ساتھ ساتھ ہمارا ذاتی سکیورٹی گارڈ سسٹم بھی آن لائن رہے گا۔ ضرورت پڑنے پر مزید کمانڈوز ایجنسی سے منگوائے جا سکتے ہیں۔ بہرحال تم فکر نہ کرو۔ انشاء اللہ کچھ نہ کچھ سراغ مل ہی جائے گا۔" توقیر صاحب نے بیٹے کی مکمل تسلی کرائی اور پھر فون پر جت گئے۔

O☆O

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب جابر نے اپنے گھر کے دروازے پر دستک دی۔

راحت نے دروازہ کھولا تھا۔

"کدھر ہے طلعت...... اور تو کیا اب تک جاگ رہی ہے؟"

"خالہ صفیہ کے معدے میں تکلیف تھی' انہیں طلعت آپا اور عرفان ڈاکٹر کے پاس لے کے گئے ہیں۔ عرفان تھوڑی دیر پہلے بتا کے گیا ہے کہ ڈاکٹر نے بوتل لگائی ہے۔ وہ دو تین گھنٹے وہیں کلینک میں رہیں گی۔"

"اس کا مطلب ہے تو اکیلی ہے گھر میں۔" جابر نے معنی خیز نظروں سے اس کا سراپا جانچا۔

راحت کے جسم نے جھرجھری سی لی۔

"چل مجھے کھانا دے پہلے۔" راحت اس کے طرز تخاطب پر دل ہی دل میں تلملاتی کھانا لینے چلی گئی۔ اس کے ذہن میں یہی تھا کہ کھانا دینے کے فوراً بعد وہ اپنے کمرے میں بند ہو کے کنڈی چڑھا لے گی مگر جابر پر جیسے آج ہوس کا بھوت سوار تھا۔ انیتا اپنے شہر والے فلیٹ میں تھی۔ رات کی تنہائی اور شام کو جاپانی انجینئرز کے ڈرامائی اغوا کا واقعہ ذہن سے مٹانے کے لئے راحت کا پُرکشش و پُرشباب وجود بہت غنیمت لگا۔

اس سے پہلے کہ راحت کمرے سے قدم باہر نکالتی' جابر نے اُسے دبوچ لیا۔

"آ جا میری لاڈلی۔ آج تجھے مجھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" وہ بُری طرح جھپٹ پڑا۔

راحت نے پوری کوشش کی اپنے آپ کو بچانے کی مگر ایک طاقتور بھرے ہوئے مرد نے اُس کی ایک نہ چلنے دی اور پھر اُس کے پاک دامن پر ایک گہرا داغ لگ گیا۔

ہوس پوری کرنے کے بعد وہ نشے میں مست پڑا رہا۔ یوں بھی وہ اغوا کے واقعے کو بھلانے کے لئے انیتا کے پاس سے دو پیگ شراب پی کے آیا تھا لہٰذا شراب اور شباب کے نشے نے اسے اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا۔

راحت بہت دیر تک یونہی پڑی رہی۔ پھر جیسے کسی غیر مرئی طاقت نے اس کے ٹوٹے بکھرے وجود میں بجلی بھر دی اس نے اپنے تن کو لباس سے آراستہ کیا اور پھر گھر سے نکل گئی۔

دروازہ کھلا چھوڑ کر وہ گلیوں کے اندھیرے میں گم ہو گئی۔

''اب کیا بچا ہے جس کے لئے خود کو سنبھالوں۔'' جانے وہ کون سی جذباتی کیفیت ہوتی ہے جو انسان کو اپنا آپ ختم کر لینے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اس کا رخ مین روڈ کی طرف تھا اور ارادہ مستحکم کہ اس نے مرنا ہے۔

سفید ٹویوٹا کرولا پوری رفتار سے گزر رہی تھی کہ وہ اس کے سامنے آ گئی۔ ڈرائیور کے بریک لگانے کی کوشش کے باوجود...... ایکسیڈنٹ ہو گیا۔

''اوہ مائی گاڈ!'' ایمان ہوا کے بگولے کی طرح گاڑی سے باہر نکلا تھا۔ ایک جواں سال لڑکی کو خون میں لت پت دیکھ کے اس کے حوس اس کا ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔ خود کو سنبھال کر وہ جھکا اور لڑکی کو اٹھا کر اُس کی نبض چیک کی۔ دل کی دھڑکن ٹٹولی۔

''شکر ہے' زندہ ہے۔''

✿✿✿

ایک لمحے کو تو ایمان کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

روڈ پر اِکا دُکا ٹریفک تھی۔

وہ پنجوں کے بل بیٹھا گاڑی سے ٹکرا کر بے ہوش ہو جانے والی لڑکی کا معائنہ کر رہا تھا۔

لڑکی نوجوان تھی۔ اندھیرے میں رنگت تو واضح نہیں ہو رہی تھی' تاہم چہرے کے خدوخال اور جسمانی ساخت کا تناسب اسے ایک پُرکشش اور خوبرو دوشیزہ ثابت کر رہا تھا۔

اُس کا معمولی لباس اس کے بدحال معاشی پس منظر کا کھلا ثبوت تھا۔ اس کے جسم پر کسی قسم کا کوئی زیور نہیں تھا جس سے ایمان نے اندازہ لگایا کہ وہ غیر شادی شدہ ہے۔

چوٹ براہِ راست اس کے ماتھے پر آئی تھی۔ دائیں کنپٹی سے ذرا اوپر گہرا زخم تھا جہاں سے تازہ لہو رِس رِس کر اس کے چہرے اور بالوں کو بھگو رہا تھا۔ جب ایمان اسے اٹھا کر گاڑی کی بیک سیٹ پر لٹا رہا تھا تو اس کی نظر بائیں بازو کی کہنی سے ذرا اوپر کے حصے پر پڑی یہاں بھی تین چار انچ لمبا زخم کا نشان تھا جہاں سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

ایمان نے فوری طور پر سید پور روڈ کی طرف گاڑی موڑ لی۔ یہاں بہت سے پرائیویٹ کلینک اور نرسنگ ہوم تھے۔ اس نے ناصر نرسنگ ہوم کے آگے گاڑی روکی۔

تھوڑی دیر بعد زخمی لڑکی کو ایمرجنسی وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔

ایمان ہال کمرے کی گلاس وال کے ساتھ ایک ترتیب میں رکھے لیدر کے صوفوں میں سے ایک کا انتخاب کر کے بیٹھ گیا اور بے چینی سے گھڑی دیکھنے لگا۔

ساڑھے بارہ سے اوپر کا وقت تھا۔

ممی ڈیڈی پریشان ہو رہے ہوں گے۔ میرا خیال ہے انہیں فون کر کے مطلع کر دوں۔

وہ اٹھا اور باہر پی سی او سے گھر کا نمبر ملانے لگا۔

''ہیلو۔'' فاکہہ کی نیند سے بوجھل آواز کان میں پڑی۔

''اوئے بلی۔ تُو ابھی تک جاگ رہی ہے۔''

''تو یہ آپ ہیں بے ایمان صاحب۔ خیر سے کہاں مٹرگشت کر رہے ہیں۔ ڈیڈی دس دفعہ پوچھ چکے ہیں۔ ممی بھی فکرمند ہیں۔''

''مت پوچھو ہم کہاں ہیں۔'' وہ بڑی ترنگ سے بولا۔

''کیوں کیا آپ عالم بالا سے مخاطب ہیں یا تحت الثریٰ پہنچے ہوئے ہیں۔'' وہ تنک کر بولی۔

''اجی ہم جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ آہا...... کیا عالی شان سنگِ مرمر کا تخت ہے جس پر ہم یعنی شہزادۂ عالم جلوہ افروز ہیں۔ ہمارے سر پر ہیروں کا تاج ہے اور جسم پر سونے کے تاروں سے بنا ہوا بیش بہا لباس ہے۔ پاؤں میں قیمتی پتھروں سے جڑے نایاب جوتے' اطراف میں خادموں اور کنیزوں کا ایک ہجوم بیکراں ہے۔ تخت کے عین سامنے سنگِ مرمر کے فرش پر حسین پریاں محوِ رقص ہیں۔ حسینہ عالم زمرد و نیلم سے جڑی منقش ٹرے میں دنیا کی سب سے لذیذ ترین مقوی و اشتہا انگیز اشیائے خورد و نوش لئے میرے سامنے کھڑی بڑے ناز و ادا سے مجھ سے اصرار کر رہی ہے۔''

ایمان اپنی دھن میں رواں تھا اور ادھر پی سی او کے کاؤنٹر پر بیٹھا مالک، آنکھیں پھاڑے اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''اب تم ہی بتاؤ اتنی سخت مصروفیت و محویت کے عالم میں کیسے ''آرام منزل'' جیسے معمولی اور بے حیثیت سے مکان میں تشریف لا سکتا ہوں۔'' وہ ناک چڑھا کر بڑے سٹائل سے بولا۔

''تاہم ماہدولت اس کے مکینوں پر ترس کھا کر ڈیڑھ دو گھنٹے میں واپس لوٹنے کی کوشش کریں گے۔''

''شہزادۂ عالم بتا سکتے ہیں کہ وہ خدام و غلامین کی قطار کی موجودگی میں ایسا کون سا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں جو ان کی تشریف آوری کی راہ میں حائل ہے؟'' فاکہہ پوچھ رہی تھی۔

''ہم ایک بے بس و لاچار زخمی مریضہ کو مطب میں حکما کے ہجوم میں آلاتِ جراحی سمیت چھوڑ کے آئے ہیں اور اس کے ہوش میں آنے تک اسی عالم میں تشریف رکھنے کا عزم باندھے ہوئے ہیں۔''

''ہوں۔ مریضہ'' فاکہہ کی معنی خیز آواز ابھری۔

''پھر تو آنجناب کے تشریف فرمانے کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔''

''خبردار' حدادب' گستاخ کنیز۔'' ایمان نے ڈانٹا۔

''اب ہم مزید گفتگو کا ارادہ نہیں رکھتے۔ فون بند کیا جائے۔''

فون رکھنے کے بعد اس نے بڑی شرافت سے پی سی او والے کو مخاطب کیا۔

''کتنے پیسے بھائی صاحب؟

''بھائی صاحب'' ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھ رہے تھے۔

''دس روپے جناب۔'' وہ ہڑبڑاہٹ کے عالم میں گویا ہوا۔

ایمان نے دس کا نوٹ کاؤنٹر پر رکھا اور کچھ گنگناتا ہوا پلٹنے لگا۔

''بات سنئے جناب!'' وہ پلٹنے کو تھا جب کاؤنٹر سے آواز کان میں پڑی۔

''جناب آپ...... آپ دیکھنے میں تو اچھے خاصے سمجھدار اور معزز گھرانے کے دکھائی دیتے ہیں۔''

کاؤنٹر مین اس کے حلئے کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ بادامی پینٹ' سفید رنگ کی بادامی دھاریوں والی شرٹ' چمکتے ہوئے بلیک شوز' نفاست سے بنائے ہوئے سیاہ چمکتے بال' گندمی صحت مند چہرہ اور بھرپور قد و قامت۔

''معاف کیجئے گا۔ آپ کا ذہنی توازن درست نہیں لگتا۔ کیا اس طرح کے دورے آپ کو اکثر پڑتے رہتے ہیں؟''

''آپ کا دماغ خراب ہے کیا۔'' ایمان کو جانے کیا سوجھی وہ ازراہِ تفنن اس پر چڑھ دوڑا اور یوں بولا جیسے قیامت اٹھا دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

''معاف کیجئے گا جناب۔ میں تو بس یونہی۔ غلطی ہو گئی جی۔'' وہ گھبرا گیا۔

''آئندہ خیال رکھنا گستاخ آدمی۔'' وہ بڑے احساس کرنے والے انداز میں گویا ہوا'' ہمارا جلاد ہماری شان میں گستاخی کرنے والے کا سر قلم کر دیا کرتا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ پشت پہ ہاتھ باندھے' سینہ تانے زور زور سے پاؤں زمین پر مارتا پی سی او سے باہر نکل گیا۔

سڑک پر آ کر کاؤنٹر مین کی ہونق شکل تصور میں لا کر خوب ہنسا۔

کیسی دھاک بٹھا دی اپنی فنکاری کی۔

''کیا رپورٹ ہے بھئی مریضہ کے بارے میں۔''

''زخموں کو صاف کر کے پٹی کر دی گئی ہے۔ اس کی حالت خطرے سے باہر ہے' تاہم ابھی وہ ہوش میں نہیں آئی۔ امید ہے صبح تک بے ہوشی ٹوٹ جائے گی۔ ہو سکتا ہے اس کی حالت کے پیشِ نظر دو چار روز اسے ایڈمٹ رکھنا پڑے۔ یہ رہی چارج سلپ۔''

ریسپشن پر موجود درمیانی عمر کے فربہی مائل آدمی نے رپورٹ دی۔

ایمان نے سلپ پر لکھی ڈھائی ہزار روپے کی رقم ادا کی اور پھر اپنا کارڈ کاؤنٹر پر ڈال دیا۔

''یہ رہے میرے ٹیلی فون نمبرز۔ کسی قسم کی ایمرجنسی ہو تو مجھے فوراً بلوا لیجئے گا۔ میں صبح دوبارہ چکر لگاؤں گا۔ مریضہ کا خاص خیال رکھئے گا۔''

''بے فکر رہیں جناب۔'' کاؤنٹر مین معمول کی خوش اخلاقی سے گویا ہوا۔

ایمان جیب سے کار کی چابیاں نکال کر باہر آ گیا۔ اس وقت رات کے ڈیڑھ بج رہے تھے۔

O☆O

سکندر نے صائمہ کی خواب گاہ میں رات کے دوسرے پہر قدم رکھا تھا اور وہ شہریال کو صورتِ حال سمجھا کر اپنے دل کی بات بتا چکا تھا۔

''بالآخر تم یہاں آ ہی گئے سکندر۔''

صائمہ اپنی باریک نائٹی سنبھالتی ہوئی اٹھ بیٹھی اور کھنکتی ہوئی آواز میں اُس کا استقبال کیا۔

سکندر اپنے اندر جوار بھاٹا اٹھتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

''ایک مدت کے بعد یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ سچ ہے شادی میری فہد سے ضرور ہو گئی مگر دل تم سے ہی ملا تھا۔''

وہ والہانہ آگے بڑھی۔

اُسے ہوس کی آگ میں جلتے اور بے حیائی و بے غیرتی کا لبادہ اوڑھتے دیکھ کر سکندر کا خون کھول رہا تھا۔

ایک پیٹ کی آگ۔

دوسری جسم کی آگ۔

اور تیسری انتقام کی آگ۔

سچ ہے یہ کچھ نہیں دیکھتی۔

بلکہ تاریخِ انسانی گواہ ہے کہ آج تک جتنے بھی فسادات برپا ہوئے اُن کی بنیاد یہی انتقام' پیٹ اور جسم رہا ہے۔ جب ان میں سے کسی ایک کی طلب جنم لے لے تو پھر اس بپھرتے ہوئے سمندر کے آگے بند باندھنا محال ہو جاتا ہے۔ ضبط کے خوگر تو اپنی ایمانی طاقت اور صبر و استقامت کی بنا پر اس طوفان میں بہنے اور بھٹکنے سے بچ جاتے ہیں مگر کمزور ایمان والے اور اخلاقیات سے عاری لوگ طلب کے اس ریلے میں بہتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے آگے انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ہر رشتہ اور احساس مٹ جاتا ہے۔ مدعا و منتہا فقط آگ بجھانے کا مرکز رہ جاتا ہے۔ اس تک پہنچنا' اس سے بھوک مٹانا اور لذت حاصل کرنا زندگی کا واحد مقصد بن جاتا ہے۔

سکندر صائمہ کو ہوس کی دھند میں لپٹے شرم و حیا اور نسوانی خودداری کا چولا اتارے' بے غیرتی کا نقاب لگائے دیکھ کر خون کے گھونٹ پی رہا تھا۔

سکندر اس کے حلئے سے نظریں چُراتا ہوا عین اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''کوثر کہاں ہے؟'' اس کے لہجے میں پختگی تھی۔

''کون کہاں ہے اس کو بھول جاؤ بس یہ یاد رکھو کہ رات ہے' تنہائی ہے اور ہم تم یہاں ہیں۔ ایک دوسرے کے سامنے۔''

صائمہ نے مخمور آواز میں سرگوشی کی۔ وہ آہستہ آہستہ اُس کی طرف جھک رہی تھی جیسے شانے

سے سر ٹکانے کا ارادہ ہو۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے۔'' وہ سختی سے بولا۔

''اور میرا رُواں رُواں بھی تو کچھ کہہ رہا ہے تم سے۔ اس کی آواز سنو۔''

صائمہ مدہوشی کے عالم میں اس سے آ لگی۔ اس کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔ پلکیں شدتِ جذبات سے بوجھل ہو کر طلب سے سلگتی آنکھوں پر جھک گئی تھیں۔

''تو تم میرے ساتھ مکر کر رہی تھیں۔ کوثر کے بارے میں معلومات دینے کا بہانہ کر کے یہاں تک لانا چاہ رہی تھیں۔ مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا۔''

سکندر نے اس کے بالوں کو پکڑ کر جھٹکا دیا اور خود سے الگ کر کے دوسرے ہاتھ سے تاڑ تاڑ دو بھرپور تھپڑ اُس کے منہ پر رسید کیے۔

''بہت آگ لگی ہوئی ہے ناں تمہیں۔ بجھائے نہیں بجھتی۔ بے حیا عورت، تجھ سے تو وہ چکلے پہ بیٹھی دھندا کرنے والی عورتیں بھلی ہیں۔ شرافت اور خاندانی پن کا ڈھنڈورا تو نہیں پیٹتی ہیں۔ بھیڑ کی کھال میں بھیڑیے کی سی فطرت چھپا لینے کا سوانگ تو نہیں رچاتی ہیں۔''

صائمہ اس اچانک اُفتاد پر دہشت سے سفید پڑ گئی تھی۔ تھپڑ کھا کر اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے تھے۔

''بتاؤ کوثر کو کہاں لے کے گئے ہیں ملک دراب کے پالتو کتے؟''

وہ اس مزاج کا آدمی نہیں تھا۔ بڑی دھیمی، صابر اور حلیم طبیعت پائی تھی۔ ہر معاملے میں ٹھنڈے دل اور دماغ کے ساتھ کام لینے کا عادی تھا۔

مگر شاید حالات اور ماحول کے تقاضے انسان کے اندر چھپے تلخ و بے باک آدمی کو باہر لے آتے ہیں۔

''مم۔ مجھے نہیں پتا۔'' وہ تھر تھر کانپنے لگی۔

''بتاؤ ورنہ میں تمہاری جان لے لوں گا۔'' سکندر نے اس کی گردن پکڑ لی۔

خوف و ہراس کے عالم میں ایک زوردار چیخ صائمہ کے منہ سے نکلی تھی اور سب سے پہلے کوریڈور سے گزرتے نشے میں جھومتے ملک دراب کے کانوں میں پڑی تھی۔ وہ ڈیرے سے واپس آیا تھا۔ بڑا سیراب، مسرور اور فتح مندی کے احساس سے سرشار۔

''کیا ہوا؟'' وہ آناً فاناً صائمہ کے کمرے میں داخل ہوا تھا اور اس کے پیچھے افتاں و خیزاں بھاگتی ہوئی شہریال نے قدم رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

سکندر کے ہاتھ خود بخود اس کی گردن سے پھسلتے چلے گئے۔

''بھائی جی۔''

صائمہ سسک کر ملک دراب کے شانے سے لگ گئی۔

''اوئے تم یہاں کیا کر رہے ہو صائمہ کے کمرے میں، آدھی رات کو؟''

ملک دراب کی آنکھیں سرخیاں چھلکانے کو تھیں۔

''یہ بات آپ صائمہ بی بی سے ہی پوچھیں۔ وہ بہتر جواب دے سکیں گی۔'' سکندر کے دھیمے لہجے میں بلا کا زہر پوشیدہ تھا۔

''بائی جی...... یہ...... یہ زبردستی میرے کمرے میں گھس آیا تھا اور...... اور میرے ساتھ بدتمیزی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کی بات نہیں مانی تو مجھے چانٹے مارے اور گردن پکڑ لی۔ آپ نہ آتے تو یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔''

''کیا؟'' سکندر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

''شہریال بی بی آپ کو سب پتا ہے۔ آپ تو جانتی ہیں ناں۔ صائمہ بی بی نے مجھے خود بلایا تھا۔ بلکہ آج نہیں جانے کب سے بُلا رہی ہیں، اپنے مطلب کے لئے میرے پیچھے پڑی ہوئی ہیں اور میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میں اس لئے جا رہا ہوں تاکہ کسی طرح ڈرا دھمکا کر یا بہلا پھسلا کر ان سے کوثر کے بارے میں اگلوا سکوں۔ میرا کوئی مذموم مقصد نہیں تھا۔''

اس نے شہریال کے سپید پڑتے چہرے پر نظر جما کر تائید چاہنے والے انداز میں تڑپ کر اسے مخاطب کیا تھا۔ صائمہ کی ڈھٹائی اور اس کے منہ سے کھلم کھلا الزام سن کر وہ اپنی نظروں میں یقین اور حقیر ہو گیا تھا۔ شہریال نے ایک نظر صائمہ کی طرف دیکھا۔

صائمہ بھی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عجب استحقاق آمیز نظروں سے۔ یوں جیسے وہ اُسے اپنے اور اس کے درمیان موجود رشتے کا احساس دلا رہی ہو۔ اسے بتا رہی ہو کہ دیکھو میں تمہاری لی ہوں۔ تمہارے بھائی کی عزت ہوں اور میرے مقابلے میں یہ ایک کم مایہ، حقیر اور بے وقعت خادم ہے۔ حویلی کا غلام ہے اور غلاموں کا کام ہی آقاؤں پہ نثار ہونا ہے۔ تم آقاؤں کی نسل

سے ہواور خون سے وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ میرا ساتھ دو۔

اور اگر تم نے اس کم تر و کم ذات نوکر کی حمایت داری کی کوشش کی تو تمہاری ہم سے وفاداری مشکوک ہو جائے گی۔

''بولئے شہریال بی بی۔ میں نے آپ کو صائمہ بی بی کے غلط ارادوں کے متعلق بہت پہلے سے بتا رکھا تھا۔ آپ بتایئے ناں شہریال بی بی۔''

شہریال کو مسلسل چپ اور لب بستہ دیکھ کر سکندر کا لہجہ متزلزل ہونے لگا تھا۔

''وہ کیا بولے گی' خبیث کی اولاد' گندے خون کی پیداوار' تیری تو میں ایسی کی تیسی کر دوں گا۔''

ملک دراب کف اُڑاتا دھاڑتے ہوئے سکندر کی طرف لپکا تھا۔

اسی اثنا میں حویلی کے دوسرے افراد جن میں ملک ایاز بھی شامل تھے شور اور مار دھاڑ کی آوازیں سن کر جمع ہو گئے تھے۔ صورت حال جانتے ہی جیسے سکندر کے لئے زمین پر عذاب نازل ہو گیا۔

ملک ایاز کے ہاتھ کے تین چار کرارے طمانچوں نے سکندر کا منہ لال کر دیا۔ وہ بزرگ تھے اور وہ اُن پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔

''اس کے ہاتھ پیر توڑ کر تہ خانے کی کوٹھڑی میں ڈال دو اور لوہے کی گرم سلاخ سے اس کی آنکھیں اور سینہ داغ دو۔ بلاؤ اپنے بندوں کو۔''

ملک ایاز نے ہانپتے ہوئے ملک دراب کو ہدایت کی۔

دونوں نے مل کر سکندر کو نیچے گرا لیا تھا اور اب ٹھڈوں سے اس کی تواضع کر رہے تھے۔

چند ثانیوں بعد شیرا اور اس کے ساتھی روبرو تھے۔ وہ ملک دراب کے اشارے پر اسے زمین پر گھسیٹتے ہوئے تہ خانے میں لے گئے۔

شہریال لرزتے کانپتے وجود سمیت زرد چہرہ لئے کھڑی تماشا دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں بحرِ ندامت میں غرق ہو رہی تھی۔

O☆O

''تم کہاں غائب تھے۔ گھر فون کیا تو بھی نہیں ملے۔ پتا چلا ہسپتال گئے ہوئے ہو۔ کو

ایڈمٹ ہے وہاں۔''

ساحر آفس کی صوفہ چیئر پر نیم دراز ہوتا ایمان سے گویا تھا۔ ایمان ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''میرے ساتھ کل رات ایک حادثہ پیش آ گیا تھا۔''

خلافِ معمول ایمان نے سنجیدگی سے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

''خیریت؟'' ساحر کی پُرتشویش نظروں نے اس کا جسم ٹٹولا۔

''ہاں۔ مجھے کچھ نہیں ہوا بلکہ مجھ سے ''کچھ'' سرزد ہو گیا تھا۔ کل رات ایک لڑکی بھاگتی ہوئی میری گاڑی سے ٹکرا گئی تھی۔ وہ زخمی اور بے ہوش تھی۔ اسے اٹھا کر نرسنگ ہوم میں لے آیا۔ ابتدائی کارروائی کے بعد اسے وہاں ایڈمٹ کر لیا گیا۔ کل سے وہیں ہے۔ میں صبح اسے دیکھنے ہسپتال گیا تھا۔ ڈاکٹرز نے بتایا ہے کہ رات کے کسی پہر اُسے ہوش آیا تھا۔ اس نے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا' نہ اس کی حالت اس قابل تھی کہ زیادہ بات چیت کر سکتی۔ اس کے بعد ڈاکٹرز نے اسے اعصابی دباؤ سے نکالنے کے لئے دوبارہ غنودگی کا انجکشن لگا دیا تھا۔ میں گیا تو وہ اپنے ہوش میں نہیں تھی۔ آدھ پون گھنٹہ وہاں بیٹھ کر ڈیوز کلیئر کر کے گھر چلا آیا۔ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ آتے ہی ایسے غضب کی نیند چڑھی کہ شام چھ بجے آنکھ کھلی۔ اٹھتے ہی منہ ہاتھ دھو کر ادھر آ گیا ہوں۔''

ایمان نے تفصیل سے جواب دیا۔

''ادھر کی کیا خیر خبر ہے۔ آئی ایم سوری یار' میں اتنے سنگین مسئلے میں تمہارا ساتھ دینے کے بجائے اپنی نیندیں پوری کرنے بیٹھ گیا۔ یقین مانو' میرا ارادہ یہ تھا کہ ہسپتال سے واپس آ کر تمہاری طرف آؤں گا مگر بس ایسی آنکھ لگی کہ......''

''تکلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تم ہر لمحہ میرے ساتھ ہو۔'' ساحر نے ناراضگی سے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے منع کیا۔

''یوں بھی یہاں کوئی ایسی ایمرجنسی نہیں پڑی۔ پولیس نے صبح صبح جابر اور انیتا کو چھاپہ مار کر گرفتار کر لیا تھا۔ دو پہر تک دونوں تھانے میں رہے اور پھر بالآخر اگل دیا کہ انہوں نے ایک بہت بڑی شخصیت کے کہنے پر لالچ میں آ کر ہماری کمپنی سے غداری کی ہے۔ جاپانی انجینئرز کا اغوا ایک سوچی سمجھی پلاننگ کے تحت ہوا۔ ملک آباد سے روانہ ہونے سے پہلے انیتا اور جابر اس شخصیت کے

بندوں کو پوری رپورٹ دے چکے تھے۔ گاڑی کا نمبر' روانگی کا ٹائم اور کشمیر ہائی وے تک پہنچنے کی ہدایت یہ سب ایک منصوبے کے تحت عمل میں آیا۔ دکھاوے کے لئے حملہ آوروں نے ایک دو ہاتھ انہیں بھی رسید کئے تھے۔''

''مائی گاڈ۔'' ایمان سناٹے میں آ گیا۔

''کتنی نقاب دار شخصیت کے مالک ہیں دونوں میاں بیوی۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا؟''

''پھر یہ کہ جابر نے وہ ٹھکانا بتا دیا جہاں ان انجینئرز کو لے جایا جانا تھا۔ پولیس نے وہاں ریڈ کیا اور انہیں برآمد کر لیا۔ اندرونِ سندھ کا کوئی علاقہ تھا۔ اطلاعات کے مطابق پولیس جاپانی انجینئرز سمیت وہاں سے روانہ ہو چکی ہے۔ اغواء کرنے والوں میں سے موقع پر دو مسلح اور ٹرینڈ بندے زخمی حالت میں زندہ گرفتار کئے گئے' باقی تین افراد پولیس مقابلے میں مارے گئے۔ دونوں میں سے ایک نے تو راستے میں دم توڑ دیا ہے اور دوسرا زخمی ہسپتال میں ایڈمٹ کر دیا گیا ہے۔ ابھی وہ بیان دینے کے قابل نہیں ہے۔''

''اور وہ ''بہت اونچی'' اور اہم شخصیت کون ہے' جس کی ایما پر سب کچھ کیا گیا۔''

''سب کچھ بتا دیا مگر جانے اس شخصیت کے لمبے ہاتھوں کا کیا خوف ہے کہ اتنے تشدد کے بعد بھی وہ نام بتانے پر آمادہ نہیں ہوئے۔'' ساحر نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنساتے ہوئے پُرخیال نظروں سے ایمان کی طرف دیکھا۔

''تاہم ضرورت بھی کیا ہے نام پوچھنے کی۔ نام تو از خود روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ کیا خیال ہے؟''

''ظاہر ہے۔ ملک دراب کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے ہمارا مہرباں' ہمارا ہردلعزیز دشمن۔'' ایمان نے کندھے اچکائے۔

''محسن کو میں نے اپنے چند تربیت یافتہ کمانڈوز کے ساتھ پولیس دستے کے ہمراہ بھیجا ہے اس کی اجازت ڈیڈی نے اپنے اعلیٰ پولیس افسر دوست سے خصوصی طور پر دلوائی تھی۔ یہ کارروائی اس لئے ضروری تھی تاکہ جاپانی انجینئرز کو برآمدگی کے بعد بہ احسن طریقے سے ڈیل کیا جا سکے محسن دوسروں کو مطمئن اور قائل کرنے کا فن جانتا ہے۔''

''یہ اپنے وکیل صاحب تو بڑے کام کی چیز بنتے جا رہے ہیں۔ یعنی کہ ہیرو ٹائپ۔ آ ے

تو خوب سینگ لڑاؤں گا اُس کے ساتھ۔'' ایمان ازراہِ تفنن بولا۔ انداز سراسر شرارتی تھا۔

''کیا وہ انجینئرز دوبارہ ہمارے ساتھ کام کرنے پر رضامند ہو جائیں گے؟ میرا مطلب ہے اتنے بڑے سانحے کے بعد۔''

ایمان کے پوچھنے پر ساحر سوچ میں پڑ گیا۔

''دیکھو۔ یہ تو محسن کی کارکردگی پہ منحصر ہے کہ وہ کس طریقے سے انہیں بداعتمادی اور عدم تحفظ کے احساس سے باہر نکالتا ہے اور دوبارہ کام شروع کرنے کے لئے آمادہ کرتا ہے۔''

''چلو' ان کی بازیابی تو ہوئی۔ فی الوقت تو یہی تلوار سر پر لٹک رہی تھی۔ وہ کام جاری رکھیں تو ان کی نوازش ہو گی۔ اور اگر انکار کر دیتے ہیں تو ہم انہیں عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دیں گے۔ کچھ دیر کے لئے کام ملتوی ہو گا مگر اس کے بعد کسی دوسرے ملک سے تربیت یافتہ انجینئرز کی ٹیم بلوائی جا سکتی ہے۔'' ایمان جمائی روکتے ہوئے بولا۔

''اتنا سوئے ہو پھر بھی ابھی مزید نیند آ رہی ہے۔ تم انسان ہو یا شیطان۔'' ساحر نے یونہی اس کی کھنچائی کر ڈالی۔

''کیا کروں۔ یہ بڑی بُری عادت ہے کہ جس دن زیادہ سو لوں اس دن جاگنے کے بعد بھی دماغ پر نیند کا غلبہ رہتا ہے۔''

وہ کسل مندی سے واپسی کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

O☆O

''نہیں خالہ' ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ میں نے کبھی اس نظر سے اظہر کو دیکھا ہے۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ میں شادی شدہ زندگی کا باب مکمل کر چکی ہوں۔ اب ایک فرض شناس بیٹی اور بہن کی حیثیت سے ذمے داریوں کا باب سامنے کھلا ہوا ہے۔ اس کے صفحات مکمل کرنے دیجئے۔''

وہ رسانیت سے جواباً بولی تھی۔ لہجہ دوٹوک اور قطعی تھا۔

بیگم ریاض پریشان سی ہو کر اس کی صورت دیکھنے لگیں۔

''بیٹی میں نے بڑی آس سے تمہارے آگے دامن پھیلایا ہے۔ تم ایک سمجھدار اور عقل مند لڑکی ہو۔ اللہ نے تمہیں نیک فطرت سے نوازا ہے۔ ماں نے بھلی تربیت دی ہے۔ خیر سے زمانے کی ہر اونچ نیچ سے واقف ہو۔ بیٹی' تنہا عورت کی زندگی کیا اور مرتبہ کیا۔ وہ سب سے اونچے عہدے

پر فائز ہو جائے تب بھی بنا مرد کے نام کے مشتبہ اور بے وقعت نظروں سے ہی دیکھی جاتی ہے۔ لوگ اس میں فقط بحیثیت ایک عورت کے دلچسپی لیتے ہیں۔ اس کی ذات سے وابستگی کو رنگین و سنگین پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ افسانہ تراشی کا فن آزماتے ہیں' اس کے نت نئے سکینڈل بناتے ہیں' ان کے لئے اس میں اور چکلے میں بیٹھی ہوئی عورت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ باہر نکلنے والی عورت کو عام مرد ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے اور اسی زاویے سے سوچتا ہے۔ جبکہ ایک بدنام زمانہ عورت بھی شادی شدہ ہو جائے تو یک لخت سب کے لئے محترم ہو جاتی ہے۔ لوگ اُس پر انگلی اٹھانے سے پہلے سوچتے ہیں۔ ان کے منہ بند ہو جاتے ہیں۔ اس عورت کی معاشرے میں کوئی پہچان کوئی قابل قبول شناخت بن جاتی ہے۔''

''خالہ مجھے آپ' اظہر' محسن اور یہ گھر بہت عزیز ہے۔ یہاں کا سکون' خوشیاں اور اپنائیت بڑی پُرکشش اور دلکش ہیں میرے لئے۔ میں انہیں آزمائش اور ذمے داریوں کے بوجھ تلے نہیں دبانا چاہتی۔'' نگین نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''کیسی آزمائش اور ذمے داری بیٹی۔ تم جس طرح اپنی ذات کو مصروف رکھنا چاہو رکھو۔''

''آپ میری بات نہیں سمجھی خالہ۔''

''میں سمجھ رہی ہوں بیٹی۔'' خالہ نے رسانیت سے اس کی بات اچک لی۔

''تم بدستور اپنی ماں اور بہن کے حقوق پورے کرنا چاہتی ہو ناں۔ تو خوشی سے اپنے فرائض بجالاؤ۔ جس طرح اب اُن سے دور ہو کر مہینے کے مہینے معقول رقم بھجوا دیتی ہو' اسی طرح جاری رکھو۔ تمہارے کسی معمول میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ یہاں بھی جس طرح رہ رہی ہو اسی طرح رہتی رہو۔ فقط تبدیلی ہوگی تو اتنی کہ تمہارے نام کے ساتھ ایک دوسرا نام جڑ جائے گا اور ہم فخر سے اپنی بہو بنا کر اپنے ارمان پورے کر سکیں گے۔''

خالہ بڑے طریقے سلیقے اور تدبر سے اسے قائل کرنے کی حکمتِ عملی اپنا رہی تھیں۔ وہ اس طرح اسے گھیرنا چاہتی تھیں کہ اس کے پاس انکار کا کوئی جواز نہ بچے۔

''میں پہلے سے شادی شدہ ہوں خالہ اور اظہر کو ایک سے بڑھ کر ایک اچھی لڑکی مل سکتی ہے۔'' وہ متامّل ہوئی۔

''مگر ان میں سے کوئی بھی نگین تو نہیں ہوگی ناں۔'' خالہ نے یہ جواز بھی رد کر دیا۔ ''اسے

نگین چاہئے۔ اپنے منہ سے بولا ہے اس نے۔ جانے کب کا فیصلہ کئے بیٹھا تھا وہ تو۔ مجھ سے اب جا کے کہنے کی ہمت ہوئی ہے۔''

''اظہر۔'' وہ کسمسائی ''مگر خالہ۔ وہ......'' اسے بڑی حیرت ہوئی۔ اظہر جیسا لاابالی اور بظاہر حد درجہ شوخ و شریر نوجوان' اس سے اتنی گہرائی اور سنجیدگی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

''وقتی بیان ہوگا خالہ۔ دل و دماغ سے رائے لے گا تو خود ہی سمجھ میں آ جائے گا سب کچھ۔'' اس نے اظہر کی جذباتی وابستگی کو جھٹلانا چاہا۔

''بیٹی۔'' خالہ نے کچھ ناراضگی سے اسے دیکھا ''ایک ڈیڑھ برس گزر گیا ہے تمہیں یہاں رہتے ہوئے۔ اب تک تو بیان نہیں بدلا۔ اتنا عرصہ کافی ہوتا ہے ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے۔ بس تم دل سے فضول قسم کے وہم اور خدشے نکال دو اور ہاں کر دو تاکہ میں تمہاری ماں کو خوشخبری سنا سکوں۔ پہلے میں نے انہی سے بات کی تھی۔ انہوں نے کہا' تمہیں منا لوں تو وہ راضی ہی راضی ہیں۔''

''خالہ ایسے نہیں۔'' وہ گومگو کی سی کیفیت میں تھی ''مجھے کچھ سوچنے کا موقع دیجئے۔''

''اب اور کیا سوچ بچار۔ کچھ معاملات فوری جوابی کارروائی کے متقاضی ہوتے ہیں۔ فیصلہ کن قدم اٹھانے میں اتنی دیر نہیں کرنی چاہئے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے۔''

''خالہ۔ آپ اظہر سے ایک بار پھر پوچھ لیں۔''

نگین اُن کی پھرتیوں سے گھبرا گئی تھی۔ خالہ تو اسے پورا ہی نہیں پڑنے دے رہی تھیں۔ شاید وہ جانتی تھیں کہ ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔ اتنی مشقت سے تو اسے گھیر گھار کر شادی کے موضوع پر گفتگو کے لئے آمادہ کیا تھا۔

''بس پوچھ لیا' سب سے پوچھ لیا۔ تم زیادہ اگر مگر مت کرو' مجھے دو لفظوں میں جواب چاہئے۔ ہاں یا ناں۔''

''خالہ۔'' وہ بے بسی سے ان کا منہ دیکھنے لگی۔

''اگر خالہ کہتی ہو تو بھانجی ہونے کا حق ادا کر دو۔ خالہ کو خوش کر دو۔ ایک مدت سے خالہ نے کوئی خوشی نہیں دیکھی۔''

اب کے انہوں نے جذباتی وار کیا تھا۔

نگین کے پاس کوئی جواب نہ رہا۔

اُس نے سر جھکا لیا۔

"میری بچی۔" خالہ نے جھٹ گلے سے لگا کر پیار کیا" میں کل ہی جہلم روانہ ہو جاتی ہوں۔ باجی سے باقاعدہ بات کرنے کے لئے۔" وہ بہت خوش تھیں۔

"اظہر بھی ابھی آتا ہوگا تھوڑی دیر میں۔ سُنے گا تو خوشی سے ناچ اٹھے گا۔ محسن شام تک اندرون سندھ سے واپس اسلام آباد پہنچ جائے گا۔ دیکھنا کیسے پاگل ہوتا ہے اس خوشخبری سے۔"

خالہ اپنی خوشی میں مگن اٹھ کھڑی ہوئیں۔

نگین کو عجیب سی جھجک محسوس ہو رہی تھی۔

اُسے لگا جیسے اب اظہر اور محسن کا سامنا بہت دشوار ہوگا۔

o☆o

"اگر لوگ اپنے کارنامے پر بہت زیادہ مغرور نہ ہوں تو فدوی کا ایک مسئلہ حل کر سکتے ہیں؟"

ایمان محسن کو ساحر کے آفس سے نکلتا دیکھ کر اس کے پیچھے آیا تھا۔ محسن نے جاپانی انجینئرز کو اغوا کے بھیانک سانحے کے بعد کسی طرح شیشے میں اتار کر دوبارہ سے کمپنی کے لئے کام کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ ساحر اس کے کارنامے پر بے حد خوش تھا اور انعام کے طور پر اس کی تنخواہ میں یکشت دو ہزار کا اضافہ بھی کر دیا تھا۔

محسن تمام معاملات سے نبٹ کر گھر جانے کے لئے پر تول رہا تھا' جب ایمان نے اسے روک لیا۔

"مشکل ہے۔ اس وقت ہم آسمانوں پر اُڑ رہے ہیں اور زمین والوں کی استدعا پر کان دھرنا مناسب نہیں سمجھتے۔" محسن نے شاہانہ اندازِ بے پروائی دکھایا۔

تم آسماں کی بلندی سے جلد لوٹ آنا
مجھے زمیں کے مسائل پہ بات کرنی ہے

ایمان نے برجستہ شعر پڑھا۔

"زمین کے بے شمار مسائل ہیں جن میں سرفہرست ماحولیاتی آلودگی' کرپشن اور اسلحے کی دوڑ

ہے۔ آپ کس مسئلے پر تبادلہ خیال کرنا پسند کریں گے؟"

دونوں چلتے ہوئے پارکنگ ایریا میں آ گئے تھے۔

"اس کے لئے آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔" مسئلے تک پہنچ کر ہی اُس کی نوعیت معلوم کی جا سکے گی۔ ہم تو بھئی آج تیسرا دن ہے زور لگا لگا کر تھک گئے۔"

ایمان اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی وائٹ کرولا تک لایا اور فرنٹ ڈور کا لاک کھول کر زبردستی اسے بٹھا دیا۔

"ارے ارے۔ یہ دن دہاڑے بلکہ شام ڈھلے ایک معقول و مقبول اور قابلِ قبول لیگل ایڈوائزر کا اغوا کیونکر ہو رہا ہے۔"

محسن شور مچاتا رہ گیا۔ ایمان نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"یار بات سن بھئی۔ میں ایک کشمکش میں مبتلا ہوں۔" وہ ہائی وے پہ گاڑی ڈالتے ہوئے بولا۔

"پرسوں نہیں بلکہ اس سے ایک دن پہلے رات کے وقت ایک لڑکی میری گاڑی سے ٹکرا کر زخمی ہوگئی تھی۔ اسے میں سید پور روڈ پر واقع نزدیکی نرسنگ ہوم میں لے گیا۔ ایک رات اور ایک دن تو اس کی ذہنی حالت اس قابل نہ تھی کہ کچھ بول یا بتا سکتی۔ کل شام کو ہوش میں آئی ہے مگر وہ صحیح طرح بات نہیں کر رہی۔ بالکل گم صم اور خاموش لیٹی رہتی ہے۔ آج صبح بھی میں نے اسے بلوانے کی بہتیری کوشش کی مگر نتیجہ ندارد۔ دوپہر کو چکر لگایا تو بڑی کوششوں کے بعد صرف اتنا ہوا کہ اس نے ایک جملہ ادا کیا۔

"مجھے دارالامان یا ایدھی ہوم بھیج دیں۔"

اس کے بعد کتنا ہی سر پٹخا اس کی چپ نہیں ٹوٹی۔

"اوہ......" محسن سیریس ہو گیا۔

"تُو خود بتا۔ بھلا ایسے میں اسے کس طرح ایدھی ہوم بھیج دوں! پتا نہیں کون ہے۔ کہاں سے آئی ہے۔ کس مقصد کے تحت گھر سے نکلی تھی اور کہاں کا قصد تھا۔ اب یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اسے دارالامان بھیج کر ذمے داری سے جان چھڑا لوں۔ یہ انسانیت کے تقاضوں کے خلاف ہوگا۔ دیکھنے میں وہ کوئی مصیبت زدہ لگتی ہے۔ میں چاہتا ہوں تم اُس سے ملو۔ اس سے کچھ اگلواؤ تا کہ اس

کا کوئی معقوب بندوبست کیا جا سکے۔تم وکیل ہو' قانونی طریقے سے ڈیل کر سکتے ہو۔ایسا نہ ہو کل
کلاں کو مجھ پر کوئی بات آ جائے۔''

باتوں باتوں میں وہ سید پور پہنچ چکے تھے۔

کوئی پوچھ لے تو میں کیا کہوں
اُسے کیا بتاؤں
کہ یہ روز وشب تو جنم جنم پر محیط ہیں
میرے زخم زخم دل ونظر
مجھے اس جنم میں نہیں ملے
میرے رت جگے' میرے ہم سفر
میرے ساتھ آج نہیں چلے
یہ مہیب وحشتِ فکر جو میرے نقش نقش کی روح ہے
کوئی بے ثبات بیاں نہیں
یہ تو آسمانوں کا عکس ہے
یہ تو دیوتاؤں کا دھیان ہے
یہ تو جانے کیسی
صدی صدی کی اذیتوں کا گیان ہے
یہ عجیب میرے غم والم
یہ نصیب سنگِ سیاہ پر
یہ ورق ورق پہ گڑے قلم
یہ کڑا حصار نیا نہیں
میرا انتظار قدیم ہے

راحت ساکت وصامت لیٹی چھت پہ نظریں گاڑے سوچوں کے عذاب ناک جال میں
پھڑپھڑا رہی تھی۔

ایک کے بعد ایک' پردۂ تصور پر کئی نقش بن اور بگڑ رہے تھے۔

''عرفان' جابر بھائی کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے' تم خواہ مخواہ ان پر شک کرتی ہو۔کتنا خیال رکھتے ہیں ہمارا۔اُن کا دیا تو
کھاتے ہیں ہم۔''عرفان کی ازلی بے پروائی۔

''تم کب تک بھائی کے ٹکڑوں پر پلو گے۔اپنا کاروبار کیوں نہیں کرتے؟''اس کا بارہا
احتجاج وہدایت

''پیسے نہیں ہیں۔''

پھر اُس کا زیور بیچ کر پیسے دینا اور عرفان کا بے دردی سے اُڑا دینا۔

جابر کے بڑھتے ہوئے ناپاک ہاتھ' طلعت آپا جیسی کمزور عورت کی کمزور تسلیاں اور پھر موقع
پا کر جابر کا اُس کی عزت پر ڈاکہ ڈالنا۔

اُس کا لٹے پٹے عالم میں گھر سے بھاگ کر گاڑی سے ٹکرانا۔

''آہ......آہ......'' یک لخت وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو بھینچتے ہوئے اِدھر اُدھر کسمسانے
لگی۔

''کیا ہوا بی بی۔آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟''

راحت نے تکلیف کے احساس کو دباتے ہوئے بمشکل اپنی بوجھل خالی آنکھیں کھولیں۔

سفید براق شرٹ اور گرے چیک کی پینٹ میں ملبوس گندمی صحت مند رنگت والا نوجوان
آنکھوں میں ہمدردی اور اپنائیت لئے اُس سے مخاطب تھا۔اس کے پیچھے وہی شخص تھا جو صبح اور
دوپہر کو آیا تھا اور اپنا نام ایمان بتاتا تھا۔

''ریلیکس۔ہمیں اپنا ہمدرد سمجھیں۔ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں اور یقین کریں اسی انداز
میں مدد کریں گے جس طرح آپ مناسب سمجھیں گی۔''سفید شرٹ والا نوجوان آگے بڑھ آیا تھا۔
اس کا لہجہ نرم تھا۔

''اگر آپ کو تکلیف زیادہ نہیں ہو رہی تو میں کچھ سوال پوچھ سکتا ہوں۔''وہ اس کے سامنے
کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

راحت کی نظریں بلا ارادہ ایمان پر ٹک گئیں۔

ایمان سامنے والی بینچ پر بیٹھا تھا۔اس کی آنکھوں میں چھپے تجسس کو پڑھ کر وہ بولا۔

"مس۔ یہ ایک معروف وکیل ہیں۔ مسٹر محسن آفتاب۔ وکلا کی انجمن حقوقِ انسانی کے ممبر بھی ہیں اس لئے یہ آپ کے کیس کو بہتر طریقے سے ہینڈل کر سکتے ہیں۔ آپ کو بھرپور قانونی تحفظ فراہم کر سکتے ہیں اس لئے آپ بے فکر ہو کر ان سے اپنی بات کہہ سکتی ہیں۔ اگر میرے یہاں موجود رہنے سے کوئی دشواری ہے تو میں باہر چلا جاتا ہوں۔"

ایمان پرائیویسی کے پیشِ نظر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

تاکہ وہ کھل کر محسن سے اپنی داستان کہہ سکے۔

تھوڑی دیر تک کمرے میں خاموشی رہی۔

محسن نے خود سے کچھ نہیں کہا۔

وہ منتظر تھا کہ وہ ازخود بات شروع کرے۔

بالآخر راحت نے اپنی ہمتیں مجتمع کر کے زبان کھولی۔

"آپ کس طرح میری قانونی امداد کر سکتے ہیں؟"

اُس کا لہجہ نقاہت کے ساتھ ساتھ مایوسی اور اذیت سے بھرپور تھا۔

"آپ کس طرح کی یقین دہانی چاہتی ہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"آپ مجھے مسئلے کا وہی ایک روایتی حل نہیں بتائیں گے کیونکہ میں واپس نہیں لوٹ سکتی۔ کچھ بھی ایسا نہیں۔ جس کے لئے میں واپس لوٹوں۔ کچھ بچا ہی نہیں ہے۔"

"میں جو کچھ بھی کہوں یا کروں گا وہ آپ کے بہترین مفاد میں ہوگا۔ اس بات کا یقین رکھیں آپ۔"

"راحت نے اٹک اٹک کر اپنی ساری کتھا سنا دی۔

محسن بہت دیر تک سوچتا رہا۔

"میں ایک واشگاف حقیقت سے پردہ اٹھانا چاہتا ہوں۔" وہ بالآخر بولا۔

"جابر علی ہماری کنسٹرکشن کمپنی کا سپروائزر تھا اُسے اور اس کی بیوی انیتا کو کمپنی سے غداری اور جاپانی انجینئرز اغوا کی پلاننگ کے جرم میں حوالہ پولیس کر دیا گیا ہے۔ یہ واقعہ تین روز قبل پیش آیا تھا۔"

"اوہ......!" وہ چونکی اور پھر اُس کی نظروں میں بہن طلعت کی شکل گھومنے لگی۔

وہ بے چاری مظلوم عورت اب کیا خاوند کو جیل سے چھڑانے کے لئے باقی کی عمر رُلے گی؟

"آپ کو گھر سے نکلے ہوئے آج چوتھا روز ہے۔ چار دن کے بعد گھر واپس جائیں گی تو ظاہر ہے نہ سسرالی قبول لیں گے اور نہ ماں باپ۔ خصوصاً آپ کی ساس نے تو آپ کے خاوند کو پٹیاں پڑھا کے سرتاپا آپ کے خلاف کر دیا ہوگا۔ واپسی کا کوئی راستہ ہے بھی نہیں اور فوری طور پر تو کسی صورت بھی نہیں ہے۔ جس طبقے سے آپ کا تعلق ہے وہاں ایسے کیسز میں یہی ہوتا ہے کہ غیرت کے نام پر قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا جائے۔"

محسن سوچ میں گم بولا۔

"سردست آپ کو ایدھی ہوم بھیج دیتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے جیٹھ کے خلاف زنا بالجبر کا پرچہ کٹوایا جائے گا اور پھر آپ کے خاوند کو عدالت میں طلب کر کے ساری صورتِ حال بتا کر آپ کو عزت کے ساتھ اپنانے یا پھر دوسری صورت میں شرافت سے چھوڑ دینے کا حکم دیا جائے گا۔ مزید تفصیلات میں اپنے ساتھی وکلا سے طے کروں گا۔ ہم اپنی نگرانی میں آپ کو ایدھی ہوم چھوڑ کر آئیں گے اور فیصلہ ہونے تک پوری طرح آپ کی حفاظت کریں گے۔"

محسن نے ہر طرح سے اس کی تسلی کرادی۔

"ایمان بھائی بھی اسی کمپنی میں کام کرتے ہیں۔ بہت اچھے اور ہمدرد انسان ہیں۔"

"ہاں۔" وہ آہستگی سے بولی "اچھے ہی ہیں تو یہاں تک لے آئے ورنہ یونہی چھوڑ کر چلے جاتے۔ بے بسی سے مرنے کے لئے۔"

"آپ اب آرام کریں۔ زیادہ نہ سوچیں۔ ہم پھر آئیں گے۔ ابھی تین چار روز تک آپ کو یہیں ایڈمٹ رکھنا ہے۔ ہماری ڈاکٹرز سے بات ہوئی ہے۔ خدا حافظ۔"

وہ باہر نکل گیا۔

ایمان کوریڈور میں ٹہل رہا تھا۔

محسن اسے لے کر باہر آ گیا اور ساری صورتِ حال اس کے سامنے رکھ دی۔

ایمان تاسف سے سر ہلانے لگا۔

"یہ بے چاری تو بہت بڑے ظلم کا شکار ہوئی ہے۔ ہمیں اس کی اخلاقی اور قانونی مدد کرنی چاہئے۔"

"وہ تو ہم کریں گے ہی۔ میرے ذہن میں ایک نسبتاً امن پسند آئیڈیا بھی ہے اگر اس طرح سے معاملہ سلجھ جائے تو زیادہ طوالت یا بگاڑ واقع نہیں ہوگا۔"

"ارشاد فرمائیں۔"

"میں اپنی کزن نگین کو اس خاتون کے محلے میں بھیجتا ہوں۔ ایک تو سن گن لے کے وہ یہ معلوم کرے گی کہ بات کہاں تک پھیلی ہے اور دوسرا اس کے سسرال میں جا کر اس کے خاوند اور ساس کو صورتِ حال بتا کر قائل کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ اگر اس کا خاوند اس کا یقین کر کے اس کا حمایتی بن جاتا ہے تو پھر سارا مسئلہ ہی حل ہو جائے گا۔ بعد میں میں اور تم دونوں مل کر اسے آگے کی صورتِ حال واضح کر کے اس خاتون کی گواہی دے سکتے ہیں کہ وہ چار دن کسی ایسی ویسی جگہ پر نہیں بلکہ عزت و حفاظت کے ساتھ ہسپتال میں رہی ہے۔"

"ہاں اور اس کے بعد اگر وہ خود اسے یہاں سے لینے آتا ہے تو اس کا بڑا خوشگوار اثر پڑے گا۔"

ایمان نے تائید کی۔

"ویسے کمال آدمی ہو! ایک گونگی عورت کو بلوالیا۔"

ایمان کے لہجے میں تحسین تھی۔

"اجی وکیل اسی چیز کے تو پیسے لیتے ہیں۔ گڑے مردے اکھیڑتے ہیں، گونگوں کے منہ میں زبان دیتے ہیں اور ایک کا مدعا دوسرے کو سمجھاتے بتاتے ہیں۔"

وہ لوگ گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔

"اب سزا یہ ہے کہ مجھے آئی ٹین فور میرے گھر پہ اتار دیں آپ۔"

"ہم ایسی چھوٹی موٹی مہربانیاں چھوٹے موٹے لوگوں پر کرتے ہی رہتے ہیں۔ کون سی نئی بات ہے۔"

ایمان نے شانِ استغنائی سے کہا۔

جواب میں محسن اسے آنکھیں دکھانے لگا۔

"مسئلہ حل ہو گیا ہے تو بے عزتی پریڈ شروع کر دی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے کیسے معصوم بنے ہوئے تھے۔"

"لے بھئی۔ چل اتر۔ پھٹا کھا۔ آ گیا تیرا غریب خانہ۔"

"دولت خانہ۔" محسن نے دروازہ کھولتے ہوئے تصحیح کی۔

"اور اب شرافت سے آپ بھی بریک پر سے پاؤں ہٹالیں اور گاڑی بند کر کے نیچے اتریں۔"

وہ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف کا دروازہ کھول کر ایمان کو نیچے اترنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

"ارے ارے میں اس وقت جلدی میں ہوں پھر آؤں گا۔" وہ جلدی سے بولا۔

محسن نے چابیاں اگنیشن سے نکال کر جیب میں ڈال لیں۔

"ایسی کی تیسی آپ کی جلدی کی۔" محسن نے قطعاً پروا نہ کی۔

"اندازہ کرو۔ کس درجہ بدتمیز اور زبان دراز ہو گیا ہے، اپنے سینئر ساتھی کے سامنے۔" ناچار ایمان گاڑی سے نکل آیا۔

محسن نے ہنستے ہوئے گیٹ کی بیل پر ہاتھ رکھ دیا اور بجاتا چلا گیا۔

"اللہ کے بندے، بس کر، کیوں جوتے کھانے کا ارادہ ہے۔"

ایمان نے ٹوکا۔

"اس طرح جلدی کھلتا ہے گیٹ۔ ابھی دیکھنا ذرا۔"

محسن نے گیٹ سے اُچک کر اندر دیکھا۔

نگین غصے میں آگ بگولا لال سرخ چہرے لئے باہر آئی تھی۔ کانوں میں انگلیاں ٹھونسی ہوئی تھیں۔

"محسن کے بچے۔ آج تو تمہاری مزیدار سی چٹنی رات کے کھانے کے لئے بن کے رہے گی۔ نہیں چھوڑوں گی میں آج۔"

نگین نے غضب ناک ہو کر کھٹاک سے گیٹ کھولا اور اس سے پہلے کہ اُس پر حملہ آور ہوتی اُس کے برابر کھڑی نو وارد شخصیت کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئی۔

"اب سمجھ آیا میں کیوں تمہیں اپنے ہمراہ لے جانے پر بضد تھا۔" محسن نے شرارت سے ایمان کو ٹہوکا مارا۔

"السلام علیکم مس نگینہ۔ میں ہوں ایک کامیاب اور مشہور و معروف وکیل محسن آفتاب اور یہ

ہیں ہماری کمپنی کے سینئر ممبر جناب ایمان صاحب۔ یقیناً آپ کو ہم سے مل کر خوشی ہوئی ہوگی۔"

محسن نے بڑی خوش خلقی سے آغاز کیا۔

"آیئے، تشریف لائیے۔" محسن کو ایک زبردست گھوری ڈینے کے بعد اُس نے ایمان کو اندر چلنے کا اشرہ کیا۔

"کون میں؟" محسن نے بناوٹی حیرت سے کہا "اچھا شکریہ۔"

"آپ بھی مریں اندر۔" وہ دانت پیس کر بولی تھی۔

"چلیں جی سب اکٹھے ہی مرتے ہیں۔" ایمان خوش دلی سے ہنسا۔ زبردستی لائے جانے کی ساری کوفت زائل ہوگئی تھی۔

"اظہر اور مادرِ محترم کہاں ہیں؟"

اندر آکر محسن نے چہار اطراف کا جائزہ لیا۔

"خالہ نہا رہی ہیں اور اظہر ابھی کلینک سے نہیں لوٹا۔ آپ چائے لیں گے یا ٹھنڈا؟" نگین نے آخر میں ایمان سے سوال کیا۔

"کون میں؟ مجھے وقفے وقفے سے دونوں چاہئیں۔"

محسن پھر بول پڑا "پہلے ٹھنڈا پھر دس منٹ بعد چائے مع لوازمات۔"

"تم پٹو گے آج مجھ سے۔" نگین نے تنگ آکر دھمکی دی۔

اسی دوران میں بیگم ریاض آگئیں اور بات کا رخ بدل گیا۔

✿✿✿

[illegible]

"آپ نے کل ایک کام کرنا ہے استانی جی!" محسن نے کمر کے پیچھے سے کشن نکال کر گود میں رکھا اور صوفے پر چوکڑی مار کر بیٹھ گیا۔

"یہ کیا طریقہ ہے بیٹھنے کا؟" بیگم ریاض ہمیشہ اُس کے اس انداز پر خفا ہوتی تھیں۔

"یہ ایک نہایت آرام دہ طریقہ ہے تشریف رکھنے کا" محسن بولا۔

"ہاں، میں نے جنگل کے باسیوں کو اکثر اسی طرح تشریف رکھے ہوئے دیکھا ہے" نگین نے سر ہلایا۔

"لو، جنگل والوں کی طرف پہنچنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے تو تمہیں بھی اسی طرح بیٹھے ہوئے کئی بار دیکھا ہے۔"

"اس سے پہلے کہ آپ دونوں مہابھارت شروع کریں، ازراہِ کرم بات کا سلسلہ وہیں سے جوڑ دیں جہاں سے ٹوٹا تھا" ایمان نے دخل اندازی کی۔

"بھلا بات بھی کوئی دل ہے کہ جو ٹوٹ گیا یا ستارہ ہے کہ ٹوٹ کر زمین پر آگرا یا کوئی وعدہ ہے یا پھر شیشے کا گلاس ہے جو......"

"آنٹی، یہ 'آف' کہاں سے ہوتے ہیں؟" ایمان نے زچ ہو کر بیگم ریاض سے رجوع کیا۔

"افسوس کہ ان کا سسٹم آٹومیٹک ہے۔ آن آف کا سوئچ برآمد نہیں ہو سکے گا۔" نگین نے

www.Paksociety.com

افسوس سے اطلاع دی۔

''لاحول ولاقوۃ۔ کیا اول فول ہانکنے لگے ہو۔ محسن! تم باز آتے ہو یا پھر دوں ایک ہاتھ'' بیگم ریاض نے گھور کر اُسے دیکھا۔

''ایک ہاتھ سے اس کا کیا بنے گا۔ اسے کم از کم تین عدد دھوبی پٹخے درکار ہوں گے سیدھا ہونے کے لئے۔'' نگین بول پڑی۔

''حد ہوگئی بھئی۔ آج تو تم بھی برابر کان کاٹ رہی ہو۔''

''اوہ اچھا خالہ! لیجئے میں ہوگئی چپ'' نگین نے جلدی سے منہ پر انگلی رکھ لی۔ اس کے ہونٹوں پر شریری مسکراہٹ تھی۔

ایمان بڑی دلچسپی سے ان کی نوک جھوک ملاحظہ کررہا تھا۔ آیا تو وہ محسن کی زبردستی کی سفارش سے تھا مگر یہاں کے پُر رونق ماحول میں ساری جلدیاں بھول کر باتوں میں گم ہوگیا تھا۔

''بھئی' بات مختصراً یہ ہے کہ ہمیں ایک کیس میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔'' ایمان نے نگین کو مخاطب کیا۔

''کون سے کیس میں......؟'' وہ دلچسپی سے بولی۔ جواب میں ایمان نے سارا احوال کہہ دیا۔ بیگم ریاض کھانے پینے کا بندوبست کرنے کچن میں چلی گئی تھیں۔

''کیا نام ہے اُس لڑکی کا......؟'' حالات' محلے کا نام اور دیگر تفصیلات سنتے ہی راحت کا تصور جیسے کسی آگہی کی طرح اچانک ذہن میں اترا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نام پوچھتے ہوئے اس کا لہجہ نامعلوم خدشات کے بوجھ تلے تھرتھرا رہا تھا۔

''راحت بی بی!''

''اوہ!'' اس کے وجود میں سنسنی دوڑ گئی۔

تو بالآخر یہ انجام ہوا تھا اس بے چاری مظلوم اور باحوصلہ لڑکی کا۔ اُسے عجیب سی بے کلی ہو رہی تھی' اس سے ملنے کی' اُسے دیکھنے کی۔ اس کا دکھ کم کرنے کی گو کہ یہ کہنے کی باتیں تھیں۔

بے آبروئی کے دکھ کہاں مدھم ہوا کرتے ہیں۔

عورت کے لئے اس سے بڑھ کر عذاب دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ مرتے دم تک یہ احساس روح کی جڑیں کاٹتا رہتا ہے۔ دل کو انتقام کی آگ میں سلگاتا رہتا ہے۔

''میں راحت کو دیکھنے ہسپتال چلوں گی۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''ضرور...... لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری ہے اس کے لواحقین سے رابطہ کرنا اور انہیں صورت حال بتا کر کسی بہتر نتیجے پر پہنچنا'' ایمان بولا۔

''اظہر آجاتا ہے تو اس سے مشورہ کرکے ہم مریضہ کو اس کے کلینک میں ایڈمٹ کرادیتے ہیں'' محسن نے رائے دی۔

''یہ زیادہ بہتر رہے گا' اس طرح وہ محفوظ بھی ہوجائے گی اور اس کا علاج بھی تسلی بخش طریقے سے ہوتا رہے گا۔'' ایمان نے فوراً تائید کی۔

''یہ حضرت ابھی تک آئے کیوں نہیں؟'' محسن کو بے چینی ہوئی۔

''شام کو دو گھنٹوں کے لئے ایک اور کلینک میں بھی بیٹھتا ہے۔ اس لئے ان دنوں لیٹ آتا ہے۔'' نگین نے بتایا۔

''لو بھئی' سنجو تے مترو! میں چلتا ہوں پھر'' ایمان نے اٹھنے کا قصد کیا۔

''دوبارہ ضرور آیئے گا'' نگین نے مہمان نوازی نبھائی۔

''جی ہاں' اس چڑیا گھر میں آپ کے لئے بھی کافی جگہ ہے'' محسن نے سر ہلایا تھا۔

''سمجھ لوں گا تم سے'' ایمان مسکراہٹ دبا کر اسے گھورتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

O☆O

سعود باہر کے ٹور سے واپس آیا تو نئی نئی خبریں اُس کی منتظر تھیں۔ جب اسے یاسمین بیگم اور اس کی بیٹی مہرینہ کی درپردہ سازش کے بارے میں بتایا گیا تو اس کے حواسوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

''نہیں' نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ مہرینہ مجھے اتنا بڑا دھوکا کیسے دے سکتی ہے۔''

اُس کی نظروں میں زمین آسمان گول گول گھوم رہے تھے۔ دماغ جیسے خلا میں چک پھیریاں کھانے لگا تھا۔ اس نے ملک ہاؤس کے ایک ایک مکین سے بیان کی تصدیق کرائی۔

سب کا بیان ایک تھا۔

وہ پاگل ہونے لگا۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے گویا اس کا پیار دکھاوے کا تھا۔

وہ محبت کی حسین ورنگین گھڑیاں دھوکا تھیں' روپے پیسے اور جائیداد کے لالچ میں رچایا جانے والا ڈرامہ تھا' وہ تو سمجھ رہا تھا کہ اس کے جذبوں کی سچائی رنگ لے آئی ہے جو وہ اتنی مہربان اور موم ہوگئی ہے۔ وہ تو خود پر' اپنی محبت کی شدتوں پر نازاں رہتا تھا کہ آخر اس کے جذبے جیت گئے۔

سب کہتے تھے بلکہ لتاڑتے تھے کہ یوں اندھا دھند دولت جائیداد اس کے ہات گروی نہ رکھتے جاؤ' وہ تمہیں لوٹ رہی ہے۔ تباہ و برباد کررہی ہے۔ تمہارا دامن خالی کررہی ہے۔ ہوش کے ناخن لو اور آنکھیں کھول کر دنیا کو دیکھو۔

وہ سمجھتا تھا' گھر والے اسے مہرینہ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کررہے ہیں۔ انہوں نے آج تک مہرینہ کو قبول نہیں کیا۔ ذہنی طور پر ملک ہاؤس کی مستقل مکین نہیں سمجھا۔ اس لئے اس سے غیریت کا سلوک کرتے ہیں اور اُس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

اُس نے مہرینہ کی محبت میں ہر طرف سے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ جب وہ اس کی آغوش میں ہوتی تو وہ ہر شے کو فراموش کردیتا تھا۔ یاد رہتا تھا تو بس یہ کہ

میں ہوں' تم ہو' رات ہے اور تنہائی۔

آج ساری بے خبریوں کی گرہیں کھل رہی تھیں۔ ہر حقیقت آنکھوں کے آگے چکر کھارہی تھی۔

دھند چھٹی تھی تو حالات کا بدصورت اور بھیانک چہرہ اپنی پوری ہیبت اور کراہیت کے ساتھ نمودار ہوگیا تھا۔

وہ کافی دیر تک کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ سوچ سوچ کے دماغ چھلنی ہوگیا تھا۔ پھر جیسے وہ کوئی فیصلہ کرکے اُٹھا۔ چابی اٹھائی اور پورچ کا رخ کیا۔

"کہاں جارہے ہو؟" آپا بیگم کو شاید اس کے ارادوں کا پتا تھا اسی لئے چوکنا ہوکر باہر کوریڈور میں ٹہل رہی تھیں۔

"مہرینہ سے ملنے" وہ اپنے آپ میں نہیں لگ رہا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے" انہوں نے سختی سے کہا۔

"کیوں ضرورت نہیں ہے؟" وہ بگڑ کر بولا' میری بیوی ہے وہ' میں خود بات کروں گا۔"

"کیا بات کرو گے؟ وہ اس کا بازو تھام کر اندر کی طرف مڑیں۔ اس وقت اس سے کچھ بھی

کہنا بیکار ہے۔ وہ اپنی ماں کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہے۔ تمہاری بات نہیں سنے گی۔ تم جلد بازی مت کرو۔ یہ صرف تمہارا معاملہ نہیں ہے' ملک ہاؤس میں رہنے والے ہر شخص کی عزت کا مسئلہ ہے۔ ملک بابا اپنے طور پر معاملہ سلجھانے کی کوششوں میں ہیں۔ ہم نمٹ لیں گے' کسی طریقے سے' تم اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو۔ جاؤ اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو۔" وہ اسے صوفے پر بٹھا کر بولیں۔

"کس طرح نمٹ لیں گے آپ لوگ۔ اور ملک بابا تو ویسے بھی ہر چیز کا علاج غصے اور جلال سے کرتے ہیں۔ بیٹھے بٹھائے سارا معاملہ بگاڑ دیں گے۔ میں سنبھال لوں گا خود ہی۔"

"آرام سے بیٹھو تم۔ پہلے بھی انہی جلد بازیوں نے ڈبویا ہے" آپا بیگم غصے سے بولیں۔

"تمہاری حماقتوں کی وجہ سے یہ دن دیکھنے پڑے ہیں۔ بہت مان لی تمہاری' اب ہم خود سنبھالیں گے سب کچھ۔ فکر ہمیں بھی تم سے کم نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے مرحوم بھائی کی نشانی ہے۔ ہم تو اس بات کو روتے رہے تھے کہ تنویر شادی اور اولاد کے سکھ سے آشنا ہونے سے پہلے ہی چل بسا۔ اپنی کوئی نشانی نہیں چھوڑی کہ دل بہل جاتا۔ یہ خبر نہیں تھی کہ وہ خفیہ طور پر گھر بسا چکا ہے۔ خیر' اب وہ تو اس دنیا میں نہیں رہا لیکن اس کی بیوی اور اولاد کو اپنانا ہماری ذمے داری ہے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ تنویر کی بیٹی اب اس گھر کی بہو بھی بن چکی ہے۔"

سعود خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگا۔ ذہن میں بہت سے خیالات چکرا رہے تھے' شاید اسے خود سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اسے کس طرح کا ردِعمل دکھانا چاہئے۔

اشتعال' غصہ' بےبسی۔ بےوقوف بنائے جانے کی تکلیف' فریب کا شکار ہونے کی اذیت۔

کبھی دل چاہتا مہرینہ اور اس کی ماں کو جان سے مار دے کہ دھوکا دہی کا یہی جواب ہونا چاہئے۔

کبھی جی چاہتا خود کو ختم کرلے۔ اب زندگی میں باقی رہ بھی کیا گیا تھا۔ کبھی مہرینہ کی محبت جاگ اٹھتی اور اسے اس کے پاس جاکر منالانے کو بےقرار کرتی۔ اور کبھی وہ بالکل بےبس اور مایوس ہوکر خود کو حالات کے دھارے پر عجیب کشمکش تھی۔

O☆O

آج بازار میں پا بجولاں چلو
چشم نم جان سوزیدہ کافی نہیں

تہمت عشق پوشیدہ کافی نہیں
آج بازار میں پا بجولاں چلو
دست افشاں چلومست رقصاں چلو
خاک برسر چلو خوں بداماں چلو
راہ تکتا ہے شب شہر جاناں چلو
حاکم شہر بھی مجمع عام بھی
تیر الزام بھی سنگ دشنام بھی
صبح ناشاد بھی روز ناکام بھی
ان کا دم ساز اپنے سوا کون ہے
شہر جاناں میں اب باصفا کون ہے
دستِ قاتل کے شایان رہا کون ہے
رختِ دل باندھ لو دل فگارو چلو
پھر ہمی قتل ہوں آئیں یارو چلو

صائمہ کی شکایتی نظر بہت دور تک شہریال کے اندر سوراخ کرتی چلی گئی تھی۔

رات سے صبح ہوئی اور صبح شام میں بدل گئی۔ مگر اس کے دل کی بے چینی رفع ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ رہ رہ کر احساسِ ندامت اسے کاٹتا تھا۔ وہ کون سی طاقت تھی جس نے مجھے سکندر کے مقابلے میں صائمہ کو سرخرو کرنے پر آمادہ کیا۔ وہ بار بار خود سے سوال کرتی' جواب تو اس کے پاس تھا مگر یہ جواب اس کی منصفانہ ..... طرزِ فکر پر کاری ضرب تھی۔ وہ تو خاندانی وابستگیوں اور حسب نسب کے غرور کو نہیں مانتی تھی' وہ تو برابری' اخوت اور رواداری کی باتیں کرتی تھی۔ انسانیت اور باہمی یکسانیت کے نعرے لگاتی تھی۔ نسلی تفاخر اور غرور کو پسند نہیں کرتی تھی۔ پھر کیوں کس رو میں بہک کر اس نے سکندر کا ساتھ نہیں دیا۔

وہ کھڑکی میں کھڑی عقبی صحن کے وسیع وعریض احاطے پہ بچھی سبزے کی چادر اور چاروں کونوں پر لگے مختلف پیڑوں کی لائن پر بے خیالی میں نظریں جمائے ہوئے تھی۔ بہت دیر تک سوچتے رہنے کے بعد بالآخر اس نے کوئی لائحہ عمل ترتیب دے لیا۔

''بشیراں'' اس نے باہر نکل کر بڑی سی سٹیل کی پرات میں چاول چھٹکتی ملازمہ کو آواز دی۔

بشیراں تیس بتیس سالہ بیوہ عورت تھی۔ تین بچے تھے۔ خاوند چار سال پہلے مرا تھا۔ اس کے بعد سے وہ حویلی میں کام کر رہی تھی۔ صلح جُو طبیعت کی کم گو سی عورت تھی۔ بلا کی محنتی اور پھرتیلی تھی۔ چپ چاپ کام میں لگی رہتی۔ دوسری نوکرانیوں کی طرح آپس میں ہنسی ٹھٹھول اور باتیں بگھارنے کی عادت نہ تھی' نہ اس نے کبھی ملکانیوں سے کوئی پرانا سوٹ' جوتا یا ہار بُندے لینے کے لئے خوشامدیں کیں۔ جتنا ملتا تھا صبر شکر کر کے محنتانہ وصول کر لیتی تھی۔ کام چوری' اپنا کام دوسری ملازمہ پر ڈالنا یا لالچی فطرت کا مظاہرہ کرنا اس کے مزاج کا حصہ نہیں تھا۔ اس کی اچھی خوبیوں کی وجہ سے شہریال اس کے ساتھ خصوصی طور پر نرم برتاؤ رکھتی تھی اور کسی حد تک اس پر اعتماد بھی کر سکتی تھی۔

''جی چھوٹی بی بی!'' اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

''یہ کام ختم کر کے میرے کمرے میں آؤ'' شہریال نے دبی آواز میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد بشیراں دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی مستعدی سے اُس کے سامنے کھڑی تھی۔

''دروازہ بند کر دو۔''

بشیراں نے حکم کی تعمیل کی۔

''تم یہاں کتنے عرصے سے کام کر رہی ہو؟'' وہ کمرے میں ٹہل رہی تھی۔

''جی' چار سال ہو گئے ہیں'' اس نے سر جھکا کر حسب عادت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

''کیا تم جانتی ہو' حویلی کے نیچے کوئی تہ خانہ ہے؟'' شہریال بہت غور سے اس کی شکل جانچ رہی تھی۔

''جی؟'' وہ پہلے حیران ہوئی پھر گھبرا گئی۔ ''کیسا تہ خانہ جی؟''

''جہاں ''خاص'' قسم کے قیدیوں کو رکھا جاتا ہے۔'' وہ مسلسل بشیراں کے چہرے پر نگاہ جمائے ہوئے تھی۔

وہ فوری جواب نہ دے سکی اور ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مسلنے لگی۔

''دیکھو بشیراں' میں تم پر بہت بھروسا کرتی ہوں۔ تم ایک محنتی اور دیانت دار عورت ہو' باقی ملازماؤں سے قطعی مختلف ہو۔ اسی لئے میں نے اپنے کام کے لئے تمہارا انتخاب کیا ہے کیونکہ مجھے

یقین ہے' صرف تم ہی راز داری نبھا سکتی ہو۔ مجھے تہ خانے کا راستہ معلوم کرنا ہے۔ میں یہاں زیادہ آتی جاتی نہیں ہوں اس لئے حویلی کے پوشیدہ مقامات اور معاملات سے کافی حد تک لاعلم رہی ہوں۔ یہ بات بھی مجھے کل ہی پتا چلی ہے کہ یہاں کوئی تہ خانہ ہے' جہاں حویلی کے مجرموں کو سزائے عبرت دی جاتی ہے۔''

''وہاں تک پہنچنا بہت مشکل ہے بی بی جی! اس میں جان کا خطرہ ہے۔ وہاں ڈیوٹی دینے والوں کو حکم ہے کہ ایک پتا بھی کھڑکے تو بغیر سوچے سمجھے گولی چلا دو۔ جب ملک جی یا ان کے بندے وہاں جاتے ہیں تو وہ پہلے ایک مخصوص اشارہ کر دیتے ہیں پھر آگے بڑھتے ہیں۔ اگر اشارہ نہ دیں تو کلاشنکوفوں والے ان پر بھی گولیاں برسا دیں۔ پر بی بی! کا اُدھر کیا کام ہے؟''

''مجھے ہر حال میں وہاں تک پہنچنا ہے بشیراں!'' اس کا لہجہ مضطربانہ تھا۔

''ایک ظلم کر چکی ہوں' دوسرا ہوتے نہیں دیکھ سکتی وگرنہ تاعمر میرا ضمیر مجھ پر تازیانے برساتا رہے گا۔'' وہ خود سے ہمکلام تھی۔

''تم یہ بتاؤ' تم مجھے کسی طرح وہاں تک پہنچا سکتی ہو۔ میں تمہیں اس کام کا منہ مانگا انعام دوں گی۔''

''مجھے انعام کا لالچ نہیں ہے چھوٹی بی بی!'' وہ لجاجت سے بولی ''لیکن تہ خانے تک پہنچنا بڑا خطرناک کام ہے۔''

''خطرناک کام بھی بہادر لوگ ہی کیا کرتے ہیں۔ تم بتاؤ' کیا تم مجھے وہاں تک پہنچا سکتی ہو؟''

''وہ جی!'' بشیراں کچھ جھجکی ''اس کے لئے مجھے جیرے سے بات کرنا ہوگی۔ پر آپ وہاں جائیں گی کس لئے؟''

''مجھے کسی قیدی کو آزاد کرانا ہے'' اس نے مختصراً کہا۔

''یہ جیرا کون ہے؟''

''انہی بندوں میں سے ایک ہے جو تہ خانے پر پہرہ دیتے ہیں۔''

''تمہاری اس سے کوئی جان پہچان ہے؟'' بشیراں کچھ گھبرا سی گئی۔

''اصل میں بی بی جی! وہ بڑے عرصے سے مجھ سے بیاہ کرنے کے چکروں میں ہے۔ میں

بال بچے دار عمر والی عورت ہوں۔ وہ کنوارا ہے۔ اسے اور بھی مل سکتی ہیں۔ پھر اولاد والی کو اپنی شادی بیاہ میں کیا دلچسپی۔ مگر وہ نہیں مانتا' ابھی تک آس لگائے پھرتا ہے۔ اسی نے مجھے تہ خانے اور وہاں کے پہرے کے متعلق بتایا تھا۔''

''بہت خوب!'' شہریال نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا۔ ''گویا تہ خانے تک پہنچنے کا راستہ صاف ہوگیا ہے۔''

''بی بی جی! آپ سیانی ہیں' بہتر سمجھتی ہوں گی پھر بھی میں کہوں گی کہ اپنی جان خطرے میں نہ ڈالیں۔'' بشیراں نے التجائیہ کہا۔

''کیا تم جانتی ہو' میں تہ خانے میں کیوں جانا چاہتی ہوں؟'' شہریال نے اچانک بشیراں کی طرف دیکھا۔

''میں جانتی ہوں بی بی جی!'' اس نے ٹھنڈی سانس لی ''آپ کا دل بہت اچھا اور نیک ہے۔ کسی غریب پر ظلم برداشت نہیں کرتا۔ آپ سکندر کی جان بچانا چاہتی ہیں پر بی بی جی' آپ کے کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ملک جی اُسے نہیں چھوڑیں گے۔ وہ تو معمولی معمولی باتوں پر بندہ الٹا لٹکا دیتے ہیں' کہاں اتنا بڑا گناہ!''

''تمہارا کیا خیال ہے' سکندر کے جرم کے بارے میں؟'' شہریال نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''بی بی جی! زبان بند ہے مگر آنکھیں تو کھلی ہوتی ہیں ناں' وہ عجیب سے انداز میں بولی ''صائمہ بی بی کو سکندر کے پیچھے آتے' اسے خواہ مخواہ روکتے اور بلاوے دیتے کئی بار ان گنہگار آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں مگر آپ کی طرح میں بھی اُس کے حق میں گواہی نہیں دے سکتی۔ مجبور ہوں اپنی جگہ۔''

''تہ خانے میں سکندر کے علاوہ بھی اور لوگ بند ہیں؟''

''نہ جانے کتنے بدنصیب قید ہوں گے۔ اور کتنے مسلسل ظلم سہہ سہہ کر مر چکے ہوں گے۔'' وہ دکھ سے بولی ''جتنے بندے قید ہیں' یہ چھوٹ کر آج عدالتوں میں پہنچ جائیں نا بی بی جی! تو آپ دیکھئے گا ملکوں کو قدم جمانے کے لئے زمین نہیں ملے گی' ایسا بھاگیں گے۔''

''تم ملکوں کی حویلی میں کھڑی ہو کر ایسی باتیں کر رہی ہو' کیا تمہیں خوف نہیں آتا؟''

شہریال کو کرید ہوئی۔

''میں جانتی ہوں آپ حویلی کے دوسرے لوگوں سے مختلف ہیں۔ آپ کچھ اور طریقے کی بی بی ہیں۔ اسی لئے تو آپ سے اتنی باتیں کر گئی ہوں ورنہ آپ دیکھتی رہتی ہیں' میں کتنا کم بولتی ہوں۔''

''بہر حال اب جاؤ' جیرے کے پاس اور اس سے ہماری بات طے کر کے کوئی راستہ بنانے کا کہو۔ مگر احتیاط سے۔''

''میں سمجھ گئی بی بی جی!'' وہ مستعدی سے کمرے سے نکل گئی۔ شہریال بے چینی سے ٹہلنے لگی۔

حویلی میں ملک بابا اور بڑی اماں آ چکے تھے۔ شہریال کو بالا بالا معلوم ہو چکا تھا کہ سکندر کو آج کل میں عبرت ناک سزا دے کر موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے دل کو پنکھے لگے ہوئے تھے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا' اس کی ٹینشن میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

رات کے دس بجے کے قریب بشیراں اس کے کمرے میں آئی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے تھی۔

''اتنی دیر کر دی تم نے؟'' شہریال نے دروازے بند کرنے کے بعد برہمی سے اُسے مخاطب کیا۔

''اصل میں جب میں آپ کے پاس سے گئی تو بڑی ماکانی جی کی خاص ملازمہ خورشیداں سے ٹاکرا ہو گیا۔ وہ ساری نوکرانیوں کی نگرانی کا کام بھی کرتی ہے' اسی کے کہنے پر نوکرانیوں کو رکھا اور نکالا جاتا ہے' اس لئے سب اُس سے ڈرتی ہیں۔ وہ پوچھنے لگی۔ چھوٹی بی بی کے کمرے میں دروازہ بند کر کے میں ایک گھنٹے سے اندر گھسی کیا کر رہی تھی۔ میں گھبرا گئی پھر بہانہ بنایا کہ آپ کے کندھوں میں درد ہو رہا تھا' میں تیل سے مساج کر رہی تھی اس لئے آپ نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ یہ سن کر وہ چپ ہو گئی' میں نے سوچا اس سے پہلے کہ وہ کھنک جائے' بہتر یہی ہے کہ اب اس کے سامنے دوبارہ آپ کے کمرے میں نہ جاؤں اور اس کے جانے کا انتظار کروں۔ ابھی وہ کھانا اپنے گھر کے لئے پوٹلی میں باندھ کے لے کے حویلی سے نکلی ہے تو آپ کے پاس آئی ہوں۔''

''اچھا کیا'' شہریال کو اس کی سمجھ داری پسند آئی ''یہ بتاؤ' صورتِ حال کیا ہے؟''

''جیرا بتا رہا تھا' دس سے گیارہ کے درمیان پہرے دار رات کا کھانا کھانے کے لئے تہ خانے سے کچھ فاصلے پر موجود بڑے کمرے میں جمع ہو جاتے ہیں۔ وہیں ملازمائیں ان کا تین ٹائم کا کھانا چنتی ہیں۔ اس دوران میں تہ خانے کی طرف جانے والا راستہ صاف ہوتا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا' تھوڑی دیر بعد مردان خانے کے بڑے باغ کے کونے پہ بنی کوٹھری کے پاس آ جائیں۔ ایک دم سامنے نہ آئیں' ساتھ کی کوٹھری کے پیچھے چنبیلی کی باڑھ کے پاس کر اس کا انتظار کریں۔ وہ موقع دیکھ کر اُدھر آ جائے گا۔''

وہ سرگوشی میں جلدی جلدی ساری بات گوش گزار کر کے چلی گئی۔ ''بڑی مشکل سے مانا ہے جی۔ پہلے تو بات سنتے ہی کانوں کو ہاتھ لگانے لگا تھا پھر بولا۔

''میں نے بڑے ملک سے اپنے ڈکرے نہیں کرانے۔ ان کے ہاں کم سے کم اور آسان سزا فوری موت ہے۔ پھر میں نے زیادہ زور دیا اور کہا کہ یہ تمہارا امتحان ہے۔ اگر مجھ سے بیاہ کرنا چاہتے ہو تو یہ کام کرنا ہوگا۔ میری یہی شرط ہے' تب کہیں وہ ٹھنڈا ہوا۔''

''فکر نہ کرو۔ میں تم دونوں پر آنچ نہیں آنے دوں گی۔ اگر خدانخواستہ ایسا موقع آیا تو میں سب کچھ اپنے سر لے لوں گی' چلو آؤ۔''

اُس نے باہر نکلنے سے پہلے اپنے آپ کو بڑی سی چادر میں لپیٹ لیا تھا۔

O☆O

دس بائی بارہ کی اس کوٹھری کے عین درمیان میں گٹر کے ڈھکن سے کچھ بڑا سیمنٹ کا ڈھکن تھا جسے اٹھانے کے بعد اندر سیڑھیوں کا راستہ نظر آ رہا تھا۔ یہ سیڑھیاں نیچے کی طرف جاتی تھیں۔ سیڑھیوں کے اختتام پر ایک بڑا ہال کمرا تھا جو طرح طرح کی مشینوں اور اوزاروں سے پُر تھا۔ یہاں سے عجیب سی بُو پھوٹتی تھی۔

ہال کمرے کے کونے میں ایک دروازہ تھا۔ اسے کھولیں تو آگے ایک ترتیب میں چھوٹے چھوٹے ساتھ آٹھ کیبن بنے دکھائی دیتے تھے۔ ان میں سے ہر کیبن میں کوئی نہ کوئی ستم رسیدہ مظلوم تڑپتا نظر آتا تھا۔

تہ خانے کا ساؤنڈ پروف سسٹم اتنا جدید تھا کہ آواز اوپر کی کوٹھری سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب کسی ''خطا کار'' کو ہال کمرے میں عبرتناک سزا کے عمل سے گزارا جاتا تو اس کی

دہشت اور درد سے پھٹتی چیخیں کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر انہی میں جذب ہو جاتی تھیں۔ باہر سے بظاہر اس چھوٹی سی کوٹھڑی کی فضا بڑی پُرسکون اور خاموش دکھائی دیتی تھی۔ سکندر اس تہ خانے کے گھٹن زدہ کیبن میں نیم بے ہوش پڑا تھا' اس کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں زخم کا نشان نہ ہو۔ اس کے بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کٹی ہوئی تھی۔ یہ تھا اس کربناک سزا کا آغاز جو اسے ملکوں کی عزت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کے نتیجے میں ملنا شروع ہوئی تھی۔

یہ تو شروعات تھی۔

ملک دراب نے اسے کہا تھا۔

''اب اس کوٹھڑی میں اس دن کا انتظار کرنا جب تمہارے جسم کا آخری ٹکڑا بھی مشین کے ذریعے کاٹ دیا جائے گا۔''

اُس کے پاؤں کے تلوے لوہے کی دہکتی سلاخ سے داغے گئے تھے۔ جسم پر صرف شلوار تھی' قمیص اتار دی گئی تھی۔ ننگی کمر پر چمڑے کی بیلٹ کے بڑے بڑے نیل صاف نظر آرہے تھے۔

جیرا اُسے سکندر کے کیبن تک پہنچا کر فوراً پلٹ گیا تھا۔

''بی بی جی! ٹائم بہت کم ہے۔ ہوسکتا ہے ملک جی دوبارہ چکر لگائیں' خدا کے لئے جو کچھ کرنا ہے جلدی کر لیں۔'' وہ التجائیہ تاکید کر کے چلا گیا تھا۔

مگر وہ کیا کرتی؟

وہ تو نیم جاں' حال و بے حال سکندر کی حالت دیکھ کر بیٹھتی چلی گئی تھی۔ ایک لمحے کو تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ سکندر کو نہیں' اس کے بچے کھچے بے روح وجود کو دیکھ رہی ہے۔

اتنا ظلم' اس درجہ بربریت۔ ایسی انسانیت سوز درندگی۔ وہ پوری جان سے کانپ اٹھی تھی۔

ایسی حالت میں اُسے یہاں سے فرار کروانا تو ایک طرف رہا فی الحال تو اسے حواسوں میں لوٹانا اور اپنے قدموں پر کھڑا کرنا ہی کار دشوار لگ رہا تھا۔

جانے کس طرح وہ اپنے حواس اور ہمت مجتمع کر کے اٹھی اور اوپر جا کر بشیراں اور جیرے کو بلایا۔

''بشیراں جاؤ' فوراً میرے کمرے سے میڈیکل باکس لے آؤ اور جیرے' تم مجھے نیم گرم پانی لا دو۔''

''بی بی جی! آپ تو کہہ رہی تھیں' اسے یہاں سے باہر نکالنا ہے؟'' بشیراں تذبذب سے بولی۔

''فی الحال وہ اس قابل نہیں کہ اپنے قدموں پہ چل کر کہیں جاسکے۔ وہ بے ہوش ہے۔ ایسی حالت میں وہ کہیں بھی جانے کے قابل نہیں ہے۔ کم از کم آج کی رات تو قطعی نہیں۔ فی الحال یہی کیا جاسکتا ہے کہ درد سے آرام کی گولیاں اور طاقت کے انجکشن لگا کر جسمانی طور پر کوئی سنبھالا دیا جاسکے۔''

''بی بی جی! رب کے واسطے' جو کچھ کرنا ہے' جلدی کرلیں۔ پہریدار کھانا کھا کر کسی بھی وقت واپس آسکتے ہیں۔'' جیرا بہت گھبرایا ہوا تھا۔

''ہاں' مجھے سب دھیان ہے'' شہریال نے تسلی کرائی۔

تھوڑی دیر بعد بشیراں اپنی چادر کے بُکل کے نیچے میڈیکل باکس چھپائے واپس آگئی۔ شہریال نے ان دونوں کو ساتھ لیا اور نیچے آگئی۔ زخموں کو ڈیٹول سے صاف کرنے کے بعد پانی کے چھینٹے مار کر کسی طرح اس کو ہوش میں لایا گیا' وہ اس قابل بھی نہیں تھا کہ کچھ بول سکتا۔ جیرے نے اسے سہارا دے کر پانی پلایا۔ شہریال نے دو انجکشن لگائے اور کھانے کے لئے گولیاں دیں۔ جیرا پانی کے ساتھ ساتھ کہیں سے دودھ کا گلاس بھی لے آیا تھا۔

''آپ...... یہاں؟'' سکندر جب کسی قدر اپنے حواسوں میں لوٹا تو سزا کے اذیت ناک سلسلے سے گزرنے کے بعد شہریال کو یہاں موجود پا کر بہت تعجب ہوا۔

''اب کیا کرنے آئی ہیں۔ عمارت تو ڈھے گئی' کیا ملبہ دیکھنے آئی ہیں؟'' سکندر نقاہت کے مارے رک رک کر بول رہا تھا۔

شہریال نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سر جھکا لیا۔ اس سے سکندر کی یہ حالت دیکھی نہیں جارہی تھی۔ اُس کا ضمیر اسے بار بار ملامت کر رہا تھا۔ اس نے بڑی دیر تک جواب نہیں دیا۔ وہ شدید اعصابی کشمکش کا شکار تھی پھر اچانک اس نے سر اٹھایا۔

''سکندر' کیا تم کسی طرح اپنی قوتِ ارادی سے کام لے کر یہاں سے چل کر باہر نکل سکتے ہو۔ وقت بہت کم ہے اور کل تک کا رسک نہیں لیا جاسکتا۔ کیا خبر وہ آج ہی کوئی انتہائی قدم اٹھا لیں؟'' اس کے لہجے میں شدید اضطراب تھا۔

"کیا آپ مجھ...... پہ کوئی نیا ستم ڈھانا چاہتی ہیں؟" وہ تلخی سے بولا۔

"ایسی بات نہیں سکندر۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں" وہ رُندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"اگر تم کسی طرح خود کو سنبھال سکو تو میں تمہیں حویلی سے باہر پہنچا دیتی ہوں۔ باہر نکل کر تم کہاں جاؤ گے' اس کا تعین تمہیں خود کرنا ہو گا فی الحال میں یہی کر سکتی ہوں کہ تمہیں موت کے پنجے سے دور پہنچا دوں۔"

"لیکن کیسے؟" سکندر بے یقین تھا۔

"بتاتی ہوں" شہریال نے کہا پھر اس نے اپنے ساتھ لائی ایک چھوٹی سی پوٹلی کھولی اور اس میں سے ایک زنانہ سوٹ اور چپل نکالی۔

"کسی نہ کسی طرح یہ کپڑے چڑھا لو' یہ جوتی پاؤں میں پہن لو اور یہ چادر اوپر لے لو۔"

سکندر کو یہ سب عجیب سا لگا لیکن پھر جیرے کے جلدی جلدی کا شور مچانے پر اس نے مزید استفسار کئے بغیر کپڑے پہن لئے۔

"چادر اچھی طرح لے لو تا کہ ہاتھ اور کسی قدر منہ چھپ جائے۔" جیرے نے کہا۔

"لیکن میں اس طرح کیسے یہاں سے نکلوں گا؟" سکندر کو الجھن ہو رہی تھی۔

"یہ بشیراں کے گھر واپس جانے کا ٹائم ہے' تم بھی اس کے ساتھ اس بھس میں ساتھ نکلو گے' رات کا وقت ہے اور اتنی روشنی نہیں ہو گی کہ گیٹ پر موجود چوکیدار کو شکل غور سے دیکھنے اور پہچاننے کا موقع مل جائے' تمہیں اس اعتماد اور بے پروائی کے ساتھ بشیراں کے ساتھ پھاٹک تک چلنا ہے جیسے تم حویلی کی کوئی ملازمہ ہو۔"

شہریال نے سرگوشی میں اسے سارا پلان بتایا۔

"اب آپ لوگ فوراً یہاں سے نکل جائیں" جیرے کی بوکھلاہٹ عروج پر تھی۔

"اس سے پہلے کہ باقی پہریدار ادھر آ کر راستے کی ناکہ بندی کر دیں۔" وہ تینوں لرزتے قدموں اور دھڑکتے دلوں سے سلامتی کی دعائیں مانگتے تہ خانے سے باہر آئے بظاہر باہر کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔

جیرا کوٹھڑی کے اندر رہ گیا اور وہ تینوں تیز تیز قدموں سے زنان خانے کی طرف ہو لئے۔

شہریال نے کمرے میں پہنچتے ہی دونوں کو اندر گھسا کر کنڈی لگا لی۔

بشیراں اپنے بچوں کے لئے کھانے کی پوٹلی پہلے ہی باندھ لائی تھی۔ دوسری پوٹلی شہریال نے ٹرے میں رکھے اپنے کھانے کی بنا کر سکندر کو پکڑا دی۔ "یہ پوٹلی ہاتھ میں لے لو تا کہ یہی گمان ہو کہ تم بھی انہی ملازماؤں سے ہو جو اپنا کھانا لے کر جا رہی ہیں اور اب تم لوگ فوراً نکل جاؤ' یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا خطرناک ہے۔ ابھی کچھ ہی لمحوں میں تمہاری تہ خانے میں غیر موجودگی کا غلغلہ اٹھ پڑے گا اور پوری حویلی میں کرفیو کا سا سماں پیدا ہو جائے گا۔"

"اگر زندگی رہی تو آپ کے اس احسان کا قرض چکا دوں گا۔" سکندر نے بہت آزردگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیسا قرض' تم نے بھی تو ایک دفعہ میری جان بچائی تھی۔"

"گویا' یہ اس بات کا بدلہ ہے؟" سکندر کے اندر گویا کچھ ٹوٹ سا گیا۔

"سکندر' یہ وقت ان باتوں میں ضائع کرنے کا نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں خوف آمیز جھلاہٹ تھی۔ "فوراً سے پیشتر نکل جاؤ۔ اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔"

"چلو آؤ جی!" بشیراں نے پہل کی اور سکندر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

شہریال کھڑکی میں کھڑی دونوں کو نیم تاریکی میں آگے بڑھتے دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور زبان پر قرآنی آیات کا ورد جاری تھا۔ ایک ایک لمحہ صدیاں بن کر گزر رہا تھا۔ بالآخر انہیں یہاں سے نکلے پندرہ منٹ گزر گئے۔

اس سے پہلے کہ وہ سکون کا سانس لیتی' اسی لمحے مردانہ اور زنانہ حصے میں بیک وقت بہت سے قدموں کے دوڑنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی قیامت کا شور برپا ہو گیا۔

نوکروں پر اونچا اونچا برسنے کی آوازیں ماحول کا سناٹا توڑ رہی تھیں۔

حویلی کے سوئے ہوئے سارے مکین باہر احاطے میں نکل آئے تھے۔

"میں تم لوگوں کی کھالیں اتروا لوں گا۔ ذلیل کتو' کیا تم لوگ بھنگ پی کر سو گئے تھے۔ وہ تمہاری ماں کا یار' تمہاری آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گیا۔" ملک دراب کی غراہٹ اس شور میں بہت نمایاں تھی۔

شڑاپ شڑاپ کی آواز سے پتہ چلتا تھا کہ اس کی زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھ میں پکڑی

چمڑے کی بیلٹ بھی ملازموں کی خبر لے رہی تھی۔

''یاد رکھو! اگر حویلی میں سے کسی نے اسے ہمدردی میں فرار کروایا ہے اسے صبح کا سورج دیکھنا نصیب نہیں ہوگا' بہتر ہے کہ اگر کسی کو علم ہے تو خود بتا دے۔'' ملک بابا چنگھاڑے۔

چوکیدار امام دین کو اندر بلا کر اس سے پوچھ گچھ کی جا رہی تھی۔ ''سب سے آخر میں حویلی سے کون نکلا؟'' ملک بابا نے سوال کیا۔

''وہ جی...... وہ...... دو کام کرنے والی عور...... عورتیں گھر جانے کو نکلی تھیں۔'' وہ ہکلا کر بولا' ملک دراب کے زناٹے دار تھپڑوں اور ٹھڈوں نے اس کی طبیعت صاف کر دی تھی۔ وہ باقاعدہ لرز رہا تھا۔

''کون سی عورتیں؟ کیا نام تھے اُن کے؟'' ملک ایاز دھاڑا۔

''او جی' ایک تو شاید بشیراں تھی دوسری کا نام نہیں یاد آ رہا۔'' امام دین ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''کیا حلیہ تھا اس دوسری عورت کا؟'' ملک بابا کے ہونٹ بھنچ گئے جیسے کوئی خیال اُن کے ذہن میں رینگا تھا۔

''میں نے زیادہ غور نہیں کیا جی۔ دیکھنے میں وہ کافی لمبی عورت دکھائی دیتی تھی خود کو سر تا پا چادر سے ڈھکا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں کھانے کی پوٹلی تھی' اس لئے میں نے یہی سمجھا کہ وہ بھی حویلی کی ملازمہ ہے۔''

''اوئے کھوتے کے پتر' وہ وہی تھا سکندر کیونکہ اس کے باہر نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ دیواروں پر تو چاروں طرف کرنٹ دوڑ رہا ہے اور حویلی کا چپا چپا چھان لیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ملازمہ کے بھیس میں گھر سے نکلنے والا وہی تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کو اتنی عقل کس نے دی اور حویلی کے اندر کس کی جرأت ہوئی کہ اس کی مدد کرے۔''

ملک ایاز نے پُر خیال نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک کونے میں کھڑے جیرے کا رنگ فق ہو گیا۔

ملک ایاز کے اشارے پر اسی وقت مسلح افراد پر مشتمل جیپ مفروروں کے پیچھے نکل گئی تھی۔

''ابھی وہ لوگ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے دونوں کو پکڑ لاؤ۔ اس بشیراں الو کی پٹھی کو تو میں دیکھ لوں گا۔'' ملک دراب نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

جیرے کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور کچھ دور حویلی کی باقی عورتوں میں گھری شہریال کے جسم کا سارا خون نچڑ کر رہ گیا تھا گویا اُن کی ساری محنت اکارت گئی تھی۔

لو اب...... اگر وہ پکڑے جاتے ہیں تو پھر......

اُن کی زندگیوں کی ضمانت نہیں دی جا سکتی تی۔

ابھی انہیں حویلی کی حدود سے نکلے صرف پندرہ منٹ گزرے تھے۔

سکندر کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ بھاگ کر دور جا سکتا۔ یہی کارنامہ کیا کم تھا کہ وہ اتنی بری حالت میں محض اپنی قوتِ ارادی کے بل پر چل کے گیا تھا۔ اتنے تھوڑے ٹائم میں تو وہ یقیناً گاؤں کی حدود سے بھی باہر نہیں جا سکے ہوں گے۔ تیز رفتار جیپ پر سوار مسلح افراد چند لمحوں میں انہیں جا لیں گے۔

حویلی کے زیادہ تر جز وقتی ملازمین (صبح سے شام تک حویلی میں کام کرنے والے) اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے جبکہ حویلی کے کل وقتی ملازمین کی ملک دراب کے ہاتھوں اس وقت کم بختی آئی ہوئی تھی۔

بلا تخصیص مرد و عورت کے' باری باری ہر ملازم کی جوتوں اور تھپڑوں کے ہمراہ سختی سے باز پرس اور تفتیش کی جا رہی تھی۔ ہر شخص اپنی جگہ سہما ہوا تھا۔

پھر وہی ہوا۔

مسلح جیپ مفروروں کو ہمراہ لے کر واپس آ گئی۔ سکندر کو ملک دراب کے اشارے پر واپس تہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔ بشیراں کو شیرے نے دھکا دے کر ملک دراب اور ملک ایاز کے قدموں میں پھینک دیا۔

''ہوں...... تو تُو ہے وہ شیرنی کی اولاد' ذرا چہرہ تو کرا۔ میں دیکھوں کتنا دم خم ہے تجھ میں۔'' ملک ایاز نے اُسے بالوں سے پکڑ کر چہرہ اونچا کیا۔ بشیراں تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''آپ چھوڑیں ابا جی! میں دیکھتا ہوں اس...... (گالی)...... کو'' ملک دراب دانت پیستے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

''کیوں بھئی' کیا خصم بنانے کا ارادہ تھا جو نکال کے لے گئیں...... ہمیں خبر بھی نہ ہونے دی۔''

ملک دراب کا بھاری استہزائیہ لہجہ بشیراں کو اپنا مفہوم اچھی طرح سمجھا رہا تھا۔ وہ جانتی تھی یہ سب تمہیدیں ہیں۔ ملک اسے اذیت ناک موت دینے سے پہلے یونہی تفریح لے رہے تھے

''بولو بنو رانی' تہ خانے تک کیسے پہنچیں۔ کس طرح اپنے یار کو اتنے سخت پہرے سے چھڑا کر لے گئیں؟''

یکا یک ملک دراب کے لہجے میں جیسے خون کی پیاس رینگ آئی تھی۔ پھر ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑی چمڑے کی بیلٹ گھومی اور اس نے بشیراں کی کمر کی خبر لے ڈالی۔

شڑاپ کی آواز کے ساتھ ہی بشیراں کی کربناک چیخ گونجتی چلی گئی تھی۔ ملک کے بار بار پوچھنے کے باوجود وہ خاموش رہی تھی۔ جونہی دوسری بیلٹ پڑی' وہ درد سے بے حال ہو کر زمین پر گر کر تڑپنے لگی۔

جیرے کی محبت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اس کا محبوب ظلم کی چکی میں پستا رہے۔ اس سے مزید برداشت نہ ہو سکا' وہ آگے آ گیا۔

''سکندر کو میں نے چھڑایا تھا جی۔ آپ بشیراں کو چھوڑ دیں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ سکندر میرا بیلی (دوست) تھا۔ میری اُس سے بہت گُوڑھی (پکی) یاری تھی' میں اس پر ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکا' اس لئے بشیراں کو ڈرا دھمکا کے سکندر کو اپنے ساتھ حویلی سے باہر لے جانے پر مجبور کیا تھا۔ آپ اس کو کچھ نہ کہیں ملک جی۔ قصوروار میں ہوں' یہ نہیں' جیرے نے فوراً کہانی گھڑلی تھی یا شاید پہلے سے سوچ رکھی تھی۔ شہریال اور کہاں تک خاموش رہ سکتی تھی۔ جیرے کے جرم تسلیم کر لینے کا مطلب تھا' اس کی بھیانک اور ناقابل برداشت' اذیت سے لبریز موت۔

''یہ جھوٹ بول رہا ہے'' شہریال سر پر کفن باندھ کر بالآخر حق و باطل کے اس معرکے میں کود پڑی۔

''ان دونوں کو اس کام کے لئے میں نے مجبور کیا تھا۔ سکندر کو میں نے فرار کرایا ہے'' وہ ملک دراب کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی پُرسکون لہجے میں بولی'' کیونکہ وہ بے گناہ ہے۔ آپ لوگ چاہیں تو ذرا سی سختی کر کے صائمہ سے اس بات کی تصدیق کرا سکتے ہیں۔''

جس نے بھی سنا اپنی جگہ ٹھٹک کے رہ گیا۔

ملک دراب بے یقین نظروں سے اس کا چہرہ ٹٹولنے لگا۔ وہ ہمیشہ سکندر کی سائیڈ لیتی تھی'

اس بات کا تو اسے اندازہ تھا مگر اس کی حمایت میں یہاں تک پہنچ جائے گی' یہ اس نے نہیں سوچا تھا۔

''تو تم نے فرار کرایا ہے اسے؟'' ملک ایاز نے خون پی جانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا'' کیا لگتا تھا وہ تمہارا؟ دیکھ رہے ہیں آپ ملک بابا! شہروں میں اعلیٰ تعلیم دلانے اور نوکریاں کروانے کا کیا انجام ہوا کرتا ہے۔ ایک کمی کمین کے لئے اس نے خاندان کے بزرگوں کے فیصلے کو پاؤں کی ٹھوکر سے اُڑا دیا۔ بیٹیاں تو ہماری بھی ہیں مگر کیا مجال ہے جو اونچی آواز میں سانس بھی لیں۔''

اگر شہریال ملک ایاز کے بیٹے کی منگیتر نہ ہوتی اور اگر وہ ان کے بھائی ملک سرفراز مرحوم کی وسیع و عریض زمینوں اور جائیداد کی مالک نہ ہوتی تو شاید ملک ایاز اسے ملک بابا کے ہاتھوں موت کی سزا سنائے بغیر چین نہ لیتے۔

''تم جانتی ہو لڑکی' خاندان سے غداری کی سزا کیا ہوتی ہے؟'' ملک بابا نے گرج کر پوچھا۔

''میں نے کوئی غداری نہیں کی ملک بابا!'' وہ سر جھکا کر ہاتھ مسلنے لگی۔

''غلط بات غلط ہے۔ پھر سکندر کوئی غیر تو نہیں ہے' وہ بھی ہمارا خون ہے۔ اس نے ایسی کوئی غلطی نہیں کی جس کی اسے اتنی بہیمانہ سزا دی جائے۔''

''مجھے اپنے پرائے کا سبق نہ پڑھاؤ'' ملک بابا نے سرخ آنکھوں سے اُسے گھورا۔'' جو کچھ تم نے کیا ہے اور جس طرح حویلی کی عزت سے کھیلنے کی کوشش کی ہے' اس کی نرم سے نرم سزا بھی موت ہونی چاہئے۔ لیکن تم میرے مرحوم بیٹے کی اکلوتی بیٹی ہو۔ تمہارا بھائی فہد یہاں ہوتا یا ماں باپ زندہ ہوتے تو تم دیکھتیں کہ تمہارے ساتھ کیسا عبرتناک سلوک ہوتا۔ ہم خدا ترس آدمی ہیں۔ تمہارے اکیلے پن کا لحاظ کرتے ہوئے تمہاری جان بخشی کر رہے ہیں مگر یہ بات آج سے طے ہے کہ اب تم ہمیشہ ہمیشہ اسی حویلی میں رہو گی۔ ڈاکٹری نوکری سب ختم۔ مرتے دم تک تمہیں حویلی کی چار دیواری سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہو گی۔''

ان کی آواز میں رگوں میں خون جما دینے والی سرد اور برفیلی کیفیت نمایاں تھی۔

''باقی مجرموں کے ساتھ جو چاہے سلوک کرو'' ملک بابا جاتے جاتے ملک ایاز اور ملک دراب کو اشارہ دے گئے تھے۔ انہوں نے شہریال کو بھی زنان خانے میں آنے کا حکم دیا تھا مگر وہ

کسی اندیشے کے تحت وہاں سے نہ ہل سکی تھی۔

''جیرے اور بشیراں کو لے جا کر مشینوں میں ڈال دو۔ سکندر کو دونوں کے جسموں کے ٹوٹے ٹوٹے ہونے کا منظر دکھاؤ پھر اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کرو۔'' ملک دراب نے شیرے کو حکم دیا۔

''نہیں!'' شہریال کے ہونٹوں سے دلخراش چیخ نکلی۔ ''میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔''

''جاؤ جاؤ' اپنے کمرے میں جاؤ'' ملک ایاز نے جیسے کان سے مکھی اُڑائی تھی'' ہمیں اپنا کام کرنے دو۔ شکر کرو ملک بابا نے تمہاری جان بخشی کر دی ہے۔''

''مجھے ایسی جان بخشی منظور نہیں ہے'' اس کی آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔ پورا جسم شدتِ جذبات سے لرز رہا تھا۔

''میں کہہ چکی ہوں کہ جیرا اور بشیراں دونوں بے قصور ہیں' انہوں نے میرے حکم پر سکندر کو فرار کرایا تھا۔ سزا دینی ہے تو مجھے دیں۔ میں ان کا بال بھی بیکا نہیں ہونے دوں گی۔''

ملک دراب نے کچھ سوچا۔ شہریال کے لئے اس کے دل میں جو نرم گوشہ تھا' وہ اسے کسی قسم کے انتہائی اقدام سے روک رہا تھا پھر جیسے اس کے چالاک اور مکار ذہن نے اسے رام کرنے کا سوچ لیا۔

''چلو ٹھیک ہے۔ جیرے اور بشیراں کو فی الحال دفع کرتے ہیں' ان کا معاملہ پھر دیکھا جائے گا' اب ہو گئی تسلی۔''

''نہیں' پہلے انہیں میرے سامنے اپنے قدموں سے حویلی سے باہر جانے دو۔''

''شیرے' دونوں کو چھوڑ دو'' اس نے پلٹ کر تین چار آدمیوں کے گھیرے میں محصور جیرے اور بشیراں کو آگے آنے کا اشرہ کیا۔ ملک ایاز دانستہ خاموش رہے۔ شاید بیٹے کی معاملہ فہمی پر پورا بھروسا تھا۔

''جاؤ' تم لوگ حویلی سے باہر چلے جاؤ'' دونوں ڈرتے ڈرتے آگے بڑھے' کچھ دور جانے کے بعد تیز تیز قدموں سے پھاٹک کراس کر گئے۔

شہریال نے سکون کی گہری سانس لی۔

''اور سکندر......؟'' شہریال اپنے اصل مقصد کی طرف آئی۔ اُس کی سوالیہ نظریں ملک

دراب کی طرف اٹھیں اور اسی لمحے جذبۂ رقابت نے ملک دراب کا میٹر گھما دیا۔

''اس کا وہی انجام ہوگا جو طے کیا جا چکا ہے۔ وہ حویلی سے باہر نکلے گا مگر آٹھ حصوں میں۔''

''اگر تم نے ایسا کیا تو پھر یاد رکھنا' ملک دراب میں قیامت برپا کر دوں گی۔ بہت ہو چکے اندھے قتل۔ کوئی ان کے خلاف نہیں بولا ناں۔ اب میں بولوں گی' میں گواہی دوں گی عدالتوں میں جا کر۔ میں بتاؤں گی قانون کو تمہاری لاقانونیت۔ لاکھ تم لوگ مجھ پر پہرے بٹھاؤ' حویلی میں قید کرو مگر یاد رکھو جب بھی مجھے موقع ملا' میں یہاں سے بھاگ کر عدالت کا تحفظ لے لوں گی۔ باقی ثبوتوں کو تھانیدار تمہاری خاندانی دہشت اور اثر و رسوخ کی بنا پر رد کرتے رہے ہوں گے مگر جب ملکوں کی حویلی سے اُن ہی کی بیٹی اُن کے خلاف گواہی دے گی تو ایک پڑھی لکھی ڈاکٹر پیشہ ویلفیئر ایسوسی ایشن کی سینئر ممبر خاتون کی بات رد نہیں کی جا سکے گی۔ تمہارے کالے کرتوتوں کی قلعی اندر کا بندہ ہی کھولے گا'' اس پر دیوانگی طاری تھی۔

ملک ایاز اِس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آگے بڑھے اور زوردار تھپڑ شہریال کے منہ پر رسید کیا۔

''تمہارا تو میں خون پی جاؤں گا' بے شرم بے حیا لڑکی!'' وہ دانت پیستے ہوئے غرائے تھے۔

''صاف کیوں نہیں کہتیں' اپنے عاشق کو بچانا چاہتی ہو؟'' ملک دراب جیسے انگاروں پر لوٹ گیا تھا۔

''تم جیسے گھٹیا آدمی کی سوچ کی پرواز بس یہیں تک جا سکتی ہے'' وہ تنفر سے بولی۔ ملک ایاز کے تھپڑ نے اس کے گورے گال پر خون سا چھلکا دیا تھا۔

''تم کیا پٹر پٹر آنکھیں پھاڑ رہی ہو۔ ادھر آؤ' اسے قابو کر کے لے جاؤ اس کے کمرے میں اور ادھر بند کر دو۔ کرتے ہیں اس کا حساب کتاب بھی' پہلے ادھر سے نمٹ لیں۔'' ملک ایاز نے افتاں و خیزاں اس طرف آتی تین چار ملازماؤں کو دھاڑ کر حکم دیا۔ وہ مچلتی' تڑپتی اپنا آپ چھڑانے کی کوشش کرتی شہریال کو کسی طرح قابو کر کے اندر لے گئیں۔

ملک دراب کی سانسوں میں جیسے تندور کی تپش گھل گئی تھی۔ وہ کف اُڑانے لگا۔

''چھوڑوں گا نہیں اس...... (گالی)...... کی اولاد کو۔ میں تہ خانے جا رہا ہوں۔ اپنے ہاتھ سے دس ٹوٹے کروں گا اس کے۔''

''زیادہ گرمی کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے ایسی ترکیب سوچی ہے جس سے

سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔ اور آؤ' میرے ساتھ میرے کمرے میں'' ملک ایاز بیٹے کے کندھے پر تھپکی دے کر اسے اپنے ساتھ لے گئے اور پاس بٹھا کر چپکے چپکے اسے راہ دکھانے لگے۔

قسمت کا پھیر بھی عجیب ہے جو باپ کے ساتھ ہوا' وہی بیٹے کے ساتھ ہونے جا رہا تھا۔ ملک ایاز اپنے چھوٹے چچا بہروز دین کی اکلوتی اولاد گل بانو سے منسوب تھے۔ مگر گل بانو گاؤں کے ایک معمولی سے پرچون فروش کے بیٹے عظیم کو دل دے بیٹھی۔ باپ نے بیٹی کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر شادی کرا دی۔ ملک ایاز کے سینے میں انتقام کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں۔ اس نے اپنے باپ یعنی ملک بابا کی سکیم پر اپنے بندوں کو بھیج کر عظیم اور گل بانو اور ان کے ننھے سے بیٹے سکندر کے گھر کو آگ لگوا دی تھی۔ عظیم جل مرا' گل بانو جھلس گئی تھی مگر کچھ عرصہ زندہ رہی۔ سکندر کو حویلی کا غلام بنا کر گویا زندہ درگور کر دیا گیا۔ اب وہی سکندر عظیم پرچون فروش کی اولاد' ملک ایاز کے بیٹے کے لئے منتخب کردہ لڑکی کے دل میں جگہ بنا گیا تھا۔

''دیکھ پتر' جب میں تیری طرح جوانی کے جوش میں تھا تو مجھے بھی عظیم کے بارے میں جان کر اسی طرح آگ لگی تھی۔ قریب تھا کہ میں جوش میں آ کر اسے قتل کر دیتا مگر ملک بابا نے مجھے سنبھال لیا' انہوں نے سمجھایا۔

''بہروز دین اپنی بیٹی کی شادی عظیم سے کرنے پر رضامند ہو گیا ہے۔ وہ اکلوتی اولاد کی محبت سے مجبور ہے۔ اگر اس نے شادی نہ کی تو گل بانو موت کو گلے لگا لے گی۔ اس نے یہی دھمکی دی ہے۔ اسی لئے بہروز دین مجبور ہو گیا ہے' یہ شادی کرانے پر۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ یہ شادی ہو جائے۔ رہا غیرت کا مسئلہ تو ہم بے غیرت نہیں ہیں' تیری منگ کو چھین کر لے جانے کا انتقام ہم عظیم سے ضرور لیں گے مگر ابھی نہیں۔ مناسب وقت کا انتظار کرو تا کہ تم پر الزام بھی نہ آئے اور انتقام بھی پورا ہو جائے۔''

اور پھر مجھے بابا کے کہنے پر کئی سال انتظار کرنا پڑا۔ اس کے بعد ایک دن اُن کے صلاح مشورے سے عظیم کے گھر کو آگ لگائی گئی تھی۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ اس کا بیٹا سکندر بچ نکلا۔ ہمارا خیال تھا' ساری عمر کی غلامی اسے کبھی ہمارے سامنے سر اٹھانے کی جرات نہیں دے گی مگر تمہاری منگیتر نے پھر اسی موڑ پر کھڑا کر دیا ہے۔ اب میری بات غور سے سنو۔ سکندر کا خون براہِ راست

اپنے ہاتھ نہ لو۔ انتقام لینے اور اسے عبرت ناک سزا دینے کے اور بھی تو بہت طریقے ہیں۔''

''وہ کون سے ہیں؟'' اب ملک دراب بھی باپ کے خطوط پر سوچ رہا تھا۔

''وہ لڑکی کہاں ہے جسے تم نے برکتے دھوبن کے گھر سے اٹھایا تھا؟''

''کون..... کوثر! وہ تو بڑی ہی اتھری شے ہے ابا جان۔ ڈیرے پر بھی دخت ڈالے رکھا۔ شہر کی کوٹھی پر لے کے گیا تو ایسا داویلا مچایا کہ اگر کوٹھی ساؤنڈ پروف نہ ہوتی تو سارا سیکٹر جمع ہو جاتا۔ میرا تو خیال تھا اسے ٹھنڈا کر کے اپنے کام کے لئے چالو کر لوں گا اور اپنے بیوروکریٹ دوستوں کو تحفے میں بھیجا کروں گا کہ انہیں پلا پلایا دیسی مال بڑا اکشش کرتا ہے مگر وہ اڑیل گھوڑی بڑی ہٹ دھرم ثابت ہوئی ہے۔ بات بات پر مرنے مارنے پر تل جاتی ہے۔ حالانکہ میں نے دو تین راتیں اپنے پاس رکھ کر اُس کے سارے کس بل نکال دیئے تھے مگر پھر بھی اس کی اکڑ نہیں ٹوٹ رہی۔ میں تو سوچ رہا ہوں ڈوگر کی لڑکی بہار کی طرح اس کو بھی مار کے نہر میں ڈال دیں۔ اپنے کسی کام کی نہیں ہے'' ملک دراب نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''چھوڑو' میں ایک کہانی ترتیب دیتا ہوں۔ تم غور سے سنو' کوثر کو تم نے کن بندوں سے اٹھوایا تھا۔''

''تاجے اور گامے سے' دونوں ڈیرے کے بندے ہیں۔''

''ٹھیک ہے' اب سنو' گاما اور تھانے کا پہریدار جیرا آپس میں گہرے دوست ہیں۔ گامے کو برکتے دھوبن کی لڑکی کوثر پسند آ جاتی ہے' وہ جیرے کے ساتھ مل کر ایک رات اسے اٹھا لیتا ہے اور جیرے کی معشوقہ بشیراں کے ہاں چھپا دیتا ہے' اس طرح کوثر کے اغوا میں گامے کے ساتھ جیرا اور بشیراں بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ کسی طرح سکندر کو یہ بات پتہ چل جاتی ہے' وہ غصے میں بھرا چھرا لے کر بشیراں کے گھر جاتا ہے۔ وہاں اسے اپنی ہونے والی بیوی کوثر' گاما' جیرا اور بشیراں نظر آتے ہیں۔ گاما اعتراف کرتا ہے کہ وہ اور جیرا دونوں کوثر کی عزت سے جی بھر کر کھیل چکے ہیں۔ سکندر پاگل پن میں چھرے کے وار کر کے بشیراں اور جیرے کو موقع پر ہلاک کر دیتا ہے۔ گاما کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ سکندر غیرت کا تقاضا پورا کرنے کے لئے جیرے اور گامے کی درندگی کا شکار ہونے والی کوثر کو بھی چھرے سے مار ڈالتا ہے۔ اسی اثناء میں پولیس پہنچ جاتی ہے۔ سکندر کے ہاتھ میں چھرا ہوتا ہے' پولیس اسے گرفتار کر لیتی ہے۔ وہ اقبال جرم

کر لیتا ہے۔ کچھ دن بعد گاما بھی پولیس کے ہاتھوں پکڑا جاتا ہے' وہ سلطانی گواہ بن کر گواہی دیتا ہے۔ دو چار بندوں کی گواہی بھی ڈال لیں گے جنہوں نے سکندر کو چرالے کر بشیراں کے گھر میں گھستے دیکھا ہوگا۔"

"سکیم تم بہت شاندار ہے ابا جی مگر اس میں بہت ساری باتیں وضاحت طلب ہیں؟"

ملک دراب اش اش کر اٹھا۔ اس طرح کوثر' جیرا اور بشیراں کو قرار واقعی سزا ملتی سو ملتی' خود سکندر تین انسانوں کے قتل پر پھانسی لگ جاتا یا کم از کم عمر قید با مشقت کاٹتا۔ اتنے سنگین جرم کے بعد وہ ساری عمر جیل کی سلاخوں سے باہر نہیں آ سکتا تھا۔ اور ملک دراب بھی تو چاہتا تھا کہ اسے سسکا سسکا کر مارا جائے۔

"ایک منٹ' پہلے مجھے خاکہ مکمل کر لینے دو' ملک ایاز بولے۔

"گاما ایک نمبر کا چھٹا ہوا بدمعاش ہے۔ تین سال جیل کاٹ چکا ہے اور اب تو وہ بہت ماہر ہو گیا ہے' بندہ غائب کرانا ہو یا مارنا ہو' اتنی صفائی سے کام کرتا ہے کہ کھوج لگانے والا سر پیٹتا رہ جائے مگر اسے کوئی نشانی نہ ملے۔"

"ہمارے یہاں آ کر تو اور بھی نکھر گیا ہے۔ وہ بڑی چابکدستی سے صورتِ حال سنبھالے گا۔ وہ بشیراں کے گھر ہی جیرے' بشیراں اور کوثر کو چھرے سے قتل کرے گا۔ تینوں کو بے ہوش کے عالم میں بشیرں کے گھر لایا جائے گا اور اتنی ہی صفائی سے ان کا قتل بھی ہوگا۔ بعد میں سکندر کو بشیراں کے گھر لایا جائے گا۔ چھرا اس کے ہاتھ میں تھما دیا جائے گا تاکہ اس کی انگلیوں کے نشان ثبت ہو جائیں۔ مخبر پولیس کو اطلاع دے گا اور پولیس سکندر کو موقع پر گرفتار کر لے گی۔ سکندر پولیس کے سامنے اعتراف جرم کر لے گا۔"

"گامے کا کیا بنے گا؟"

"ایک تو وہ اس کیس میں سلطانی گواہ بن کر خاصی رعایت حاصل کر لے گا' دوسرا وہ بیان دے گا کہ وہ کوثر کو پسند ضرور کرتا تھا مگر اسے اغوا کر کے بشیراں کے گھر چھپانے کا خیال جیرے نے ہی سجایا تھا اور جیرا بھی کوثر پر بری نیت رکھتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے بھی کوثر کی عزت لوٹی۔ اول تو ہم دے دلا کر گامے کی ضمانت کروا لیں گے اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تو بھی ایک آدھ سال کی جیل کاٹنا گامے کے لئے کون سا مشکل کام ہے۔ ہنسی خوشی راضی ہو جائے گا۔ ہمارے بندے جیلوں میں

وی آئی پی کی طرح رہتے ہیں۔"

"لیکن سکندر اتنا بڑا الزام اپنے سر کیسے لے گا۔ وہ پولیس کے سامنے مکر بھی سکتا ہے" ملک دراب نے فکر ظاہر کی۔

"نہیں مکرے گا" ملک ایاز کے ہونٹوں پر مکارانہ مسکراہٹ رینگنے لگی "ہم جال ہی ایسا ڈالیں گے کہ مرغ بسمل پھڑ پھڑا بھی نہ سکے۔ اس کے لئے ایک ڈرامہ کرنا پڑے گا۔"

"آ کر بتاتا ہوں' پہلے ذرا ملک بابا کو ساری صورتِ حال بتا کر اس کارروائی سے آگاہ کر دوں" ملک ایاز اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تب تک تم اپنے کام کے مستعد بندے اور ایک رازدار اور وفادار قسم کی نوکرانی کا انتخاب کر لو۔ نوکرانی سے کہو کسی بہانے سے شہریال کے کمرے میں جا کر اسے کلوروفام والا کپڑا سنگھا کر بے ہوش کر دے۔ پھر اس کے بعد اسے تہ خانے میں قیدیوں والے کیبن میں پہنچا دے۔ کسی ایسی جگہ جہاں سے سکندر کی نظر اس پر پڑ سکے۔"

"اوہ......" ملک دراب کو باپ کا تخلیق کردہ یہ ایکٹ بڑا سنسنی خیز محسوس ہو رہا تھا۔

کسی حد تک وہ سمجھ گیا تھا۔ شہریال کو مہرہ بنا کر سکندر کے منہ سے مرضی کا بیان اگلوایا جا سکتا تھا۔

۞۞۞

''یہ کون ہے؟''

پانچ چھ گھنٹوں سے تہ خانے میں اپنی متوقع سزا کے منتظر سکندر نے بالآخر ایک طویل اعصاب شکن قیدِ تنہائی کے بعد ماحول میں ایک ہلچل محسوس کی تھی۔

دو آدمی کمبل میں لپٹی گٹھڑی سی اٹھا کر لائے اور ایک کیبن میں لا کر ڈال دی۔ پیچھے پیچھے حویلی کی پرانی ملازمہ خورشیداں بھی تھی۔

سکندر کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس گٹھڑی کے اندر کسی عورت کا وجود ہے یہ سوچ کر ہی اس کا دل ڈوبنے لگا کہ اس کا اس تہ خانے کے کیبن میں لائے جانے کا مقصد ہے اذیت ناک موت۔

خورشیداں نے کمبل اتار کر ہاتھ میں لے لیا اور پھر جیسے سکندر کی نظروں میں بجلی سی چمک گئی دی۔

وائٹ اور پرپل کمبی نیشن کے یہ کپڑے اس نے رات ہی اس کو زیب تن کئے دیکھا تھا جب وہ اسے تہ خانے سے نکالنے آئی تھی لیکن اب یہ کپڑے خون میں تر بتر تھے۔ شفاف سپید پیشانی سے لے کر کنپٹی اور دائیں گال تک خون کی لکیر پھیلتی چلی گئی تھی۔ دائیں ہاتھ اور دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی کی جگہ سفید پٹی بندھی تھی۔ شہریال کی آنکھیں بند تھیں۔ شاید وہ اذیت کی شدت برداشت نہ کرتے ہوئے بے ہوش ہو گئی تھی۔

''یہ...... یہ شہریال بی بی کو یہاں کیوں لائے ہو؟''

خوف و ہراس کی ایک تند و تیز پھریری سکندر کے پورے جسم میں دوڑ گئی تھی۔ وہ بے اختیار اپنے کیبن میں کھڑا ہو گیا۔

زدوکوب کر کے زخمی حالت میں تہ خانے میں پھینکنے کا مطلب یہ تھا کہ اس سے کوئی ناقابلِ معافی جرم سرزد ہو گیا تھا۔

''او جی' یہاں بندے کو کیوں لایا جاتا ہے؟'' خورشیداں نے ٹھٹھول کیا'' ظاہر ہے جب اس کی سانسیں مک جاتی ہیں تو اسے ''اوپر'' بھیجنے کے لئے تہ خانے کا راستہ استعمال ہوتا ہے۔''

''کیا بکواس کر رہی ہو مائی!'' سکندر کا جی چاہا اس چڑیل کا گلا دبوچ لے۔ ''تم جانتی نہیں ہو یہ کون ہیں۔ یہ شہریال بی بی ہیں۔ ملکوں کی بیٹی ہیں اور حویلی والوں کی بہت لاڈلی ہیں'' وہ متوحش نظروں سے شہریال کا بے حس و حرکت وجود دیکھ رہا تھا۔

''اب یہ صرف ایک مجرم ہے اور حویلی والوں کے خلاف سازش' غداری یا دشمنوں کی حمایت کرنے کا مطلب ہے سیدھی سادی موت'' خورشیداں کے انداز میں بے پروائی تھی۔

''مگر انہوں نے کون سی سازش یا غداری کی ہے؟'' وہ چلایا۔

''او بس کر' زیادہ چڑ چڑ نہ کر' ابھی تیری واری بھی آتی ہے۔'' شیرے نے تہ خانے میں اترتے ہوئے ڈپٹ کر کہا۔

''دیکھو' انہیں کچھ نہیں ہونا چاہیے'' وہ اضطراری کیفیت میں گویا ہوا۔

''اس نے ملک جی کے سامنے تمہاری حمایت میں حویلی والوں کے خلاف عدالت میں جا کر بیان دینے کی دھمکی دی ہے۔ کہتی ہے اگر سکندر کے ساتھ زیادتی ہوئی یا شیراں اور جیرے پر کوئی آنچ آئی تو وہ حویلی والوں کا سارا کچا چٹھا عدالت میں کہہ سنائے گی۔ ملک صاحب نے حکم دیا کہ اس سے بہتر ہے اس کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کر دی جائے۔''

شیرا اپنی مونچھیں مروڑتے ہوئے بغور اُس کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔

وہ سانس لینا بھول گیا' اس جیسے حقیر و بے وقعت غلام کے لئے اس حسن و نزاکت کی شہزادی نے اپنی آن' اپنا خاندان حتیٰ کہ اپنی جان کی پروا بھی نہ کی تھی۔ اس کی بے مول ہستی کو بچانے کے لئے اس نے خود کو مٹی میں رول دیا تھا۔

یہ شان تو نہیں ہے اس پھولوں کی ملکہ، کلیوں کی رانی، پرستان کی نیلم پری کی۔ یہ خاکی بچھونا، یہ خون آلود جسم، یہ نازک سبک انگلیوں کی قطع و برید، یہ بے بسی، ذلت اور بے چارگی۔

کس کے لئے تھی؟

صرف اس کی ذات کو بچانے کے لئے۔

بدلے میں، میں سو بار بھی تجھ پر قربان ہو جاؤں تو بھی تیرا قرض چکتا نہیں ہوگا، اے جانِ تمنا! میں بھگتوں گا تیری جگہ سب کچھ، بڑی آمادگی اور شادمانی کے ساتھ۔ اس احساسِ تفاخر کے ہمراہ کہ تُو نے ایک ذرّے کو اپنی توجہ کے سورج سے چمکا کے موتی بنا دیا ہے۔

''سنو!'' اس نے تیز ہوتی سانسوں کے درمیان شیرے کو پکارا۔

''ملک دراب یا ملک ایاز سے کہو، میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ شہریال بی بی کو چھوڑنے کے عوض وہ مجھے کسی بھی طرح مار کر اپنی تسکین کر لیں۔ میں سب کچھ کرنے اور سہنے کو تیار ہوں۔ بس وہ شہریال بی بی کو چھوڑ دیں۔''

وہ التجائیں کر رہا تھا، ہاتھ پاؤں اضطرابی کیفیت میں پٹخ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جادو کے زور سے شہریال کو اس مذبح خانے سے باہر نکال کے لے جائے۔

''ہوں، تو تم شہریال کی جاں بخشی کے بدلے میں کچھ بھی کرنے کو تیار ہو۔'' تھوڑی دیر بعد ملک ایاز اندر داخل ہوئے۔ ملک دراب ہاتھ پشت پر باندھے کینہ توز نظروں سے اسے گھورتا ہوا اُن کے پیچھے آ رہا تھا۔

''ہاں، کچھ بھی'' اس کے لہجے میں کوئی لچک نہیں تھی۔

''کچھ بھی؟'' ملک ایاز نے چیلنج کرنے والی نظروں سے دیکھا۔

''ہاں، کچھ بھی'' اس نے مصمم انداز میں دہرایا۔

''کسی کا کیا ہوا قتل بھی اپنے سر لے سکتے ہو، اسے بچانے کے لئے؟'' ملک ایاز کی تیز نظروں نے اسے جانچا۔

سکندر چونک کر رہ گیا پھر دوسرے لمحے خود کو سنبھال لیا۔ جب قربان گاہ پر چڑھنا گوارا کر لیا تو پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کس طرح جان لی جاتی ہے۔ بھلے کوئی سے اوزار ہوں اور کوئی سا انداز ہو۔

''سوچ لو، پولیس کے آگے بیان دینا ہے اور پھر اس پر قائم بھی رہنا ہوگا'' ملک ایاز نے اسے پکا کیا ''نہ صرف پولیس بلکہ سارے گاؤں والوں اور خود شہریال کو بھی اپنے بیان کی سچائی سے متاثر کرنا ہوگا؟''

''کر لوں گا۔''

''تو پھر یہ لو؟'' ملک ایاز نے شیرے کے ہاتھ سے چھرا لے کر اس کے ہاتھ میں دیا۔

''بشیراں کے گھر میں تین لاشیں پڑی ہیں۔ ان تینوں کا قتل تمہیں اپنے سر لینا ہوگا۔ تم یہ بیان دو گے۔''

جوں جوں ملک ایاز بتاتے جا رہے تھے، سکندر کے دل میں قیامتیں ٹوٹتی جا رہی تھیں۔

درندوں نے بشیراں اور جیرے کو بالآخر ان کے انجام تک پہنچا دیا اور کوثر......

وحشت اور دیوانگی کے ایک لمحے میں اس کے اندر بے اختیار یہ جنونی سوچ آئی کہ چھرا لے کر کیبن سے نکلتے ہی ملک دراب اور اس کے باپ کے پیٹ میں گھونپ دے۔ کوثر کی آبرو اور خون کا بدلہ، ان کے لہو سے لے لے۔ مگر پر ان کے اطراف مسلح افراد کا جمگھٹا اور کیبن میں پڑا شہریال کا بے ہوش وجود اسے ہوش کی دنیا میں لے آیا۔

اگر میں کسی طرح ان باپ بیٹے کو مار کے نکل گیا یا مسلح افراد کے ہاتھوں مارا گیا تو بھی شہریال کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اس کو دی جانے والی سزا پر عملدرآمد ہو کر رہے گا۔

یوں بھی اتنے سخت مسلح حصار میں اس کا ان پر حملہ کرنے کا خواب پورا ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ ظاہر ہے، وہ بھی بے خبر اور اناڑی تو نہیں ہوں گے، یہ بات دھیان میں رکھی ہوگی کہ وہ چھرا ہاتھ میں لے کر کیبن سے باہر نکل رہا ہے۔ اور پھر یہی ہوا، جونہی اس نے کیبن سے باہر قدم رکھا، چار کلاشنکوفوں کا رخ اس کی طرف ہو گیا تھا۔

اُس نے یوں قدم بڑھائے جیسے خود اپنے ہاتھوں تیار کردہ پھانسی کے پھندے کو گلے لگانے جا رہا ہو۔ وہ جانتا تھا، تین آدمیوں کے قتل کا برملا اعتراف اسے قانون کے ہاتھوں کہاں پہنچا دے گا؟ واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

وہ خالی ہاتھ تھا۔ کوئی احساس اگر ہمراہ تھا تو یہ تھا کہ وہ اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہستی کے لئے جان کا نذرانہ دینے جا رہا تھا۔

یہ بتانے جا رہا تھا کہ
ہم بھی پیار کرتے ہیں
تم سے بے پناہ جاناں
اور اس محبت کا اعتراف کرتے ہیں
ہم تو اس محبت میں ایسا حال رکھتے ہیں
زود رنج لمحوں کو تم سے دور رکھتے ہیں
اور اپنے سر پر ہم دکھ کی شال رکھتے ہیں
ہم تو یوں محبت کا اہتمام کرتے ہیں
کرب زندگانی کو اپنے نام کرتے ہیں
تجھ کو خوش رکھیں کیسے‘ بس یہ خیال رکھتے ہیں
ہم بھی خواب رکھتے ہیں
نیم وا دریچوں میں
جاگتی آنکھوں میں
ہم بھی چاہتے ہیں کہ
ہم بھی ایک دن آئیں
بس تری پناہوں میں
دلنشیں بانہوں میں۔

O☆O

شہریال جب طویل بے ہوشی کے بعد ہوش میں آئی تو وہ مکمل طور پر لاعلم تھی کہ اُس کے ساتھ کیا بیتی۔ خورشیداں نے کمال احتیاط کے ساتھ اس کے چہرے اور گردن پر لگایا جانے والا سرخ رنگ روئی سے صاف کر دیا تھا۔ رنگ سے بھرے کپڑے بدلا دیئے تھے۔ شہریال کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو بستر پر پایا۔

’’کمال ہے‘ میں اتنی دیر تک سوتی رہی ہوں۔ کل رات سوئی تھی اور اب اگلا دن ختم ہونے کے قریب ہے۔ ایسی بے خبر نیند‘ وہ بھی ان حالات میں کیسے آ گئی؟‘‘

وہ بڑبڑا رہی تھی۔ حالات و واقعات کے بوجھل پن نے اس طرح ذہن کو اُلجھایا تھا کہ اس نے کپڑوں کی تبدیلی کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ یہی گمان گزرا کہ کل یہی پہنے ہوں گے۔

’’ارے‘ میں یہاں سوتی رہ گئی اور نہ جانے سکندر کے ساتھ کیا گزر گئی؟‘‘ کسی احساس کی تیز چبھن نے اُس کے سارے خوابیدہ اعصاب جگا دیئے‘ وہ جیسے تیسے اٹھی اور بیڈ سائڈ کی بیل بجا دی۔

خورشیداں اندر آئی تھی۔ آج سے اس خرانٹ عورت کو اس کے کاموں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔

’’ناممکن‘ ناممکن۔ ڈرامہ ہے یہ سب‘ بکواس ہے بالکل!‘‘ وہ پوری تفصیل سنتے ہی بری طرح چلا اٹھی تھی۔

’’نہ جیرا اور بشیراں‘ کوثر کو جانتے ہیں اور نہ سکندر کو راتوں رات خواب آیا تھا۔‘‘

’’او جی‘ جانتے کیسے نہیں ہیں‘ کوثر کئی مرتبہ ماں کے پیچھے حویلی آ چکی ہے۔ حویلی کے اکثر ملازموں کو اس کا پتا ہے۔ سارے پنڈ کے سامنے سکندر نے پولیس کو بیان دیا ہے۔‘‘

اسی اثنا میں ملک وراب کمرے میں داخل ہوا تھا‘ ’’وہ شہر کے تھانے میں بند ہے۔ تسلی کرانی ہے تو میں ملک بابا کی ناراضگی مول لے کے تمہیں تھانے لے جانے کو تیار ہوں۔‘‘ وہ فخریہ بولا جیسے دشمن کو راہ سے ہٹانے کی بے پایاں خوشی ہو۔

’’ٹھیک ہے‘‘ وہ خودسری سے بولی اور انہی حالوں‘ چادر لپیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس کے ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے۔

سکندر تھانے میں بڑے اطمینان اور سکون سے بیٹھا ہوا تھا۔ شہریال کے آنے کے باوجود حرکت نہیں کی۔

’’سکندر!‘‘ شہریال نے اضطراری انداز میں سلاخیں تھام لیں۔ ’’مجھے صرف اتنا بتا دو کہ کس دباؤ کے تحت تم سے یہ بیان دلوایا گیا ہے۔ کون سی دھمکی نے تمہیں اتنا خوفزدہ کر دیا جو...... یہ تو میں مان نہیں سکتی کہ کسی لالچ میں تم نے ایسا کیا ہے۔ بتاؤ‘ مجھے بتاؤ سکندر! میں تمہارے لئے لڑوں گی۔ میرا ایک جاننے والا وکیل ہے‘ تم بھی جانتے ہوئے ’محسن آفتاب۔ میں اس سے بات کروں گی‘ وہ اپنے وکلا کی انسانی حقوق کی تنظیم کے ذریعے تمہارا کیس لڑے گا۔ تمہیں تمہارا باعزت مقام اور

زمین جائیداد میں حصہ سب کچھ واپس دلائے گا۔تم یہ جھوٹا بیان بدل دو۔''

''مجھے نہ تو کسی نے دھمکی دی ہے' نہ کسی خوف یا دباؤ کے تحت ایسا کیا ہے۔یہ بیان میں نے اپنی آزادی سے' اپنی مرضی سے دیا ہے اور یہی سچ ہے'' اس نے قدرے سختی سے کہا اور پھر رخ موڑ لیا۔''آپ جائیں یہاں سے اور دوبارہ مت آیئے گا' آپ کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔''

شہریال کو اس پر غصہ بھی آیا اور ترس بھی۔

''تم لاکھ انکار کرو' میں جانتی ہوں' تم اپنی زبان نہیں بول رہے اور میں اس دباؤ کا کھوج لگا کر رہوں گی' جس نے تمہاری زبان بندی کر رکھی ہے۔'' وہ پلٹ گئی۔

سکندر اُسے جاتا دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ہاتھ کی الجھی ہوئی لکیریں دیکھتا رہا۔

صبح سے شام تک بوجھ ڈھوتا ہوا
اپنی ہی لاش پہ خود مزار آدمی
روز جیتا ہوا روز مرتا ہوا
ہر نیا دن ' نیا انتظار آدمی
ہر طرف بھاگتے دوڑتے راستے
ہر طرف آدمی کا شکار آدمی
زندگی کا مقدر سفر در سفر
آخری سانس تک بے قرار آدمی

O☆O

نگین راحت کے محلے میں گئی تھی۔

اس کی ساس' خاوند اور بڑی بہن کو اس نے ساری تفصیل سنا دی۔صفیہ پہلے تو بھٹ ہی پڑیں۔عرفان نے صفا اُسے دوبارہ قبولنے سے انکار کر دیا۔

''اے بی بی' تمہیں شرم نہیں آئی میرے بے گناہ بچے پر اتنا بڑا الزام لگاتے ہوئے۔وہ تو پہلے ہی اللہ کی مار پڑنے' ان پولیس والوں کے ہاتھوں تھانے میں دھکے کھا رہا ہے۔میرا معصوم لعل رُل گیا۔وہ چڑیل ڈائن (انیتا) خود بھی ڈوبی اور میرے بچے کو بھی لے ڈوبی۔نہ اس کے پیچھے لگ کے زیادہ کمانے کے چکر میں پڑتا' نہ آج حوالات کا منہ دیکھنا پڑتا۔ابھی تو جانے آگے اور کیا

کیا کچھ ہوگا۔''

''بات سنیں جی میری' ابھی تو آپ کے بیٹے پر غیر ملکی انجینئرز کے اغوا اور کمپنی کی فائلوں کی چوری کا الزام ہے ناں' اگر آپ لوگ راحت کو باعزت طریقے سے گھر واپس نہیں لائیں گے تو اس کے ذریعے جابر علی پر زنا بالجبر کے تحت بھی دفعہ عائد ہو جائے گی۔دیکھ لینا' وہ کسی طرح بھی نہیں بچ سکے گا۔بہتر ہے گھر کا معاملہ گھر تک رکھو اور اپنے اس بیٹے کو سمجھاؤ کہ زیادتی راحت کے ساتھ ہوئی ہے' وہ قصوروار نہیں بلکہ مظلوم ہے' اسے پیار' عزت اور توجہ دو۔اچھی طرح سوچ لو' میں پھر چکر لگاؤں گی۔''

اور صفیہ نے اس موقع پر کمال عقل مندی کا ثبوت دیا۔اتھرے ہوئے عرفان کو جانے کون سی پٹی پڑھا کر راحت کو ہاسپٹل سے گھر واپس لانے پر آمادہ کر لیا۔خود بھی ساتھ گئی تھیں۔

''ابھی مقدمے سے بچنے کے لئے اور جابر کی خاطر گھر لے آ' بعد میں سارے حساب چکتا کر لیں گے۔میں کل جابر علی کے پاس گئی تھی' اس نے کہا ہے کہ یہ سراسر الزام ہے بلکہ خود راحت اس پر ڈورے ڈالتی تھی اور کئی بار اُسے گناہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کر چکی تھی۔دیکھنا تو سہی' کیسے میں اس چنڈال کے پر کترتی ہوں۔بس ایک بار بہلا پھسلا کر گھر لے آ' پھر اس کو بتائیں گے' گھر کی دہلیز پار کر کے گھر سے بھاگنے کا انجام۔مجھے اچھی طرح یقین ہے' یہ وہی لونڈا ہوگا جو شادی سے پہلے اسے راتوں کو کار پر چھوڑنے آیا کرتا تھا۔''

پروپیگنڈے اور ظلم کے ہتھکنڈے اپنانے میں صفیہ کا کوئی ثانی نہیں تھا اور وہ راحت کو مشق ستم بنانے کے لئے پوری پلاننگ کر چکی تھی۔

بالآخر راحت گھر واپس آ گئی۔

راحت کے نصیب کی کالک نے نہ دُھلنا تھا سو نہیں دُھلی۔رہنے اور بسنے میں فرق ہوتا ہے۔

قانون کی طاقت گھر لا تو سکتی تھی گھر میں بسا نہیں سکتی تھی۔کہنے کو اب وہ اپنے گھر میں اپنے خاوند کی چھت کے نیچے تھی مگر کیا بے سروسامانی تھی۔

عورت مرد کا گناہ معاف کر سکتی ہے' دوسری عورت کا گناہ معاف کرنے کی روادار نہیں ہوتی۔معاشرے کی تاریخ گواہ ہے کہ بدکار' شرابی' رشوت خور' حتیٰ کہ چور ڈاکو شوہر کے طور پر

قبول لے گئے اور مجازی خدا کے عہدے پر فائز ہو کر تمام تر خدمات اور وفاؤں کے حق دار ٹھہرے مگر گنہگار عورت تائب ہو کر بھی اپنی آخری سانس تک دھتکاری اور ٹھکرائی جاتی رہی۔

اور اس پر تو محض تہمتِ گناہ تھی۔ وہ گناہگار نہیں تھی' وہ تو مظلوم عورت تھی مگر سزا اُس نے بھی پوری بھگتی' وہ اتنے دنوں گھر سے غائب رہی تھی اور جیٹھ کے خلاف زنا بالجبر کی داستان وکیل تک پہنچائی تھی۔ یہ دو گناہ قابلِ معافی تھے۔

وہ گھر سے بھاگی ہوئی تھی اس لئے شوہر کی غیرت کے لئے تازیانہ تھی۔ وہ جھوٹی ہو چکی تھی اور دوسرے مرد کا جھوٹا کھانا ایک غیرت مند' عزت دار اور معزز شوہر کو کہاں گوارا ہو سکتا ہے۔

عرفان نے سوچا اور واشگاف لفظوں میں ماں کو بھی بتا دیا۔

صفیہ تو پہلے ہی راحت کے معاملے میں بھڑوں کا چھتا بنی ہوئی تھی۔ بیٹے کو ہم خیال پا کر اور بھی شیر ہو گئی۔

"ایسی گناہ کی پوٹ کو میں گھر میں رکھوں گی؟ توبہ کرو توبہ۔ گھر کی عورت گھر سے نکلی' کوٹھے چڑھی۔ دیدہ دلیری تو دیکھو میرے جابر پہ جھوٹا الزام دھر کے اس بہانے منہ کالا کرتے گھر سے غائب ہو گئی' جب کوئی صحیح ٹھور ٹھکانا نہیں ملا تو اپنے کسی یار سے وکیل کرا کے جابر پہ جھوٹا کیس پڑوا کر گھر واپس آنے کی ترکیب کر لی۔ پتا تھا ناں کہ جابر جیل میں بند ہے' کچھ نہیں کر سکتا۔"

"وہ کچھ کریں یا نہ کریں میں اس بے غیرت کی بچی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" عرفان نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ "گھر سے بھاگی ہوئی عورت کے لئے دو ہی ٹھکانے ہوتے ہیں کوٹھا یا پھر موت......" اس کا لہجہ سنگین ہو گیا۔

"میرا تو اپنا جی چاہتا ہے دونوں بہنوں کا خون پی جاؤں۔" صفیہ جل کر بولی۔

"جابر نے تو صاف کہہ دیا ہے کہ اس سے جب چاہیں طلعت کی طلاق کے تین بول لکھوا لیں۔ اسے رتی برابر دلچسپی نہیں ہے۔"

"تو پھر انتظار کس بات کا ہے' ایک کو طلاق دے کر بھجوائیں اور دوسری کو اس کی حرام کاری اور بھائی جان پر بہتان تراشی کا مزہ چکھائیں۔"

"صبر کر منڈیا' ٹھنڈا کر کے کھا۔" صفیہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا "تیرا کیا خیال ہے' میں اس چلتر کو پھولوں کی سیج پہ بٹھانے کے لئے گھر واپس لائی ہوں؟ تو کیا جانے کیسا بھانبھڑ جل رہا

ہے میرے اندر۔ پر فکر نہ کر' اسی بھانبھڑ میں جلاؤں گی اسے۔" صفیہ کا لہجہ مدھم اور خوفناک ہوتا چلا گیا۔

"میں تو معاملہ ٹھنڈا ہونے کا انتظار کر رہی تھی' اس واسطے ہفتے بھر سے چپ تھی۔ کسی مناسب وقت کے انتظار میں تھی۔ اسی لئے مہارانی سے کچھ نہیں کہا مگر اب وہ وقت قریب آ گیا ہے۔"

صفیہ عرفان کے قریب کھسک آئی اور پھر ہولے ہولے دونوں ماں بیٹا راحت کو قتل کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔

جب عورت گھر میں موجود ہو تو اسے مارنے کا ایک ہی تیر بہدف نسخہ استعمال کیا جاتا ہے اور یہی نسخہ برس ہا برس سے سسرال والوں کے کام آ رہا ہے۔

جی ہاں' جلا دینا۔

چولہا پھٹ جانے کی داستانیں عام ہو کر گویا زندگی کا حصہ بنتی جا رہی ہیں۔ ایک ایسی ہی داستان کا آغاز صفیہ کے گھر میں بھی ہونے والا تھا۔

کچھ سلسلے ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں سمجھ نہیں آتا' کس طرح سرے چڑھیں گے۔ ایسی بیلوں کو قدرت منڈیر پر چڑھاتی ہے۔

راحت کی زندگی بھی ایک ایسا ہی سلسلہ تھی۔

وہ مسائل و مصائب کے پہاڑ تلے دبی اُن سے لڑتی رہی' خوبصورت اور روشن دنوں کے خواب دیکھتی رہی' اپنی قسمت بدلنے کی جستجو میں رہی مگر کچھ بیلیں دیوار پر چڑھنے سے پہلے ہی آنگن میں ٹوٹ کر گر پڑتی ہیں۔ وہ بھی وقت سے پہلے مرجھا کر فنا ہو گئی۔

اس گھٹن زدہ معاشرے میں آزادی' روشنی' خوشحالی اور امن کا خواب دیکھنے والے دیوانے ہی کہلاتے ہیں۔ اور زندگی دیوانوں کے ساتھ کچھ زیادہ اچھا سلوک نہیں کرتی۔ وہ ایک نچلے طبقے کے دقیانوسی ماحول کی اور تعلیم و تہذیب سے بے بہرہ فضاؤں کی پروردہ تھی۔ اس کے پر پرواز میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ زنجیروں سے چھٹکارا پا کر رسم و رواج کے اس اندھے کنوئیں سے باہر نکل سکتی۔

معاشرے نے اسے سکھا دیا کہ غلطی خواب دیکھنے والی آنکھوں کی ہوتی ہے سو ایسی آنکھ کا

بند ہو جانا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ وہ آنکھ بند ہو گئی۔ ہمیشہ کے لئے۔

ایسی آنکھیں جانے کب تک بند ہوتی رہیں گی' جانے کب تک ایسی نام نہاد حادثاتی موتیں وقوع پذیر ہوتی رہیں گی؟

شاید اس وقت تک جب تک کہ عزت' دولت اور اثر و رسوخ کی منصفانہ تقسیم نہیں ہو گی۔ جب تک ہر بھوکا پیٹ یکساں رزق حاصل نہیں کرے گا۔ جب تک بے ایمان اور جھوٹا معاشرہ اپنی موت آپ نہیں مرے گا اور ایک منصف' دیانت دار' پُر امن اور خوشحال معاشرے کو جنم نہیں دے گا۔ معاشرہ انصاف پسند ہو گا تو بہو کا وزن جہیز اور والدین کی مستحکم مالی پوزیشن کے ساتھ نہیں کیا جائے گا۔

معاشرہ دیانت دار ہو گا تو عزت اور توجہ حاصل کرنے کے لئے کسی کو اپنا یا اپنے باپ کا بینک بیلنس نہیں بتانا پڑے گا۔

راحت اور طلعت کیوں عذاب ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہیں؟ صرف اس لئے کہ وہ ایک نہایت غریب اور بے حیثیت گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ جہاں روزانہ دو وقت کا کھانا کھالینا ہی خوش حالی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

اور صفیہ کے لالچی' کم ظرف اور کمینہ فطرت گھرانے میں انسانوں کا ناپ تول صرف اور صرف دولت و دبدبے سے کیا جاتا تھا۔

"راحتیں" ختم ہو جاتی ہیں "جابر" کیوں ختم نہیں ہوتے۔ ہمیشہ آرام و سکون ہی کیوں برباد ہوتا ہے' کبھی تو یوں ہو کہ جبر اور ظلم بھی اپنی موت آپ مر جائے۔

O☆O

"جی فرمایئے۔" نگین نے کچھ اچنبھے کی سی کیفیت میں گیٹ پر کھڑی مفلوک الحال اور گھبرائی ہوئی سی ستم رسیدہ عورت کو دیکھا تھا۔ وہ پرانی طرز کے برقعے میں ملبوس تھی۔ نگین کو دیکھ کر نقاب الٹا تھا' چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگتا تھا مگر اس پر تحریر غم کی لکیریں اتنی گہری تھیں کہ وہ فوری طور پر نہیں پہچان سکی۔

"آپ...... نگین ہیں ناں جی؟ وہی جو ہمارے گھر بھی آئی تھیں راحت کے متعلق بتانے؟"

"جی ہاں۔ مگر......"

"میں طلعت ہوں۔ اُس بدنصیب کی بہن۔" طلعت کی آواز بھرا گئی۔

"اوہ...... آپ...... کہئے خیریت تو ہے ناں؟" نگین نے اس کی آمد کو حیرت سے دیکھا تھا "راحت تو ٹھیک ہے ناں۔"

"کچھ بھی ٹھیک نہیں رہا نگین بی بی۔" دنوں سے مسلسل اشک بہاتی آنکھیں پھر رواں ہو گئی تھیں۔

"اب تو سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچی ہوں۔ ایک وعدہ نبھانے کہ ایک یہی کام ہو سکتا ہے جو اس کی روح کو سکون دے گا۔ آپ مہربانی فرما کر اندر بیٹھ کر میری بات سن لیں' مجھے ڈر ہے خالہ صفیہ یا عرفان نے میرے پیچھے کوئی جاسوس نہ چھوڑ رکھا ہو"

"جی جی' آیئے۔ اندر تشریف لایئے۔" الجھن میں گرفتار نگین نے ڈرائنگ روم تک اس کی رہنمائی کی۔

"معاف کیجئے گا مجھے آپ کے اشارے کنایے سمجھ نہیں آ رہے۔ پلیز کھل کر بتائیں کیا ہوا۔"

"کوئی بیس دن پہلے راحت کو عرفان اور صفیہ خالہ نے مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔ وہ بے چاری آگ میں جل مری۔ میں نے اپنی آنکھوں سے عرفان کو اس پر تیل چھڑکتے دیکھا تھا' میں نے اسے روکنا چاہا تو اس نے مجھے رسیوں سے باندھ دیا' جب وہ اچھی طرح جل گئی تب مجھے کھولا تھا۔ میں دوڑ کر راحت کے پاس گئی۔ اُس کی آخری سانسیں سینے میں اٹک رہی تھیں۔ اس نے آہستہ آہستہ بتایا کہ وہ جب سے آئی تھی صفیہ خالہ اور عرفان کی طرف سے انتقامی کارروائی کی توقع کر رہی تھی۔ احتیاطاً اس نے ایک پرچہ اپنے وکیل محسن آفتاب کے نام لکھ کر بستر کے نیچے رکھ چھوڑا تھا کہ اس کی حادثاتی موت کے ذمے دار عرفان اور صفیہ خالہ ہوں گے۔ اس نے مجھے وہ پرچہ آپ تک پہنچانے کی تاکید کی تھی۔ بتانے کے بعد اس کی آخری سانس بھی نکل گئی تھی۔ عرفان اور صفیہ خالہ کو یقین تھا کہ اب وہ بچ نہیں سکے گی اسی لئے مجھے اس کے پاس جانے دیا تھا اور خود دور بیٹھے آرام سے تماشا دیکھتے رہے۔ وہ یہ بات نہیں سن سکے۔ جونہی وہ مری' رونا پیٹنا ڈال دیا اور ایمبولینس منگوا کر ہسپتال لے گئے۔ اس سے پہلے مجھے اچھی طرح سمجھا گئے تھے کہ اگر زبان کھولنے کی کوشش کی تو طلاق دلوا دیں گے۔ مجھے تو یہ لگتا ہے مجھے بھی نہیں رکھیں گے' گھر سے نکال

دیں گے یا پھر راحت ہی کی طرح زندہ جلا دیں گے۔ ظاہر ہے میں ان کے جرم کی چشم دید گواہ ہوں۔ آج کل مجھ پر کڑی نگرانی ہو رہی ہے۔ میں نے کئی بار عرفان کو کسی خوفناک منصوبے پر سوچتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں بیس راتوں سے سوئی نہیں ہوں' عجیب سا خوف اور ڈر میری نیندیں اُڑا دیتا ہے۔ میں نے سوچا اس سے پہلے کہ میں بھی کچھ کہئے یا کئے بغیر مر جاؤں آپ تک یہ رقعہ پہنچا دوں۔ آخر کوئی تو گواہ ہو ظالموں کے ظلم کا۔''

نگین جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی تھی۔

آنسو خود بخود گالوں پر رواں تھے اور دماغ میں چنگاریاں بھر رہی تھی۔ یقین ہی نہیں آتا تھا۔ بیس اکیس برس کی وہ پُر جوش' باعمل اور اپنوں کے لئے بہت کچھ کر دکھانے کا عزم باندھتی پُر کشش سی لڑکی اپنے تیشے سمیت پہاڑوں کے پتھروں میں دفن ہو گئی تھی۔ نہر نکالنے کا خواب بند آنکھوں کے ساتھ سو گیا تھا۔

محسن گھر پر ہی تھا اور اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ نگین نے جا کر اسے اٹھایا اور ساری صورتِ حال بتائی۔

وہ بھی گم صم اور افسردہ ہو گیا۔

''بہت بُرا ہوا اس بے چاری مظلوم لڑکی کے ساتھ۔'' وہ ڈرائنگ روم میں طلعت کے سامنے بیٹھا افسوس کر رہا تھا۔ طلعت سے راحت کا تحریر کردہ رقعہ لے لیا تھا۔ اسے حفاظت سے جیب میں ڈالنے کے بعد وہ کچھ دیر سوچ میں گم لائحہ عمل ترتیب دیتا رہا۔

''آپ کی بہن کے قاتل اپنے کیفر کردار کو ضرور پہنچیں گے اور انشاء اللہ آپ کا بھی بال بیکا نہیں ہوگا۔''

محسن بالآخر اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں آج ہی وکلا کی انجمن برائے انسانی حقوق کے ممبران سے مشورہ کرتا ہوں۔ کل سے اس کیس پر باقاعدہ کام شروع ہو جائے گا۔ آپ کو مکمل قانونی تحفظ فراہم کیا جائے گا اور عرفان اور صفیہ کے خلاف مقدمہ درج کر کے بہت جلد انہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ یہ تو سیدھا سادا پولیس کیس ہے۔ ہماری تنظیم آپ کے ساتھ بھرپور تعاون کرے گی۔''

طلعت سوچوں اور وسوسوں میں غلطاں وہاں سے رخصت ہو گئی۔

ڈھائی ماہ کے عرصے میں وکلا کی تنظیم کی کوششوں اور محسن اور ایمان کی اس کیس کے سلسلے میں ان تھک کاوشوں نے بالآخر کام کر دکھایا۔ نگین نے مقدور بھر ہاتھ بٹایا تھا۔ عرفان اور صفیہ کو قتل کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا مقدمہ چلا اور انہیں چودہ چودہ سال کی قید بامشقت کا حکم سنایا گیا۔ جابر اور انیتا پہلے ہی فراڈ اور اغوا کے کیس میں جیل میں تھے۔ ماں اور عرفان کی گرفتاری کے ساتھ ہی جابر نے طلعت کو طلاق بھجوادی تھی۔ وہ اپنے ماں باپ کے گھر واپس آ گئی تھی۔

سو راحت اور طلعت کی کہانی بھی کائنات میں بکھری اور دوسری بے شمار کہانیوں کی طرح اختتام پذیر ہو گئی۔ اب تو غم کا ایک طویل اور یکساں صحرا تھا۔ گزری راہوں پہ دھول اُڑتی تھی اور پاؤں کے نیچے گرم ریت۔

O☆O

مہرینہ کی طرف سے خلع کا نوٹس آ چکا تھا۔

''ملک ہاؤس'' میں شدید ٹینشن پھیل گئی تھی۔

سعود جتنی دفعہ مہرینہ سے ملنے یاسمین بیگم کے گھر گیا' باہر کھڑے گارڈ نے یہی بتایا کہ بی بی جی گھر پر نہیں ہیں۔ یہ گارڈ حال ہی میں رکھا گیا تھا۔ پورچ میں سعود کی وہ ہنڈا سوک کھڑی تھی جو اس نے مہرینہ کی فرمائش پر اس کے نام ٹرانسفر کر دی تھی۔

اس کے علاوہ وہ بے شمار کاغذات اس کی تحویل میں تھے جو مختلف باغات' پلاٹوں اور دیگر اثاثوں پر مشتمل تھے اب تک مہرینہ اپنے اکاؤنٹ میں دس لاکھ کی خطیر رقم جمع کروا چکی تھی۔

یاسمین بیگم کی تو ان دنوں پانچوں انگلیاں گھی میں تھیں۔ اس نے مہرینہ کو گھر سے نکلنے اور فون اٹینڈ کرنے سے منع کر دیا تھا۔ مبادا سعود سے رابطہ نہ ہو جائے۔ خود مہرینہ بھی ملک ہاؤس کے کسی فرد کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ وہی کچھ کر رہی تھی جو یاسمین بیگم کہتی تھیں مگر اب جوں جوں وقت گزر رہا تھا ایک عجیب بیزاری' جمود اور گھٹن سی طاری ہوتی جا رہی تھی۔

وہ اکثر خود سے سوال کرتی کہ وہ کیا چاہتی ہے۔

اگر اس کا مقصدِ حیات یہ تھا کہ جنہوں نے اس کی ماں پر ظلم کیا اور اسے اپنا خون ماننے سے انکار کر دیا' اُن سے بدلہ لیا جائے تو یہ کام پورا ہو چکا تھا۔ بدلے کے طور پر بے شمار جائیداد وہ اپنے نام کروا چکی تھی۔ جب تک ملک ہاؤس رہی تھی اپنی بدتمیزیوں اور من مانیوں سے جی بھر کر انہیں

زچ کر چکی تھی۔ سعود کو خلع کا نوٹس بھجوا کر ملک ہاؤس کی عزت خاک میں ملا چکی تھی۔ اب وہ لوگ بے بس اور مجبور تھے۔ بوا' جب بھی فون اٹینڈ کرنے کے بعد اس کے پاس بیٹھتیں تادیر سمجھاتی رہتیں۔

''کاہے کو عمر رولتی ہو بٹیا؟ اب بھی وقت ہے سنبھل جاؤ۔ تم کو خدا کا واسطہ ہے یہ کلنک کا ٹیکا ماتھے پر نہ سجاؤ۔ تمہاری ماں تو پاگل ہو گئی ہے۔ پاگل پنے میں اپنی بیٹی کا گھر اُجاڑ رہی ہے۔ تم ایسا نہ کرو چندا۔''

''اوہو بوا' امی جو کر رہی ہیں ٹھیک کر رہی ہیں۔'' وہ جھنجھلا کر کہتی۔

''خاک ٹھیک کر رہی ہیں۔'' بوا بھنا جاتی تھیں۔

''ملک ہاؤس کی بیگمات روز فون کرتی ہیں' معذرت طلب کرتی ہیں' تمہیں اور تمہاری ماں دونوں کو بسانے کی درخواست کرتی ہیں۔ تم ماں بیٹی ہو کہ جانے کس تکبر میں اکڑے چلی جا رہی ہو۔ ارے جو ماضی میں بیتا سو بیت گیا۔ مٹی ڈالو۔''

بوا کھری کھری سنانے کی عادی تھیں۔

''اب امی کو بہو تسلیم کرنے سے کیا حاصل؟ وہ ویسے بھی دوسری شادی کر چکی ہیں۔ مسز تلقین بنے انہیں برسوں بیت چکے ہیں' اب ان لولی لنگڑی ہمدردیوں سے کیا حاصل۔''

''مجھے کیا' پچھتاؤ گی ماں بیٹی سر پہ ہاتھ رکھ کے۔'' بوا تنگ آ کر اٹھ کھڑی ہوتی تھیں'' دنیا میں کیسی کیسی قیامتیں نہیں ٹوٹتی ہیں۔ برداشت والے اپنی برداشت آزماتے ہیں اور آزمائشوں میں سُرخرو ہو کر نکلتے ہیں۔ ہاں' بے صبرے ڈھے جاتے ہیں۔ خوامخواہ رائی کا پہاڑ بنا بیٹھے ہیں۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی نکل کھڑی ہوئیں۔

''مہرو۔ بیٹے میں وکیل کے پاس جا رہی ہوں۔ اس کا فون آیا ہے۔ اس نے ضروری معاملات طے کرنے کے سلسلے میں بلایا ہے۔''

وہ سستی سے ٹیبل پر پاؤں پھیلائے صوفے پر بیٹھی ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لئے خالی الدماغی کی حالت میں ٹی وی سکرین پر نظر جمائے ہوئے تھی۔ یاسمین بیگم کی آواز پر اس نے کاہلی سے سر اٹھایا تھا۔

''کیا مجھے بھی ساتھ چلنا ہو گا؟'' اس نے اچٹتی سی نگاہ ماں پر ڈالی' وہ آف وائٹ بارڈر کی

مہرون انتہائی دیدہ زیب ساڑھی زیب تن کئے ہوئے تھیں۔ ان کے ساتھ تلقین میاں بھی جانے کو تیار کھڑے تھے۔

''نہیں تمہارے ڈیڈی جا رہے ہیں میرے ساتھ۔ بوا گیٹ بند کر لیں اور مہرو تم خیال سے رہنا۔'' انہوں نے چلتے چلتے اچھی طرح تاکید کی۔

مہرینہ نے سر ہلا دیا۔ اسے کیا خبر تھی یہ زندگی کی آخری تاکید ثابت ہو گی۔

انہیں گئے قریباً تین گھنٹے ہو چکے تھے جب کمپلیکس ہاسپٹل سے فون آیا۔

''آپ کے والد اور والدہ کا...... ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ والد صاحب کی ڈیتھ ہو گئی ہے اور والدہ کی حالت انتہائی نازک ہے۔ والدہ کی ہدایت ہے کہ آپ ملک ہاؤس کے کسی معتبر مرد یا خاتون کو ساتھ لے کر فوراً اُن کے پاس پہنچ جائیں۔ فوراً......''

اس کی زندگی کے روشن دریچوں کی طرح' جو خدا جانے کب سے بند پڑے تھے' فون بھی بند ہو گیا۔

ماں کی ہدایت بہت عجیب سی لگی تھی۔ ملک ہاؤس کے مکینوں کو ہمراہ کیوں لایا جائے۔

اتفاق سے فون شبیر صاحب نے اٹھایا تھا۔ مزید تاخیر کئے بغیر وہ آپا بیگم کو ہمراہ لے کر ہاسپٹل چل پڑے تھے۔ ویسے دل میں وہ بھی حیران پریشان تھے۔ جانے کیا کہنا تھا یاسمین بیگم نے۔ شاید نادم ہو کر مہرینہ کو ہمارے ہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا ہو۔

یا اپنے غلط رویے کی معافی مانگنا ہو۔

یا بیٹی کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہمارے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا ہو۔

بہت سارے سوالات دل میں چٹکیاں لے رہے تھے۔

مہرینہ ماں کی حالت دیکھ کر بدحواس ہو گئی۔ وہ سرتاپا پٹیوں میں جکڑی ہوئی تھیں۔ بولنے میں سخت دقت ہو رہی تھی۔ روتی ہوئی مہرینہ کو چپ ہونے کا کہہ کر انہوں نے شبیر صاحب اور آپا بیگم کو مخاطب کیا تھا۔

''آج مجھے آپ کی کوئی چیز واپس لوٹانی ہے۔ ایک بہت قیمتی چیز۔'' ان کا لہجہ پُراسرار تھا۔

''کون سی چیز؟'' شبیر صاحب حیران ہوئے۔

''وہ چیز جسے آج سے چوبیس پچیس سال پہلے آپ سے چُرایا تھا۔'' وہ بدقت تمام بول رہی

تھی۔

''یاد کریں' آپ کے ہاں جڑواں اولاد ہوئی تھی۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکا پیدائش کے وقت ہی فوت ہو گیا تھا اور بیٹی تیسرے دن ہاسپٹل سے گم ہو گئی تھی۔''

''ہاں ہاں' مگر تم کہنا کیا چاہتی ہو۔'' آپا بیگم کے وجود میں جیسے کسی نے تیز برقی رو دوڑا دی تھی۔ اُن کا لہجہ لرز رہا تھا۔

''میں ملک ہاؤس گئی تو ملک بابا نے بُری طرح دھتکار دیا تھا کہ ایک عیسائی نرس اور اس کی بیٹی ہماری کچھ نہیں لگتیں۔ میں انتقام لینے کے لئے پاگل ہو رہی تھی۔ ڈلیوری کے بعد دوبرہ سے میں نے نرسنگ کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ آپ کا کیس آیا تو میرے علم میں تھا۔ اتفاق سے اس روم میں میری ڈیوٹی نہیں تھی۔ میں نے ہاسپٹل میں پوچا لگانے والی آیا سکینہ سے معاملہ طے کر لیا۔ میرے پاس تنویر کی دی ہوئی بہت سی رقمیں بینک میں پڑی تھیں۔ میں نے سکینہ سے بیس ہزار کے عوض بچی کو ہسپتال سے اٹھا کر کسی دور دراز جگہ پر لے جانے کی ڈیل کر لی۔ وہ روزانہ آپ کے روم میں پوچا لگانے جاتی تھی۔ وہ ایف سیون کے اطراف میں واقع کچی بستی میں رہتی تھی۔ آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ ایک شوہر تھا جسے سکینہ نے راز دار بنا کر پہلے ہی اسلام آباد سے بہت دور فیصل آباد کے نواحی علاقے میں چھوٹا سا مکان لینے بھیج دیا تھا۔ اس زمانے میں بیس ہزار بہت بڑی رقم تھی' اسے آسانی سے دو کمروں کا پکا مکان تیس ہزار میں مل گیا۔ میں نے مزید دس ہزار روپے انہیں فراہم کئے اور پھر منصوبے کے مطابق وہ ہسپتال کی انتظامیہ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بچی کو کپڑوں میں لپیٹ کے گٹھڑی سا بنا کر لے آئی جہاں اس کا خاوند اس بچی اور اپنی بڑی بیٹی کو لے کر فیصل آباد چلا گیا۔ سکینہ اسی طرح ہسپتال میں ڈیوٹی دینے لگی۔ ابھی اس کا منظرِ عام سے ہٹ جانا اسے بہت نقصان پہنچا سکتا تھا۔ آپ لوگوں نے بڑی کوشش کی مگر بچی نہ مل سکی پھر جب معاملہ ٹھنڈا پڑا تو دو تین ماہ بعد سکینہ میری ہدایت پر نوکری چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے اسلام آباد سے رخصت ہو گئی۔ وہ اور اس کا خاوند فیصل آباد کے ہو گئے۔ افسوس میرے پاس فیصل آباد کا ایڈریس نہیں ہے لیکن مجھے یقین ہے آپ کی بیٹی وہیں سکینہ کے پاس ہو گی۔ اس کی بڑی بیٹی آپ کی بیٹی سے بہت مانوس ہو گئی تھی۔ اس لئے سکینہ نے اسے اپنی بیٹی بنا لیا تھا۔''

زمین و آسمان گھوم کر رہ گئے تھے۔ وہ بیٹی جس کے غم میں ایک مدت سے تڑپتے رہے تھے وہ

یاسمین بیگم کے انتقام کا نشانہ بن کر کسی تنگ و تاریک جگہ پر رُل رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں' میں نے آپ پر بہت ظلم کیا ہے۔ موت سر پر آئی ہے تو ہر چیز کا احساس جاگ اٹھا ہے۔ براہِ کرم مجھے معاف کر دیجئے گا اور میری بیٹی کو قبول کر لیجئے گا۔''

یاسمین بیگم دونوں ہاتھ جوڑے رو رہی تھیں۔

''مہرو میرے مرنے کے بعد واپس ملک ہاؤس چلی جانا' وہی تمہارا گھر ہے۔''

گم صم کھڑی مہرینہ ماں کے روپ میں ایک سفاک اور بے حس عورت کو بستر مرگ پر پڑا دیکھ رہی تھی۔ ماں تو بدلہ بہت پہلے لے چکی تھی پھر کیوں خود کو اور مجھے آگ کے جنگل سے گزار رہی؟

یاسمین بیگم کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں۔

دس منٹ بعد وہ دارِ فانی سے کوچ کر چکی تھی۔

O☆O

''اماں تم یہاں؟'' سکندر ماسی برکتے اور چاچا بختو کو دیکھ کر تحیر سے گویا ہوا تھا۔

''چاچا! تم لوگوں کو یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔'' وہ شکستگی سے سر جھکا کر بولا۔

''کیوں؟ کیوں نہیں آنا چاہئے تھا؟'' ماسی برکتے نے بہتے آنسو پونچھتے ہوئے تنک کر کہا۔

''ماں باپ نہیں ہیں تیرے مگر ان کی طرح پالا تو ہے ناں۔ تیرا ایک ایک سانس ہمارے لہو میں دوڑتا ہے۔ تُو کیا سمجھتا ہے ہم نے دنیا والوں کا کہا سچ مان کر تجھے کوثر کا قاتل سمجھ لیا ہے؟'' چاچا بختو نے سلاخیں تھام کر گویا خود کو سہارا دیا۔

''دنیا بھونکتی رہے جو بھونکتی ہے۔ تو ہمارا بیٹا ہے۔ کوثر کو جانا ہی تھا وہ چلی گئی۔ اُس کی موت اور تجھ پر ٹوٹنے والی قیامت نے ہوش چھین لئے تھے' اس لئے اتنے دنوں سے آ نہیں سکے۔ آج آئے ہیں۔ تو بتا ٹھیک ہے ناں۔'' برکتے اس کا ہاتھ ٹٹولنے لگی۔

''کتنا کمزور ہو گیا ہے۔ اتنا سا منہ نکل آیا ہے۔ پتا نہیں اونترے تجھے کھانے کو بھی دیتے ہیں یا نہیں۔'' وہ پھر رونے لگی۔

''سب کچھ ملتا ہے اماں' تو فکر نہ کر۔'' سکندر نے آہستگی سے برکتے کی چادر کا پلو اٹھا کر اس کے آنسو صاف کئے۔

"تُو انہیں کیوں نہیں بتاتا کہ تُو بے گناہ ہے۔ تُو نے کسی کا خون نہیں کیا؟" وہ روتے روتے لڑ پڑی۔

"بتادوں گا۔ سب بتادوں گا اماں۔" سکندر کے جسم میں اِک ٹیس سی اٹھی تھی۔

جانے کتنے بے شمار زخم تھے جو ہر وقت ہرے رہتے تھے' اندرونی بھی اور بیرونی بھی۔

"یہ بتا پنڈ کیسا ہے؟ حویلی والے کیسے ہیں؟" وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

"پنڈ کو کیا ہونا ہے۔ ویسے کا ویسا ہے اور حویلی والے بھی اپنے مزے میں ہیں۔ ہاں وہ شہریال بی بی کا نکاح ہو رہا ہے کل جمعے کو ملک دراب کے ساتھ۔ سنا ہے سادگی سے نکاح کریں گے اور وہیں حویلی میں ہی نکاح کے بعد رخصتی ہو جائے گی۔"

برکتے بتا رہی تھی اور سکندر کا دل اندر ہی اندر کسی اتھاہ میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔

O☆O

"آپ......! اور میرے کمرے میں۔ خیریت تو ہے ناں؟"

صائمہ' شہریال کو اپنے کمرے میں یوں اچانک دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"کیوں کیا میں تمہارے کمرے میں نہیں آ سکتی؟" اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر لیا۔

جب سے صائمہ کا مکروہ روپ کھلا تھا' شہریال کو اس مکار ہوس زدہ خیالات کی مالک لڑکی سے نفرت سی محسوس ہونے لگی تھی۔

"کیوں نہیں آ سکتیں۔ آئیں' نہیں ناں۔" دل میں گھبرا رہی تھی۔

وہ اس واقعے کے بعد شہریال سے کترائی کترائی سی رہتی تھی۔

"بات سنو صائمہ' میرے پاس وقت بہت کم ہے اور میں لمبی چوڑی تمہیدیں نہیں باندھ سکتی۔ مختصراً یہ کہ تم بڑی اماں سے پوچھ کر ملک آباد جانے کے لئے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا حکم دو۔"

"جی؟ مگر میں ملک آباد جا کر کیا کروں گی؟" صائمہ دنگ رہ گئی۔

"یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔ فی الحال تم اُن سے اجازت لے کر آؤ۔"

"اگر آپ کو وہاں جانا ہے تو خود کہہ دیں۔ بڑی اماں اجازت دے دیں گی۔" صائمہ اس کا

مدعا نہیں جان پا رہی تھی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو' مجھ پر باہر نکلنے کی پابندی عائد ہے۔" وہ دانت پیس کر غرائی

"میری نگرانی کی جا رہی ہے۔"

"تت......تو پھر آپ کس طرح جائیں گی؟" وہ ہکلائی۔

"جیپ میں چھپ کر۔"

"مگر وہ کیسے......؟"

"تم اجازت لے کر آؤ اس کے بعد تمہارے اور ڈرائیور کے بیٹھنے سے پہلے میں جیپ میں سیٹ کے نیچے چھپ جاؤں گی۔ جاؤ دیر نہ کرو۔"

صائمہ کے چھکے چھوٹنے لگے۔

"پتا نہیں آپ کیا کرنا چاہتی ہیں شہریال۔ میں بہت بُری طرح پھنس جاؤں گی۔"

"تم نے بھی تو "کسی" کو بڑی بُری طرح پھنسایا ہے۔" وہ تنفر سے بولی۔

"ملک بابا اور ملک دراب مجھے جان سے مار دیں گے۔" وہ لرز گئی۔

"نہیں مارتے وہ تمہیں۔ تم ایک چلتی پھرتی بہانہ فیکٹری ہو۔ کوئی مکاری دکھا کر اپنا دفاع کر سکتی ہو۔ یوں بھی میرے چھپ کر فرار ہونے پر اصل گردن ڈرائیور کی پکڑی جائے گی' تم سے کوئی نہیں پوچھے گا۔ ہاں یہ کام نہ کرنے کی صورت میں فہد تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی سے نکال دے گا۔"

شہریال کا لہجہ بے لچک تھا۔

"وہ کیسے؟"

"وہ ایسے کہ تم نے حویلی والوں کی آنکھوں میں تو دھول جھونک دی ہے مگر میں اتنی نا سمجھ نہیں ہوں۔ سکندر نے مجھے ایک ایک بات بتا رکھی ہے۔ تم نے جس طرح سے دعوتِ گناہ دے کر اسے بہکانے کی کوشش کی لفظ لفظ اپنے بھائی کے گوش گزار کروں گی تو وہ فوراً سے پیشتر تمہیں امریکہ سے طلاق بھیج دے گا۔ میرے ساتھ تو بھلے جو بھی بیتے سو بیتے گا مگر تم طلاق کے بعد ساری عمر اکیلی ٹکریں مارو گی۔"

صائمہ کا چہرہ سفید پڑتا گیا۔ شہریال نے نہایت سفاکی کے ساتھ اسے دھمکی دی تھی۔

"مگر آپ فرار ہو کر جائیں گی کہاں؟" وہ شکست خوردہ ہوگئی۔

"یہ اطلاع بھی بہت جلد حویلی تک پہنچ جائے گی۔"

شہریال نے بے نیازی سے کہا۔

"چلو مجھے مزید دیر نہ کراؤ۔ مجھ پر ایک بہت بڑا قرض ہے' اسے چکائے بنا سولی پر نہیں چڑھوں گی۔"

O☆O

"ہیلو جی جی ساحر ملک سے بات ہو سکتی ہے؟" ایک مترنم نسوانی آواز نے شائستگی سے سوال کیا تھا۔

"جی فرمایئے' میں ساحر بات کر رہا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"شاید آپ کو یاد ہو' کچھ عرصے پہلے آپ ملک آباد آئے تھے۔ حویلی میں آپ کی ملاقات ایک کزن سے ہوئی تھی جو اسلام آباد میں ہی ڈاکٹری کا پیشہ سرانجام دے رہی تھی۔"

"جی ہاں' شہریال نام تھا ان کا۔ کیا آپ شہریال بول رہی ہیں؟"

"درست پہچانا۔ ساحر صاحب مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے بلکہ یوں سمجھئے ملک ہاؤس میں پناہ چاہئے۔ مگر ایسی پناہ کہ ملک بابا اور بڑی اماں بھی وہاں سے مجھے میری مرضی کے خلاف نہ لے جا سکیں۔"

"بات کیا ہے؟" ساحر کا حساس اور زیرک دماغ اسے کسی نتیجے پر پہنچا رہا تھا "ٹھہریئے' پہلے یہ بتائیں کہاں سے بول رہی ہیں؟"

"میں ملک آباد سے بذریعہ بس ابھی ابھی کمپلیکس ہاسپٹل کے گیٹ پر اتری ہوں۔ یہیں پی سی او سے بات کر رہی ہوں۔"

"میں ابھی پہنچتا ہوں آپ وہیں ٹھہریں۔"

تقریباً بیس منٹ بعد وہ شہریال کے روبرو تھا۔

شہریال اس کی گاڑی دیکھ کر بلا چون وچرا فرنٹ ڈور کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

ساحر نے گاڑی آگے بڑھا دی اور پھر جہانگیر ہوٹل کے آگے روک دی۔

"آیئے آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

ساحر اُسے لے کر اوپر کے فیملی ہال میں آ گیا۔ لنچ کا ٹائم تھا اس لئے معمول کا رش دکھائی دے رہا تھا۔ گلاس وال کے اس پار سرسبز پہاڑیوں اور دور دیہ سڑک پر بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کا منظر نمایاں تھا۔

"ساحر بھائی' میں جیپ میں چھپ کر ملک آباد پہنچی ہوں اور وہاں سے بذریعہ بس اسلام آباد آئی ہوں۔"

"کیا مطلب......؟" ساحر اس کے فرار کا سن کر بُری طرح چونکا۔

"ایک منٹ' میں ساری بات شروع سے بتاتی ہوں۔"

پھر اس نے سکندر' اس کی ماں گل بانو اور عظیم پر ٹوٹنے والی قیامت کے بارے میں بتایا۔ سکندر کا خونی رشتہ حویلی والوں سے تھا' یہ بات ملک ہاؤس کے مکینوں کے لئے یقیناً ایک بہت بڑا انکشاف ہی تھا......ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ملک ہاؤس کے مکینوں سے یہ راز چھپا دیا گیا تھا۔ ملک بابا جانتے تھے شبیر' توقیر اور انوار مہذب اور منصفانہ مزاج کے لوگ تھے' آگے اولاد بھی ایسی ہی تھی۔ انہیں گل بانو کے یتیم بچے سکندر کے بارے میں پتہ چلا تو یقیناً اسے حویلی کے ایک فرد کی حیثیت اور عزت دینے پر اصرار کریں گے اسی لئے ان سے یہ بات چھپائی گئی تھی۔

پھر شہریال نے بتایا کہ کس کس طرح سکندر پر ظلم کیا جاتا رہا اور انتہا یہ کہ پہلے اس کی منہ بولی ماں کی بیٹی کو اٹھا کر ذلیل کیا پھر قتل کر کے سکندر کے سر ڈال دیا۔ علاوہ ازیں خود حویلی ہی میں ایک غلط الزام کے تحت اسے اذیت ناک سزا سے گزارنے کے بعد قانون کے حوالے کر دیا گیا۔

"وہ ہماری ہی طرح ہمارے خاندان کا حصہ ہے پھر اس نے ایک بار میری جان بچانے کے لئے خود کو مصیبت میں ڈالا تھا۔ مجھ پر سکندر کا قرض واجب ہے۔ آج میرا نکاح ہے ملک دراب کے ساتھ۔ ایک ایسے درندے کے ساتھ جو انسانوں کا خون چوستا ہے اور عورتوں کی عزتوں سے کھیلتا ہے لیکن میں وہاں سے فرار ہونے کا سنگین قدم محض اس لئے نہ اٹھاتی کہ مجھ پر ظلم ہو رہا ہے۔ میں تو یہ سوچ کر وہاں سے بھاگ کر آپ کی پناہ میں آئی ہوں کہ اگر میرا نکاح ملک دراب سے ہو گیا تو سکندر کی عمر جیل کی سلاخوں کے اندر تمام ہو جائے گی۔ بیوی بنانے کے بعد ملک دراب تاعمر مجھے اپنے بیڈروم کے زنداں میں قید کر دیتا۔ سکندر کے حق میں گواہی نہ دینے دیتا۔ میں ایسا ہونے سے پہلے سکندر کو جیل کی سلاخوں سے باہر دیکھنا چاہتی ہوں۔ وہ بے گناہ ہو کر سزا

بھگت رہا ہے۔ زندگی نے پہلے بھی اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا مگر اب تو انتہا ہوگئی ہے۔ وہ ہماری مدد کا طالب ہے۔''

''وہ بھی اور خود تم بھی۔'' ساحر نے اپنائیت سے کہا۔ ''تم جیسی نفیس مزاج کی لڑکی کو ملک دراب جیسے ننگ انسانیت کے نکاح میں نہیں ہونا چاہئے۔ اُس کا اور تمہارا جوڑ ہی کیا ہے۔ ایک نیک اور شریف لڑکی کو کسی بدکار بے ایمان اور قاتل شخص کے پلے باندھنا ظلم عظیم ہوگا۔ فکر نہیں کرو ہم بہت جلد اس کے گرد گھیرا تنگ کر رہے ہیں۔ اب کے وہ بچ کر نہیں جائے گا۔ تم میرے ساتھ گھر چلو' میں اپنے ڈیڈی کو ساری صورت حال سے آگاہ کرتا ہوں۔ ڈیڈی بہت مخلف اور دُبر دبار آدمی ہیں۔ وہ یقیناً تمہارے لئے اور سکندر کے لئے شبیر تایا اور انوار چچا کی حمایت حاصل کرلیں گے۔ اس کے بعد ملک بابا بھی تمہیں ملک ہاؤس سے واپس نہیں لے جائیں گے۔ یوں بھی تم نے کوئی جرم یا گناہ نہیں کیا۔ اپنے گھر سے ملک ہاؤس اپنے چچا تایا کے گھر آئی ہو۔ تم میرے ساتھ گھر چلو۔ صورت حال واضح ہوجانے کے بعد شبیر تایا یا ڈیڈی خود ملک بابا کو اطلاع کردیں گے کہ انہوں نے تمہیں یہاں بلوایا تھا۔ تم نے فون کر کے انہیں صورت حال بتا کر نکاح رکنے کے لئے مدد مانگی تھی۔ جواب میں انہوں نے تمہیں ملک ہاؤس بلوالیا۔''

''پتا نہیں ملک ہاؤس والے مجھے دیکھ کر کیا ردِعمل ظاہر کریں گے؟'' شہریال فکرمندی تھی۔

۞۞۞
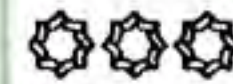
شہریال نے اس سے پہلے ملک ہاؤس کی سفید سنگ مرمر کی عالیشان عمارت کو باہر سے محض سرسری سا دیکھ رکھا تھا۔ اندر داخل ہونے کا اتفاق آج ہوا تھا۔ وہ بہت سے نئے رشتوں سے متعارف ہوئی تھی۔ عمارت ہی کی طرح شاندار' باوقار اور معتدل مزاج والے لوگوں سے مل کر اسے بہت خوشی ہوئی۔ یہ بھی اپنے تھے اور وہ بھی جنہیں چھوڑ آئی تھی۔

فرق ماحول' مزاج اور تعلیم و تہذیب کا تھا جس نے ملکوال کی حویلی اور ملک ہاؤس کے مکینوں کے درمیان ایک طویل حدِ فاصل تعمیر کردی تھی۔

کومل بھابی اپنی معیت میں اسے ایک آراستہ و پیراستہ گیسٹ روم میں لے آئی تھیں۔ جب تک وہ فریش ہوکر واش روم سے نکلی' ملازم لوازمات سے بھری ٹرالی کولڈ ڈرنکس کے ہمراہ کمرے میں سرو کرچکا تھا۔

وہ کئی گھنٹوں سے بھوکی تھی۔ سو آرام سے کیک' پیٹیز' شامی کباب اور سموسوں سے انصاف کرنے لگی۔

ابھی وہ فارغ ہوکر آئندہ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ ملازم شبیر صاحب اور توقیر صاحب کا بلاوا لے آیا۔

وہ ملازم کے ساتھ توقیر صاحب کے کمرے میں آئی تو اندر شبیر صاحب کے علاوہ ساحر بھی

موجود تھا۔

"السلام علیکم۔" اس نے اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے دھیرے سے دونوں کو باری باری سلام کیا۔ انہوں نے اٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

شہریال کو ان کے ردِعمل سے کافی حوصلہ ملا' گویا ساحر ساری صورت حال واضح کر چکا تھا۔

وہ دونوں "بڑوں" کے چہروں سے ٹپکتی فکرمندی اور غوروخوض کی کیفیت کو اچھی طرح پڑھ سکتی تھی۔

"تو آپ بھائی سرفراز مرحوم کی صاحبزادی ہیں۔" توقیر صاحب نہایت سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ کر مخاطب ہوئے۔

"جی......" اس نے سر جھکا کر آہستگی سے جواب دیا۔ اس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ نہ جانے کس قسم کے ردِعمل کا سامنا ہونے والا تھا۔

"ملک ہاؤس کے لوگوں کا ملکوال کی حویلی میں رہنے والوں سے بہت کم میل جول رہا ہے۔ بھائی ایاز ملک اور اس کے بیٹے دراب کے رویوں کے باعث ہم ملکوال جانے سے عموماً گریز کرتے رہے ہیں۔ سعود کی شادی پر بھی آپ سے براہِ راست تعارف نہیں ہوا اور جس موقع پر ایسا ہو رہا ہے' وہ اپنی جگہ نہایت افسوسناک اور تکلیف دہ ہے۔"

شہریال دونوں ہاتھ مسلتے ہوئے سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

"دیکھو بیٹی! تم ایک سمجھدار اور پڑھی لکھی لڑکی ہو' ڈاکٹر بھی ہو اور تمہارے انداز واطوار بتاتے ہیں کہ ماں باپ نے تربیت میں اپنی پوری صلاحیتیں استعمال کی ہیں پھر تمہیں گھر سے بتائے بغیر غائب ہو جانے کی سنگین غلطی کرنے کی کیا سوجھی؟" شبیر صاحب اپنے مخصوص بردبار اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں مخاطب ہوئے۔ "تم ہمیں فون کر کے صورتِ حال بتا کر مدد طلب کر سکتی تھیں۔ مانا کہ ملک دراب جیسے جرائم پیشہ آدمی کے ساتھ تمہاری شادی طے کرنا تم پر صریحاً زیادتی اور ظلم تھا مگر تمہیں اپنے بچاؤ کے لئے اپنے بزرگوں کی عزت سے نہیں کھیلنا چاہئے تھا۔"

"معاف کیجئے گا تایا جان! میرا حویلی سے بھاگ کر کسی نامعلوم جگہ پر پناہ لینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا نہ میں ایسا سوچ سکتی ہوں۔ وہ تو ملک ہاؤس کے مکینوں کی صورت میں ایک ذریعہ نجات نظر آیا تھا اس لئے سیدھی ادھر چلی آئی۔ حویلی والوں سے چھپ کر آنا میری مجبوری تھی۔ اگر انہیں بھنک بھی پڑ جاتی تو میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر کسی کوٹھری میں بند کر دیتے تاوقتیکہ میرا نکاح ملک

دراب سے نہ ہو جاتا۔ ان حالات میں میرے پاس اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔"

شہریال کا خود ان کی عزت اور لحاظ کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ حویلی کے "بڑوں" کی تعظیم وہ ان کی بزرگی کی وجہ سے کرتی تھی لیکن یہاں وہ ان سے متاثر......اور مرعوب ہو کر اُن کا احترام کر رہی تھی۔

"ہم نے حویلی میں فون کر کے بتا دیا ہے کہ تمہیں ہم نے خود یہاں بلایا ہے۔ تم گھر سے بھاگی نہیں ہو بلکہ ہمارے کہنے پر حویلی چھوڑ کر ہماری پناہ میں آئی ہو۔" توقیر صاحب نے ٹھہرے ہوئے انداز میں اسے مخاطب کیا۔

شہریال نے معاملہ سنبھالنے پر بے اختیار ممنونیت سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"ملک بابا ہم سے سخت ناراض ہیں۔ ادھر ملک ایاز اور ملک دراب بدلہ لینے کے لئے تلوار بنے ہوئے ہیں۔ ملک بابا کہہ رہے تھے' دونوں باپ بیٹا انتقام کی آگ میں پھنک رہے ہیں۔ ملک دراب تو پاگل ہو رہا ہے' تم تک پہنچنے کو۔ ملک بابا نے تمہیں فوری طور پر ملکوال واپس لانے کا حکم دیا ہے۔" توقیر صاحب نے اس پر ایک نگاہ ڈالی۔

شہریال سراسیمہ ہو گئی۔

"تو پھر آ...... آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے......؟" الفاظ اس کے حلق میں اٹک رہے تھے۔

"ہم نے تمہارا اور گل بانو کے بیٹے سکندر کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔" شبیر صاحب کے بیان نے گویا اس میں ایک نئی روح پھونک دی۔

"ساحر نے سکندر کے متعلق تم سے حاصل کردہ تمام معلومات ہم تک پہنچا دی ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم اتنی بڑی حقیقت سے بے خبر رہے۔ گل بانو کے ساتھ ہمارا خون کا رشتہ تھا۔ وہ ہمارے سگے چچا کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس ناطے اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے کا حویلی والوں پر اور ملک ہاؤس کے مکینوں پر پورا پورا حق ہے۔ وہ ہم ہی میں سے ہے اور ہمارے خاندان کا حصہ ہے۔ اس کے ساتھ جس درجے کا غلامانہ اور انسانیت سوز سلوک روا رکھا جاتا رہا' اس پر بہروز چچا اور گل بانو کی روحیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔ ان کا جو کچھ تھا' وہ اصولاً سکندر کو ملنا چاہئے تھا۔ اس کے حصے کی جائیداد اور مال ومتاع غصب کرنا قطعی غیر قانونی ہے۔ ساحر بیٹے تم کل ہی کسی ٹاپ رینکنگ وکیل کا انتظام کرو تا کہ جلد از جلد سکندر کی ضمانت کروائی جا سکے۔ پہلا کام اس

جھوٹے کیس کو ختم کرا کر سکندر کو عدالت سے باعزت بری کرانا اور اصل مجرموں کی گرفتاری ہے۔ باقی معاملات بعد میں دیکھے جائیں گے۔'' توقیر صاحب نے حتمی لہجے میں کہا۔

''لیکن انکل اس طرح تو آپ ملک بابا' ملک ایاز اور دراب سے براہِ راست ٹکر لیں گے۔ وہ کم از کم سکندر کے لئے یہ ''عنایات'' کبھی برداشت نہیں کریں گے۔''

شہریال گویا انہیں ٹٹول رہی تھی۔

وہ اندر سے قائل ہو گئی تھی۔ شاید ساحر کی شخصیت کی مضبوطی اور پختگی کا سبب یہ تھا کہ اسے بزرگوں کی اتنی مکمل اور بھرپور حمایت و تعاون اور رہنمائی حاصل تھی۔ اگر پشت پر مضبوط سائبان ہو تو کڑی دھوپ بھی ارادوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

''ہماری حویلی والوں سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ ہم کسی غیر یا حریف کے لئے ان کی مخالفت نہیں کر رہے ہیں' ہم انہی کا ساتھ دے رہے ہیں جو ہمارے خاندان کا ایک حصہ ہیں۔ تم سے اور سکندر سے ان کا بھی وہی رشتہ بنتا ہے جو ہمارا ہے۔ اپنے خاندان کے کسی بھی فرد کے خلاف امتیازی سلوک برتنا ناانصافی ہے اور ہم اس ناانصافی کا خاتمہ کریں گے۔ ملک بابا آخر کب تک ناراض رہیں گے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود بخود ان کے اندر اپنے غلط رویوں کا احساس جاگ جائے گا۔''

شبیر صاحب نے متانت سے کہا۔

شہریال کی رگ رگ میں طمانیت دوڑنے لگی۔

O☆O

کس سے بچھڑی ' کون ملا تھا ' بھول گئی
کون بُرا تھا ' کون تھا اچھا ' بھول گئی
کتنی باتیں جھوٹی تھیں اور کتنی تھیں سچی
جتنے بھی لفظوں کو پرکھا بھول گئی
چاروں طرف تھے دُھندلے دُھندلے سے چہرے
خواب کی صورت جو بھی دیکھا بھول گئی
بھول گئی ہوں کس سے میرا ناتا تھا

اور یہ ناتا کیسے ٹوٹا بھول گئی

''اے بیٹا! یوں کاہے کو باؤلی بنی سارے گھر میں چک پھیریاں کھاتی پھر رہی ہے۔'' بُوا اس کو مسلسل آدھے گھنٹے سے لاؤنج سے ڈرائنگ روم میں ٹہلتے دیکھ رہی تھیں۔ ''اب بیٹھ بھی جاؤ' کیا ہزار دو ہزار کی گنتی پوری کرنے کا ارادہ ہے۔''

''بُوا وحشت ہو رہی ہے مجھے ہر چیز سے۔'' مہرینہ دھم سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''یہ وحشت تو تیری اپنی خریدی ہوئی ہے بیٹا۔'' بُوا نے ٹھنڈی سانس لی۔

''مجھے سمجھ نہیں آتا تم اور تمہاری ماں نے اس درجہ گھمنڈی اور اَنا پرست طبیعت کیونکر پائی ہے۔ اس کے کہے میں آ کر تو اپنا بنا بنایا گھر برباد کر بیٹھی۔ اب اگر خدا نے تجھے احساس نام کی کوئی چیز عطا کر ہی دی ہے تو پہل کرنے میں کیوں دیر لگاتی ہے۔ ابھی قدرت نے تمہاری کوتاہیوں کے باوجود تمہیں ایک اور موقع دیا ہے سنبھلنے کا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر میری مانو تو سیدھی سیدھی اپنے گھر سدھارو۔''

''میں خود سے ملک ہاؤس نہیں جاؤں گی' ان لوگوں کو آنا چاہئے مجھے لینے کے لئے۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔ انداز میں بچپنے کی سی ضد تھی۔

''تیری ماں نے سب کچھ تجھے سکھایا مگر مصلحت کوئی نہ سکھائی۔ جتنے چلتر سیکھے تھے اس سے تو بہتر تھا تھوڑے نیک گُن سیکھ لئے ہوتے۔ کتنی ہی بار تو ناک رگڑ چکے ہیں اس دہلیز پر۔ اب کیا بار بار خاک چاٹنے آتے رہیں۔ یوں بھی اب تمہارا فرض بنتا ہے کہ اپنی بدتمیزیوں بلکہ گستاخیوں کا ازالہ کرنے کے لئے خود چل کر سسرال والوں سے ملو اور انہیں اپنے خلوص' محبت اور تعاون کا پورا پورا یقین دلاؤ۔ تمہاری مرتی ہوئی ماں کہہ گئی تھی کہ تم اپنے گھر واپس چلی جانا اور نہیں تو اس کے کہے کا پاس کرو۔''

''اگر وہ خود لینے آ جائیں تو کون سے ان کے پھول تارے جھڑ جائیں گے۔'' وہ نروٹھے پن سے منہ بنا کر گویا ہوئی۔

بُوا کا پارہ چڑھ گیا ''عجیب اُلٹے دماغ کی چھوکری ہو تم۔ ارے جو سلوک تمہاری ماں نے ان کے ساتھ کیا تھا' اس کے جواب میں جوش میں آ کے وہ تمہیں میرے منہ میں خاک طلاق بھجوا دیتے تو یہ بھی بعید نہ تھا۔ ان کے جگر کا ٹکڑا ننھی سی جان' کوڑا اٹھانے والی کے ہاتھوں چوری کرا کے جانے

کس کونے میں پھینک آئی۔ اتنے عشرے بیتے' اس نے منہ نہ کھولا۔ بھلا بتاؤ میسے تڑپی ہوگی وہ ممتاز جس کی ایک ہی ایک اولاد بچی تھی اور اسے بھی ظالم وقت نے چھین لیا۔ کسی کے کلیجے پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے اسے اپنا خیال کیوں نہیں آیا۔ وہ بھی تو ایک ماں تھی جو اولاد کو نام ونشان اور خاندانی شناخت دے کر اسے سرخرو کرنے کے لئے ہر منفی ہتھکنڈہ اپناتی چلی گئی تھی۔ شکر کرو وہ دل کے نیک ہیں۔ اتنے بڑے انکشاف کے باوجود تمہاری شکل میں انتقام نہیں لیا۔ ابھی تک خاموش بیٹھے ہیں۔ میری مانو تو حالات بگڑنے سے پہلے ہی خود جا کر اپنا گھر بچالو۔ اپنے قدموں سے چل کر ان کی دہلیز تک جاؤ گی تو ان کے گھر اور دل کے دروازے تمہارے لئے کھل جائیں گے۔ ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ ان لوگوں کی شرافت کا۔ ابھی بھی وقت ہے' جا کر اپنی غلطیوں کی تلافی کرلو اور اپنا گھر بنانے کا سچے دل سے عہد کرلو۔"

"تُوا کی باتیں اسے ضمیر کے کوڑے لگ رہی تھیں۔ اس کے اندر بھی ہمہ وقت اسی طرح جنگ چھڑی رہتی تھی۔ وہ گہری سوچ میں گم ہوگئی۔

O☆O

"ساحر بیٹے! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" توقیر صاحب اس کے سٹڈی روم میں داخل ہوئے۔

"جی ڈیڈی۔ آیئے پلیز۔" وہ نقشے کا پیپر رول کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ سائیڈ پر رکھے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"ملک بابا' تمہارے ایاز چچا اور دراب' شہریال کے سلسلے میں بہت بھڑکے ہوئے ہیں۔ ملک بابا نے سختی سے حکم دیا ہے کہ شہریال کو ملکوال کے گاؤں واپس بھیج دیا جائے۔ کل جب تم ملک آباد سائٹ پر گئے تھے تو پیچھے سے ملک دراب کا خاص آدمی شیرا چار بندوں کے ساتھ حویلی کی جیپ پر آیا تھا۔ اس کے ذریعے ملک دراب نے دھمکی دی ہے کہ اگر شہریال کو ان کے حوالے نہ کیا گیا تو ملک ہاؤس کے مکینوں کی سلامتی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ وہ براہِ راست تمہیں زیادہ جانتا ہے۔ پہلے بھی وہ تمہارے پراجیکٹ میں روڑے اٹکانے کے لئے بارہا دشمنیاں نکال چکا ہے۔ اب پھر نئی چوٹ دینے کے لئے پر تول رہا ہے۔ میری تاکید ہے کہ تم حد درجہ محتاط رہو۔ کل سکندر سے ملنے جاؤ تو اپنے باڈی گارڈز ساتھ رکھنا۔ سکندر والے معاملے میں جہاں بھی نکلو' پوری

"تیاری" کے ساتھ نکلنا۔ ملک ایاز یا اس کے بیٹے کے غنڈے تمہاری تاک میں ہوں گے۔"

"آپ چنداں فکر نہ کریں ڈیڈی۔" اس نے یقین دلایا' "میں ہر طرح سے خیال رکھوں گا۔ حسینی صاحب بہت منجھے ہوئے وکیل ہیں۔ ہماری کمپنی کے لیگل ایڈوائزر محسن آفتاب انہی کی لا فرم میں کام کرتے ہیں۔ انشاء اللہ بہت جلد سکندر باعزت بری کر دیا جائے گا۔ میں کل وکیل صاحب کے ساتھ سکندر سے ملنے تھانے گیا تھا۔ ابھی وہ اصل بات کھل کر نہیں بتا رہا ہے لیکن امید کی جاتی ہے کہ ہماری طرف سے مکمل یقین دہانی اور تعاون کے بعد وہ حویلی کے کالے قوانین کے خلاف بیان دینے پر آمادہ ہو جائے گا۔"

"ہوں۔" توقیر صاحب نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔

"ڈیڈی! میں حیران ہوں۔ اپنے سگے رشتے دار کے ساتھ حویلی میں ایسا انسانیت سوز سلوک کیا گیا۔ ملک دراب نے سکندر کو ہمیشہ جوتیوں پر ہی رکھا تھا۔ حویلی کے اندر اس کے ساتھ تیسرے درجے کے غلاموں جیسا برتاؤ ہوتا رہا اور ملک بابا نے اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ سنگین خاموشی کے ذریعے گویا ملک دراب کو شہ دیتے رہے۔ کیا مجھ سے بڑے سمیر بھائی کی اولاد سے میرا خون کا رشتہ نہیں بنتا۔ ملک بابا کا بھی اپنے بھائی بہروز دین کی بیٹی گل بانو پھوپھو سے وہی رشتہ بنتا تھا پھر اس گل بانو کی اولاد کو جانوروں کی طرح کیوں ٹریٹ کیا جاتا رہا؟"

"زن' زر اور زمین کو یونہی تو دنیا کے تین بڑے فتنے قرار نہیں دیا گیا بیٹے۔" انہوں نے گہری سانس لی۔

"ملک بابا نے زمین اور جائیداد کے لئے ہمارے مرحوم والد کی بیوہ سے شادی کی۔ یوں ہمارے والد کی زمین بھی ان کے ہاتھ آ گئی پھر بہروز چچا کی وفات کے بعد ان کی زمینیں بھی قبضے میں کر لیں کیونکہ گل بانو بیاہ کر چلی گئی تھی۔ کچھ عرصے بعد یکے بعد دیگرے اس کی اور اس کے خاوند کی ڈیتھ ہو گئی لہٰذا زمینیں خود بخود ملک بابا کی ہو گئیں۔ ہمیں تو خبر ہی نہیں تھی کہ گل بانو کی کوئی اولاد بھی تھی۔ ملک ہاؤس تک برسوں پہلے یہی اطلاع پہنچی تھی کہ گل بانو اور اس کے خاوند حادثاتی موت میں چل بسے ہیں۔ سکندر کون ہے اور اس سے ہمارا کیا تعلق بنتا ہے' ہم اس حقیقت سے بے خبر تھے۔"

"مجھے یقین ہے کہ سکندر کے ماں باپ کو ایاز چچا نے سازش کر کے مروایا ہوگا' بعد میں اسے

حادثاتی موت کا نام دے دیا گیا۔ بہرحال میں تفصیلات معلوم کرلوں گا۔ آپ نے ایس ایس پی رانا سے سکندر والا کیس ڈسکس کیا تھا؟''

''ہاں۔ انہوں نے لاہور پولیس کے ایس ایس پی سے بات کی ہے کیونکہ کیس لاہور کورٹ کا ہے اس لئے براہِ راست رانا صاحب اس میں دخل اندازی نہیں کرسکتے' تاہم انہوں نے یقین دلایا ہے کہ سکندر کا تھانے میں پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔ انہوں نے یہ ہدایات جاری کردی ہیں اور لاہور کے ایس ایس پی صاحب سے اس کیس میں ذاتی دلچسپی لینے کی درخواست کی ہے۔ ضرورت پڑنے پر ہم آئی جی یا ڈپٹی سیکرٹری صاحب سے بھی مدد طلب کرسکتے ہیں۔ ملک ایاز یا دراب تھانیدار یا سب انسپکٹر ٹائپ کے مقامی بندوں کو ہڈی ڈال کر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں مگر پورے صوبے کی پولیس کو رشوت دے کر حقائق پر پردہ نہیں ڈال سکیں گے۔'' توقیر صاحب نے تفصیل سے بتایا پھر شبیر صاحب اور آپا بیگم کی بچی موضوع گفتگو بن گئے۔

''میں اپنے پراجیکٹ اور سکندر کے کیس میں بزی ہوں ورنہ شبیر تایا کے ساتھ ان کی گمشدہ بچی کی تلاش میں فیصل آباد ضرور جاتا۔'' ساحر کو یاد آجانے پر افسوس ہوا۔

''سعود اور کیمران کے ساتھ گئے ہیں۔ آپا بیگم بھی بہت ضد کررہی تھیں مگر میں نے سمجھا بجھا کر انہیں گھر رہنے پر آمادہ کرلیا ہے۔ شہریال کی حفاظت کا خیال نہ ہوتا تو میں بھی بھائی صاحب کے ساتھ جاتا۔ اب تو تین دن گزر چکے ہیں انہیں گئے۔ خدا کرے کسی اچھی اطلاع کے ساتھ واپس لوٹیں۔''

''پچیس سال پرانی بات ہے ڈیڈی۔ جانے اب تک کیا کچھ بدل چکا ہوگا۔ بچی کہاں ہوگی؟ کس حال میں ہوگی؟ کیا خبر؟''

ساحر نے اظہارِ خیال کیا۔

''بچی کہاں اب تو ماشاءاللہ جوان لڑکی ہوگی۔''

توقیر صاحب پُرخیال انداز میں مسکرائے تھے۔

O☆O

سکندر شاید حسینی صاحب کے کھل کر سامنے نہ آتا مگر ان کے ساتھ محسن کو وکیل کے روپ میں دیکھ کر وہ زیادہ دیر تک تکلف اور پردہ نہیں رکھ سکا تھا۔

''اگر مجھے شہریال بی بی کی زندگی اور سلامتی کی ضمانت مل جائے تو میں ہر بات بتانے کو تیار ہوں۔ ان کی زندگی کی خاطر میں نے زبان بند کی ہوئی ہے۔''

''وہ ہر طرح سے خیریت سے ہیں اور محفوظ ہاتھوں میں ہیں۔ وہ حویلی چھوڑ کر ملک ہاؤس میں پناہ لے چکی ہیں اور وہاں ان کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لگتا ہے' تمہیں ان کی موت کی دھمکی دے کر تین قتل اپنے سر لینے پر مجبور کیا گیا ہے۔ تم ہر طرح کی تسلی رکھو اور پوری بات بتاؤ۔ اللہ نے چاہا تو پہلی پیشی پر ہی ضمانت ہوجائے گی۔''

محسن کی ہر طرح کی یقین دہانی کے بعد بالآخر سکندر نے ساری تفصیلات بتا دیں۔ جب اسے پھر اتھما کر بشیراں کے گھر بھیجا گیا تھا تو وہاں پہلے سے بشیراں' جیرے اور کوثر کو قتل کر کے پھینک دیا گیا تھا۔

''یہ کام ملک دراب نے اپنے کسی پالتو غنڈے سے کروایا ہوگا' بعد میں وہی چھرا صاف کر کے تمہیں تھما دیا تاکہ تمہاری انگلیوں کے نشانات ثبت ہوجائیں اور قتل کا الزام تم پر آئے۔ بہرحال تمہاری ضمانت کے بعد پہلا مرحلہ گامے کی گرفتاری کا ہے۔ ہوسکتا ہے' قتل اسی سے کروائے گئے ہوں' اس یقین دہانی کے ساتھ کہ وہ معمولی سی سزا کے بعد باعزت بری کردیا جائے گا۔'' محسن سوچ میں گم ہوکر بولا۔

تین دن بعد عدالت میں کیس کی کارروائی عمل میں آئی۔ وکیل صاحب کے علاوہ توقیر صاحب اور ساحر بھی عدالت میں موجود تھے۔ عدالت نے دونوں طرف کے دلائل سننے کے بعد سکندر کی عبوری ضمانت کا حکم دے دیا۔

عدالت برخاست ہونے کے بعد توقیر صاحب اور ساحر اس سے نئے رشتے سے ملے۔

''مجھے تو تم ویسے بھی بہت پسند آئے تھے۔ اب پکی دوستی رہے گی۔'' ساحر نے گرمجوشی سے اسے گلے لگایا تھا۔

''سر' سکندر میرے اور میرے بھائی کے بڑے اچھے دوست بھی ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرا گھر حاضر ہے۔ کچھ عرصے کی تو بات ہے۔ کیس ختم تو یہ پابندیاں بھی ختم۔ مجھے بہت خوشی ہوگی۔

ساحر نے تھوڑی پس و پیش کے بعد اجازت دے دی۔

یہ کیس محسن گھر میں تفصیلاً...... ڈسکس کر چکا تھا۔ سکندر کو ساتھ لایا تو بیگم ریاض نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اظہر نے بھی خوشی کا اظہار کیا تھا۔

O☆O

''کیا بات ہے زرلالہ بیٹی۔ آپ آج کل بہت پریشان دکھائی دیتی ہیں؟''

وہ اپنی سوچوں میں اتنی مگن تھی کہ جیا کے وہیل چیئر دھکیل کر قریب آ کر ٹھہرنے کی خبر ہی نہ ہو سکی تھی۔

''جی۔'' وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی ''جی نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''ایسی ہی بات ہے کچھ۔'' انہوں نے پُرزور لہجے میں کہا۔

''ہر وقت ڈری سہمی' سوچوں میں گم دکھائی دیتی ہو' جیسے کوئی چیز اندر ہی اندر روگ لگا رہی ہو۔ کیا پھر سے وہی ڈراؤنے خواب دیکھنے لگی ہو؟''

''خواب نہیں' ڈراؤنی حقیقتیں سامنے نظر آنے لگی ہیں جیا۔'' زرلالہ نے یاسیت سے کہا ''اکبر علی سے کئی مرتبہ ٹاکرا ہو چکا ہے۔ وہ تو قسمت اچھی ہے کہ ہر بار بچ نکلتی ہوں۔ سوچتی ہوں اگر کسی دن سرِ راہ اس نے دبوچ کر حساب کتاب کرنا شروع کر دیا تو کیا ہوگا۔ میں نے تو اپنی طرف سے چھری اس کے پیٹ میں گھونپ کر اسے قتل کر دیا تھا پھر پتا نہیں کیسے بچ نکلا۔ خدا معلوم اب کیوں میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ شاید بلکہ یقیناً بچے چھیننا چاہتا ہے۔ اس کے بعد مجھے اقدامِ قتل کے الزام میں جیل بھجوا دے گا۔ ہماری تو کوئی بیک' کوئی سپورٹ بھی نہیں ہے جیا جس پر تکیہ کر کے خود کو جھوٹی تسلیاں دے سکیں۔''

''کیا آج پھر کہیں نظر آیا تھا؟'' جیا بھی پریشان ہو گئیں۔

''نہیں' فی الحال تو کئی دنوں سے دکھائی نہیں دیا مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ زندہ ہے اور جان گیا ہے کہ میں اسی شہر میں ہوں۔ کسی نہ کسی دن کھوج لگا لے گا اور وہ حق بھی رکھتا ہے۔ آخر کاغذی لحاظ سے تو وہ میرا شوہر ہے اور ان بچوں کا باپ۔''

''ارے ہاں' یاد آیا۔ آپ نگین سے بات کیوں نہیں کرتیں۔ اس کا کزن محسن وکیل ہے۔ شاید وہ کچھ مدد کر سکیں۔''

''کر کے دیکھوں گی۔'' زرلالہ نے مایوسی سے کہا ''لیکن بے کار ہی ہے۔ وکیل کی فیس ہم

کہاں افورڈ کر سکتے ہیں۔''

''وہ جان پہچان والے ہمدرد فطرت کے لوگ ہیں۔ یقیناً ہماری معاشی پریشانیوں سے باخبر ہوں گے۔ بات کر کے اُن سے کہا جا سکتا ہے کہ فیس کچھ عرصے ٹھہر کر ادا کر دیں گے۔''

''ٹھیک کہتی ہیں آپ۔'' وہ کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔

''ابھی تو نگین کالج میں ہوگی۔ شام کو جاؤں گی۔''

''ضرور جانا۔''

O☆O

سکندر محسن کے گھر اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا' جیسے اس کی کھوئی ہوئی توانائیاں واپس لوٹ رہی ہوں۔ ساحر اس سے ملنے اور ضروری معلومات حاصل کرنے دو تین بار یہاں آ چکا تھا' تاہم شہریال سے تاحال ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ بے طرح بے چین تھا۔ جی چاہتا تھا' اُڑ کر اس آنگن میں جھانک آئے جہاں ان دنوں اس ماہ لقا کا بسیرا تھا۔

یہ آزاد اور ہلکی پھلکی زندگی اسی کی بدولت تو نصیب ہوئی تھی۔ جتنا کچھ اس نے اس کیلئے کیا تھا' وہ ساری عمر اس کا قرض نہیں چکا سکتا تھا۔ اگر وہ حویلی والوں کے سامنے ڈٹ کر کھڑی نہ ہو جاتی تو آج وہ اس تہ خانے بلکہ مذبح خانے میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دفن ہو چکا ہوتا اور اگر دوسری مرتبہ شہریال حویلی سے فرار ہو کر ملک ہاؤس کے مکینوں کو اپنا ہمنوا بنا کر اس کی مدد کے لئے آمادہ نہ کرتی تو وہ ضمانت کے بجائے عدالت سے پھانسی کا حکم پا چکا ہوتا۔

ساحر اس سے ملنے محسن کے گھر آیا تا۔ نگین نے چائے کے ساتھ انٹری دیتے ہوئے اسے سلام کیا تھا۔ بیگم ریاض حسب معمول بوتیک میں بزی تھیں اور اظہر کلینک گیا ہوا تھا۔ محسن گھر پر ہی تھا۔

''نگین بی بی میں آپ کے اور اظہر کے لئے ایک آفر لے کر آیا ہوں۔ میرا ماڈل ٹاؤن بنانے کا پراجیکٹ تقریباً تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ رہائشی مکانات کے علاوہ ایک ہائی سکول' چھوٹا سا ہاسپٹل اور شاپنگ سنٹر کے دو پلازہ بھی تکمیل کے مراحل طے کر چکے ہیں۔ مکانات معمولی اور برائے نام معاوضے وصول کر کے ان غریب اور پسماندہ ہاریوں کے نام کئے جا رہے ہیں جو برس ہا برس سے ہماری زمینوں پر کام کر رہے ہیں۔ ہائی سکول میں صرف انہی کے بچوں کو تعلیم دی جائے

گی اور ہسپتال بھی ان کے لئے مخصوص ہوگا البتہ پراجیکٹ کے دوسرے مرحلے میں ہم کمرشل بنیادوں پر کچھ پلازہ اور دیگر رہائشی سیکٹرز تعمیر کریں گے' وہ ایک طرح کا بزنس ہوگا۔''

''بہت خوب!'' نگین نے ستائشی انداز میں کہا' ''وہ آفر کیا ہوئی؟''

''وہی بتانے جا رہا ہوں۔ ہمیں سکول اور ہاسپٹل چلانے کے لئے انتظامی عملے کی ضرورت ہے۔ اخبارات میں اشتہار دیئے جا چکے ہیں۔ میں نے انٹرویو اور انتخاب کا شعبہ ایمان کے سپرد کر دیا ہے' تاہم آپ دونوں کو میں ذاتی دلچسپی کی بنا پر پُرکشش مشاہرے کے ساتھ...... بطور وائس پرنسپل اور سینئر ڈاکٹر' ملک آباد میں جاب کی آفر کرتا ہوں۔ رہائش فری ہوگی۔ ورکرز کے لئے علیحدہ فلیٹ تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ محسن تو پہلے ہی ہمارے ساتھ ہے۔ آپ اور اظہر بھی ہمارے کارواں میں شامل ہو جائیں۔''

''میں غور کروں گی۔'' نگین نے نیم رضامندی سے کہا۔ اسی وقت بیل ہوئی' محسن باہر گیا' واپس آیا تو اس کے ساتھ زرلالہ بھی تھی۔

''آؤ زرلالہ' پلیز بیٹھو۔ بہت دنوں بعد چکر لگایا ہے۔'' نگین ملنساری اور خوش خلقی سے بولی۔

وہ اندر قدم رکھتے ہی دو اشخاص کو دیکھ کر ٹھٹک گئی گو کہ دونوں کی صورت آشنا تھی مگر چونکہ تعلق اس درجہ گہرا نہیں تھا اس لئے اجنبیت اور جھجک کا تاثر بہرحال موجود تھا بلکہ ساحر کو دیکھ کر تو وہ اچھی خاصی جھنجلاہٹ میں مبتلا ہو گئی تھی۔ خود ساحر کے لئے بھی اس کی یہاں موجودگی غیر متوقع تھی' تاہم اس نے اپنے چہرے کے سپاٹ تاثرات کے پیچھے اس حیرانی کو چھپا لیا۔

''آپ لوگ بزی ہیں۔ میں پھر آ جاؤں گی۔'' وہ دبے لہجے میں بولی۔ اس نے دانستہ سکندر سے نظر ملانے سے گریز کیا تھا۔

''ارے نہیں بھئی تم آؤ بیٹھو تو۔ بلکہ ایسا کرتے ہیں ہم دوسرے کمرے میں چلتے ہیں۔'' نگین اسے اپنے ہمراہ دوسرے کمرے میں لے آئی تھی۔

''ایسی کوئی ایمرجنسی بھی نہیں ہے' پہلے تم اپنے مہمانوں کو اٹینڈ کر لو۔'' وہ شرمندہ تھی۔

''مہمان کہاں' سکندر تو ہمارے ساتھ ہی رہتا ہے اور ساحر بھائی بھی اس سے ملنے آتے رہتے ہیں۔ ڈونٹ وری۔ تم آرام سے بات کرو۔ کچھ پریشان دکھائی دیتی ہو؟''

''میں نے تمہیں اپنی صحیح ہسٹری نہیں بتائی۔ سب یہی جانتے ہیں کہ میں جیا کی بیٹی ہوں' ایک بیوہ ہوں اور تین بچوں کی ماں ہوں' جبکہ ایسا نہیں ہے۔ نہ میں ان کی بیٹی ہوں' نہ بیوہ ہوں اور نہ ان تینوں بچوں کی ماں ہوں۔''

زرلالہ اپنا آپ چھپا چھپا کر تھک چکی تھی۔

نگین بُری طرح چونک کر اس کی صورت دیکھنے لگی تاہم بولی کچھ نہیں۔

''میں فیصل آباد کی رہنے والی ہوں' میری ماں کا نام سکینہ اور باپ کا نام اشرف ہے۔ ایک بڑی بہن زرینہ تھی۔ ایک چھڑا چھانٹ لڑکا اکبر علی اسے چاہتا تھا۔ شادی طے ہوئی تو اس نے مجھے دیکھا۔ اسے نہایت افسوس ہوا کہ پتا ہوتا چھوٹی اتنی خوبصورت ہے تو اسی کا ہاتھ مانگتا۔ اب ہو کیا سکتا تھا۔ شادی ہو گئی' بچے بھی ہو گئے مگر اکبر علی مجھ پر نیت خراب کئے بیٹھا تھا۔ ہر وقت جوڑ توڑ کر کے زرینہ کو ہٹا کر مجھے حاصل کرنے کے چکر میں رہتا۔ بالآخر اس کے مکار ذہن میں آئیڈیا آ گیا۔ اس نے زرینہ کو زہریلی دوا کی تھوڑی تھوڑی مقدار کھانے کے ساتھ کھلانا شروع کر دی۔ وہ امید سے تھی اور اتنا ہی جانتی تھی کہ یہ طاقت کی دوا ہے جو محلے کے حکیم صاحب نے دی ہے۔ ڈلیوری کے دوران سارہ کو جنم دینے کے بعد وہ بالآخر مر گئی اور اس کے قاتل نے بچوں کی پرورش کا واسطہ دے کر چار ماہ بعد مجھ سے بیاہ رچا لیا۔ شادی کی رات اس نے فتح کے نشے میں سرشار ہو کر یہ سارا منصوبہ مجھے بتایا جسے سنتے ہی میرا دماغ اُلٹ گیا ٹیبل پر کچھ پھل اور پھل کاٹنے والی چھری رکھی تھی۔ میں نے اپنی بہن کے قاتل کے پیٹ میں وہی چھری گھونپ دی اور وہاں سے فرار ہو کر ٹرین میں سوار ہو گئی۔ بچے میرے ساتھ تھے' اپنا ہوش بھولا ہوا تھا۔ ایسے میں ایک فرشتہ صفت میاں بیوی ملے' ان کا ایک ہی بیٹا تھا مہراب۔ ٹرین کا...... ایکسیڈنٹ ہو گیا اور جیا کے شوہر اس حادثے میں انتقال کر گئے۔ میں نے جیا کو سب کچھ بتا دیا' وہ مجھے اپنے گھر اسلام آباد لے آئیں۔ یہاں کچھ عرصہ میں نے اور بچوں نے بڑے سکون سے گزارا پھر مہراب سمندری حادثے میں جاں بحق ہو گئے اور جیا اس صدمے کی تاب نہ لاتے ہوئے کوما میں چلی گئیں۔ وہ کیا ہاسپٹلائزڈ ہوئیں' مجھ پر آفتیں ٹوٹ پڑیں۔ گھر بیچنا پڑا۔ انہی دنوں ملک دراب نامی ایک بدنام زمانہ جاگیردار میرے پیچھے پڑ گیا اس سے بچنے' گھر بکوانے اور یہاں جگہ دلانے میں سکندر نے میرا بہت ساتھ دیا۔ کچھ ماہ بعد جیا ہوش و حواس میں واپس لوٹ آئیں۔ ابھی سکون کی سانس بھی

نہیں لی تھی کہ ایک دن میں نے اکبر علی کو ملک ہاؤس سے نکلتے دیکھ لیا۔ وہ جیپ میں سوار تھا۔ اس کے بعد سے میری نیندیں حرام ہوگئیں۔ میں تو اپنے طور پر اسے قتل کر چکی تھی۔ اب وہ مجھ سے انتقام لینے اور بچوں کو چھیننے کے لئے میرا تعاقب کر رہا ہے۔ محسن وکیل ہے۔ وہ مجھے اور میرے بچوں کو قانونی تحفظ دلا سکتا ہے اور میری بہن کے قاتل کو گرفتار کرا سکتا ہے۔ میں اسی لئے اس کے پاس آئی ہوں۔''

نگین بڑے تعجب کے عالم میں اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔

زندگی کتنے رنگ دکھاتی ہے۔

کیا خبر کون سے چہرے پر وقت کس کس طرح کی داستان رقم کر جاتا ہے۔

جس تن لگیاں' اوہ تن جانے۔

''محسن آج کل سکندر کا کیس لڑ رہا ہے' جیسے ہی فارغ ہوتا ہے' تمہارے کیس پر کام شروع کر دے گا۔ میں اسے ساری تفصیلات بتا دوں گی۔ تم فکر نہیں کرو۔''

نگین نے اسے تسلی دلائی۔

زرلالہ دل کا بوجھ ہلکا کر کے جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے باہر تک چھوڑ کر نگین واپس ڈرائنگ روم میں آئی تو ساحر کو اکیلے بیٹھا دیکھ کر چونک گئی۔

''آپ اکیلے بیٹھے ہیں' ساحر بھائی یہ محسن اور سکندر کہاں گئے؟''

''حسینی صاحب نے میرے موبائل پر کال کر کے دونوں کو بلایا ہے۔ میں آپ کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا کچھ بات کرنا تھی۔''

ساحر نے اپنے مخصوص سنجیدگی اور متانت کے ساتھ جواب دیا۔

''جی جی ارشاد۔'' نگین جلدی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''یہ موصوفہ کون ہیں۔ ان کا کیا بیک گراؤنڈ ہے اور آپ تک یہ کیسے پہنچیں؟''

نگین حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے یہ سوچ کر زرلالہ کے بارے میں بتانے لگی کہ شاید اس طرح زرلالہ کی کچھ سپورٹ کی جا سکے۔ ساحر حد درجہ تحیر کے عالم میں اس کی ہسٹری سن رہا تھا۔

گویا وہ محض ایک دن کی بیاہتا تھی۔ شادی کی رات ہی میاں کو قتل کر کے (اپنی دانست میں)

بھاگ آئی تھی اور یہ کہ وہ ان بچوں کی ماں نہیں تھی۔

ہنوز کنواری تھی۔

ان چھوئی منہ بند کلی۔

اسے تو پہلے ہی اس کے انداز واطوار اور رویے میں وہ مخصوص ''تجربے کاری'' اور سمجھ بوجھ نظر نہیں آئی تھی جو شادی شدہ عورتوں کا خاصہ ہوتی ہے۔ ایک پختگی اور اعتماد جو تین بچوں کی ماں ہونے کے ناتے خود بخود لب ولہجے اور چال ڈھال میں آ جاتا ہے' اس کا دور دور تک نشان نہیں ملتا تھا۔

''انہوں نے بتایا ہے کہ اکبر علی نامی شخص کا کیا حلیہ تھا؟''

''نہیں البتہ یہ ضرور بتایا ہے کہ اسے اس نے آپ کے گھر کے گیٹ پر ایک جیپ میں سوار دیکھا تھا۔''

''ملکوال سے بہت سے بندے ملک ہاؤس آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ ملک بابا یا ایاز چاچا کا آدمی ہو یا پھر ملک دراب کے بھرتی کئے گئے غنڈوں میں سے ایک ہو۔''

ساحر سوچتی ہوئی نظروں سے سامنے دیوار پر دیکھ رہا تھا۔

''کیا آپ زرلالہ کو پہلے سے جانتے ہیں؟'' اسے خصوصی دلچسپی لیتے دیکھ کر نگین نے تجسس سے پوچھا۔ وہ محسن کے منہ سے کئی بار سن چکی تھی کہ اس کا باس ایک زاہد خشک قسم کا آدمی ہے۔

''ہاں' دو ایک مرتبہ ملا ہوں۔'' وہ بے دھیانی سے گویا ہوا۔

''اچھا میں چلتا ہوں۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''تھوڑی دیر اور بیٹھتے ساحر بھائی۔ خالہ جان بس آنے ہی والی ہوں گی۔''

''نہیں پھر چکر لگاؤں گا۔''

O☆O

''ملک صاحب' ایہہ تے ساری بازی الٹ ہوگئی ہے۔ آپ نے تو کہا تھا سکندر کو پھانسی یا عمر قید ہو جائے گی اور مجھے وعدہ معاف گواہ بنا لیا جائے گا مگر حساب الٹا ہوا ہے۔ سکندر چھوٹ کر آزاد پھر رہا ہے اور مجھے پولیس نے اشتہاری قرار دے دیا ہے۔ میرے وارنٹ گرفتاری نکل گئے ہیں۔ ساری کھیڈ ہی ختم ہوگئی ہے۔ میں پولیس سے چھپتا پھر رہا ہوں۔ گرفتاری دوں گا تو.....''

''اوئے تو کیا؟'' ملک دراب نے غرا کر اس کی بات کاٹی۔ وہ اشتعال اور پریشانی کے عالم میں تیز تیز ٹہل رہا تھا۔

''تو گرفتاری دے اور وہی کہہ جو میں نے کہا تھا۔ عدالت میں بول دے صاف۔ میں تیرے لئے بڑا اونچا وکیل کراؤں گا اور اس سکندر کی تو میں (گالی) ابھی میں کسی اور مسئلے میں الجھا ہوا ہوں' اس کو حل کر لینے دے پھر دیکھنا' کس طرح اس سکندر کی بوٹی بوٹی کاٹ کر چیل کوؤں کو کھلاتا ہوں۔''

وہ کسی درندے کی طرح چنگھاڑا۔

گامے نے گرفتاری دے دی۔

عدالت میں رٹا رٹایا بیان بھی دے دیا مگر پہلی ہی پیشی پر حسینی صاحب نے اس کے بیان کے وہ بخیے اُدھیڑے کہ اس کے جھوٹ کو پاؤں رکھنے کے لئے زمین نہ مل سکی۔

دوسری پیشی دو ہفتے بعد کی تھی۔

شیرا ملک دراب کا پیغام لے کر جیل میں گامے سے ملنے آیا تھا۔

''ملک دراب نے کہا ہے' وہ اوپر تک پہنچ لڑا رہا ہے' جلد ہی تجھے عدالت سے بری کرا لیں گے۔ اگر سزا ہوئی بھی تو ایک دو سال کی ہو گی۔''

''اوئے ادھر تو پسوڑی ہی ہور پے گئی ہے۔'' گامے نے ماتھا پیٹا۔

''سکندر کا وکیل بشیراں' جیرے اور کوثر کا قتل میرے سر ڈال رہا ہے اور اگر یہ ثابت ہو گیا تو مجھے کم سے کم سزا پھانسی ہو گی۔ میں بتائے دے رہا ہوں شیرے اگر عدالت نے مجھے سزا سنا دی تو ملک دراب بھی میرے ہاتھوں نہیں بچ سکے گا۔ اگر میں ڈوبا تو اسے بھی لے ڈوبوں گا۔''

گامے کے چہرے پر خوفناک عزائم رقم تھے۔

شیرا خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہا۔

O☆O

''ہم لوگوں نے سکینہ اور اس کے شوہر اشرف کا ٹھکانا تلاش کر لیا تھا لیکن وہ مکان اب بند پڑا ہے۔ اشرف برسوں پہلے مر گیا تھا اور سکینہ بھی دوسری بیٹی کی شادی سے پہلے فوت ہو گئی تھی۔ پڑوس کی ایک بوڑھی عورت نے بتایا ہے کہ اس کی دونوں بیٹیوں کی صورتوں میں زمین آسمان کا

فرق تھا۔ ایک نہایت معمولی شکل کی تھی جبکہ دوسری حُسن میں یکتا تھی۔ بڑی بیٹی تین بچوں کو جنم دینے کے بعد مر گئی تو اس کے خاوند نے چھوٹی بہن کو اپنے نکاح میں لے لیا مگر شادی کی رات ہی وہ تینوں بچوں سمیت فرار ہو گئی۔ اکبر علی کو زخمی حالت میں محلے کے کچھ لوگوں نے کلینک پہنچایا۔ ٹھیک ہونے کے بعد وہ بھی محلّہ چھوڑ کر چلا گیا اور آج تک واپس نہیں آیا۔ گھر اسی طرح بند پڑا ہوا ہے۔''

سعود تفصیلات بیان کر رہا تھا اور آپا بیگم کے آنسو گویا قطار باندھے گالوں پر لڑھکتے چلے آ رہے تھے۔

اتنی مدت بعد گمشدہ بیٹی کے ملنے کا امکان پیدا ہوا تو یہ خبر بھی ہمراہ منسلک تھی کہ وہ شادی شدہ بھی ہو چکی ہے۔ وہ سکون جو ماں کو اپنے ہاتھوں بیٹی کو وداع کر کے حاصل ہوتا ہے' وہ اس سے بھی محروم رہی تھیں۔

''خدا جانے اس نیچ ذات آیا نے میری اونچے حسب نسب کی اعلیٰ خاندانی لڑکی کو کس لوفر لفنگے اور معمولی حیثیت کے آدمی سے بیاہا ہو گا۔ کیسے لوٹ سکتا ہے وہ وقت۔ اگر وہ خبیث عورت زندہ ہوتی تو خدا کی قسم اپنے ہاتھوں اس کا گلا گھونٹ دیتی' جب ہی پیاسی ممتا کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ سکتی تھی۔ مر گئے دونوں چور اور...... اور وہ چالاک لومڑی یاسمین بیگم جس نے میری بچی کو غلط ہاتھوں میں دیا۔'' انہوں نے دانت کچکچائے۔

''ایک بات سن لو سعود' گر تم اس ناگن کی بیٹی کو اس گھر کی دہلیز پر لائے تو میں ہمیشہ کے لئے تم سے تعلق ختم کر لوں گی۔ تم میرے نہیں انوار کے بیٹے ہو مگر خدا گواہ ہے جب انہوں نے تمہیں میری جھولی میں ڈالا تو میں نے یہی سمجھا میرا مردہ بیٹا زندہ ہو کر میری آغوش میں آ گرا ہے۔ اگر تم نے مجھے ماں کے برابر درجہ دیا ہے تو مجھ سے عہد باندھو کہ تم یاسمین کی لڑکی کو گھر میں نہیں بساؤ گے۔ وہ بدتمیز اور بد لحاظ تھی۔ اس کے باوجود میں نے تمہاری خاطر اسے قبول کیا۔ ملک بابا کو سمجھا بجھا کر' منا کر اس سے رشتہ کرایا۔ شادی کے بعد بھی اس کی ہٹ دھرمی اور گستاخیاں برداشت کرتی رہی مگر اب اسے یہاں چلتے پھرتے دیکھنا مجھے گوارا نہیں ہے کیونکہ وہ اس زہریلی ناگن کی اولاد ہے، جس نے میری بیٹی کو ڈس لیا۔ خدا جانے کہاں بھٹک رہی ہو گی۔ کن ہاتھوں میں ہو گی۔ کہاں ٹھوکریں کھا رہی ہو گی وہ؟''

"جیسا آپ چاہیں گی' وہی ہوگا آپا بیگم۔" سعود نے سعادت مندی سے ان کا شانہ تھپتھپایا تھا۔

O☆O

زرلالہ شام ڈھلے تھکی ماندی گھر میں داخل ہوئی تھی۔

"کون آیا ہے گھر میں؟" جیا کو کسی مرد کے ساتھ باتیں کرتے سن کر وہ تجسس کے عالم میں کمرے میں داخل ہوئی تھی پھر اس کو وہیں ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔

کریم کلر کے تھری پیس سوٹ میں ساحر بڑے پُرسکون اور آرام دہ انداز میں کرسی پر پھیل کے بیٹھا ہوا تھا۔ اس پر اچٹتی سی نگاہ ڈال کر وہ یکسر اجنبی سا بن کر دوبارہ جیا سے محوِ گفتگو ہو گیا تھا۔

جیا کو اس بے تکلفی سے اسے گھر میں گھسا کر باتیں کرتے دیکھ کر وہ تپ ہی تو گئی تھی۔

"السلام علیکم جیا۔" اس نے خاصی ناراضی کے عالم میں سلام کر کے گویا اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

"ارے آؤ بیٹا! یہ ساحر ہیں۔ محسن اور اظہر لوگوں کے گھر آنا جانا ہے' ایک بارسوخ جاگیردار فیملی سے تعلق ہے۔ نگین نے تمہارا کیس ان سے ڈسکس کیا تھا' یہ اسی سلسلے میں آئے ہیں۔ ہماری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ اکبر علی کا فوٹو مانگ رہے ہیں تاکہ اسے شناخت کر کے ڈھونڈا جا سکے۔"

جیا بڑی خوش دلی سے کہہ رہی تھی۔

وہ کڑھ کر رہ گئی۔

اب تو یہی کسر رہ گئی ہے کہ میری داستان اشتہار بنا کر ہر گھر کی دیوار پر لگا دی جائے۔ یہ جیا بھی بس۔ وہ دل ہی دل میں جھلا رہی تھی۔

"ہمیں ان کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں جیا۔ ان سے کہہ دیں کہ اپنے احسان کے ٹوکرے سمیت تشریف لے جائیں۔"

وہ پیشانی پر بل ڈال کر اکھڑے ہوئے انداز میں بولی۔

"مجھے کسی قسم کا لالچ یا مفاد نہیں ہے جیا' میں خلوصِ دل کے ساتھ ان کی مدد کرنا چاہتا ہوں تاکہ ان کی بہن کے قاتل کو طلاق نامے پر سائن کروانے کے بعد پولیس کے حوالے کیا جا سکے' اسی لئے تصویر طلب کر رہا ہوں۔"

وہ اسے نظر انداز کر کے براہِ راست جیا سے مخاطب ہوا۔

اوہ' کس قدر بے تکلفی سے ہماری جیا کو "جیا" کہہ رہا ہے۔ مسز شہاب یا آنٹی نہیں بول سکتا۔ بڑا آیا ہمارا ہمدرد' وہ ناک سکوڑ کر تلملاتے ہوئے سوچنے لگی۔

"میرے پاس ایسی کوئی تصویر نہیں ہے۔" اسے یہ سوچ کر بہت انسلٹ محسوس ہو رہی تھی کہ یہ شخص اس کے ماضی سے واقف ہو گیا تھا۔

"تمہارے پاس تمہاری بہن اور اس کے تین چار فوٹو پڑے تو تھے۔ ان میں سے ایک تصویر میں تمہاری بہن اپنے میاں کے ساتھ تھی۔ ادھر دیکھو سامنے الماری میں ہی رکھے ہوں گے' ابھی کچھ دن پہلے تو دکھا رہی تھیں تم مجھے۔"

جیا نے اس قدر اصرار کیا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے تصویروں والا لفافہ نکال کر ساحر کے حوالے کرنا پڑا۔

"میں بہت جلد اس کا کھوج لگا لوں گا۔ آپ اطمینان رکھئے۔" وہ مسلسل جیا سے مخاطب تھا۔

زرلالہ پیر پٹختے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

ساحر وہاں سے نکل کر سیدھا محسن لوگوں کی طرف آیا۔ ارادہ تھا کہ سکندر کو تصویر دکھا کر معلومات حاصل کرے گا مگر جب سکندر کے روبرو بیٹھ کر لفافے سے تصویر نکالی تو کچھ پوچھنے کے بجائے وہ خود ہی بت بنا بیٹھا رہ گیا۔

"میں ملک آباد اور ملکوال کی حویلیوں میں رکھے گئے تمام ملازمین کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ آپ تصویر دکھائیے' میں ایک منٹ کے اندر اس کا نام' مقام اور کام بتا سکتا ہوں۔"

سکندر نے اعتماد سے کہا۔

"پہچان اتنی واضح ہے کہ تصدیق کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولا اور تصویر اس کی سمت بڑھا دی۔

"گاما......!" تصویر دیکھتے ہی بے اختیار اس کے منہ سے نکلا تھا۔

گو کہ تصویر میں وہ خاصا جوان' صحت مند اور صاف ستھرا شخص دکھائی دے رہا تھا مگر ظاہری ہیئت میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں آئی تھی کہ شکل نہ پہچانی جاتی۔

"ہاں۔" ساحر نے گہری سانس لی' اب یہ عقدہ تم کھولو گے کہ وہ اکبر علی سے گاما کیسے بنا۔"

"مجھے یاد ہے' آج سے کئی سال پہلے یہ بڑے بُرے حال میں ملک دراب کے پاس آیا تھا۔ بھوکوں مر رہا تھا اور کسی اپنے کی تلاش میں سالوں سے بھٹک رہا تھا۔ حلیہ نہایت قابل رحم اور شکستہ تھا۔ اس نے اپنا نام گاما بتایا تھا۔ غالباً اپنا ماضی چھپانا چاہتا تھا۔ ملک دراب نے کچھ عرصے تک "ٹریننگ" دلوا کر اسے اپنی غنڈہ فورس میں شامل کر لیا تھا۔ اس کے بعد وہ آنکھیں بند کر کے اس کے اشارے پر ناچتا رہا۔ ڈاکے ڈالے' قتل بھی کئے' جیل بھی کاٹی' غرضیکہ ملک دراب کے لئے سب کچھ کیا۔ جیرے' بشیراں اور کوثر کا قتل اس سلسلے کی آخری کڑی تھا۔"

"کیا خبر آخری تھا یا......؟" ساحر کے منہ سے تو یونہی نکلا تھا مگر آئندہ پیش آنے والے واقعات نے ثابت کر دیا کہ واقعی وہ تین قتل آخری نہیں تھے۔

اگلے دن ساحر گامے سے پوچھ تاچھ کے لئے جیل گیا تو ایک نئی خبر اس کی منتظر تھی۔ گاما جیل سے فرار ہو گیا تھا۔

دوسری پیشی کے اختتام پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ گاما ہر طرح سے تین آدمیوں کے قتل میں ملوث ہے اور یہ بات بھی عیاں ہو چکی تھی کہ اگلی اور آخری پیشی میں عدالت اسے سزائے موت کا حکم سنا دے گی۔ گاما اپنا انجام سامنے دیکھ کر انتقامی جذبے سے لبریز جیل کے ایک عملدار کو رشوت دے کر بھاگ نکلا۔

اس کا رخ سیدھا ملکوال کی طرف تھا۔ وہ جانتا تھا' آج کل ملک دراب ڈیرے پر سوتا ہے۔ رات کی تاریکی میں وہ وہاں پہنچا اور ملک دراب کو سوتے میں قتل کر دیا۔

کہتے ہیں ناں' گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔

وہ ملک دراب کا پالتو تھا۔ اسی سے غنڈہ گردی کے تمام گُر سیکھے تھے۔ حویلی اور ڈیرے کے چپے چپے سے واقف تھا' اسی لئے سخت پہرے کے باوجود چور راستے سے ڈیرے میں داخل ہو کر ملک دراب تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ بے آواز پستول کے تین فائر سیدھے ملک دراب کے سینے پر چھید کر گئے تھے۔

اپنا کام مکمل کرنے کے بعد وہ اطمینان سے مڑا۔

مگر اسی لمحے ملک دراب کا حفاظتی عملہ چوکنا ہو چکا تھا۔

ملک دراب کی لاش دیکھتے ہی انہوں نے گامے کو گھیر لیا۔ اس نے فرار ہونے کی کوشش کی مگر شیرے کے پستول کی گولیوں نے اسے بھون کر رکھ دیا۔

ملک ایاز اپنے اکلوتے بیٹے کے سفاکانہ قتل کی اطلاع پا کر دل پہ ہاتھ رکھے ہوئے لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اسے فوراً ہسپتال لے جایا گیا۔ جان لیوا ہارٹ اٹیک کے بعد بمشکل وہ زندگی کی طرف واپس لوٹا تھا۔

ملک ہاؤس والوں کو ملک دراب کے قتل کی اطلاع ملی تو وہ سابقہ اختلافات بھلا کر تعزیت اور عیادت (ملک ایاز) کے لئے ملکوال آئے۔ ملک بابا دراب کے قتل سے تین روز قبل علاج کے لئے لندن گئے تھے۔ ان کی بائیں ٹانگ پر ایک عجیب سا پھوڑا نکل آیا تھا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھ کر رسنے لگا تھا۔ لاہور کے تمام بڑے ہاسپٹل میں دکھانے کے بعد ڈاکٹروں کے باہمی مشورے پر وہ لندن چلے گئے تھے۔ انہیں ملک دراب کے بارے میں اطلاع وہیں ملی تھی۔ وہ فی الفور واپس وطن لوٹنا چاہتے تھے مگر آ نہیں سکے کیونکہ ٹانگ میں سوجن اور ناسور کے پک جانے کے بعد وہ ہلنے جلنے سے معذور ہو گئے تھے۔

ایک ماہ بعد جب وہ وطن واپس آئے تو بائیں ٹانگ سے محروم ہو چکے تھے۔ ڈاکٹرز کی مشترکہ رائے یہی تھی کہ اس سے پہلے کہ سارے جسم میں زہر پھیل جائے' ٹانگ کو کاٹ دیا جانا بہتر ہو گا۔

ساری حویلی اُجڑی ہوئی لگ رہی تھی۔ ملک ایاز بیٹے کی موت کے غم میں بستر سے جا لگا تھا۔ ہر طرح کی سرگرمیاں موقوف کر دی تھیں۔ بڑی اماں ہر وقت یہی واویلا کرتی رہتیں۔

"خدا جانے قسمت نے ہم سے کس بات کا انتقام لیا ہے۔"

وہ نہیں جانتی تھیں کہ بندہ انصاف کرنے میں بھول چوک کر سکتا ہے مگر خدا بہترین انصاف کرنے والا ہے۔

ملک دراب نے اپنے برے اعمال کی سزا پائی۔ اس کے باپ ملک ایاز کو اپنے ماضی کی ظالمانہ کارروائیوں اور غلط کاموں میں بیٹے کی معاونت کرنے پر یہ سزا ملی کہ قدرت نے اکلوتے بیٹے کو کتے کی موت مارا اور خود اسے روگی بنا کر بستر کا بنا چھوڑا۔

ملک بابا نے زمینداری کے لالچ میں اپنے سگے بھائی کی جائیداد پر قبضہ کر کے گل بانو اور

اس کے بیٹے سکندر کا حق مارا۔ خدا نے انہیں ایک ٹانگ کا کر کے دوسروں کا محتاج کر دیا۔

بے شک خدا بہترین انصاف کرنے والا ہے۔

دراب اور نگامے کے قتل کے بعد مقدمہ خود بخود سکندر کے حق میں ہو گیا اور آخری پیشی پر وہ باعزت بری کر دیا گیا۔

"میں اب چلوں گا محسن بھائی۔" وہ اگلے دن محسن سے اجازت لے رہا تھا۔

"کہاں چلوں گا بھائی؟"

"واپس ملکوال۔ چاچا بختو اور ماسی برکتے کے پاس۔ انہیں میری ضرورت ہے۔" وہ بولا "ایک وہی تو ہیں میرے اپنے۔ یوں بھی اب یہاں مزید ٹھہرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔"

"ارے' وہ اپنے ہیں تو ہم کون سے غیر ہیں بھیا۔ تم آرام سے یہیں رہو۔" اظہر نے مداخلت کی۔

"نہیں اظہر بھائی! بہت دن ہو گئے ہیں' اپنے گھر سے دُور ہوئے۔"

"اچھا بھئی جو تمہاری مرضی مگر کم از کم میری شادی تک تو تمہیں یہیں رکنا ہوگا۔ فقط دس دن پندرہ گھنٹے اور چالیس منٹ ہی تو رہ گئے ہیں' میرے دولہا بننے میں۔" خاصی مسرت کے عالم میں اعلان فرمایا گیا۔

"اللہ رے' یہ حساب کتاب' یہ اعداد و شمار۔" محسن کو موقع مل گیا "میں اُڈی اُڈی جاواں ہوا دے نال۔ سارے لڑکوں کی شادی ہو گئی شادی میں رہ گیا کنوارا۔ ارے کوئی میرا بھی خیال کرے۔"

اس نے جان کر کچن کی طرف منہ کر کے زور سے کہا تھا۔ جانتا تھا' نگین کچن میں سالن بنا رہی ہے۔

"پہلے بڑے ہو جاؤ' ننھے پانڈے۔" اظہر نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر پچکارا۔

"دیکھو مجھے جوش نہ دلاؤ دہی بڑے۔ ورنہ میں تمہاری منگیتری کو پٹا لوں گا اور عین برات والے دن تم سے سہرا چھین کے' تمہیں دھکا دے کر مولوی کے آگے بیٹھ جاؤں گا۔ میرے غضب کو آواز نہ دو۔"

"تمہارے لئے فاکہہ کیسی رہے گی۔ ایمان کی چھوٹی بہن ہے۔ اس دن میں ان کے گھر گئی

تھی ایمان کے اصرار پر۔ اچھے اخلاق والے لوگ ہیں۔ شریف گھرانا ہے۔ لڑکی بھی اچھے مزاج کی ہے۔ کہو تو بات آگے بڑھاؤں؟"

ڈرامائی طور پر بیگم ریاض ٹرے ہاتھ میں لئے چائے لے کر اندر داخل ہوئی تھیں۔

ان کے برجستہ جواب پر محسن کھسیا کر سر کھجانے لگا۔

"خالہ لگتا ہے' بات بن گئی ہے۔ منڈا شرما رہا ہے۔" نگین نے ٹی پاٹ میز پر رکھتے ہوئے شرارت سے محسن کو دیکھا تھا۔

"ہائے اللہ' مجھے نہ چھیڑو۔ مجھے شرم آتی ہے۔" محسن صاحب نے جھٹ پٹ ماں کا دوپٹا کھینچ کے پلو میں منہ چھپا لیا۔

"ہائے تیری ادائیں۔" اظہر نے دل پر ہاتھ رکھا۔

"یہ شرمانا' لجانا' گھبرانا' کترانا۔ کہیں پیار نہ ہو جائے۔ امی بات آگے بڑھائیں بلکہ دوڑائیں' فٹافٹ......"

"ہاں ناں۔" محسن انگلی منہ میں دبا کر بولا "اب شادی نہ سہی ایک منگنی کا حق تو میں بھی رکھتا ہوں ناں' فی الحال۔"

"بے شرم نہ ہو تو۔" بیگم ریاض نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"نگین بیٹے' تم نے کالج سے چھٹیاں لے لی ہیں؟"

"جی خالہ! کل کی ٹرین سے جہلم کا ٹکٹ بک کروانا ہے اب۔" وہ نظر جھکا کر غیر محسوس طریقے سے اظہر کی طرف سے رخ موڑ گئی تھی۔

"غضب خدا کا شادی میں دس دن رہ گئے ہیں اور دیدہ دلیری دیکھو بے باکی سے لڑکے کی آنکھوں کے عین سامنے پھرتی ہے۔" محسن شرم ورم بھول کر نگین کے پیچھے پڑ گیا۔

"شادی سے پہلے ہی موصوفہ ہونے والے سسرال میں کدکڑے لگا رہی ہیں۔ توبہ توبہ کیا زمانہ آ گیا ہے۔"

آج کل وہ اس کا اور اظہر کا ریکارڈ لگانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

"خالہ' سمجھالیں اسے۔" نگین نے ناز سے خالہ کو دیکھا۔

"میری مار بہت بُری ہوتی ہے۔"

"یہ بات مجھے نہیں، وہی بڑے کو سمجھاؤ۔ وہ مستقبل میں اس عنایت سے مستفیض ہوا کرے گا۔" وہ شرارتی ہوا۔

"ٹھہرو میں بتاتی ہوں۔" نگین اس کے پیچھے لپکی تو وہ منٹوں میں رفو چکر ہوگیا۔

O☆O

محسن کے منہ سے کیس کرنے سے پہلے ہی اکبر علی عرف گامے کی موت کی خبر سن کر زر لالہ منجمد سی رہ گئی تھی۔ محسن کے ذریعے اسے ساری تفصیلات حاصل ہوئی تھی۔

اکبر صرف اس کی بہن کا ہی نہیں اور بھی بہت سی جانوں کا قاتل تھا۔ بالآخر خود بھی کسی کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ اس کی موت کا سوگ کرنا تو خیر اس پر واجب نہیں تھا کہ شوہر کا رشتہ محض کاغذ پر درج تھا۔ مثلاً کوئی تعلق استوار نہ ہوا تھا۔ بس یہ تھا کہ اس کی موت سے پہلے بھی اس نے خود کو بیوہ ظاہر کیا تھا۔ اب حقیقی طور پر بیوہ بن گئی تھی۔

بہت عرصے بعد اس کا "اندر" ہلکا پھلکا ہوا تھا۔ زرینہ آپا کا قاتل بہر حال اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا اور اس کا ماضی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا تھا۔ اب بلاشرکتِ غیرے بچے اس کے تھے اور ہمیشہ اسی کے پاس رہنے تھے۔ کوئی نہیں تھا جو انہیں اس سے چھینتا۔

اب اس کو وہ ڈراؤنے خواب آنا بھی بند ہوگئے تھے۔ ملک دراب کی موت کی خبر نے گویا مزید تحفظ کا احساس اُبھارا تھا۔

ایک مدت کے بعد اس نے جاب کے لئے اخبارات کھنگالنے شروع کئے۔

"حال ہی میں تعمیر کردہ ایک نئے ماڈل ٹاؤن" سانجھ نگر" میں میٹرک لیول کے ایک سکول میں پڑھانے کے لئے بی اے یا ایم اے پاس مرد و خواتین کی ضرورت ہے۔ رہائش فری ہوگی۔"

اس نے سوچا' یہ ایک نوبل جاب ہے۔ بی اے کی ڈگری اس کے پاس تھی۔

جیا سے مشورہ کر کے وہ انٹرویو کے لئے مقررہ جگہ پر پہنچ گئی۔ اپنی باری پر وہ اسناد سمیت اندر گئی تو انٹرویو کرنے والے خوش رو اور خوش پوش نوجوان نے معمول کے سے انداز میں سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

اور پھر دیکھتا رہ گیا۔

ساری تلاش وہیں آن تھمی تھی۔

بالآخر وہ مجسم اس تک آ پہنچی تھی۔ جس کی کئی سال پہلے ایک جھلک دیکھ کر وہ دیوانہ ہوگیا تھا۔

"آپ...... آپ......" ایمان بے اختیارانہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ فرطِ شوق سے سرتا پا مرتعش تھا۔

"جی' میں زر لالہ ہوں۔" وہ اس کے مسلسل عجیب سے انداز دیکھتے رہنے سے نروس ہوگئی۔

"میں جاب کے لئے آئی ہوں۔" اس نے مزید وضاحت کی۔

"پلیز تشریف رکھئے۔" بڑی مشکل سے ایمان نے اپنے دھڑ دھڑاتے بے تاب و بے قرار دل پر قابو پایا تھا۔ چند رسمی سوالات کے بعد اس نے انٹرویو ختم کردیا تھا۔

"انشاء اللہ دو ایک دن میں آپ کو اپائنٹمنٹ لیٹر مل جائے گا۔" اس کا بس چلتا تو جاب کی جگہ پوری اسٹیٹ اس کے نام کر دیتا۔

"جی شکریہ! ایک بات پوچھنا تھی کیا ٹیچرز اپنی فیملی کو بھی اپنے ساتھ آپ کی فراہم کردہ رہائش میں رکھ سکتے ہیں؟" وہ جھجک کر بولی۔ "میرے ساتھ میری والدہ اور تین بچے بھی ہیں۔"

"تین بچے!" وہ چکرا گیا' یا اللہ خیر۔ اتنے برسوں کی تپسیا کے بعد وہ ملی بھی تو تین بچوں کی ماں بن کر۔"

'اور آپ کے شوہر؟" اس نے مردہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔"

شکر ہے' ایمان نے اطمینان کی سانس لی۔

"اس بارے میں' میں اپنے باس سے مشورہ کر کے مناسب جواب دے سکوں گا۔ بہر حال آپ تسلی رکھئے۔"

ایمان نے اس کے ڈاکومنٹس کی فوٹو کاپی سے ایڈریس اچھی طرح ذہن نشین کرلیا تھا۔

O☆O

اسی شام...... کنسٹرکشن کمپنی کے آفس میں اس نے ساحر کے سامنے بات چھیڑی۔

ابھی نام اور بچوں کے متعلق بتایا ہی تھا کہ ساحر قلم چھوڑ چھاڑ کر سیدھا ہوگیا۔

"ارے تو موصوفہ کے یہ ارادے ہیں۔"

"کیا مطلب...... کیا تم جانتے ہو اسے؟"

"ہاں بھئی' بڑی تیکھی سی ہے۔ بارہا سامنا ہو چکا ہے۔ ڈیڑھ دو برس ہو چکے ہیں جان پہچان کو مگر اصل حوالہ تو وہ ہے جو میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ یاد نہیں' گامے والے کیس میں اکبر علی والے اضافی کردار کا قصہ؟"

"اچھا وہ قاتل جو پہلی بیوی کو مار کر دوسری بہن سے نکاح کر چکا تھا مگر پہلے ہی دن دلہن اسے چھرا گھونپ کر بچوں سمیت فرار ہو گئی؟" ایمان نے ساحر اور محسن کی دی گئی معلومات کو دہرایا۔

"ہاں' موصوفہ صرف کاغذ کی بیوی' ماں اور بیوہ بنی رہی ہیں۔ حقیقتاً بچوں اور ان کے باپ سے ایسا کوئی بندھن نہیں ہے۔"

"جبھی میں کہوں' اتنی چھوٹی سی چھوئی موئی ٹائپ لڑکی بیک وقت تین عدد بچوں کی ماں کیسے ہو سکتی ہے۔"

ایمان کو مزید اطمینان بلکہ خوشی ہوئی۔ اس سے پہلے کہ ساحر کو اپنے دل کی بات بتاتا' ساحر اپنی کہنے لگا۔

"یار' یہ موصوفہ بڑے عرصے سے یہاں اٹکی ہوئی ہیں' نکلتی ہی نہیں۔" ساحر نے بڑی خوبصورت مسکراہٹ سمیت دل کی طرف اشارہ کیا "سو میں نے سوچا' مستقل مکین ہی نہ بنا لیا جائے یہاں کا۔ میں اسے اپنانا چاہتا ہوں لیکن ایک مسئلہ ہے" خاندانی وقار کا۔" گھر والے تین بچوں والا معاملہ بھی سمجھ لیں گے مگر اس کے اونچے اور اعلیٰ خاندان کا حوالہ مانگیں گے تو میں کیا جواب دوں گا۔ اسی واسطے اتنے عرصے سے چپ بیٹھا ہوں۔ اس کی ماں محلے کی دائی تھی اور باپ کسی کوٹھی میں چوکیدار تھا۔ ملک بابا' بڑی اماں اور آپا بیگم تو ایک طرف رہیں' میں شاید اپنے ڈیڈی اور بھائی بھابی کے ووٹ بھی حاصل نہ کر پاؤں۔ تم کوئی مشورہ دو۔ پراجیکٹ مکمل ہو چکا ہے۔ فی الحال فراغت ہے۔ اب میں سکون کے ساتھ اپنی گھریلو زندگی کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔"

ساحر جانے کیا کہہ رہا تھا۔

ایمان کو اس کا ایک لفظ بھی سمجھ نہ آیا۔ آگے پیچھے اندھیرا ہی اندھیرا ہو گیا تھا۔

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند

دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

اتنی طویل ریاضت کے بعد وہ چہرہ مقابل آیا جس نے ایک مدت سے اس کے دل کو اسیر کر رکھا تھا مگر یوں کہ اپنائیت کی نظر ڈالنے سے پہلے ہی درمیان میں اجنبیت کی دیوار آ کھڑی ہوئی تھی۔

"کیا وہ بھی تمہیں پسند کرتی ہیں؟" وہ ڈوبتے دل سے بولا۔

"پتا نہیں' جب بھی سامنا ہوا' موصوفہ پھولے ہوئے چہرے سمیت نظر آئیں۔ اندر کیا ہے اللہ ہی جانے۔ البتہ ان کی سرپرست خاتون صد فیصد مجھ پر مہربان ہو چکی ہیں۔ یقیناً وقت پڑنے پر ضرور میرے لئے محترمہ سے سفارش کر سکتی ہیں۔ بچے تو ویسے بھی مجھ سے بہلے ہوئے ہیں۔ محسن کے بھائی اظہر کی ہونے والی مسز کی محترمہ سے خاصی دوستی ہے۔ ضرورت محسوس ہوئی تو قائل کرنے کے لئے انہیں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

ایمان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ اسے لگ رہا تھا' جیسے کسی نے پوری قوت سے اس کا جسم نچوڑ کے رکھ دیا ہے۔

"کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" ساحر اس کی حالت دیکھ کر سیٹ چھوڑ کر اس کے قریب آیا۔

"بس یونہی کمزوری سی ہو رہی ہے۔" ایمان کا لہجہ کھوکھلا اور دھیما تھا۔

"میں گھر چلتا ہوں۔ آرام کروں گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

حالانکہ سب ٹھیک کیسے ہو سکتا تھا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔ بھاگ دوڑ بھی تو بہت کی ہے ناں تم نے پراجیکٹ کے سلسلے میں۔ اب تین چار دن گھر رہ کر مکمل ریسٹ کرو۔" ساحر نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔

O☆O

"بھائی صاحب' اللہ نے چاہا تو آپ کی بچی مل جائے گی' اس کے بعد میرا شہریار اور ساحر کی منگنی کرنے کا ارادہ ہے۔ اچھی' سلجھی ہوئی بچی ہے۔ ہمارے گھر کے ماحول میں ایڈجسٹ بھی ہو چکی ہے اور ساحر کے انداز سے بھی لگتا ہے کہ اسے شہریار کی طبیعت پسند آ گئی ہے۔"

توقیر صاحب نے شبیر صاحب کی طرف رائے لینے والے انداز میں دیکھا تھا۔

''بڑا نیک خیال ہے۔ یوں بھی اب تو ملک بابا بھی شہریال والے مسئلے میں ٹھنڈے پڑ چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہم سے دوبارہ اسے واپس بھیجنے کی تاکید نہیں کی۔ گویا وہ شہریال اور اس کے مستقبل کے متعلق فیصلے کو ہم پہ چھوڑ چکے ہیں۔''

شبیر صاحب نے توقیر صاحب کے خیال کی تائید کی۔

''ملک بابا اب خاصے بدل گئے ہیں۔ آپا بیگم بتا رہی تھیں' وہ آج کل زمینوں کے کاغذات تیار کرا رہے ہیں جس کی رو سے ہمارے حقیقی والد مرحوم کے حصے کی زمین ہم بھائیوں کے نام کر رہے ہیں اور مزید یہ کہ سکندر کی والدہ مرحومہ کی زمین اور ملک آباد کی حویلی میں جتنا حصہ بنتا ہے' وہ بھی سکندر کو سونپنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' توقیر صاحب کے لہجے میں خاصی حیرت تھی۔

''اگر ایسا ہے تو بہت خوش آئند اقدام ہے۔'' شبیر صاحب نے توصیفی انداز میں کہا

''افسوس ملک بابا کو بہت کچھ گنوا کر حقدار کو حق دینے کا خیال آیا۔ بہرحال خوشی کی بات یہ ہے کہ سکندر کو اس کا حق اور خاندان میں ایک جائز مقام مل جائے گا۔''

''بعض اوقات تقدیر کا وار آگہی کے بہت سارے بند دریچوں کو کھول دیتا ہے اور انسان کو اپنی ساری غلطیاں نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں۔''

O☆O

''کیا ہوا بھئی' کزن کی تلاش کا کام کہاں تک پہنچا؟'' ساحر بڑی مدت بعد فراغت کے عالم میں گھر پر سب کے ساتھ چائے پی رہا تھا۔

''ابھی تک آدھی کامیابی ہوئی ہے۔ پتا چل گیا ہے کہ سکینہ اور اشرف کا ٹھکانا کہاں ہے اور وہاں کزن کی موجودگی اور دیگر معاملات کے بارے میں بھی کنفرم ہو گیا ہے لیکن اس کی بازیابی فی الحال نہیں ہو پا رہی۔ کئی ماہ سے مختلف شہروں میں چھان بین کر رہے ہیں۔ دیکھو کب مکمل کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔'' سعود نے رپورٹ دی۔

''تفصیل سے بتاؤ مجھے۔ اب میں بھی اس مہم میں پوری طرح شریک ہو سکوں گا۔ ان دنوں خاصی فراغت ہے۔''

سعود نے ساری تفصیلات سنا دیں۔

فیصل آباد سے تین بچوں کی ماں' شادی کی پہلی رات فرار شوہر کو زخمی کر کے' نام آس پڑوس والوں نے زرلالہ بتایا تھا۔

اس اس سے آگے مزید تصدیق کو اور کیا رہ جاتا تھا۔

ہر ثبوت تو خود بخود سامنے آ گیا تھا۔

کس خوبصورتی سے تقدیر نے یاوری کی تھی۔

خدا بھی جب ملانے پر آتا ہے تو کیا کیا اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ اسے لڑکی کا خاندان درکار تھا۔

مل گیا اور ایسا مضبوط حوالہ ملا کہ اس کی فرمائش پر خود گھر والے خوشی خوشی راضی ہو جاتے۔ بھئی اپنی لڑکی ہے' اپنے ہی خاندان کی۔ اپنے سگے تایا کی بیٹی اور ڈیڈی تو ویسے بھی کتنی بار حسرت سے کہہ چکے ہیں کہ اگر شبیر بھائی کی بیٹی گم نہ ہوتی تو آج وہی ان کی بہو بنتی۔

وہ میری ہے اور میرے ہی نصیب میں لکھی گئی تھی۔ وہ خط میرے ہی نام کا تھا' اسی لئے تو بند لفافے پر کسی اور کا نام درج ہونے کے باوجود وہ اسے کھول نہ پایا تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس بند لفافے کو کھولنے کا اختیار خدا نے مجھے تفویض کرنا تھا۔ وہ خط تھا ہی میرا۔ اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ بیرونی لفافے پر کس کا نام لکھا تھا۔ اسے مزید یقین ہو گیا کہ وہ بالآخر اسی کی ہے جسے بزرگ برضا و رغبت اسے سونپ دیں گے۔

''بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔ آیئے آپا بیگم' آپ میرے ساتھ چلئے۔ میں آپ کو آپ کی بیٹی سے ملواتا ہوں۔'' وہ جوش اور سرشاری میں ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ باقی افرادِ خانہ اس کی تقلید نہ کرتے۔ پانچ منٹ بعد ساحر کی گاڑی کے پیچھے پیچھے تین گاڑیوں کا قافلہ رواں دواں تھا۔

ایک ساتھ چار چار گاڑیاں جب آئی ٹین میں زرلالہ کے گھر کے گیٹ پر رکیں تو آس پڑوس والے یقیناً چونک کر رہ گئے۔

یہ ایک طویل داستان ہے کہ کس طرح بچھڑے ہوؤں کا ملاپ ہوا۔

کس طرح زرلالہ کو یقین دلا دیا گیا کہ وہ جن کو بچپن سے اپنے ماں باپ کے روپ میں دیکھتی اور مانتی چلی آئی ہے' وہ دونوں لٹیرے تھے۔ جنگل سے نیلم پتھر کو چرا کر کٹیا میں رولنے کو لے

آئے تھے۔

جیا اپنی جگہ حیران پریشان' ہنستے مسکراتے خوش پوش وخوش رو افراد کے اس قافلے کی زرلالہ سے پیار کی والہانہ بوچھاڑ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپا بیگم اور شبیر صاحب رو رو کر اور بیٹی کو چوم چوم کر پاگل ہوئے جا رہے تھے۔

ساحر کے چہرے پر ایک الوہی چمک تھی۔

پھر مزید ایک ہفتہ لگا تھا' جیا اور زرلالہ کو کرائے کا پورشن چھوڑ کر ملک ہاؤس منتقل ہونے پر راضی کرنے کے لئے۔

بالآخر زرلالہ نے ہتھیار ڈالے مگر جیا پھر بھی مصر رہیں۔

''بھائی صاحب بچی پر آپ کا حق بنتا ہے۔ چلیں بچوں کو بھی ہمراہ لے لیں کہ ثواب کا کام ہوگا۔ یتیم ویسیر اور بے آسرا بچے ہیں پھر زرلالہ بھی ان کے بغیر نہیں رہ سکے گی مگر میری وہاں جانے کی کوئی تک نہیں بنتی ہے۔''

''ایسا کہہ کر ہمیں شرمندہ نہ کریں بہن۔'' شبیر لجاجت سے گویا ہوئے۔

''اگر اس برے وقت میں آپ زرلالہ کو نہ ملتیں تو آج یہ کہاں ہوتی' یہ سوچ کر ہی ہول آنے لگتے ہیں۔ آپ کا احسان تو اتنا بڑا ہے کہ قیامت تک کے قرضے چڑھ گئے ہیں۔''

آپا بیگم نے بھی بہت قسمیں دیں اور زرلالہ تو انہیں چھوڑ کر ایک قدم باہر نکالنے کو تیار نہ تھی۔ یوں بالآخر انہیں راضی ہونا پڑا۔

بیٹی مل جانے کی خوشی میں ایک بہت بڑا جشن منانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ انہی خوشیوں کے ہجوم میں عذرا بیگم نے آپا بیگم سے مہرینہ کو معاف کرنے اور اسے گھر بلانے کی درخواست کی۔

''وہ کئی مرتبہ فون کر کر کے معافیاں مانگ چکی ہے آپا! وہ اپنی نادانیوں پر سخت شرمندہ ہے۔ اپنے گھر واپس آنا چاہتی ہے پھر اس کا ہے ہی کون ہمارے سوا۔ وہ صرف سعود کی دلہن ہی نہیں' تنویر بھائی کی اولاد بھی ہے۔ آپ اس کی ماں کی خطاؤں کا بدلہ اس سے نہ لیں۔ سعود منہ سے کچھ نہیں کہتا مگر میں دیکھتی ہوں' اس کے بغیر بہت اداس اور بے چین رہتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ آج میرے لئے خوشی کا اتنا بڑا موقع ہے کہ میں ان چوروں کو بھی بخشنے کو تیار ہوں جنہوں نے میرے گھر کا سب سے قیمتی خزانہ چرایا۔ تم اور خود جا کر بہو کو لے آؤ۔''

آپا بیگم نے سکون سے اجازت دے دی۔

عذرا بیگم کے کندھوں سے جیسے کوئی بھاری بھرکم بوجھ سرک گیا تھا۔

O☆O

''السلام علیکم ڈیڈی! آپ بزی تو نہیں ہیں' مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے؟'' کومل اپنے سسر کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ادب سے پوچھ رہی تھی۔

''آؤ بہو۔ بیٹھو۔'' توقیر صاحب نے شفقت کا مظاہرہ کیا۔

''مجھے ساحر نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ وہ خود اس موضوع پر آپ سے بات کرتے ہوئے جھجکتا ہے۔''

''گویا بھاوج اپنے دیور کی سفارش لے کر آئی ہیں۔''

وہ محظوظ ہوئے۔

''جی۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی' ''اصل میں ڈیڈی ساحر زرلالہ کو ڈیڑھ دو برس سے جانتا ہے۔ وہ اس میں دلچسپی لیتا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''مگر میں نے تو اس کے لئے شہریال کا انتخاب کر رکھا ہے۔'' وہ چونک کر سیدھے ہو گئے۔

''زرلالہ شبیر بھائی کی بیٹی ہے۔ میں تو سر کے بل چل کر ان سے بیٹی کا رشتہ مانگنے جاؤں مگر بہو' شہریال کو اس وقت خاندان میں ایک مناسب شناخت کی ضرورت ہے۔ اس کے ماں باپ انتقال کر چکے ہیں' ایک بھائی ہے' وہ سات سمندر پار بیٹھا ہے۔ میں چاہتا تھا خاندان کی لڑکی خاندان ہی میں رہے۔''

''آپ شہریال کی فکر نہ کریں۔ اس کے لئے بڑا مناسب رشتہ موجود ہے۔'' کومل شریر سے انداز میں مسکرائی۔

''سکندر بھائی ایک طویل مدت سے اس میں دلچسپی رکھتے ہیں۔''

''یہ راہ بھی تمہیں ساحر نے دکھائی ہوگی۔'' وہ بیٹے کے جوڑ توڑ پر دل کھول کر حظ اٹھا رہے تھے۔

''جی۔'' کومل نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔ ''آپ کا بیٹا اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا ہے۔''

''مجھے سکندر اور شہریال کو آپس میں منسوب کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن کیا

شہریال قبول کر لے گی؟ کیونکہ جس طرح کا سکندر کا براٹ اپ رہا ہے' اس نے اسے مالکوں جیسے مخصوص اعتماد' دولت کی فراوانی سے حاصل ہونے والے احساس تفاخر اور شان بے نیازی سے محروم رکھا ہے۔ کیا اس کا لائف سٹائل کم تعلیم اور اپنے کام کے حوالے سے معاشرے میں مخصوص شناخت کی عدم موجودگی شہریال جیسی پڑھی لکھی ڈاکٹر پیشہ اعلیٰ ذہن کی مالک لڑکی کے ساتھ ایڈجسٹ پرابلمز پیدا کرنے کا باعث نہ بنیں گے؟''

''میرا خیال ہے کہ نہیں۔ ناز و نعم میں پلنے کے باوجود شہریال سکندر کی طرح مزاج کی سادہ اور دھیمی ہے پھر وہ ملک آباد کی حویلی میں برسوں رہ چکی ہے۔ حویلی اب سکندر کے نام ہو گئی ہے لہٰذا لائف سٹائل میں زیادہ تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ رہ گئی تعلیم تو سکندر انٹر کر چکا ہے اور پرائیویٹ بی اے کی تیاری کر رہا ہے۔ ڈیڑھ دو سال میں بی اے کے بعد ایم اے کا امتحان دے کر خود بخود تعلیم کے فرق کو عبور کر لے گا اور جاب کے حوالے سے تو پہلے ہی ساحر اور سمیر سے اس کی ڈیل ہو چکی ہے کہ وہ ملک فوڈ انڈسٹریز کو اناج' فروٹ اور سبزیاں سپلائی کرنے کے لئے ملک آباد میں اپنی نگرانی میں زمینوں کی دیکھ بھال کرے گا۔ علاوہ ازیں ساحر نے اسے اپنی کمپنی کے تعمیراتی شعبے میں ایمان کی معاونت میں کام کرنے کی آفر بھی دے رکھی ہے۔ ایک ڈیڑھ سال میں آپ دیکھئے گا' وہ کس طرح اپنی شخصیت اور ہنر مندی کو منوالے گا۔ اس کی بدقسمتی یہ تھی کہ اسے اپنا آپ منوانے کا اختیار اور موقع ہی فراہم نہیں کیا گیا تھا۔

بھلے شادی کے لئے ایک ڈیڑھ سال کا وقفہ رکھ لیں تاکہ جب شہریال اس کی زندگی میں شامل ہو تو وہ ایک باعزت اور موثر مقام بنا چکے ہوں۔''

''واقعی۔ تجویز تو بہت اچھی ہے۔ میں شبیر بھائی اور انوار سے ڈسکس کر کے ملک بابا اور بڑی اماں کی رائے لوں گا۔''

''یاہو......!'' دروازے کے باہر کان لگا کر سنتے ساحر نے بے اختیار نعرہ بلند کیا اور اس کے ساتھ ہی اسے احساس ہوا کہ وہ ڈیڈی پر اپنی موجودگی ثابت کر چکا ہے چنانچہ اس سے پہلے کہ ڈیڈی اس تک پہنچتے۔ وہ جھینپتا ہوا اپنے کمرے میں غائب ہو گیا۔ توقیر صاحب نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔

O☆O

آج اظہر کا ولیمہ تھا۔ اس کی برات میں ساحر اور [illegible] کی برات کے بجائے ولیمے میں شرکت کو ترجیح دی تھی البتہ ایمان فاطمہ اور [illegible] شریک ہوئے تھے۔

آج ولیمے کے فنکشن میں پورے جوش وخروش سے شریک ہوئے تھے۔

''محسن انکل! آپ کو پتا ہے ہمارا ایڈریس بدل گیا ہے' اب ہم ایک بہت بڑے وائٹ پیلس میں شفٹ ہو گئے ہیں۔ وہاں بہت سے اولڈ کیریکٹرز بھی ہیں۔ ہمیں سکول چھوڑنے اور واپس لانے کے لئے وائٹ کرولا آتی ہے۔ وہاں بہت سارے سرونٹ اور میڈز کام کرتے ہیں۔'' ولی نے موقع پاتے ہی محسن کو اپنی تبدیلی قسمت کے بارے میں بتانا ضروری خیال کیا تھا۔

''اچھا' نہیں یار!'' محسن نے آنکھیں پھیلا کر جی بھر کے حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں بھئی۔'' ولی نے اسی سابقہ پُرجوش ٹون میں یقین دہانی کرائی' ''ایک اور بات بتاؤں؟'' اس نے سرگوشی کے عالم میں کہا اور رازداری کے طور پر اسے جھک کر کان پاس لانے کا اشارہ کیا۔

''ہاں ہاں بتاؤ۔'' محسن نے نیچے بیٹھ کر کان اس کی طرف کیا۔

''ہماری ماما کی شادی بھی ہونے والی ہے۔'' ولی کان میں سرگوشی کر رہا تھا' ''یہ بات مجھے مسعود انکل نے بتائی ہے۔ وہ کہتے ہیں' شادی کے بعد ساحر انکل ہمارے پاپا بن جائیں گے۔''

''بھئی واہ...... یہ تو تم نے بڑی انوکھی بات بتائی۔ محسن نے دیدے پھیلائے۔ ''ہمیں بلاؤ گے اپنی ماما کی شادی پہ......؟'' اس نے بھولپن سے پوچھا۔

''ماما سے پوچھ کر......'' ولی نے سچائی سے جواب دیا۔

محسن ہنس پڑا پھر ساحر لوگوں کو اٹینڈ کرنے آگے بڑھ گیا۔

''شکر ہے' ڈاکٹر صاحبہ کو فرصت ملی۔ ادھر تو لوگ دیدہ دل فرشِ راہ کئے ایک مدت سے منتظر بیٹھے تھے۔'' وہ شہریال کو دیکھ کر کن انکھیوں سے سکندر کو شوخ اشارے کر رہا تھا۔

سکندر جھینپ سا گیا۔

وہ اُڑتی پڑتی خبریں سن چکا تھا کہ اس کی جھولی میں آسمان کا چاند گرنے والا ہے اور یہ کہ وہ قسمت کی لکیروں سے اسے چرانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ناممکن' ممکن ہو گیا تھا۔

لاحاصل' حاصل بن گیا تھا۔

مگر ایک دھڑکا بہرحال دل میں شور مچا رہا تھا۔

''اس'' کا کیا ردِ عمل ہے؟

اب وہ ''ان'' کے بجائے ''اس'' کہہ کر اسے سوچنے لگا تھا۔

بڑی تگ و دو کے بعد بالآخر اسے علیحدہ گوشے میں ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

''شہریال بی بی! آپ سے کچھ بات کرنا تھی؟''

''ہاں کہو۔'' وہ سرخ اور سیاہ چنری پرنٹ کے نفیس شلوار سوٹ میں اپنے حسن کی تمام تر دلفریبیوں کے ساتھ اس کے سامنے تھی۔

''کیا آپ بزرگوں کے کئے گئے فیصلے پر دل سے رضامند ہیں؟ میں جانتا ہوں' میں آپ کے قابل نہیں ہوں کسی بھی اعتبار سے۔''

''مگر بن تو سکتے ہیں نا؟'' وہ دلکشی سے مسکرائی۔

''سب کچھ آپ کے پاس ہے۔ جائیداد' ذہانت اور ہنرمندی' اسے بروئے کار لائیں۔ ایک آدھ برس میں سارے فرق مٹ جائیں گے۔'' سکندر پر شادیٔ مرگ طاری ہوگئی۔

''آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔'' وہ والہانہ پن سے قدرے کھل کر اس سے وابستگی کا اظہار کرنے لگا۔

''آپ بھی خاصے حسین لگ رہے ہیں یوں شرماتے لجاتے۔'' پیچھے سے محسن نے فقرہ پکڑ لیا تھا۔ سکندر کے چہرے پر سچ مچ سرخی جھلک آئی تھی۔ شہریال بھی پزل سی ہوکر سائیڈ پر ہوگئی۔

''میں بالکل صحیح وقت پر آیا ہوں ورنہ ابھی یہاں غیراخلاقی حرکتیں شروع ہو جاتیں۔'' محسن شہریال سے مخاطب تھا۔

''یہ لونڈا آپ کا ہاتھ پکڑتا' آنکھوں سے لگاتا' دل پر رکھتا اور پھر......''

''ٹھہرو تو' اس سے آگے کی داستان میں بتاتا ہوں' اب میری باری ہے۔'' ایمان بھی آن ٹپکا تھا۔

''آج غنڈہ گردی نہیں چلے گی بڑے صاحب۔'' محسن نے دادا گیری کا سا انداز اپنا کر ایمان کو وارننگ دی جو اس کی گردن دبوچ چکا تھا۔

''چھوڑ دیں ایمان بھائی' وہ دیکھیں اس کی ''ہونے وا
لا'' ملاحظہ کر رہی ہیں۔''

سکندر نے فاکہہ کی طرف اشارہ کرکے سفارش کی جو بے
ے ادھر متوجہ ہوئی تھی۔

''اوئی اللہ' مجھے شرم آ گئی۔'' محسن جھٹ خود کو چھڑا کے سکند
میں کس قدر شرمیلا ہوں۔ خوامخواہ مجھے چھیڑتے ہیں۔ ہائے میں
وہ بڑبڑا رہا تھا۔

ہر طرف قہقہے تھے' خوشیاں تھیں' ہر گلاب چہرہ نکھر گیا تھا۔

ہر کسی کے دل میں پھول کھل رہے تھے۔

امیدوں کے۔

حوصلوں کے۔

اور آنے والے خوبصورت دنوں کے۔

❁❁❁